من احب سنتی فقد احبنی

سنت مبارکہ

[illegible]

[illegible]

[illegible]

مَنْ اَحْيَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحْيَانِیْ

سُنّتِ مبارکہ

عوام کی فہم کے مطابق سُنّتِ رسول ﷺ پر ایک آسان تحریر
اور یونیورسٹیوں کے طلباء کے لئے اعلیٰ درسی معیار کی کتاب

مصنف

حضرت پیر عبداللطیف خان نقشبندی علیہ الرحمۃ
خلیفہ مجاز نیریاں شریف (آزاد کشمیر)

نشان منزل پبلی کیشنز
نادر آباد نمبر 2، بیدیاں روڈ، لاہور۔ فون 03234848781 :042-35709606
Web: www.nishanemanzal.com eMail: nishanemanzal@gmail.com

جملہ حقوق بحق ناشر محفوظ ہیں

نام کتاب:	سنتِ مبارکہ
نام مصنف:	حضرت پیر عبداللطیف خان نقشبندی علیہ الرحمۃ
اشاعت اول:	اگست ۲۰۰۰ میں جنگ گروپ
اشاعت ثانی:	جون ۲۰۱۱
ناشر	احمد فضیل خان
تعداد:	1000
ٹائٹل:	طارق محمود نقشبندی
پبلشر:	نشان منزل پبلی کیشنز
صفحات:	640
قیمت:	[redacted] ٥٥٠ ر/
معاونت:	عارف جمیل، عاصم مجید خان، سلمان لطیف، لقمان لطیف شاہد ملک ایم۔ ڈی ٹریپل ایم، لاہور حماد، شوکت، سرفراز، اسلم اور واجد

ملنے کا پتے

نشانِ منزل پبلیکیشنز ، ادارہ نشان منزل (رجسٹرڈ)

نادر آباد نمبر 2، بیدیاں روڈ لاہور ۔ فون: 042-35709606

قرآن کریم

۱۔ ''وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَھٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَھُوْا'' (الحشر: ۷)

(اور جو کچھ رسول (ﷺ) تمہیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو)

۲۔ ''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ'' (النساء: ۹۵)

(اللہ کی اطاعت کرو اور سنت رسول کی اطاعت کرو)

۳. ''اِن کُنتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' (آل عمران: ۳۱)

(اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو تو اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا)

۴. ''قُلْ ھٰـذِہٖ سَبِیْلِیْٓ اَدْعُوْٓ اِلَی اللّٰہِ عَلٰی بَصِیْرَۃٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ'' (یوسف: ۱۰۸)

(آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف میں واضح دلیل پر ہوں اور (وہ بھی) جو میری پیروی کرتے ہیں)

۴. ''لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ'' (احزاب: ۲۱)

(بے شک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول ﷺ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے)

۵. ''وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْھَوٰیO اِنْ ھُوَ اِلَّا وَحْیٌ یُّوْحٰیO'' (النجم: ۳، ۴)

(اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے O اُن کا ارشاد سراسر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہے)

۲. ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْھِمْ رَسُوْلاً مِّنْ اَنْفُسِھِمْ یَتْلُوْ عَلَیْھِمْ آیَاتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتَابَ وَالْحِکْمَۃَ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلَالٍ مُّبِیْنٍ''

(حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب ان میں ان ہی کی جنس سے ایک پیغمبر کو مبعوث کیا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی (نفسانی) صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ اس سے قبل صریح غلطی پر تھے) (آل عمران: ۱۶۴)

احادیث مبارِکہ

۱۔ "مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحْیَانِیْ"

(جس نے میری سُنّت کو زندہ کیا تو گویا اس نے مجھے زندہ کیا)[۱]

۲۔ "مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَ مَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ"

(جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا)[۲]

۳۔ "فَاِنَّ خَیْرَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰهِ وَ خَیْرُ الْهُدٰی هُدٰی مُحَمَّدٍ ﷺ"

(سب سے بہتر کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے)[۳]

۴۔ "اَلَا اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْاٰنَ وَمِثْلَهٗ مَعَهٗ"

(مجھے قرآن عطا کیا گیا ہے اور اس کے ساتھ ایک اور چیز (سُنّت) بھی اس کے مثل دی گئی)[۴]

۵۔ "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ"

(تم میں سے کوئی شخص (سچا) مومن نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب (محترم) نہ ہوجاؤں)[۵]

۶۔ "مَنْ کَذَبَ عَلَیَّ مُتَعَمِّدًا فَلْیَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهٗ مِنَ النَّارِ"

(جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا" اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرے)[۶]

---

[۱] المعجم الاوسط، سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰ھ، جلد ۹، صفحہ ۱۶۹، دار الحرمین، القاھرہ۔

[۲] سنن الترمذی، ابو عیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹، حدیث نمبر ۲۶۷۸، جلد ۵، صفحہ ۴۶، دار احیاء التراث العربیہ، بیروت۔

[۳] صحیح مسلم، مسلم بن حجاج القشیری، متوفی ۲۶۱ھ، حدیث نمبر ۸۶۷، جلد ۲، صفحہ ۵۹۲، دار احیاء التراث العربیہ، بیروت۔

[۴] مسند احمد، احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، حدیث نمبر ۱۷۲۱۳، جلد ۴، صفحہ ۱۳۰، موسسۃ قرطبۃ، مصر۔

[۵] صحیح بخاری، محمد بن اسماعیل البخاری، متوفی ۱۹۴، حدیث نمبر ۱۵، جلد ۱، صفحہ ۱۴، دار ابن کثیر الیمامۃ، بیروت۔

[۶] صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۲۲۹، جلد ۱، صفحہ ۴۳۴۔

اقبالؒ اور قرآن وسُنّت

تو فرمودی رہ بطحا گرفتیم   وگرنہ جز تو مارا منزلے نیست

(آپ ﷺ نے فرمایا تو ہم نے مکہ مکرمہ کی راہ پکڑی، ورنہ آپ ﷺ کے سوا تو ہماری کوئی اور منزل ہی نہیں)

بمصطفیٰ برساں خویش راکہ دیں ہمہ اوست   گربأو نہ رسیدی تمام بولہبی است

(اپنے آپ کو حضور ﷺ تک پہنچادو کیونکہ آپ ہی تمام دین ہیں، اگر ان تک نہ پہنچے تو یہ کفر اور الحاد ہے)

ہست دینِ مصطفیٰؐ دینِ حیات   شرع اُو تفسیرِ آئینِ حیات

(حضور اکرم ﷺ کا دین ہی دینِ زندگی ہے، اور شرع محمد ﷺ آئینِ حیات کی تفسیر ہے)

عاشقی، محکم شود از تقلیدِ یار   تا کمندِ تو شود یزداں شکار

(اگر تو عاشق ہے تو معشوق کی تقلید کر کے قوی ہو جا، تا کہ تیری کمند سے یزداں (خدا) بھی شکار ہو جائے)

مقامِ خویش گر خواہی دریں دیر   بحق دل بند و راہ مصطفیؐ رو

(اگر اس دنیا کے بت خانے میں اپنا مقام چاہتے ہو، تو اللہ تعالیٰ سے دل لگاؤ اور حضور ﷺ کی اتباع کرو)

جنگ شاہانِ جہاں غارت گری است   جنگ مومن سُنّتِ پیغمبریؐ است

(دنیا کے بادشاہ لوٹ مار کے لیے جنگیں لڑتے ہیں، لیکن مومن کا جہاد آنحضور ﷺ کی سُنّت کی پیروی کرنا ہے)

شارعِ آئیں شناس خوب و زشت   بہر تو ایں نسخۂ قدرت نوشت

(جناب رسول پاک ﷺ نے جو خوب وزشت کے آئین شناس ہیں، تیرے لیے شریعت کا یہ نسخہ جو تجھے عمل پر قدرت عطا کرتا ہے، تحریر فرمایا)

گر زمینی آسماں سازد ترا   آنچہ حق می خواھد آں سازد ترا

(اگر تو پست ہے تو یہ (نسخۂ شریعت) تجھے آسمان جیسی بلندی عطا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ جو کچھ تم سے چاہتا ہے تمہیں وہی بنا دیتا ہے)

علم حق غیر از شریعت ہیچ نیست   اصلِ سُنّت جز محبت ہیچ نیست

(سچا علم شریعت کے علاوہ اور کچھ نہیں، اور سُنّت رسول پاک ﷺ کی بنیاد محبت کے علاوہ اور کچھ نہیں)

برگ و سازِ ما کتاب و حکمت است   ایں دو قوت اعتبارِ ملّت است

(کتاب وحکمت ہی ہمارا سرمایہ ہے، انہی دو قوتوں پر ملت کا دارومدار ہے)

ہر دو انعامِ خدائے لایزال   مومناں را آں جمال است، ایں جلال

(یہ دونوں ہی خدائے لایزال کے انعامات ہیں، مومنوں کے لیے ایک جمال ہے دوسرا جلال)

صاحبِ سُنّت ﷺ کا مقام اقبالؒ کی نظر میں

مصطفیٰؐ بحر است و موج اُو بلند   خیز و ایں دریا بجوئے خویش بند
(حضور اکرم ﷺ وہ بحر ہیں جس کی موجیں بلند ہیں، اٹھ اور اس بحر (کے فیضان) کو اپنی ندی میں سمیٹ لے)

ہر کہ از سرِّ نبیؐ گیرد نصیب   ہم بہ جبریلِ امیں گردد قریب
(جو شخص نبی کریم ﷺ کے راز (شریعت) سے حصہ پاتا ہے وہ جبرئیلِ امین (جو حکمت کی علامت ہیں) کے بھی قریب ہو جاتا ہے)

از تو بالا پایۂ ایں کائنات   فقرِ تو سرمایۂ ایں کائنات
(اس کائنات کا مرتبہ آپ ﷺ کی وجہ سے بلند ہوا، آپ ﷺ کا فقر کائنات کی دولت ہے)

در جہاں شمع حیات افروختی   بندگاں را خواجگی آموختی
(آپ ﷺ نے جہاں میں زندگی کی شمع روشن کی اور غلاموں کو آقائی سکھائی)

در جہاں وابستۂ دینش حیات   نیست ممکن جز بآئینش حیات
(دنیا میں زندگی آپ ﷺ کے دین سے وابستہ ہے، آپ ﷺ کے آئین کے بغیر زندگی ممکن نہیں)

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید   وز رسالت در تنِ ما جاں دمید
(اللہ تعالیٰ نے امتِ مسلمہ کا پیکر تخلیق فرمایا اور رسالت سے ہی ہمارے بدن میں جان پھونکی)

از رسالت در جہاں تکوینِ ما   از رسالت دینِ ما آئینِ ما
(دنیا میں ہماری تخلیق رسالت سے ہی ہوئی ہے، اور ہمارا دین و آئین بھی رسالت سے ملا ہے)

دینِ اُو آئینِ اُو تفسیرِ کُل   در جبینِ اُو خطِ تقدیرِ کُل
(حضور ﷺ کا دین اور آئین ہر چیز کی تفسیر ہے، آپ ﷺ کی جبینِ مبارکہ میں پوری تقدیر کی لکیر موجود ہے)

در جہاں اسرارِ دین را فاش کن   نکتۂ شرع مبین را فاش کن
(باہر نکل دین کا راز فاش کر اور شرع مبین کا نکتہ فاش کر)

بر عیارِ مصطفیٰؐ خود را زند   تا جہانے دیگرے پیدا کند
(مسلمان جناب رسول پاک ﷺ کے معیار پر اپنے آپ کو پرکھتا ہے، تا کہ وہ ایک نیا جہاں وجود میں لائے)

باز اے آزادِ دستورِ قدیم   زینتِ پا کن ہماں زنجیرِ سیم
(اے پرانے آئین (شریعت) سے آزاد شخص، اپنے آپ کو اس نقرئی زنجیر کا پابند بنا)

ہر کہ تسخیرِ مہ و پرویں کند   خویش را زنجیریِ آئیں کند
(ہر وہ شخص جو چاند اور ستاروں کے جھرمٹ کو مسخر کرتا ہے، وہ اپنے آپ کو قانون کا پابند بنا لیتا ہے)

تا شعارِ مصطفیٰؐ از دست رفت   قوم را رمزِ بقا از دست رفت
(جب قوم کے ہاتھوں سے حضور ﷺ کا طریقہ (سُنّت) چلا گیا تو گویا قوم نے اپنی بقا کا راز کھو دیا)

مقامِ سُنّت اور اقبالؒ

دینِ فطرت از نبیؐ آموختیم   در رہ حق مشعلے افروختیم
(ہم نے اسلام کا دستور رسول اکرم ﷺ سے سیکھا، اور خدا کی راہ میں مشعلِ توحید روشن کی)

پس خدا برما شریعت ختم کرد   بر رسولؐ ما رسالت ختم کرد
(اللہ تعالیٰ نے ہم پر شریعت ختم کردی، ہمارے رسول ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے رسالت ختم کردی)

ایں گہر را خود خدا گوہر گراست   ظاہرش گوہر بطونش گوہر است
(شریعت ایسا موتی ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، اس کا ظاہر بھی موتی ہے اور باطن بھی موتی)

طینتِ پاک مسلمان گوہر است   آب و تابش ازیم پیغمبرؐ است
(مسلمان کی پاک فطرت مانندِ گوہر ہے، اور اس کی آب و تاب نبوت کے دریا سے ہے)

باتو گویم سرِ اسلام است شرع   شرع آغاز است و انجام است شرع
(میں یہ کہتا ہوں کہ اسلام کا راز شرع ہے، شرع ہی سے اس کا آغاز ہے اور شرع ہی پہ اس کا انجام ہے)

از مقامِ مُصطفیؐ آگاہ شو   فارغ از اربابِ دون اللہ شو
(حضور ﷺ کے پیغام کو سمجھ لے، اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور جتنے آقا ہیں ان سے فارغ ہو جا)

عقل را او صاحبِ اسرار کرد   عشق را او تیغ جوہر دار کرد
(آپ ﷺ نے عقل کو صاحب اسرار کیا اور آپ ﷺ ہی نے عشق کو تیغ جوہر دار کیا)

ملّت از آئینِ حق گیرد نظام   از نظامِ محکمے خیزد دوام
(ملت کو بھی شریعت ہی سے نظام حاصل ہوتا ہے، اور نظامِ محکم اسے دوام عطا کرتا ہے)

فرد را شرع است مرقاتِ یقیں   پختہ تر از وے مقامات یقین
(فرد کے لیے شرع ایمان کا زینہ ہے، اسی سے ایمان کے مقامات میں پختگی آتی ہے)

مصطفیؐ داد از رضائے اُو خبر   نیست در احکامِ دیں چیزے دگر
(حضور اکرم ﷺ نے اللہ کی رضا کی ہی خبر دی ہے، احکامِ دین میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے)

از شریعت احسنُ التقویم شو   وارثِ ایمانِ ابراہیمؑ شو
(احکام شریعت کی پابندی کر کے احسن التقویم کا مصداق بن جا، اور ایمانِ ابراہیم کا وارث بن جا)

در جہاں زی چوں رسولِ انس و جاں   تا چو اُو باشی قبولِ انس و جاں
(دنیا میں رسول پاک ﷺ کی سُنّت کے مطابق زندگی بسر کر، تا کہ تو بھی ان کی مانند انس و جن کا محبوب بن جائے)

باز خود رابیں ہمیں دیدارِ اوست   سُنّتِ اُو سرّے از اسرارِ اوست
(پھر اپنے آپ کو دیکھ، یہی آپ کا دیدار ہے، آپ ﷺ کی سُنّت ہی آپ کے اسرار کا ایک سر ہے)

کس نہ گردد در جہاں محتاج کس   نکتۂ شرع مبیں ایں است و بس
(شرع مبین کا نکتہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی انسان کسی کا محتاج نہ ہو)

انتساب

بنام

حضور پُرنُور محمد مصطفیٰ ﷺ

وجُملہ خواجگانِ نقشبند

حضرت صدیق اکبر ؓ تا خواجۂ مخدومِ مَن قبلہ پیر حضرت علاّمہ علاؤ الدین صدیقی غزنوی مدظلہ العالی، سجادہ نشین، دربار نیریاں شریف، تراڑخل آزاد کشمیر...... اور اِس فقیر کے محبوب قومی شاعر علامہ اقبالؒ اور میرے درویش والدین رَحِم اللہ علیہما جن کی فیض رَس نگاہوں نے مجھے ملّت وقوم کی خدمت کے قابل بنایا۔

خادمُ الفقراء
عبداللطیف خان نقشبندیؒ

کتاب کے مطالعہ کے لیے اشارات

۱۔ وہ مضامین جو قارئین کی خصوصی توجہ کے طالب ہیں سطروں کے نیچے لکیر کھینچی گئی ہے۔

۲۔ قارئین اپنی معلومات اور یادداشت کے لیے مخصوص عبارات پر نشان لگالیں تو انہیں ثانوی مطالعہ میں مدد ملے گی۔

۳۔ التماس ہے کہ اس کتاب کو خود پڑھنے کے بعد بالائے طاق نہ رکھا جائے بلکہ اپنے بچوں اور دوستوں کو پڑھنے کے لیے دیتے رہیں۔ اس کا اجر بھی آپ کو ہی ملے گا۔

۴۔ کچھ صاحب استطاعت لوگ اگر خواہش مند ہوں تو اس کتاب کی مزید اشاعت کروا کے سستے داموں تقسیم کریں۔ مصنف کی اجازت بہر حال ضروری ہوگی۔

۵۔ اہلِ حکومت اور صاحب ثروت لوگوں سے اپیل ہے کہ مصنف کی کتاب ''نشانِ منزل'' میں مذکور تین اور پانچ روزہ درسوں کا سلسلہ جاری کروائیں کیونکہ اس کتاب میں بیان کردہ طریقہ بہت موثر ثابت ہوا ہے۔

اس کتاب کے مخصوص سیلز پوائنٹ (پاکستان)

(عام دکانوں کے علاوہ)

(۱) ادارہ نشانِ منزل، نادر آباد کالونی، بیدیاں روڈ، لاہور کینٹ، ٹیلیفون: 0423570960 / 0323-4878481

(۲) فیروز سنز لاہور، راولپنڈی، پشاور، کراچی

(۳) سنگ میل پبلشرز

(۴) مکتبہ ضیاء القرآن، لاہور اور راولپنڈی

(۵) نوری کتب خانہ، نزد دربار داتا گنج بخش، لاہور

(۶) نشان منزل پبلیکیشنز۔ شاپ نمبر ۳، عمر مارکیٹ، جی ۱۰/۴، اسلام آباد۔03235083640

(۷) خزینۃ العلم وادب، اردو بازار، لاہور 04237211468

(۸) احمد بکس اینڈ پبلیکیشنز، کمیٹی چوک، راولپنڈی

(۹) ویلکم بک سیلر، اردو بازار، کراچی 02132633151

(۱۰) البلال بکس، اردو بازار، کراچی 0213263264

(۱۱) فرید بکس اردو بازار، کراچی 02132770057

(۱۲) سعید بکس، اسلام آباد۔

(۱۳) سعید بکس پشاور، ٹیلیفون 0915273761

(۱۴) جہانگیر بکس ملتان ٹیلیفون 0614781781

(۱۵) بیکن بکس گلگشت کالونی ملتان

(۱۶) بک گیلری، جناح روڈ کوئٹہ، ٹیلیفون: 08184323229

(۱۷) بک لینڈ، جناح روڈ کوئٹہ، ٹیلیفون 0812824295

(۱۸) بکس اینڈ بکس، ایبٹ آباد، ٹیلیفون۔ 0592130088

(۱۹) بنگش بکس، سیالکوٹ

اس کتاب کے مخصوص سیلز پوائنٹ (بیرون ممالک)

(20)Arif Jamil Khan,1435East gateway Pleasanton,CA94566. Tele. 0015105798668.

(21) Salman Latif Khan,5667 Wilkie Place,Freemonte, CA 94538 Telephone 0015106769886.

(22)Luqman Latif Khan 103 - 615 Hamilton Street,New Westminster, BC V3M 7A7. Telephone 0017788381365.

(23) Tahir Ayub, Toronto, Telephone 0014168225590. (24)Asif Zaman, Bredford, England. Tel 00447832930285:

تشکّر

میں عاصم مجید خان صاحب کا بے حد ممنون ہوں کہ اس کتاب کی تکمیل کے آخری مراحل تک آپ کی کوششیں اور جانفشانیاں باقاعدہ شاملِ حال رہیں۔ اس وقت تک ''نشانِ منزل''، ''بیعت کی تشکیل و تربیت''، ''حضورِ قلب''، ''رابطۂ شیخ''، ''حسنِ نماز''، ''مجلسِ اقبال'' اور زیرِ نظر کتاب ''سنتِ مبارکہ'' زیورِ طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں اور ان سب کی اشاعت میں آپ کی ہی پیہم کاوشوں کا ثمر متمیز نظر آ رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ آپ کی خدمات اور کوششوں کو قبول فرمائے اور زندگی کے ہر پہلو میں آپ کی اعانت فرمائے۔ آمین

میں جناب شاہد ملک صاحب، ایم ڈی، ٹرپل ایم اے کا بھی بے حد ممنون ہوں کہ آپ نے ان کتابوں کی اشاعت کے لیے کچھ علماء کی خدمات مہیا فرمائیں اور کچھ تبلیغی رسائل کی اشاعت کا خرچہ اپنے ذمے لیا۔ ان حضرات کے علاوہ، میں محترمہ تسنیم مجید پرنسپل (ر) فاطمہ جناح میڈیکل کالج لاہور اور جناب عبدالمجید خان ملٹری اکاؤنٹنٹ جنرل (ر) کا بھی ممنون ہوں جنہوں نے ان کتابوں میں سے کچھ کتب کی ورق گردانی میں اپنا قیمتی وقت صرف کیا۔ اللہ تعالیٰ ان سب کی کوششوں کو قبول فرمائے۔ آمین۔

خادم الفقراء
پیر عبداللطیف خان نقشبندی
سابق ڈائریکٹر محکمہ موسمیات لاہور

فہرست

حمد از مصنف ۳۵
نعت از مصنف ۳۶
نظم از مصنف ۴۲
منقبت ۴۴
نظم از مصنف ۴۵
تلقین روحانی مریدوں کے نام ۴۶
عرضِ ناشر از کرنل احمد فضیل خان ۴۷
مقدمہ ۵۳
تأثرات قبلہ پیر حضرت علامہ علاؤالدین صدیقی غزنوی مدظلہ العالی، ۵۸
تقدیم (نقل) از حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ ۶۰
غرض تالیف ۶۴

باب اوّل

سُنّتِ مُبارک ۶۵
مقامِ سُنّتِ رسول ﷺ ۶۵
تعارفِ سُنّت ۶۶
معلومات جو سُنّت سے میسر ہوتی ہیں ۶۷
سُنّت کیا ہے؟ ۶۸
سُنّت کا اصطلاحی مفہوم ۶۹
(i)سُنّت بمقابلہ بدعت (ii) فقہاء کی اصطلاح ۶۹
(iii)سُنّت اصولِ فقہ کے اعتبار سے ۶۹

سنت کی اقسام

سُنّت کا عمومی مفہوم ۷۰
سُنّت کا نزول قرآن کی طرح حضرت جبرئیلؑ کی وساطت سے ہوا ۷۱

سُنّت زندگی گزارنے کا کھلا راستہ ۷۱
حضور ﷺ اور صحابہ کرام کا راستہ واضح دلیل سے ثابت ہے ۷۲
بزرگانِ اسلام کے دلوں میں سنن اور مستحبات کا اہتمام ۷۳
نماز میں سنن مؤکدہ کو نہ ادا کرنا قابلِ مواخذہ ہے ۷۴
حدیث اور سُنّت کے درمیان فرق ۷۵
سُنّت قرآن کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا سرچشمہ ۷۶
ہدایتِ شرعی کا مرکز حضور ﷺ ہیں ۷۸
ہر سُنّت قابلِ عمل ہے نہ کہ ہر حدیث ۷۹
کتاب وسُنّت کے معنی جو صوفیاء بیان کرتے ہیں ۷۹
رسول اللہ ﷺ کی چند پسندیدہ سُنّتیں۔ سُنّت ایک مستقل علم ہے۔ احادیث اِتباعِ سُنّت ۸۱
انسانوں کے قلوب علم کے سرچشمے ہیں ۸۳
سنت ایک مستقل علم ہے ۸۴
سُنّت نبوی ﷺ معتزلہ، خوارج اور اہل تشیع کی نظر میں ۸۵

دوسرا باب

سُنّت کی اصل وحی الٰہی ہے ۸۷
نزول وحی کے طریقے ۸۷
سُنّت وحی الٰہی ہونے کا قرآنی ثبوت ۸۸
مَتْلُوْ اور وحی غیر مَتْلُوْ کا فرق ۸۸
وحی غیر مَتْلُوْ کا ثبوت قرآن کریم سے ۸۹
سُنّت مُنَزَّلٌ مِنَ اللہ ہے اور وحی خداوندی ہے ۹۱
سُنّت کے مُنَزَّلٌ مِنَ اللہ ہونے کے اور دلائل ۹۳

تیسرا باب

حدیث کا قرآن سے تعلق ۹۵

حدیث کیا ہے؟ ۹۵
حدیث، حَدَث اور حُدُوث میں فرق ۹۶
حدیث کا قرآن سے باہمی تعلق موجود ہے ۹۷
قرآن پر عمل کرنے کے لیے افہامِ سُنّت ضروری ہے (مع تمثیلات) ۹۹
رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق عمل کرنا قرآن کا منشاء ہے ۱۰۱
سُنّت شارعِ دین کا حکم ہے (نماز اور زکوٰۃ کے احکام کی وضاحت) ۱۰۲
آپ ﷺ کا فرمان قرآن کا فرمان ہے ۱۰۳
کچھ چیزوں کا حرام ہونا قرآن میں نہیں ۱۰۴
سُنّت رسول ﷺ کی تشریعی حیثیت (طہارت، جنابت، وضو، پاک اور حرام ۱۰۴
چیزوں کے احکام، رشتوں کی نشاندہی جو نکاح کے لیے حرام ہیں، حج کے احکام ۱۰۵
اور واجبات حج کی تشریح) ۱۰۶
سُنّت قرآن کی شرح بیان کرتی ہے ۱۰۷
رسول اللہ ﷺ نے قرآنی آیات کی قولی اور عملی تشریح فرمائی ۱۰۷
چند اُن آیات کی وضاحت جو عام فہم نہ تھیں (سورۃ النساء، توبہ، ۱۰۸
الانشقاق، الانعام وغیرہ کی وضاحت) ۱۰۹
چند وہ قرآنی مسائل جن کا حل حدیث کے بغیر ممکن نہیں (عمران بن حصینؓ اور ۱۰۹
مطرف بن عبداللہؒ کا استدلال) قرآن اور سُنّت کا باہمی ربط، مہینوں کی گنتی، چوری
کی سزا، بدیل کے وارثوں اور تمیم داری کے فیصلے، وضو اور تیمم کے احکامات
حدیث کے بغیر قرآن فہمی ممکن نہیں ۱۱۲

چوتھا باب

حدیث وسنت کی حجیت اور بالادستی ۱۱۳
خلیفہ اوّل کی مثال (حضور ﷺ کی جانشینی اور تدفین کا مسئلہ، جمع قرآن، ایک ۱۱۳
صحابیہ کی میراث کا مسئلہ، پارسیوں کا جزیہ اور حضرت عثمانؓ کی بیعت پر صحابہ کی
شرائط) ایمان کا معیار سُنّت کی پیروی میں ہے ۱۱۶

سیرتِ مصطفویؐ کی پیروی ہی سرچشمۂ ایمان ہے ۱۱۷
مخالفتِ سُنّت ، سببِ عذابِ آخرت ۱۱۷
ترکِ سُنّت باعثِ محرومیٔ کوثر ہے ۱۱۷
اپنی زندگی کے متعلق حضور ﷺ کے ارشادات (ذاتی کوائف اور احوال، چہرۂ ۱۱۸
مصطفیٰ ﷺ کی وجاہت) آپ کا لباس، وضع قطع و آرائش، رفتار، ۱۱۹
طرزِ تکلم، عام سماجی رابطے، خالص نجی زندگی، اکل و شرب، جذبات، گھریلو ماحول ۱۲۱

پانچواں باب

سُنّت رسول ﷺ میں تعمیرِ شخصیت (انسان کو دینِ فطرت پر پیدا کیا گیا) ۱۲۲
تعمیرِ شخصیت کے لیے اخلاقِ مذمومہ کی تطہیر ۱۲۴
سُنّت نبوی ﷺ کی پیروی سے انسان کی نفسیاتی صحت میں توازن قائم ہوتا ہے ۱۲۵
سُنّت رسول ﷺ اور نفسیاتی علاج ۱۲۶
سُنّت رسول ﷺ میں غور و فکر کرنا بھی شامل ہے ۱۲۶

چھٹا باب

حضو ﷺ بااختیار شارع کی حیثیت سے ۱۲۸
رسول اللہ ﷺ کے اختیارات کا انکار گستاخی ہے ۱۳۰
حِلّت اور حرمت میں حضور ﷺ کا فیصلہ آخری فیصلہ تسلیم کیا جاتا ہے ۱۳۰
حدیث شریف قرآن کی طرح ہی واجب العمل ہے ۱۳۱
کسی کو جنت یا دوزخ دینا نبی ﷺ کے اختیار میں بھی ہے ۱۳۲
حضور ﷺ کے ہر حکم کی اتباع ضروری ہے خواہ وہ عمومی حکم کے خلاف ہی کیوں نہ ہو ۱۳۳
حضور ﷺ کی اطاعت مطلق واجب ہے ۱۳۴

ساتواں باب

مقام سُنّت صاحب سُنّت کی نظر میں ۱۳۵
سُنّت کے پانچ بنیادی مقاصد (۱) دین (۲) جان (۳) عقل (۴) نسل اور ۱۳۸

(۵) صورتِ اور حقیقتِ شریعت ۱۳۹

آٹھواں باب

پابندی سُنّت کی عظمت آئمہ اسلام کی نظر میں ۱۴۱
ابو سلیمان ورانیؒ، المحاسبیؒ، سہل تستریؒ، جنید بغدادیؒ، ابوحمزہؒ، ابن عطاءؒ، عبداللہ ۱۴۲
بن منازلؒ، ابوبکر طمستانیؒ، ابوالقاسم قشیریؒ، امام نوویؒ، شیخ شہاب الدینؒ، شیخ ۱۴۴
عبدالغفار قوصیؒ اور اتباعِ سُنّت، حضرت ابراہیم دسوقیؒ اور مقام سُنّت، شیخ علی بن ۱۴۷
شہابؒ، حضرت محمد عنانؒ، حضرت ابوبکر حدیدیؒ اور اِتباعِ سُنّت، حضرت ابنِ داؤد ۱۴۸
منزلاویؒ، حضرت امام شعرانیؒ، ابنِ عربیؒ، حضرت علی الخواصؒ، شیخ بقاؒ، شیخ عبدالقادر ۱۵۰
جیلانیؒ، شیخ احمدؒ، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، ۱۵۳
حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت ابوعلی شفیقؒ، حضرت ابوبکر محمد بن عمرو رزاقؒ، ۱۵۴
شیخ ابوالحسن عبداللہ بن مبارکؒ، حضرت مجدد الف ثانیؒ، بشر حافیؒ، ۱۵۵
حضرت سہیلؒ، شیخ علی بن ابی بکرؒ، حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ کے اقوال ۱۵۶

نواں باب

سُنّت رسول ﷺ پر چند مزید آئمہ کے اقوال ۱۵۸
صوفیائے کرام کی نظر میں سُنّت نبوی ﷺ کی اہمیت وضرورت ۱۵۸
خلفائے راشدین اور محدثین کے جاری کردہ اہمیتِ احادیث پر بیانات ۱۵۸
(حضرت ابوبکر صدیق ؓ، حضرت عمر ؓ، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ، ۱۵۹
حضرت امام مالکؒ، حضرت امام ابوحنیفہؒ) ۱۵۹
سُنّت رسول ﷺ پر چند مزید آئمہ کے نظریات ۱۶۱
(ابراہیم بن ادہمؒ، ذوالنون مصریؒ، حضرت سہلؒ، عبدالوہاب ثقفیؒ، شاہ کرمانیؒ، ۱۶۱
سلیمان درانیؒ، ابراہیم تیمیؒ، امام شافعیؒ، احمد بن حنبلؒ، حضرت داتا گنج بخشؒ، حضرت ۱۶۲
مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ ولی اللہؒ، شیخ محمد عبدہؒ، علامہ رشید رضا، علامہ اقبالؒ،
امام ابنِ تیمیہؒ)

دسواں باب

بدعت کیا ہے؟ (بحوالۂ خصوصی حضرت مجدد علیہ الرحمہ) ۱۷۱

حضرت شیخ عبدالحق محدثؒ دہلوی و دیگر علماء کی آراء ۱۷۲

امام ربانیؒ کے نزدیک بدعت کیا ہے؟ ۱۷۳

امام ربانیؒ کے بدعت سے متعلق ایک مکتوب کا اقتباس ۱۷۶

اِتباعِ شریعت کا ہونا اور بدعت سے اجتناب ۱۷۷

قرآن میں احکامِ شریعت، امام ابوحنیفہؒ کا اجتہاد اور تصوف کا شریعت پر مدار ہونے پر حضرت مجددؒ کا اظہار خیال ۱۷۹

فرقہ بندی پر حضرت مجددؒ کے کلام کا خلاصہ ۱۸۳

گیارھواں باب

سُنّت حضرت مجددؒ علیہ الرحمہ کی نظر میں ۱۸۶

نجات کا راستہ اہلِ سُنّت و جماعت کی اطاعت میں ہے ۱۸۶

حضور ﷺ کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے اور اس کی مخالفت کے تمام راستے بند ہونا ضروری ہیں ۱۸۸

ولایتِ کبریٰ کا درجہ سُنّت کی کامل پیروی میں ملتا ہے ۱۸۸

عبادت جو متابعت کے نور سے روشن نہیں وہ جو کے برابر بھی نہیں ۱۸۹

یہ اللہ کا کرم ہے کہ شرعی امور میں آسانیاں رکھی گئی ہیں ۱۸۹

مکتوباتِ ربانیؒ کی عبارات کے چند اقتباسات ۱۹۰

(i) مردہ سُنّت کو زندہ کرنا (ii) محفوظ راستہ اہلِ سُنّت و جماعت کا ہے ۱۹۰

(iii) رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے (iv) تمام کمالات کا ۱۹۰

حصول اطاعتِ نبی ﷺ میں ہے (v) اتباعِ رسول ﷺ میں معارف اور ۱۹۲

احوال بارش کی طرح برستے ہیں (vi) حضور ﷺ کی اتباع تمام نعمتوں سے ۱۹۲

کئی درجے بہتر ہے (vii) کسی شخص کی فضیلت متابعتِ شریعت سے وابستہ ۱۹۳

ہے (viii) سُنّت تو کجا ایک مستحب بجالانا بہت بڑی بات ہے (ix) جواہر ۱۹۳

خمسہ کا ادراک سُنّت پر ہے (x) طریقت اور حقیقت سب شریعت کے خادم ۱۹۴
(xi) محبوب کی اطاعت سے محبوبیت کا درجہ ملتا ہے (xii) ایک شرعی حکم پر ۱۹۴
عمل کرنا اللہ کی راہ میں کروڑوں روپے خرچ کرنے سے اور ہزاروں چلّوں سے ۱۹۴
بہتر ہے (xiii) غیر شرعی ریاضتیں سب مردود ہیں ۱۹۵
حضرت مجددؒ کے ہر کام میں سُنّت کا اہتمام ۱۹۶
(مریض کی عیادت، نمازِ جنازہ، نمازِ جمعہ و جماعت و نمازِ پنجگانہ اور نمازِ عیدین) ۱۹۶

بارھواں باب

سُنّت رسول ﷺ علامہ اقبالؒ کی نظر میں (کتاب و سُنّت، آئینِ حیات کی تفسیر ہے) ۱۹۸
رسول اللہ ﷺ کی اتباع کے بغیر آپ ﷺ کی محبت کا ۲۰۰
دعویٰ باطل ہے (لفظ تقلید کی بحث) تقلید مذمومہ پر علامہ کی مخالفت ۲۰۳
شرعِ رسول ﷺ آئینِ حیات کی تفسیر ہے اور حضور ﷺ کا ہر کلام وحیِ الٰہی ہے ۲۰۶
حضور ﷺ کی اتباع کے بغیر زندگی کی راہیں طے نہیں ہو سکتیں ۲۰۷
علمِ حق سوائے شریعت کے اور کچھ نہیں، یہ وہ گوہر ہے جسے خدا نے خود بنایا ہے ۲۰۹
اسلام کا آغاز اور انجام شرع ہے اور شرع ہی اسلام کی کامیابی کا راز ہے ۲۱۱
مسلمانوں کا ساز و برگ کتاب و سُنّت ہے، یہ دونوں ملّت کی شہ رگ ہیں ۲۱۳
مسلمان کا دین قرآن و سُنّت سے مستحکم ہوتا ہے ۲۱۴
رسالت مآب ﷺ کی محبت اور اطاعت کے بغیر انسان میں تخمِ کردار نہیں پھوٹتا ۲۱۵
اصل شریعت محبتِ رسول ﷺ کے سوا کچھ نہیں ۲۱۶
اسرارِ شریعت کو پا لینے کے بعد انسان احسن التقویم کا حامل اور ایمانِ ابراہیم کا وارث بن جاتا ہے ۲۱۷
حضور رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں دین و دنیا کی پناہ ملتی ہے ۲۲۰
حضور ﷺ کا وجود کتاب و سُنّت سے منور ہے اور آپ ﷺ کے عشق نے ذروں کو طلوعِ آفتاب بنا دیا ۲۲۱
کتاب و سُنّت سے تمسک بغیر عشقِ مصطفیٰ ﷺ ممکن نہیں ۲۲۴
مسلمانوں نے جب سے اتباعِ رسول ﷺ کو چھوڑا تو رمزِ بقا ان کے ہاتھ سے نکل گئی ۲۲۵
مسلمانوں کے ضعفِ ایمان سے ابلیس بھی نالہ کناں ہے ۲۲۷

نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے اور اتباعِ کتاب وسنت میں ہی مسلمانوں کی بقا ہے ۲۲۹
صاحبِ شریعت سے اپنا تعلق منقطع نہ کرو ۲۳۲
تازہ کن با مصطفیٰ ﷺ پیمانِ خویش (مصطفیٰ تک خود کو پہنچا دینا ہی دین ہے) ۲۳۳
جب تک محمد ﷺ کا رنگ دوئی نہ ہو تو آپ ﷺ پر درود پڑھنا بھی مناسب نہیں ۲۳۴
اگر دنیا میں کوئی مقام چاہتے ہو تو اللہ سے دل لگاؤ اور حضور ﷺ کی اتباع کرو ۲۳۵
مسلمانوں کا سب سے بڑا جہاد سنت پیغمبری کی اتباع کرنا ہے ۲۳۶
حضور ﷺ کے ساتھ وابستگی میں ملتِ اسلامیہ کا قیام ہے ۲۳۷
رسول اللہ ﷺ کاروانِ شوق کی منزل ہیں ۲۳۹
نبی آخر زماں ﷺ کے دیدار کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کا حکم خود پر جاری کیا جائے ۲۴۰
قرآن وحدیث میں گم ہو کر ذرا اپنے اندر نظر ڈال کر دیکھ ۲۴۱
ابلیسی طاقتیں شرعِ پیغمبر سے خائف ہیں ۲۴۳
مسلمانوں کے زوال کا سبب سنت سے روگردانی ہے ۲۴۵
مسلمانوں کے انحطاط کا علاج اطاعتِ رسول ﷺ کے سوا کچھ اور نہیں ۲۴۷

تیرھواں باب

اِتباعِ رسول ﷺ ۲۵۳
اطاعت میں حکم کی تعمیل ہے مگر اتباع میں جذبۂ عشق ہے ۲۵۴
اللہ تعالیٰ ان کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے جو حضور ﷺ کی اِتباع کرتے ہیں ۲۵۴
اِتباعِ سنت قرآنی دلائل کی روشنی میں ۲۵۶
اطاعت اور اِتباع ہر حکم اور ہر عمل میں ہے ۲۵۹
سنت کی اِتباع ہر حکم اور ہر عمل میں ہے ۲۶۰
سنت کی اتباع کے بعد کسی غیر شرعی مشقتوں کی حاجت نہیں رہتی ۲۶۱
اِتباع کے بغیر اسلام متصور نہیں ۲۶۱
اتباع صرف حضور ﷺ کی ہی ہوگی ۲۶۲
قرآن نے ملتِ ابراہیم کی اتباع کا حکم کیوں دیا؟ ۲۶۳

حضور ﷺ وحی کے متبع ہیں مطیع نہیں اور ہم آپ ﷺ کے متبع بھی اور مطیع بھی ہیں ۲۶۴

اِتباع حکمت سے مراد سُنّتِ نبوی کی اتباع ہے ۲۶۵

اللہ سے محبت کرنے والے وہی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرتے ہیں ۲۶۶

اقتداء اور اتباع میں فرق ۲۶۸

عملِ نبی ﷺ اور سنت نبی ﷺ میں فرق ۲۶۸

اِتباع کا لغوی اور شرعی معنیٰ ۲۶۸

محبتِ رسول ﷺ کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں ۲۶۹

متابعتِ سُنّت کے سات درجات ۲۷۰

چودھواں باب

اطاعت رسول ﷺ ۲۷۲

حدیثِ نبوی ﷺ میں اطاعت کی وضاحت ۲۷۳

اطاعتِ رسول ﷺ کی علامتی وضاحت ۲۷۴

ہر چیز کی محبت کی علامت ضرور ہوتی ہے؟ ۲۷۴

اطاعتِ رسول ﷺ پر منکرین کے اعتراضات کے جوابات ۲۷۵

تمام عبادات کا وقت مقرر ہے مگر اطاعتِ رسول ﷺ ہر وقت ضروری ہے ۲۷۶

مخالفتِ رسول ﷺ اور مخالفتِ اجماع کفر ہے ۲۷۷

عشق، اطاعت سے افضل ہے ۲۷۷

اطاعت تو ہر رسول کی تھی مگر رسول مکرم ﷺ کی ہمسری ممکن نہیں ۲۷۸

اطاعت اللہ تعالیٰ کی نبی اکرم ﷺ اور بزرگوں کی ہے مگر اتباع صرف نبی ﷺ کی ہے ۲۷۹

عبادت اور اطاعت میں بنیادی فرق ہے ۲۷۹

اطاعت کا دوہرا ثواب ملتا ہے ۲۸۰

ظاہری اطاعت پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بخوشی اطاعت کرنا روحِ ایمان ہے ۲۸۱

نبی ﷺ کی اطاعت سب جہانوں پر واجب ہے ۲۸۲

اطاعت کسی انسان یا کسی چیز کی بھی ہو سکتی ہے ۲۸۲

جو آیات حضور ﷺ کی شان میں تھیں ان پر آپ ﷺ کے لیے عمل ضروری نہ تھا ۲۸۳

اطاعتِ رسول ﷺ قرآنی دلائل کی روشنی میں ۲۸۳

رسالت مآب ﷺ کے اعمال طیبہ کی پابندی ۲۸۵

سنت و اطاعت رسول ﷺ کی اہمیت ۲۸۶

اطاعت کرو خواہ امیر حبشی ہی کیوں نہ ہو ۲۸۷

پندرھواں باب

اُسوۂ حَسنہ ۲۸۹

آپ نے مشکل وقتوں میں بھی عملی نمونہ پیش کیا ۲۹۲

حضور ﷺ مصافِ زندگی کے ہر پہلو میں کامل نمونہ تھے ۲۹۳

آپ ﷺ کے اوصاف کسی میں موجود نہ تھے ۲۹۵

حضور ﷺ کی ذات مبارکہ پوری کائنات میں منفرد ہے ۲۹۶

آپ ﷺ کی ذات بزرگ تر اور قابلِ اتباع ہے ۲۹۷

خُلق کیا ہے اور صاحب خلق عظیم ﷺ کے خُلق کی شان ۲۹۷

حضور ﷺ کی عظمتِ خُلق کے قریب کوئی نہیں پہنچ سکتا ۳۰۰

اخلاقِ حَسنہ، حقیقتِ اخلاق، کیا اخلاق پیدا کیے جا سکتے ہیں؟ ۳۰۳

اخلاقِ حَسنہ پر حضور ﷺ کے چند فرمودات، اخلاقِ حَسنہ و حسنِ معاشرت والدین کے ۳۰۵

حقوق، میاں بیوی کے حقوق، رشتہ داروں سے حسنِ سلوک، ہمسایہ سے حسنِ سلوک ۳۰۶

بھائی چارہ، عیادت، طعنہ زنی، عیب پوشی ۳۰۷

کسی مسلمان کو کافر کہنا منع ہے، عیب جوئی بری بات ہے ۳۰۸

احسان کا بدلہ دینا سنت ہے، یتیم کا کفیل جنتی ہے ۳۰۸

آپ ﷺ کو کمالاتِ انسانیہ کی بلندیوں پر تخلیق فرمایا گیا ۳۰۹

آپ ﷺ کے خصائل کا ظہور بعد میں ہوا لیکن آپ ﷺ نبی پہلے تھے ۳۰۹

آپ ﷺ کی پاکیزہ عادتوں کا نام اُسوۂ حَسنہ ہے ۳۱۰

حضور ﷺ سب کے لیے ہیں مگر اُسوۂ حَسنہ صرف مومنوں کے لیے ہے ۳۱۰

سولہواں باب

شریعت، طریقت اور حقیقت ۳۲۰

شریعت، طریقت اور حقیقت راہِ سلوک کی منزلیں ہیں ۳۲۰

شرع، شریعت اور منہاج کی حقیقت ۳۲۲

تصوف یا طریقت کی تحقیق (مثنوی مولانائے رومؒ کی رُو سے) ۳۲۳

طریقت پوشیدہ اور شریعت روشن ہے (شریعت دے دروازے اُچے راہ فقر دی موری ہُو) ۳۲۸

شریعت کا راستہ روشن اور واضح ہے ۳۲۹

تصوف کی عالمانہ اور صوفیانہ تعریف (از حضرت جنید بغدادیؒ، حضرت معروف ۳۳۱

کرخیؒ، حضرت ابوالحسن نوریؒ) ۳۳۲

جس کو قرآن اور سُنت رد کر دیں وہ زندقہ ہے ۳۳۲

شریعت انسانی جسم کے لیے غذا کی طرح ہے اور طریقت روحِ انسانی کے لیے لذیذ پھل ۳۳۳

شارعِ سُنت حضور ﷺ کو قرآن نے سراجاً منیرا کہا ہے ۳۳۴

شریعت ہر امت کو ملی مگر طریقت فقط اس امت کو ۳۳۵

کشف المحجوب میں احکام شریعت کو ثابت کرنے کے دلائل ۳۳۷

عِلْمٌ مِّنَ اللّٰهِ، عِلْمٌ مَّعَ اللّٰهِ، اور عِلْمٌ بِاللّٰهِ ۳۳۸

شریعت اور حقیقت کا باہمی تعلق ۳۴۰

سترھواں باب

امتیازات حدیث ۳۴۳

تاریخی واقعات کی نوعیت کا اثر، صاحبِ تاریخ سے مؤرخین کی عقیدت ۳۴۳

راویانِ حدیث کا یہ مذہبی فریضہ تھا کہ وہ دین کی اشاعت کریں ۳۴۴

دینِ اسلام میں تحریف گناہِ کبیرہ اور کفر کا باعث ہے ۳۴۵

تاریخ ساز صحابہ کرامؓ کا حضور ﷺ کی ذات سے عدیم المثال ۳۴۶

محبت کرنا، صحابہ کرامؓ حدیث کے جیتے جاگتے نسخے تھے ۳۴۷

سُنّت کو پھیلانے اور خلفائے راشدین کی اتباع کا حکم ۳۴۸

اٹھارھواں باب

کتابتِ حدیث ۳۵۰
چند کاتبینِ حدیث کے اقوال، احادیث قلم بند کرنے کی اجازت ۳۵۱
کتابت حدیث کی ممانعت پر مبنی روایات، منکرینِ حدیث کا غلط استدلال ۳۵۲
مجموعہ ہائے احادیث، مکثرینِ صحابہؓ و دیگر صحابہ کرام ۳۵۳
(حضرات ابوہریرہؓ عبداللہ بن عباسؓ، عائشہ صدیقہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، جابرؓ، انسؓ اور ۳۵۴
عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ کی جمع کردہ احادیث) حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ ۳۵۶
عنہ کی مرویات کے تحریری نسخے اور حضرات جابرؓ، انسؓ، علیؓ، سعد بن عبادہؓ، سمرہ ۳۵۷
بن جندبؓ، وائل بن حجرؓ کے صحائف، صحیفۂ اہلِ یمن اور کتاب الصادقہ کے علاوہ ۳۵۹
صحیفہ ابوشاہ یمنیؓ، دیگر چھوٹی بڑی تحریریں، خطوط اور وثائق ۳۶۰
صحیفہ حضرت عمرو بن حزمؓ، دیگر گورنروں کو تحریری ہدایات ۳۶۲
چند قبیلوں کے نام ہدایات (قبیلہ عبدالقیس، قبیلہ غامد، قبیلہ خشد) ۳۶۲
مختلف وفود کو مزید تحریری ہدایات ۳۶۳

انیسواں باب

تدوین حدیث (احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام) ۳۶۴
آپ ﷺ تمام جہانوں کے لئے رحمت ہیں ۳۶۵
احادیث زمانۂ نبوی ﷺ کی معتبر تاریخ فراہم کرتی ہیں ۳۶۶
تدوین (جمع) حدیث کی ضرورت ۳۶۷
تدوین حدیث اور خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین ۳۶۸
عہد صدیقی رضی اللہ عنہ میں تدوین حدیث ۳۶۸
(اصول شہادت کی بنا پر جانچ پڑتال، رفعِ اختلاف) ۳۶۹
عہد فاروقی رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور تدوین حدیث (کثرت روایت میں احتیاط، ۳۷۰
تحقیق حدیث کے لئے تائید مزید کا مطالبہ) ۳۷۱

تدوین حدیث اور حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۷۱
تدوین حدیث اور حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ ۳۷۲
روایت حدیث کے طرز عمل میں تبدیلی ۳۷۳
دور تابعین میں احادیث کی تدوین ۳۷۴
تاریخ تدوین حدیث کے ابتدائی دور پر غور ۳۷۵
خبر واحد کی حجیت کے چند واقعات ۳۷۵
تحویل قبلہ کے واقعہ کے بعد حرمت شراب ۳۷۶
حضور ﷺ کے عامل اور قاصد ۳۷۶
خبر واحد کو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے قبول کیا ۳۷۶
تدوین حدیث کی ارتقائی شکل ۳۷۷

بیسواں باب

حفاظت حدیث ۳۷۹
حفاظت حدیث عشق رسول ﷺ کے سائے میں ۳۷۹
حفظ حدیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا شغف (حضرت ابوھریرہؓ، ۳۸۱
حضرت عبداللہ بن مسعودؓ، حضرت انسؓ) ۳۸۲
امہات المؤمنینؓ کی روایات ۳۸۲
حفاظت حدیث میں صحابہ کرامؓ کا کردار ۳۸۳
حفاظت حدیث میں دیگر صحابہؓ کا کردار (حضرت ابوسعید خدریؓ، حضرت ابوایوب انصاریؓ) ۳۸۴
صحابہ کرامؓ میں دورہ حدیث کی روش ۳۸۵
حفاظت حدیث کے تین مرحلے ہیں (سینۂ نبوی ﷺ میں محفوظ کرنا، مذاکرات، عمل کے ۳۸۶
ذریعے اور کتابت)، احادیث پر جرح و تعدیل (راویوں کی چھان بین، اتصال سند، ۳۸۸
دیگر روایات سے تقابل و موازنہ ۳۹۰
حدیث کا عمومی تجزیہ، علم اسماء الرجال)، اسماء الرجال کی چند مثالیں ۳۹۱
احادیث کی تکمیل، ترتیب اور حفاظت کے علوم، (علم اسماء الرجال، علم مصطلح ۳۹۵

الحدیث واصول حدیث، علم الدرایہ، علم غریب الحدیث، علم تخریج الاحادیث، علم ۳۹۵
طبقات الحدیث، علم الاحادیث الموضوعہ، علم الناسخ والمنسوخ، علم التوفیق بین ۳۹۶
الاحادیث، علم اطراف الحدیث، فقہ الحدیث، علم النظر فی الاسناد، علم کیفیۃ ۳۹۶
الروایہ، علم الفاظ الحدیث، علم الموتلف والمختلف، علم طرق الاحادیث، علم علل ۳۹۶
حدیث، علم تصحیف اسماء، علم الوحدان، علم اسباب) ۳۹۷

اکیسواں باب

تدوین، کتابت اور حفاظت حدیث ایک نظر میں ۳۹۸
عہد رسالت میں تدوین حدیث کا خلاصہ ۳۹۸
(ا) دور رسالت مآب ﷺ میں لکھی گئیں احادیث (حضرت عبداللہ بن عمرو ۳۹۸
بن العاصؓ، حضرت عمرو بن امیہؓ، حضرت ابوشاہؓ) ۳۹۹
(ب) خلفائے راشدین اور جمع حدیث کا تحریری ذخیرہ (حضرت ابوبکر صدیق ۳۹۹
رضی اللہ عنہ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت علیؓ، حضرت عمر رضی اللہ عنہ، ابوموسیٰ ۳۹۹
اشعریؓ، عبداللہ بن عباسؓ، امام حسنؓ، حضرت ابی بن کعبؓ، حضرت سمرہ بن جندبؓ ۴۰۰
ابن الخطاب عرف خیاطؓ، حضرت زید بن ثابتؓ) ۴۰۰
(ج) خلافت راشدہ کے بعد ۷۰ ہجری تک تدوین حدیث (مرویات ابن عباسؓ ۴۰۰
امیر معاویہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، سعید بن جبیرؒ، مجموعہ ہمام ابن منبہؒ، ہمام ابن منبہؒ کی ۴۰۰
بدء الخلق، بشیر بن نہیکؒ، مروان بن حکمؒ، سعید بن جبیرؒ، وھب تابعیؒ، نافع تابعیؒ ۴۰۰
سلیمان بن قیسؒ، ابانؒ، ابو بردہ عامرؒ، عمر بن عبدالعزیزؒ، علی ابن طلحہ ہاشمیؒ، ۴۰۱
(د) تابعین کا شوق حدیث ۴۰۱
(ہ) حضرت ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کی خدمت حدیث ۴۰۱
احادیث امام ابوحنیفہؒ (یحییٰ بن قاسمؒ، ملا علی قاریؒ) منکرین حدیث کا اعتراض ۴۰۲
نفس الحدیث کی تعداد، امام ابوحنیفہ "شہنشاہ حدیث" تھے ۴۰۳
امام ابوحنیفہ سے ہزاروں نے سمع حدیث کی، بخاری شریف کا مواد حقیقتاً امام ۴۰۴
ابوحنیفہؒ کا مواد تھا

(و) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی جمع اور ترتیب احادیث ۴۰۴
(ابوبکرؒ بن حزم کی خدمات حدیث، امام زہریؒ کی خدمات حدیث) ۴۰۴
خزانہ حدیث پر ایک سرسری نظر، (قرن اول، قرن دوم، قرن سوم) ۴۰۵
حدیث کی ابتداء اور تاریخ ۴۰۶
(الف) قرن اول، قرن اول کی مشہور تصانیف، صحیفہ ہمام بن منبہؒ، موطا امام مالکؒ ۴۰۶
(ب) (i) کتب قرن ثانی (ii) قرن ثانی کی دیگر کتب ۴۰۸
(ج) قرن ثالث کی ابتدائی کتب، صحیح بخاری ۴۰۸
صحابہ کرامؓ سے مروی احادیث کی فہرست، شرائط امام بخاریؒ، صحیح مسلمؒ، شرائط مسلمؒ ۴۰۹
۴۔ کتب عہد اختلافی (سنن ابن ماجہ، جامع ترمذی، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، ابن ۴۱۱
جریر طبری) ۴۱۱
۵۔ کتب قرون ثلاثہ کے بعد (سنن دار قطنی، مستدرک حاکم، مشکوۃ المصابیح، کنز العمال) ۴۱۲
صحاح ستہ میں شامل کتابیں ۴۱۲
دور صحابہ سے امام بخاریؒ تک علم حدیث کی مسلسل تاریخ ۴۱۲
اسمائے تابعین ۴۱۳
دوسری صدی ہجری کے مؤلفین حدیث ۴۱۴

بائیسواں باب

اقسام اور اصطلاحات حدیث ۴۱۷
تقسیم حدیث کا طائرانہ جائزہ ۴۱۸
افعال نبوی ﷺ کی قسمیں ۴۱۸
اقسام حدیث کا مطالعہ ایک نظر میں بمع خاکہ نمبر ۱ ۴۱۹
تقسیم احادیث بلحاظ طعن یا اعتراض در عدالت اور خاکہ نمبر ۲ ۴۲۰
علم الاصطلاح ۴۲۱
حدیث کسے کہتے ہیں؟ خبر کی تعریف، اثر کسے کہتے ہیں؟ ۴۲۱

اسناد، سند اور متن ۴۲۱

مسند (محدث، حافظ، حاکم، روایت، اصول درایت، ثلاثیات، شیخین، امام، مجتہد) ۴۲۲

سنت (مؤکدہ، غیر مؤکدہ یا مستحب، طرق، وضاع، مستدرک، صحابی، تابعی، تبع ۴۲۲

تابعی، متفق علیہ، قابل حجت احادیث، حدیث ضعیف کا حکم، اصول روایت، ۴۲۳

اصول درایت ۴۲۳

سند کی انتہاء کے لحاظ سے تقسیم (۱) حدیث قدسی ۴۲۴

(۲) مرفوع (مرفوع قولی کی مثال، مرفوع فعلی کی مثال، مرفوع تقریری کی مثال، ۴۲۴

مرفوع وصفی کی مثالیں) ۴۲۵

(۳) موقوف (۴) مقطوع ۴۲۵

راویوں کی تعداد کے لحاظ سے حدیث کی تقسیم (خبر متواتر، خبر مشہور، خبر عزیز، خبر غریب) ۴۲۵

سند کے اتصال وانفصال کے لحاظ سے تقسیم (متصل، مسند، منقطع، معلق، مُعضل، ۴۲۷

مرسل، صحابی کا مرسل، مدلس) ۴۲۸

قوت وضعف کے اعتبار سے خبر احاد کی تقسیم (خبر مقبول، خبر مردود) ۴۲۸

خبر مقبول کی اقسام ۴۲۹

خبر صحیح لذاتہ کی تعریف (اتصال سند، راوی کی عدالت، راوی کا ضبط، شاذ نہ ہونا، ۴۲۹

علت کا نہ ہونا) ۴۲۹

صحیح لغیرہ کی تعریف، حسن لذاتہ کی تعریف، حسن لغیرہ کی تعریف ۴۳۰

احادیث کی مزید اقسام (حدیث ضعیف، موضوع، متروک، شاذ ومنکر کی تعریف، محفوظ) ۴۳۰

معروف کسے کہتے ہیں، معلل، مضطرب، مقلوب، مصحف، مدرج، مدرج الاسناد، ۴۳۱

مدرج المتن، مزید فی متصل الاسانید) ۴۳۲

خبر مقبول کی قسمیں باعتبار عمل (محکم ومختلف الحدیث، مختلف الحدیث) ۴۳۳

رفع تعارض کے فن کی اہمیت، ناسخ ومنسوخ، ناسخ ومنسوخ کی اہمیت ۴۳۳

ناسخ اور منسوخ کی پہچان، (نبی کریم ﷺ کی صراحت، صحابی کے قول کے ذریعے ۴۳۴

تاریخ کا علم، اجماع امت)، نسخ کی صورتیں (آیت کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ۴۳۵

ہوئے، حکم منسوخ ہوا اور تلاوت باقی رہ گئی، تلاوت منسوخ ہوئی اور حکم باقی رہا) ۴۳۵

اختلاف وتائید کی رو سے حدیث کی تقسیم (محکم، متابع اور شاہد) ۴۳۷
معنعن کے اعتبار سے تقسیم (معنعن، مسلسل، بیان صیغہ اداء، ازالۂ اوصاف) نسخ کی حکمت ۴۳۷
حدثنی واخبرنی میں فرق (جرح وتعدیل کا بیان، الفاظ تعدیل، الفاظ جرح، تقسیم ۴۳۹
جرح وتعدیل، شروط قبولیت جرح وتعدیل) ۴۳۹
بیان کتب حدیث، پہلی تقسیم (جامع، سنن، مسند، معجم، جزء، مفرد، غریب، مستخرج، ۴۴۰
مستدرک، رسالہ، اربعین) ۴۴۱
دوسری تقسیم صحاح ستہ (صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، جامع ترمذی، سنن ۴۴۲
ابن ماجہ، خصوصیات ابن ماجہ، سنن نسائی) ۴۴۵

تیسواں باب

فتنہ انکار حدیث ۴۴۷
فتنہ انکار حدیث کا آغاز کب ہوا؟ ۴۴۷
صحابہ کرامؓ کی قوت حافظہ (حضرت ابو ہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، اور حضرت ۴۴۸
عائشہؓ کا حال حافظہ) ۴۴۹
منکرین حدیث کے متعلق حضرت عمرؓ کا انتباہ ۴۴۹
وہ منکرین حدیث جو صرف قرآن کو ہی مانتے ہیں ۴۵۰
انکار حدیث کی اصل وجہ، فتنہ انکار حدیث کا آغاز ۴۵۱
علم حدیث قرآن کے باطن اور رسول اللہ ﷺ کے روشن سینے سے ملتا ہے ۴۵۴
منکرین حدیث کے اعتراضات کا جواب ۴۵۵
اگر احادیث ابو ہریرہؓ کا انکار کیا جائے تو نصف احکام شرعیہ کا انکار ہوگا ۴۵۶
انکار حدیث، ابطال دین کے مترادف ہے ۴۵۷
انکار حدیث اور حلال وحرام کی تمیز ۴۵۸
خبر واحد کی حجیت (بالادستی) ۴۵۹
خبر کی قسمیں (۱) خبر متواتر (تواتر فعلی، تواتر قولی) اور خبر متواتر کا حکم ۴۵۹
۲۔ خبر واحد، اصولی غلطی ۴۶۰

خبر واحد کی حجیت اور قرآن کریم ۴۶۱

منکرین حدیث بہت جید محدثین کا انکار کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے ۴۶۲

خدام ومحافظین حدیث ۴۶۴

منکرین حدیث کا پہلا اعتراض اور جواب ۴۶۶

عبارت النص اور سنت وغیرہ میں اجتہاد کی اجازت نہیں ۴۶۷

دوسرا اعتراض اور جواب ۴۶۸

صحیح بخاری کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے ۴۶۸

تیسرا اعتراض اور جواب ۴۶۹

وضع حدیث کرنے والے کی گرفت کا ایک دلچسپ واقعہ ۴۷۰

چوتھا، پانچواں اور چھٹا اعتراض اور ان کے جوابات ۴۷۱

وضع وتدلیس حدیث (حدیثیں گھڑنا) ۴۷۳

وجوہات تدلیس ۴۷۳

امام بخاریؒ کی حدیثوں کا مجموعہ طرق اور اسانید کے لحاظ سے تھا، نہ کہ نفس حدیث کے اعتبار سے ۴۷۳

ساتواں، آٹھواں، نواں اور دسواں اعتراض اور ان کے جوابات ۴۷۴

امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کا مباحثہ ۴۷۹

گیارھواں اور بارھواں اعتراض اور ان کے جوابات ۴۷۹

امام اعظمؒ کا مسلک ۴۸۱

امام اعظم ابوحنیفہؒ کا ایک اور قول ۴۸۱

منکرین حدیث کا تیرھواں اعتراض اور اس کا جواب اور مختصر خلاصہ ۴۸۲

چوبیسواں باب

احیائے سنت ۴۸۴

دعوت نامہ ۴۸۶

قومی مسئلہ کا حل ۴۸۷

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق سب سے اعلیٰ کمال احیائے سنت کی خدمت ہے ۴۸۷
عصانہ ہو تو کلیمی ہے کار بے بنیاد
سنت رسول ﷺ عصا کی حیثیت رکھتی ہے ۴۸۸
ہماری قوم کی ترقی اطاعت اور محبت رسول ﷺ سے ہے ۴۸۹
ہو گیا اللہ کے بندوں سے خالی کیوں حرم؟ ۴۹۴
عوام کی دینی اصلاح کا پراثر طریقہ کار ۴۹۵
(نقطۂ آغاز، ایمان باللہ، ابلیس کی طاقت، تفہیم اسلام، اسلام دشمن عناصر، باعمل مسلمان) ۴۹۶
ہمارا طریقہ کار ۴۹۶
امت محمدیہ ﷺ اس لیے خیر الامم ہے کہ وہ بھلائی کا حکم تمام زمانے والوں کو دیتی ہے ۴۹۷
اسلام کے کمزور ہونے کی ابتداء ترک سنت سے ہوگی ۴۹۸
جس نے سنت سے محبت کی اس نے حضور ﷺ سے محبت کی، اور وہ جنت میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوگا ۴۹۹
مسلمان کے لئے اپنے ظاہر اور باطن کا درست کرنا واجب ہے ۵۰۰
اولیائے کرام مردہ دلوں کو زندہ کرتے ہیں ۵۰۱
اتباع سنت سے مسلمان خدا کا محبوب بن جاتا ہے ۵۰۱
اگر تم نے اپنے نبی ﷺ کی سنت چھوڑ دی تو گمراہ ہو جاؤ گے ۵۰۲
جسے حضور ﷺ سے محبت ہے اسے سنت سے محبت ہونا لازمی ہے ۵۰۲
مسلمانوں میں داڑھی کی سنت ایک مشکل مسئلہ ہے ۵۰۳
کسی مردہ سنت کو زندہ کرنا سو شہیدوں سے افضل ہے ۵۰۶
اگر کسی نے سنت کو زندہ کیا تو اسے اس سنت پر عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا ۵۰۶
رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہر شخص کے لئے ہے کہ میرا پیغام سب کو پہنچا دو ۵۰۷
تبلیغ کے واسطہ سے اسلام کو زندہ کرو ۵۰۸
علم تبلیغ کی برکات، قرآن وحدیث میں تبلیغ کی حیثیت ۵۰۸
علماء، انبیاء کے جانشین ہیں ۵۱۰

علم کی شان ۵۱۱
علم کے بارے میں صوفیاء کے نظریات (حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ، حضرت ۵۱۲
جعفر بن صادقؒ، حضرت انسؓ، سفیان ثوریؒ، خلیفہ عبدالمالکؒ، حاتم اصمؒ اور ۵۱۲
حضرت سلطان باہوؒ) ۵۱۳
اسلام کی حالت غربت میں مدد ۵۱۳
اولیائے کرام کی نگاہوں سے بھی تبلیغ ہوتی ہے ۵۱۴
احیائے سنت احادیث پاک کی روشنی میں ۵۱۴
چند اہم سنتوں کا مختصر تذکرہ ۵۱۶
(چغل خوری بدترین خصلت، سلام و مصافحہ سنت ہے، اکل حلال، صدقات اور ۵۱۶
عاجزی سے عزت بڑھتی ہے، قربانی سب سے زیادہ محبوب عمل ہے، قرض معاف ۵۱۷
نہیں ہوتا، مزدوری جلد ادا کرنا سنت ہے، جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے، سچی ۵۱۷
بات کہہ دینے کا حکم، اچھا طریقہ ایجاد کرنا باعث اجر ہے، تبلیغ، وعظ و نصیحت میں ناغہ ۵۱۸
سنت ہے، ذخیرہ اندوزی باعث لعنت، غصب باعث نار، رشوت باعث لعنت، ۵۱۸
قیامت کے دن سب سے پہلے خون کا فیصلہ ہوگا، غصہ پر قابو پانا، خفیہ دشمنی رکھنے ۵۱۸
والے کی بخشش نہیں ہوتی، خودکشی منع ہے، موت کی آرزو نہیں کرنی چاہیے ۵۱۹
ابتلا و آزمائش پر صبر، آداب معاشرت، نشہ کرنے والا جنت میں شراب طہور سے ۵۱۹
محروم رہے گا، مساجد بنانے کا حکم، پیر اور شوال کے نفلی روزے، عمل تبلیغ سے بشر ۵۱۹
کی تقدیر بدل جاتی ہے، پڑوسی کو برائی سے نہ روکنا خیانت ہے، امر بالمعروف اور ۵۲۰
نہی عن المنکر کا اجر، برائی کو کم از کم برا جانو، گناہوں سے نہ روکنے والے بھی عذاب ۵۲۲
میں گرفتار ہو سکتے ہیں، قوم کے افراد کی اصلاح کرنا کس کے ذمہ پر ہے؟) ۵۲۳

پچیسواں باب

محبت رسول ﷺ ۵۲۵
امت مسلمہ کا اثاثہ عشق رسول ﷺ ہے ۵۲۸
محبت رسول ﷺ ایمان کی شرط اولین ہے ۵۳۱

صحابہ کرامؓ اور عشق رسول ﷺ ۵۳۳
صحابہ کرامؓ کے عشق رسول ﷺ کے متعلق چند خوبصورت روایات ۵۳۵
صحابہ کرامؓ کی محبت رسول اللہ ﷺ کی چند مثالیں ۵۳۶
محبت رسول اللہ ﷺ میں چند شعراء کے نذرانے ۵۴۰
رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کے ساتھ عقیدت اور محبت ۵۴۳
صحابہ کرامؓ کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ کے متعلق شدت ۵۴۵
محبت کے احساسات اور کیفیات ۵۴۶
حضور ﷺ کے وصال پر صحابہ کرامؓ کی کیفیت فراق ۵۵۱
عید میلاد النبی ﷺ عشق رسول اللہ ﷺ کا ایک اظہار ہے ۵۵۲
اسلام کی بنیاد ہی عشق اور محبت رسول ﷺ پر ہے ۵۵۴
محبت وعشق پر مشائخ کے اقوال ۵۵۷
(شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، خواجہ حسن بصریؒ، حضرت بایزید بسطامیؒ، سہل تستریؒ، ۵۵۸
حضرت سری سقطیؒ، حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت جنید بغدادیؒ، شبلیؒ، ۵۵۸
حضرت ابوالدرداءؓ، حضرت ابن مسروقؒ، حضرت ڈاکٹر علامہ محمد اقبالؒ، جرمن ۵۵۹
فلاسفر نطشے، حضرت رابعہ بصریؒ، حضرت ذوالنون مصریؒ، حضرت داؤد ؑ ۵۶۰
حضرت عیسیٰ ؑ) ۵۶۰
محبت ہر کسی کے بس کی بات نہیں ۵۶۱
حضور ﷺ کا وجود مسلمانوں پر احسان عظیم ہے اور میلاد اس نعمت کی خوشی ہے ۵۶۳

چھبیسواں باب

سنت نبوی ﷺ جدید سائنس کی روشنی میں ۵۶۷
سائنس اسلام کی تصدیق کرتی ہے ۵۶۷
نباتات کے چند وہ حقائق جن کو اسلام نے افشاء کیا ۵۶۷
اسلام نے قوانین بقاء واصلاح بیان کیے ۵۶۸
اسلام نے قوموں کے عروج وزوال کے قوانین وضع کیے ۵۶۸

قرآن اور ماڈرن سائنس ہر شے کے جوڑے ہونا، افعال سنت سائنس کی روشنی میں، ۵۷۰
مسواک، وضو اور نماز ۵۷۲
نماز اور جسمانی صحت ۵۷۴
غیر مسلم ڈاکٹر رابرٹ سمتھ کا تجزیہ ۵۷۴
نماز تہجد (مع حوالہ جات) ۵۷۴
کھانا، جدید سائنس، پیٹ کے تین حصے اور جدید سائنس ۵۷۴
کھانے کے درمیان خوشی کی باتیں، ڈاکٹر کرنل چوپڑا اور اسلامی تعلیمات ۵۷۵
قیلولہ سنت ہے، پانی سنت نبوی ﷺ اور جدید سائنس ۵۷۶
کھانے کی احتیاطیں اور جدید سائنس، (تیز گرم کھانے سے منع، دودھ اور مچھلی ۵۷۶
جمع نہ کرنا، چٹ پٹے کھانوں سے منع، مٹی کھانے سے منع، چار فائدے اور جدید ۵۷۷
سائنس، ناک اور کانوں کے بالوں کی احتیاط، پانی پینے کے آداب) ۵۷۸
نیند اور اس کے آداب، سفید لباس، (موٹا لباس، سبز لباس، سرخ لباس، ریشمی ۵۷۸
لباس، لباس کی صفائی) ۵۷۹
فاقہ اور جدید سائنس، پروفیسر براؤن اور اسلامی دنیا، ''جو'' اور جدید سائنس ۵۸۰
حاجت ضروریہ اور اس کے آداب، (دور نکل جانا، کچی زمین کا انتخاب، کھڑے ہو ۵۸۱
کر پیشاب نہ کرنا، غسل خانے میں پیشاب کرنے سے منع کرنا، بل اور سوراخ میں ۵۸۲
پیشاب کرنے سے منع، طہارت کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کرنا ۵۸۲
نگاہوں کی حفاظت اور جدید سائنس، والدین کی اطاعت اور جدید سائنس ۵۸۲
شراب اور جدید سائنس، (شراب کا نظام انہضام پر اثر، دوران خون پر اثر، ۵۸۳
اعصابی نظام پر اثر، معاشرتی نفسیات پر اثر ۵۸۴
ختنہ اور سائنس، لاٹھی اور جدید سائنس، کبھی کبھار ننگے پاؤں چلنے کا حکم گالی اور ۵۸۴
جدید سائنس ۵۸۵
مسکراہٹ اور جدید سائنس، شیو کے نقصانات میڈیکل کی روشنی میں زنا ام الامراض ہے ۵۸۵
ایام حیض اور نفاس میں ترک جماع، کلف دار کاٹن اور جدید سائنس ۵۸۶
بریزیئر کا خطرناک استعمال، ناخن پالش اور جدید سائنس، میک اپ اور جدید سائنس، ۵۸۷

اونچی ایڑی کے جوتے۔ ۵۸۷
جوتے اور موزے جھاڑنا، نعلین نبوی ﷺ اور جدید سائنس، پیدل چلنا اور جدید سائنس ۵۸۷
آنکھوں میں سرمہ ڈالنا اور جدید سائنس، حفاظت بصارت، عورتوں اور مردوں کا آنسو ۵۸۸
بہانا، مونچھیں ترشوانا ۵۸۹
وظائف اور اذکار کے سائنسی اثرات، دل کا دورہ اور دمہ، روغن زیتون کی مالش اور جدید ۵۸۹
انکشافات ۵۹۰
انگوٹھی کا پتھر اور جدید سائنس، عقیق کے طلسماتی خواص ۵۹۰
جو کا دلیہ اور سائنس، ماں کا دودھ اور جدید سائنس، کھڑے ہو کر پانی پینا ۵۹۱
حرام چیزوں میں شفا نہیں، حرام کی سائنسی حیثیت ۵۹۲
سور کا گوشت، اسلام میں ذبیحہ کا تصور، مریض کی عیادت اور جدید سائنس ۵۹۲
اسلام اور اصول سادگی، صحابہ کرامؓ کی خوراکیں اور جدید سائنس، (اونٹ کا ۵۹۳
گوشت، اونٹنی کا دودھ، شہد) ۵۹۴
گائے کا گوشت اور جدید سائنس، بکری کا دودھ اور جدید سائنس حاملہ عورتوں کے ۵۹۴
لئے کھجور کی شکل میں آئرن کیپسول ۵۹۵
غصہ کی تباہی سائنس کی رو سے، تیل اور کنگھی کا استعمال سائنس کی رو سے، برتن ۵۹۵
نبوی ﷺ اور جدید سائنس۔ ۵۹۶
دودھ کی لسی سائنس کی رو سے، موٹا آٹا اور جدید سائنس، دائمی قبض سے بچاؤ، ۵۹۶
ناخن کاٹنا سنت نبوی ﷺ بھی، علاج بھی۔ ۵۹۷
بخار پانی اور جدید سائنس، امراض متعدیہ اور جدید سائنس، اسلام میں پانی کی ۵۹۷
صفائی اور سائنس ۵۹۸
برتن ڈھانپ کر رکھنا، طب نبوی ﷺ ہی علم طب کی مقصود ہے ۵۹۸
مصادر و مراجع ۵۹۹
شجرہ شریف ۶۰۵
ختم خواجگان ۶۰۶
مصنفؒ کی دیگر تصانیف ۶۰۷

حمد

میرے نالوں کے جواب آئے ندا کی صورت

(از مصنف)

شکل آدم کی ہے کیا؟ سمجھو کہ خدا کی صورت
مدعا یہ کہ بنے قرب خدا کی صورت

حرمِ دل میں ترا جلوہ نظر آتا ہے
دیکھو عاشق کو تو یاد آئے خدا کی صورت

قرب سجدوں میں چھپایا ہے خدایا تو نے
ڈھونڈ لی ہم نے تری دید و لقا کی صورت

سر کٹانے میں تامل نہیں رہتا یکسر
جس نے دیکھی ہو تری حسنِ سوا کی صورت

ہم تری ملک ہیں، ہر چیز کا مالک، تو ہے
ہے خوشی اور غمی، تیری عطا کی صورت

سجدہ کرتا ہوں تو رہتا ہے یہی دل میں خیال
میں تو بندہ ہوں، سراسر ہوں خطا کی صورت

دفعِ غم تجھ سے ہے، یہ جود و کرم بھی تجھ سے
بندگی میری رہی تیری رضا کی صورت

"نَحْنُ اَقْرَبُ" سے ہی قائم ہے زمانے کا وجود
ورنہ ذرّے کو کبھی ملتی نہ جلا کی صورت

جو کہا تو نے رضا تیری سمجھ کر مانا
میں تو زندہ ہوں فقط حرفِ وفا کی صورت

بات اللہ سے کرتا ہوں بلا ریب و حجاب
میرے نالوں کے جواب آئے ندا کی صورت

اُسوۂ حسنہ کی توفیق ملی تم کو لطیف
ڈھل گئی عمر بھی نقشِ کفِ پا کی صورت

کامل نہیں نہ جس میں ہو سنّت حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی

(از مصنف)

ہو لاکھ کیف و مستی و حالت سرور کی
کامل نہیں نہ جس میں ہو سنّت حضورؐ کی

بے سود ہوں گی حشر میں دنیا کی نسبتیں
نسبت رہے گی کوئی تو نسبت حضورؐ کی

دل میں بجز حضورؐ کے کوئی بسا نہ ہو
اے اہلِ دل یہی ہے محبت حضورؐ کی

سو باتوں کی ہے بات یہ گر تم سمجھ سکو
مانگو خدا سے لے کے وساطت حضورؐ کی

سرکارِ دو جہاں سے ہے رابطہ اگر
لازم ہے ہر نفس میں اطاعت حضورؐ کی

دونوں جہاں کی نعمتوں سے سرفراز ہے
کر دی گئی عطا جسے الفت حضورؐ کی

نورِ خدا ہو دیکھنا تو والضحیٰ کو دیکھ
کھل جائے گی یوں تجھ پہ حقیقت حضورؐ کی

دشمن بھی دوست بھی ہیں ثنا خوان مصطفیٰؐ
کرتے ہیں شجر و حجر بھی مدحت حضورؐ کی

مکّہ پُر از جلال، مدینہ جمال ہے
ہر دور میں ہے کمال وجاہت حضورؐ کی

توحیدِ حق کا جزو رسالت ہے بالیقین
وحدت خدا کی ہے تو شہادت حضورؐ کی

جس جس جگہ خدا ہے رسالت بھی چاہیے
جاری جگہ جگہ ہے حکومت حضورؐ کی

کب تک رہیں گے منکرِ شانِ رسولؐ لوگ
دیتے ہیں چاند تارے شہادت حضورؐ کی

یہ گلستاں عنادلِ خیر الوریٰ کا ہے
اس کی کلی کلی ہے عنایت حضورؐ کی

تکمیل معرفت کا گماں ہے لطیفؔ پر
واللہ وہ خوب لکھتا ہے مدحت حضورؐ کی

آپ ﷺ ہیں آقائے عالم آپ ﷺ ہیں سرکارِ من

(از مصنف)

آپؐ ہیں آقائے عالم آپؐ ہیں سرکارِ من
آپؐ ہی سے دل کی رونق اور نشاطِ انجمن

آپؐ ہی کے دم سے ہے رنگینِ بزمِ کائنات
آپؐ سے ہے آدمیت کو شعورِ خویشتن

آپؐ کے مدح سرا، حجر و شجر جِنّ و ملک
آپؐ کی توصیف میں نغمہ سرا مرغِ چمن

آپؐ کی خاطر مزین آسمانوں پہ چراغ
آپؐ کی تکریم و عزت کو بچھے کوہ و دمن

آپؐ کی آمد سے ہر گلشن میں اُمیدِ بہار
آپؐ کے حسنِ تصور سے ہے گُل کا بانکپن

آپؐ ہی کے حسن کے پیشِ نظر ہر شے جمیل
آپؐ کے اسمِ گرامی سے ہے کلے کی پھبن

آپؐ کی الفت میں مضطر موجِ دریائے عمیق
آپؐ کی عظمت سے حیرت میں پڑے صحرا و بن

آپؐ کی جویا ہے ہر شے بہرِ شرفِ التفات
لے چلی شبنم کو دیکھو ساتھ سورج کی کرن

آپؐ کے آنے سے پہلے اور چلے جانے کے بعد
منتظر تھے اور اب بھی ہیں بچارے رات دن

کون محبوبِ خدائے لم یزل، مولائے کُل
آپؐ کی جانب ہے انگشتِ نما، سروِ چمن

جستجو میں آپ کی ہی ہے یہ بلبل نالہ سوز
منتظر ہے چشمِ نرگس، چپ ہے لالے کا دہن

ہے تلاشِ مصطفےٰ میں کُو بکو صحرا میں باد
سِل سکا نہ آج تک مجنوں کا چاکِ پیرہن

گوش و موئے سر ہیں استادہ کسی کی راہ میں
منتظر ہے آپؐ کی آمد کی یہ چشم زدن

موت سے مطلوب مومن کو ہے دیدارِ رسولؐ
خوش ہے وقتِ موت مومن، غمزدہ ہے برہمن

اس جہاں کے ذرہ ذرہ کو ہے نسبت آپؐ سے
جس کو دیکھو آپؐ کی الفت کی ہے دل میں لگن

آپؐ کی جانب سے آمد ہے لطیف اشعار کی
اس قدر ہوتا نہ ورنہ میرے شعروں کا وزن

وحی حق سے کم نہیں رتبے میں فرمانِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(از مصنف)

جب سے نظروں کو ملا ہے جلوۂ شانِ رسولؐ
چشم انساں ہو گئی مرہون احسان رسولؐ

ذرہ ذرہ میں چمک ہے آپ ہی کے نور کی
ذرہ ذرہ ہے جہاں کا مظہر شان رسولؐ

کچھ نہ تھا جب آپ کی موجود تھی ذات کریم
ایک روشن نور سے ہوتی تھی پہچان رسولؐ

گفتہ او گفتۂ اللہ کی تفسیر میں
وحی حق سے کم نہیں رتبے میں فرمانِ رسولؐ

کنت کنزا راز تھا اک مطلع انوار میں
کن فکاں سے آشکارا ہیں گلستان رسولؐ

تھام لو مل کر سبھی صدق و صفا سے آج بھی
سامنے ہے اے گنہگارو وہ دامان رسول

وعدۂ میثاق پر حجت انہی کی ذات ہے
انبیاء سے خود لیا اقرار ایمان رسول

بیعت رضواں پر نہ راضی کیوں خدا کی ذات ہو
خود خدا کا ہاتھ شامل ہے بہ پیمان رسولؐ

کیا سماں ہے کیف آور ہر طرف چھایا ہوا
جذب و مستی سے ہیں رقصاں سب فدایان رسولؐ

فیض جاری اب تلک ہے چشمۂ الطاف سے
نظر مرشد آج بھی دیتی ہے فیضان رسول

خطۂ ویران کو بخشی ہے وہ رونق آپ نے
چاند تاروں کی طرح روشن ہیں یاران رسولؐ

اکمل و کامل ہیں عشق مصطفیٰؐ میں چار یار
ہیں مگر صدیقؓ یار خاص، خاصانِ رسولؐ

ٹاٹ پہنا "لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ" پہ صدیقؓ نے
آئے اس پوشاک میں جبرئیلؑ دربان رسولؐ

دوستی میں ہیں بہم عاشق رسولؐ اللہ کے
اُسوۂ حَسَنَہ میں باہم ہیں غلامانِ رسولؐ

خُلق ہے ان کا عظیم اور کرم ہے ان کا لطیف
ہفت عالم ہم نے پائے مدح خوانان رسولؐ

محی الدین اسلامک یونیورسٹی
نیریاں شریف۔ آزاد کشمیر

از عبداللطیف خان نقشبندی

ہمارا جامعہ ہے منبع تعلیم و تربیت
سکھاتے ہیں یہاں آداب بھی اور جذب قومیت

مثالی اور اعلیٰ قوم کے معیار ہیں اس میں
ہماری آنے والی قوم کے معمار ہیں اس میں

علوم قاسمیؒ کے اس میں وہ جوہر جھلکتے ہیں
کہ جس کو پڑھ کے بچے صورت شاہین پنپتے ہیں

کئی سالوں کی انتھک کوششوں کا ہے ثمر شاید
کہ بچوں کے دلوں میں ہے نکھار طارقؓ و خالد

محی الدین مرشد کی، یہاں لائے ہیں تدبیریں
کہ بچے اس جگہ سے بن کے نکلیں قومی شمشیریں

یہاں کے شیخ اعظم حضرت ما پیر صدیق
یہ جامعہ آپ ہی کی عمر بھر کا پھل ہے تحقیق

یہاں پر اعلیٰ علم دین اور عرفان بھی ہو گا
یہاں پر علم و دانش، سائنس اور قرآن بھی ہو گا

یہاں وہ علم ہے معلوم تک جس سے رسائی ہو
خبر ہو گی یہاں وہ جس سے مخبر آشنائی ہو

یہاں اہل زبان اور اہل فن کی بازیابی ہے
یہاں پر مصر و انگلستان فن کی آفتابی ہے

جہاں اسباق صدیقؓ و عمرؓ، عثمانؓ بھی ہوں گے
وہاں پر حیدریؓ یلغار کے سامان بھی ہوں گے

اس بات پہ ہے ختم اپنی خامہ فرسائی
خدا والوں کی کرتا ہے خدا ہی عزت افزائی

مصاف زندگی میں جا کے یہ بچے بتائیں گے
کہ ہم شاہین صدیقی، زمانے بھر پہ چھائیں گے

دعا ہے کہ خدا بچوں کو تلقین غزالیؒ دے
فنون و علم کی خدمت کا اک جذبۂ مثالی دے

خدایا وہ عمل دے دے کہ جو عرفاں کا حامل ہو
شعور قوم و دیں ان کی صلاحیت میں شامل ہو

پھلا پھولا رہے یا رب یہ غنچہ علم و عرفاں کا
تحفظ ہو یہاں سے پوری دنیا میں مسلماں کا

جہاں بینی کے ان میں نت نئے انداز پیدا کر
بصیرت کے لطیف اندوز راز ان سے ہویدا کر

منقبت

بہ درگاہِ خواجہءِ خوجگانِ آشنائے رموز واسرارِ ربانی، منبعِ فیوضِ یزدانی حضرت قبلۂ عالم خواجہ محیؔ الدین نیرویؔ

اے مرد مجاہد وصفا نیرویؔ سُلطان
کہساروں میں صحراؤں میں سب تیرا ہے فیضان
الفاظ و معانی کوئی زیبا نہیں تجھ کو
مظہر تیری تربت کا ہے گنجینۂ عرفان
میخوار تھے تیرے سبھی سرمست و خرد مند
تھا فیض تیرا زود اثر، پختہ و آسان
ہر کفر کی یلغار میں تو سر بکفن تھا
شیدائی سبھی، جنگ و امن میں ترے قربان
سرکارِ دو عالمؐ کا یہ اکرام ہے تجھ پر
انساں تیرے دربان، فرشتے تیرے دربان
وہ راز کہ دل نے کبھی سوچا بھی نہ ہو گا
کھل جاتا ہے در پر تیرے بے دام پریشان
یاد آتا ہے جب دورِ خلافت مجھے تیرا
ہے ڈوبی ہوئی جلوۂ قاسمؒ میں تیری شان
ملت کے یہ سرچشمے کبھی بند نہ ہوں گے
سیراب ہیں اس زمزمہ سے اب بھی مان
اس بات میں اثباتِ حیات ابدی ہے
فیضان تو باقی ہے، گر مر جاتا ہے انسان
نابینا یہ کہتے ہیں، دھرا قبر میں کیا ہے؟
مومن کی قبر زندہ و تابندہ و برہان
ہے خواجگیؔ زندہ اگر آج وطن میں
یارب تیرے اس نیروی بندے کا ہے احسان

اس شہرِ وفا کا کوئی ہمسر ہے لطیفؔ اب؟
صد شکر کہ صدّیقیؔ ہے اِس مصر کا کنعان

ابلاغ سے دم لیں گے، نہ آرام کریں گے

(از مصنف)

ابلاغ سے دم لیں گے، نہ آرام کریں گے
جب تک کہ ہیں زندہ، ترا ہم کام کریں گے
ہے آرزو میری، کہ بہ صد جذبۂ پیہم
بے دین ہیں جو، مائل اسلام کریں گے
ہے عافیت اسلام میں، اور جائے پناہ بھی
ہر ذرّے کے ہمراہ تیرا پیغام کریں گے
اسلام کی امداد میں ہی، رّب کی مدد ہے
یہ نعرہ بلند آج، سرِ بام کریں گے
افراد کو افکار کی ظلمت سے نکالیں
ملّت کا مداوا یہ، صبح شام کریں گے
ناواقفِ سر چشمۂ ملت ہے مسلمان
اس علم کو، حکمت کو، سرِعام کریں گے
محدود ہے چند سینوں میں ولیوں کی محبت
ہر سینے کو اب عشق کا بسطام کریں گے
ہر فرد کے ظاہر میں بھی باطن کی چمک ہو
یہ کام تصوف کا ہے، بے دام کریں گے
خوش ہوں کہ لطیفؔ اپنی طلب ہے تو یہی ہے
ہم خدمتِ اسلام کو ہر گام کریں گے

تلقینِ روحانی

(مریدوں کے نام)

از پیر عبداللطیف خان نقشبندیؒ

قلب مرجوع اور عقلِ سلیم کی متوازی راہوں میں اگرچہ حوادثِ زمانہ کے قطرات ٹپکتے رہتے ہیں تو بھی ان خدائی راہوں پر چلنے والوں کو کوئی طاقت مسدود نہیں کر سکتی ایسی تنگ و تاریک نظر آنے والی راہوں سے بھی وہ شواہد نظر آتے رہتے ہیں جن کی گردِ راہ کو کسی معمولی روحانی شہنشاہ کے اِنتہائی قرب رکھنے والے رفیق ہرگز نہیں پہنچ سکتے۔

روحانیت ایک لامتناہی گہرائیوں کا سمندر ہے جس میں موتی، ہیرے اور جواہرات کو اللہ تعالیٰ نے سمندر کی تہوں میں ہی محفوظ، مقدور اور مامون کر رکھا ہے، ایسے بحرِ بیکراں سے جو موجیں اُٹھتی ہیں وہ بھی سمندر کے قریب سے گزرنے والے لوگوں کو بھی کچھ دیر کے لئے مسرور کرتی ہیں لیکن سمندر میں موجود موتیوں اور عام ریگزاروں کی رفعتوں میں کوئی نسبت نہیں ہوتی، اس کی شان اس دن واضح ہوگی جب سمندر کو قیامت خیز زلزلوں سے افشا کیا جائے گا مگر اس دن کسی کو اپنے کیے ہوئے پر شرم کرنا بھی اُس کے کام نہیں آئے گا، میں جس طرح مسدود حالات کے باوجود اور ضعیف العمری کی حالت میں تبلیغی مقاصد سے دور نہیں رہا اور چار عدد کتب کو بنام اسلام و روحانیت اور فکر اقبال"، سوز و ساز رومیؒ"، تہذیب نفس اور "شاہین کا جہاں اور" کو تصنیف کیا ہے اِن چار عدد تصانیف کے علاوہ یہ فقیر گیارہ عدد کتب پہلے بھی شائع کر چکا ہے جو اُمتِ مسلمہ کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے، اسی طرح آپ بھی حالات کے تھپیڑوں میں خدمتِ خلق کے جذبے سے اپنے سینوں کو گرم رکھیں۔

اُمید ہے کہ یہ کتب اشاعت کے بعد شہرہ آفاق ہونے کا شرف حاصل کریں گی۔ اللہ تعالیٰ ان تصانیف کی برکات سے عالمِ اسلام کے مسلمانوں کو نیا ولولہ اور جذبہ عمل عطا فرمائے۔

مورخہ یکم جنوری ۲۰۰۸ء

خاک پائے درویشاں
عبداللطیف خان نقشبندی
ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات لاہور

عرض ناشر

از کرنل احمد فضیل خان

آج امت مسلمہ کے زوال کا واحد سبب سرکار دو عالم ﷺ کے لائے ہوئے دین سے دوری ہے۔ آج کا مسلمان اس حقیقت سے آشنا ہونے کے باوجود مادیت پرستی میں ڈوبے اغیار کی اتباع کو ہی اپنی ترقی کا باعث سمجھ بیٹھا ہے۔ ہمارے معاشرے کی اکثریت دینی اصولوں کو پس طاق رکھ کر مادی وسائل کی دوڑ میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے کو زندگی کا مقصد گردانتی ہے۔ جبکہ علامہ فرماتے ہیں ''زوال بندۂ مومن کا بے زری سے نہیں''۔ نبی پاک ﷺ نے اُحد کے میدان میں اپنے آخری ایام میں خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''وَإِنِّي لَسْتُ أَخْشَى عَلَيْكُمْ أَنْ تُشْرِكُوا، وَلَكِنِّي أَخْشَى عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا أَنْ تَنَافَسُوهَا''

(مجھے تمہارے متعلق اس بات کا ڈر نہیں ہے کہ تم (میرے بعد) شرک میں مبتلا ہو جاؤ گے بلکہ تمہارے متعلق مجھے دنیاداری کی محبت میں مبتلا ہو جانے کا اندیشہ ہے)[1]

دنیاوی لذتوں میں فریفتہ ہمارے حکمران اور جہالت کی عمیق گہرائیوں میں ڈوبی عوام کی ایک کثیر تعداد مندرجہ بالا حدیث میں بتائے گئے وقت میں ہماری موجودگی کی ایک قوی دلیل ہے۔ علمائے حق کی کمی نے اس دلدل میں دھنسنے کی راہ کو مزید ہموار کیا جس کی بناء پر فرقہ بندی، تحقیق کی عدم موجودگی اور مادیت پسندی جیسی مضر بیماریوں کا معاشرہ میں جڑ پکڑنا کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ اس ضمن میں حضرت ابوبکر محمد بن عمر وراق ؒ کا ایک قول غور طلب ہے جب علماء میں فساد ہوگا تو اطاعت الٰہی اور شریعت مطہرہ میں فساد ہوگا اور جب امراء میں فساد ہوگا تو لوگوں کی معاش خراب ہو جائے گی اور جب فقراء بگڑ گئے تو لوگوں کے اخلاق و عادات خراب ہو جائیں گے۔ امراء کا فساد ظلم و ستم سے، علماء کا فساد حرص و آرزو اور طمع ہے اور فقراء کا فساد ریاست اور جاہ طلبی ہے۔ امراء کا فساد بے دینی، ریا اور بے توکلی کی وجہ سے ہوگا''۔

مسلمانوں نے جب تک اپنے دلوں کو محبت مصطفےٰ ﷺ سے منور رکھا اور ظاہر کو سنت مبارکہ سے مزین رکھا تو قیصر و کسریٰ کے محلات بھی ان کے تصرفات سے باہر نہ رہے۔ ان اصحاب کا سرکار دو عالم ﷺ سے والہانہ عشق تھا جس کی ایک جھلک اس کتاب کے باب ''محبت رسول ﷺ'' میں نمودار ہوتی ہے۔ یہاں صرف ایک مثال پر اکتفاء کیا جا رہا ہے۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش نے عروہ بن مسعود ثقفی (رضی اللہ عنہ) جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، بھیجا کہ وہ مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لیں انہوں نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس نشہ محبت کی خبر جن الفاظ میں دی وہ صحیح مسلم میں یوں درج ہیں:

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۳۳۰۱، جلد ۳، صفحہ ۱۳۱۷۔

"أي قَوْمِ وَاللهِ لَقَدْ وَفَدْتُ عَلَى الْمُلُوكِ، وَفَدْتُ عَلَى قَيْصَرَ وَكِسْرَى وَالنَّجَاشِيِّ وَاللهِ إِنْ رَأَيْتُ مَلِكًا قَطُّ يُعَظِّمُهُ أَصْحَابُهُ مَا يُعَظِّمُ أَصْحَابُ مُحَمَّدٍ ﷺ مُحَمَّدًا. وَاللهِ، إِنْ تَنَخَّمَ نُخَامَةً إِلَّا وَقَعَتْ كَفِّ رَجُلٍ مِنْهُمْ فَدَلَكَ بِهَا وَجْهَهُ وَجِلْدَهُ، وَ إِذَا أَمَرَهُمْ ابْتَدَرُوْا أَمْرَهُ وَ إِذَا تَوَضَّأَ كَادُوْا يَقْتَتِلُوْنَ عَلَى وَضُوْئِهِ، وَإِذَا تَكَلَّمَ خَفَضُوْا أَصْوَاتَهُمْ عِنْدَهُ وَمَا يُحِدُّوْنَ إِلَيْهِ النَّظَرَ تَعْظِيْمًا لَهُ . الحديث"

(اے قوم! اللہ رب العزت کی قسم! میں (بڑے بڑے عظیم الشان) بادشاہوں کے درباروں میں وفد لے کر گیا ہوں، میں قیصر و کسری اور نجاشی جیسے بادشاہوں کے درباروں میں حاضر ہوا ہوں۔ لیکن خدا کی قسم! میں نے کوئی ایسا بادشاہ نہیں دیکھا کہ اس کے درباری اس کی اس طرح تعظیم کرتے ہوں جیسے محمد ﷺ کے صحابہ کرام محمد ﷺ کی تعظیم کرتے ہیں۔ خدا کی قسم! جب وہ تھوکتے ہیں تو ان کا لعاب دہن کسی نہ کسی شخص کی ہتھیلی پر ہی گرتا ہے، جسے وہ اپنے چہرے اور بدن پر مل لیتا ہے۔ جب وہ کوئی حکم دیتے ہیں تو فوراً ان کی حکم کی تعمیل ہوتی ہے، جب وہ وضو فرماتے ہیں تو یوں محسوس ہونے لگتا ہے کہ لوگ وضو کا استعمال شدہ پانی حاصل کرنے کے لئے ایک دوسرے کے ساتھ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو جائیں گے وہ ان کی بارگاہ میں اپنی آوازوں کو پست رکھتے ہیں اور غایت تعظیم کے باعث وہ ان کی طرف آنکھ بھر کر دیکھ نہیں سکتے)[1]

یہ ہی وہ مسلمان ہیں جن کے بارے میں علامہؒ نے فرمایا کہ" وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر"۔ اور جب سے ہم نے یہ والہانہ محبت ترک کی اور سنتوں پر عمل کرنے کو معیوب جاننا شروع کر دیا ہے، وہ عزت ہم سے چھین لی گئی اور آج جس رسوائی سے ہم گزر رہے ہیں یہ ہمارے اعمال کی وجہ سے ہمارے حصہ میں آئی۔

اللہ تبارک وتعالیٰ کی سنت اس بات پر رہی ہے کہ اگر چہ لوگ انبیاء علیہم السلام اور مصلحین کا اثر قبول نہ کریں تو وہ بار بار اپنے مقبول بندوں کی ایک بھاری تعداد کو بے راہ روانِ قوم کی ہدایت اور رہنمائی کے لئے بھیجنے کا اہتمام کرتا رہا ہے تا کہ کچھ لوگ اصلاح کی آواز پر لبیک کہیں۔ اس سلسلے میں کم وبیش ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر اور لاتعداد مصلحین اس عالم رنگ و بو میں تشریف لائے۔ یہ مصلحین امت ہر زمانے میں اپنی کوشش پیہم کے ذریعے لوگوں کو دینی ہدایت کی طرف بلاتے رہے ہیں۔ یقیناً جو لوگ اللہ تعالیٰ کی رضاجوئی کے ساتھ ساتھ کسب حلال میں وقت صرف کریں تو وہی لوگ فلاح پانے والوں میں شمار کئے جائیں گے۔ مسلمانوں کی موجودہ حیثیت کو دیکھ کر اور ان کے جملہ امراض کو پیش نظر رکھتے ہوئے اہلِ نظر کے نزدیک انکی موجودہ حالت کو سنوارنے کا صرف ایک ہی حل باقی رہ گیا ہے اور وہ یہ کہ روحانی دنیا کے لوگ عوام کے لئے ایسی خوبصورت اور

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۱۳۰۵، جلد ۲، صفحہ ۹۳۸۔

ذکر روحانی قوتوں کو معرضِ وجود میں لاتے ہوئے ایسی تقریریں اور تحریریں پیش کریں کہ عوام اسلامی طرز زندگی، جو قرآن و سنت کے عین مطابق ہو، اپنانے پر خود بخود آمادہ ہو جائیں۔ گزشتہ دور میں اولیائے کرامؒ نے اسی انداز سے اپنی روحانی توجہ کو استعمال کرتے ہوئے سوئے ہوئے لوگوں کو بیدار کیا۔ علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام سے قوم میں ایسی روح پھونک دی کہ سوئی ہوئی قوم میں کچھ بیداری کے اثرات ضرور نمودار ہوئے۔ آپؒ فرماتے ہیں۔

اک ولولۂ تازہ دیا میں نے دلوں کو   لاہور سے تا خاکِ بخارا و سمرقند (ض۔ک ۴۸۵)

عوام کے دلوں میں ایسا ولولہ پیدا کرنے کے لئے اس قسم کی تحریروں کی ضرورت ہے کہ جس کے مطالعہ سے ان کے دلوں میں تازہ روح پھونکنے کا سامان پیدا ہو سکے۔ یقیناً ایسی تحریروں کو وجود میں لانے کے لئے لکھنے والوں کو مسلمانوں کے دلوں تک رسائی حاصل کرنا اور پھر ان کے دلوں میں محبتِ اسلام کی روح پھونکنا ہوگی۔ جب تک لکھنے والوں کا اپنا دل روحانی طاقتوں سے بھرپور نہ ہو تو وہ لوگوں کے دلوں میں عشق کی آگ بھڑکانے کے قابل نہیں ہو سکتے۔ ایسی تحریروں میں اُس مقناطیسی قوت کا ہونا ضروری ہے جو دلوں میں گولی کی طرح اثر انداز ہو سکتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اسی انداز سے شاعری کی ہے اور اس بات کو یوں ظاہر کیا ہے کہ "ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی" یہاں علامہ اقبالؒ کی نم سے مراد اسی قسم کی روحانی، وجدانی، پر کشش اور ولولہ انگیز گفتگو مراد ہے۔

زیرِ نظر کتاب "سنتِ مبارکہ" بھی اسی فکر کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ عصرِ حاضر کے لوگوں تک یہ فکر و دعوتِ عمل پہنچ جائے اور سونے، چاندی کے بتوں کی پوجا میں گرفتار لوگ خدا کی یاد میں اپنے ایمان کی عافیت تلاش کریں۔ یہ کتاب اتباعِ رسول ﷺ کے لئے ایک مکمل نصاب کی سی حیثیت رکھتی ہے۔ اس کتاب میں سنت اور احادیث کے لغوی مفہوم سے لے کر کتابت، تدوین اور حفاظتِ حدیث کے دقیق نکات پر محققانہ گفتگو کی گئی ہے۔ نبی پاک ﷺ کو بااختیار شارع کے طور پر پیش کرتے ہوئے آپ کی محبت میں ڈوب کر ہی ایک مسلمان اپنی شخصیت کی تعمیر بجا طور پر کر سکتا ہے۔ اتباعِ رسول ﷺ، اطاعتِ رسول ﷺ اور اسوۂ حسنہ کے ابواب متلاشیانِ حق کے لئے انتہائی سود مند ثابت ہو سکتے ہیں۔ بدعت کیا ہے؟ انکارِ حدیث کا فتنہ کیوں بے بنیاد ہے۔ جدید سائنس نے سنت کو کیا اہمیت دی ہے جیسے سوالات کے جواب بھی اس کتاب میں پائے جاتے ہیں۔ ائمہ کرام کے اقوال اور احوال اس دل فریب اور روحانی اسلوب کے ساتھ پیش کئے گئے ہیں کہ وہ قارئین کے قلوب پر گہرے نقوش چھوڑتے ہیں۔

اس کتاب کی اشاعتِ ثانی میں تمام اقوالِ نبی ﷺ کے مستند حوالے دے دیئے گئے۔ اس کے

علاوہ تحقیق کے طلبہ کے لئے مصادر و مراجع کی فہرست بھی لگا دی گئی ہے۔ قارئین کے ذوق کے لئے کہیں کہیں عربی عبارات بھی زینتِ قرطاس کردی گئیں ہیں۔

قبلہ پیر حضرت عبداللطیف خانؒ کی تمام زندگی دین اسلام کی تبلیغ و ترویج میں بسر ہوئی۔ آپؒ ہفتہ وار محفلِ ذکر منعقد کراتے جس میں ہر خاص و عام کو فیض ملتا۔ اس کے علاوہ آپؒ مختلف مقامات پر لوگوں کے اجتماع میں درس کا اہتمام کرتے جس میں جدید سائنٹیفک انداز میں اسلامی زندگی کے ایمان افروز حقائق اور قرآن و حدیث کے خوب صورت نکات سے آراستہ گفتگو کے ذریعے لوگوں کے دلوں کو اس طرح گرما دیتے کہ ان کی زندگیوں میں حیرت انگیز کیفیت، زبردست انقلاب اور اسلامی ولولہ پیدا ہو جاتا۔ بسا اوقات تو آپؒ ایک نظر سے ہی زندگیاں بدل دیتے۔ امت کی اصلاح کی کوششوں میں ہی آپؒ کے شب و روز گزرتے۔ آپ کا یہ دعویٰ تھا کہ کوئی بے نمازی آپ کے پاس آدھ گھنٹہ نمازی بننے کی خواہش میں بیٹھے تو اللہ کے فضل سے وہ پکا نمازی بن جائے گا۔ آپ نے جس طرح ضعف العمری میں تبلیغی کوششیں، جن میں ۲۳ عدد تصانیف شامل ہیں، مکمل کیں وہ ایک مثالی حیثیت رکھتی ہیں۔ یہ کتب متلاشیانِ حق کے لئے ایک نصاب کی سی حیثیت رکھتی ہیں اور درحقیقت امتِ مسلمہ کے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ آپؒ کے یہ اشعار اس حقیقت کی ترجمانی کرتے ہیں:

ابلاغ سے دم لیں گے، نہ آرام کریں گے   جب تک کہ ہیں زندہ، تیرا ہم کام کریں گے
ہے آرزو میری کہ، بہ صد جذبہ پیہم   بے دین ہیں جو مائلِ اسلام کریں گے
خوش ہوں کہ لطیف اپنی طلب ہے تو یہی ہے   ہم خدمت اسلام کو ہر گام کریں گے

پیر عبداللطیف خانؒ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ان کی زندگی کے مشن کو آگے بڑھاتے ہوئے ادارہ نشانِ منزل تبلیغ اور ترویج کے عمل کو اسی جذبے سے جاری رکھے ہوئے ہے۔ یہ ادارہ مندرجہ ذیل ذمہ داریوں کے نبھانے میں مصروفِ عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ نبی پاک ﷺ کے طفیل ہمیں ہدایت کی راہ پر ثابت قدم رکھتے ہوئے اپنے مقاصد میں سرفرازی و کامرانی سے نوازے، آمین:

تبلیغ و ترویج اسلام:

دین کی تعلیمات جدید انداز میں سائنٹیفک اور دلچسپ طریقے سے بتائی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ عوام الناس کے دل دین کی طرف راغب نہ ہو سکیں اور اُن کی زندگیوں میں ایک نمایاں تبدیلی رونما نہ ہو۔ اسی جذبے کو آگے چلاتے ہوئے مختلف دروس، سیمینارز اور روحانی محافل کا انعقاد کیا جاتا ہے۔

درس قرآن:

جدید طریقہ تدریس اور کمپیوٹر کی مدد سے ترجمہ وتفسیر کا درس جس میں عربی گرامر اور تجوید کے بنیادی قواعد سے بھی آگاہ کیا جاتا ہے۔ ہر جمعرات اور جمعہ کے دن بعد از نماز مغرب منعقد کیے جاتے ہیں۔ شہر سے باہر رہنے والے مریدین دروس سے ہر ماہ کے پہلے ہفتہ اور اتوار کو ادارہ میں مستفیض ہو سکتے ہیں۔

درس عقائد وفقہ

ان دروس میں اسلام کے بنیادی عقائد اور اسلامی شرعی احکام، جن کا جاننا ہر مسلمان کے لئے ناگزیر ہے، بتائے جاتے ہیں۔ یہ درس ہر جمعرات کو بعد از درسِ قرآن ادارہ میں دیا جاتا ہے۔

درس روحانیت:

ہفتہ وار محفل ذکر، جو گذشتہ چالیس سالوں سے منعقد کی جاتی ہے، میں ذکر اور روحانی درس سے عوام الناس کے قلوب پر نورانی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ اب اس محفل کا انعقاد اتوار بعد از نماز مغرب ہوتا ہے۔

حفظِ قرآن وسکول:

شعبہ حفظ قرآن میں بچوں کو سکول کی تعلیم بھی دی جاتی ہے۔ نشانِ منزل سکول کے بچے جہاں دینی تعلیم سے آراستہ ہوتے ہیں وہاں پیشہ دارانہ مہارت میں بھی کسی سے کم نہ ہوں گے، انشاءاللہ۔

تحقیق وتخریج:

امت مسلمہ کا اپنے وقار کو کھونے کا سبب مادہ پرستی اور علم وتحقیق سے دوری ہے۔ اسلاف کی پیروی میں علمی کیفیت اور تحقیقی جذبے کو فروغ دینے کے لیے ادارہ کوشاں ہے۔

نشان منزل پبلی کیشنز:

پیر صاحبؒ کی کتب کی اشاعت اور مارکیٹنگ کی اہم ذمہ داری ادارہ سرانجام دے رہا ہے۔ جو کتابیں اب تک زیور طباعت سے آراستہ ہو چکی ہیں وہ درج ذیل ہیں۔

۱) اقامۃ الصلوٰۃ
۲) بیعت کی تشکیل اور تربیت
۳) رابطہ شیخ
۴) جنید و بایزید
۵) شاہین کا جہاں اور
۶) سنت مبارکہ
۷) اسلام و روحانیت
۸) سوز و ساز رومی
۹) نشانِ منزل

۱۰) حضورِ قلب
۱۱) حسنِ نماز
۱۲) مجلسِ اقبال
۱۳) تہذیبِ نفس
۱۴) ثنائے خواجہ

علاوہ ازیں وہ کتب جو زیرِ طبع ہیں اُن کی تکمیل و تشہیر میں ادارہ مصروفِ عمل ہے۔

۱) تعلقاتِ زوجین
۲) مسئلہ تقدیر
۳) اکتسابِ رزق و انفاق
۴) سرمایہ طریقت
۵) مسالکِ اولیائے امت
۶) استغنا و اخلاق
۷) عقل، عشق اور فلسفہ خودی
۸) تعلیماتِ اقبال
۹) مکتوباتِ لطیف
۱۰) علامہ اقبال کا فلسفہ جنون

اللہ تعالیٰ سے دعا گو ہوں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں ہمت عطا فرمائے تاکہ اس اہم ذمہ داری کو خوش اسلوبی سے ادا کر سکیں (آمین)

خاکپائے اولیائے کرام
کرنل احمد فضیل خان

مقدمہ (از مصنف)

اس کتاب کا مقدمہ لکھنے سے قبل راقم الحروف کو سعودی عرب، انگلستان اور امریکہ کے تبلیغی دورے کے لیے فوری طور پر پاکستان سے نکلنا پڑا، لہٰذا مقدمہ لکھنے کی ذمہ داری ہنگامی حالات کی وجہ سے کسی عالم کے سپرد نہیں کی جا سکی چنانچہ یہ کام خود ہی امریکہ کی سرزمین سے پایہ تکمیل تک پہنچانے کی نوبت آئی۔

زیرِ نظر کتاب "سنتِ مبارکہ" کی تالیف کی ذمہ داری جناب عاصم مجید صاحب اور چند دیگر احباب نے مجھ پر اس غرض سے سونپی کہ میری باقی تمام تصانیف کی طرح یہ کتاب بھی اس انداز سے لکھی جائے کہ جس کی عبارت آسان اور عام فہم ہو جو مضامین کے اعتبار سے زیادہ سے زیادہ معلومات، دلچسپ انداز میں فراہم کرتی ہو اور فنی اعتبار سے بھی طلبائے اسلام کے معیار پر پوری اتر سکے۔ اس کتاب کے لکھنے کا ارادہ اس جذبے کے تحت وجود میں آیا کہ عوام الناس کو رسول اللہ ﷺ سے متعلق وہ تمام معلومات پیش کی جا سکیں جس کا علم ہونا ہر مسلمان کے لیے واجب ہے۔ سنتِ رسول اللہ ﷺ دینِ اسلام کی ایک اتنی بڑی اور اہم کڑی ہے کہ جس کو قرآن کے بعد سب سے اونچے درجے پر ہونے کا مقام حاصل ہے۔ علمِ حدیث کو ایسا مقام حاصل ہے کہ جس کے بغیر قرآن کا مکمل فہم حاصل کرنا ممکن نہیں۔ اس علم کے ساتھ ہی ہمیں اپنے پیارے نبی ﷺ کے شب و روز کا علم حاصل ہوتا ہے اور آپ ﷺ کے احکام اور افکار سے متعلق آگاہی بھی حاصل ہوتی ہے۔ اگر اختصار سے کام لیا جائے تو ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ علمِ حدیث کے مطالعہ سے ہی ایک مسلمان کو زندگی گزارنے کا صحیح اور مکمل خاکہ میسر آ سکتا ہے، کیونکہ اس کے ذریعے قرآن کی مکمل تشریح سمجھنے کی سعادت ملتی ہے۔

جب کبھی ہم اسلام کے کسی موضوع پر بات کرتے ہیں تو معاً ذہن میں قرآن اور حدیث کا خیال آتا ہے اور یہ دونوں الفاظ یعنی قرآن و حدیث ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح پیوست ہیں کہ ان کو ایک دوسرے سے الگ نہیں کیا جا سکتا۔

قرآن میں جہاں کتاب کے علم کا تذکرہ آیا ہے، وہاں علمِ حدیث کے متعلق بھی اشارے ملتے ہیں۔ کتاب اللہ میں متعدد بار یہ ذکر کیا گیا ہے کہ یہ نبی مکرم و معظم ﷺ تم کو قرآن، حکمت، تزکیہ نفس کا علم دیتے ہیں اور تمہیں وہ تمام علوم سکھاتے ہیں جو تم پہلے کبھی نہیں جانتے تھے۔ اس قسم کی تمام آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ قرآن کی تفسیر، متعلقات، تزکیہ نفس، حکمت (جو طریقت کے رازوں کی طرف اشارہ کرتی ہے) اور محکمات کے علاوہ متشابہات کا علم حضور ﷺ نے لوگوں کو ان کے ظرف کے مطابق عطا فرمایا۔ ایسے تمام علوم جن کی وضاحت قرآن میں نہیں کی گئی، ان کی تعلیم بذریعہ عملی نمونہ آپ ﷺ سے ہم تک پہنچی اور ہم تک یہ پہنچنے والی عبارت ہی حدیث کہلاتی ہے۔

قرآن اور حدیث میں دین اسلام کے اساسی امور کی وضاحت موجود ہے اور علامہ اقبالؒ نے ان دونوں علوم کی نزاکت اور اہمیت کے پیش نظر بہت طویل و عریض کلام اپنے فارسی اور اردو کے مجموعات میں لکھ کر مسلمانوں کے ذہنوں کو پوری آب و تاب سے منور کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے ایسے کلام کا بیشتر حصہ زیر نظر کتاب میں پوری تشریح کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے جن کے مطالعے سے علامہؒ کا مخصوص فلسفہ اور ان کا روح افزا اندازِ فکر موجوں کی طرح ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ قرآن اور حدیث سے متعلق جو باریک نکات علامہؒ کے کلام میں دیکھنے کو آتے ہیں، ان کے مطالعہ سے ان کی تبحر علمی، قرآن اور حدیث فہمی کا اندازہ ہوتا ہے۔ آپ نے اسلام کے تمام روشن پہلوؤں کو آشکار کر کے مسلمانوں کے دلوں میں اس پر عمل کرنے کی ایک عجیب روح پھونک دی ہے۔ قرآن پر آپ نے جو کلام پیش کیا ہے، اس کے ایک بہت بڑے حصے کو ہماری تصنیف ''سرمایۂ ملت'' میں بیان کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ قریشی کے نام لکھے گئے آپ کے ایک خط سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ قرآن پر ایک کتاب لکھنا چاہتے تھے اور آپ نے اس بات کا اظہار یوں کیا ہے ''میں قرآن پر ایک کتاب لکھنا چاہتا ہوں اور میں شیخی نہیں مارتا بلکہ یہ حقیقت ہے کہ اس کام کو میرے سوا اور کوئی نہیں کر سکتا''۔ آپ نے لکھا ہے کہ صحت کی خرابی اور مالی احوال کی نزاکت اس راہ میں رکاوٹ بن کر حائل ہو رہی ہے۔ اگر علامہؒ اس کتاب کو لکھ دیتے تو آپ کے الفاظ کی حقیقت سامنے آ جاتی اور لوگ معلوم کر لیتے کہ وہ کون کون سے معارف قرآن میں مخفی ہیں جن سے لوگ ابھی تک محروم تھے۔

سنت مبارکہ کا فہم حاصل کرنے کے لئے بہت سے علوم کا مطالعہ ضروری ہے جن میں سے فہم حدیث، کتابت اور حفاظت حدیث کو مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اس علم کو حاصل کرنے کے لئے یہ جاننا ضروری ہے کہ قرآن کا حدیث سے تعلق کیسا ہے؟ کتابت حدیث کس طرح اور کن حالات میں کس قدر احتیاط سے ہوئی۔ صحت حدیث کے لئے محدثین کرام نے کتنی کوششیں کیں اور کون کون سے علوم کو ایجاد کیا؟ ان علوم کی تعریف خود دشمنان اسلام نے کی ہے۔ مخالفین اسلام نے اس حقیقت کا اقرار کیا ہے کہ اسماء الرجال کی مثال کسی مذہب میں نہیں ملتی کہ ہم اس علم کے ذریعے لاکھوں انسانوں کا حال گھر بیٹھے ہی معلوم کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اس بات کا بھی اعتراف کیا ہے کہ ابھی تک کوئی ایسا علم ایجاد نہیں ہوا کہ ہم کسی ایک شخص (پیغمبر اسلام ﷺ) کے متعلق شب و روز کے ایک ایک قول و عمل کو معلوم کر سکیں۔ کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہماری اپنی جماعتوں کے چند اشخاص علم حدیث پر کیچڑ اچھالنے سے باز نہ رہ سکے اور منکرین حدیث نے تمام محدثین کی گرانمایہ کوششوں کو شک و شبہات کی نذر کر دیا اور تمام اکابرین اسلام کے گرانمایہ کام پر فتنۂ انکار حدیث سے تعلق رکھنے والے لوگوں نے طعنہ زنی سے کام لیا۔ انہیں یہ

معلوم نہیں کہ محدثین کرام نے وضع کردہ حدیثوں کو احادیث کے مجموعوں سے اس طرح باہر نکال پھینکا ہے جس طرح مکھن سے بال نکال دیا جاتا ہے۔ اس کتاب میں منکرین حدیث کے بیشتر اعتراضات کا تسلی بخش جواب لکھ دیا گیا ہے۔

احادیث کی صحت کی ضمانت سے متعلقہ تمام علوم کا بیان اس کتاب میں شامل ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ کتابت حدیث، حفاظت حدیث، تدوین حدیث، حدیث و سنت کی حجیت (بالادستی)، قرآن اور حدیث کا آپس میں تعلق اور امتیازات حدیث کے علاوہ اقسام اور اصطلاحات حدیث پر نہایت مفصل اور مکمل تحریریں اس کتاب میں لانے کی کوشش کی گئی ہے جو دینی طالب علموں کے لئے نصابی معیار کا درجہ رکھتی ہیں۔ اس کتاب میں خصوصی امتیاز کے ساتھ اتباع اور اطاعت رسول ﷺ کو کافی وضاحت سے بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ہی حضور ﷺ کو بحیثیت شارع اسلام ایک ایسی کردار ساز شخصیت بیان کیا گیا ہے کہ جس سے مشکوک زدہ اور اوہام پرست لوگوں کو حضور ﷺ کی بلندی ذات سے آگاہی حاصل ہو سکتی ہے اور یہ معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو کس حد تک بااختیار شارع اسلام بنا کر بھیجا ہے۔ اسلام میں انسان کو خلیفۃ اللہ ہونے کا شرف حاصل ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بہت سے اختیارات انسان کو سونپ دیئے ہیں۔ حضور ﷺ کو بھی اللہ تعالیٰ نے جس حد تک اپنی اجازت سے اختیارات دیئے ہیں، اس کتاب میں ان اختیارات پر کچھ روشنی ڈالی گئی ہے، اگرچہ بعض دوسرے احکامات میں آپ بھی مکلف تھے اور ان میں کسی کو ردوبدل کی طاقت نہیں۔ اس کتاب میں اعتقادات دینیہ پر مشائخ عظام کی آراء بھی شامل کی گئی ہیں تاکہ بزرگان اسلام کے مذاہب (عقائد) سے علم حاصل ہو سکے اور سنت رسول ﷺ کی وضاحت ہو سکے۔

زیر نظر کتاب کا مقصد یہی ہے کہ سنت رسول ﷺ سے واضح طور پر عوام الناس کو آگاہ کیا جائے۔ سنت کے بیان میں حدیث کا ذکر لامحالہ آتا ہے اور یہی وجہ ہے کہ حدیث کے متعلق اس کتاب کا تقریباً نصف حصہ وقف کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ فقہ میں علم سے مراد معلوم تک (یعنی اللہ تعالیٰ تک پہنچانے کا علم مراد ہونا لیا جاتا ہے) اور خبر سے مراد مخبر صادق ﷺ کا کلام ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ علم بھی نام نہاد علماء یا نااہل علماء سے سیکھنا مناسب نہیں کیونکہ وہ روحانی قوتوں سے محروم ہوتے ہیں۔ فرمایا علم اور خبر ایسے شخص سے سیکھو اور سنو جو علم سے معلوم (یعنی اللہ) تک رسائی حاصل کر چکا ہو اور خبر سے مخبر یعنی رسول اللہ ﷺ کو پہچانتا ہو۔

اسلام میں سب سے بڑا رخنہ جس کو یہود اور نصاریٰ نے بہت مال و دولت خرچ کرنے کے بعد

رائج کیا ہے، وہ ان لوگوں کا راستہ ہے جو شریعت (یعنی قرآن اور سنت رسول ﷺ) کو چنداں اہمیت نہیں دیتے اور اس لادینی کی زندگی کو طریقت کا نام دیتے ہیں، حالانکہ طریقت ان پاک باز ہستیوں کا راستہ ہے جنہوں نے سختی سے شریعت کا اہتمام کیا۔ ایسی بلند پایہ ہستیوں کا فرمان ہے کہ شریعت کے بغیر کوئی مقام حاصل نہیں ہو سکتا، کیونکہ شریعت سے دور رہنے والوں کو سوائے گمراہی کے اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ایسے لوگوں کے خلاف جو شریعت سے دور رہنے کا سبق دیتے ہیں علامہ اقبالؒ نے سخت بیزاری کا اظہار کیا ہے اور حقیقی اللہ والوں کی شانِ میں آپ نے زبردست خراج تحسین پیش کیا ہے اور ان کی خدمات کو سراہا ہے۔ اس کتاب میں ایسے بے دین لوگوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کی گئی ہے جو سنت مبارکہ کے مخالف اور اسلام دشمن ہیں۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حضرت مخدوم علی الہجویریؒ نے لکھا ہے کہ یہ لوگ اسلام سے دور اور دین کے چور ہیں۔

سنت مبارکہ پر عمل سے ایک مسلمان رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک گہرا روحانی رشتہ قائم کر لیتا ہے۔ سنت کی اتباع کے بغیر کوئی شخص مسلمان نہیں کہلا سکتا۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک اس کی ہر خواہش اس دین کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لے کر آیا ہوں۔ سنت مبارکہ کو اس قدر بلند مقام حاصل ہو تو پھر کسی کو دم مارنے کا چارہ نہیں۔ زیر نظر کتاب میں سنت کے مقام کو واضح کرتے ہوئے قارئین کو بتایا گیا ہے کہ سنت کیا ہے؟ اس کی اصل وحی الٰہی ہے۔ اس کی عظمتوں کا سبب کیا ہے؟

حضور ﷺ کی اتباع مقصود ہو تو اسوۂ حسنہ (جو کہ رسول اللہ ﷺ کے ہر انداز عمل اور آپ کی ہر ادا سے ہم کو باخبر کراتا ہے) کے بغیر مسلمان کو چارہ نہیں۔ اس کتاب میں حضور ﷺ کا اسوۂ حسنہ، اخلاق کریمہ، محبت رسول ﷺ اور سنت رسول ﷺ میں تعمیر شخصیت کو مکمل تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور اس کے علاوہ شریعت، طریقت اور حقیقت پر اختصار کے ساتھ پرمغز گفتگو کی گئی ہے۔ سنت مبارکہ پر ائمہ اسلام، بالخصوص حضرت مجدد الف ثانیؒ کے ارشادات نقل کئے گئے ہیں۔ قرآن و سنت پر علامہ اقبالؒ کا جامع کلام بھی اس کتاب کی دلچسپی کا باعث بن چکا ہے۔

مذکورہ بالا بیانات کا مقصد احیائے سنت کی غرض سے عوام کے دلوں کو سنت رسول ﷺ کے اتباع کے لئے تیار کرنا ہے، کیونکہ اس دور میں جبکہ لوگوں کی توجہ مادی دنیا کی طرف کلی سے مرکوز ہو چکی ہے تو ایسی صورت میں اس مرض کا تریاق سنت کو اپنانے کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ امید ہے کہ ہماری اس کوشش سے بہت سے ایسے لوگ استفادہ کر سکتے ہیں جن کے دلوں میں عشق رسول ﷺ تو موجود ہے مگر وہ اس کو حاصل کرنے

کے راستے سے واقفیت نہیں حاصل کر سکے۔ اللہ تعالیٰ امت مسلمہ کو حضور ﷺ کی سنت مبارکہ کی اتباع سے مزین اور منور فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین علیہ التحیہ والسلام۔

۱۹ رمضان المبارک (۶ جنوری ۱۹۹۹ء)
(کیلیفورنیا، امریکہ)

خاک راہ عاشقان رسول ﷺ
عبداللطیف خان نقشبندی (رحمہ اللہ)
ادارہ نشان منزل، نادر آباد کالونی
بیدیاں روڈ لاہور کینٹ
0323-4878481/04235709606

تاثرات

سلسلۂ تبلیغ وترویج اسلام کو جاری وساری رکھتے ہوئے پیر عبد اللطیف خان نقشبندی (ؒ) نے نشان منزل، بیعت کی تشکیل اور تربیت، حضور قلب، رابطۂ شیخ، حسن نماز اور مجلس اقبال کے بعد ''سنت مبارکہ'' جیسی خوبصورت تصنیف کو عوام الناس کے سامنے پیش کرنے کی سعادت حاصل کی ہے جبکہ اس سے پہلے آپ نے تقریباً ایک درجن سے زائد ان کتب کی تکمیل کا کام انجام دیا ہے جو ابھی زیور طباعت سے آراستہ ہونے کی منتظر ہیں۔ آپ کی دیگر تبلیغی مصروفیات کے پیش نظر اتنی زیادہ کتابوں کا لکھا جانا آپ کے ولولۂ انگیز ذوق اور ہمت کی عکاسی کرتی ہیں۔

اس کتاب سے پہلے جس قدر کتب آپ نے شائع کی ہیں، وہ سب کی سب آپ کے ذوق اور حسن کارکردگی کا نمونہ ہیں۔ آپ کی تمام تصانیف عوام الناس میں بے حد مقبول اور معروف ہو چکی ہیں بالخصوص آپ کی تصنیف ''حسن نماز'' نے تو پورے پاکستان اور بیرونی ممالک میں بہت زیادہ شہرت حاصل کی ہے۔ آپ کی یہ کتاب ایک ہاتھ سے نکل کر کئی ہاتھوں میں پہنچ چکی ہے۔ اس کتاب کی قبولیت تعارف کی محتاج نہیں۔

زیر نظر کتاب ''سنت مبارکہ'' کو انشاء اللہ دوہری قبولیت حاصل ہو گی کیونکہ ایک طرف تو یہ کتاب عوام کے لیے سنت رسول ﷺ کی حیثیت، افادیت اور اس کی ارتقائی منازل کا پتہ دیتی ہے اور دوسری طرف خواص کے علم حدیث، فن حدیث اور حجیت حدیث پر ایک عمیق گفتگو کی حامل کتاب ہے جو دینی مدارس اور یونیورسٹیوں کی سطح کے طالب علموں کے لئے مکمل راہنمائی اور درسی ضروریات کے معیار پر پوری اترے گی۔

یہاں اس بات کو وثوق سے کہا جا سکتا ہے کہ تقریباً ۶۰۰ صفحات پر مشتمل سنت اور علم حدیث کے عنوان سے اس جامعیت اور مانعیت کی حامل اس کتاب کی نظیر کا دور حاضر میں ملنا ممکن نہیں۔ اس کتاب میں منکرین حدیث کے اعتراضات کے نہایت معتبر دلائل قلم بند کیے گئے ہیں اور اس کے علاوہ مصنف نے علامہ اقبالؒ کے کلام پر مبنی ایک نہایت مفصل اور مدلل بیان اس کتاب میں شامل کیا ہے، جو آج تک کسی کتاب میں دیکھنے کو نہیں ملا۔ مزید برآں مصنف نے سنت رسول ﷺ میں جدید سائنس کی ایما پر مخفی حکمتوں کے پائے جانے کی حقیقتوں کو بہت حسین اور دلکش انداز میں پیش کر دیا ہے جو موجودہ نسلوں کو بہتر انداز سے سنت رسول ﷺ کی طرف کھچے جانے پر آمادہ کرے گی۔ اس کتاب کی ایک اور خصوصیت جو دیکھنے میں آئی ہے، وہ یہ ہے کہ مصنف نے عشق رسول پر مشائخ عظام اور علامہ اقبالؒ کے علاوہ دیگر شعراء کا کلام بھی جمع کر دیا ہے جو عاشقان رسول کی وابستگی کا سامان بنے گا۔ مصنف نے اس کتاب میں عقائد اور بدعت کے موضوع پر سیر حاصل بحث بھی کی ہے جس سے مشکوک زدہ افراد کو راہنمائی مل سکتی ہے۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مصنف کی بے لوث کوششوں کو قبولیت حسن کا درجہ عطا فرمائے اور مصنف کے لیے بلندیٔ درجات کے ساتھ ساتھ درازیٔ عمر کا سبب بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین والتسلیمات۔

مورخہ ۱۲ ربیع الاول ۱۴۲۱ھ نیک تمناؤں کے ساتھ
بمطابق ۱۶ جون ۲۰۰۰ء پیر علاؤالدین صدیقی غزنوی نقشبندی
سجادہ نشین، دربار عالیہ، نیریاں شریف، تراڑ خیل (آزاد کشمیر)

مقدمہ

(ماخوذ از رابطۂ شیخ)

از حضرت پیر محمد کرم شاہ الازہریؒ سابق جسٹس وفاقی شرعی عدالت۔ پاکستان

اللہ رب العزت نے اپنے محبوب کریم عَلَیْهِ التَّحِیَّةُ وَالثَّنَاءُ وَالتَّسْلِیْم کو بے شمار شانوں اور ان گنت کمالات سے بہرہ ور فرما کر مبعوث کیا۔ یہ کمالات عالیہ حد و احصاء سے باہر ہیں۔ انہیں میں سے ایک خصلت حمیدہ یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ دلوں کا تزکیہ فرماتے ہیں، وہ دل جو دنیوی خواہشات سے آلودہ ہو چکے ہوں ان کی دھڑکنوں کا مرکز و محور بدل گیا ہو جو اپنے خالق و مالک کے ذکر کی حلاوت سے محروم ہو چکے ہوں؛ شیطانی وسوسہ اندازیوں اور نفس کی دسیسہ کاریوں کی آماجگاہ بن چکے ہوں۔ جب ایسے پراگندہ دل بھی آپ کی خدمت عالیہ میں حاضر ہوں گے اور آپ کی نگاہ لطف ان کی جانب اٹھ جائے گی تو ان دلوں کو وہ طہارت نصیب ہو جائے گی کہ قدسیان سمٰوٰت بھی ان پر رشک کریں گے۔ اب شیطانی حربے ان کے دلوں پر اثر انداز نہیں ہو سکیں گے بلکہ وہ تو انوار ربانی کے مہبط و مرکز بن چکے ہوں گے۔

ہمارے پاک و پاکیزہ سرشت پیغمبر ﷺ کے فیض ہمایوں نے دلوں کی اجڑی ہوئی دنیا کو بہار آشنا کر دیا۔ ایسی سرمدی و دائمی بہار کہ وہ اس کے بعد کبھی بھی خزاں کی ستم رانیوں کا شکار نہیں ہو سکتی۔

نبی اکرم و اطہر ﷺ کی فیض بخشیوں کا یہ سلسلہ اولیائے کرامؒ کی صورت میں آج بھی جاری و ساری ہے۔ ان نفوس قدسیہ کے روحانی تصرفات اور باطنی فیوضات نے ہمیشہ دنیا میں خیر کی روایت کو زندہ رکھا۔ عصیاں و لغزشوں سے آلودہ دلوں کو حق و راستی کے انوار سے روشن و منور کرنے کا سلسلہ ہمیشہ ان پاکان امت نے اپنی شبانہ روز کاوشوں سے بحال رکھا۔ اولیائے کرامؒ کی اس مساعی کے صدقے اس امت میں ایسے ارفع و اعلیٰ کردار اور ایسی برگزیدہ ہستیاں پیدا ہوتی رہیں کہ دنیا کی کوئی قوم ان جیسے نادر روزگار وجود پیش نہیں کر سکتی۔

آج جبکہ عالم اسلام گوناگوں ابلیسی سازشوں کا شکار ہے ان میں سے ایک بہت بڑی سازش اسلام کے اس روحانی نظام کو مشکوک اور بے اصل ثابت کرنے کی ہے۔ اغیار اچھی طرح سمجھتے ہیں کہ یہ امت اپنے ایمان، محبت اور حق کی خاطر مر مٹنے کے لازوال جذبے کہاں سے حاصل کرتی ہے۔ ایسے میں وہ افراد بڑے خوش بخت اور فرخندہ اقبال ہیں جو اپنے اسلاف کی درخشندہ اور حیات آفریں روایات کی پاسداری

کا فریضہ سرانجام دے رہے ہیں۔

محترمی عزت مآب حضرت پیر عبداللطیف خان صاحب نقشبندی کی تصنیفات عالیہ کو دیکھ کر دل بہت خوش ہوا۔ فی زمانہ صوفیائے کرامؒ کی تعلیمات کو سہل انداز میں اور عصری ذوق کے مطابق نوجوان نسل اور تشکیک زدہ افراد کے سامنے پیش کرنا بہت ہی ضروری ہے۔ ان روایات کے احیاء کے بغیر امت مسلمہ کی نشاۃ ثانیہ کا مقصد کبھی بھی پورا نہیں ہو سکتا۔ ایسی مفید اور معیاری کتابوں کے مصنف یقیناً مبارکباد کے مستحق ہیں۔ اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے اللہ رب العزت پیر عبداللطیف خان نقشبندی کی کاوشوں کو قبولیت سے ہمکنار فرمائے اور ان کی فیض رسانیوں کے سلسلہ کو اور مزید وسعت عطا فرمائے۔ آمین

خاک راہ صاحب دلاں

اپریل ۱۹۹۸ء

پیر محمد کرم شاہ الازہری (نوّر اللّٰہ تربتہٗ)

غرض تالیف

از مصنف

مسلمانوں کی دین سے رغبت کا رجحان پوری دنیا میں زوال پذیر ہے اور اس کا سبب یہود ونصاریٰ کی وہ ان تھک کوششیں ہیں جو ان کے ہیڈ کوارٹرز سے مسلمانوں کو دین سے دور کرنے کے لئے کی جا رہی ہیں۔ مسلمانوں کو دین سے دور رکھنے کا عمل دشمنان اسلام کے تمام مقاصد کی تکمیل کر دیتا ہے جس کے باعث وہ آسانی سے مسلمانوں کو اپنے خونی پنجوں کے تلے دبا کر رکھ سکتے ہیں۔ دشمنانِ اسلام نے مسلمانوں کو اس حد تک کمزور کر دیا ہے کہ اب انہیں دنیا میں کثرتِ مال کے سوا اور کوئی بات سوجھائی نہیں دیتی۔ مسلمانوں کو شکست دینے کا اس سے بڑا اور کوئی حربہ نہ تھا کہ ان کو دین اسلام سے روگرداں کرتے ہوئے دنیا کی محبت اور لایعنی کاموں میں گرفتار کر دیا جاتا۔ اپنے اس مشن میں مخالفینِ اسلام پوری کامیابی حاصل کر چکے ہیں اور بیچارے مسلمان ان کے ہاتھوں بری طرح مات کھا چکے ہیں۔ طبعاً مسلمانوں کی اس مرض کا علاج اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ ان کی توجہ ایک بار پھر دین اسلام کی تعلیمات کی طرف کھینچ کر لائی جائے اور ان کو اس بات کا یقین دلایا جائے کہ اگر وہ اسلام کی طرف رجوع کریں تو وہ خدا کی رضا حاصل کر سکتے ہیں اور اس کے علاوہ دنیا کی پوری متاع ان کے قدموں میں آ سکتی ہے۔ اس کتاب کی تالیف کا مقصد مسلمانوں کو اس مقام تک پہنچ جانے کے قابل بنانا ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان احادیث میں کچھ اس طرح آیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ تم آگ کی طرف جا رہے ہو اور میں تمہیں تمہاری کمروں سے پکڑ پکڑ کر آگ سے باہر کھینچ رہا ہوں۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان دنیا میں مسلمان ہو کر معزز تھے اور آج کا مسلمان تارک قرآن ہو کر زمانے بھر میں خوار ہو چکا ہے۔ جو قوم تارکِ قرآن ہونے کی اس حد تک پہنچ چکی ہو کہ ان پر "اِنَّ قَوْمِی اتَّخَذُوْا هٰذَا الْقُرْاٰنَ مَهْجُوْرًا" (بے شک میری قوم نے قرآن کو پس پشت ڈال دیا ہے) (الفرقان: ۳۰) صادق آتا ہو تو وہ حدیثِ رسول ﷺ کی صدا اور ندا کو کیسے سن سکتے ہیں۔ جس کو دیکھو وہ مال کی محبت میں اس طرح گرفتار نظر آ رہا ہے کہ اب کوئی طاقت ان کو دنیا طلبی اور دنیا کی ہوس سے روک نہیں سکتی۔ راقم الحروف نے اپنے تبلیغی دورے میں لندن کے قریب ایک شہر (ریڈنگ) میں لوگوں کو دین کی دعوت کے لئے بلایا تو معلوم ہوا کہ سوائے ایک شخص کے سب بے نمازی تھے۔ یہ بات اس سے زیادہ حیران کن تھی کہ ان لوگوں میں ایک ایسے شخص کا بھی شمار تھا جو خود کو ایک بہت بڑے پیروں کے خاندان سے متعلق ہونے کا دعویٰ کر رہا تھا (اور خود بھی بے نمازی تھا) اس حالت کو دیکھ کر وہ کون سی آنکھ ہو سکتی ہے جو یکسر اشکبار نہ ہو جائے۔ اس سے بھی بڑی حیرانگی کی بات یہ

ہے کہ ایسی قوم کی اصلاح کے لئے حکومت کے اکابرین اور قوم کے صاحب ثروت لوگ (جو اس کام کو کرنے کی اہلیت رکھتے ہوئے بھی) اس اہم کام کی طرف کوئی توجہ نہیں دے رہے۔ کاش ہماری حکومت اور روٗسائے ملک اس فقیر کی کتاب ''نشان منزل'' میں تجویز کردہ نکات کی طرف دھیان کریں تو یہ بے دینی کی کیفیت چند سالوں میں ہی دور ہو سکتی ہے۔

اس فقیر کے دورۂ انگلستان اور امریکہ کا مقصد چند احباب کو ملنا اور خواہش مند حضرات کو دین کی طرف رغبت دلانا تھا مگر حیرانگی کی بات ہے کہ یہاں آ کر یہ محسوس ہو رہا تھا کہ اپنی رقم خرچ کرنے کے بعد امریکہ آنا کوئی سودمند ثابت نہ ہوا، کیونکہ کوئی شخص دین کا خریدار نظر نہیں آ رہا تھا، اس بات کے ذہن میں آنے کے بعد یہ بات بھی ظاہر ہوئی کہ یہ قوم تو خدا کی طرف دھیان دینے کے لئے بھی قطعاً تیار نہیں اور اللہ تعالیٰ کو بھی ایسی صورت حال کے مطابق (بقول علامہ اقبالؒ) یہ کہنا ہوتا ہے کہ۔

ہم تو مائل بہ کرم ہیں کوئی سائل ہی نہیں
راہ دکھلائیں کسے؟ کوئی راہرو منزل ہی نہیں

موجودہ حالت میں اپنی قوم کو مال و دولت کی محبت میں ڈوبے ہوئے دیکھ کر یہ بات سامنے آتی ہے کہ انسان کی فطرت اس نہج پر سختی سے جاری ہے کہ ''اِنَّهٗ لِحُبِّ الْخَيْرِ لَشَدِيْدٌ'' (یعنی بے شک وہ مال کی محبت میں بڑا سخت ہے) (العادیات:۸) انسان کی فطرت میں جو چیزیں قرآن نے بیان کی ہیں، اس کا ایک مختصر سا جائزہ ہماری تصنیف ''تہذیب نفس میں'' انسان فی القرآن کے عنوان سے شامل کر دیا گیا ہے۔ اس جگہ مولانا رومیؒ کی ایک بات یاد آتی ہے۔ آپ اپنی مثنوی میں یہ انکشاف فرماتے ہیں کہ انسان تو گدھے سے بھی بدتر فطرت رکھتا ہے۔ آپ نے یہ مثال دی ہے کہ جب گدھا کسی دلدل میں پھنس جاتا ہے تو وہ اس سے باہر نکلنے کے لئے ٹانگوں کو حرکت میں لاتا ہے اور اس دلدل سے نکلنے کی کوشش کرتا ہے۔ حضرت انسان جب کسی (اخلاقی) دلدل میں پھنس جاتا ہے تو وہ وہیں پر ڈیرے جمالیتا ہے اور اس سے باہر نکلنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت مال و دولت کی شدید خواہش میں گرفتار ہے اور سالوں اسی دلدل میں بخوشی پھنسے رہنے کے لئے دل و جان سے خواہش مند ہے، اس کو یہ معلوم نہیں کہ دنیا کی چند کوڑیوں کی خاطر دین کے ذریعے سے ملنے والے قیمتی ہیرے اور جواہرات کی چنداں پرواہ نہیں رکھتا۔ مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی اس بات پر یقین نہیں کہ اگر وہ خدا کی اطاعت کریں تو یہ دنیا ان کے قدموں میں جھک جائے گی (اس کی تفصیل ہم اپنی تصنیف ''تہذیب نفس'' اور دیگر کتب میں بیان کر چکے ہیں)

رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی میں کیا کچھ ملتا ہے، اس کی وافر تفصیل زیر نظر کتاب میں بیان

کردی گئی ہے، تاکہ مسلمان بھائی اس تحریر سے استفادہ کر سکیں۔ سنت رسول ﷺ کے تمام خوبصورت پہلوؤں کو اس کتاب میں حتی الامکان (مسلمانوں کی اخص ضرورت کے مطابق) قلمبند کر دیا گیا ہے تاکہ وہ سنت کی برکات سے روشناس ہو سکیں اور اپنی دیرینہ بے علمی کو دور کر سکیں۔ ریڈنگ کے مذکورہ تبلیغی درس کے دوران چند نوجوانوں سے یہ سوال کیا گیا کہ آپ نماز روزے کی طرف کیوں مائل نہیں ہو سکے تو ایک نوجوان نے یہ جواب دیا ''ہم کو کسی نے یہ بتایا ہی نہیں کہ نماز روزے میں کیا ملتا ہے اور یہ کیوں ضروری ہے'' علامہ اقبالؒ نے فرمایا ''ایں گناہ او ست یا تقصیر ما ست'' (یعنی یہ لاعلمی اس نسل کا گناہ ہے یا ہم بڑے بزرگوں کی خطا ہے) آپ نے فرمایا۔

پانی نہ ملا زمزمِ ملت سے جو اس کو
پیدا ہے نئی پود میں الحاد کے انداز

علامہ اقبالؒ نے نوجوانوں کی اس دین سے دوری پر بہت کلام پیش کیا ہے جس کا مطالعہ آپ ہماری تصانیف ''حسن نماز'' اور ''سرمایہ ملت'' میں کر سکتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے قرآن اور سنت رسول ﷺ پر جو اشعار تحریر کیے ہیں، وہ ہماری آنکھوں کو کھولنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ آپ کے بہت سے دلچسپ اشعار کافی تفصیل کے ساتھ اس کتاب میں شامل کر دیے گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اس کتاب کا مطالعہ کرنے اور دین اسلام کے خوبصورت اجزاء پر عمل کرنے کا ذوق اور شوق نصیب فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

۶ جنوری ۱۹۹۹ء
(کیلیفورنیا، امریکہ)

خاکِ پائے صاحبدلاں
عبداللطیف خان نقشبندی
ادارہ نشانِ منزل، نادر آباد کالونی
بیدیاں روڈ لاہور کینٹ
0323-4878481/04235709606

پہلا باب

سنت مبارکہ

مقام سنت رسول مقبول ﷺ

سنت کا اطلاق کسی ہستی یا ذات کی سیرت، صورت، نہج، راستہ اور طریقہ وغیرہ کے بیان کرنے کو کہا جاتا ہے، خواہ وہ طریقہ اچھا ہو یا برا ہو۔ اصطلاح میں اس سے مراد وہ احکام ہیں جن کی صراحت قرآن میں نہیں اور جو رسول اللہ ﷺ کے اپنے قول، فعل، تقریر اور صفت سے ثابت ہوں۔ حضور ﷺ چونکہ تمام مخلوقات میں سے بزرگ اور افضل قرار پائے ہیں، اس لیے آپ ﷺ کی سنت کو "سنت خیرالانام" سے موسوم کیا جاتا ہے۔

زیرنظر کتاب میں سنت رسول ﷺ کے معنی، مفہوم، وضاحت، مقام، افادیت اور اہمیت کو بیان کرنے کے علاوہ اس بات کو ثابت کیا گیا ہے کہ قرآن وحدیث کے اعتبار سے سنت کی اتباع کیونکر ضروری ہے اور یہ کہ شریعت کے احکام اپنی صحت مندانہ شکل میں کن اسناد سے ہم تک پہنچے ہیں۔ سنت کی شرعی حجت، فن حدیث، احادیث کی تاریخ وتدوین کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ علم وتعلیم حدیث اور احیاء سنت کی ضرورت مناسب دلائل اور وضاحت سے بیان کی گئی ہے۔ حدیث کے مذکورہ علوم کے باعث یہ کتاب تشریح سنت پر درسی حیثیت اختیار کر گئی ہے۔

سنت کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے ہوسکتا ہے کہ حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جس نے میری سنت کو زندہ کیا تو وہ آپ ﷺ کی معیت میں ہوگا۔ معیت سے مراد دنیا اور آخرت میں آپ ﷺ کے ساتھ یا آپ ﷺ کی نظروں میں رہنا ہے۔

"مَنْ اَحْیَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحْیَانِیْ وَ مَنْ اَحْیَانِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ "[1]

---

[1] المعجم الاوسط، سلیمان بن احمد طبرانی، متوفی ۳۶۰، جلد ۹، صفحہ ۱۶۹، بیروت۔

(جس نے میری سنت کو زندہ کیا اس نے مجھے زندہ کیا اور جس نے مجھے زندہ کیا وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا)۔

مزید برآں آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ

’’عَمَلٌ قَلِيْلٌ فِيْ سُنَّةٍ خَيْرٌ مِّنْ عَمَلٍ كَثِيْرٍ فِيْ بِدْعَةٍ‘‘

(میری سنت کے مطابق تھوڑا عمل کرنا بدعت میں کثیر عمل سے بہتر ہے)[1]

تعارف سنت

اسلام کا فہم حاصل کرنا مطلوب ہو یا اس پر عمل کرنا مقصود ہو تو قرآن و سنت کا علم حاصل کرنا ایک بنیادی ضرورت کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسلام میں قرآن اور سنت کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جا سکتا کیونکہ قرآن کو سنت کے بغیر اور سنت کو قرآن کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں، یہی وجہ ہے کہ دونوں میں سے کسی ایک کا انکار کفر اور گمراہی تصور کیا جاتا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس بات کی وضاحت اس کتاب کے آئندہ ابواب میں کی جائے گی۔ قرآن اور سنت کو اپنانے کی ضرورت یوں محسوس کی جاتی ہے کہ ایک انسان کے لئے کامیاب زندگی گزارنے کا مقصد صرف یہی ہے کہ انسان اصول فطرت کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالے اور جو امور اس کے لئے ناقص اور غیر فطری ہیں، ان سے بچے اور اس کے برعکس ہر سودمند امر یا اصول کو اپنائے۔ دانش مندوں اور نقطہ دروں کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ اسلام زندگی کا ایک ایسا لائحہ عمل تجویز کرتا ہے جس کو پرکھ لینے کے بعد یہی کہا جاتا ہے کہ اسلام ہی صرف ایک ایسا دین ہے جو زندگی کو گزارنے کا واحد طریقہ ہے۔ اس کے علاوہ زندگی گزارنے کے جتنے طریقے نظر آتے ہیں وہ سب ناقص العمل اور غیر فطری اصولوں پر مبنی ہیں۔ اس بات کی وضاحت کرنے کی چنداں ضرورت نہیں کہ ہم یہ کہیں کہ قرآن ہماری زندگی کی راہ میں آنے والے تمام امور کی چھوٹی سے چھوٹی بات کی مکمل تفصیل بیان کرے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ قرآن کا کام تو صرف اتنا ہے کہ وہ اچھائی اور برائی میں فرق بیان کر دے، لہٰذا ان ہی معنوں میں قرآن کو فرقان الحمید بھی کہا جاتا ہے۔ انسانی زندگی گزارنے کی راہ میں انسان کو لاتعداد اشیاء اور امور زندگی سے واسطہ ہوتا ہے اور اس قدر وسیع میدان عمل کی ہر چیز کی تشریحی ہدایات قرآن میں شامل کرنا خارج از امکان امر ہے، لہٰذا ایسے امور کی تفصیل کو احاطہ سنت رسول ﷺ ہی میں شامل کر دیا گیا ہے۔ ان دونوں کی راہنمائی کے بغیر زندگی کے فراز راہ کو سمجھنا دشوار ہے۔

اسلام کی راہ کو سمجھنے کے سلسلے میں ہمیں قرآن کے علاوہ بہت سے علمی اور شرعی ذرائع اختیار کرنے کی ضرورت ہوتی ہے، اسی لئے اسلام میں فقہ کو اہمیت دی جاتی ہے۔ فقہ کے معنی ’’شق‘‘ کرنے یا فتح (یعنی کھولنے) کے ہیں۔ علامہ زمخشریؒ نے کہا ہے کہ فقہ کی حقیقت، تحقیق کرنا یا احکام شرعیہ کا علم اَدِلّـــہ (دلائل)

---

[1] مصنف عبدالرزاق، ابوبکر عبدالرزاق بن حمام، متوفی ۲۱۱ھ، حدیث ۲۰۵۶۸، جلد ۱۱، صفحہ ۲۹۱، بیروت۔

تفصیلیہ سے حاصل کرنا اور پیچیدہ مسائل کو حل کرنا ہے۔ امام غزالی ؒ نے فرمایا فقہ کے معنی فہم، تدبر اور دین کی بصیرت کو بیان کرنے کے ہیں۔ فقہ کی تعریف میں کہا جاتا ہے کہ فقہ سے مراد وہ حتمی قواعد ہیں جن کی رو سے مجتہد قوم کی طبعی خصوصیات کے مطابق قرآن مجید اور سنت کی روشنی میں ایک تفصیلی نظام مرتب کرتا ہے۔ اصول فقہ، علم شرعیہ کو نافذ کرنے کے لئے قواعد وضع کرتا ہے جس سے احکام کا استنباط کیا جا سکے۔ بقول حضرت مجدد الف ثانیؒ فقہ اسلامیہ کے ماخذ اور مصادر نو ہیں جن میں (۱) کتاب اللہ (۲) حدیث اور سنت رسول ﷺ (۳) اجتہاد (۴) معروف (اچھا کام) (۵) استحسان (کسی چیز کو دلائل سے سمجھنا) (۶) استصلاح (مفاد عامہ میں کسی چیز کا اختراع کرنا) (۷) قیاس (کسی چیز سے موازنہ کرنا اور ایک کا حکم دوسرے پر لگانا ہے) (۸) استدلال (ایسی دلیل قائم کرنا جو نص، اجماع یا قیاس کے خلاف نہ ہو) (۹) الہام (نور قدس کی چمک سے دل میں کشف کا وارد ہونا)۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے الہام کے متعلق فرمایا ہے کہ یہ دین کے مخفی کمالات کو ظاہر کرتا ہے اور اسلام کے دقائق اور اسرار کا ظاہر کرنے والا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اگرچہ اجتہاد اور الہام میں واضح فرق ہے لیکن اجتہاد تو رائے کی طرف منسوب ہے اور الہام رائے کے خالق (اللہ جل شانہ) کی طرف منسوب ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس طرح الہام میں ایک طرح کی اصالت (اصل سے پیوستگی) پیدا ہو گئی ہے جو اجتہاد میں نہیں۔ الہام پیغمبر کے خبر دینے کے مشابہ ہے، جو سنت کا ماخذ ہے، اگرچہ الہام ظنی ہے اور پیغمبر کا خبر دینا قطعی ہے۔ اس بیان سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ فقہ اسلامیہ کو سمجھنے کے لئے قرآن کے علاوہ اور بہت سے ذرائع سے کام لینا ہوتا ہے۔ اس بیان کی تفصیل دیکھنا اگر مقصود ہو تو راقم الحروف کی کتاب ''حسن نماز'' میں ''فقہ اسلامیہ میں الہام کا مقام'' کے عنوان سے لکھے گئے مضمون کا مطالعہ فرمائیں۔

معلومات جو سنت سے میسر ہوتی ہیں

جمہور محدثین کے نزدیک سنت سے نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال، تقریرات، آپ کے اخلاق و عادات، مغازی اور بعثت سے قبل کے حالات، مثلاً غار حرا کی خلوت نشینی وغیرہ کے اطوار کا علم ملتا ہے۔

'تقریر' محدثین کی ایک اصطلاح ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص نے کوئی بات کہی یا کسی خاص فعل کو اختیار کیا اور اس کا یہ قول یا فعل رسول اللہ ﷺ کے علم میں آیا تو آپ ﷺ نے واضح الفاظ میں اس کی توثیق فرمائی یا ناپسندیدگی کا اظہار فرمائے بغیر سکوت اختیار فرمایا، یہ سکوت رسول اللہ ﷺ کی جانب سے ایک معنوی رضامندی ہے اس لئے یہ بھی سنت کی اصطلاح میں داخل ہے۔

چونکہ سنت کی چاروں جہتیں (قول، فعل، تقریر اور صفت) رسول اللہ ﷺ کی ذات مبارکہ و

مقدسہ سے متعلق ہیں، اس لئے اسلامی قانون میں سنت کا صحیح مقام اور مرتبے کا تعین خود نبی کریم ﷺ کی ذات والا صفات کے مقام اور مرتبے کو سمجھے بغیر ممکن نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا مقام اسلامی قانون کی وضاحت کے لئے اس کتاب میں الگ دیا جا رہا ہے۔

حضرت مقدام بن معدیکرب ؓ نے روایت کی ہے جس چیز کو قرآن نے حلال یا حرام قرار دیا ہے، صرف وہی چیزیں حلال وحرام نہیں بلکہ جس کو رسول اللہ ﷺ نے حلال وحرام قرار دیا ہو، وہ بھی خدا کی حرام کردہ اشیاء کی مانند ہے۔[1]

سنت کیا ہے؟

سِنٌ، سِنَانٌ، مَسْنُونٌ اور سُنَّۃ کا ماخذ سِنٌ ہے اور اس کے معنی ہیں دانت کے۔ سِنان نیزے کے پھل کو کہتے ہیں۔ مسنون خشک کیچڑ (جس سے انسان بنا) کو کہتے ہیں۔

سُنَّۃ کا لفظ لغت میں اس راستے کے لئے استعمال ہوتا ہے جو کھلا ہو یا جس پر متواتر چلنے سے کوئی راستہ صاف اور واضح ہو گیا ہو۔ طریقہ اور سیرت بھی اس مفہوم میں شامل ہے۔[2] زبان کے لحاظ سے اچھی اور بری عادات دونوں پر سنت کا لفظ بولا جاتا ہے۔ وہ حدیث جس میں اس بات کا ذکر ہے کہ جو سُنَّۃً حَسَنَۃً پر چلا اس کو اس پر چلنے کا اجر بھی ملے گا اور جو کوئی اور اس پر چلا اس کا بھی۔ اس حدیث میں سُنَّۃً سَیِّئَۃً کا بھی ذکر آیا ہے اور یہ دونوں الفاظ بھی لغوی لحاظ سے فرمائے گئے ہیں ورنہ سُنَّۃً سَیِّئَۃً کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ یہ کہا گیا ہے کہ فَاِنَّ السُّنَّۃَ خَیْرٌ کُلُّھَا یعنی سنت تو تمام کی تمام خیر سے متعلق ہیں۔ اسی طرح بدعت حسنہ کہنا بھی غلط ہے، یہ اس لئے کہ اچھی بدعت تو کوئی نہیں ہوتی جبکہ یہ فرمایا گیا ہے کہ کُلُّ بِدْعَۃٍ ضَلَالَۃٌ (یعنی ہر بدعت گمراہی ہے)۔ چند علماء بدعت حسنہ اور سیئہ کے الفاظ کا استعمال کرتے ہیں مگر حضرت مجدد علیہ الرحمہ بدعت کو بدعت ہی کہتے ہیں۔ اس کی تفصیل آگے آئے گی۔

"قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِکُمْ سُنَنٌ"

(یعنی تم سے پہلے کچھ طریقے برتاؤ میں آچکے ہیں) (آل عمران: ۱۳۷)

اس آیت کی تشریح میں تفسیر نعیمی میں ہے کہ "سُنَنٌ" کا مادہ "سَنٌّ" ہے جس کے بہت سے معنی ہیں۔ (۱) رخ پر پانی بہانا (۲) تیر یا تلوار تیز کرنا (۳) جانور کو اچھی طرح چرانا اور اس کی حفاظت کرنا (۴) بدلنا اور بگڑنا جس طرح حَمَاءٍ مَسْنُوْنٍ (خشک کیچڑ) اصطلاح میں سنت سیدھے راستے کو بھی کہتے ہیں، اچھے طریقے کو بھی،

---

[1] سنن ترمذی، ابوعیسیٰ ترمذی، متوفی ۲۷۹، حدیث ۲۶۶۳، جلد ۵، صفحہ ۳۸، بیروت۔

[2] مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی، متوفی ۵۶۵ھ، جلد ۱، صفحہ ۵۰۲، مطبوعہ شیخ شمس الحق، لاہور۔

عبرتناک واقعہ کو بھی، جماعت اور امت کو بھی، نیز سنت شرعی احکام کو بھی کہتے ہیں اور دین کو اور حضور ﷺ کے اعمال طیبہ اور طاہرہ کو بھی کہتے ہیں۔ یہ لفظ قرآن شریف میں مذکورہ تمام معنوں میں آیا ہے۔

سورہ الحجر، آیت ۱۳ میں "قَدْ خَلَتْ سُنَّةُ الْاَوَّلِيْنَ" (بے شک ان کو پہلوں کی بری عادت پڑ چکی ہے) کی تشریح میں تفسیر نعیمی میں سنت کا معنی راستہ، طریقہ، قانون، رواج اور رسم وغیرہ کے کئے گئے ہیں۔[1]

سنت کا اصطلاحی مفہوم

اصطلاح میں لفظ "سنت" کو مختلف معانی کے لئے استعمال کیا جاتا ہے، ان میں سب سے زیادہ مشہور اور مستعمل مندرجہ ذیل تین معانی ہیں۔

(i) سنت بمقابلہ بدعت

اس معنی کے مطابق سنت ایک ایسے طریق کار کا نام ہے جس کو حضور ﷺ نے رائج فرمایا ہو، خواہ اس طریق کار کا ثبوت قرآن مجید سے ہو یا حدیث رسول خدا ﷺ سے یا خلفائے راشدین کے طریقے سے ہو، لیکن جو طریق کار اس کے منافی ہوگا، وہ بدعت ہوگا۔

(ii) فقہا کی اصطلاح

"فتح القدیر" میں بیان کیا گیا ہے کہ "سنت کا لفظ فقہاء کرام کی اصطلاح میں ان مستحسن امور کے لئے بولا جاتا ہے جن پر حضور ﷺ نے مداومت فرمائی ہو لیکن کبھی کبھی ترک بھی کر دیا گیا ہو پھر سنت کی بھی دو قسمیں ہیں (۱) سنن ھدیٰ (۲) سنن زوائد۔ مندرجہ بالا اقسام کی تفصیلی بحث فقہ کی کتب میں دیکھی جا سکتی ہے۔[2]

(iii) سنت اصول فقہ کے اعتبار سے

اصول فقہ کے ماہرین کے نزدیک سنت کا اطلاق حضور ﷺ کے اقوال و افعال اور تقریرات اور صفات سب پر ہوتا ہے، لہٰذا علامہ کمال الدین ابن ہمام "تحریر الاصول" جلد دوم میں فرماتے ہیں:

"وَفِي اِصْطِلَاحِ الْاُصُوْلِ قَوْلُهُ عَلَيْهِ السَّلَامُ وَ فِعْلُهُ وَ تَقْرِيْرُهُ"[3]

(علمائے اصول کی اصطلاح میں سنت رسول اللہ ﷺ کے قول، فعل اور تقریر کا نام ہے)

سنت کی اقسام

سنت کی وضاحت کرتے ہوئے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سنت رسول ﷺ کو حسب ذیل تین اقسام

---

[1] تفسیر نعیمی، مفتی اقتدار احمد نعیمی، جلد ۱۴، صفحہ ۷۱، ضیاء القرآن پبلیکیشنز۔

[2] فتح القدیر، محمد بن علی الشوکانی، متوفی ۱۲۵۰ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۰۶، بیروت۔ [3] التقریر والتحبیر، جلد ۲، صفحہ ۲۹۷۔

میں تقسیم کیا جاسکتا ہے:

i-سنت قولی

اس سے مراد حضور ﷺ کے ارشادات اور فرمودات ہیں، یعنی جو کچھ حضور ﷺ نے اپنی زبان اقدس سے ارشاد فرمایا، وہ فرمان سنت قولی کہلائے گا۔

ii-سنت فعلی

اس سے مراد وہ تمام امور ہیں جو خود حضور ﷺ کیا کرتے تھے۔ پس حضور ﷺ کے کیے ہوئے کاموں کو سنت فعلی کہیں گے۔ مثال کے طور پر حضور ﷺ بیٹھ کر کھانا کھایا کرتے تھے تو بیٹھ کر کھانا بھی سنت فعلی میں شمار ہوگا اور بالکل اسی طرح دیگر کام بھی سنت فعلی میں شمار ہوں گے جو آپ ﷺ نے کیے۔

iii-سنت تقریری

سنت تقریری سے مراد یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سامنے کسی صحابی نے کوئی کام کیا ہو یا اس کی فقط اطلاع ہی حضور علیہ الصلوۃ والسلام کو پہنچی ہو لیکن اس کام کے بارے میں حضور ﷺ نے منع نہ کیا ہو بلکہ خاموشی اختیار کی ہو یا اسے پسند فرمایا ہو تو صحابہ کرام ؓ کے ایسے افعال کو سنت تقریری کہیں گے۔

سنت کا عمومی مفہوم

سنت کا لفظ بالعموم سیرت، صورت، نہج اور طریقہ وغیرہ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ بغور مطالعہ کیا جائے تو لفظ سنت کے مندرجہ ذیل تین معنی بیان کیے جاتے ہیں:

۱۔ لغت میں سنت اس طریقے کو کہا جاتا ہے جو مروج ہو خواہ اچھا ہو یا برا۔

۲۔ فقہ میں سنت اس فعل کو کہا جاتا ہے جس کو حضور ﷺ نے ہمیشہ کیا ہو اور کبھی اسے بغیر عذر کے ترک بھی فرمایا ہو (تاکہ فرض قرار نہ پائے)۔

۳۔ علم اصول میں سنت نبی اکرم ﷺ کے اس قول و فعل اور تقریر کو کہتے ہیں جن کا تعلق ان امور سے ہو جو طبیعت انسانی میں شامل ہوں۔ تقریر اس کو کہتے ہیں کہ کسی شخص نے آپ ﷺ کے سامنے کوئی فعل یا قول کیا ہو اور آپ ﷺ نے منع نہ فرمایا ہو کیونکہ اگر ناجائز ہوتا تو آپ ﷺ منع فرماتے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

می توانی منکر یزداں شدن منکر از شان نبیؐ نتواں شدن

(کسی نہ کسی طرح اللہ کا منکر تو ہوسکتا ہے لیکن شانِ نبی ﷺ سے ہرگز انکار ممکن نہیں ہوسکتا)(ج۔ن:۱۵۸)

حسن یوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری
آنچہ خوباں همه دارند تو تنہا داری

(حضرت یوسف علیہ السلام کا حسن، عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ید بیضا کا معجزہ رکھنا وغیرہ وہ تمام صفات جو جملہ انبیاء علیہم السلام میں موجود تھیں، تنہا آپ ﷺ میں موجود ہیں)

سنت کا نزول قرآن کی طرح حضرت جبرئیل علیہ السلام کی وساطت سے ہوا

حضرت حسان ابن عطیہؒ بیان کرتے ہیں کہ جبرئیل امین علیہ السلام حضور ﷺ پر سنت لے کر اس طرح نازل ہوتے تھے جیسے قرآن لے کر آتے اور آپ ﷺ کو اسی طرح سنت کی خبر دیتے جیسے قرآن کریم کی۔[1]

حضرت مکحولؒ بیان فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہے اور اس کے علاوہ دوسری چیز حکمت بھی عطا فرمائی ہے۔[2] آگے چل کر اس حقیقت کی تفصیل بیان کی جائے گی کہ سنت نبوی ﷺ کا تعلق وحی غیر متلو سے ہے یعنی اس وحی سے جس کی تلاوت نہیں کی جاتی اور اس کی دلیل سورۃ النجم کی آیت ۳ اور ۴ ہے۔

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ۝ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ۝" (النجم: ۳۔۴)

(اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتے ۝ اُن کا ارشاد سَراسَر وحی ہوتا ہے جو انہیں کی جاتی ہے ۝)

اس آیت میں فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ اپنی مرضی سے بات نہیں کرتے سوائے اس کے کہ ان کا بولنا اس وحی کے مطابق ہوتا ہے جو ان پر نازل کی جائے۔ احادیث میں آتا ہے کہ حدیث کے معانی اور مطالب آنحضرت ﷺ پر نازل ہوتے ہیں اور آپ ان کو اپنے الفاظ کا جامہ پہناتے ہیں اور چند علماء کے نزدیک اس کا بیان اور روایت بالمعنی درست کہا جاتا ہے۔ اگر چہ حدیث کو معجزہ نہیں کہا جاتا اور نہ ہی اس کی تلاوت کی جاتی ہے مگر اس کا درجہ مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰهِ ہے۔ کبھی یہ وحی آنحضرت ﷺ پر حالت خواب میں نازل ہوتی اور کبھی حالت بیداری میں فرشتہ کی وساطت یا اس کے بغیر ہی نازل ہوتی۔

سنت زندگی گزارنے کا ایک کھلا راستہ ہے

کامیاب زندگی گزارنے کے اعتبار سے سنت کے لفظ کے معنی "ایک کھلا راستے کا ہونا" مراد لیا جاتا ہے۔ لہٰذا سُنَّةُ النَّبِيِّ سے مراد آنحضرت ﷺ کا وہ طریقہ ہے جسے آپ ﷺ نے اختیار فرمایا اور سُنَّةُ اللّٰهِ سے مراد حق تعالیٰ کی حکمت اور اطاعت کا طریقہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے کہ تم خدا کے طریقے میں کبھی تغیر نہ

---

[1] مجموع الفتاوی، عبدالحلیم بن تیمیہ، متوفی ۷۲۸ھ، جلد ۳، صفحہ ۳۶۶، مکتبہ ابن تیمیہ، بیروت۔

[2] سنن ابوداؤد، سلیمان بن اشعث، متوفی ۲۷۵ھ، جلد ۴، صفحہ ۲۰۰، دارالفکر، بیروت۔

دیکھو گے۔ (۶۱ الفتح:۲۳)

۴۔ اس آیت کو قرآن کی دیگر آیات کے ساتھ مطالعہ کرنے کے بعد معلوم ہوتا ہے کہ اگرچہ شریعت کے فروعی احکام کی مختلف صورتیں چلی آتی ہیں مگر ان سب کا مقصد ایک ہی ہے، یعنی نفس کو پاک کرنا اور اسے اللہ تعالیٰ کے ہاں ثواب اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے تیار کرنا اور یہ مقصد ایسا ہے کہ اس میں اختلاف یا تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ (سر دلبراں)

علامہ شیخ محمد طاہر ''مجمع بحار الانوار'' میں سنت کا لغوی اور شرعی مفہوم یوں بیان کرتے ہیں:

''سنت اصل میں طریقہ اور سیرت کا نام ہے۔ شریعت میں اس سے مراد وہ احکام ہیں جن کی صراحت قرآن مجید میں نہیں مگر رسول اللہ ﷺ نے اپنے قول اور فعل سے ان کا حکم دیا ہے یا ان سے منع کیا ہے یا انہیں مندوب قرار دیا ہے۔''

ڈاکٹر یوا ین بل نے لکھا ہے کہ لفظ سنت اس راہ کے لئے بولا جاتا ہے جس پر کوئی چلنے کا عادی ہو لیکن اسلام میں غیر مسلم آباء کے رسم و رواج اپنانے پر سنت کا اطلاق نہیں کیا جاتا۔ مسلمانوں کے ہاں سنت کا ایک نیا مفہوم ہے جس کی رو سے ہر مومن کے لئے ضروری ہے کہ وہ پیغمبر اسلام ﷺ اور ان کے صحابہ ؓ کے طرز عمل کو اپنی زندگی کے تمام معاملات میں نمونہ بنائے۔ اسی لئے سنت رسول ﷺ کے متعلق تمام معلومات کو محفوظ کرنے کی ہر ممکن کوشش کی جاتی تھی۔ (شارٹر انسائیکلو پیڈیا آف اسلام، ص ۱۱۶)

حضور ﷺ اور صحابہ کرام ؓ کا راستہ واضح دلیل سے ثابت ہے

سورۂ یوسف میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ ارشاد نازل ہوا ہے کہ:

''اے محبوب مکرم ﷺ آپ کہہ دیجئے کہ میرا اور میرے صحابہ ؓ کا راستہ (یعنی میری سنت) ایک واضح دلیل پر قائم ہے''۔

اس آیت سے آپ ﷺ کی اطاعت کا حکم ثابت ہے:

''قُلْ هٰـذِهٖ سَبِيْلِیْٓ أَدْعُوْٓا إِلَى اللّٰهِ عَلٰى بَصِيْرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِیْ''

(آپ فرما دیجئے کہ یہ میرا راستہ ہے میں تو بلاتا ہوں صرف اللہ تعالیٰ کی طرف میں واضح دلیل پر ہوں اور (وہ بھی) جو میری پیروی کرتے ہیں) (یوسف:۱۰۸)

سَبِیْلِیْ سے مراد میری سنت ہے، یعنی سُنَّتِیْ وَمِنْهَاجِیْ ہے اور بصیرت سے مراد واضح دلیل اور قوی برہان اور مَنِ اتَّبَعَنِیْ سے مراد صحابہ کرام ؓ ہیں۔ سورۂ نساء آیت ۹۶ میں منافقوں کے لئے کہا گیا ہے

"وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا" (النساء:٦٦)

(اور اگر وہ کرتے جس کی ان کو نصیحت کی گئی تھی تو ان کے لئے بہتر ہوتا کہ وہ سختی سے ثابت قدم ہو جاتے)

علامہ بیضاویؒ لکھتے ہیں کہ اطاعت رسول ﷺ کی برکت سے انہیں وہ راستہ مل جائے گا جو انہیں حریم قدس تک پہنچا دے گا اور ان پر غیب کے دروازے کھل جائیں گے۔ حضور ﷺ کا حکم ہے کہ جو اپنے علم کے مطابق عمل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اسے وہ علوم عطا کرتا ہے جن کو وہ نہیں جانتا۔[1]

سنت اس طریق کار یا عمدہ راستے کا نام ہے جسے حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے مختلف پہلوؤں میں بذریعہ عمل رائج فرمایا، چاہے اس طریق کار کا ثبوت قرآن پاک سے یا حدیث رسول خدا ﷺ سے ہو یا خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم کے طریقے سے ہو۔ جو طریق کار اس کے منافی ہو، بدعت کہلائے گا۔

موطا امام مالک میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"تَرَكْتُ فِيكُمْ أَمْرَيْنِ لَنْ تَضِلُّوا مَا تَمَسَّكْتُمْ بِهِمَا كِتَابَ اللهِ وَ سُنَّةَ رَسُولِهِ"

(میں تم میں دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم انہیں مضبوطی سے تھامے رہو گے تو گمراہ نہیں ہو گے، ان میں ایک تو خدا کی کتاب (قرآن) اور دوسری اس کے رسول ﷺ کی سنت ہے)[2]

بزرگان اسلام کے دلوں میں سنن اور مستحبات کا اہتمام

پیر ابو صالح دندانیؒ شیخ ابو سعیدؒ کے مرید تھے۔ "اسرار التوحید" میں آپ کی روایت منقول ہے کہ شیخ ابو سعیدؒ کا آخری عمر میں ایک بھی دانت باقی نہ تھا مگر ہر رات جب کھانے سے فارغ ہوتے تو مجھ سے خلال طلب فرماتے اور منہ میں دانتوں کی جگہ پر پھیرتے۔ میرے دل میں یہ اعتراض پیدا ہوا کہ جب آپ کے منہ میں دانت ہی کوئی نہیں ہے تو پھر خلال کی کیا ضرورت ہے؟ شیخ صاحب نے سر اٹھایا اور مجھ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ میں سنت پر عمل کرنے اور رحمت خداوندی کے طلب کرنے کی خاطر خلال کرتا ہوں کیونکہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

"يَرْحَمُ اللهُ الْمُتَخَلِّلِينَ مِنْ أُمَّتِي فِي الْوُضُوْءِ وَالطَّعَامِ...... الحديث"

(اللہ تعالیٰ میری امت کے ان افراد پر رحمت فرمائے جو وضو اور طعام میں خلال کرتے ہیں)[3]

---

[1] تفسیر بیضاوی، امام بیضاوی، متوفی ۶۷۵، جلد ۲، صفحہ ۲۱۲، دار الفکر، بیروت۔

[2] مشکوۃ المصابیح، محمد عبد اللہ التبریزی، متوفی ۷۴۳، حدیث ۱۷۶، جلد ۱، صفحہ ۶۶، مکتبہ الاسلامی، بیروت۔

[3] مسند شہاب، محمد بن سلامہ القضاعی، متوفی ۴۵۴ھ، صفحہ ۵۲۲، موسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

ابو صالح فرماتے ہیں کہ جب میں نے شیخ کا یہ کلام سنا تو مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ سنن اور مستحبات کے بارے میں خصوصیت سے اہتمام فرمایا کرتے تھے۔ اس کی تفصیل ہماری کتاب "رابطہ شیخ" میں ایک الگ مضمون میں دے دی گئی ہے۔ مکتوبات شریف میں آپؒ نے فرمایا ہے کہ سلسلہ نقشبندی کو جو بلند مقام حاصل ہے، وہ سنت رسول ﷺ کی اتباع کے باعث ہے۔ سنت رسول ﷺ کی اتباع تو ایک طرف، آپؒ مستحبات کا اس قدر خیال فرماتے تھے کہ وضو کے دوران اپنے چہرے پر جب پانی ڈالتے تو اس کی ابتداء چہرے کے دائیں طرف سے کرتے تھے۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کے متعلق ایک روایت مشہور ہے کہ جب انہیں اپنی نمازوں میں ایک مستحب کے ترک ہونے کا علم ہوا تو آپ نے چالیس سال کی نمازوں کا اعادہ فرمایا۔

نماز میں سنن مؤکدہ کو نہ ادا کرنا قابل مواخذہ ہے

کچھ لوگ نماز کے فرائض تو ادا کرتے ہیں اور نماز کے سنن کو ترک کر دیتے ہیں، غالباً ان کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرض نماز ادا کرنے کا حکم ہے نہ کہ سنتوں کے ادا کرنے کا۔ ان کو معلوم ہونا چاہیے کہ جو سنتیں حضور ﷺ نے ہمیشہ باقاعدگی سے ادا فرمائیں، ان کو سنت مؤکدہ ہونے کا درجہ حاصل ہے اور امت کا اس بات پر اجماع ہے کہ سنت مؤکدہ کا ترک کرنا گناہ ہے اور قابل مؤاخذہ بھی ہے، لہٰذا سنن کا ادا کرنا ضروری ہے۔

اگر اس مسئلہ پر استدلال قائم کیا جائے تو تفسیر نعیمی میں لکھا گیا ہے کہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ نماز فرض ہی پڑھی جائے، سنتوں کی کوئی ضرورت نہیں، کیونکہ متقی بننے کے لئے فرض نماز کی پابندی کافی ہے، تو اس کا جواب یہ ہے کہ سنتوں کے بغیر فرض ناقص ہیں بلکہ بغیر سنت فرض ادا ہو سکتے ہی نہیں۔ سنت کو فرض سے وہی تعلق ہے جو پانی کو کھانے سے ہے کہ بغیر پانی نہ تو کھانا تیار ہوتا ہے اور نہ ہی کھایا جا سکتا ہے۔ اسی طرح بغیر سنت کے فرض ادا نہیں ہو سکتا۔ اس کی مثال ایسے ہے کہ روٹی نہ تو بغیر پانی کے بنتی ہے نہ کھائی جا سکتی ہے۔ کھیت میں گیہوں پانی سے تیار ہوا، پھر آٹا پانی سے گوندھا گیا، جب کھانے کے لئے بیٹھے تو ساتھ پانی بھی پیا گیا۔ جس ترکاری سے روٹی کھائی وہ بھی کھیت میں پانی سے تیار ہوئی پھر پانی ہی سے دھلی اور پانی ہی سے پکی۔ اسی طرح فرض سنت سے حاصل ہوتا ہے۔ نماز پڑھنے لگو تو کانوں تک ہاتھ اٹھاؤ اور اسی طرح قیام، تلاوت، سجدہ، التحیات وغیرہ حضور ﷺ کے طریقے سے ادا کرو تو یہ فرائض ادا ہوتے ہیں۔ پھر کوئی فرض نماز ایسی نہیں جس کے ساتھ سنتیں نہ پڑھی جائیں۔ اسی طرح روزہ رکھنے کے لئے سحری کھانا اور کھجور سے افطار کرنا وغیرہ سب سنت ہیں۔

اس کے علاوہ اپنے پاک مال سے اپنے اہل قرابت کی خدمت کرنا سنت ہے اور زکوٰۃ کا مال دینا فرض ہے اور یہ تمام امور ہم پر بالغ ہونے کے بعد عائد ہوتے ہیں اور مرنے سے پہلے ہی ہمیں چھوڑ دیتے ہیں لیکن سنت مصطفیٰ ﷺ پیدا ہوتے ہی ہمیں اپنے دامن میں لیتی ہے اور مرنے پر بھی بلکہ مرنے کے بعد بھی ہمارا ساتھ نہیں چھوڑتی۔ پیدا ہوتے ہی بچے کو غسل دینا، کپڑا پہنانا، ختنہ اور عقیقہ کرنا وغیرہ سب سنتیں ہی تو ہیں۔ زندگی گزارنا، پیٹ بھر کر کھانا نہ کھانا، جوتا، پگڑی، کرتہ، اچکن وغیرہ پہننا یہ سب سنتیں ہیں۔ اس کے علاوہ نکاح کرنا، بیوی بچوں کی پرورش کرنا اور مکان بنانا وغیرہ یہ سب سنتیں ہیں۔ اسی طرح مرتے وقت کلمہ پڑھنا، کفن کی ترتیب دینا، قبر کی نوعیت، بعد موت ایصال ثواب کرنا وغیرہ یہ سب سنتیں ہیں۔ اس لئے ہمارا نام اہل فرض نہیں بلکہ اہل سنت و جماعت ہے۔ جو لوگ سنت نمازوں کے منکر ہیں، ان کو چاہئے کہ نہ تو مکان بنائیں، نہ دو وقت پیٹ بھر کر روٹی کھائیں، نہ عمدہ لباس پہنیں، بلکہ مرنے لگیں تو جان بچانے کے لئے تھوڑے سے چنے کھالیا کریں اور صرف ناف سے گھٹنوں تک کپڑا باندھا کریں اور سخت ضرورت کے بغیر نکاح ہرگز نہ کریں۔ اپنا نام کچھ نہ رکھیں، کیونکہ فرض صرف اسی قدر ہیں جو ہم نے عرض کر دیئے۔ یہ بات نہیں بنتی کہ نماز کی سنتوں سے انکار اور باقی تمام سنتوں پر عمل۔ حضور ﷺ کی سنت نے ہم کو انسان بنایا ہے۔ رب تعالیٰ ہم کو سنت پر قائم رکھے۔ سنت چھوڑنے والا شفاعت مصطفیٰ ﷺ سے محروم ہے۔ اہل سنت و جماعت اسی گروہ کا نام ہے جو سنت کا اہتمام کریں۔ جماعت اہل اسلام کی اکثریت (اجماع) کو پیش نظر رکھیں۔ ان دونوں باتوں میں فرائض بھی شامل ہو جاتے ہیں۔

حدیث وسنت کے درمیان فرق

اصطلاحی اعتبار سے محدثین سنت اور حدیث میں کوئی فرق نہیں کرتے، یعنی ہر سنت حدیث ہوگی اور ہر حدیث سنت ہوگی، لیکن اصل اور لغوی معنی کے اعتبار سے لفظ ”سنت“ لفظ ”حدیث“ کے مترادف اور مساوی نہیں۔ سنت کا لغوی معنی ہے ”راستہ“ اور اس کا اطلاق اس دینی طریقہ پر کیا جاتا ہے جس پر نبی کریم ﷺ گامزن رہے۔ لفظ حدیث عام ہے اور اس میں آپ ﷺ کے ارشادات واعمال سب داخل ہیں جبکہ سنت آپ ﷺ کے اعمال کے ساتھ مختص ہے۔ بس دونوں لفظوں کے مابین اسی فرق وامتیاز کے پیش نظر محدثین کا قول حسب ذیل طریقوں میں پایا جاتا ہے:

"هٰذَا الْحَدِيْثُ مُخَالِفٌ لِلْقِيَاسِ وَ السُّنَّةِ وَالْاِجْمَاعِ"

(یہ حدیث قیاس، سنت اور اجماع کے خلاف ہے)

"فُلَانٌ اِمَامٌ فِي الْحَدِيْثِ وَاِمَامٌ فِي السُّنَّةِ وَاِمَامٌ فِيْهِمَا مَعًا"

(فلاں شخص حدیث میں امام ہے، سنت میں امام ہے یا دونوں میں امام ہے) [1]

پس ثابت ہوا کہ اصطلاح محدثین میں اگرچہ سنت و حدیث میں کوئی فرق نہیں مگر لفظی اعتبار سے دونوں کا مفہوم جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔

سنت قرآن کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا سرچشمہ ہے

رسول اللہ ﷺ کی سنت کو قرآن کریم کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا اہم ترین ماخذ تسلیم کیا گیا ہے۔ سنت کا یہ مقام صدیوں سے مسلّم اور غیر متنازعہ رہا ہے اور اگرچہ فقہی آراء کے بارے میں مسلمانوں میں مختلف نقطہ ہائے نظر رہے ہیں لیکن قرآن حکیم اور سنت نبوی ﷺ کی حجیت کا کسی ماہر قانون نے کبھی انکار نہیں کیا۔ چند ایسے متفرق افراد کی انفرادی آراء سے قطع نظر جنہوں نے اپنے آپ کو مسلم امت کے اجتماعی دھارے سے الگ کر لیا تھا، کسی فرد نے کبھی اسلامی قانون کے بنیادی اور اہم ماخذ کی حیثیت سے سنت کے درجہ کو چیلنج نہیں کیا۔

سنت کی مذکورہ صورت حال اب تک برقرار ہے، لیکن پچھلی صدی کے دوران چند مستشرقین اور ان کے پیروکاروں نے کوشش کی ہے کہ حدیث کی حجیت یا اس کی استنادی (مستند) حیثیت کے بارے میں ذہنوں میں شکوک و شبہات پیدا کئے جائیں اور سنت کے خلاف شکوک و شبہات رکھنے والے طرز فکر کو فروغ دیا جائے، یہی وجہ ہے کہ کئی مسلمان جو اسلام کا اس کے اصل ماخذ کے ذریعہ مطالعہ نہیں کر سکتے، مستشرقین کا زہر آلود لٹریچر پڑھ کر اس موضوع پر شکوک و شبہات کا شکار ہو گئے۔ (ایسے لوگوں نے معراج کو بھی روحانی کہہ دیا حتیٰ کہ جنت و دوزخ کو ذہنوں کی کیفیت ہونے کا درجہ دیا)۔

اس صورت حال کو سامنے رکھتے ہوئے زیر نظر تحریر کا مقصد یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کے بنیادی ماخذ کی روشنی میں سنت کا ایک سادہ اور معروضی خاکہ پیش کر دیا جائے۔ اس تحریر کا منشا کسی مناظرانہ فضا میں ملوث ہونا نہیں ہے جس کی کوئی انتہا نہیں ہوتی بلکہ منشاء یہ ہے کہ حقیقت کو اس کی صحیح اور اصل صورت میں بیان کر دیا جائے۔

یہ بات مسلمانوں کے فرائض میں شامل ہے کہ وہ سنت کی تعلیم بھی دیں اور اس کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے لوگوں کی تربیت بھی کریں۔ قرآن کریم میں اس بات کا وضاحت سے اعلان فرما کر کسی شک کی گنجائش نہیں رہنے دی گئی:

"لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ إِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلاً مِّنْ أَنْفُسِهِمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيْهِمْ

---

[1] الجرح والتعدیل، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم، متوفی ۳۲۷، جلد ۱، صفحہ ۱۱۸، دارالاحیاء التراث، بیروت۔

وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَإِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلَالٍ مُّبِيْنٍ"

(حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں پر احسان کیا جب ان میں ان ہی کی جنس سے ایک پیغمبر کو مبعوث کیا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی (نفسانی) صفائی کرتے رہتے ہیں اور ان کو کتاب اور فہم کی باتیں بتلاتے رہتے ہیں اور بالیقین یہ لوگ اس سے قبل صریح غلطی پر تھے) (آل عمران: ۱۶۴)

"هُوَ الَّذِىْ بَعَثَ فِى الْاُمِّيّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْ عَلَيْهِمْ آيَاتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ"

(وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں ان ہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی سکھاتے ہیں) (الجمعہ: ۲)

یہی وہ مقاصد ہیں جن کی رسول اللہ ﷺ کو سونپے جانے کی دعا سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے فرمائی تھی۔ قرآن کریم میں ایک اور جگہ ان مقاصد کو یوں بیان فرمایا گیا ہے:

"كَمَا اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْ عَلَيْكُمْ آيَاتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ"

(جیسا کہ ہم نے تم میں بھیجا ایک رسول (ﷺ) تم میں سے کہ تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے اور کتاب اور حکمت (پختہ علم) سکھاتا ہے اور تمہیں وہ علم سکھاتا ہے جس کا تمہیں علم نہ تھا) (البقرہ: ۱۵۱)

حضرت ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ بالا آیت میں يُعَلِّمُكُمْ (تمہیں سکھاتا ہے) کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے۔ اس لفظ کو دوسری بار کہنا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ دوسرا علم کتاب اور حکمت کے علاوہ ہے اور الگ نوعیت رکھتا ہے۔ غالباً اس سے مراد علم لدنی ہے جو قرآن کے باطن اور رسول کریم ﷺ کے روشن سینے سے حاصل ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ اس دوسرے علم کی تعلیم بوجہ ظاہری تعلیم کے نہیں بلکہ بذریعہ انعکاس ہے، یعنی قرآن اور نبوت کی کرنیں دل کے آئینہ میں منعکس ہوں۔ اولیائے کامل انوار نبوت کے صحیح وارث ہوتے ہیں اور وہ اپنے مریدین باصفا پر اس قسم کے علم اور معارف کا القاء اور فیضان فرماتے ہیں۔[1] مذکورہ آیت قرآنی سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول ﷺ کے ذمے حسب ذیل فرائض سونپے گئے ہیں:

۱۔ کتاب اللہ کو پڑھ کر سنانا۔ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ آيٰتِنَا

۲۔ کتاب کی تعلیم يُعَلِّمُكُمُ الْكِتَابَ

۳۔ حکمت کی تعلیم وَالْحِكْمَةَ

---

[1] تفسیر مظہری، علامہ ثناء اللہ پانی پتی، متوفی ۱۲۲۵، جلد ۱، سورۃ بقرہ: ۱۵۱، بیروت۔

۴۔ تزکیہ نفس وَیُزَکِّیکُمْ

۵۔ انوار نبوت کے انعکاس کی تعلیم یُعَلِّمُکُم مَّا لَمْ تَکُونُوا تَعْلَمُونَ۔

چنانچہ قرآن حکیم نے اس بارے میں شک و شبہ کی کوئی گنجائش نہیں چھوڑی کہ رسول اللہ ﷺ کے ذمے یہی نہیں ہے کہ محض آیات کو پڑھ کر سنا دیں اور اس کے بعد لوگوں کو کھلی چھٹی دے دیں کہ وہ جس طرح چاہیں اس کی تشریح کریں اور جس طرح چاہیں اس پر عمل کر لیا کریں بلکہ اس کے برعکس آپ کو کتاب اللہ کی تعلیم کے لئے بھی بھیجا گیا ہے اور چونکہ محض ”کتاب“ کی تعلیم ہی کافی نہ تھی لہٰذا آپ ﷺ کے ذمے یہ بھی ہے کہ لوگوں کو ”حکمت“ یعنی دانش کی تعلیم دیں جو ”کتاب“ کے علاوہ ایک اضافی چیز ہے۔ پھر اس پر بس نہیں بلکہ رسالت مآب ﷺ کو ”تزکیہ“ کرنے کا فریضہ بھی سونپا گیا جس کا مطلب یہ ہے کہ کتاب اللہ اور حکمت کی نظریاتی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس کی عملی تربیت کا بھی انتظام کیا جائے (جس کو سنت کا درجہ دیا گیا ہے) تاکہ لوگ کتاب اللہ اور حکمت کی تعلیمات پر اس طریقے سے عمل پیرا ہو سکیں جو اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے مطابق ہے۔ ان تعلیمات کے علاوہ رسول اللہ ﷺ کے فرائض میں یہ بھی شامل تھا کہ مخصوص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تصوف یا روحانیت کی تعلیم بذریعہ انعکاس دے کر اس کا سلسلہ آنے والی نسلوں میں جاری کریں۔ قرآن کریم کی یہ آیت رسالت مآب ﷺ کی ذات اقدس کے لئے مندرجہ ذیل چار وظائف کو واضح کرتی ہے:

۱۔ قرآن پاک کی تلاوت اور پڑھنے کے طریقے کے بارے میں آپ ﷺ کا طریقہ حجت ہے۔

۲۔ کتاب اللہ کی تشریح کے بارے میں آپ ﷺ کی بات حرف آخر ہے۔

۳۔ دینی راہنمائی پر مبنی حکمت سیکھنے کے لئے آپ ﷺ کی ذات واحد سرچشمہ ہے۔

۴۔ اپنی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کے لئے لوگوں کی عملی تربیت کا فریضہ آپ ﷺ کو سونپا گیا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کے ان فرائض و مقاصد کی انجام دہی کے لئے یہ لازمی تھا کہ آپ ﷺ کی تعلیمات خواہ زبانی ہوں یا عملی، آپ ﷺ کے ماننے والوں کے لئے واجب الاطاعت ہوں اور وہ مسلمان جو آپ ﷺ کے زیر تربیت ہیں، آپ ﷺ کی بات ماننے اور اس پر عمل کرنے کے پابند بنا دیئے جائیں۔ مندرجہ بالا فرائض میں سے ”۲ اور ۳“ یعنی کتاب اور حکمت کی تعلیم کا لازمی تقاضا ہے کہ آپ ﷺ کے ارشادات آپ ﷺ کے ماننے والوں کے لئے واجب العمل ہوں۔ عملی تربیت کا فریضہ ”۴“ اس کا متقاضی ہے کہ آپ ﷺ کے افعال امت کے لئے ایک مثال ہوں اور امت ان کی پیروی کرنے کی پابند ہو۔

ہدایت شرعی کا مرکز حضور ﷺ ہیں

اللہ کی طرف سے ہدایت کا ملنا یہ ہے کہ کسی کو اسلام اور ایمان کی دولت نصیب ہو جائے۔ ہدایت

تین قسم کی ہوتی ہے۔ پہلی ہدایت وہ ہے جسے ہدایت فطری کہتے ہیں جو قدرتی طور پر انسانوں اور جانوروں تک کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوئی ہے۔ مثلاً کتے گھاس نہیں کھاتے اور بکری گوشت نہیں کھاتی۔ ہادیٔ مطلق نے ان سب کو غذاؤں کی ہدایت دے دی ہے۔ دوسری ہدایت وہ ہے جسے ہدایت عقلی کہا جاتا ہے، جس کے باعث انسان دنیاوی ساز و سامان مثلاً ریڈیو، ٹی وی، راکٹ، ریل وغیرہ بناتا ہے اور تیسری ہدایت وہ ہے جسے ہدایت شرعی کہتے ہیں جو حضرات انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ اخروی معاملات کے لئے ہدایت ربانی درکار ہے۔ پہلی دو ہدایات کا فائدہ صرف دنیاوی اعتبار سے اور دنیاوی سربلندی کے لئے ہے اور آخری ہدایت آخرت سے متعلق ہے۔

فطری ہدایت بغیر وسیلہ کے مل جاتی ہے اور عقلی ہدایت دنیاوی وسیلوں سے ملتی ہے مگر تیسری ہدایت حضور ﷺ کے سینہ اقدس سے عطا ہوتی ہے۔ اس ہدایت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک ہدایت قلبی اور دوسری ہدایت عملی۔ ان دونوں میں اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا حکم ہے۔ اس اطاعت اور عبادت کی تشریح اور وضاحت کرنا حضور ﷺ کے ذمے سپرد کیا گیا ہے اور اس کے لئے شریعت کا علم وجود میں آیا۔

ہر سنت قابل عمل ہے نہ کہ ہر حدیث

خیال رہے کہ سنت اور حدیث میں دو طرح کا فرق ہے۔ ایک یہ کہ حدیث حکایت ہے اور سنت وہ ہے جس کی حکایت کی جائے۔ وہ الفاظ جن میں حضور ﷺ کے افعال کریمہ نقل کیے گئے، وہ الفاظ حدیث ہیں اور خود حضور ﷺ نے جو کام کیا ہے، جس کی حکایت کی گئی، وہ سنت ہے یہ دوسرے اس طرح کہ حدیث نبی کریم ﷺ کے تمام وہ طریقے جو نقل کیے گئے ہیں، ان میں صرف وہ قابل عمل طریقے ہیں جن کی اتباع کی جا سکے۔ لہٰذا حدیث عام ہے، سنت خاص ہے۔ خیال رہے کہ حضور ﷺ کے خصائص جیسے نو بیویاں ایک ساتھ نکاح میں رکھنا، وصال کے روزے، اونٹ پر طواف کرنا، حدیث میں تو آ گیا مگر یہ سنت نہیں کیونکہ ہم ان کی پیروی نہیں کر سکتے۔ اس لئے حدیث شریف میں ارشاد ہے "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ"[1] (تم پر میری سنت لازم ہے)۔ یہاں بِحَدِیْثِیْ نہ فرمایا لہٰذا انسان اہل سنت ہو سکتا ہے، یعنی ہر سنت پر عمل کرنے والا مگر اہل حدیث نہیں ہو سکتا۔ اپنے آپ کو اہل حدیث کہنا کھلا جھوٹ ہے، ورنہ پھر تو وہ تمام کام بھی کرنا ہوں گے جو رسول اللہ ﷺ کے لئے خاص تھے۔

کتاب و سنت کے معنی جو صوفیاء بیان کرتے ہیں

قرآن مجید کی بعض آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیات دو قسم پر منقسم ہیں۔ پہلی قسم کو

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، محمد بن عبداللہ النیسابوری، متوفی ۴۰۵، جلد۱، حدیث ۳۲۹، صفحہ ۱۷۴، دار الکتب العلمیا، بیروت۔

''محکمات'' کہا جاتا ہے جو کتاب کی اصل ہے اور دوسری قسم ''متشابہات'' سے متعلق ہے اور اس میں وہ آیات شامل ہیں جن کے معانی میں اشتباہ رکھا گیا ہے۔ صوفیاء عظام اور اولیاء کرام میں بعض ایسے بزرگ موجود ہیں جن کو قرآن کی آیات کے ظاہری معانی بھی معلوم ہیں اور ان آیات کے باطنی معانی کو بھی اللہ تعالیٰ ان پر منکشف فرما دیتا ہے۔ ایسے لوگوں کو راسخون فی العلم کہا جاتا ہے۔ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ ہم راسخون فی العلم میں سے ہیں۔ ان حقائق کی درج ذیل آیات سے مطابقت ہوتی ہے:

۱. "هُوَ الَّذِیَ أَنزَلَ عَلَیْکَ الْکِتَابَ مِنْهُ آیَاتٌ مُّحْکَمَاتٌ هُنَّ أُمُّ الْکِتَابِ وَأُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ فَأَمَّا الَّذِیْنَ فِیْ قُلُوبِهِمْ زَیْغٌ فَیَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاء الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاء تَأْوِیْلِهِ وَمَا یَعْلَمُ تَأْوِیْلَهُ إِلاَّ اللّهُ وَالرَّاسِخُونَ فِیْ الْعِلْمِ یَقُولُونَ آمَنَّا بِهِ"

(وہی ہے جس نے تم پر کتاب اتاری اس کی کچھ آیات واضح معنی رکھتی ہیں اور وہی کتاب کی اصل ہیں اور دوسری وہ ہیں جن کے معنی میں اشتباہ ہے۔ پس وہ لوگ جن کے دلوں میں کجی ہے، وہ پیروی کرتے ہیں (صرف) ان آیتوں کی جو متشابہ ہیں قرآن سے (ان کا مقصد) فتنہ انگیزی اور (غلط) معنی کی تلاش ہے اور اس کا ٹھیک پہلو اللہ ہی کو معلوم ہے اور پختہ علم والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے) (آل عمران: ۷)۔

۲. "فَبَشِّرْ عِبَادِ الَّذِیْنَ یَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَیَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ أُوْلَئِکَ الَّذِیْنَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُوْلَئِکَ هُمْ أُوْلُوا الْأَلْبَابِ"

(پس آپ ﷺ خوشخبری سنا دیں میرے ان بندوں کو جو غور سے سنتے ہیں بات کو اور پیروی کرتے ہیں اچھی بات کی یہی وہ لوگ ہیں جنہیں اللہ نے ہدایت دی ہے اور یہی لوگ دانشور ہیں۔) (الزمر: ۱۷)

حضرت خواجہ حسن بصری رحمتہ اللہ علیہ نے بروایت حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم، رسول اکرم ﷺ سے مرفوعاً بیان کیا ہے کہ قرآن پاک کی ہر آیت کا ایک ظاہر ہے اور ایک باطن اور ہر حرف کے لئے ایک حد ہے اور ہر حد کے لئے ایک مطلع ہے اور مطلع سے مراد ہر قوم کے لئے وہ چیز جس پر وہ عمل کرتی ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ ''کوئی حرف یا کوئی آیت ایسی نہیں ہے کہ اس پر ایک قوم نے عمل نہ کیا ہو'' یا ''اس پر ایک قوم عنقریب عمل نہ کرنے والی ہے''۔

مذکورہ آیت میں ظاہر سے مراد وہ معنی و مفہوم ہے جو بغیر کسی تاویل و تکلیف کے سمجھ میں آئے اور باطن سے مراد وہ معنی و مفہوم اور علوم و معارف ہیں جو عام لوگ آسانی سے نہ سمجھتے ہوں سوائے اللہ تعالیٰ کے اور وہ جسے چاہے فہم و ادراک عطا فرماتا ہے۔ مثال کے طور پر اگر ہم سورہ الفتح اور الذاریات کا مطالعہ کریں تو ان کے ظاہری معانی اگرچہ مختصر اور عام فہم ہیں مگر ان کی باطنی تفسیر اور تشریح بہت طوالت پر مبنی ہے:

"مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ؗ"

(محمد ﷺ، اللہ کے رسول ہیں اور وہ لوگ جو آپ ﷺ کے ساتھی ہیں کفار کے مقابلہ میں سخت، آپس میں بڑے رحم دل ہیں، تو دیکھتا ہے انہیں کبھی رکوع کرتے ہوئے کبھی سجدہ کرتے ہوئے، طلب گار ہیں اللہ کے فضل اور اس کی رضا کے۔) (الفتح:۲۹)

اسی طرح فرمایا:

"وَ فِيْۤ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ"

(اور تمہارے وجود میں بھی (قدرت کی نشانیاں ہیں) کیا تمہیں نظر نہیں آتیں) (الذاریات:۲۱)

سورۃ الفتح کی مندرجہ بالا آیت کے باطنی معانی کو اگر بیان کیا جائے تو اس کے لئے بہت طویل تحریر کی ضرورت پیش آئے گی جو اس کتاب کے احاطہ تحریر سے باہر ہے۔ اشارۃً اتنا بیان کر دینا کافی ہوگا کہ اس آیت میں ایک لاکھ چوبیس ہزار یا اس سے کم و بیش پیغمبروں، چار صاحب کتاب رسل علیہم السلام، چار اصحاب کبار رضوان اللہ علیہم اجمعین کی مختلف مزاج، کیفیات اور خلافت راشدہ کی تربیت کے متعلق پر معنی تفاصیل موجود ہیں۔ اسی طرح سورہ الذاریات کی مذکورہ آیت کی تفصیل بھی صوفیائے کرام بہت طوالت سے بیان کرتے ہیں۔ اس آیت کی وضاحت ہماری تصنیف ''حضور قلب'' میں کافی تفصیل کے ساتھ کی گئی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم سے لوگوں نے دریافت کیا کہ وہ کیا علوم ہیں جو قرآن کی تفسیر و تفہیم کے لئے ضروری ہیں۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم نے فرمایا خدا کی قسم وہ علوم و معارف جو قرآن کی تفسیر اور تفہیم کے لئے ہم نے رسول اللہ ﷺ سے سیکھے اگر لکھنا شروع کر لوں تو اس کی تفسیر کی ۷۰ اونٹوں پر کتابیں لادی جا سکتی ہیں۔ ہمارے آقا محمد رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرام ؓ کو وہ علوم عطا فرمائے جو عام مسلمانوں کو عطا نہیں کئے اور پھر خاص اور خاص الخاص لوگوں کو ان کی عقل کے مطابق ان آیات کا علم عطا فرمایا۔ کچھ ایسے علوم بھی ہیں جن کا اظہار کسی پر نہیں کیا کیونکہ قلب محمد ﷺ کے علاوہ ان کا کوئی متحمل نہیں ہو سکتا۔

رسول اللہ ﷺ کی چند پسندیدہ سنتیں

رسول اللہ ﷺ کو تین چیزیں بہت مرغوب تھیں۔ جیسا کہ درج ذیل حدیث سے ظاہر ہوتا ہے:

"حُبِّبَ مِنْ دُنْيَاكُمْ ثَلَاثٌ، اَلطِّيْبُ، وَ النِّسَآءُ وَ قُرَّةُ عَيْنِيْ فِي الصَّلٰوةِ"

(تمہاری دنیا سے میرے لئے تین چیزیں مرغوب کی گئی ہیں۔ خوشبو، عورتیں اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے)[1]

حضور ﷺ کا یہ کلام سن کر جبرئیل علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بھی اپنی اپنی خواہشات کا اظہار کیا۔

روایات میں آیا ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بھی حضور ﷺ کی متابعت میں تین چیزیں پسند فرمائیں: (۱) حضور ﷺ کی صحبت میں بیٹھنا (۲) اپنا مال آپ ﷺ پر خرچ کرنا (۳) آپ ﷺ پر درود شریف پڑھنا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے بھی تین چیزیں پسند فرمائیں: (۱) بھلائی کا حکم کرنا (۲) برائی سے منع کرنا (۳) حدود قائم کرنا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے بھی تین چیزیں پسند فرمائیں: (۱) جہاد کرنا (۲) گرمیوں کے روزے رکھنا (۳) مہمان کی خدمت کرنا۔ پھر حضرت جبرئیل علیہ السلام اترے اور کہا مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں: (۱) نبیوں پر وحی لانا (۲) رسولوں کو اللہ کا پیغام پہنچانا (۳) اللہ کی حمد کرنا۔ پھر جبرئیل علیہ السلام نے اللہ کی تین پسندیدہ چیزیں بیان کیں (۱) ذکر کرنے والی زبان (۲) شکر کرنے والا دل (۳) بلاؤں پر صبر کرنے والا بدن۔ حضرت امام ابو حنیفہؒ کو جب یہ حدیث ملی تو کہا مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں: (۱) طویل راتوں میں علم کا مطالعہ کرنا (۲) تعلّی و غرور کو ترک کرنا (۳) حبِ دنیا سے دل کو خالی کرنا۔ حضرت امام مالکؒ نے فرمایا مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں: (۱) روضہ رسول اللہ ﷺ کی مجاورت (۲) آپ ﷺ کی قبر شریف کی ملازمت (۳) اہل بیت کی تعظیم کرنا۔ حضرت امام شافعیؒ نے فرمایا مجھے بھی تین چیزیں پسند ہیں: (۱) لوگوں سے نرمی و مہربانی کے ساتھ پیش آنا (۲) تکلف کی باتوں کو چھوڑنا (۳) طریق تصوف کو اپنانا اور اس کی پیروی کرنا۔ حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے فرمایا کہ مجھے (۱) اخبار یعنی حدیث کی پیروی کرنا (۲) آپ ﷺ کے انوار سے برکت حاصل کرنا (۳) آپ ﷺ کی سنت پر چلنا پسند ہے جبکہ راقم الحروف فقیر عبداللطیف خان نقشبندی کو (۱) دین مصطفیٰ ﷺ کی اشاعت و ترویج کرنا (۲) آپ ﷺ کی قبر شریف کے قرب میں رہنا (۳) آخرت میں آپ ﷺ کا قرب حاصل ہونا محبوب و پسند ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے عشاق کے متعلق تو کچھ اوپر بیان کیا جا چکا ہے۔ اب ایک ایسا واقعہ بیان کیا جا رہا ہے جس میں یہ بات واضح کی گئی ہے کہ خود کو مسلمان کہلوانے والے لوگ بھی اپنی ضد اور ہٹ دھرمی میں رسول اللہ ﷺ کے متعلق گستاخانہ لہجے میں نازیبا الفاظ استعمال کر جاتے ہیں۔ ایک فاضل اجل سے مروی ہے کہ وہ ایک مجلس میں تھے کہ ایک محجوب اور محروم ازلی شخص نے کہا کہ ہوائے نفس سے تو کسی کو بھی چھٹکارا نہیں خواہ وہ بھی کیوں نہ ہوں (نعوذ باللہ من ذالک) اس کا اشارہ حضور ﷺ کی طرف تھا۔ وہ عالم فرماتے ہیں کہ میں نے اس شخص کو کہا کہ تمہیں خدا سے شرم نہیں آتی کہ حدیث (مذکورہ بالا) میں اَحْبَبْتُ (میں پسند کرتا ہوں) کا لفظ نہیں بلکہ حُبِّبَتْ یعنی میرے لئے مرغوب بنا دی گئی ہیں کا لفظ آیا ہے۔ وہ شخص کہتا ہے کہ میں نے اس گستاخ

---

[1] الریاض النضرۃ، احمد بن عبداللہ، متوفی ۶۹۴ھ، جلد۱، حدیث ۱۰۹، صفحہ ۲۶۵، دارالغرب الاسلامی، بیروت۔

کا منہ تو بند کر دیا لیکن میرے دل میں بڑا ملال تھا کہ ایک امتی ہو کر ایسی باتیں کرتا ہے۔ اس شخص کو رات میں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا: "لَا تَغْتَمْ فَقَدْ كَفَيْنَا اَمْرَهٗ" (غم نہ کر ہم نے اس کا کام تمام کر دیا ہے)۔

مذکورہ عالم فرماتے ہیں کہ صبح ہوئی تو معلوم ہوا کہ اس شخص کو قتل کر دیا گیا ہے۔

(دیکھیں ضیاء القرآن، سورۂ مومنون کی تفسیر)

یہ بات قابل غور ہے کہ اگر مسلمان ہی حضور ﷺ پر اعتراض کرے تو دوسرے مسلمانوں کو اس کا کس قدر دکھ ہوگا۔ کچھ لوگ آج بھی بہت سی ناروا باتیں کہہ جاتے ہیں۔ مثلاً درج ذیل حدیث کو ہی لیجئے:

"تَنَامُ عَيْنَایَ وَ لَايَنَامُ قَلْبِیْ"

(میری آنکھیں تو سوتی ہیں لیکن میرا دل نہیں سوتا) [1]

معترضین یہ کہتے ہیں کہ اگر آپ ﷺ کا دل بیدار ہوتا تو لیلۃ التعریس کے موقع پر آپ کی نماز کیوں قضاء ہوتی۔ کسی شاعر نے انہی واقعات کے پیش نظر فرمایا۔

من از بیگانگان ہرگز نہ نالم
ہر آں چہ کرد بامن آشنا کرد

(میں بیگانوں کے عمل سے ہرگز نالاں نہیں ہوں کیونکہ مجھ سے جو کچھ کیا ہے وہ اپنوں نے ہی کیا ہے)

انسانوں کے قلوب علم کے سرچشمے ہیں

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ خدا کی زمین پر تین سو بندے ایسے رہتے ہیں جن کے دل آدم علیہ السلام کے دل پر ہیں، اسی طرح چالیس موسیٰ علیہ السلام کے دل پر، سات ابراہیم علیہ السلام کے دل پر، پانچ جبرائیل علیہ السلام کے دل پر، تین میکائیل علیہ السلام کے دل پر، ایک اسرافیل علیہ السلام کے دل پر ہوتا ہے۔ جب کوئی ان میں سے مر جائے تو اس کے پہلوؤں میں سے تعداد پوری کر دی جاتی ہے اور اگر تین سو میں سے کوئی مرے تو اس کی عوام میں سے جگہ پر کر دی جاتی ہے۔ حضرت شافعیؒ نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے دل پر کسی کا دل نہیں بنایا۔ آپ کے قلب کو انبیاء علیہم السلام کے قلب سے وہی نسبت ہے جو ستاروں کو آفتاب سے۔ ہمارے آقا رسول اللہ ﷺ نے بعض صحابہ کرام ؓ کو وہ علوم عطا فرمائے ہیں جو عام مسلمانوں کو عطا نہیں کئے اور پھر خاص اور خاص الخاص لوگوں کو ان کی عقل کے مطابق ان آیات کا علم عطا فرمایا اور کچھ ایسے علوم ہیں جن کا

---

[1] سنن ابوداؤد، حدیث ۲۰۲، جلد ۱، صفحہ ۵۲۔

اظہار کسی پر بھی نہیں فرمایا۔ کیونکہ قلب محمدی ﷺ کے علاوہ ان کا کوئی متحمل نہیں ہو سکتا تھا۔

سنت ایک مستقل علم ہے

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ فرماتے ہیں کہ نبی ﷺ نے فرمایا علم تین ہیں اور اس کے علاوہ سب اضافہ یعنی زیادتی ہے۔ وہ تین علوم مندرجہ ذیل ہیں:

(۱) آیات محکمات (قرآن مجید) (۲) سنت قائمہ (معمولات وفرمودات نبوی ﷺ) (۳) فریضۂ عادلہ (فقہ وقیاس)

حسن بن حسن ؓ فرماتے ہیں کہ سنت کے مطابق تھوڑا سا عمل نئے (ایجاد شدہ) بہت سے عمل سے بہتر ہے۔ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ نے فرمایا میرے جانشینوں پر خدائے پاک کی رحمت ہو۔ صحابہ ؓ نے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ آپ کے جانشین کون لوگ ہیں؟ فرمایا میرے جانشین وہ لوگ ہیں جو میری سنت سے محبت رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے بندوں کو میری سنت کی تعلیم دیتے ہیں۔ آنحضرت ﷺ کا فرمان ہے کہ "جو میری سنت سے روگرداں ہوا، وہ مجھ سے نہیں"[1] آپ ﷺ نے اپنی سنت کو قانون اسلامی کا ماخذ قرار دیا ہے۔ اس بات کا ثبوت اس واقعہ سے ملتا ہے کہ جب حضرت معاذ بن جبل ؓ کو یمن کا قاضی مقرر کر کے نبی پاک ﷺ نے بھیجا تو ان سے پوچھا کہ اے معاذ ؓ! تم لوگوں کے درمیان فیصلے کس طرح کرو گے؟ آپ ؓ نے عرض کی اللہ کی کتاب کے ذریعے سے۔ فرمایا اللہ کی کتاب میں اس کا حل نہ ملے تو؟ آپ ؓ نے جواب دیا پھر سنت رسول ﷺ کی روشنی میں فیصلہ کروں گا۔ فرمایا اگر سنت میں نہ پا سکو تو پھر کیا کرو گے، عرض کی پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔ آنحضرت ﷺ نے معاذ ؓ کو شاباش دی اور کہا شکر ہے اللہ کا جس نے اپنے بندے کی ہدایت فرمائی۔

اتباع سنت پر حضور ﷺ کی احادیث مبارکہ

سنت سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے ارشادات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ "مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَ مَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ"

(جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی، جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا)[2]

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۴۷۷۶، جلد ۵، صفحہ ۱۹۳۹۔

[2] سنن ترمذی، حدیث ۲۶۷۸، جلد ۵، صفحہ ۴۶۔

۲۔ "مَنْ اَحْيَا سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحْيَانِیْ"

(جس نے میری سُنّت کو زندہ کیا تو گویا اس نے مجھے زندہ کیا)۔[۱]

۳۔ "نَضَّرَ اللّٰهُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاهَا ثُمَّ بَلَّغَهَا عَنِّیْ"

(اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش رکھے جس نے ہم سے کوئی حدیث سنی اور دوسرے تک پہنچائی)[۲]

۴۔ "مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَيْسَ مِنِّیْ"

(جس نے میری سنت سے روگردانی کی اس کا مجھ سے کچھ تعلق نہیں۔) [۳]

۵۔ احیاء العلوم میں ہے کہ ایک شخص نے دیکھا کہ حضور ﷺ کے ساتھ ایک جماعت ہے اور آپ ﷺ تشریف فرما ہیں۔ دو فرشتے آسمان سے اترے، ایک کے ہاتھ میں سونے کا طشت اور دوسرے کے پاس چاندی کا لوٹا تھا۔ انہوں نے سب کے ہاتھ دھلوائے، یہاں تک کہ وہ میرے پاس آئے تو ایک نے دوسرے سے کہا کہ یہ تو ان میں سے نہیں ہے، تو میں نے عرض کی یا نبی اللہ ﷺ آپ نے فرمایا ہے کہ: "اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ اِلَيْهِ" (یعنی آدمی اس کے ساتھ ہوگا جس سے اس کو محبت ہوگی)۔ اس شخص نے عرض کیا "یا رسول اللہ ﷺ مجھے آپ سے محبت ہے اور ان لوگوں سے بھی محبت کرتا ہوں" آپ نے ارشاد فرمایا کہ اچھا اس کے ہاتھ پر بھی پانی ڈال دو یہ بھی انہی میں سے ہے۔

امام غزالیؒ نے بیان کیا ہے کہ خدا نے حضرت داؤد علیہ السلام پر وحی بھیجی کہ زمین والوں کو میرا پیغام دے دو کہ جو مجھ سے محبت کرے میں اس کا محبوب ہوں اور جو میرا ہم نشین ہے میں اس کا ہم نشین ہوں۔ جس کو مجھ سے انس ہو میں اس کا انیس ہوں اور جو مجھ سے مصاحبت رکھے میں اس کا مصاحب ہوں اور جو مجھے پسند کرے میں اسے پسند کرتا ہوں اور جو میری اطاعت کرے، میں اس کا کہا مانتا ہوں کیونکہ میں نے اپنے دوستوں کا خمیر ابراہیم و موسیٰ و محمد علیہم السلام کے خمیر سے بنایا ہے اور اپنے نور سے مشتاقوں کے دلوں کو روشن کیا ہے اور ان کو اپنے جلال کی نعمت دی ہے۔[۴]

سنت نبوی ﷺ معتزلہ، خوارج اور اہل تشیع کی نظر میں

اگر چہ تمام اسلامی فرقوں کے درمیان بنیادی عقائد میں وسیع اختلافات موجود ہیں لیکن کسی نہ کسی

---

[۱] المعجم الاوسط، جلد ۹، صفحہ ۱۶۹۔

[۲] سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۳۶، جلد ۱، صفحہ ۸۶۔

[۳] صحیح بخاری، حدیث ۴۷۷۶، جلد ۵، صفحہ ۲۳۹۔

[۴] مکاشفۃ القلوب، امام محمد غزالی، متوفی ۵۰۵، صفحہ ۲۲۱، مکتبہ فیض العلم، کراچی۔

طور پر سب ہی سنت کو شریعت کی بنیاد تسلیم کرتے ہیں۔ معتزلہ فرقہ کے پیرو علامہ زمخشریؒ "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِــی شَــیْءٍ" (یعنی اگر تم کسی شے میں جھگڑا کرو) (النساء:۵۹) کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اختلافی معاملات میں خدا اور رسول یعنی کتاب وسنت کی طرف رجوع کرو۔[1] فقہ جعفریہ والوں کا نظریہ ہے کہ کتاب و سنت دو اصلی بنیادیں ہیں۔ کتاب اور سنت پر عمل ناگزیر ہے۔ ان کا یہ بھی خیال ہے کہ "اَطِیْـعُـوا اللّٰـہَ وَاَطِیْـعُـوا الـرَّسُـوْلَ" (النساء:۵۹) میں چونکہ اطاعت کا حرف الگ الگ آیا ہے اس لئے رسول کے حکم کو شریعت کا سرچشمہ کہا جا سکتا ہے لیکن اولوالامر کو یہ مقام حاصل نہیں۔

فرقہ زیدیہ کا خیال ہے کہ انسانی معاشرہ کتاب اور سنت کے ذریعے سے ہی کمال کو پہنچا ہے۔ قرآن کے الفاظ کو عبادت کا درجہ حاصل ہے اور یہ رسول اللہ ﷺ کا معجزہ ہے۔ سنت پر بھی عمل کیا جائے گا لیکن سنت اور حدیث کے الفاظ کی شان قرآن جیسی نہیں۔

امام ابن تیمیہؒ خوارج کے متعلق یہ بات لکھتے ہیں کہ اہل خوارج سنت کو تفسیر قرآن سمجھتے ہیں۔ مولانا عطاء اللہ حنیف لکھتے ہیں کہ خوارج بھی کسی نہ کسی درجے میں سنت کی حجیت کے قائل ہیں۔

---

[1] تفسیر الکشاف، علامہ زمخشری، جلد ۱، صفحہ ۳۴۳۔

دوسرا باب

سنت کی اصل وحی الٰہی ہے

فقہاء کے نزدیک حدیث کا مفہوم رب کی طرف سے ہوتا ہے جس کو بطور الہام یا وحی فرشتہ ہی عرض کرتا ہے مگر اس کی ادائیگی آپ ﷺ کے الفاظ میں ہوتی تھی۔ اس کا ماننا اور اس پر عمل کرنا ضروری ہے لیکن اس کی قرآن کی طرح تلاوت نہیں کی جاتی، کیونکہ وحی کے لغوی معنی یہ ہیں کہ کسی کا اپنی دلی منشاء کو لبوں کو جنبش دیے بغیر اخفاء اور آہستگی کے ساتھ دوسرے پر ظاہر کر دینا۔ اصطلاحاً اس کے معنی یہ ہیں کہ خدائے تعالیٰ اپنے منشاء کو کسی غیبی ذریعہ سے مطلع فرما دیں۔

نزول وحی کے طریقے

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں سے تین طریقوں میں کلام فرماتا ہے۔ آیت ذیل میں ان طریقوں کی نشاندہی اس طرح کی گئی ہے:

”وَمَا كَانَ لِبَشَرٍ اَنْ يُّكَلِّمَهُ اللّٰهُ اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ اَوْ يُرْسِلَ رَسُوْلًا فَيُوْحِيَ بِاِذْنِهٖ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّهٗ عَلِيٌّ حَكِيْمٌ ○“

(اور ہر بشر کی (یہ) مجال نہیں کہ اللہ اس سے (براہ راست) کلام کرے مگر یہ کہ وحی کے ذریعے (کسی کو شانِ نبوت سے سرفراز فرما دے) یا پردے کے پیچھے سے (بات کرے جیسے موسیٰ علیہ السلام سے طور سینا پر کی) یا کسی فرشتے کو فرستادہ بنا کر بھیجے اور وہ اُس کے اِذن سے جو اللہ چاہے وحی کرے (الغرض عالم بشریت کے لیے خطابِ الٰہی کا واسطہ اور وسیلہ صرف نبی اور رسول ہی ہوگا)، بے شک وہ بلند مرتبہ بڑی حکمت والا ہے ○)

اس آیت شریفہ میں نزول وحی کے یہ تین طریقے بتلائے گئے ہیں:

(۱) براہ راست وحی (۲) پردے کے پیچھے سے کلام (۳) فرشتے کے ذریعے سے کلام۔

قرآن مجید فرشتے کے ذریعے آپ ﷺ پر نازل کیا گیا ہے۔ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

اس پر جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے کلام کو لے کر بغیر کسی تغیر و تبدل کے نبی کریم ﷺ کے سپرد کر دیتے اور کہہ دیتے کہ اس کو فلاں فلاں کے سامنے بعینہٖ پڑھ دو۔ جبرئیل امین علیہ السلام اس کلام میں سے ایک کلمہ یا حرف تبدیل نہیں کرتے، اسے وحی متلو اور وحی جلی کہتے ہیں۔ (۲) یہ کہ اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیں کہ ہمارے فلاں نبی کو کہہ دو کہ ایسا ایسا کام خود کرو اور ایسے ایسے کاموں کا دوسروں کو امر کرے تو جبرائیل علیہ السلام اس قول الٰہی کو بخوبی سمجھ کر اس نبی کے پاس آتے اور سب پیغام پہنچاتے لیکن اصل عبارت کی بجائے وہ صرف مطلب و مفہوم ادا کر دیا کرتے۔ اسے وحی غیر متلو کہتے ہیں۔ احادیث رسول اللہ ﷺ جو پوری صحت کے ساتھ قرآن کی طرح تواتر اُو تواترًا ہم تک پہنچیں ہیں، اسی قسم سے ہیں۔

وحی غیر متلو کا ثبوت قرآن کریم سے

اگرچہ وحی کی یہ قسم قرآن پاک میں شامل نہیں ہے لیکن قرآن کریم نہ صرف یہ کہ اکثر اس کا حوالہ دیتا ہے بلکہ اس کے مضامین کا انتساب بھی اللہ جل شانہ اپنی طرف کرتا ہے۔ قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اشارے کئے گئے ہیں چند مثالیں ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضور انور ﷺ نے پہلے بیت المقدس کو قبلہ بنایا تھا اس کے متعلق کوئی حکم کتاب اللہ میں نہیں آیا مگر جب اس قبلہ کو منسوخ کر کے بیت الحرام کو قبلہ بنانے کا حکم دیا گیا تو اس وقت ارشاد فرمایا:

"وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَاۤ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَیْهِ ط"

(اور نہیں مقرر کیا ہم نے (بیت المقدس کو) قبلہ جس پر آپ ﷺ (ابھی تک) رہے مگر اس لئے کہ ہم معلوم کریں کہ کون پیغمبر کے تابع رہتا ہے اور کون الٹے پاؤں پھر جاتا ہے) (البقرہ:۱۴۳)

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت المقدس کو جو قبلہ بنایا گیا تھا، وہ وحی کی بناء پر تھا لیکن قرآن کریم میں وہ آیت کہیں نہیں ملتی۔ اگر حضور اکرم ﷺ پر قرآن کے علاوہ اور کوئی وحی نہیں آتی تھی تو بیت المقدس کا حکم حضور ﷺ کو کس ذریعے سے ہوا؟

۲۔ غزوہ اُحد کے موقع پر قرآن کریم کی چند آیات اس لئے نازل ہوئی تھیں کہ جنگ کے بعد مسلمانوں کو جن غزوہ بدر کی لڑائی کے وقت کے واقعات و حالات دوبارہ یاد دلائے جائیں کہ کس طرح اللہ تعالیٰ نے ان کی مدد فرمائی تھی اور فرشتوں کے ذریعے ان کی امداد کا وعدہ کیا تھا اور پھر یہ امداد نازل بھی کی گئی تھی:

"وَلَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ بِبَدْرٍ وَّاَنْتُمْ اَذِلَّةٌ ج فَاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝" (آل عمران:۱۲۳)

(اور یہ بات محقق ہے کہ حق تعالیٰ نے تم کو بدر میں منصور فرمایا حالانکہ تم بے سر و سامان تھے سو اللہ تعالیٰ سے

"قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ"

(آپ ﷺ فرمادیں کہ جو شخص جبرئیل علیہ السلام سے عداوت رکھے سو (اسے یہ معلوم ہونا چاہئے) کہ اس نے یہ قرآن آپ ﷺ کے قلب تک پہنچادیا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے) (البقرہ:۹۷)

"وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ○ عَلٰى قَلْبِكَ لِتَكُوْنَ مِنَ الْمُنْذِرِيْنَ ○" (الشعراء:۱۹۲۔۱۹۴)

(اور یہ قرآن رب العالمین کا بھیجا ہوا ہے اس کو امانت دار فرشتہ لے کر آیا ہے آپ ﷺ کے قلب پر تاکہ تم ڈر سناؤ)

ان آیات کریمہ سے یہ معلوم ہوا کہ قرآن شریف وحی کی تیسری قسم کے ذریعہ نازل ہوا ہے، باقی دو اقسام اس کے علاوہ ہیں۔ چنانچہ یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ وحی علاوہ قرآن شریف کے ان دو طریقوں پر (یعنی اِلَّا وَحْيًا اَوْ مِنْ وَّرَآئِ حِجَابٍ) بھی ہوتی ہے۔

سنت وحی الٰہی ہونے کا قرآنی ثبوت

خداوند ذوالجلال نے قرآن مجید میں حضور ﷺ کی ہر بات کو وحی الٰہی ہونے کے متعلق فرمایا ہے:

"وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ○ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى ○" (النجم:۳،۴)

(اور وہ خواہش نفس سے کوئی بات نہیں کرتے وہ تو نہیں کرتے مگر وحی سے جو نہیں کی جاتی ہیں)

یہ آیات شریفہ اس امر میں صریح دلیل ہے کہ آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکلے ہوئے تمام اقوال اور اوامر ونواہی کا ماخذ اللہ تعالیٰ کی وحی ہے۔ خواہ وہ وحی متلو اور جلی ہو، خواہ غیر متلو اور خفی ہو۔ اس آیت شریفہ کی مزید تشریح اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مسند ابن حنبل میں ہے۔ ایک روایت میں آیا ہے کہ جبرائیل علیہ السلام حدیث لے کر آتے تھے۔

"قَالَ كَانَ جِبْرَئِيْلُ يَنْزِلُ عَلَى النَّبِيِّ بِالسُّنَّةِ كَمَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ"

(جبرائیل علیہ السلام رسول کریم ﷺ کے پاس جس طرح قرآن نازل کرتے تھے، اسی طرح سنت بھی نازل کرتے تھے۔)[1]

متلو اور وحی غیر متلو کا فرق

کیفیت نزول وحی کے معاملہ پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کلام الٰہی جو آپ ﷺ پر نازل ہوا، اس کی دو قسمیں ہیں: (ا) یہ کہ اللہ تعالیٰ جبرئیل علیہ السلام سے فرمائیں کہ ہمارے نبی ﷺ کے پاس جا کر یہ کلام پڑھ دو۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل، متوفی ۲۴۱ھ، حدیث ۱۷۲۱۳، جلد ۴، صفحہ ۱۳۰، بیروت۔

ڈرتے رہا کرو تا کہ تم شکر گزار رہو)

یہاں فرشتوں کی غیبی امداد کی خوشخبری کا انتساب اللہ تعالیٰ کی جانب سے کیا گیا ہے لیکن یہ خوشخبری قرآن کریم میں کسی بھی جگہ موجود نہیں ہے، چنانچہ یہ ایک اور مثال ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد کو خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہی قرار دیا گیا ہے۔ اس بات کی سوائے اس کے کوئی وضاحت پیش نہیں کی جاسکتی کہ نبی کریم ﷺ پر اس خوشخبری کے بارے میں خصوصی نوعیت کی وحی نازل کی گئی جو قرآن کریم میں شامل نہیں ہے اور یہی ''وحی غیر متلو'' ہے۔

۳۔ ایک اور موقع پر غزوہ بدر کے حوالے سے قرآن کریم میں ارشاد ہے:

"وَاِذْ یَعِدُکُمُ اللّٰہُ اِحْدَی الطَّآئِفَتَیْنِ اَنَّھَا لَکُم" (الانفال:۷)

(اور جب کہ اللہ تعالیٰ نے تم سے ان دو جماعتوں میں سے ایک کا وعدہ کیا تھا کہ وہ تمہارے ہاتھ آجائے گی)

یہاں دو جماعتوں سے مراد ابوسفیان اور ابوجہل کی جماعت ہے۔ قابل غور بات یہ ہے کہ قرآن پاک میں یہ وعدہ کہیں مذکور نہیں ہے۔ مسلمانوں کو یہ نوید خود حضور ﷺ نے دی تھی۔ اس سے محض ایک ہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے اور وہ یہ کہ یہ وعدہ آنحضرت ﷺ کو ''وحی غیر متلو'' کے ذریعے معلوم ہوا۔

۴۔ مدینہ کے مشہور قبیلے بنونضیر کے محاصرے کے دوران چند مسلمانوں نے محصورین کو ہتھیار ڈال دینے پر مجبور کردینے کے لئے قلعے کے آس پاس کے کھجور کے درخت کاٹ دیئے تھے۔ جنگ ختم ہو جانے کے بعد یہود نے اس بات پر اعتراض کیا۔ قرآن کریم میں اس اعتراض کا جواب اس طرح آیا ہے:

"مَا قَطَعْتُم مِّن لِّیْنَۃٍ اَوْ تَرَکْتُمُوھَا قَآئِمَۃً عَلٰٓی اُصُوْلِھَا فَبِاِذْنِ اللّٰہِ"

(جو کھجوروں کے درختوں کے تنے تم نے کاٹ ڈالے یا ان کو ان کی جڑوں پہ کھڑا رہنے دیا سو یہ خدا ہی کے حکم کے موافق کیا گیا) (الحشر:۵)

اس آیت کریمہ میں واضح طور پر بیان کیا گیا ہے کہ مسلمانوں نے یہ درخت اللہ تعالیٰ کی اجازت سے کاٹے تھے لیکن کوئی بھی شخص قرآن کریم کی کوئی آیت کریمہ نہیں بتلاسکتا جس میں یہ اجازت ہو۔ سوال یہ ہے کہ مسلمانوں کو اس اجازت کا کس طرح علم ہوا؟ اس کا جواب اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ یہ اجازت رسول اللہ ﷺ نے دی تھی اور خود نبی کریم ﷺ کو اس اجازت کا علم ''وحی غیر متلو'' کے ذریعے ہوا تھا۔

۵۔ حدیبیہ کی مہم کے موقع پر کئی منافقین رسول اللہ ﷺ کے ہمراہ قصداً شریک سفر نہیں ہوئے تھے۔ واپسی کے بعد جب مسلمانوں نے غزوہ خیبر کے لئے تیاریاں شروع کیں تو رسول اللہ ﷺ نے اعلان فرمادیا کہ صرف

وہی اصحاب ؓ آپ ﷺ کے ساتھ اس مہم میں شریک ہوسکیں گے جو حدیبیہ میں بھی شریک تھے۔ یہ واقعہ قرآن کریم میں اس طرح بیان کیا گیا ہے:

”سَيَقُولُ الْمُخَلَّفُونَ إِذَا انطَلَقْتُمْ إِلَى مَغَانِمَ لِتَأْخُذُوهَا ذَرُونَا نَتَّبِعْكُمْ يُرِيدُونَ أَن يُبَدِّلُوا كَلَامَ اللَّهِ قُل لَّن تَتَّبِعُونَا كَذَٰلِكُمْ قَالَ اللَّهُ مِن قَبْلُ“

(جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ عنقریب جب تم غنیمتیں لینے چلو گے کہیں گے کہ ہم کو بھی اپنے پیچھے آنے دو۔ وہ ارادہ کرتے ہیں کہ اللہ کے کلام کو تبدیل کر دیں آپ ﷺ کہہ دیجئے کہ تم ہرگز ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے۔ خدائے تعالیٰ نے پہلے سے یوں ہی فرمادیا ہے) (الفتح: ۱۵)

ترجمے کے نمایاں الفاظ ظاہر کرتے ہیں کہ قبل ازیں اللہ تعالیٰ کا واضح حکم آ گیا تھا لیکن یہ الفاظ اور یہ حکم قرآن کریم میں کسی بھی جگہ نہیں ملتا۔

یہ ایک پیغمبری حکم تھا لیکن اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اسے خود اپنے حکم کے طور پر ذکر کیا ہے۔ وجہ واضح اور بالکل صاف ہے کہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم پیغمبر ﷺ پر ایسی وحی کے ذریعے نازل کیا گیا جو قرآن میں شامل نہیں تھی لیکن اس کے باوجود یہ وحی تھی اتنی ہی واضح اور یقینی جتنی اللہ تعالیٰ کی کوئی وحی ہو سکتی ہے۔

یہ چند آیات ہیں جو نہ صرف وحی غیر متلو کے وجود کو ثابت کرتی ہیں بلکہ ان سے اس کے قابل اعتماد، مستند اور واجب التسلیم ہونے کا بھی ثبوت ملتا ہے۔ قرآن نے حضرت موسیٰ ؑ کا حضرت خضر ؑ کی صحبت میں رہ کر تین واقعات کی تفصیل حاصل کرنے کا قصہ بیان کیا ہے جہاں حضرت خضر ؑ نے یہ حقیقت واضح کی ہے کہ جو کچھ انہوں نے کیا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے کیا ہے۔ یہ واقعات بھی وحی غیر متلو کی مثالیں ہیں۔

سنت مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰہ اور وحی خداوندی ہے

قرآن حکیم نے تعلیم کتاب کے ساتھ تعلیم حکمت بھی آنحضرت ﷺ کا ایک فریضہ بتلایا ہے۔ یہ حکمت کیا چیز ہے؟ اس کو سمجھنے کے لیے فکر صحیح اور فہم سلیم کی ضرورت ہے۔

تعلیم حکمت:

حکمت کی مراد معلوم کرنے کے لئے سب سے پہلے خود قرآن پاک کی طرف رجوع کیجئے تو اس میں آپ ﷺ کو ایسی متعدد آیات ملیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ حکمت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کو اللہ نے اتارا اور نازل کیا ہے۔ مثلاً سورۂ نساء میں ایک جگہ ارشاد ہے:

”وَأَنزَلَ اللَّهُ عَلَيْكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَكَ مَا لَمْ تَكُن تَعْلَمُ وَكَانَ فَضْلُ اللَّهِ

عَلَیْکَ عَظِیْماً" (النساء:۱۱۳)

(اور نازل کی اللہ نے آپ ﷺ پر کتاب اور حکمت اور سکھایا آپ ﷺ کو وہ جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے اور ہے اللہ کا فضل آپ ﷺ پر بہت بڑا)

سورۂ بقرہ میں ایک موقع پر فرمایا:

"وَاذْکُرُوْا نِعْمَتَ اللّٰہِ عَلَیْکُمْ وَمَا أَنْزَلَ عَلَیْکُمْ مِّنَ الْکِتَابِ وَالْحِکْمَۃِ یَعِظُکُم بِہٖ"

(اور یاد کرو اللہ کی نعمت اپنے اوپر جو نازل کی آپ ﷺ پر یعنی کتاب اور حکمت۔ نصیحت کرتا ہے اللہ آپ ﷺ کو اس کے ساتھ۔) (البقرہ:۲۳۱)

سورۂ احزاب کی ایک آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کی آیتوں کی طرح حکمت بھی ایک ایسی چیز ہے جس کی تلاوت ازواج مطہرات کے گھروں میں ہوتی تھی۔ ارشاد ہے:

"وَاذْکُرْنَ مَا یُتْلٰی فِیْ بُیُوْتِکُنَّ مِنْ آیَاتِ اللّٰہِ وَالْحِکْمَۃِ"

(اور یاد کرو اس کو جس کی تلاوت ہوتی ہے تمہارے گھروں میں یعنی اللہ کی آیتیں اور حکمت۔) (الاحزاب:۳۴)

سوال یہ ہے کہ ازواج مطہرات کے گھروں میں قرآن کی آیتوں کے علاوہ دوسری کیا چیز پڑھی جاتی تھی اور آنحضرت ﷺ ان کو قرآن کے علاوہ کیا سناتے تھے؟

اس سوال کا صرف یہی ایک جواب ہو سکتا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی حدیث اور سنت تھی۔ (یعنی آپ ﷺ کے عام دینی نصائح یا اسلامی روحانی گفتگو اور دینی افادات و ارشادات)۔ چونکہ اس آیت میں حکمت کے ذکر کا یعنی اس کو یاد کرنے اور یاد رکھنے کا حکم ہے اس لئے اسی آیت سے حدیث و سنت کے یاد کرنے اور یاد رکھنے کا وجوب بھی معلوم ہو گیا اور جب سنت ہی کا دوسرا نام حکمت ہے تو اس سے پہلی آیتوں سے (جن میں کتاب کی طرح حکمت کو بھی مُنزّلٌ مِنَ اللّٰہ فرمایا گیا ہے) ثابت ہوا کہ سنت بھی مُنزّلٌ مِنَ اللّٰہ اور وحی خداوندی ہے۔

قرآن کے بعد جب ہم معلم قرآن ﷺ کی طرف رجوع کرتے ہیں، تو جس طرح قرآن سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کے علاوہ ایک اور چیز بھی (جس کا نام حکمت ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر اتاری ہے، اسی طرح معلم قرآن ﷺ کی تعلیمات بھی ہم کو یہی بتلاتی ہیں جیسے فرمایا:

"اَلاَ اِنِّیْ اُوْتِیْتُ الْقُرْآنَ وَمِثْلَہٗ مَعَہٗ"[1]

(کہ مجھے قرآن عطا کیا گیا اور اس کے ساتھ ایک اور چیز بھی اس کے مثل دی گئی۔)

---

[1] سنن ابی داؤد، حدیث ۱۱۸۰، جلد ۳، صفحہ ۲۰۰۔

کتاب وسنت کی انہیں نصوص کی بناء پر تمام آئمہ وعلمائے سلف اس بات پر متفق ہیں کہ یُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ اور اس طرح کی دوسری آیات میں جو حِكْمَة کا لفظ وارد ہوا ہے، اس سے مراد سنت ہی ہے اور سنت بھی وحی الٰہی کی ایک قسم ہے۔ یاد رہے کہ مشائخ عظام کا یہ بھی خیال ہے کہ سنت میں حکمت شامل ہے اور حکمت سے مراد طریقت یا وہ روحانیت بھی شامل ہے جو حضور ﷺ کو عطا ہوئی تھی اور آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کو بھی سکھائی۔ اس کی مزید وضاحت ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

علامہ ابن قیمؒ کتاب الروح میں لکھتے ہیں:

''اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ پر دو قسم کی وحی نازل کی اور دونوں پر ایمان لانا اور جو کچھ ان دونوں میں ہے، اس پر عمل کرنا واجب قرار دیا اور وہ دونوں قرآن اور حکمت ہیں۔ (اس کے بعد علامہؒ نے اس دعویٰ کے ثبوت میں وہی قرآنی آیات درج کی ہیں جو اوپر پیش کی جا چکی ہیں) اس کے بعد علامہؒ لکھتے ہیں کتاب تو قرآن ہے اور حکمت سے، باجماع سلف، سنت مراد ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اللہ سے پا کر جو خبر دی اور اللہ نے رسول ﷺ کی زبان سے جو خبر دی، دونوں واجب التصدیق ہونے میں یکساں ہیں۔ یہ اہل اسلام کا بنیادی اور متفق علیہ مسئلہ ہے۔ اس کا انکار وہی کرے گا، جو ان میں سے نہیں ہے۔ خود نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ مجھے کتاب دی گئی اور اس کے ساتھ اسی کے مثل ایک اور چیز بھی دی گئی (یعنی سنت)۔

سنت کا مُنَزَّلٌ مِنَ اللهِ ہونے کے اور دلائل

فضائل سنت کے باب میں سب سے اہم نکتہ یہ ہے کہ خود سنت رسول ﷺ مُنَزَّلٌ مِنَ اللهِ یعنی یہ حقیقت میں قرآن مجید کی طرح کلام الٰہی ہے اور اس بات کا ثبوت باقاعدہ طور پر قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ سے ملتا ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ آل عمران میں ارشاد فرماتے ہیں:

وَ اِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ؕ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰى ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ؕ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ؕ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ ۝

اور (اے محبوب! وہ وقت یاد کریں) جب اللہ نے انبیاء سے پختہ عہد لیا کہ جب میں تمہیں کتاب اور حکمت عطا کر دوں پھر تمہارے پاس وہ (سب پر عظمت والا) رسول (ﷺ) تشریف لائے جو ان کتابوں کی تصدیق فرمانے والا ہو جو تمہارے ساتھ ہوں گی تو ضرور بالضرور ان پر ایمان لاؤ گے اور ضرور بالضرور ان کی مدد کرو گے، فرمایا: کیا تم نے اقرار کیا اور اس (شرط) پر میرا بھاری عہد مضبوطی سے تھام لیا؟ سب نے عرض کیا: ہم نے اقرار کر لیا، فرمایا کہ تم گواہ ہو جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہوں میں سے ہوں ۝ (آل عمران: ۸۱)

مذکورہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے اس عہد کا ذکر کیا جو اس نے انبیاء کرام علیہم السلام سے انہیں کتاب وحکمت عطا کرنے سے پہلے عالم ارواح میں لیا تھا۔ اس عہدنامے میں اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کو مندرجہ ذیل دو چیزیں عطا کرنے کا وعدہ فرمایا تھا اور پھر اپنا وعدہ پورا بھی فرمایا تھا (۱) کتاب (۲) حکمت۔

ثابت یہ ہوا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے کتاب انبیاء علیہم السلام پر اتاری، اسی طرح حکمت بھی ان کو عطا کی گویا کتاب تو مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰه ہے ہی لیکن نص قرآنی کے مطابق حکمت بھی مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰه ہی ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ کی جانب تو خصوصیت کے ساتھ ارشاد فرماتے ہیں۔ سورۃ النساء میں ارشاد فرمایا ہے:

"وَاَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَعَلَّمَكَ مَالَمۡ تَكُنۡ تَعۡلَمُ ؕ وَكَانَ فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ عَظِيۡمًا۝"

(اور اللہ تعالیٰ نے (اے مصطفیٰ ﷺ) آپ ﷺ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی اور آپ ﷺ کو سکھا دیا جو آپ ﷺ نہیں جانتے تھے اور اللہ کا آپ ﷺ پر بڑا فضل ہے) (النساء: ۱۱۳)

مذکورہ آیت مبارکہ میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کی جانب خصوصی طور پر فرما دیا ہے کہ ہم نے اپنے پیارے اور محبوب نبی ﷺ کو فقط کتاب ہی نہیں بلکہ کتاب کے ساتھ ساتھ حکمت بھی عطا کی ہے۔ لہٰذا کلام اللہ یعنی قرآن مجید ہی مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰه نہیں ہے بلکہ حضور پرنور ﷺ کا ہر قول مبارک مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰه ہے، بلکہ آقائے دوجہاں ﷺ کا بولنا حقیقت میں رب کا بولنا ہے اور آپ ﷺ جو کام بھی کرتے ہیں منجانب اللہ ہی ہے اور درحقیقت اللہ ہی کا کام ہے۔ اس حقیقت پر رب تعالیٰ نے خود مہر تصدیق ثبت کی ہے اور قرآن مجید میں بڑے واضح انداز میں حضور ﷺ کی نسبت فرمایا ہے کہ:

"وَمَا يَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰى اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡىٌ يُّوۡحٰى"

(محمد ﷺ اپنی خواہش سے کچھ نہیں فرماتے بلکہ ان کے ارشادات وحی ربانی ہوتے ہیں۔) (النجم: ۴،۳)

فضیلت سنت میں اس سے بڑھ کر اور لطیف نکتہ کوئی نہیں ہو سکتا کہ قرآن مجید کی طرح احادیث رسول ﷺ بھی اللہ کا ہی کلام ہے۔

تیسرا باب

حدیث کا قرآن سے تعلق

زیر نظر باب میں حدیث نبوی ﷺ کے مقام کی وضاحت کی جا رہی ہے، چنانچہ یہاں اس بات کا مطالعہ کیا جائے گا کہ حدیث کیا ہے اور یہ قرآن فہمی میں کس قدر منضبط ہے؟ قرآن کے صحیح فہم کے لئے حدیث کا مطالعہ کرنا ایک ضروری امر ہے، کیونکہ قرآن جامع احکام کا احاطہ کرتا ہے اور حدیث ان احکامات کی تفسیر کا علم بیان کرتی ہے۔ یہاں یہ بات کہنے کے بغیر چارہ نہیں کہ قرآن کا مکمل فہم حدیث کے بغیر ناممکن ہے اور ایسا کیوں نہ ہو کیونکہ حدیث رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے اعمال اور افعال کو بیان کرتی ہے جیسا کہ قرآن نے خود اس بات کا اقرار کیا ہے کہ یہ رسول ﷺ مسلمانوں پر اللہ کی آیتوں کو پڑھتا ہے، انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں حکمت کی باتیں سکھاتا ہے۔ (آل عمران:۱۶۴) اس مضمون کی خاطر خواہ وضاحت آئندہ صفحات میں کر دی گئی ہے تاکہ یہ مسئلہ آسانی سے ذہن نشین ہو سکے۔

حدیث کیا ہے؟

حدیث کا لفظ قدیم کی ضد میں استعمال ہوتا ہے۔ (یعنی تازہ یا نیا) اس کا مصدر حدث ہے۔ جب رَجُلٌ حَدَثٌ کہا جائے تو اس سے مراد جوان آدمی کے ہوتے ہیں۔ انسان کے منہ سے نئے نئے الفاظ نکلتے ہیں، چنانچہ ایسی نئی نئی باتوں کی گفتگو کو حدیث کہا جاتا ہے۔ قرآن میں حضور ﷺ کے کلام کو بھی حدیث کہا گیا ہے:

"وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِیُّ اِلٰی بَعْضِ اَزْوَاجِہٖ حَدِیْثًا"

(یعنی جب نبی ﷺ نے اپنی ایک بیوی سے راز کی بات فرمائی) (التحریم:۳)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میری بات سے زیادہ سچی بات کس کی ہو سکتی ہے؟

"وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰہِ حَدِیْثًا"

(یعنی اللہ تعالیٰ سے زیادہ کس کی حدیث (بات) سچی ہے) (النساء:۸۷)

حدیث کا لفظ لغوی اعتبار سے عربی زبان میں حسب ذیل دو معانی میں استعمال کیا جاتا ہے۔

۱۔ بات چیت اور گفتگو کے معنی میں جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا ہے:

"فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ"

(پس وہ اس کے بعد کس بات پر ایمان لائیں گے۔) (المرسلت:۵۰)

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دیتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

"اِنَّ اَحْسَنَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ" (اللہ کی کتاب بہترین کلام ہے)[1]

۲۔ نئی چیز اور نئی بات کو بھی حدیث کہتے ہیں۔ حادثہ کو اسی لئے یہ نام دیا گیا ہے کہ وہ وقوع کے اعتبار سے نیا ہوتا ہے۔ اس اعتبار سے لفظ حدیث قدیم کی ضد ہے۔ انسان کے منہ سے نئے نئے الفاظ نکلتے ہیں، چنانچہ ایسی نئی باتوں کو حدیث کہا جاتا ہے۔

اصطلاح شرعیہ میں حضرت رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ تقریر رسول ﷺ یہ ہے کہ کسی مسلمان نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے کوئی کام یا کوئی بات کہی تو آپ ﷺ نے جاننے کے باوجود اسے منع نہ فرمایا بلکہ خاموشی اختیار فرما کر اسے برقرار رکھا اور اس طرح اس کی تصویب وتثبیت فرمائی۔

حدیث، حَدَث اور حُدُوث میں فرق

حدیث: حدیث کا بیان اوپر گزر چکا ہے۔

حَدَث: لفظ حَدَث کے معنی ناپاک یا بے وضو ہونا ہے۔ لغت میں کوئی چیز جو پہلی دفعہ ہو، نئی چیز، ایجاد، عجوبہ یا پاخانہ کو کہتے ہیں۔ حدث واقع ہونے کے معنی میں بھی آتا ہے۔ حدث کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) حدث اصغر (۲) حدث اکبر۔ جن چیزوں سے صرف وضو کرنا لازم آتا ہے ان کو حدث اصغر کہتے ہیں اور جن سے غسل کا کرنا فرض ہو جائے ان کو حدث اکبر کہتے ہیں۔

حدوث: اس کے لغوی معنی ہیں ظاہر ہونا، نیا تازہ ہونا، جوان ہونا، عجوبہ، اصلیت، ایجاد اور جدید چیز (حدث واقع ہونا)

اسلامی نکتۂ نظر سے کسی چیز کا ایسے موجود سابق کی طرف محتاج ہونے کو کہتے ہیں جس سے پہلے کوئی موجود نہ ہو۔ وہ موجود جس سے پہلے کوئی موجود نہیں ذات باری تعالیٰ جل شانہ ہے جس نے جملہ اشیاء کو پیدا کیا

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۸۶۷، جلد۲، صفحہ۵۹۲۔

بغیر کسی غرض و طمع، فساد، ضرورت اور احتیاج کے۔

امام راغبؒ نے مفردات میں لکھا ہے کہ اَلْحُدُوْثُ کے معنی کسی ایسی چیز کا وجود میں آنا ہے جو پہلے نہ ہو۔ عام طور پر اس سے مراد یہ لی جاتی ہے کہ وہ چیز، جوہر ہو یا عرض۔ اِحْدَاث کے معنی ایجاد یعنی وجود میں لانا ہے۔ جواہر کا احداث صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے۔ مُحْدَثْ ہر وہ چیز ہوتی ہے جو عدم سے وجود میں آئی ہو۔ کسی چیز کا اِحْدَاث کبھی نفس شئی کے اعتبار سے ہوتا ہے اور کبھی اس شے کے اعتبار سے ہوتا ہے جس سے وہ حاصل ہوئی ہو۔ [1] سورہ الانبیاء کی دوسری آیت میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"مَايَأْتِيهِمْ مِنْ ذِكْرٍ مِنْ رَبِّهِمْ مُحْدَثٍ" (الانبیاء:۲)

(یعنی ان کے پاس کوئی نئی نصیحت ان کے رب کی طرف سے نہیں آتی (جسے وہ کھیل میں ٹال دیتے ہیں)

بخاری شریف کی ایک حدیث ہے:

"اِنَ يَكُنْ فِىْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ مُحَدَثٌ فَهُوَ عُمَرٌ"

(اگر اس امت میں کوئی محدث ہے تو وہ عمرؓ ہیں) [2]

محدث وہ ہوتا ہے جس کے دل پر ملاء اعلیٰ کی طرف سے القاء ہوتا ہو۔ مذکورہ بالا بیان کے بعد امام راغبؒ لکھتے ہیں کہ ہر وہ بات جو انسان تک سماع یا وحی کے ذریعے پہنچے، اسے حدیث کہا جاتا ہے، خواہ وہ خواب میں ہو یا بیداری میں۔ سورۂ یوسف آیت ۱۰۱ میں تاویل الاحادیث سے مراد رویاء ہیں، یعنی خوابوں کی تعبیر کا علم بخشا۔ قرآن کو بھی حدیث کہا گیا ہے۔ جیسے فرمایا:

"فَلْيَاْتُوْا بِحَدِيْثٍ مِّثْلِهٖ"

ترجمہ: (تم اس جیسی ایک آیت (یا بات) تو لے آؤ) (طور:۳۴)

امام راغبؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ حدث اور حدوث کے الفاظ تازہ پھل، خوش گفتار آدمی، نوجوان آدمی، وہ آدمی جو عورتوں سے باتیں کرنے کا عادی ہو (هُوَ حِدْثُ النِّسَآءِ) باہم بات چیت اور افسانہ یا حادثہ (مصیبت) کے معنوں میں بھی استعمال ہوتے ہیں۔

حدیث کا قرآن سے باہمی تعلق موجود ہے

قدیم اور ہمارے دور کے منکرین حدیث کی جانب سے انکار حدیث کے سلسلے میں جو دلائل پیش کیے گئے ہیں، ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے لئے صرف قرآن کافی ہے۔ حدیث کی روایات ناقابل اعتبار ہیں اور ان پر مذہب کی بنیاد رکھنا صحیح نہیں ہے، اس لئے ان کی خواہش ہے کہ اسلام سے حدیث کو بالکل

---

[1] مفردات القرآن، امام راغب اصفہانی متوفی ۵۰۲ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۱۰، دار المعرفۃ، لبنان۔

[2] صحیح ابن حبان، محمد بن حبان، متوفی ۳۵۴ھ، حدیث ۶۸۹۴، جلد ۱۵، صفحہ ۳۱۷، مؤسسۃ الرسالہ، بیروت۔

خارج کردیا جائے۔

سب سے پہلے یہ امر غور طلب ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن اور اس سے پہلے تمام آسمانی کتابوں کو رسولوں کے واسطے سے کیوں نازل کیا؟ کیا اللہ تعالیٰ اس پر قادر نہ تھا کہ مطبوعہ کتابیں یکا یک زمین پر اتار دیتا؟ اگر وہ اس پر قادر نہ تھا تو عاجز تھا، اس کو خدا ہی کیوں مانیے؟ اور اگر وہ قادر تھا اور یقیناً قادر تھا تو اس نے نشر و اشاعت کا یہ ذریعہ کیوں نہ اختیار کیا؟ لیکن خدا نے ایسا نہ کیا اور ہمیشہ رسولوں ہی کے ذریعہ سے کتابیں بھیجتا رہا، پھر اس رسالت کے کام پر ہمیشہ انسانوں ہی کو منتخب فرمایا، ہر زمانہ کے کفار نے یہ جھگڑا کیا ہے کہ اگر خدا کو ہم تک کوئی پیغام پہنچانا ہی منظور ہے تو فرشتے کیوں نہیں بھیجتا، مگر اللہ پاک نے یہی فرمایا کہ اگر ہم فرشتے بھی بھیجتے تو ان کو آدمی بنا کر بھیجتے۔

"وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنٰهُ رَجُلًا"

(اگر ہم بناتے نبی کسی فرشتے کو تو بناتے اس کو انسان کی شکل میں) (الانعام:۹)

مذکورہ عبارت کو سمجھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ تنزیلِ کتب کے لئے رسولوں کو کیوں واسطہ بنایا گیا ہے؟ اس کا جواب خود کلام اللہ دیتا ہے کہ خدا نے جتنے رسول بھیجے، ان کی بعثت کا مقصد یہ رہا کہ وہ فرامین خداوندی کے مطابق حکم دیں اور لوگ ان کے احکام کی اطاعت کریں۔ ارشاد ہوتا ہے:

"وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ"

(ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا مگر اس لئے کہ اللہ کے حکم سے اس کی اطاعت کی جائے) (النساء:۶۴)

انبیاء علیہم السلام پے در پے آئے اور ہر ایک نبی نے لوگوں سے یہی مطالبہ کیا کہ خدا سے ڈرو اور میری اطاعت کرو۔

"فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ"

(تو اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور میرا حکم مانو) (الشعراء:۱۰۸)

نبی ﷺ سے کہلوایا گیا کہ:

"اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"

(یعنی اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو تو اللہ تم کو اپنا محبوب بنا لے گا) (آل عمران:۳۱)

مومنوں سے کہا گیا:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ"

(بے شک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول ﷺ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے) (احزاب:۲۱)

ان آیات سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے لئے تنہا کتاب اللہ کو کافی نہ سمجھا بلکہ رسول اللہ ﷺ کے اتباع اور ان کے اسوۂ حسنہ کی پیروی کو اس کے ساتھ لازم کر دیا۔ قرآن شریف کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ معلوم ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے صاف طور پر تین چیزوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ (۱) حکم خدا اور (۲) حکم رسول، تیسرے مسلمان حکام اور فرمانرواؤں کے احکام:

" اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ ۚ"

(اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اولی الامر کی) (النساء: ۵۹)

اگر محض قرآن کی اتباع کافی ہوتی تو رسول اللہ ﷺ اور اولی الامر کی اطاعت کا حکم ہی نہ دیا جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ تنہا کتاب اللہ کافی نہیں ہے، اس کے ساتھ رسالت کا رشتہ ناقابل انقطاع ہے اور احکام رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اور اسوۂ رسول ﷺ کی پیروی بھی اسی طرح فرض ہے جس طرح خود کتاب اللہ کے احکام کی اطاعت فرض ہے۔

قرآن پر عمل کرنے کے لئے افہام سنت ضروری ہے

قرآن مجید کے احکامات پر عمل پیرا ہونے کے لئے فہم قرآن کا ہونا ضروری ہے اور قرآن فہمی کما حقہ اس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک سنت سے مدد نہ لی جائے، وجہ اس کی یہ ہے کہ قرآن مجید اگرچہ عربی لغت میں ہے اور انسان اگر عربی زبان پر اچھا خاصہ عبور بھی حاصل کر لے، تب بھی قرآن مجید کو پوری طرح سمجھنے سے قاصر ہوگا جب تک کہ سنت رسول ﷺ سے راہنمائی حاصل نہ کرے۔ اس بات کی وضاحت ایک مثال کے ذریعے بہتر طور پر کی جا سکتی ہے۔

تمثیل: اگر ہم قرآن مجید کے حکم نماز کو ہی لیں تو قرآن مجید سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نماز کو قائم کرنے کا حکم اس میں فرمایا گیا ہے اور متعدد بار تاکیداً فرمایا ہے اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ (یعنی نماز کو قائم کرو) (البقرہ: ۴۳) اب قرآن مجید کے مندرجہ بالا حکم کو سنت رسول ﷺ سے ہٹ کر سمجھنے کی کوشش کریں تو سب سے پہلے ہم صلوٰۃ کا لغوی معنی دیکھیں گے اور جب لغت کی کتابوں کو اٹھا کر دیکھیں گے تو ہم کو لفظ صلوٰۃ کے مندرجہ ذیل تین معنی ملیں گے (اگرچہ کئی جگہ پر صلوٰۃ کے اور بھی بہت سے معنی آئے ہیں)

۱۔ صلوٰۃ کا ایک معنی لغت عرب میں گوشت کو بھوننے یا جلانے کے ہوتے ہیں۔

۲۔ صلوٰۃ صَلَوَیْن کا مفرد ہے اور اس کا معنی دو رگیں ہوں گی جو پیٹھ کے پیچھے ہوتی ہیں۔

۳۔ کثیر اہل لغت کے نزدیک اس کے معنی "دعا" کے ہیں۔ قرآن مجید میں بھی بعض جگہوں پر اس کو دعا کے معنی

میں ہی استعمال کیا گیا ہے۔

لفظ صلوۃ کے مذکورہ تین مختلف لفظی معانی ملتے ہیں جبکہ ہم صلوۃ سے مراد نماز لیتے ہیں اور شریعت میں اگر صلوۃ کا معنی اور مفہوم دیکھا جائے تو اہل شریعت نے اس کے مندرجہ ذیل معانی کیے ہیں:

"اَلصَّلٰوۃُ عِبَادَۃٌ فِیْهَا رُکُوْعٌ وَسُجُوْدٌ وَ هٰذِهٖ حَقِیْقَۃٌ شَرْعِیَّۃٌ لَا دَلَالَۃَ لِکَلَامِ الْعَرَبِ عَلَیْهَا اِلَّا مِنْ حَیْثُ اِشْتِمَالُهَا عَلَی الدُّعَآءِ الَّذِیْ هُوَ اَصْلُ مَعْنَاهَا"

(یعنی صلوۃ اس عبادت کو کہتے ہیں جس میں رکوع اور سجود ہوتا ہے اور اس لفظ کا یہ معنی حقیقت شرعیہ ہے اور کلام عرب اس معنی پر بالکل دلالت نہیں کرتا مگر ایک حیثیت سے وہ یہ کہ صلوۃ کا اصل معنی دعا کے ہیں اور اس عبادت میں اور چیزوں کے علاوہ دعا بھی کی جاتی ہے)[1]

لفظ صلوٰۃ کے مندرجہ شرعی معنی سے یہ بات مکمل کر روز روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ قرآن فہمی کے لئے فقط عربی زبان پر مہارت ہونا ہی کافی نہیں ہے بلکہ سنت نبوی ﷺ کے بغیر کام چل ہی نہیں سکتا۔

مندرجہ بالا پوری بحث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کے لئے سنت رسول ﷺ ناگزیر ہے اور یہ سنت نبوی ﷺ کی شان ہے۔

تمثیل ثانی: ایک منکر حدیث کے ساتھ کسی اہل سنت والجماعت کا مناظرہ ہوا جس میں منکر حدیث نے یہ موقف اختیار کیا کہ قرآن ایک مکمل کتاب ہے اور اس کے فہم کے لئے کسی دوسری چیز کی ضرورت نہیں۔ جب ان سے یہ پوچھا گیا کہ کیا آپ ہر چیز کا جواب حدیث کے حوالے کے بغیر دے سکتے ہیں تو کہا کہ میں تو کم فہمی کے باعث نہ دے سکوں گا مگر ہمارے نبی اکرم ﷺ وہ ہستی ہیں جو اس قابل ہیں کہ ہر سوال کا جواب قرآن سے دیتے رہے ہیں، جیسے کہ صحابہ کرام ؓ آپ سے قرآن کی وضاحت طلب کیا کرتے تھے۔ منکر حدیث سے یہ کہا گیا کہ صحابہ کرام ؓ تو حضور ﷺ سے مسائل دریافت کر لیتے تھے، تو ہم اب کس نبی ﷺ سے مدد لیں کیونکہ ہماری ضرورت تو صحابہ ؓ کی ضرورت کی نسبت زیادہ ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور ﷺ نے جس طرح مسائل کا حل کیا ہم ان کی سنت سے ہی مدد لے سکتے ہیں۔

منکر حدیث سے پوچھا گیا کہ ایک شخص کسی دوسرے ملک میں جا کر گرفتار ہو گیا۔ اب اس کی بیوی کے لئے قرآن کیا حکم دیتا ہے؟ کیا وہ ساری عمر اپنے خاوند کا انتظار کرتی رہے یا دوسرا نکاح کرے۔ دوسرے نکاح کے

---

[1] تاج العروس، محمد مرتضیٰ الحسینی، جلد ا، صفحہ ۸۴۶۸، دار الهدایہ، بیروت۔

بعد اگر اس کا پہلا خاوند آ جائے تو اس کی بیوی کے لئے کیا حکم ہے؟ منکر حدیث نے کہا کہ یہ مسئلہ نہیں بلکہ ایک مفروضہ ہے، اس پر اسے پوچھا گیا کہ اگر یہ مذکورہ سوال مفروضہ ہے تو آپ قرآن کے اس مسئلہ کا حل بتائیں کہ روزے رمضان کے مہینے میں رکھنے کا حکم ہے۔ اب قرآن سے بتائیں کہ رمضان کا مہینہ کون سا ہوتا ہے اور یہ بتائیں کہ کون سا مہینہ کس مہینے کے بعد آتا ہے۔ اس سوال پر اس نے کہا کہ یہ سوال بھی مفروضہ ہے اور مفروضے کا جواب میں نہیں دے سکتا۔ جب اس کو شرمندہ کیا گیا تو منکر حدیث کہنے لگا کہ اس کے متعلق آپ کو چاہیے کہ لوگوں سے پوچھیں کہ رمضان کا مہینہ کون سا ہوتا ہے۔ اسے پھر احساس دلایا گیا کہ آپ کا قول ہے کہ قرآن کو سمجھنے کے لئے کسی چیز کی ضرورت نہیں تو پھر لوگوں سے کیوں پوچھا جائے۔ جب وہاں پر موجود لوگوں نے اس کا مذاق اڑایا تو بیچارہ خاموش ہو گیا۔

مذکورہ کلام کا خلاصہ یہ ہوا کہ قرآن اگرچہ مکمل ہے اور اس میں ہر شے موجود ہے لیکن اس کی تفصیلات حاصل کرنے کے لئے ہم صاحب قرآن یعنی نبی ﷺ کی تشریح کے محتاج ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کتابوں کے ساتھ انبیاء علیہم السلام بھی بھیجے جاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے ان ہی اقوال و معمولات کا نام حدیث ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے حکم کے مطابق عمل کرنا عین قرآن کا منشاء ہے

قرآن مجید میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس سے آپ کو منع کریں اس سے باز رہیں اور جس چیز کے کرنے کا حکم دیں اسے اپنے لئے لازمی سمجھیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ۭ"

(جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کر دیں اس سے رک جاؤ اور اللہ سے ڈرو) (الحشر: ۷)

مذکورہ بالا آیت سے معلوم ہوا کہ جس چیز کا حضور ﷺ حکم دیں وہ قرآن کے اوامر و نواہی کی سی حیثیت رکھتا ہے اور آپ ﷺ کے ایسے احکامات کا مجموعہ سنت و حدیث کے ضمن میں آ جاتا ہے۔ ایسا بھی ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے کسی کام کا حکم صراحتاً امر بالمعروف کے طور پر دیا یا منکرات میں سے کسی کام کو شمار کیا ہو۔ کبھی ایسا بھی ہوا کہ کوئی کام آپ ﷺ کے مشاہدے میں آیا اور اس پر آپ ﷺ نے سکوت فرمایا ہو یا کوئی کام قرآن کے اوامر و نواہی سے ہو یا قرآن سے مستنبط ہو، ایسے تمام امور کرنے کا حکم ہے جو آپ ﷺ نے فرما دیئے ہوں۔ ان میں ایسے امور بھی پائے جاتے ہیں جو قرآن کریم میں بالکل مذکور نہ ہوں بلکہ وحی غیر متلو کے ذریعے آپ ﷺ نے امت کو بتلائے ہوں اور خواہ کتاب و سنت میں صریح حکم خداوندی نہ ہونے یا اختیار دیئے جانے پر آپ ﷺ نے خود یا بہ مشورہ صحابہ ؓ اجتہاد کیا ہو اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس پر کوئی تنبیہ نہ کی گئی ہو۔ نیز وہ اوامر و نواہی خواہ لساناً و قولاً

ہوں خواہ فعلاً و عملاً ہوں۔ یعنی بغرض تعلیم آپ ﷺ نے امت کو عمل کر کے دکھلایا ہو۔ یہ تمام مجموعہ احکام وَمَآ اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ اور مَاجَآءَ بِهِ الرَّسُوْل ہیں، ان پر ایمان لانا فرض ہے اور ان کا انکار کفر اور مخالفت شدید ترین عذاب کا موجب ہے۔

علامہ شہاب الدین خفاجیؒ سورہ حشر کی مذکورہ آیت کی تشریح میں لکھتے ہیں کہ گویا آیت مال اور غنیمتوں کے بارے میں آئی ہے تاہم اعتبار لفظ کے عموم کا (یعنی ہر چیز کے لئے) ہوتا ہے نہ کہ کسی خصوصی سبب کا۔ حضرت امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ جو کچھ حضور ﷺ مال غنیمت میں سے دیں وہ تمہارے لئے حلال ہے اور جس چیز سے روکیں وہ ناجائز ہے۔ اللہ تعالیٰ سے ڈرو غنیمت کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سخت عذاب دینے والا ہے اس چیز پر جس سے حضور ﷺ منع فرمائیں۔ عمدہ ترین بات یہ ہے کہ یہ آیت عام ہے اور اس میں ہر امر و نہی شامل ہے جس کا حضور ﷺ حکم دیں یا منع فرمائیں۔ غنیمت کے احکام بھی اس آیت کے عموم میں شامل ہیں۔ [1]

سنت شارع دین کا حکم ہے

رسول اللہ ﷺ نے اپنی تئیس سالہ تشریعی زندگی میں شریعت کے احکام کو نافذ کرنے کا فرض جن اصولوں کے تحت انجام دیا اور جو تشریعی اختیارات اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا فرمائے تھے، ان کی تفصیل درج ذیل آیت کریمہ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"يَأْمُرُهُم بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَاهُمْ عَنِ الْمُنكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ إِصْرَهُمْ وَالْأَغْلَالَ الَّتِي كَانَتْ عَلَيْهِمْ"

(وہ ان کو معروف کا حکم دیتا ہے اور منکر سے ان کو روکتا ہے اور ان کے لئے پاک چیزوں کو حلال کرتا ہے اور ان پر ناپاک چیزوں کو حرام کرتا ہے اور ان پر سے وہ بوجھ اور بندھن بھی اتار دیتا ہے جو ان پر پڑے ہوئے تھے) (الاعراف: ۱۵۷)

اوامر و نواہی اور تحلیل و تحریم کا اطلاق صرف ان ہی امور پر نہیں ہوتا جن کا ذکر قرآن کریم میں آیا ہو بلکہ جو نبی ﷺ نے حرام یا حلال قرار دے دیا ہے، اور جس چیز کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے، یا جس سے منع کیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے دیئے ہوئے اختیارات کے عین مطابق ہے، چنانچہ آپ ﷺ کے فیصلے قانون خداوندی کا حصہ سمجھے جاتے ہیں۔ اس تشخیص کی بناء پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ شارع اسلام کی حیثیت رکھتے ہیں۔ آپ ﷺ نے اس حیثیت سے جو فیصلے صادر فرمائے ہیں ان امور کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

(۱) نماز کے احکامات کی وضاحت: قرآن مجید میں نماز کے متعلق بہت ضرورت طلب مسائل کا سوال

---

[1] تحفۃ الاحوذی، محمد عبد الرحمٰن بن عبد الرحیم مبارکپوری، متوفی ۱۳۵۳، جلد ۷، صفحہ ۳۵۴، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

سامنے آتا ہے جن کا فیصلہ حضور ﷺ نے فرمایا اور اب وہ شریعت محمدی ﷺ کا حصہ بن گئے ہیں۔

(۲) نماز پنجگانہ: نماز کے سلسلے میں اذان کے کلمات کا تعین کرنا، اوقات نماز مقرر کرنا، نماز قصر کے احکامات وضع کرنا، اوقات نماز کے لئے مستحب اور پسندیدہ وقتوں کو مخصوص کرنا، نماز کے مکروہ اور ممنوع اوقات کی نشاندہی کرنا یہ سب وہ امور ہیں جو حضور ﷺ نے متعین فرمائے۔

(۳) زکوٰۃ: اسی طرح زکوٰۃ ادا کرنے کا حکم قرآن کریم میں تیس سے زائد مقامات پر وارد ہوا ہے، لیکن زکوٰۃ کی ادائیگی کس شخص پر فرض ہے، اس کی ادائیگی کس شرح سے کی جائے؟ کن اثاثوں پر زکوٰۃ واجب الادا ہے؟ کون سے اثاثے زکوٰۃ کی کٹوتی میں شامل نہیں ہوتے؟ یہ سب کچھ حضور ﷺ نے متعین فرمائے۔ رسول اللہ ﷺ کی سنت کو نظر انداز کرنے کی صورت میں یہ تمام سوالات تشنۂ جواب رہ جاتے ہیں۔

آپ ﷺ کا فرمان قرآن کا فرمان ہے

قبیلہ بنی اسد کی ایک عورت نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ﷺ ان عورتوں پر لعنت کرتے ہیں جو جسم گودنے کا پیشہ کرتی ہیں یا خود گدواتی ہیں۔ انہوں نے فرمایا جی ہاں۔ جس پر خداوند تعالیٰ نے لعنت کی ہو اور خود قرآن میں بھی مذکور ہو اس پر لعنت کیوں نہ کریں۔ اس نے عرض کیا قرآن مجید تو میں بھی پڑھتی ہوں مگر میں نے تو یہ نہیں دیکھا۔ آپ نے فرمایا اگر تو قرآن سمجھ کر پڑھتی تو یقیناً اس میں دیکھ لیتی۔ کیا قرآن مجید میں یہ نہیں ہے کہ:

"وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا ۚ"

(رسول ﷺ جو تمہیں دیں اسے قبول کرو اور جس بات سے روکیں اس سے رک جاؤ) (الحشر: ۷)

حضرت عبدالرحمٰن بن یزید رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کو (احرام کی حالت میں) سلے ہوئے کپڑے پہنے دیکھا تو اس کو منع فرمایا اس نے کہا قرآن میں کہاں ہے؟ دکھلایئے؟ انہوں نے یہی آیت تلاوت فرمادی۔ حکم بن ابان نے کہا کہ میں نے عکرمہؓ سے ام ولد کا حکم دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا وہ آزاد ہے۔ میں نے پوچھا کس دلیل سے؟ فرمایا قرآن سے، میں نے کہا کس آیت سے؟ فرمایا:

" اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ ۚ"

(اللہ کی اطاعت کرو اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی اور اولوالامر کی) (النساء: ۵۹)

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ام ولد کو آزاد فرماتے تھے، چونکہ وہ بھی اولوالامر اور حاکم تھے اور حاکم کی اطاعت

کرنا قرآنی حکم ہے۔

کچھ چیزوں کا حرام ہونا قرآن میں نہیں: حضور ﷺ نے جن چیزوں کو حلال وحرام قرار دیا ہے، قرآن مجید میں کہیں ان کا ذکر نہیں ملتا۔ ان کا ذکر احادیث رسول اللہ ﷺ سے ہی ممکن ہے، جیسے حضور ﷺ نے شکار کرنے والے درندوں اور پرندوں کو حرام کیا۔ دراز گوش اور حشرات الارض کو حرام کیا جن کا علم صرف احادیث سے ہی ممکن ہے۔

سنت رسول ﷺ کی تشریعی حیثیت: اللہ تعالیٰ نے اپنی قانون سازی میں یہ قاعدہ استعمال فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید میں مجمل احکام اور ہدایات دے کر، یا کچھ اصول بیان کرنے کے بعد یا اپنی پسند وناپسند باتوں کا اظہار کر کے یہ کام اپنے رسول ﷺ کے سپرد کیا کہ وہ نہ صرف لفظی طور پر اس قانون کی تفصیلی شکل مرتب کریں بلکہ عملاً اسے برت کر اور اس کے مطابق کام کر کے بھی دکھا دیں۔ یہ تفویضی اختیارات کا فرمان خود قرآن کے متن (یعنی قرآن مجید کی درج ذیل آیت) میں موجود ہے:

"وَاَنۡزَلۡنَاۤ اِلَیۡکَ الذِّکۡرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیۡہِمۡ"

(اور (اے نبی ﷺ) ہم نے یہ ذکر تمہاری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لئے واضح کرو اس تعلیم کو جو ان کی طرف اتاری گئی ہے) (النحل:۴۴)

اس صریح فرمان کے تفویض ہونے کے بعد آپ یہ نہیں کہہ سکتے کہ رسول اللہ ﷺ کا قولی اور عملی بیان قرآن کے قانون سے الگ کوئی چیز ہے۔ آپ ﷺ کا قول وعمل درحقیقت قرآن ہی کی رو سے اللہ کے قانون کا ایک حصہ بن جاتا ہے۔ چند مثالیں قارئین کے علم کے لئے نیچے پیش کی جارہی ہیں:

(۱) طہارت کے مسائل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ وہ پاکیزہ لوگوں کو پسند کرتا ہے وَاللّٰہُ یُحِبُّ الۡمُطَّہِّرِیۡنَ (التوبہ:۱۰۸) اور نبی ﷺ کو ہدایت کی کہ اپنے لباس کو پاک رکھیں۔ وَثِیَابَکَ فَطَہِّرۡ (المدثر:۴) حضور ﷺ نے اس منشاء پر عمل درآمد کے لئے استنجا وطہارت اور جسم ولباس کے متعلق مفصل ہدایات دیں اور ان پر خود عمل کر کے بتایا۔

(۲) جنابت کے مسائل: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ "وَاِنۡ کُنۡتُمۡ جُنُبًا فَاطَّہَّرُوۡا ؕ" اگر تم کو جنابت لاحق ہوگئی ہو تو پاک ہوئے بغیر نماز نہ پڑھو (المائدہ:۶) نبی ﷺ نے تفصیل کے ساتھ بتایا کہ جنابت سے کیا مراد ہے؟ اس کا اطلاق کن حالتوں پر ہوتا ہے اور کن حالتوں پر نہیں ہوتا اور اس سے پاک ہونے کا کیا طریقہ ہے۔

(۳) وضو کی شرائط کا تعین: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ "یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ وَاَیْدِیَكُمْ اِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوْا بِرُءُوْسِكُمْ وَاَرْجُلَكُمْ اِلَى الْكَعْبَیْنِ ؕ" جب تم نماز کے لئے اٹھو تو اپنا منہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھولو، سر پر مسح کرو اور ہاتھ پاؤں دھوؤ (المائدہ:۶) نبی کریم ﷺ نے بتایا کہ منہ دھونے کے حکم میں کلی کرنا، ناک صاف کرنا، کانوں اور سر کا مسح کرنا بھی شامل ہے۔ پاؤں میں موزے ہوں تو مسح کیا جائے اور موزے نہ ہوں تو ان کو دھونا چاہیے اور یہ بھی فرمایا کہ وضو کن حالات میں ٹوٹ جاتا ہے اور کن حالات میں باقی رہتا ہے۔

(۴) پاک اور حرام چیزوں کی وضاحت کرنا: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے کی چیزوں میں بعض اشیاء کے حرام اور بعض کے حلال ہونے کی تصریح کرنے کے بعد باقی اشیاء کے متعلق یہ عام ہدایت فرمائی کہ "قُلْ اُحِلَّ لَكُمُ الطَّیِّبٰتُ" (تمہارے لئے پاک چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کی گئی ہیں) (المائدہ: ۴) نبی ﷺ نے اپنے قول اور عمل سے اس کی تفصیل بتائی کہ پاک چیزیں کیا ہیں، جنہیں ہم کھا سکتے ہیں اور ناپاک چیزیں کون سی ہیں جن سے ہمیں بچنا چاہیے۔

(۵) قانون وراثت کا نفاذ: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے وراثت کا قانون بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ "فَاِنْ كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَیْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۚ وَاِنْ كَانَتْ وَاحِدَةً فَلَهَا النِّصْفُ ؕ" (اگر فوت ہونے والے کی نرینہ اولاد کوئی نہ ہو اور ایک لڑکی ہو تو وہ نصف ترکہ پائے گی اور دو سے زائد لڑکیاں ہوں تو ان کو ترکے کا دو تہائی حصہ ملے گا)۔ (النساء:۱۱) اس میں یہ بات واضح نہ تھی کہ اگر دو لڑکیاں ہوں تو وہ کتنا حصہ پائیں گی۔ نبی ﷺ نے توضیح فرمائی کہ دو لڑکیوں کا بھی اتنا ہی حصہ ہے، جتنا دو سے زائد لڑکیوں کو مقرر کیا گیا ہے۔

(۶) ان رشتوں کی نشاندہی جن سے نکاح حرام ہے: قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے دو بہنوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنے سے منع فرمایا "وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَیْنَ الْاُخْتَیْنِ" (النساء:۲۳) نبی ﷺ نے بتایا کہ پھوپھی، بھتیجی، خالہ اور بھانجی کو جمع کرنا بھی اسی حکم میں داخل ہے۔ اور حضور ﷺ نے فرمایا "لَا جَلَبَ وَلَا جَنَبَ وَلَا شِغَارَ فِی الْاِسْلَامِ" (یعنی اسلام میں جلب (منڈی میں لانے سے پہلے ہی مال کو بیچ دینا) اور جنب (گھوڑوں کی دوڑ میں ایک فالتو گھوڑا پہلو میں رکھنا) اور شغار (وٹہ سٹہ بغیر حق مہر کے جائز نہیں)۔ [1] امام شافعیؒ کے نزدیک شغار جائز ہی نہیں۔

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۱۱۲۳، جلد ۳، صفحہ ۴۳۱۔

(۷) حج کے ارکان اور واجبات کی تشریح: قرآن مجید حج کی فرضیت کا حکم عام دیتا ہے ’’وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا ؕ‘‘ (آل عمران: ۹۷) اور یہ صراحت نہیں کرتا کہ آیا اس فریضہ کو انجام دینے کے لئے ہر مسلمان کو ہر سال حج کرنا چاہئے یا عمر میں ایک بار کافی ہے یا ایک سے زیادہ مرتبہ جانا چاہئے۔ یہ نبی ﷺ ہی کی تشریح ہے جس سے ہم کو معلوم ہوا کہ بحالت استطاعت عمر میں صرف ایک مرتبہ حج کر کے آدمی فریضہ حج سے سبکدوش ہو جاتا ہے۔ مسلم شریف کی یہ حدیث آپ ﷺ کے اختیارات واضح کرتی ہے:

أَيُّهَا النَّاسُ، قَدْ فُرِضَ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا. فَقَالَ رَجُلٌ: أَكُلَّ عَامٍ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَلَاثًا. فَقَالَ: لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ، لَوَجَبَتْ وَلَمَّا اسْتَطَعْتُمْ. ثُمَّ قَالَ: ذَرُوْنِيْ مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ، وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ.

(اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے پس حج کیا کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟ آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ تین مرتبہ اس نے یہی عرض کیا۔ اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (ہر سال) فرض ہو جاتا اور پھر تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر فرمایا: میری اتنی ہی بات پر اکتفا کیا کرو جس پر میں تمہیں چھوڑوں، اس لئے کہ تم سے پہلے لوگ زیادہ سوال کرنے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کی بناء پر ہی ہلاک ہوئے تھے، لہٰذا جب میں تمہیں کسی شے کا حکم دوں تو بقدر استطاعت اسے بجا لایا کرو اور جب کسی شے سے منع کروں تو اسے چھوڑ دیا کرو۔‘‘

عمران بن حصینؓ سے ایک شخص نے پوچھا قرآن مجید میں ہے ’’وَلْيَطَّوَّفُوْا بِالْبَيْتِ الْعَتِيْقِ‘‘ (اور چاہے طواف کریں بیت عتیق کا) (الحج: ۲۹) مگر قرآن مجید نے تم کو یہ نہیں بتایا ہے کہ سات طواف کیا کرو اور اس سے فارغ ہو کر مقام ابراہیم ؑ کے پیچھے دو رکعت نفل ادا کیا کرو، تو انہوں نے جواباً فرمایا کہ کیا تم نے قرآن مجید کا یہ حکم نہیں سنا کہ ’’وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ‘‘ (الحشر: ۷) عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو دیکھا کہ حجر اسود کو بوسہ دیتے تھے اور فرماتے تھے اگر میں آنحضرت ﷺ کو تجھے بوسہ دیتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں ہرگز بوسہ نہ دیتا۔

ایک شخص نے حجر اسود کے استلام کے متعلق ابن عمرؓ سے مسئلہ دریافت کیا۔ انہوں نے فرمایا میں نے

---

۱ صحیح مسلم، حدیث ۹۲، جلد ۲، صفحہ ۹۷۵۔

آنحضرت ﷺ کو استلام کرتے اور بوسہ دیتے دیکھا ہے۔ اس نے کہا اگر بہت زیادہ ہجوم ہو اور موقع نہ مل سکے تو کیا کرے؟ فرمایا اگر کوئی تمہیں یمن میں پھینک دے، میں نے آنحضرت ﷺ کو استلام کرتے اور بوسہ دیتے دیکھا ہے۔

سنت قرآن کی شرح بیان کرتی ہے

انسان کی ذات میں جسم اور روح کے علاوہ دل وزبان بھی نمایاں کردار ادا کرتے ہیں۔ دل تمام بدن کا بادشاہ ہے اور روح انسان کی اصل ہے۔ روح اور جسم کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔ روح سے زندگی کی بنیاد قائم ہوتی ہے اور جسم سے زندگی کے کام انجام پاتے ہیں۔ روح ایک لطیف جسم ہے اور بدن سے روح کے اعمال صادر ہوتے ہیں، اسی طرح دل وزبان جسم کے حصے ہیں، اگرچہ یہ دونوں گوشت کے ٹکڑے ہیں لیکن دل اپنی بات کو پوشیدہ رکھتا ہے اور زبان دل کی بات کو ظاہر کرنے والی ہوتی ہے۔ دل کی کوئی بات زبان کے بغیر ظاہر نہیں ہوسکتی اور زبان بغیر دل کے اشارے اور ارادے کے حرکت نہیں کرسکتی۔ یہی کیفیت قرآن وحدیث کے متعلق کہی جاسکتی ہے کہ قرآن انسان کے اندر بحیثیت دل کے ہے اور حدیث ایسی ہے جیسے منہ میں زبان۔ گویا قرآن قانون اور قاعدہ کلی مقرر کرنے والا ہے اور حدیث قرآن کی شرح اور تفسیر بیان کرنے والی ہے یعنی قرآن کی جزئیات اور فروعات کو کھولنے والی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ"

(اور (اے نبی ﷺ) یہ ذکر ہم نے تمہاری طرف اس لئے نازل کیا ہے کہ تم لوگوں کے لئے واضح کردو اس تعلیم کو جو ان کی طرف اتاری گئی) (النحل:۴۴)

رسول اللہ ﷺ نے قرآنی آیات کی قولی اور عملی تشریح فرمائی

قرآن مجید میں ماموراتِ اسلام کے متعلق احکامات نازل کیے گئے لیکن اس کا اندازہ رسول اللہ ﷺ کی عملی زندگی سے کیا جاسکتا ہے۔ مثال کے طور پر جب قرآن پاک میں اَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ کا حکم نازل ہوا تو آپ ﷺ نے نماز کے ارکان، شرائط اور دیگر ضروریات لوگوں کے سامنے پیش کیں، مثلاً نماز کے اوقات، طہارت، ظاہری و باطنی آداب، قیام، رکوع، سجود، قرات وغیرہ کا نمونہ پیش کیا، کیونکہ ان کی تفصیل قرآن میں نہیں بیان کی گئی۔ نماز کی اس خاص ترکیب اور شکل کو مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کے بعد فرمایا صَلُّوْا کَمَا رَاَیْتُمُوْنِیْ اُصَلِّیْ (یعنی اس طرح نماز پڑھو جس طرح تم مجھے نماز پڑھتے ہوئے دیکھتے ہو)۔[1]

مذکورہ بالا عملی تشریح کے علاوہ رسول اللہ ﷺ نے قرآن کی قولی تشریح بھی فرمائی جس کی دو

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۰۵، جلد ۱۵، صفحہ ۲۲۶۔

صورتیں ہیں۔ ایک تو قرآن کی آیات کی تفسیر اور اس سے مستنبط احکامات کا ذکر، مثلاً آپ ﷺ نے اس بات کی وضاحت کی کہ قیامت کے دن امت محمدیہ ﷺ دوسری قوموں پر کیسے گواہی دے سکتی ہے۔ حسب ذیل آیت کی وضاحت جو آپ ﷺ نے فرمائی، وہ صحیح بخاری میں بروایت ابوسعید خدری ؓ موجود ہے:

"وَجَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ"

(اور ہم نے تم کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ رہو) (البقرہ: ۱۴۳)

قولی تشریح کی دوسری صورت یہ تھی کہ اس کی بابت وہبی علم اور فہم مخصوص کی بناء پر جو استنباط آپ ﷺ نے قرآن کریم سے کیا اس کو آیت کا حوالہ دیئے بغیر بیان کر دیا، مثلاً آپ ﷺ کا فرمان حدیث میں حسب ذیل الفاظ میں موجود ہے۔

۱۔ رسول خدا ﷺ کا ایک ارشاد ہے:

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِمَا جِئْتُ بِهٖ"

(تم میں سے کوئی اس وقت تک صاحب کامل ایمان والا نہیں ہوگا جب تک کہ اس کی خواہش اور رجحان اس تعلیم و ہدایت کے تابع نہ ہو جائے جس کو میں لایا ہوں) [۱]

۲۔ ایک اور مقام پر آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

"مَنْ مَلَكَ زَادًا وَرَاحِلَةً تُبَلِّغُهٗ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ وَلَمْ يَحُجَّ فَلَا عَلَيْهِ اَنْ يَّمُوْتَ يَهُوْدِيًّا اَوْ نَصْرَانِيًّا"

(جو شخص زاد راہ اور ایسی سواری پائے جو اس کو بیت اللہ تک پہنچا دے پھر بغیر حج کے لوٹ آئے تو اس پر کچھ (مشکل) نہیں کہ وہ یہودی ہو کر مر جائے یا نصرانی ہو کر) [۲]

اس کی نسبت خود ترمذی کی روایت میں اشارہ موجود ہے کہ یہ قرآن پاک کی آیت وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ (آل عمران: ۹۷) سے مستنبط ہے۔

چندان آیات کی وضاحت جو عام فہم نہ تھیں

حسب ذیل عبارت میں چند ایسی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جن سے قرآن پاک کی آیات کا مفہوم بظاہر کچھ اور نظر آ رہا تھا مگر حقیقتاً ان سے مراد ہرگز وہ نہ تھی جو صحابہ کرام ؓ نے اپنے فہم کے مطابق کی اور جب

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۱۶۷، جلد ۱، صفحہ ۵۹۔

[۲] سنن الترمذی، حدیث ۸۱۲، جلد ۳، صفحہ ۱۷۶۔

حضور ﷺ نے ان آیات کی وضاحت فرمائی تو صحابہ کرام ؓ کی تشویش دور ہوگئی۔

(۱) سورۃ النساء، آیت نمبر ۱۲۳: "مَنْ یَّعْمَلْ سُوْٓءًا یُّجْزَ بِهٖ" (یعنی جو شخص برائی کرے گا اس کو اس کا بدلہ دیا جائے گا)۔ یہاں صحابہ ؓ نے خیال کیا کہ ہر برائی کا بدلہ جہنم میں ڈالنا ہوگا، مگر حضور ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ اس سے مراد ہر وہ تکلیف ہے جو انسان کو کسی عمل کے بدلہ میں دی جاتی ہے۔[1]

(۲) سورۃ توبہ آیت ۳۵: اس آیت میں سونے چاندی کو جمع کرنے اور اللہ کی راہ میں خرچ نہ کرنے پر دردناک عذاب کی خبر دی گئی ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ مال کا مطلقاً جمع کرنا حرام قرار دے دیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے اس آیت کی یہ تفسیر فرمائی کہ جس مال پر زکوٰۃ دے دی جائے، وہ مال جمع کرنے کے زمرے سے باہر ہو جاتا ہے۔ زکوٰۃ دینے سے باقی مال بھی پاک وصاف ہو جاتا ہے۔[2]

(۳) سورۃ الانشقاق، آیت ۷ اور ۸: اس آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جس شخص کا اعمال نامہ دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا اس کا حساب نہایت نرمی سے ہوگا۔ صحابہ کرام ؓ نے یہ سمجھا کہ جس کا حساب سختی سے لیا گیا تو سمجھو وہ ہلاک ہوگیا، لیکن حضور ﷺ نے فرمایا کہ آسان حساب کا مطلب یہ ہے کہ اعمال نامہ اس شخص کے سامنے رکھ کر صرف اسے جتایا جائے گا اور اگر اس سے یہ پوچھا کہ یہ کام کیوں کیا تو پھر اس کی خیر نہیں اور وہ یقیناً ہلاک ہوگیا۔[3]

(۴) سورۃ الانعام، آیت ۸۲: اس آیت میں اس بات کا ذکر ہے کہ جو لوگ ایمان لائے، پھر انہوں نے اپنے ایمانوں میں کوئی ظلم شامل نہیں کیا تو یہی لوگ ہیں جنہیں امن ملے گا اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیں۔ صحابہ کرام ؓ کا خیال تھا کہ ایسا کوئی شخص نہیں جس نے ظلم یا معصیت نہ کی ہو، چنانچہ ہر شخص ظلم کرنے والوں میں شامل ہوگا۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہاں ظلم سے مراد معصیت نہیں بلکہ شرک مراد ہے۔[4] ایک دوسری آیت میں شرک کو ظلم میں شامل کیا گیا ہے۔

چند وہ قرآنی مسائل جن کا حل حدیث کے بغیر ممکن نہیں

قرآن وسنت دونوں کا سرچشمہ ایک ہی ہے۔ یہ دونوں وحی الٰہیہ سے منسلک ہیں۔ قرآن مجید میں

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۳۱۷، جلد ۵، صفحہ ۲۱۳۷۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۳۳۸۴، جلد ۱۳، صفحہ ۱۷۱۲۔

[3] صحیح بخاری، حدیث ۱۰۳، جلد ۱، صفحہ ۵۱۔

[4] صحیح بخاری، حدیث ۳۱۸۱، جلد ۳، صفحہ ۱۲۲۶۔

ہر چیز کی تفصیل اور شرح کا اندراج ایک طوالت طلب امر تھا۔ اس لئے قرآن کی عبارت کو مختصر، جامع اور متن کی شکل دی گئی، جب کہ حدیث کو مفصل (واضح) اور قرآن کے متن کی تشریحی صورت دے دی گئی۔ اصولاً ہر متن کی ایک شرح ہوتی ہے اور کسی اہم چیز یا قانون کی تحریر میں شرح کی گنجائش چھوڑ دی جاتی ہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ قرآن کریم نے حدیث کو اپنی شرح اور تفصیل کا موقع دیا۔ درج ذیل عبارت میں چند ایسی مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ چند قرآنی مسائل کا حل احادیث کے مطالعہ کے بغیر سمجھنا قطعاً ممکن نہیں۔ نماز اور رمضان کے کوائف و مسائل کو حدیث کی مدد سے سمجھنے کا ذکر ایک الگ مضمون میں شامل کر دیا گیا ہے۔

(الف) عمران بن حصین ؓ کا استدلال: عمران بن حصین ؓ نے ایک سائل کو جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ کیا تمہیں یہ قرآن میں ملتا ہے کہ ظہر کی چار رکعت نماز ہے اور یہ کہ اس میں قراۃ بالجہر نہ کی جائے۔ اسی طرح باقی نمازوں کی تفصیلِ رکعات اور کیفیت قرات وغیرہ کے احکام کی تفصیل قرآن میں نہیں ہے۔ قرآن نے اپنی جامعیت میں ان کو مبہم رکھا ہے مگر حدیث نے اس کی پوری تفصیل بیان کر دی ہے۔

(ب) مطرف بن عبداللہ ؓ کا استدلال: کسی نے کہا آپ ؓ ہمارے سامنے قرآن کے سوا کچھ اور مت بیان کیجئے۔ انہوں نے فرمایا:

"واللهِ مَا نُرِيْدُ بِالْقُرْاٰنِ بَدَلاً وَلٰكِنْ نُرِيْدُ مَنْ هُوَ اَعْلَمُ بِالْقُرْاٰنِ"

(خدا کی قسم ہے کہ ہم قرآن کی بجائے کوئی اور کتاب نہیں چاہتے لیکن ہم اس سے کیسے قطع نظر کر سکتے ہیں کہ کون قرآن کا سب سے زیادہ جاننے والا ہے)[1]

حدیث کی صفت بیان اور توضیح کے پیش نظر امام اوزاعیؒ نے فرمایا ہے کہ:

اَلْكِتَابُ اَحْوَجُ اِلَى السُّنَّةِ مِنَ السُّنَّةِ اِلَى الْكِتَابِ

''قرآن مجید سنت کا اس قدر احتیاج رکھتا ہے کہ سنت قرآن کا اس قدر احتیاج نہیں رکھتی''[2]

(ج) قرآن و سنت کا باہمی ربط: عمران بن حصین ؓ کے بیان سے قرآن و سنت کا ربط بھی معلوم ہو گیا۔ کاش اگر منکرین حدیث اس ربط کو پا لیتے تو ان کو معلوم ہو جاتا کہ قرآن کو تسلیم کر کے حدیث کا انکار ممکن نہیں اور حدیث کا انکار کر کے قرآن کو ماننے کی صورت نہیں۔ یہاں ان دونوں میں متن و شرح کی نسبت ہے۔

---

[1] مفتاح الجنۃ، عبدالرحمٰن السیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جلد۱، صفحہ ۳۶، الجامع الاسلامیہ، المدینۃ المنورہ۔

[2] ارشاد الفحول، محمد بن علی الشوکانی، متوفی ۱۲۵۰، جلد۱، صفحہ ۶۹، دار الفکر، بیروت۔

پھر یہ متن شرح میں اور شرح متن میں اس طرح درج ہے کہ ایک کا اقرار و انکار دوسرے کا اقرار و انکار بن جاتا ہے، یعنی یہ باہم منسلک ہیں، اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں قرآن کی طرح اس کا بیان بھی خدا ہی کی طرف سے ہے گویا متن خود ہی شارح بنا ہوا ہے۔ اس لئے ایسی شرح کو متن سے جدا نہیں کیا جا سکتا نہ ایسے بیان کو اصل کتاب سے علیحدہ سمجھا جا سکتا ہے۔ اس سلسلے میں حسب ذیل تین مثالیں پیش کی جارہی ہیں:

(۱) مہینوں کی گنتی کے لئے: قرآن پاک میں ارشاد ہے:

"اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِیْ كِتٰبِ اللّٰهِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضَ مِنْهَاۤ اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ"

(تحقیق گنتی مہینوں کی اللہ کے نزدیک سال کے بارہ مہینے ہیں کتاب اللہ میں جس دن اس نے پیدا کیا آسمانوں کو اور زمین کو، ان میں چار مہینے حرمت والے ہیں) (التوبہ:۳۶)

ان چار ماہ کا ذکر قرآن میں اجمالاً آیا ہے جن میں لڑائی جھگڑے کی ممانعت فرمائی گئی ہے۔ لیکن نہ قرآن میں بارہ مہینوں کے نام مذکورہ ہیں اور نہ چار ماہ کا کوئی تفصیلی ذکر موجود ہے۔ یہ تذکرہ صرف احادیث میں ملتا ہے یا عرب کی تاریخ میں۔

(۲) چوری پر ہاتھ کاٹنے کی سزا: کے متعلق ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَالسَّارِقُ وَالسَّارِقَةُ فَاقْطَعُوْۤا اَیْدِیَهُمَا جَزَآءًۢ بِمَا كَسَبَا نَكَالًا مِّنَ اللّٰهِ" (المائدہ:۳۸)

اور چوری کرنے والا (مرد) اور چوری کرنے والی (عورت) سو دونوں کے ہاتھ کاٹ دو اس (جرم) کی پاداش میں جو انہوں نے کمایا ہے۔ (یہ) اللہ کی طرف سے عبرتناک سزا (ہے)

یَد کا لفظ عربی زبان میں ناخن سے لے کر کندھے تک بولا جاتا ہے۔ قرآن نے اس کے کاٹنے کا حکم دیا ہے لیکن اس کی حد بیان نہیں فرمائی۔ تواتر عملی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ چور کا ہاتھ کلائی سے کاٹنا چاہئے اور اس کی بناء سنت پر ہے۔ سنت کی حجت کا انکار کر دیا جائے تو ہاتھ یا تو بغل سے کاٹنا ہوگا یا کوئی اور مستند شرعی حد تلاش کرنی ہوگی۔ یوں قرآن میں سنت کے لئے ایک ضرورت محسوس کی گئی ہے۔ قرآن کا مفہوم سنت کی توضیح کے بغیر صاف نہیں اور یہ دلیل ہے کہ سنت حجت ہے۔

(۳) بدیل کے وارثوں اور تمیم داری کے فیصلے: بہت سی آیات ایسی نازل ہوئی ہیں جو حضور ﷺ کے حکم کی تائید کے لئے نازل ہوئیں۔ بدیل کے وارثوں اور تمیم داری کے مقدمے کے فیصلے حضور ﷺ نے کر دیئے

تھے۔[1]

(۴) وضو کے احکامات: وضو کی آیات نماز کی فرضیت کے برسوں بعد نازل ہوئیں مگر حضور ﷺ صحابہ کرام ؓ کو وضو کا قانون پہلے ہی سکھا چکے تھے۔ نماز ہجرت سے دو سال پہلے معراج کی شب فرض ہوئی مگر وضو کی آیت سورہ مائدہ میں آئی اور یہ سورہ ۵ ہجری میں نازل ہونا شروع ہوئی۔ ان سات آٹھ برسوں میں مسلمانوں نے نمازیں بغیر وضو کے نہیں پڑھیں۔ اس زمانے میں قرآن نے وضو نہیں کرایا مگر حضور ﷺ نے وضو کرایا۔

(۵) تیمّم کے احکامات: سورۃ المائدہ کی مذکورہ آیت میں وضو اور تیمم کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس میں ہاتھوں کو دھونے اور مسح کرنے کا ذکر آیا ہے لیکن ہاتھوں کی حد کا تعین نہیں بیان کیا گیا کہ آیا ہاتھوں کی حد کلائی تک ہوگی یا کہنیوں یا بغل تک۔ ہاتھ کی ان وضاحتوں میں سے کون سی وضاحت قبول کی جائے، اس فیصلے کی بنیاد سنت پر ہوگی لیکن قرآن اس میں خاموش ہے اور قرآن خود سنت کی طرف رجوع کرنے پر توجہ دلاتا ہے۔ ان احکام کی عملی صورت آنحضرت ﷺ کے عمل سے ہوگی اور یہ حجیت سنت کے لئے ایک اضطراری دعوت ہوگی۔

حدیث کے بغیر قرآن فہمی ممکن نہیں

اس موضوع پر گزشتہ ابواب میں مفصل گفتگو ہو چکی ہے کہ قرآن کا حدیث سے اس قدر گہرا تعلق ہے کہ احادیث کی مدد کے بغیر قرآنی آیات کا مفہوم حاصل کرنا بعید از قیاس ہے۔ اس سلسلے میں موقع کی نزاکت کے مطابق گزشتہ مثالوں کے علاوہ یہاں مزید ایک مثال پیش کی جا رہی ہے تاکہ بات آسانی سے سمجھ آجائے۔ قرآن کی درج ذیل آیت میں حدیث کی طرف رجوع کرنے کی مثال موجود ہے:

”وَلَقَدْ اٰتَیْنٰکَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِیْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِیْمَ۝“

(ہم نے آپ کو سبع مثانی مرحمت فرمائیں اور قرآن عظیم دیا) (الحجر: ۸۷)

مذکورہ آیت مبارکہ پر غور کیا جائے تو اس بات کی قرآن سے وضاحت نہیں ہو سکتی کہ ”سبع مثانی“ سے کیا مراد ہے، صرف احادیث سے اس امر کی وضاحت ہوتی ہے کہ ”سبع مثانی“ (بار بار دہرائی جانے والی آیت) سورہ فاتحہ کا ہی دوسرا نام ہے، لہٰذا اس مثال سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ قرآن کو سمجھنے کیلئے احادیث کی ضرورت رہتی ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، باب ۵، جلد ۲، صفحہ ۹۷۔

چوتھا باب

حدیث وسنت کی حجیت (بالادستی)

سنت رسول ﷺ کی اہمیت قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور ہم دیکھتے ہیں کہ دین اسلام میں رسول ﷺ کی سنت کو حجیت کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے، کیونکہ سنت کی بالادستی کے متعلق قرآن اور حدیث میں بہت احکامات ملتے ہیں۔ صحابہ کرام ؓ کا یہ معمول تھا کہ جہاں پر کوئی فیصلہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہو جائے تو اس کو تسلیم کر لیتے کیونکہ اس طرح کے فیصلے دین اسلام میں حجت (Authority) کا درجہ رکھتے۔ قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں ''سَبِیْلُ الْمُؤْمِنِیْنَ'' (مومنین اولین کے طریقے پر چلنے) کو ضروری قرار دیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''وَمَنْ یُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ ۢ بَعْدِ مَا تَبَیَّنَ لَهُ الْهُدٰی وَیَتَّبِعْ غَیْرَ سَبِیْلِ الْمُؤْمِنِیْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِیْرًا ۝''

(اور جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس پر ہدایت کی راہ واضح ہو چکی اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی (گمراہی) کی طرف پھیرے رکھیں گے جدھر وہ (خود) پھر گیا ہے اور (بالآخر) اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ۝) (النساء: ۱۱۵)

اس آیت میں حق تعالیٰ نے مومنین کے راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرنے والوں کو سخت وعید سنائی ہے اور اس کو مستحق دوزخ قرار دیا ہے۔ پس ضروری ہے کہ اس مسئلہ میں بھی یہ معلوم کیا جائے کہ مومنین اولین کا راستہ کیا تھا؟ وہ آنحضرت ﷺ کے اقوال وافعال کو یا بالفاظ دیگر حدیث وسنت کو حجت مانتے اور اس کو مشعل راہ قرار دیتے تھے یا نہیں؟

۱۔ خلیفہ اول کی مثال: ''تاریخ الخلفاء'' (ص ۲۹) میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے پاس جب کوئی تصفیہ طلب مسئلہ آتا تو پہلے وہ کتاب اللہ میں نظر فرماتے اور اگر اس میں کوئی فیصلہ مل جاتا تو اس کے مطابق

حکم فرما دیتے۔ اس میں ناکامی کی صورت میں اگر رسول اللہ ﷺ کی کوئی سنت اس باب میں انہیں معلوم ہوتی تو اس کے مطابق فیصلہ فرماتے۔ اگر خود ان کو اس باب میں کسی سنت کا علم حاصل نہ ہوتا تو باہر نکل کر دوسرے مسلمان (صحابہ ؓ) سے دریافت فرماتے کہ اس طرح کا معاملہ میرے پاس آیا ہے، اگر تم کو معلوم ہو کہ آنحضرت ﷺ نے اس قسم کے معاملہ میں کیا فیصلہ کیا ہے تو بتاؤ۔ پھر ایسا ہوتا تھا کہ بعض اوقات کئی کئی آدمی اکٹھے ہو کر بتاتے تھے کہ ہاں اس صورت میں آنحضرت ﷺ نے یہ فیصلہ کیا تھا، اس وقت حضرت ابوبکر ؓ فرماتے:

"اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَعَلَ فِیْنَا مَنْ یَّحْفَظُ عَنْ نَبِیِّنَا۔"

(خدا کا شکر ہے جس نے ہم میں سے ایسے لوگ بنائے جو پیارے نبی ﷺ کی باتیں یاد رکھتے ہیں)

۲۔ حضور ﷺ کی جانشینی کا مسئلہ: آپ کی وفات کے بعد سب سے مشکل مسئلہ یہ سامنے آیا کہ آپ ﷺ جانشین کس کو مقرر کیا جائے تو اس مسئلہ کا حل بھی صحابہ ؓ نے آپ ﷺ کی سنت میں تلاش کیا۔ طبقات ابن سعد و تاریخ الخلفاء وغیرہ میں حضرت علی ؓ کا قول منقول ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد ہم نے اپنے معاملہ (مسئلہ جانشینی) میں غور و فکر کیا تو ہم نے یہ پایا کہ آنحضرت ﷺ نے ابوبکر صدیق ؓ کو اپنی زندگی میں نماز کے لئے آگے بڑھایا (یعنی امام مقرر کیا) تو جس کو آپ ﷺ نے ہمارے دین کے لئے پسند کیا تھا، ہم نے اس کو اپنی دنیا کے لئے بھی پسند کر لیا اور ابوبکر ؓ کو آگے بڑھایا (جانشین رسول ﷺ منتخب کیا)۔

(۲) حضور ﷺ کی تدفین کا مسئلہ: ایک اور مسئلہ حضور ﷺ کی تدفین کا تھا۔ صحابہ کرام ؓ میں اختلاف رائے تھی کہ آپ ﷺ کو کہاں دفن کیا جائے۔ اس کا فیصلہ بھی حدیث نبوی ﷺ سے ہوا۔ بہت سی کتب میں ہے کہ جب یہ اختلاف رائے ہوا تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا کہ میں نے آنحضرت ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ہر نبیؑ اپنی اسی خواب گاہ کے نیچے مدفون ہوتا ہے جہاں اس کی روح قبض کی گئی ہو۔ یہ سنتے ہی سارا اختلاف ختم ہو گیا اور آنحضرت ﷺ اسی مقدس سرزمین میں جہاں آپ ﷺ کی روح پاک قبض کی گئی تھی، سپرد خاک کئے گئے۔

(۴) جمع قرآن کا مسئلہ: جمع قرآن کا مسئلہ بھی بہت اہم تھا۔ حضرت عمر ؓ نے جب حضرت ابوبکر صدیق ؓ کو یہ مشورہ دیا کہ پورا قرآن یکجا کر دیا جائے تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ ابتدا میں بار بار بھی

---

[1] سنن البیہقی، احمد بن الحسین البیہقی، متوفی ۴۵۸، حدیث ۲۱۲۸، جلد ۱۰، صفحہ ۱۱۴، دار الباز، مکۃ المکرمہ۔

فرماتے تھے **كَيْفَ اَفْعَلُ شَيْئًا لَمْ يَفْعَلْهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ** ﷺ (میں وہ کام کیسے کروں جو رسول اللہ ﷺ نے نہیں کیا) پھر حضرت ابوبکر ؓ کا شرح صدر ہو گیا اور انہوں نے حضرت زید بن ثابت ؓ کو بلا کر جمع قرآن کی اہم خدمت ان کے سپرد کرنا چاہی تو ابتدا میں ان کو بھی تامل ہوا لیکن بعد میں اللہ نے ان کے سینہ کو بھی کھول دیا اور شیخین ؓ کی رائے کا حق ہونا ظاہر کر دیا تو وہ اس خدمت کی انجام دہی پر کمر بستہ ہو گئے۔

(۵) ایک صحابیہ رضی اللہ عنہا کی میراث کا مسئلہ: موطا امام مالک میں ہے کہ ایک شخص کی وفات کے بعد اس کی دادی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں اپنی میراث طلب کرنے آئی تو آپ نے فرمایا:

"مَالَكِ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ شَيْئٌ وَمَا عَلِمْتُ لَكِ فِيْ سُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ شَيْئًا فَارْجِعِيْ حَتّٰى اَسْئَلَ النَّاسَ"[1]

(کتاب اللہ میں تیرا کچھ حق نہیں ہے اور آنحضرت ﷺ کی سنت میں تیرا کوئی حق مجھے معلوم نہیں لہٰذا اس وقت لوٹ جاؤ تا آنکہ میں لوگوں سے دریافت کروں)

اس کے بعد انہوں نے لوگوں سے دریافت کیا تو حضرت مغیرہ ؓ نے بتایا کہ میری موجودگی میں آنحضرت ﷺ نے میت کی دادی کو سدس (چھٹا حصہ) دلوایا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے پوچھا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہے تو حضرت محمد بن مسلمہ انصاری ؓ نے کھڑے ہو کر وہی بیان کیا، اس کے بعد حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس عورت کو سدس دلوایا۔

(۶) پارسیوں سے جزیہ کا مسئلہ: پارسیوں کا ملک اسلامی مقبوضات میں داخل ہونے کے بعد حضرت عمر ؓ کو فکر لاحق تھی کہ پارسیوں سے جزیہ لیا جائے یا نہیں تو جب حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ نے شہادت دی کہ آنحضرت ﷺ نے ہجر کے مجوسیوں سے جزیہ لیا تھا۔ تب حضرت عمر ؓ نے پارسیوں سے جزیہ لیا۔

(۷) رومی سلطنت کے معاہدہ کی توقیر: ابوداؤد اور ترمذی وغیرہ میں ہے کہ رومی سلطنت اور حضرت امیر معاویہ ؓ کے درمیان ایک معاہدہ کی رو سے ایک خاص مدت تک جنگ بندی تھی، وہ مدت ختم ہونے سے پہلے ہی حضرت معاویہ ؓ نے اپنی فوج کے ساتھ دشمن کے ملک کی طرف کوچ کرنا شروع کر دیا۔ ایک دن حضرت معاویہ ؓ کو دور سے ایک سوار آتا دکھائی دیا جو بلند آواز سے پکار پکار کر کہہ رہا تھا اللہ اکبر، اللہ اکبر

---

[1] مؤطا امام مالک، مالک بن انس، متوفی ۱۷۹ھ، جلد ۲، صفحہ ۵۱۳، مکتبہ احیاء التراث العربی، بیروت۔

عہد کو پورا کرنا ہے، توڑنا نہیں ہے۔ لوگوں نے بغور دیکھا تو وہ سوار حضرت عمر بن عبید ؓ صحابی تھے۔ حضرت امیر معاویہ ؓ نے ان سے پوچھا کہ بات کیا ہے؟ انہوں نے کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ جس شخص کا کسی قوم سے کوئی معاہدہ ہو تو اس عہد میں کوئی ردوبدل نہ کرے جب تک اس کی مدت نہ گزر جائے یا اس قوم کو مطلع نہ کردے۔ حضرت معاویہ ؓ یہ سن کر اپنی فوج کے ساتھ دارالسلام کو واپس ہو گئے۔

(۸) صحابہ کرام ؓ نے حضرت عثمان ؓ کی بیعت اس شرط پر کی کہ وہ شیخین کی طرح اتساک بالسنۃ کریں گے

تاریخ کامل وغیرہ میں ہے کہ حضرت عمر ؓ کی شہادت کے بعد حضرت عبدالرحمٰن بن عوف ؓ اور تمام صحابہ ؓ نے حضرت عثمان ؓ کو خلیفہ منتخب کرنے کے بعد بایں الفاظ بیعت لی تھی:

"نُبَایِعُکَ عَلٰی کِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ رَسُوْلِهٖ وَسُنَّةِ الْخَلِیْفَتَیْنِ بَعْدَهٗ"

(ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت اس شرط پر کرتے ہیں کہ آپ کتاب اللہ، رسول ﷺ کی سنت اور دونوں سابق خلفاء کی روش پر عمل کریں گے)[1]

ایمان کا معیار سنت کی پیروی میں ہے

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پہلے گزر چکا ہے کہ "تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک اس کی خواہشات اس شریعت کے تابع نہ ہو جائیں جو میں لایا ہوں۔

"لَایُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ ...... الحدیث"[2]

اس حدیث مبارکہ کی رو سے کوئی شخص اس وقت تک حقیقی ایمان کا دعویٰ نہیں کر سکتا جب تک وہ اپنی تمام خواہشات کو ترک کر کے مکمل طور پر دین کو اختیار نہ کرلے اور سنت کے مطابق اپنی زندگی کو نہ ڈھال لے جو حضور ﷺ لے کر آئے ہیں۔

گویا حضور ﷺ واضح الفاظ میں اپنی امت کو خبردار کر رہے ہیں کہ تمہارے اندر اس وقت تک ایمان پختہ اور راسخ نہیں ہو سکتا جب تک تمہاری خواہشیں، تمہاری آرزوئیں، تمہارے ارادے اور تمہاری پوری کی پوری زندگی دین کے قالب میں نہ ڈھل جائے۔

---

[1] الکامل فی التاریخ، ابوالحسن علی الشیبانی، متوفی ۶۳۰، جلد ۳، صفحہ ۳۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

[2] صحیح بخاری، حدیث نمبر ۱۵، جلد ۱، صفحہ ۱۴۔

سیرت مصطفوی ﷺ کی پیروی ہی سرچشمہ ایمان ہے

اسلام کی حقیقی اساس سیرت مصطفوی ﷺ کے در پر ہی ملتی ہے اور وہ اسلام جو اقوام عالم میں فتح کی نوید لے کر آیا ہے، اس کی عملی شکل اور خدوخال نبی اکرم ﷺ کی حیات طیبہ کے آئینے میں جھلکتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ پس ایمان کا حتمی اور دائمی معیار یہ ہوا کہ ہر وہ بات جو ہمیں حضور ﷺ کی حیات طیبہ اور سیرت پاک میں نظر آئے، اسے بشرح صدر ایمان سمجھ کر تسلیم کر لیا جائے اور جو بات سنت سے متعارض ہو اس کو کفر جان کر رد کر دیا جائے۔ خواہ تارک سنت کے ہاتھ پر نادر اعمال ہی کیوں نہ صادر ہوتے ہوں۔

مخالفت سنت، سبب عذاب آخرت ہے

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی سنت مطہرہ کی مخالفت کرنا عذاب الٰہی کو دعوت دینا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں رب العالمین نے بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا ہے کہ:

"فَلْيَحْذَرِ الَّذِيْنَ يُخَالِفُوْنَ عَنْ أَمْرِهٖٓ أَنْ تُصِيْبَهُمْ فِتْنَةٌ أَوْ يُصِيْبَهُمْ عَذَابٌ أَلِيْمٌ"

(پس ڈریں وہ لوگ جو رسول خدا ﷺ کے حکم کی مخالفت کرتے ہیں (ایسا نہ ہو) کہ انہیں کوئی فتنہ (سے نقصان) پہنچے یا دردناک عذاب سے واسطہ پڑے) (النور: ۶۳)

اسی طرح ایک اور جگہ یوں ارشاد فرمایا:

"وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا ۝"

(اور جو شخص رسول (ﷺ) کی مخالفت کرے اس کے بعد کہ اس پر ہدایت کی راہ واضح ہو چکی اور مسلمانوں کی راہ سے جدا راہ کی پیروی کرے تو ہم اسے اسی (گمراہی) کی طرف پھیرے رکھیں گے جدھر وہ (خود) پھر گیا ہے اور (بالآخر) اسے دوزخ میں ڈالیں گے اور وہ بہت ہی برا ٹھکانا ہے ۝) (النساء: ۱۱۵)

ترک سنت باعث محرومی کوثر ہے

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ کچھ لوگ حوض کوثر کا پانی پینے سے منع کر دیئے جائیں گے اور سرکار ﷺ کی شفاعت سے محروم رہیں گے ان کا جرم یہ ہوگا کہ وہ سنت رسول ﷺ کو ترک کرنے کی وجہ سے اپنے آپ کو آپ ﷺ کے ذمہ سے خارج کر لیں گے۔[1]

ترک سنت اور تبدیلی دین حنیف کے بارے میں معلوم ہو جانے کے بعد حضور ﷺ کا ان سے

---

[1] مسند ابی یعلی، احمد بن ابی یعلی، متوفی ۳۰۷، جلد ۴، صفحہ ۳۳۳، دار المامون التراث، دمشق۔

یہ فرمانا ''دور ہو جاؤ''، اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ آپ ﷺ تارکین سنت سے ناراض ہوتے ہیں اور شدید ناراض ہوتے ہیں۔ سنت پاک کی مخالفت کو روکنے کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایک جگہ مزید یوں ارشاد فرمایا ہے:

''ابن ابی رافع ؓ نے اپنے والد کے حوالے سے سرور دو عالم ﷺ کا فرمان مبارک اس طرح نقل کیا ہے کہ تم میں سے ایسے مسند نشین شخص پیدا ہوں گے کہ جب ان کے پاس میرا حکم پہنچے گا جس کے کرنے کا یا تو میں نے حکم دیا ہو گا یا اس کے کرنے کی ممانعت کی ہو گی تو وہ یہ کہہ دیں گے کہ اس کے بارے میں ہمیں علم نہیں اور نہ ہم نے کتاب اللہ میں دیکھا ہے لہٰذا اس حکم پر عمل کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا''۔[۱]

حضرت مقدام ؓ نے اس حدیث کو ان الفاظ کے اضافہ کے ساتھ نقل کیا ہے ''خبردار ہو جاؤ، حضور ﷺ کی جانب سے حرمت کا حکم ایسا ہی ہے، جس طرح کہ اللہ رب العالمین کی جانب سے''۔

اپنی طریق زندگی کے متعلق حضور ﷺ کی سنت

سیدنا محمد مصطفیٰ ﷺ دنیا کے عظیم ترین انسان ہیں۔ آپ ﷺ کی شخصیت جملہ مکارم اخلاق اور صفات حسنہ کی مظہر ہے۔ آپ ﷺ صاحب خلق عظیم اور رحمۃ للعالمین ہیں۔ اہل عرب اگرچہ آپ ﷺ کے جانی دشمن بن گئے مگر پھر بھی وہ آپ ﷺ کے خلق عظیم اور رحمۃ للعالمینی کی صفات کے معترف و قائل تھے۔ آپ ﷺ کے اخلاق حسنہ کے بارے میں حضرت علی ؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا ''آپ ﷺ کی سنت یا طریق زندگی کیا ہے''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''معرفت و عرفان میرا سرمایۂ حیات ہے، عقل میرے دین کی اصل ہے، محبت میری (زندگی کی) بنیاد ہے، شوق میری سواری ہے، ذکر الٰہی میرا مونس ہے، اعتماد میرا خزینہ ہے، غم (عشق الٰہی) میرا رفیق ہے، علم میرا ہتھیار ہے، صبر میرا لباس ہے، رضا میرا مال غنیمت ہے، تواضع و انکساری میرا فخر ہے، زہد میرا پیشہ ہے، یقین میری طاقت و توانائی ہے، صدق میرا حامی و شفیع ہے، اطاعت (الٰہی) میری کفایت کرنے والی ہے، جہاد میرا خلق ہے اور نماز میں میری آنکھ کی ٹھنڈک ہے۔[۲] دیکھنے میں یہ سترہ انتہائی مختصر جملے ہیں لیکن یہ کتاب حیات کے جملہ سترہ ابواب ہیں۔ افسوس کہ یہود و نصاریٰ نے ان ابواب حیات میں سے وافر حظ حاصل کرنے کی کوشش کی ہے مگر مسلمان اس سے خاطر خواہ استفادہ حاصل کرنے سے قاصر رہے۔

---

[۱] سنن الترمذی، حدیث ۲۶۶۳، جلد ۵، صفحہ ۳۸۔

[۲] الفوائد المجموعہ، محمد بن علی الشوکانی، حدیث ۲۳، جلد ۱، صفحہ ۳۲۷، المکتب الاسلامی، بیروت۔

(i) حضور ﷺ کے دیگر ذاتی کوائف اور احوال: آپ ﷺ کی زندگی کے متعلق درست اندازہ اسی وقت ہوسکتا ہے جب آپ ﷺ کے جملہ خصائل، عادات، لباس، صورت مبارک اور گھریلو حالات کا کچھ علم ہو جائے، لہٰذا آپ ﷺ کے ان خصائل کا جائزہ لینا بہت ضروری ہے تاکہ معلوم ہو سکے کہ حضور علیہ الصلوۃ والسلام کی زندگی میں سے چند معمولات ایسے ہیں جن کا ذکر رہتی دنیا تک امت مسلمہ کے لئے رہنمائی کرسکتا ہے۔ آپ ﷺ نے جس طرح کھایا، پیا اور پہنا یا معاملات میں عام لوگوں کے ساتھ جو رویہ اختیار کیا، اس سنت پر عمل کر کے انسان فلاح و نجات حاصل کرسکتا ہے۔

(ii) چہرۂ مصطفیٰ ﷺ کی وجاہت: حضرت عبداللہ بن سلام ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے جونہی حضور ﷺ کو دیکھا تو فوراً سمجھ لیا کہ یہ جھوٹے آدمی کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ مدینہ میں ایک تجارتی قافلہ شہر سے باہر ٹھہرا۔ حضور ﷺ کا اتفاقاً اس طرف سے گزر ہوا۔ ایک اونٹ خرید کر ساتھ لے گئے اور فرمایا کہ رقم بھجوائے دیتا ہوں، بعد میں قبیلہ والوں کو تشویش ہوئی کہ انہوں نے بغیر پہچان کے معاملہ کرلیا۔ سردار قافلہ کی خاتون نے قافلہ والوں کو اطمینان دلایا کہ اس شخص کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن ہے، وہ کبھی بدمعاملگی کرنے والا شخص نہیں ہوسکتا، اگر ایسا آدمی (اونٹ کی رقم) ادا نہ کرے تو میں اپنے پاس سے ادا کردوں گی۔

(iii) حضور علیہ الصلوۃ والسلام کا لباس: حضور ﷺ کا لباس سادہ تھا، زینت بخش تھا اور لباس تقویٰ تھا۔ اس میں ضرورت کا بھی لحاظ تھا۔ آپ ﷺ کا مسلک اعتدال تھا اور انتہا پسندی سے امت کو بچانا مطلوب تھا۔ اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اس کی عطا کردہ نعمت کا اثر اس کے بندے سے عیاں ہو، لہٰذا اسی اصول کے تحت حضور ﷺ نے کبھی کبھار اچھا لباس بھی زیب تن فرمایا۔ آپ ﷺ کو سفید رنگ پسند تھا۔

(iv) وضع قطع و آرائش: حضور ﷺ اپنے بال بہت سلیقے سے رکھتے، ان میں کثرت سے تیل کا استعمال فرماتے، کنگھا کرتے، مانگ نکالتے، لبوں کے زائد بال تراشنے کا اہتمام کرتے۔ داڑھی کو بھی طول و عرض میں قینچی سے ہموار کرتے اور اپنے صحابہ ؓ کو بھی تربیت دیتے۔ خوشبو لگانا بہت پسند فرماتے۔

(v) رفتار: حضور ﷺ کی چال آپ ﷺ کی عظمت، وقار، شرافت اور احساس ذمہ داری کی ترجمان تھی، درمیانہ رفتار ہوتی، قدم کھلے رکھتے، حضور ﷺ کی رفتار یہ پیغام دیتی جاتی تھی کہ "وَلَا تَمْشِ فِی الْاَرْضِ مَرَحًا" (زمین میں گھمنڈ کی چال نہ چلو) (لقمان: ۱۸)۔

(vi) طرز تکلم: حضور ﷺ گفتگو میں الفاظ اتنے ٹھہر ٹھہر کر ادا کرتے کہ سننے والا آسانی سے یاد کرلیتا بلکہ

الفاظ ساتھ ساتھ گنے جا سکتے تھے۔ بقول ام معبد ؓ ''گفتگو موتیوں کی لڑی جیسی پروئی ہوتی، الفاظ نہ ضرورت سے کم نہ زیادہ، نہ کوتاہ سخن نہ طویل''۔ جیسا کہ کہا جاتا ہے ''خَیْرُ الْکَلَامِ مَاقَلَّ وَدَلَّ'' (بہتر کلام وہی ہے جو مختصر ہو اور مدلل ہو)۔ تاکید تفہیم اور تسہیل حفظ کے لئے خاص الفاظ اور کلمات کو تین بار دہراتے تھے۔ مکروہ، فحش اور غیر حیادارانہ کلمات سے نفرت تھی۔ گفتگو میں بالعموم ایک مسکراہٹ شامل رہتی۔ حضور ﷺ افصح العرب تھے۔ آپ ﷺ کے کلام کا جہاں ادبی معیار بہت بلند تھا، وہاں اس میں عام فہم سادگی بھی تھی اور پھر کمال یہ کہ کبھی کوئی گھٹیا اور بازاری لفظ استعمال نہیں کیا اور نہ کبھی مصنوعی طرز کی زبان پسند فرمائی۔

(vii) عام سماجی رابطہ: آپ ﷺ کا معمول تھا کہ راستہ میں ملنے والوں سے سلام کہتے اور سلام کہنے میں پہل فرماتے۔ کسی کو پیغام بھجواتے تو ساتھ سلام ضرور کہلواتے۔ گھر میں داخل ہوتے ہوئے اور گھر سے نکلتے ہوئے گھر کے لوگوں کو بھی سلام کہتے۔ احباب سے معانقہ بھی فرماتے اور مصافحہ بھی۔ مصافحہ سے ہاتھ اس وقت نہ کھینچتے، جب تک دوسرا خود ہی اپنا ہاتھ الگ نہ کرتا۔ بیماروں کی عیادت کے لئے اہتمام سے جاتے۔ جب کسی شخص کی وفات ہو جاتی تو تشریف لے جاتے۔ میت کے لواحقین سے ہمدردی کا اظہار فرماتے، صبر کی تلقین کرتے اور چلانے اور آہ و بکا کرنے سے روکتے۔ بچوں سے بہت دلچسپی تھی۔ بچوں کے سر پر ہاتھ پھیرتے اور دعا فرماتے۔ ننھے بچے لائے جاتے تو ان کو گود میں لیتے۔ سفر سے آرہے ہوتے تو جو بچہ راستہ میں ملتا، اسے سواری پر بٹھا لیتے۔ فصل کا میوہ پہلی بار آتا تو دعائے برکت مانگ کر کم عمر بچے کو دے دیتے۔ بوڑھوں کا احترام کرتے، بقول سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ازواج یا خادموں میں سے نہ کبھی کسی کو مارا، نہ کسی سے ذاتی انتقام لیا۔

(viii) خالص نجی زندگی: بروایت حضرت علی ؓ رسول خدا ﷺ گھر میں آتے تو اپنا وقت تین طرح کی مصروفیات میں صرف کرتے۔ کچھ وقت خدا کی عبادت میں صرف ہوتا، کچھ وقت اہل و عیال کے لئے تھا اور کچھ وقت اپنے آرام کے لئے۔ پھر انہی اوقات میں سے ایک حصہ ملاقاتیوں کے لئے نکالتے جن میں مسجد کی عام مجالس کے علاوہ خصوصی گفتگو کرنے والے احباب یا مہمان آکر ملتے یا کچھ لوگ ضروریات و حاجات لے کر آتے۔ گھر کی فضا کو آپ ﷺ نے کبھی خشک اور بوجھل نہ بننے دیا اور نہ اس میں کوئی مصنوعی انداز پیدا ہونے دیا۔ گھر ایک انسانی گھر کی طرح تھا جس کی فضا میں فطری جذبات کا مدوجزر رہتا۔

ساز و سامان میں چند برتن نہایت سادہ قسم کے تھے۔ ایک لکڑی کا پیالہ تھا، کھانے پینے میں اس کا بکثرت استعمال ہوتا تھا۔ بستر چمڑے کے گدے پر مشتمل تھا جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ بان کی بنی ہوئی چارپائی رکھتے۔ ٹاٹ کا بستر بھی استعمال میں رہا جو دوہرا کر کے بچھایا جاتا۔

(ix) اکل وشرب: کھانے پینے کا ذوق بہت نفیس تھا۔ گوشت سے خاص رغبت تھی۔ ثرید (گوشت کے شوربے میں روٹی کے ٹکڑے ڈبو کر) تناول فرمانا مرغوب تھا۔ پسندیدہ چیزوں میں شہد، سرکہ، خربوزہ، ککڑی، لوکی، کھچڑی، مکھن وغیرہ اشیاء شامل تھیں۔ دودھ کے ساتھ کھجور کا استعمال بھی اچھا لگتا اور مکھن لگا کر کھجور کھانا بھی ذوق میں شامل تھا۔ پینے کی چیزوں میں میٹھا پانی، کچی لسی، شہد کا شربت پسند فرماتے۔ الگ الگ بیٹھ کر کھانا پسند نہ تھا۔ اکٹھے ہو کر کھانے کی تلقین فرماتے۔

(x) جذبات (گھریلو ماحول): حضور ﷺ ان نام نہاد بڑے لوگوں میں سے نہ تھے جو دنیا جہان کے غم میں گھلے جاتے ہیں لیکن گھر کے لئے سنگدل اور تغافل کیش ثابت ہوتے ہیں، ایسے لوگوں کی باہر کی زندگی ہنگامہ آرائی پر مشتمل ہوتی ہے، گھر کی پھیکی اور بدمزہ۔ آپ ﷺ کو ازواج کے ساتھ سچی محبت تھی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ ایک ہی پیالہ میں پانی پیتے اور جہاں وہ منہ لگاتیں، وہیں منہ لگاتے۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو اونٹ پر سوار کرانے کے لئے آپ ﷺ اپنا گھٹنا بڑھا دیتے اور اس پر آپ رضی اللہ عنہا اپنا پیر رکھ کر سوار ہو جاتیں۔

اپنے بچوں کے لئے بھی حضور ﷺ کے جذبات گہرے تھے۔ حضرت ابراہیم ؑ کو رضاعت کے لئے ایک لوہار کے گھر میں مدینہ کے بالائی حصے میں رکھا گیا تھا، ان کو دیکھنے کے لئے خاصہ فاصلہ چل کر تشریف لے جاتے۔

پانچواں باب

سنت رسول ﷺ میں تعمیر شخصیت

(انسان کو دین فطرت پر پیدا کیا گیا)

مسلمان کی زندگی میں ایمان کو قائم رکھنا بنیادی حیثیت رکھتا ہے اور انسان کی شخصیت کے لئے سنت رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونا ازبس ضروری ہے۔ حدیث قدسی ہے:

"میں نے اپنے تمام بندوں کو اس طرح پیدا کیا کہ وہ سب دین حنیف پر تھے، پھر ان کے پاس شیاطین آئے اور وہ دین حق سے منحرف ہو گئے"[1]

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان اپنی فطرت کی بناء پر عمل صالح کی طرف جھکتا ہے اور اس کی طبیعت اسی کی طرف راغب ہوتی ہے۔ یہ فطری استعداد نیک تربیت سے پروان چڑھتی ہے اور قوت پاتی ہے۔ روح انسانی چند مخصوص چیزوں کی متلاشی ہوتی ہے جن سے معرفت خداوندی حاصل ہو سکے۔ یہ اس لئے ہے کہ ہر چیز اپنی اصل کی طرف رجوع کرتی ہے۔ انسان کا رجوع پیدائشی طور پر دین فطرت کی طرف رہتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ"

(پوری یکسوئی یعنی (مضبوطی سے پکڑ لو) اللہ کے دین کو جس کے مطابق اس نے لوگوں کو پیدا فرمایا ہے، کوئی ردو بدل نہیں ہو سکتا اللہ کی تخلیق میں) (الروم: ۳۰)

فِطْرَةُ کا وزن اور معنی خلقت ہے یعنی آفرینش یا اختراع۔ حضرت انس ﷜ سے مروی ہے کہ حضور سرور عالم ﷺ نے فطرت اللہ کا معنی دین اسلام بیان فرمایا ہے کیونکہ یہ دین عقل سلیم سے کلیۃً ہم آہنگ اور فہم صحیح کے عین مطابق ہے، اس لئے فطری طور پر انسان نہ اس سے منہ موڑ سکتا ہے اور نہ اس کا انکار کر سکتا ہے۔ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی فطرت کو مضبوطی سے پکڑ لو اور اس پر کاربند ہو جاؤ۔ تمہیں اس نے اپنا بندہ بنا کر پیدا

---

[1] کنز العمال، علاء الدین علی المتقی، متوفی ۹۷۵ھ، حدیث ۱۱۳۰۶، جلد ۴، صفحہ ۱۸۸، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

فرمایا۔ تم لاکھ چاہو کہ اس کی بندگی سے نکل جاؤ، ناممکن ہے۔ تم لاکھ چاہو کہ اس کے علاوہ کسی اور کو اپنا خدا بنالو، قطعاً محال ہے۔ دین اسلام نے جو نظام حیات ہمیں دیا ہے، وہ ہماری فطرت کے عین مطابق ہے۔ اگر تم چاہو کہ اس نظام فطرت کو چھوڑ کر کوئی دوسرا نظام حیات تجویز کرلو جو اسلام کی طرح تمہاری فطرت کے عین مطابق ہو تو ایسا ہرگز نہیں ہوسکتا۔ اس لئے مذکورہ آیت میں امت کو دین فطرت کی پیروی کی ترغیب دلائی جارہی ہے، چونکہ انسان کی پیدائش دین فطرت پر ہوئی ہے اس لئے روح انسانی اس کی پیروی کے لئے بے قرار رہتی ہے، لہٰذا انسان دین فطرت پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اس سے اس کی شخصیت کی تعمیر میں نکھار آجاتا ہے اور اطمینان قلب نصیب ہوتا ہے۔ خداوند تعالیٰ کی معرفت اس کو عبادت، اطاعت اور اعمال صالحہ کے ذریعہ سے ہی نصیب ہوتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے آدم علیہ السلام کے سینہ میں نور ایمان، نور وراثت اور دیگر کمالات جو انسان کے سینہ میں رکھے گئے ہیں، کے متعلق بہت کلام کیا ہے۔ اس کلام میں انسان کو فطرت اللہ کا نگہبان قرار دیا ہے۔ انسان کے اندر تمام کمالات اسی فطرت کے باعث پیدا ہوتے ہیں۔ ان کمالات کا پیدا ہونا قرآن اور سنت کی اتباع کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

درون سینۂ آدم چہ نور است　　چہ نور است ایں کہ غیب او حضور است
(انسان کے سینے میں یہ کیا نور ہے، یہ نور کیسا ہے کہ اس کے سامنے مغیبات بھی حضور کی طرح ہیں)

گہے نارش ز برہان و دلیل است　　گہے نورش ز جان جبرئیلؑ است
(کبھی اس کے دل میں برہان و دلیل کی آگ ہوتی ہے، کبھی اس کے نور میں جبرئیلؑ جیسی روح ہوتی ہے)

چہ نورے جاں فروزے سینہ تابے　　نیرزد با شعاعش آفتابے
(یہ نور کیا ہے جو روح افزا ہے اور سینہ گرما دیتا ہے، اس کی ایک شعاع کے سامنے سورج بھی ہیچ ہے) ز۔ ع:۱۴۸

مرد حق از آسمان افتد چو برق　　ہیزم او شہر و دشت و غرب و شرق
(مرد خدا تو آسمان سے بجلی کی طرح جھپٹتا ہے، شہر و صحرا اور شرق و غرب اس کا ایندھن بن جاتے ہیں) ج۔ ن'۷۹۵

انسان میں سے ہی کبھی کوئی کلیم اللہ علیہ السلام، کوئی مسیح علیہ السلام، کوئی خلیل اللہ علیہ السلام اور کوئی محمد ﷺ کا رتبہ حاصل کرتا ہے۔ بندۂ مومن ہی چلتا پھرتا قرآن بن جاتا ہے حتیٰ کہ وہ جبرئیل معنوی بھی بن جاتا ہے۔

ما ہنوز اندر ظلام کائنات　　او شریک اہتمام کائنات
(ہم تو ابھی کائنات کے اندھیروں میں ہیں، لیکن (وہ بندۂ مومن) کائنات کا اہتمام کرتا ہے)

اُو کلیمؑ و اُو مسیحؑ و اُو خلیلؑ　　اُو محمدؐ اُو کتاب اُو جبرئیلؑ
(انسان کلیم علیہ السلام، مسیح علیہ السلام اور خلیل علیہ السلام بھی بنتا ہے، وہ محمد ﷺ قرآن اور جبرائیل علیہ السلام بھی بنتا ہے)

آفتاب کائنات اہلِ دل   از شعاع اُو حیات اہلِ دل

(اہل دل کائنات کے آفتاب ہیں، اس کی شعاع سے اہل دل کی زندگی وابستہ ہے)

معنی جبرئیلؑ و قرآن است اُو   فِطرۃ اللّٰہ را نگہبان است اُو

(مومن ہی معنوی جبرائیل علیہ السلام اور قرآن ہے، دین الٰہی کا وہ نگہبان بھی بنتا ہے) پ۔چ:۸۰۸

اس انسان کو ایسی طاقت ملی ہے کہ اگر وہ اپنے نبی ﷺ کی ذرا سی اتباع کر لیتا ہے تو وہ مقام جبرئیل علیہ السلام کا اہل بن جاتا ہے، یہی اس کی زندگی کا راز ہے۔

ہر کہ از سرِّ نبی گیرد نصیب   ہم بہ جبرئیلؑ امین گردد قریب

(جس کو سرِ نبی ﷺ کا کچھ حصہ ملتا ہے، تو وہ جبرائیل امین علیہ السلام کی طرح مقرب بن جاتا ہے) پ۔چ:۸۲۸

طبرانی المعجم الکبیر میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کے بارے میں فرمایا جو پوری طاقت سے روزی کما رہا تھا کہ اگر ایسا شخص اپنے اہل وعیال کے لئے رزق کماتا ہے تاکہ اسے کسی کے آگے ہاتھ پھیلانے کی نوبت نہ آئے تو اس کا یہ کام بھی عبادت میں شمار کیا جائے گا کیونکہ وہ اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوشاں ہے۔ اگر کسی شخص کی تمام تر محنتوں کا مدعا نام ونمود پیدا کرنے کے لئے ہو تو اس کی یہ تمام تر کوششیں شیطان کی راہ میں تصور کی جائیں گی۔

تعمیر شخصیت کے لئے اخلاقِ مذمومہ کی تطہیر

انسان کی تخلیق آب وگل سے ہوئی اور اس کے باعث کچھ صفات مذمومہ اس کے اندر گوندھ دی گئی ہیں، چنانچہ اگر انسان کی پرورش اور تربیت درست انداز سے نہ کی جائے تو ان کے اخلاق مذمومہ مثلاً چوری، زنا، ڈاکہ، جوا، شراب نوشی، نشہ، غم، خوف، غصہ، کینہ، بغض، حسد، شہوت لالچ، حرص، طمع وغیرہ کی اِصلاح ممکن نہیں ہے۔ سنت رسول ﷺ کا منشاء یہ ہے کہ انسان میں موجود ان تمام صفات کا قلع قمع کیا جائے اور ان کی جگہ اخلاق محمودہ کو بروئے کار لایا جائے۔ اخلاق محمودہ میں اطاعت، محبت، عبادت، ایثار، قربانی، خدمت، شفقت، حق پرستی، دل جوئی، فرمانبرداری وغیرہ انسانی صفات شامل ہیں۔ ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں کہ بزرگان اسلام نے دنیا میں اخلاق سازی کی ایسی مثالیں قائم کیں جو دیگر مذاہب کے پیروکاروں میں نظر نہیں آتیں۔ مثال کے طور پر جب حضرت علیؓ ایک کافر کے سینہ پر چڑھ کر خنجر مارنے کے لئے تیار ہوئے تو اس نے ان کے چہرہ مبارک پر تھوک دیا، کافر کے اس عمل کے بدلے آپؓ نے خنجر مارنے کا ارادہ ترک کر دیا، کیونکہ اگر وہ اس حالت میں خنجر مارتے تو کافر کے قتل میں حضرت علیؓ کے غصہ کا جذبہ بھی شامل ہو جاتا اور

للّٰہیت کا عمل غصہ کی کیفیت سے داغدار ہو جاتا۔ یہ تربیت انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے پائی تھی اور ان کے اس عمل کی عظمت کو دیکھتے ہوئے مدمقابل کافر اس قدر متاثر ہوا کہ اس نے دل و جان سے اسلام کو قبول کر لیا۔ سنت رسول ﷺ ہمیں یہی سبق دیتی ہے کہ اپنے نفسانی جذبات کو قابو میں رکھا جائے اور اوصاف حمیدہ کو اپنایا جائے۔

ترمذی کی ایک حدیث کے مطابق رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہماری نظروں سے گزرتا ہے کہ ہر شخص جس کا انتقال ہوتا ہے، اسے ندامت ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر وہ نیکوکار تھا تو اسے اس بات پر ندامت ہوتی ہے کہ اس نے اور زیادہ نیکیاں کیوں نہیں کیں اور اگر وہ شخص بدکار ہوتا ہے تو وہ اس بات پر شرمندہ ہوتا ہے کہ وہ گناہوں سے کیوں باز نہیں آیا[1]۔ ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ پیروی سنت رسول ﷺ تعمیر شخصیت میں بنیادی اہمیت رکھتی ہے۔

سنت نبوی ﷺ کی پیروی سے انسان کی نفسیاتی صحت میں توازن قائم ہوتا ہے

نفس کی اصلاح کے لئے قرآن اور حدیث میں بہت سے نکات بیان کئے گئے ہیں اور نفس کو مختلف صورتوں میں بتدریج تربیت دینے کا التزام کیا گیا ہے۔ نفس امارہ کو نفس لوامہ، ملہمہ اور مطمئنہ میں تبدیل کرنے کی راہیں سنت نبوی ﷺ نے واضح کی ہیں اور انسان بالآخر نفس راضیہ اور مرضیہ تک پہنچ جاتا ہے۔ نفس کی پانچ قسموں کی تفصیل ہماری تصنیف ''تہذیب نفس'' میں دی گئی ہے۔ اتباع قرآن و سنت کی روشنی میں انسان کی مادی اور روحانی دنیا میں توازن قائم کیا جاتا ہے تاکہ انسان یکسوئی کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں انہماک حاصل کر سکے۔ یہی وجہ ہے کہ مادی دنیا کی زیب و زینت کسی لمحہ بھی انہیں یاد الٰہی سے غافل نہیں کرتی۔ (النور: آیت ۳۷)

قرآن اور سنت کے ذریعہ ایمان باللہ، تقویٰ، عبادات اور مجاہدات سے پیدا ہونے والے اسرار کے ذریعہ انسان کو قوت پہنچتی ہے۔ انسان کے میلانات اور خواہشات اس وقت قابو میں آتے ہیں جب وہ سنت رسول ﷺ پر گامزن ہو۔ اس طرح شرعی زندگی گزارنے کے بعد انسان کی شخصیت نفسیاتی صورت میں توازن حاصل کر لیتی ہے۔ حسب ذیل ہدایات جو ایک مسلمان کو احادیث کے ذریعہ حاصل ہوتی ہیں، مسلمان کی شخصیت سازی کے لئے نہایت ضروری ہیں۔

۱۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ: جب مانگو، اللہ تعالیٰ سے مانگو کیونکہ اس کے سوا

---

[1] سنن ترمذی، حدیث ۲۴۰۳، جلد ۴، صفحہ ۶۰۳۔

کوئی ذات نفع دینے یا ضرر رسانی پر قادر نہیں۔ [1]

۲۔ حضرت انس ؓ کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کا مقصد آخرت ہو، اللہ تعالیٰ اس کے دل میں غنا پیدا کر دیتا ہے اور دنیا اس کے قدموں میں آجاتی ہے۔ اہل ایمان اپنے دلوں میں ایسے شخص کے لئے محبت اور شفقت پیدا کر لیتے ہیں، جبکہ دنیادار شخص کے دل کو اللہ تعالیٰ پراگندہ خاطر کر دیتا ہے۔ [2]

۳۔ عبادات سے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہوتا ہے جس سے انسان اللہ تعالیٰ کا محبوب بن جاتا ہے۔ جو کہ دل میں خوش بختی، نفسیاتی امن اور اتحاد کا احساس پیدا کر دیتا ہے۔ [3]

سنت رسول ﷺ اور نفسیاتی علاج

بعض لوگ مختلف قسم کے دباؤ اور نفسیاتی کشمکش سے دوچار ہونے کی وجہ سے نفسیاتی مرض میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ نفسیاتی مرض کی تین علامتیں ہیں:

۱۔ مریض کا اپنی ذات اور دوسروں کا صحیح ادراک نہ کر پانا۔

۲۔ غیر متوازن طرز عمل۔

۳۔ ناکامی اور محرومی کا احساس

رسول اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کی نفسیاتی تربیت پر بھی پوری توجہ فرمائی۔ انہیں ہر وہ چیز بتائی اور سکھائی جو ان کی جسمانی اور نفسیاتی صحت کی حفاظت کرے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ کے جسمانی اور نفسیاتی امراض کے علاج کی بھی فکر فرمائی۔ دراصل کتاب اللہ اور سنت نبوی ﷺ کی تعلیمات پر خلوص کے ساتھ عمل کرنے سے ایک مسلمان کو نفسیاتی طور پر مضبوط صحت اور توانائی حاصل ہوتی ہے، جس سے اس کی شخصیت کی تعمیر ہوتی ہے۔

سنت رسول ﷺ میں غور و فکر کرنا بھی شامل ہے

اسلام نے انسانوں کو مظاہر کائنات کے مشاہدے، اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوقات بلکہ خود انسان کو اپنے بارے میں غور و فکر کی دعوت دی ہے۔ اس ضمن میں چند قرآنی آیات پیش کی جاتی ہیں:

۱۔ "قُلِ انظُرُوا مَاذَا فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ"

(آپ ﷺ فرما دیجئے کہ تم دیکھو تو کیا کیا چیزیں آسمان اور زمین میں ہیں) (یونس، ۱۰۱)

---

[1] سنن ترمذی، حدیث ۲۵۱۶، جلد ۴، صفحہ ۶۶۷۔

[2] سنن ترمذی، حدیث ۲۴۶۵، جلد ۴، صفحہ ۶۴۲۔

[3] صحیح بخاری، حدیث ۶۱۳۶، جلد ۵، صفحہ ۲۳۸۴۔

۲۔ "أَوَلَمْ يَتَفَكَّرُوا فِيْ أَنْفُسِهِم"

(کیا نہیں غور وفکر کیا انہوں نے کبھی اپنے آپ میں؟) (الروم: ۸)

۳۔ "اَفَلَا یَنْظُرُوْنَ اِلَی الْاِبِلِ کَیْفَ خُلِقَتْ o وَاِلَی السَّمَآءِ کَیْفَ رُفِعَتْ o وَاِلَی الْجِبَالِ کَیْفَ نُصِبَتْ o وَاِلَی الْاَرْضِ کَیْفَ سُطِحَتْ o"

(تو کیا نہیں دیکھتے یہ اونٹ کو کہ کیسا (عجیب) پیدا کیا گیا؟ اور آسمان کی طرف کہ کیسے بلند و بالا بنایا گیا اور پہاڑوں کو کہ کس انداز سے جمائے گئے اور زمین کو کہ کس انداز سے بچھائی گئی) (الغاشیہ، ۱۷ تا ۲۰)

انگریزی کے مشہور شاعر ورڈز ورتھ نے قرآن کریم کے مظاہر قدرت میں غور وفکر کی دعوت کو کس پیارے انداز میں بیان کیا ہے۔ کہتا ہے:

Cast a side dull books and read the open book of nature.

(تمام فالتو کتابیں پھینک دو اور قدرت کی کھلی ہوئی کتاب کا مطالعہ کرو)

غور وفکر اور تعمیر شخصیت کے لئے ہماری دیگر کتب بالخصوص "اسلام اور روحانیت"، "حضور قلب" اور "سرمایہ ملت" کا مطالعہ فرمائیں۔

چھٹا باب

حضور ﷺ بااختیار شارع کی حیثیت سے

اس میں کچھ شک نہیں کہ اختیارِ کلی اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے اور اسی سبب سے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ کو دست قدرت کہا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت کے بغیر کوئی چیز حرکت نہیں کر سکتی، مگر اللہ تعالیٰ نے جس وقت کہ آدم علیہ السلام کو دنیا میں اپنا نائب اور خلیفہ بنایا تو اس سے یہی مراد لی جاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے اختیارات اپنے نائب کے سپرد کر دیے ہیں۔ اگر کسی نائب کو اختیار نہ دیے جائیں تو نیابت الٰہی میں کوئی دلکشی نہیں رہتی بلکہ نائب خدا ہونے کا لقب بے معنی یا بے سود ہو جاتا ہے۔ خلافت اور نیابت کی تفصیل ہماری تصنیف ''نشان منزل'' کے بعد ''اسلام اور روحانیت'' میں شامل کی جا چکی ہے۔

جب یہ ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کو نیابتِ الٰہی کا اختیار حاصل ہے تو اس بات کا اندازہ بخوبی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے دوستوں (یعنی اولیاء اللہ) کو کس قدر اختیارات دیے گئے ہوں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان کی روحانی اہلیت کے مطابق اختیار دے رکھے ہیں۔ اور مولانا رومیؒ کا یہ شعر مشہور ہے۔

گفتہ اُو گفتہ اللہ بود ایں کلام حق است واللہ می شود

(یعنی اولیاء اللہ کا کہنا خدا کا کہنا بن جاتا ہے اور یہ کلام بالکل برحق ہے، خدا کی قسم ایسا ہی ہو جاتا ہے)

ہم ''نشان منزل'' کے بعد ''اسلام اور روحانیت'' میں اس بات کی تفصیل بیان کر چکے ہیں کہ خدا جب کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو حکم دیتا ہے۔ قرآن کے الفاظ کے مطابق ''اِنَّمَآ اَمْرُهٗٓ اِذَآ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ'' (بے شک اس کا حکم یوں ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو وہ فرماتا ہے کہ ''ہو جا'' پس وہ ہو جاتی ہے) (یٰس: ۸۲)، قرآن مجید میں انسانی روح کو بھی اَمْرِ رَبِّیْ (قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّیْ) فرمایا ہے یعنی آپ کہہ دیجئے کہ روح اللہ کے امر سے ہے (بنی اسرائیل: ۸۵) چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اول الذکر آیت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب ''امر اللہ یعنی اللہ کا امر ہو جائے تو اللہ کے حکم سے تخلیق ہو جاتی

ہے اور موخر الذکر میں ''امر اللہ'' اسی امر سے متعلق ہے یعنی انسان کی روح (جو امر اللہ ہے) جب حرکت میں آ جائے تو اس وقت بھی تخلیق ہو جاتی ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ انسان پر ایک ایسا وقت بھی آ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے تمام خزانوں کی کنجیاں حتیٰ کہ اذنِ "کُنْ فَیَکُوْنُ" کی عطا بھی کر دیتا ہے۔ علامہ اقبالؒ کا کلام پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ وہ شخص صحیح مومن نہیں جس کو ملکۂ تخلیق حاصل نہ ہو۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

زندہ دل خلاقِ اعصار و دھور   جانش از تقلید گردد بے حضور

(کوئی دل زندہ ہو تو نئے زمانے پیدا کرتا ہے، ورنہ اس کی روح تقلید سے مرجاتی ہے) ج۔ن:۶۶

در عمل پوشیدہ مضمون حیات   لذتِ تخلیق قانون حیات

(عمل میں زندگی کا مضمون پوشیدہ ہے لذت تخلیق سے ہی زندگی کا قانون قائم رہتا ہے) ا۔ر:۴۹

ما ز تخلیقِ مقاصد زندہ ایم   از شعاع آرزو تابندہ ایم

(ہم مقاصد فراہم کرنے کے لئے زندہ ہیں اور آرزو کی کرن سے روشن ہیں) ا۔ر:۱۷

پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں   ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق

مومن کے تقاضائے تخلیق سے متعلق ہماری تصنیف ''رابطۂ شیخ'' میں رابطہ کو تخلیق کے لئے ایک لازمی جزو قرار دیا ہے جہاں آپ کو تقریباً ۳۰ صفحات پر مشتمل یہ مضمون نظر آئے گا۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو جو قوت تخلیق ودیعت فرمائی ہے اس کا کچھ اندازہ اوپر تحریر کی گئی عبارت سے ہو جاتا ہے، لیکن جب کوئی بات کسی نبی یا مرسل سے متعلق ہو جائے تو اس کی کیفیت اور بھی بڑھ جاتی ہے اور جب معاملہ حضور نبی کریم ﷺ تک پہنچ جائے تو پھر آپ ﷺ کو دیئے گئے اختیارات کا اندازہ لگانا ایک عام آدمی کے بس سے باہر نظر آتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے نیک بندوں کو تسخیر کائنات کا (یعنی پوری کائنات مسخر کر لینے کی قوت کا) تمغہ عطا کر دیا ہو "وَسَخَّرَ لَكُم مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ" (الجاثیہ:۱۳) (اور اس نے مسخر کر دیا ہے تمہارے لئے جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے) تو پھر ختم الرسل اور آقائے کل ﷺ کو عطا کئے گئے اختیارات کا کون اندازہ کر سکتا ہے۔ جب آپ ﷺ کوئی ایسا اختیار استعمال کرتے ہیں تو یقیناً وہ اللہ تعالیٰ کی عطا اور اس کے اذن سے ہی ہوتا ہے۔ ویسے بھی قاضی شہر کو شریعت نے شرعی سزاؤں میں اختیار دیا ہے کہ اگر وہ دیکھیں کہ یہ جرم خطرناک صورت اختیار کر لے گا تو وہ کسی مجرم کو چاہے تو کسی بدفعلی پر موت کی سزا بھی دے سکتا ہے اور اگر چاہے تو سزا میں تخفیف کر دے، اسی طرح رسول پاک ﷺ کو بھی بہت سے معاملات میں اختیار دیا گیا ہے کہ آپ ﷺ نے وہ اختیار استعمال بھی فرمایا

(جس کا کچھ مختصر ذکر آگے آئے گا)

رسول ﷺ کے اختیارات کا انکار گستاخی ہے

راقم الحروف لیبیا کی ایک دینی مجلس میں حضور ﷺ کی شان بے پناہ میں اس مضمون پر گفتگو کر رہا تھا کہ حضور ﷺ کو با اختیار شارع کی حیثیت حاصل تھی تو ایک ڈاکٹر صاحب نے اعتراض کیا کہ اگر آپ کو اختیار تھا تو پھر نعوذ باللہ آپ پر عَبَسَ وَ تَوَلّٰیۤ (عبس:۱) (یعنی نابینا صحابی، عبداللہ ابن ام مکتوم ؓ سے منہ موڑنے) کا عتاب کیوں نازل ہوا۔ درحقیقت خدا کا اپنے محبوب ترین رسول ﷺ کو عتاب کرنے کا یہ جملہ ہی گستاخی رسول ﷺ پر مبنی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آج تک حضور ﷺ کو عتاب نہیں فرمایا۔ اس بات کا جواب ضیاء القرآن میں لکھا گیا ہے، نیچے پیش کیا جا رہا ہے۔

''اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب کریم ﷺ کو پر جلال الفاظ میں اس لئے خطاب کیا کہ رؤسائے مکہ (جن سے پہلے ہی حضور گفتگو فرما رہے تھے اور ابن ام مکتوم ؓ بیچ میں آ کر مخل ہوئے) کو یہ معلوم ہو جائے کہ تمہارا یہ خیال غلط ہے کہ اسلام کو ان رؤسائے مکہ کی ضرورت ہے بلکہ یہ بتایا گیا کہ ابن ام مکتوم ؓ کی حیثیت ان سے زیادہ تھی۔ اس کے بعد صاحب تفسیر حسب ذیل واقعہ نقل کرتے ہیں۔[1]

حضرت پیر کرم شاہؒ فرماتے ہیں ''جو لوگ ان آیات سے سرور کائنات علیہ الصلوۃ والسلام کے مرتبہ عالیہ کی تنقیص کرتے ہیں، وہ پرلے درجے کے کم فہم ہیں۔ ان سے پہلے بھی اہل نفاق کا یہی شیوہ تھا۔[2] علامہ اسماعیل حقیؒ لکھتے ہیں کہ حضرت فاروق اعظم ؓ کو پتہ چلا کہ ایک مسجد کا امام ہمیشہ نماز میں اسی سورت کی قرأت کرتا ہے تو آپ ؓ نے ایک آدمی بھیجا جس نے اس کا سر قلم کر دیا، چونکہ وہ حضور ﷺ کے مرتبہ عالی کی تنقیص کے ارادے سے اس کی قرأت کرتا تھا۔ یہ امام ان آیات کی تلاوت اس لئے کرتا تھا تا کہ مقتدیوں کے دلوں میں بھی حضور ﷺ کی عظمت کم ہو جائے'' اس لئے نگاہ فاروقی میں وہ مرتد تھا اور مرتد واجب القتل ہوا کرتا ہے۔ اس طرز کی گستاخیاں شرعاً حرام اور موجب کفر ہیں۔

حلت اور حرمت میں حضور ﷺ کا فیصلہ آخری فیصلہ تسلیم کیا جاتا ہے

حضور ﷺ عالم میں اللہ تعالیٰ کے نائب ہیں اور حضور ﷺ کے فیصلے رب تعالیٰ کے فیصلے ہوتے

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن، پیر کرم شاہ، جلد ۵، صفحہ ۴۹۰، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور۔

[2] تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۵، صفحہ ۴۹۰۔

ہیں۔ حضور ﷺ سب مسلمانوں کے مالک ہیں اور ہم سب ان کے مملوک ہیں، بلکہ آپ ﷺ کو ہم پر وہ حقوق حاصل ہیں جو کسی مولیٰ کو غلاموں پر بھی نہیں ہوتے۔ آپ ﷺ کے فرمانے پر کبھی حلال بھی حرام ہو جاتا ہے۔ کعب بن مالک ؓ، بلال بن امیہ ؓ اور مرارہ بن ربیع ؓ کی حلال اور منکوحہ بیویاں پچاس دن کی مدت تک ان کی صحبت کے لئے حرام ہو گئیں۔ ان تینوں کے ماں باپ، بھائیوں اور دوستوں، عزیزوں کے ساتھ ان کا میل جول، کلام وسلام حرام ہو گیا حالانکہ سلام کا جواب دینا واجب ہے، مصافحہ کرنا سنت ہے اور خندہ پیشانی سے ملنا بھی مسلمان کے لئے سنت ہے مگر جب حضور ﷺ ان سے خفا ہوئے تو ان کا بائیکاٹ کر دیا گیا۔ البتہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے ان کو معاف کر دیا گیا۔ ان تمام باتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو احکام شرعیہ کا مالک بنایا ہے۔

سورۃ الاعراف میں فرمایا گیا ہے کہ:

"وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبَاتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ" (الاعراف:۱۵۷)

(یعنی وہ نبی ﷺ ان کے لئے اچھی چیزیں حلال کرتے ہیں اور بری چیزیں ان پر حرام کرتے ہیں)

اس آیت سے بھی مذکورہ بالا کلام کی تصدیق ہوتی ہے۔ سورہ توبہ میں بھی ہے کہ

"مَاحَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ"

(جس کو حرام کیا اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے) (توبہ:۲۹)

مذکورہ آیت سے بھی اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ دونوں کی طرف سے اشیاء کا حرام کرنے کا ذکر ہے۔

حدیث شریف قرآن کی طرح ہی واجب العمل ہے

سورۃ النساء (کی آیت ۱۲) اور دیگر مقامات پر میراث کی حدود اور قوانین کا ذکر فرمایا گیا ہے لیکن کچھ رشتے مثلاً دادی، نانی، پوتی، پڑپوتی، پھوپھی، بھتیجی، خالہ، ماموں، چچی اور چچا کی اولاد وغیرہ کا ذکر قرآن مجید میں نہیں ہوا۔ ان کے احکام حدیث شریف سے ہی معلوم ہوتے ہیں۔ سورۃ النساء میں فرمایا کہ میراث کے باقی اصول حل کرنا ہیں تو ہمارے رسول ﷺ سے پوچھ لو کیونکہ جن رشتوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے، وہ بھی نہایت اختصار اور اجمال کے ساتھ کیا گیا ہے۔ ایسے رشتوں کی تفصیل بھی رسول اللہ ﷺ کے فرامین سے دریافت کی جائے گی۔ سورۃ النساء کی آیت ۱۳ اور ۱۴ میں بھی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم دیا جا رہا ہے اور اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کی حدود سے تجاوز کرنے سے منع کیا گیا ہے۔ یہی حکم ہر عبادت مثلاً نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج وغیرہ کے لئے بھی ہے کہ جب تک حدیث کی امداد شامل نہ ہو تب تک ان کے احکام بھی پورے

نہیں ہو سکتے۔

کسی کو جنت یا دوزخ دینا نبی ﷺ کے اختیار میں بھی ہے

قرآن اور حدیث کی رو سے کسی شخص کو جائز نہیں کہ کسی کے مرنے سے پہلے کسی کو کافر یا گنہگار یا دوزخی کہے یا اپنے آپ کو یقین کے ساتھ جنتی کہے، کیونکہ انجام کار کسی کو معلوم نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی غیبی باتوں کی اطلاع دے رکھی تھی چنانچہ آپ ﷺ کے لئے جائز ہے کہ اس دنیاوی زندگی میں ہی جسے چاہیں جنت کی یقینی بشارت دیں اور فرمائیں کہ فلاں شخص جنتی ہے۔ آپ ﷺ نے کئی بار فرمایا ہے کہ اگر کوئی یہ چاہے کہ کسی جنتی کو دیکھے تو فلاں شخص کو دیکھ لے، وہ جنتی ہے۔

حضور ﷺ نے سراقہؓ کو ان کی زندگی میں (زمانہ کفر میں) جنت کی خوشخبری دی۔ آپ ﷺ نے عشرہ مبشرہ کو بھی ان کی زندگی میں ہی جنت کی بشارت دے دی تھی۔ حضور ﷺ نے امیہ ابن خلف، عتبہ، شیبہ اور ابولہب کی بیوی کو اپنی زبان مبارک سے جہنمی فرمایا۔ آپ ﷺ نے یہ سب کچھ اس لئے فرمایا کہ آپ ﷺ کو ان باتوں کی اطلاع تھی اور آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تقدیر پر اختیار بخشے گئے ہیں۔ آپ ﷺ اگر چاہیں تو تقدیر بدل سکتے ہیں اور جنت عطا کر سکتے ہیں۔ آپ ﷺ کی بات تو ایک طرف آپ ﷺ کے امتیوں میں سے بعض کو یہ اختیار حاصل ہے کہ تقدیر مبرم کو بھی بدل سکتے ہیں۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کو یہ طاقت دی گئی تھی کہ اگر چاہیں تو تقدیر مبرم میں بھی تصرف کر سکتے تھے۔ اس سلسلے میں اگر کوئی شک کرتا ہے تو حضرت مجدد الف ثانیؒ کا مکتوب نمبر ۲۱۷، دفتر اول، حصہ سوم کا مطالعہ کرے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا مردوں کو زندہ کرنے کا ذکر تو قرآن میں بھی موجود ہے: "وَاُحۡیِ الۡمَوۡتٰی بِاِذۡنِ اللّٰہِ" (یعنی میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں) (آل عمران، ۴۹)۔ حضرت بہاؤالدین نقشبندیؒ کا ایک شخص کو مار دینے اور پھر زندہ کر دینے کا واقعہ جامع کرامات اولیاء میں (ص ۶۲۸ پر) دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ اس قسم کے اور واقعات بھی مستند روایات میں دیکھنے کو آتے ہیں۔

راقم الحروف نے پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کے متعلق ایک روایت ان کے مریدوں میں سے ایک مرید سے سنی ہے کہ ایک روز پیر مہر علی شاہ صاحبؒ کسی اسٹیشن پر ریل گاڑی سے باہر نکل کر ٹہل رہے تھے کہ ان کے ہاتھ میں تسبیح دیکھ کر ایک انگریز عورت نے اپنے خاوند سے پوچھا کہ اس شخص کے ہاتھ میں یہ کیا چیز ہے؟ اس انگریز نے پوچھا "What is this?" اس پر پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے اس انگریز کی کمر سے لٹکی ہوئی پستول کے متعلق دریافت فرمایا "What is this?" یہ سن کر اس انگریز نے اس پستول کو خول سے نکال کر اڑتے

ہوئے ایک پرندے کو نشانہ بنایا اور وہ پرندہ گر کر مر گیا اور پھر کہا "This is this" یعنی یہ وہ چیز ہے جس سے پرندوں کو شکار کیا جاتا ہے۔ اس کے بعد پیر صاحبؒ نے اس انگریز کو ساتھ لیا اور جہاں وہ پرندہ گرا ہوا تھا، اس پرندے کے ساتھ اپنی تسبیح کو لگایا جس سے پرندہ زندہ ہو گیا اور اڑ گیا۔ پھر پیر صاحب نے اس انگریز کو بتایا کہ تم نے تو جو چیز زندہ تھی، اس کی زندگی چھین لی، اور ہم نے اس کو دوبارہ زندگی عطا کر دی۔ یہ فرق ہے تمہارے پستول میں اور ہماری تسبیح میں (غالباً یہ روایت مہر علی شاہ صاحبؒ کے ملفوظات میں درج کی گئی ہے، لیکن راقم الحروف کو اس کی تفتیش کرنے کی ضرورت اس لئے نہیں محسوس ہوئی کہ اسے اس بات کا یقین ہے کہ اولیاء اللہ کو (اللہ کی اجازت سے ہی) بہت سے اختیارات کا ملنا مستند روایت سے ثابت ہے۔

پیر مہر علی شاہ صاحبؒ نے غلام احمد قادیانی کو اس بات کا چیلنج دیا تھا کہ اگر تم نبی ہو تو میز پر قلم اور کاغذ رکھنے کے بعد اسے حکم دو کہ وہ قلم لکھے کہ مرزا اللہ تعالیٰ کا نبی ہے ورنہ میں اس قلم کو حکم دوں گا کہ وہ لکھے کہ تم جھوٹے نبی ہو۔ مرزا قادیانی نے اس چیلنج کو قبول کر لیا مگر مقررہ تاریخ اور جگہ پر حاضر نہ ہو سکا۔ اگر جامع کرامات اولیاء از علامہ یوسف نبہانیؒ کا اور دیگر کتب میں اولیاء کی کرامات کا مطالعہ کریں تو ایسے لاکھوں واقعات علم میں آئیں گے۔ ایسے واقعات پر بدعقیدہ اور شقی لوگ ہی یقین نہیں کرتے۔ ایسے لوگ شقی القلب ہیں جو کنکروں کو کلمہ پڑھتے ہوئے دیکھ کر بھی کہیں گے کہ یہ کھلا جادو ہے۔

حضور ﷺ کے ہر حکم کی اتباع ضروری ہے خواہ وہ عمومی حکم کے خلاف ہی کیوں نہ ہو

تفسیر نعیمی میں ہے کہ اتباع ہر اس شخص کی ہو سکتی ہے جس کا حکم قرآن کے مطابق ہو، لیکن حضور ﷺ کا حکم خواہ عمومی احکام کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اتباع لازمی ہے یہ بات چند مثالوں سے واضح ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو با اختیار شارع بنایا تھا اور کئی باتوں میں یہ فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ جس کو جو چاہیں حکم دیں، جس کو چاہیں کسی جنگ میں جانے کی اجازت دیں اور جس کو چاہیں اجازت نہ دیں۔[1] حضرت خزیمہ بن ثابتؓ کی گواہی حضور ﷺ نے دو گواہوں کے برابر فرما دی۔ حضرت سراقہؓ کو فرمایا کہ تمہارے ہاتھوں میں کسریٰ کے سونے کے کنگن ہوں گے لہٰذا حضرت عمر فاروقؓ نے وہ کنگن سراقہ کو فتح ایران کے بعد پہنائے، اگرچہ سونا پہننا مردوں کے لئے حرام قرار دیا گیا ہے۔[2]

ایک صحابیؓ کو روزہ توڑنے پر کھجور کا تھال دیا اور اجازت دے دی کہ ساٹھ روزے نہ رکھے اور

---

[1] تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی، جلد ۳، صفحہ ۲۳۵، مکتبہ اسلامیہ، لاہور۔

[2] رحمۃ للعالمین، قاضی محمد سلیمان منصور پوری، جلد ۱، صفحہ ۷۸، مطبوعہ شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

حضور ﷺ نے اس کو یہ اجازت بھی دے دی کہ بجائے لوگوں کو تقسیم کرنے کے یہ صدقہ اپنے بچوں کو کھلا دے، اس سے اس کا صدقہ ادا ہو جائے گا۔ ایک صحابی ؓ کو چھ ماہ سے کم عمر بکری کو عید الاضحیٰ پر قربانی کرنے کی رخصت دے دی۔ ایک صحابی ؓ کو صرف چالیس دن نماز پڑھنے کا حکم دیا (لیکن اس شخص نے چالیس دن کے بعد بھی نماز کو ترک نہ کیا) اگرچہ قرآن میں صرف چالیس دن نماز پڑھنے کا جواز نہیں ہے۔ اختصار کے پیش نظر زیادہ مثالیں نہیں دی جا رہی ہیں۔

حضور ﷺ کی اطاعت مطلق واجب ہے

جب ''اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ'' (التغابن:12) پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ اَطِیْعُوا کا لفظ الگ الگ استعمال ہوا تا کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کے ضمن میں رسول ﷺ کی اطاعت ہو جاتی ہے (یعنی اگر کوئی اللہ کی اطاعت کرے تو سمجھے کہ رسول ﷺ کی اطاعت ہوگئی)۔ کچھ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ اگر حضور ﷺ کا کوئی حکم قرآن کے خلاف ہو تو اسے نہ مانو۔ یہ بات نہیں بلکہ حضور ﷺ کی بات پر عمل کرو کیونکہ کسی کو قرآن کا فہم بھی رسول اللہ ﷺ سے زیادہ نہیں ہو سکتا۔ مثال کے طور پر سجدہ تعظیم کا حکم قرآن میں ملتا ہے مگر حضور ﷺ نے فرما دیا کہ میری امت کے لئے غیر خدا کو سجدہ حرام ہے تو اسے حرام ہی سمجھو اور سجدے کی آیتیں اس حکم کے باعث منسوخ جانو۔ نیز اللہ تعالیٰ کی اطاعت صرف اس کے اقوال میں ہوگی مگر حضور ﷺ کی اطاعت ان کے اقوال میں ہوگی اور ان کے اعمال میں بھی ہوگی بلکہ آپ ﷺ کے سکوت پر عمل کیا جائے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور ﷺ کے لئے الگ 'اَطِیْعُوا' فرمایا گیا۔ اس سے یہ بھی ظاہر ہوا کہ آپ ﷺ خدا اور ہمارے درمیان واسطہ عظمیٰ اور وسیلہ ہیں۔ وہ خدا سے فیض لے کر ہم کو دیتے ہیں۔ آپ ﷺ کی زبان سے اللہ تعالیٰ کلام فرماتا ہے اور جو آپ ﷺ کی زبان سے نکلے قرآن اور حدیث کے علاوہ اور کچھ نہیں، لہٰذا آپ ﷺ کی اطاعت ہر حال میں ہم پر واجب ہے۔

اطاعت رسول ﷺ سے مراد آپ ﷺ کی تمام قولی اور فعلی سنتوں کی اطاعت ہے۔ تفسیر روح البیان میں لکھا گیا ہے کہ حضور ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت سے مقرون ہے (اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ) یعنی ملی ہوئی ہے اور یہ قرآن کی اطاعت میں شامل ہے۔ آپ ﷺ مستقل مطاع ہیں۔ غور کریں کہ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کی اطاعت کے متعلق یہ ہے کہ حکومت والوں کی اطاعت مطلق واجب نہیں بلکہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت کے ضمن میں ان کی اطاعت واجب ہے۔ حاکم اگر موافق شرع حکم دیں تو کرو ورنہ نہیں، اس کی وجہ یہی ہے کہ ان کے لئے اَطِیْعُوا کا لفظ الگ نہیں آیا اور مِنْکُمْ کی شرط لگائی کہ وہ غیر مذہب کا شخص نہ ہو، خلاف شرع اور بے ایمان کی اطاعت نہ کریں۔

ساتواں باب

مقام سنت صاحب سنت کی نظر میں

گزشتہ باب میں ”حدیث کا قرآن سے تعلق“ کی حقیقت کو ثابت کیا ہے جس میں اللہ رب العزت نے اپنے محبوب ﷺ کی پیروی کو لازم اور جزو ایمان قرار دیا ہے اور متعدد آیات قرآنی اس بات پر شاہد ہیں کہ اطاعت واتباع رسول ﷺ کے بغیر ایمان کا دعویٰ بے بنیاد ہے۔ درج ذیل سطور میں ہم اس چیز کا جائزہ لیں گے کہ اس کے علاوہ خود صاحب سنت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے ارشادات گرامی میں سنت کی اہمیت کس طرح اجاگر فرمائی ہے۔ اگر ان روایات پر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ حضور ﷺ سے امتی کا رشتہ تب ہی مضبوط ہوگا، جب وہ آپ ﷺ کی سنت کی پیروی اپنے اوپر لازم کرے گا۔

صحیح بخاری میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

”میری امت بہشت میں جائے گی، سوائے اس کے جس نے انکار کیا، عرض کی گئی کہ وہاں جانے سے کون انکار کرسکتا ہے۔ فرمایا جس نے میری اطاعت کی، بہشت میں جائے گا اور جس نے میری نافرمانی کی وہ انکاری بنا“[1]

حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہ سے بخاری شریف میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

”لَا يُؤْمِنُ اَحَدُكُمْ حَتّٰى يَكُوْنَ هَوَاهُ تَبَعًا لِّمَا جِئْتُ بِهٖ“

(تم میں سے کوئی شخص اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس کی اپنی خواہش میری لائی ہوئی تعلیمات کے تابع نہ ہوجائے)[2]

صحیح بخاری ومسلم میں (متفق علیہ حدیث میں) ہے کہ ”ان لوگوں کا کیا ہے، جو میری لائی ہوئی رخصت سے گریز کرتے ہیں، خدا کی قسم مجھے ان سے زیادہ خدا کی معرفت حاصل ہے اور میرے دل میں ان

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۶۸۵۱، جلد ۶، صفحہ ۲۶۵۵۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۱۵، جلد ۱، صفحہ ۱۴۔

سے زیادہ خدا کا خوف ہے"۔[1]

ترمذی میں حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "اے بیٹے اگر تم سے ہو سکے تو اس حال میں صبح وشام کرو کہ تمہارے دل میں کسی کے خلاف کھوٹ اور کینہ نہ ہو"۔ پھر فرمایا "اے بیٹے یہ میری سنت ہے اور جس نے میری سنت سے محبت کی تو اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی، وہ میرے ساتھ جنت میں ہوگا۔[2]

ترمذی، ابوداؤد اور ابن ماجہ میں حضرت عرباض بن ساریہ ؓ سے مروی ہے کہ "تم میری سنت اور میرے خلفائے راشدین ؓ کی سنت کو اپنائے رکھو اور انہیں مضبوطی کے ساتھ تھامے رکھو اور اپنے آپ کو نئے امور سے بچائے رکھو، کیونکہ ہر اختراع شدہ بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔"[3]

مسلم شریف میں حضرت جابر ؓ سے صحیح سند کے ساتھ روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ایک خطبہ میں فرمایا "بعد حمد الٰہی کے معلوم ہونا چاہئے کہ سب سے بہتر کلام کتاب اللہ ہے اور بہترین راستہ محمد ﷺ کا راستہ ہے اور بدترین چیزوں میں وہ ہے، جسے نیا نکالا گیا ہو اور ہر بدعت گمراہی ہے"[4]

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں:

"جاننا چاہئے کہ وہ چیز جو حضور ﷺ کے ظاہری زمانہ کے بعد ہوئی، بدعت ہے لیکن ان میں سے جو کچھ حضور ﷺ کی سنت کے اصول وقواعد کے مطابق ہے اور اسی پر قیاس کیا گیا ہے، اس کو بدعت حسنہ کہتے ہیں اور ان میں جو چیز سنت کے مخالف ہو، اسے بدعت وضلالت کہتے ہیں اور فرمایا:

كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ "ہر بدعت گمراہی ہے"۔[5] اس قول کی کلیت بدعت کی اسی قسم پر محمول ہے، یعنی ہر بدعت سے مراد صرف وہی بدعت ہے جو سنت نبوی ﷺ کی مخالف ہو اور لیکن بعض بدعتیں واجب ہیں، جیسے کہ علم صرف ونحو کا سیکھنا سکھانا اور بعض بدعتیں مستحسن ومستحب ہیں جیسے سرائے اور مدرسوں کی تعمیر اور

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۱۱۰۸، جلد ۲، صفحہ ۷۷۹۔

[2] سنن الترمذی، حدیث ۲۶۷۸، جلد ۵، صفحہ ۴۶۔

[3] سنن ابن ماجہ، ابوعبداللہ محمد بن یزید القزوینی، متوفی ۲۷۵ھ، حدیث ۴۲، جلد ۱، صفحہ ۱۵، دار الفکر، بیروت۔

[4] صحیح مسلم، حدیث ۸۶۷، جلد ۲، صفحہ ۵۹۲۔

[5] سنن الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی، متوفی ۲۵۵ھ، جلد ۱، صفحہ ۵۷، دار الکتاب العربی، بیروت۔

بعض بدعتیں مکروہ ہیں جیسے کہ بعض کے قول پر قرآن مجید اور مسجدوں میں نقش و نگار کرنا اور بعض بدعتیں مباح ہیں جیسے کہ عمدہ کپڑوں اور اچھے کھانوں کی زیادتی بشرطیکہ حلال ہوں اور وہ غرور و نخوت کا باعث نہ ہوں اور بعض بدعتیں حرام ہیں جیسے کہ اہل سنت والجماعت کے برعکس نئے عقیدوں اور نفسانی خواہشات والوں کے مذاہب روا رکھتے ہیں۔ جو بات خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے کی ہو، اگرچہ اس معنی میں ہو کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھی، بدعت ہے، لیکن بدعت حسنہ کی اقسام میں سے ہے بلکہ حقیقت میں سنت ہے۔ [۱] حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے تراویح کے متعلق فرمایا کہ یہ اچھی بدعت ہے۔ فساد کے وقت سنت کو اختیار کرنا تو بہت عظیم بات ہے۔

"عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنْ تَمَسَّکَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِیْدٍ"

(حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص میری امت میں (عملی یا اعتقادی) خرابی پیدا ہونے کے وقت میری سنت پر عمل کرے گا، اس کو سو شہیدوں کا ثواب ملے گا) [۲]

ایک اور جگہ پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضاحت کے ساتھ یوں ارشاد فرمایا:

"عَنْ بِلَالَ اِبْنِ حَارِثُ الْمُزنِیْ رضی اللہ عنہ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ اَحْیَا سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلُ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا مِنْ غَیْرِ اَنْ یُّنْقَصَ مِنْ اُجُوْرِهِمْ شَیْئًا وَمَنِ ابْتَدَعَ بِدْعَةً ضَلَالَةً لَا یَرْضَاهُ اللّٰهُ وَ رَسُوْلُهٗ کَانَ عَلَیْهِ مِنَ الْاِثْمِ مِثْلُ اٰثَامِ مَنْ عَمِلَ بِهَا لَا یُنْقَصُ ذٰلِکَ مِنْ اَوْزَارِهِمْ شَیْئًا"

(حضرت بلال بن حارث مزنی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے انہوں نے کہا کہ سرکار اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے میری کسی ایسی سنت کو (لوگوں میں) رائج کیا جس کا چلن ختم ہو گیا ہو تو جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے، ان سب کے برابر رائج کرنے والے کو ثواب ملے گا اور عمل کرنے والے کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہو گی اور جس نے کوئی ایسی نئی بات نکالی جو بری ہے جسے اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پسند نہیں فرماتے، تو جتنے لوگ اس پر عمل کریں گے ان سب کے برابر (بدعت) نکالنے والے پر گناہ ہو گا اور عمل کرنے والوں کے گناہوں میں کچھ کمی نہ ہو گی) [۳]

---

[۱] اشعۃ اللمعات، جلد۱، صفحہ ۸۲۱۔

[۲] مشکوٰۃ حدیث ۱۶۶، جلد۱، صفحہ ۸۴۔

[۳] مشکوٰۃ حدیث ۱۶۰، جلد۱، صفحہ ۸۴۔

ایک اور جگہ پر حضور ﷺ نے فرمایا:

"لَا یُؤْ مِنُ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَ وَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ"

(تم میں سے کسی بھی شخص کا ایمان اس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتا، جب تک وہ اپنی جان، مال، اولاد اور ہر اس چیز سے جس سے وہ محبت کرتا ہے، سے بڑھ کر مجھ سے محبت نہیں کرتا) [1]

ایک دفعہ حضرت عمر فاروق ؓ نے فرمایا کہ "آقا ﷺ مجھے آپ ﷺ کے ساتھ ہر چیز سے بڑھ کر محبت ہے مگر کبھی کبھی اپنی جان اور اولاد کی محبت مجھ پر غالب آ جاتی ہے"۔ اس پر حضور ﷺ نے فرمایا "اے عمر ابھی تمہارا ایمان مکمل نہیں ہوا" حضور ﷺ نے حضرت عمر ؓ کے سینے پر اپنا دست مبارک پھیرا تو حضرت عمر ؓ نے کہا "اے آقا ﷺ مجھے اس پروردگار کی قسم ہے اب میں اپنی جان اور اولاد سے بھی بڑھ کر آپ ﷺ سے محبت محسوس کرتا ہوں" [2]

پس ثابت ہوا کہ تکمیل ایمان کا واحد ذریعہ حب رسول ﷺ اور اتباع اسوۂ رسول ﷺ ہے۔

"بدعت کیا ہے" اس موضوع پر ایک الگ باب اس کتاب میں شامل کر دیا گیا ہے۔

سنت کے پانچ بنیادی مقاصد

سنت کا بغور مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان کو اتباع سنت سے کل پانچ چیزوں کی اصلاح مقصود ہے۔ جن پر انسان کی زندگی کا انحصار ہے۔ وہ مقاصد جن پر سعادت دارین کا دارومدار ہے اور جن کی اصلاح کے لئے محبوب خدا ﷺ نے ہمیں تعلیم عطا فرمائی، وہ پانچ قسم پر ہیں اور ان کی حفاظت کرنا انسان پر لازم قرار دیا گیا۔

(۱) دین (۲) نفس یعنی جان (۳) عقل (۴) نسل (۵) مال

(۱) دین: دین میں بندے کا اللہ تعالیٰ سے رشتہ قائم کرنا توحید و رسالت، قیامت پر ایمان لانا، عبادات کا فرض ہونا، شرک و کفر سے روکنا ہے۔

(۲) نفس یعنی جان: قوائے حسی، بدنی، عقلی، فکری کو حیات دنیا کے وقفہ میں اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق صرف کرنا۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۵، جلد ۱، صفحہ ۱۴۔

[2] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۲۸۹۸۲، جلد ۴، صفحہ ۳۳۶۔

(۳) عقل: کے صحیح استعمال اور حفاظت کے لئے منشیات اور دیگر مضر عقل چیزوں کو حرام قرار دینا۔

(۴) نسل انسانی: انسان کے لئے یہ کائنات مسخر کر دی گئی ہے لہٰذا ضروری ہے کہ نسل انسانی کی بقا اور افزائش ہوتی رہے۔ اس کے لئے شریعت نے نکاح کا حکم دیا اور زن و شوہر کے لئے حسن معاشرت کے قواعد بنائے، زنا سے روکا اور نافرمانی کرنے والوں کے لئے کوڑوں اور رجم کی عبرتناک سزائیں مقرر کیں۔

(۵) مال: اس سے متعلق خرید و فروخت کے عادلانہ قواعد سکھلائے اور چوری، غصب، سود اور ناجائز لوٹ کھسوٹ سے منع کیا اور چوری وڈاکہ زنی پر سخت سزائیں مقرر کیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام آسمان سے نازل ہونے کے بعد خاتم الرسل صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت وسنت کی پیروی کریں گے اور امام ابو حنیفہ ؒ کے مذہب پر عمل کریں گے۔ (مکتوب نمبر ۱۷، حصہ ہشتم، دفتر سوم، ص ۱۰۳۱) اسی طرح حضرت امام مہدیؒ بھی اسی شریعت وسنت کے پابند ہوں گے۔

حضرت خواجہ معین الدین چشتی ؒ فرماتے ہیں۔

گنج را چوں خرابہ می یابد　　در دلش عشق ازاں نزول کند

(کھنڈرات میں سے جب کسی کو خزانہ مل جاتا ہے اس کے دل میں خزانے سے محبت موجزن ہوتی ہے)

چو دل از غیرِ دوست خالی شد　　لطفِ حق آں زماں نزول کند

(جب دل غیر کی محبت سے خالی ہوتا ہے تو تجلیات حق کا نزول اس وقت قلب پر ہوتا ہے)

حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں عارفوں کو عبادت کی اس قدر حاجت ہے کہ مبتدیوں کو اس کا دسواں حصہ بھی حاصل نہیں۔ انسانی عروج عبادت کے ساتھ وابستہ ہیں اور اس کی ترقی شرع کو بجالانے پر منحصر ہے۔ عبادت کے ثمرات اور فائدے جن کی امید عوام کو کل قیامت کے دن ہے، عارفوں کو وہ ثمرات آج ہی حاصل ہیں پس ان کو عبادت زیادہ کرنے کا حق ہے اور ان کو شریعت کی بہت زیادہ حاجت ہے۔

صورت اور حقیقت شریعت

اس موضوع پر حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا ایک مکتوب شریف (نمبر ۵۰، دفتر دوم، حصہ اول) چند صفحات بعد نقل کیا جا رہا ہے۔ آپ ؒ فرماتے ہیں کہ صورت شریعت ظاہر شریعت ہے اور حقیقت باطنی شریعت ہے۔ صورت اور حقیقت مل کر شریعت کا مجموعہ بنتا ہے۔ ظاہر کو شریعت سے مزین کر کے باطن کی طرف متوجہ ہونا چاہئے۔ شریعت سے آراستہ ہونا باطن کے بغیر مشکل ہے، باطن کا اہتمام ظاہر کے لئے لازم ہے۔ جو باطن میں مشغول ہو اور ظاہر سے غافل ہو وہ بے دین ہے۔ ایسے شخص کے باطنی احوال استدراج میں شامل ہوں گے۔ اس کا

باطن صحیح اور صحت کی حالت میں نہیں اگر ظاہر شریعت سے آراستہ نہیں تو استقامت والوں کا طریقہ نہیں بنتا ہے۔[۱]

محمد عربی کاں آبروئے ہر دو سرا است   کسے که خاك درش نیست خاكِ بر سر اُو

(حضرت محمد ﷺ دونوں جہانوں کی عزت وآبرو ہیں، جو آپ ﷺ کے دروازے کی خاک نہیں بنتا اس کے سر پر خاک پڑے)

حضرت مجدد الف ثانی ” (مکتوب نمبر ۸۳، دفتر اول، حصہ دوم میں) فرماتے ہیں کہ ظاہر کو شریعت غرا (روشن) سے آراستہ کرنا اور باطن کو ہمیشہ حق تعالیٰ کے ساتھ رکھنا بہت بڑا کام ہے۔ دیکھئے کس صاحب قسمت کو ان دونوں عظیم نعمتوں سے مشرف کرتے ہیں۔ آج ان دو نسبتوں کا جمع ہونا بلکہ صرف ظاہر شریعت پر استقامت نہایت ہی نادر بات ہے“۔

مکتوب نمبر ۸۴، دفتر اول، حصہ دوم، ص ۲۵۴ میں شریعت و حقیقت کو ایک دوسرے کا عین قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

”اصل اور با مقصد بات یہ ہے کہ شریعت و حقیقت ایک دوسرے کا بالکل عین ہیں۔ حقیقت میں ایک دوسرے سے الگ اور جدا نہیں ہیں“

حضرت مجدد علیہ الرحمہ (مکتوب نمبر ۵۲، حصہ اول، جلد دوم، ص ۱۸۷ میں) مزید فرماتے ہیں کہ انبیاء کی شریعتیں نفسانی خواہشات کو زائل کرنے کے لئے بنائی گئی ہیں بلکہ وہ ریاضتیں اور مجاہدے جو شریعت کے خلاف ہیں، نفسانی خواہشات کو تقویت دیتے ہیں“۔

حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جوگیوں اور برہمنوں کے مجاہدوں نے ان کو نفسانی خواہشات کی تقویت کے سوا کچھ نہ دیا۔ آپ ” نے خان اعظم کی طرف خط میں لکھا ہے کہ خواجہ احرار قدس اللہ سرہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر میں پیری مریدی کروں تو کسی بھی پیر یا شیخ کو جہان میں مرید نہ ملے اور سب کو میں ہی اپنی طرف کھینچ لوں، مگر میرے ذمے ایک دوسرا کام لگایا گیا ہے اور وہ شریعت کی ترویج اور ملت اسلام کی تائید اور تقویت ہے۔ اس بنا پر آپ سلاطین وقت کے پاس تشریف لے جاتے اور اپنے تصرف سے ان کو اپنا مطیع بناتے اور اس ذریعہ سے شریعت حقہ کی ترویج فرماتے۔ مشہور مقولہ ہے کہ: ”اَلشَّرْعُ تَحْتَ السَّيْفِ“ (شرع تلوار کے نیچے ہے)

اس قول سے مراد یہ ہے کہ شرع شریف کی رونق بادشاہان اسلام سے وابستہ ہے، جن کا تقویٰ اللہ کے لئے، تواضع وانکسار لوگوں کے لئے، زہد دنیا سے، مجاہدہ نفس کے ساتھ اور دوستی دنیائے اسلام کے سربراہوں کے ساتھ ہونا ضروری ہے۔

آٹھواں باب

پابندی سنت کی عظمت آئمہ اسلام کی نظر میں

قرآن اور حدیث کی رو سے پورے کا پورا اسلام کتاب وسنت میں مقید ہے، لہٰذا آئمہ اسلام کے نزدیک اس کی اتباع کا اہتمام کرنا بھی عین اسلام ہے۔ ان دونوں کی راہ سے ذرہ برابر انحراف مسلمان کو دین اسلام سے دور لے جانے کا سبب بنتا ہے۔ آئمہ اسلام نے کتاب وسنت کی اہمیت وافادیت پر بہت زور دیا ہے اور ان کے نزدیک جو شخص کسی دوسری راہ پر چل کر خود کو ممتاز شخصیت ہونے کا مدعی ہے، وہ کافر وزندیق ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے سنت کی پیروی پر بہت شدت سے پابندی کا حکم فرمایا ہے۔ آپ کے ایسے تمام اقوال کو ایک الگ باب میں قلمبند کر دیا گیا ہے تاکہ لوگوں کو اسلام کے ان بنیادی اصولوں سے شناسائی حاصل ہو سکے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے علاوہ چند دیگر آئمہ اسلام کے نظریات نہایت اختصار کے ساتھ نیچے بیان کیے جا رہے ہیں جن کے مطالعہ سے قارئین کرام کو اتباع سنت کے لزوم کا اندازہ ہو سکے گا۔

۱۔ ابوسلیمانؒ دارانی کا قول:

ابوسلیمان عبدالرحمٰنؒ بن احمد بن عطیہ العنسی متوفی ۲۱۵ھ احمد بن ابی الحواریؒ کے استاد تھے۔ احمد بن ابی الحواری کا تمام خاندان زاہدوں کا خاندان تھا۔ ابوسلیمانؒ فرماتے ہیں:

"رُبَمَا یَقَعُ فِیْ قَلْبِیْ النُّکْتَةُ مِنْ نُکَتِ الْقَوْمِ اَیَّا مًا فَلَا اَقْبَلُ مِنْهُ اِلَّا بِشَاهِدَیْنِ عَادِلَیْنِ الْکِتَابِ وَالسُّنَّةِ"

(بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میرے دل پر صوفیاء کے نکات معرفت وارد ہوتے ہیں اور کئی دنوں تک رہتے ہیں مگر جب تک کتاب وسنت کے دو گواہ اس کی تائید نہیں کرتے، میں انہیں قبول نہیں کرتا)[1]

---

[1] رسالہ قشیریہ، ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری، متوفی ۴۶۵ھ، صفحہ ۱۱، المکتبۃ الحنفیہ، مردان۔

۲۔ المحاسبیؒ کا فرمان

ابوعبداللہ الحارثؒ بن اسد المحاسبی علوم ظاہر اور باطن دونوں کے حامل تھے جن کی بہت سی تصانیف بھی ہیں۔ فرماتے ہیں:

''مَنْ صَحَّحَ بَاطِنَهٗ بِالْمُرَاقَبَةِ وَالْإِخْلَاصِ زَيَّنَ اللّٰهُ ظَاهِرَهٗ بِالْمُجَاهَدَةِ وَ اِتِّبَاعِ السُّنَّةِ''

(جس نے مراقبہ اور اخلاص کے ذریعہ سے اپنا باطن درست کرلیا، اللہ اس کے ظاہر کو مجاہدہ اور اتباع سنت سے مزین کردیتا ہے)[1]

۳۔ سہل تشتریؒ کا قول:

ابومحمد سہل بن عبداللہ تشتریؒ آئمہ صوفیاء میں سے ہوئے ہیں۔ پرہیزگاری میں یکتائے روزگار اور صاحب کرامات تھے۔ شیطان سے ان کا مناظرہ مشہور ہے۔ فرماتے ہیں:

"اُصُوْلُنَا سَبْعَةُ اَشْيَاءٍ: اَلتَّمَسُّكُ بِكِتَابِ اللّٰهِ وَ الْاِقْتِدَاءُ بِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَ اَكْلُ الْحَلَالِ وَ كَفُّ الْاَذٰى وَ اِجْتِنَابُ الْمَعَاصِيْ وَ التَّوْبَةُ وَ اَدَاءُ الْحَقِّ"

(ہمارے سات اصول ہیں۔ قرآن مجید پر پابند رہنا، سنت نبوی کی اقتداء، اکل حلال، کسی کو دکھ نہ دینا، گناہوں سے پرہیز، توبہ اور ادائے حق)[2]

۴۔ جنید بغدادیؒ کا قول:

حضرت جنید بغدادیؒ مشہور و معروف اولیاء کبار میں سے ہوئے ہیں۔ شیخ شبلیؒ نے انہی سے تربیت حاصل کی۔ ان کے اقوال رسالہ قشیریہ میں منقول ہیں۔ فرماتے ہیں:

(۱) ''اَلطُّرُقُ كُلُّهَا مَسْدُوْدَةٌ عَلَى الْخَلْقِ اِلَّا مَنِ اقْتَفٰى اَثَرَ الرَّسُوْلِ عَلَيْهِ السَّلَامُ''

(رسول اللہ ﷺ کے نقش قدم پر چلنے والوں کے سوا تمام لوگوں کے لئے قرب الٰہی کے راستے بند ہیں)[3]

---

[1] حلیۃ الاولیاء، ابونعیم احمد بن عبداللہ، متوفی ۴۳۰ھ، جلد ۱۰، صفحہ ۷۵، دار الکتاب العربی، بیروت۔

[2] ایقاظ الھمم، صالح بن محمد بن نوح العمری، متوفی ۱۲۱۸ھ، جلد ۱، صفحہ ۹۱، دار المعرفہ، بیروت۔

[3] رسالہ قشیریہ ابوالقاسم، عبدالکریم بن ہوازن القشیری، متوفی ۴۶۵ھ، صفحہ ۲۰، المکتبۃ الحنفیہ، مردان۔

(ب) ”مَن لَمْ يَحْفَظُ الْقُرْانَ وَلَمْ يَكْتُبِ الْحَدِيْثَ لاَ يُقْتَدىٰ بِهٖ فِيْ هٰذَا الاَمْرِ لاَنَّ عِلْمُنَا هٰذَا مُقَيَّدٌ بِالْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ“

(جس شخص نے نہ قرآن مجید یاد کیا ہو اور نہ حدیث لکھی ہو، طریقت میں اس شخص کی پیروی نہیں کی جا سکتی، اس لئے کہ ہمارے اس علم طریقت میں کتاب وسنت کی قید پائی جاتی ہے) [۱]

(ج) ”عِلْمُنَا هٰذَا مُقَيَّدٌ بِحَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ“

(ہمارا علم طریقت، حدیث رسول اللہ ﷺ سے مضبوط ہوتا ہے) [۲]

(د) ”مَذْهَبُنَا هٰذَا مُقَيَّدٌ بِاُصُوْلِ الْكِتَابِ وَالسُّنَّةِ“

ہمارا مذہب اصول کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مقید ہے) [۳]

۵۔ ابوحمزہ بغدادیؒ کا قول:

ابوحمزہ بغدادی عیسٰی بن آبان کی اولاد میں سے تھے۔ قرآن مجید کی قرأتوں اور فقہ کے عالم تھے۔ فرماتے ہیں:

”مَنْ عَلِمَ طَرِيْقَ الْحَقِّ سَهُلَ عَلَيْهِ سُلُوْكُهٗ وَلاَ دَلِيْلَ عَلَى الطَّرِيْقِ اِلَى اللّٰهِ اِلاَّ مُتَابَعَةُ الرَّسُوْلِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي اَحْوَالِهٖ وَاَفْعَالِهٖ وَاَقْوَالِهٖ“

(جس نے حق تعالیٰ کا راستہ معلوم کرلیا، اس کے لئے اس پر چلنا بھی آسان ہو جاتا ہے اور آنحضرت ﷺ کے احوال، افعال اور اقوال میں تابعداری کے بغیر اس راہ کی طرف کوئی راہنمائی بھی نہیں ہو سکتی) [۴]

۶۔ ابن عطاء الادمیؒ کا قول

ابوالعباس احمد بن محمد بن عطاء الادمیؒ صوفیاء کے کبار مشائخ میں سے تھے۔ انہوں نے تصوف کے رنگ میں قرآن مجید کی تفسیر بھی لکھی ہے۔ فرماتے ہیں:

”مَنْ اَلْزَمَ نَفْسَهٗ اٰدَابَ الشَّرِيْعَةِ نَوَّرَ اللّٰهُ قَلْبَهٗ بِنُوْرِ الْمَعْرِفَةِ وَلاَ مَقَامَ اَشْرَفَ مِن مُقَامِ مُتَابَعَةِ الْحَبِيْبِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ اَوَامِرِهٖ وَاَفْعَالِهٖ

---

[۱] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۲۰۔

[۲] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۲۰۔

[۳] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۲۶۔

[۴] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۲۶۔

وَ اَخْلاَقِہٖ"

(جس نے اپنے نفس پر آداب شریعت کا لحاظ رکھنا لازم قرار دیا، اللہ اس کے دل کو نور معرفت سے منور فرمائیں گے۔ پیارے نبی ﷺ کے اوامر، افعال اور اخلاق کی تابعداری سے بڑھ کر کوئی مقام نہیں ہو سکتا) [۱]

۷۔ عبداللہ بن منازل ؒ کا قول:

ابو محمد عبداللہ بن منازل ؒ ملامتیہ (صوفیاء کا ایک فرقہ ہے) کے شیخ اور عالم تھے۔ انہوں نے کثرت سے احادیث لکھیں۔ فرماتے ہیں:

"لَمْ یُضَیِّعْ اَحَدٌ فَرِیْضَۃً مِّنَ الْفَرَائِضِ اِلاَّ ابْتَلاَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی بِتَضْیِیْعِ السُّنَنِ وَ لَمْ یُبْتَلٰی اَحَدٌ بِتَضْیِیْعَ السُّنَنِ اِلاَّ اَوْشَکَ اَنْ یُّبْتَلٰی بِالْبِدَعِ"

(جس کسی نے ایک فرض بھی ترک کیا وہ سنتوں کے ترک میں مبتلا ہوگا اور جو سنتوں کے ترک کرنے میں مبتلا ہوا، وہ عنقریب بدعتوں کے ارتکاب میں مبتلا ہوگا) [۲]

۸۔ ابوبکر طمستانی ؒ کا قول:

ابوبکر طمستانی ؒ کو صوفیاء کے پانچویں طبقہ میں شمار کیا جاتا ہے۔ علم و حال کے اعتبار سے یگانہ روزگار تھے۔ فرماتے ہیں:

"اَلطَّرِیْقُ وَاضِعٌ وَالْکِتَابُ وَالسُّنَّۃُ قَائِمٌ بَیْنَ اَظْھُرِنَا وَ فَضْلُ الصَّحَابَۃِ مَعْلُوْمٌ بِسَبْقِھِمْ اِلَی الْھِجْرَۃِ وَلِصُحْبَتِھِمْ فَمَنْ صَحَبَ مِنَّا الْکِتٰبَ وَ السُّنَّۃَ وَ تَغَرَّبَ عَنْ نَّفْسِہٖ وَ الْخُلْقِ وَھَا جَرَ بِقَلْبِہٖ اِلَی اللّٰہِ وَھُوَ الصَّادِقُ الْمُصِیْبُ"

(ہمارا طریقہ واضح ہے اور کتاب و سنت ہمارے درمیان قائم ہے اور ہجرت اور صحبت نبوی ﷺ کی وجہ سے صحابہ ؓ کا افضل ہونا بھی معلوم ہے لہٰذا ہم میں سے جو شخص کتاب و سنت کا ساتھ دے اور اپنے نفس اور مخلوق سے دور ہو جائے اور دل سے اللہ کی طرف ہجرت کرے تو وہ سچا ہے اور صحیح راہ پر ہے) [۳]

۹۔ ابوالقاسم قشیری ؒ کا قول

ابوالقاسم عبدالکریم قشیری ؒ رسالہ قشیریہ اور تفسیر لطائف الاشارات کے مصنف ہیں۔ ان کی مندرجہ

---

[۱] حلیۃ الاولیاء، جلد ۱۰، صفحہ ۳۸۲۔

[۲] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۲۸۔

[۳] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۳۱۔

بالا دو کتابوں کے علاوہ اور بہت سی تصانیف ہیں۔ فرماتے ہیں:

"اِعْلَمُوْا رَحِمَکُمُ اللّٰہُ اَنَّ شُیُوْخَ ھٰذِہِ الطَّآئِفَۃِ بَنَوْا قَوَاعِدَ اَمْرِھِمْ عَلٰی اُصُوْلٍ صَحِیْحَۃٍ فِی التَّوْحِیْدِ صَانُوْا بِھَا عقَائِدَ ھُمْ عَنِ الْبِدْعِ وَدَانُوْا بِمَا وَجَدُوْا عَلَیْہِ السَّلَفَ وَاَھْلَ السُّنَّۃِ مِنْ تَوْحِیْدٍ لَیْسَ فِیْہِ تَمْثِیْلٌ وَّ لَا تَعْطِیْلٌ وَّ عَرَفُوْا مَا ھُوَ حَقُّ الْقِدَمِ"

(یاد رکھو! خدا تم پر رحم کرے کہ اس جماعت کے جس قدر شیوخ گزرے ہیں انہوں نے تصوف کی بنیاد توحید کے صحیح اصولوں پر رکھی ہے اور انہوں نے اپنے عقائد کو بدعتوں سے بچائے رکھا ہے اور انہی امور کی پیروی کی ہے جن پر انہوں نے سلف صالحین اور اہل سنت کو پایا ہے یعنی ایسی توحید جس میں نہ (فرقہ مشبہ کی) تمثیل اور نہ (فرقہ معطلہ کی) تعطیل پائی جاتی ہے اور انہوں نے خدائے لم یزل ولا یزال کے حق کو پہچانا ہے) [۱]

پھر کبار صوفیاء کے حالات لکھ چکنے کے بعد امام قشیریؒ فرماتے ہیں:

"ھٰذَا ھُوَ ذِکْرُ جَمَاعَۃٍ مِّنْ شُیُوْخِ ھٰذِہِ الطَّآئِفَۃِ کَانَ الْغَرْضُ مِنْ ذِکْرِھِمْ فِیْ ھٰذَا الْمَوْضِعِ اَلتَّنْبِیْہُ عَلٰی اَنَّھُمْ مُجْمِعُوْنَ عَلٰی تَعْظِیْمِ الشَّرِیْعَۃِ مُتَّصِفُوْنَ بِسُلُوْکِ طُرُقِ الرِّیَاضَۃِ مُقِیْمُوْنَ عَلٰی مُتَابَعَۃِ السُّنَّۃِ"

(صوفیاء کے شیوخ کی ایک جماعت کا ہم نے ذکر کر دیا ہے۔ ان کا ذکر کرنے سے ہماری غرض یہ ہے کہ لوگوں کو آگاہ کر دیا جائے کہ تمام کے تمام صوفیاء اس بات پر متفق ہیں کہ شریعت کی تعظیم کی جائے۔ یہ لوگ طرح طرح کی ریاضتیں کرتے ہیں اور اتباع سنت پر کاربند رہتے ہیں) [۲]

۱۰۔ امام نوویؒ کی رائے

شیخ الاسلام محی الدین نوویؒ شارح صحیح مسلم اپنی کتاب بستان العارفین میں لکھتے ہیں، معتبر روایات سے جس قدر کرامات ہم تک شیخ عبدالقادر جیلانیؒ کے متعلق پہنچی ہیں، اس قدر کسی اور کے متعلق نہیں پہنچیں۔ ان کے لاتعداد مرید تھے اور تمام مشائخ اور علماء کا ان کی تعظیم و تکریم کرنے پر اتفاق ہے۔ ہر جہت اور ہر ملک سے لوگ ان کی زیارت کے لئے اور مرادیں لے کر آتے۔ ہر طرف سے اہل سلوک کھچے چلے آتے تھے۔ کلام شرع اور احکام شرع کی شدت سے پیروی کرتے۔ اہل علم کی تعظیم کرتے، دیندار اور متبع سنت کی قدر کرتے۔ اہل بدعت اور اہل ہوا کو برا جانتے۔ مختصر یہ کہ ان کے زمانہ میں ان جیسا کوئی شخص نہ تھا۔ [۳]

---

[۱] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۳۔

[۲] رسالہ قشیریہ، صفحہ ۳۳۔

[۳] فتح المجید، جلد ۱، صفحہ ۳۲

۱۱۔ شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کا قول:

شیخ سعد الدین حمویؒ سے کسی نے پوچھا کہ محی الدین ابن عربیؒ کو آپ نے کیسا پایا؟ جواب دیا: وہ ایک موجزن سمندر ہیں جس کی کوئی انتہا نہ ہو۔ پھر پوچھا شیخ شہاب الدین سہروردیؒ کو کیسا پایا؟ تو جواب دیا:

"نُوْرُ مُتَابَعَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ جَبِيْنِ السُّهْرَوَرْدِيِّ شَيْءٌ اٰخَرُ"

(سہروردیؒ کی پیشانی میں اطاعت رسول کا نور کچھ اور ہی دکھائی دیتا ہے)

سہروردیؒ عوارف المعارف کے خطبہ میں فرماتے ہیں:

"ثُمَّ اِنَّ اِيْثَارِيْ لِهَدْيِ هٰؤُلَآءِ الْقَوْمِ وَ مُحَبَّتِيْ لَهُمْ عِلْمًا بِشَرْفِ حَالِهِمْ وَ صِحَّةِ طَرِيْقَتِهِمُ الْمُبْنِيَةِ عَلَى الْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ وَ الْمُحَقِّقِ بِهِمَا مِنَ اللّٰهِ الْكَرِيْمِ الْفَضْلُ وَ الْمِنَّةُ هَدَانِيْ اَنْ اَذُبَّ عَنْ هٰذِهِ الْعِصَابَةِ بِهٰذِهِ الصَّبَابَةِ وَ اُؤَلِّفَ اَبْوَابًا فِي الْحَقَائِقِ وَالْاٰدَابِ مُعْرِبَةً عَنْ وَجْهِ الصَّوَابِ فِيْمَا اِعْتَمَدُوْهُ مُشْعِرَةً بِشَهَادَةِ صَرِيْحِ الْعِلْمِ لَهُمْ فِيْمَا اَعْتَقَدُوْهُ حَيْثُ كَثُرَ الْمُتَشَبِّهُوْنَ وَ اخْتَلَفَتْ اَحْوَالُهُمْ وَ تَسَتَّرَ بِزِيِّهِمُ الْمُتَسَتِّرُوْنَ وَ فَسَدَتْ اَعْمَالُهُمْ وَ سَبَقَ اِلٰى قَلْبِ مَنْ لَّا يَعْرِفُ اُصُوْلَ سَلَفِهِمْ سُوْءَ ظَنٍّ وَّ كَادَ لَا يَسْلِمُ مِنْ وَقِيْعَةٍ فِيْهِمْ وَ طَعْنٍ ظَنًّا مِنْهُ اَنَّ حَاصِلَهُمْ رَاجِعٌ اِلٰى مُجَرَّدِ رَسْمٍ وَ تَخَصُّصِهِمْ عَائِدٌ اِلٰى مُطْلَقِ اِسْمٍ"[1]

(مجھے ان (صوفیاء کے حال کی بزرگی کا علم تھا اور میں یہ بھی جانتا تھا کہ ان کا طریقہ صحیح ہے اور اس کی بنیاد کتاب و سنت پر ہے اور انہیں دو کی بدولت اللہ کی طرف سے فضل اور احسان ہوتا ہے اس لئے میں ان کے طریقہ کو اپناتا اور ان سے محبت کرتا تھا اور اسی بات نے مجھے مجبور کیا کہ میں اس مختصری کتاب کے ذریعے سے ان لوگوں کی حمایت کروں اور حقائق و آداب کے متعلق چند ابواب تالیف کروں تا کہ جن امور میں لوگوں نے بے اعتدالی کی ہے ان میں انہیں صحیح راہ کا پتہ چل جائے اور انہیں یہ بھی معلوم ہو جائے کہ ان کے جو عقائد ہیں ان کے متعلق ان کے پاس صریح علم کی شہادت موجود ہے۔ اس لئے کثرت سے ایسے لوگ پائے جاتے ہیں جنہوں نے صوفیاء کا سارا طریقہ اختیار کر رکھا ہے مگر درحقیقت ان کے حالات صوفیاء سے مختلف ہیں اور کچھ لوگ صوفیاء کے لباس میں لوگوں کے سامنے آ رہے ہیں، حالانکہ یہ لوگ بداعمال ہیں جس کی وجہ سے ان لوگوں کے دلوں میں جو صوفیاء کے

---

[1] عوارف المعارف، شہاب الدین سہروردی، متوفی ۶۳۲ھ، صفحہ ۱۳۳، مدینہ پبلشنگ کمپنی کراچی۔

اسلاف کے اصولوں سے ناواقف ہیں، بدگمانی پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے وہ صوفیاء کو برا کہنے لگ جاتے ہیں اور وہ یہ گمان کر بیٹھتے ہیں کہ تصوف محض ایک رسم ہے اور صوفی محض نام ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں)

۱۲۔ شیخ عبد القادر قوصیؒ اور اتباعِ سنت

شیخ عبد القادر قوصیؒ متوفی ۶۷۰ھ کا اتباعِ سنت میں یہ حال تھا کہ ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے ساتھ بیٹھے کھانا کھا رہے تھے، کھانے میں کدو بھی تھا۔ فرمایا: بیٹا! نبی ﷺ کو کدو بہت پسند تھا۔ بیٹے کی زبان سے نکل گیا کہ یہ تو ایک گندی چیز ہے، ان سے یہ الفاظ برداشت نہ ہو سکے کیونکہ ان میں شانِ نبوی ﷺ کے بارے میں تحقیر پائی جاتی تھی اور اسی وقت تلوار سے اپنے بیٹے کی گردن اڑا دی اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کو اپنے بیٹے کی جان سے بھی عزیز جانا۔[1]

۱۳۔ حضرت ابراہیم دسوقیؒ اور مقامِ سنت

حضرت سید ابراہیم بن ابی المجد قرشی دسوقیؒ جلیل القدر صوفی اور صاحبِ کرامات بزرگ گزرے ہیں۔ انہیں فارسی، عربی، سریانی، زنگی اور تمام پرندوں اور وحشی جانوروں کی بولیاں آتی تھیں۔ حضرت دسوقیؒ جب کسی مرید سے عہد لیتے تو ان الفاظ میں لیتے:

"یَافُلَانُ اُسْلُکْ طَرِیْقَ النُّسُکِ عَلٰی کِتَابِ اللّٰهِ وَسُنَّةِ نَبِیِّهٖ وَ اَقَامِ الصَّلٰوةِ وَ اِیْتَآءِ الزَّکٰوةِ وَصَوْمِ رَمَضَانَ وَالْحَجِّ اِلٰی بَیْتِ الْحَرَامِ وَاِتِّبَاعِ جَمِیْعِ الْاَوَامِرِ الْمَشْرُوْعَةِ وَ الْاَخْبَارِ الْمَرْضِیَّةِ وَالْاِشْتِغَالِ بِطَاعَةِ اللّٰهِ قَوْلاً وَّفِعْلاً وَّ اِعْتِقَادًا وَّلَاتَنْظُرْ یَا وَالِدِیْ اِلٰی زُخَارِفِ الدُّنْیَا وَمَطَایَاهَا وَمَلَابِسِهَا وَقُمَاشِهَا وَرِیَاشِهَا وَ حُظُوْظِهَا وَاتَّبِعْ نَبِیَّکَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِیْ اَخْلَاقِهٖ فَاِنْ لَّمْ تَسْتَطِیْعُ فَاتَّبِعْ خُلُقِ شَیْخِکَ فَاِنْ نَزَلْتَ عَنْ ذٰلِکَ هَلَکْتَ یَاوَلَدِیْ"[2]

(اے فلاں! عبادت کے طریقہ میں کتاب اللہ اور اس کے نبی کی سنت پر چلنا، نماز پڑھتے رہنا، زکوٰۃ ادا کیا کرنا، روزے رکھنا، بیت اللہ کا حج کرنا اور تمام شرعی اوامر اور احادیث مرضیہ کی تابعداری کرنا، قولاً اور فعلاً اور اعتقاداً ہر طرح سے اللہ کی اطاعت میں لگے رہنا۔ بیٹا! دنیاوی زخارف، سواریوں، لباس، زیب و زینت اور حظوظ کی طرف دھیان نہ کرنا، اپنے نبی محمد ﷺ کے اخلاق کی پیروی کرنا اگر اتنا نہ کر سکو تو کم از کم اپنے پیر کے اخلاق کی پیروی کر لینا اور اگر کہیں اس سے بھی نیچے گر گئے تو ہلاک ہو جاؤ گے)

---

[1] لواقح الانورا، جلد۱، صفحہ۱۳۹۔

[2] لواقح الانوار، جلد۱، صفحہ۱۵۱۔

ذرا غور فرمائیں کس قدر واضح الفاظ میں کتاب وسنت کی پیروی کرنے کا عہد لیا جا رہا ہے۔ ان امور کی پابندی کے باوجود اگر کسی سے بظاہر کوئی خلاف شریعت امر دکھائی دے تو اس کے متعلق فرماتے ہیں:

"وَلاَ یُقْدَحُ فِیْ صَاحِبِ الْخِرقَةِ اِلَّا اَنْ خَالَفَ صَرِیْحَ الْکِتَابِ وَ السُّنَّةِ اِخْتِیَارًا"

(صاحب خرقہ پر صرف اس وقت عیب جوئی کی جا سکتی ہے جب وہ کتاب وسنت کے صریح احکام کی خلاف ورزی کرے)[1]

۱۴۔ شیخ علی بن شہابؒ کا قول:

امام عبدالوہاب شعرانی کے دادا تھے۔ نہایت متقی اور پرہیز گار تھے، انہوں نے ستاسی سال کی عمر میں ۸۹۱ھ میں وفات پائی۔ ایک مرتبہ شیخ عبدالرحمٰن بن شیخ وہیب سطوحی جو اس وقت کے احمدیہ فرقہ کے رئیس تھے، ان کے شہر میں آ رہے تھے تو علی بن شہابؒ نے انہیں کہلا بھیجا:

"یَاشَیْخُ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ اِنْ کُنْتَ تَطْلَعُ بَلَدَنَا فَاطْلِعِهَا بِالْکِتَابِ وَ السُّنَّةِ وَ اِلَّا فَاَنْتَ مُهْجَرًا"

(اے شیخ عبدالرحمٰن اگر تو ہمارے شہر میں آنا چاہتا ہے تو کتاب وسنت کے ساتھ آنا ورنہ ہمارے اور تمہارے درمیان جدائی ہوگی)[2]

۱۵۔ حضرت محمد عنانؒ کا فرمان

شیخ محمد عنانؒ اپنے زمانے کے بہت بڑے عابد اور زاہد تھے۔ ان کی کرامات مشہور ہیں۔ انہوں نے ایک سو دس برس کی عمر میں ۹۲۲ھ میں وفات پائی۔ ان کے پاس اگر کوئی راہ طریقت کی تلاش میں آتا تو فرماتے: "یہ لوگ راہ حق سے مذاق کرتے ہیں" اور کسی کو ذکر کی تلقین نہ کرتے۔ شیخ احمد بخاریؒ قرآن مجید لے کر ان کے پاس آئے اور کہا تمہیں اس خدا کی قسم جس کا یہ کلام ہے کہ مجھے ضرور ذکر کی تلقین فرمائیں۔ شیخؒ نے جب اللہ کی قسم کا لفظ سنا تو بے ہوش ہو کر گر پڑے پھر اٹھ کر فرمایا:

"یَا وَلَدِیْ الطَّرِیْقُ مَاهِیَ بِهٰذَا اِنَّمَا هِیَ بِاِتِّبَاعِ الْکِتَابِ وَ السُّنَّةِ"

(بیٹا! راہ طریقت یہ نہیں۔ کتاب اللہ اور سنت رسول ﷺ کی تابعداری ہی کا نام طریقت ہے)[1]

---

[1] لواقح الانوار، جلد۱، صفحہ ۱۵۱۔

[2] لواقح الانوار، جلد۲، صفحہ ۱۰۳۔

۱۶۔ حضرت ابوبکر حدیدیؒ اور اتباع سنت:

شیخ ابوبکر حدیدیؒ کبار صوفیاء سے تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے شیخ محمد العدلؒ کو دیکھا کہ وہ کسی بیمار عورت کا پیٹ ٹٹول رہے تھے۔ اس پر انہوں نے بلند آواز سے کہا: ”اے محمد! ہائے دین۔ اے عدل خدائی بزرگ تمہارے اوپر ہے۔ محمد عدلؒ نے جواب دیا: ”میں نے کوئی بری نیت سے تو نہیں ٹٹولا فرمایا: کیا تو معصوم ہے، ہم تو سنت کے ظاہری حکم کو جانتے ہیں“ [۲]

۱۷۔ حضرت ابن داؤد منزلاویؒ اور اتباع سنت:

امام شعرانیؒ ابن داؤدؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

”كَانَ سَيِّدِيْ مُحَمَّدُ بْنُ دَاوُدُ يُضْرِبُ بِهِ الْمَثَلُ فِيْ اِتِّبَاعِ الْكِتٰبِ وَالسُّنَّةِ وَوَلَدُهٗ الشَّيْخُ شِهَابُ الدِّيْنِ كَانَ يُضْرَبُ بِهِ الْمَثَلُ فِيْ اِتِّبَاعِ الْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ وَ مَارَاَيْتُ فِيْ عَصْرِيْ هٰذَا اَضْبَطَ مِنْهُ لِلسُّنَّةِ“

(سیدی محمد بن داؤد! اتباع کتاب وسنت میں ضرب المثل تھے۔ اس طرح ان کے بیٹے شیخ شہاب الدینؒ بھی کتاب وسنت کی اتباع میں ضرب المثل تھے۔ میں نے اپنے زمانہ میں ان سے بڑھ کر کسی کو سنت پر کاربند نہیں دیکھا) [۳]

پھر آگے چل کر شہاب الدینؒ کے متعلق لکھتے ہیں:

”كَانَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ مُلَازِماً لِلْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ مَارَاَتْ عَيْنِيْ بَعْدُ الشَّيْخِ مُحَمَّدِ بْنُ عَنَانٍ اَضْبَطَ لِلسُّنَّةِ مِنْهُ“

(یہ ہمیشہ کتاب وسنت پر کاربند تھے۔ میری آنکھوں نے شیخ محمد بن عنانؒ کے بعد ان سے زیادہ محافظ سنت نہیں دیکھا) [۴]

اس کے بعد شعرانیؒ لکھتے ہیں کہ چالیس سال تک میں ان کی صحبت میں رہا مگر میں نے انہیں کبھی بھی مسنون طریقہ سے منحرف ہوتا نہیں پایا۔ خود منزلاویؒ فرماتے ہیں:

”مَنْ اَرَادَ حِفْظَ السُّنَّةِ فَلْيَعْمَلْ بِهَافَاِنَّهَا تَتَقَيَّدُ عِنْدَهٗ وَ لَا يَنْسَاهَا“

---

[۱] لواقع الانوار، جلد۲، صفحہ ۱۱۹۔

[۲] لواقع الانوار، جلد۱، صفحہ ۱۹۔

[۳] لواقع الانوار، جلد۲، صفحہ ۱۱۴۔

[۴] لواقع الانوار، جلد۲، صفحہ ۱۶۹۔

(جو شخص سنت کی محافظت کرنا چاہے وہ اس پر عمل کرے کیونکہ اس طرح سنت محفوظ ہو جاتی ہے اور بھولتی نہیں)۔ [۱]

۱۸۔ حضرت امام شعرانیؒ اور سنت مبارکہ:

امام عبدالوہاب شعرانیؒ بہت بڑے عالم اور صوفی ہوئے ہیں۔ ان کی متعدد تصانیف ہیں۔ سنت رسول اللہ ﷺ کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں:

(ا) ’’وَاعْلَمْ اَنَّ طَرِیْقَ الْقَوْمِ عَلٰی وَفْقِ الْکِتَابِ وَ السُّنَّةِ فَمَنْ خَالَفَھَا خَرَجَ عَنِ الصِّرَاطِ الْمُسْتَقِیْمِ‘‘

(یاد رکھو کہ صوفیاء کا طریقہ کتاب و سنت کے عین مطابق ہے جس نے کتاب و سنت کے خلاف کیا وہ راہ مستقیم سے بھٹک گیا) [۲]

(ب) ’’فَرَحِمَ اللّٰہُ اِمْرَءً رَاٰ فِیْھَا شَیْئًا یُخَالِفُ ظَاھِرَ الْکِتَابِ وَ السُّنَّةِ وَ اَصْلَحَہٗ وَ لٰکِنْ بِشَرْطِ اَنْ یَّکُوْنَ عَلٰی یَقِیْنٍ وَّ مَعْرِفَةٍ لَیْسَ فِیْہِ شَکٌّ‘‘

(خدا اس شخص پر رحم کرے جس نے اس کتاب میں کتاب و سنت کے خلاف کوئی بات پائی اور اس نے اس کی اصلاح کر دی بشرطیکہ اسے اس قدر یقین اور معرفت حاصل ہو کہ اسے کسی قسم کا شک و شبہ نہ ہو کہ یہ امر کتاب و سنت کے خلاف ہے) [۳]

(ج) ’’فَلَوْ رَأَیْنَا الصُّوْفِیَ یَتَرَبَّعُ فِی الْھَوَآءِ لَا نَعْبَأُ بِہٖ اِلَّا اَنْ اِمْتَثَلَ اَمْرَ اللّٰہِ تَعَالٰی وَاجْتَنَبَ نَھْیَہٗ فِی الْمُحَرَّمَاتِ الْوَارِدَةِ فِی السُّنَّةِ مُخَاطِباً کُلَّ الْخَلْقِ الْمُکَلَّفِیْنَ لَا یَخْرُجُ عَنْ ذٰلِکَ اَحَدٌ مِّنْھُمْ وَ مَنْ اَدَّعٰی اَنَّ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اللّٰہِ تَعَالٰی حَالَةٌ اَسْقَطَتْ عَنْہُ التَّکَالِیْفُ الشَّرْعِیَّةِ مِنْ غَیْرِ ظُھُوْرِ مَادَّةٍ تُصَدِّقُہٗ عَلٰی دَعْوَاہُ فَھُوَ کَاذِبٌ‘‘

(اگر ہم صوفی کو ہوا پر چوکڑی لگائے بیٹھے ہوئے بھی کیوں نہ دیکھ لیں تب بھی اس کا کچھ اعتبار نہ کریں گے البتہ اگر وہ محرمات کے ترک کرنے کا حکم کرتا ہو اور سنت نبوی میں جن محرمات سے منع کیا گیا ہے ان سے پرہیز کرتا ہو اور تمام مخلوق خدا کو محرمات کے ترک کرنے کا حکم کرتا ہو تب مان جائیں گے۔ اس لئے کہ کوئی شخص بھی احکام

---

[۱] لواقح الانوار، جلد۲، صفحہ۱۱۹، بیروت۔

[۲] الانوار القدسیہ، امام عبدالوہاب الشعرانی، جلد۱، صفحہ۳۱، بیروت۔

[۳] الانوار القدسیہ، جلد۱، صفحہ۳۱، بیروت۔

سے مستثنیٰ نہیں ہے اور اگر کوئی شخص یہ دعویٰ کرے کہ اللہ اور اس کے درمیان ایک حالت ہے جس کی وجہ سے تمام احکام شرعیہ اس سے ساقط ہو چکے ہیں اور اس کے پاس اس دعویٰ کی تصدیق میں کوئی ظاہری علامت بھی نہ پائی جاتی ہو تو وہ شخص کاذب ہے)[1]

(د) ''وَظُهُوْرُ الْكَرَامَةِ لَيْسَتْ لِشَرْطِ الْوَلَايَةِ اِنَّمَا يُشْتَرَطُ اِمْتِثَالُ اَوَامِرِ اللّٰهِ وَ اجْتِنَابُ نَوَاهِيْهِ فَيَكُوْنُ اَمْرُهٗ مَضْبُوْطًا عَلَى الْكِتَابِ وَ السُّنَّةِ فَمَنْ كَانَ كَذٰلِكَ فَالْقُرْاٰنُ شَاهِدٌ بِوَلَايَتِهٖ''

(ولی کے لئے کرامت کا ظاہر ہونا شرط نہیں اگر شرط ہے تو یہ کہ وہ احکام خداوندی کی تابعداری کرے اور نواہی سے پرہیز کرے تا کہ اس کی حالت کتاب و سنت سے مطابقت کی وجہ سے پختہ ہو لہٰذا جس شخص کا یہ حال ہوگا تو اس کی ولایت پر قرآن گواہ ہے)[2]

۱۹۔ ابن عربیؒ اور سنت مبارکہ

ابن عربیؒ نے شریعت اور کتاب و سنت کی پابندی پر بہت زور دیا ہے۔ اب میں یہاں ان کی معرکۃ الآراء کتاب فتوحات مکیہ میں سے چند عبارتیں پیش کرتا ہوں:

(الف) ''وَلَقَدْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِرَسُوْلِهٖ وَ مَا جَآءَ بِهٖ مُحَمَّداً وَّمُفَصَّلاً مِمَّا وَصَلَ اِلَيْنَا مِنْ تَفْصِيْلِهٖ وَ مَا لَمْ يَصِلْ اِلَيْنَا اَوْلَمْ يَثْبُتْ عِنْدَنَا فَنَحْنُ مُؤْمِنُوْنَ بِكُلِّ مَا جَآءَ بِهٖ فِيْ نَفْسِ الْاَمْرِ''

(ابن عربیؒ اپنی کیفیت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: ہم اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے ہیں اور ان امور پر ایمان لائے ہیں جو ہمارے پاس مجمل یا مفصل طور پر پہنچے خواہ ان کی تفصیل ہم تک پہنچی ہے یا نہیں پہنچی یا ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہوئی۔ ہم ان تمام امور پر ایمان لائے ہیں جنہیں درحقیقت آنحضرت ﷺ لے کر آئے)

(ب) ابن عربیؒ نے فتوحات مکیہ کے آخری باب (باب ۵۶) میں تقریباً دو سو وصیتیں دی ہیں۔ یہ وصیتیں اگرچہ تمام کی تمام نہایت قابل قدر ہیں، مگر یہاں صرف ایک ہی نقل کی جاتی ہے:

''عَلَيْكَ بِالْاِقْتِدَآءِ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَاٰلِهٖ وَسَلَّمَ فِيْ اَحْوَالِهٖ وَاَقْوَالِهٖ وَ اَفْعَالِهٖ

---

[1] الانوار القدسیہ، جلد ۱، صفحہ ۳۸۔

[2] الانوار القدسیہ، جلد ۱، صفحہ ۳۸۔

اِلَّا مَانَصَّ عَلَيْهِ مِنْهُ مُخْتَصٌّ بِهٖ مِمَّا لَا يَجُوْزُلَنَا اَنْ نَّفْعَلَهٗ"

(تم پر آنحضرت ﷺ کے احوال، اقوال اور افعال میں اقتداء کرنا لازم ہے۔ سوائے ان امور کے جن کے متعلق آپ ﷺ نے صریح طور پر فرمادیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کی خصوصیات میں سے تھے اور جن کا ذکر کرنا ہمارے لئے جائز نہیں)

(ج) باب ۵۶۰ کی ابتداء میں ابن العربی لکھتے ہیں:

"عَلَيْکَ بِمُلَازَمَةِ مَا افْتَرَضَهُ اللّٰهُ عَلَيْکَ عَلَى الْوَجْهِ الَّذِىْ اَمَرَکَ اَنْ تَقُوْمَ فِيْهِ فَاِذَا اَكْمَلْتَ نَشْاَةَ فَرَائِضِکَ وَ كَمَالَهَا فَرَضَ حِيْنَئِذٍ عَلَيْکَ (اَنْ) تَتَفَرَّغَ مَابَيْنَ الْفَرْضَيْنِ لِنَوَافِلِ الْخَيْرَاتِ كَانَتْ مَا كَانَتْ"

(جو امور اللہ تعالیٰ نے تم پر فرض کیے ہیں انھیں اسی طرح ادا کرو جس طرح اللہ تعالیٰ نے ادا کرنے کا حکم دیا ہے جب تم فرائض کو پورا کر چکو تو دو فرضوں کے درمیان نوافل کی طرف توجہ دو خواہ وہ کیسے ہوں)

(د) علامہ ابن عربیؒ باب ۱۶۴ فی معرفہ مقام التصوف میں لکھتے ہیں:

"قَالَ اَهْلُ الطَّرِيْقِ اللّٰهِ التَّصَوُّفُ خُلُقٌ فَمَنْ زَادَ عَلَيْکَ فِى الْخُلُقِ زَادَ عَلَيْکَ فِى التَّصَوُّفِ وَسُئِلَتْ اُمُّ الْمُؤْمِنِيْنَ عَائِشَةَ عَنْ خُلُقِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ وَاِنَّ اللّٰهَ اَثْنٰى عَلَيْهِ بِمَا اَعْطَهُ مِنْ ذَالِکَ فَقَالَ "وَاِنَّکَ لَعَلٰى خُلُقٍ عَظِيْمٍ" وَمِنْ شَرْطِ الْمَنْصُوْتِ بِالتَّصَوُّفِ اَنْ يَّكُوْنَ حَكِيْماً ذَا حِكْمَةٍ فَاِنْ لَّمْ يَكُنْ فَلَا حَظَّ لَهٗ فِىْ هٰذَا اللَّقَبِ فَاِنَّهٗ حِكْمَةٌ كُلُّهٗ فَاِنَّهٗ اَخْلَاقٌ وَ هِىَ تَحْتَاجُ اِلٰى مَعْرِفَةٍ تَامَّةٍ وَ عَقْلٍ رَاجِحٍ وَّ حُضُوْرٍ وَ تَمَكُّنٍ قَوِيٍّ مِنْ نَّفْسِهٖ حَتّٰى لَا يَحْكُمَ عَلَيْهِ الْاَغْرَاضُ النَّفْسِيَّةُ وَ يَجْعَلَ الْقُرْاٰنَ اَمَامَهٗ صَاحِبُ هٰذَا الْمَقَامِ"

(اہل طریقت کہتے ہیں کہ تصوف ہمہ تن خلق ہے جس کے اخلاق تم سے بہتر ہوں گے وہ تم سے بہتر صوفی ہوگا۔ ام المومنین عائشہ رضی اللہ عنہا سے آپ ﷺ کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا گیا تو فرمایا: قرآن آپ ﷺ کا خلق تھا۔ نیز جو اخلاق اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو عطا کیے ہیں، ان کی تعریف یوں فرمائی ہے "آپ (ﷺ) کے اخلاق بہت بلند ہیں" اور جو شخص تصوف کی صفت سے موصوف ہو اس کے لئے دانا ہونا بھی ضروری ہے۔ اگر ایسا نہیں تو صوفی کا لقب اسے نہیں دیا جاسکتا۔ اس لئے کہ تصوف ہمہ تن حکمت ہے۔ کیونکہ اس میں اخلاق پائے جاتے ہیں اور اخلاق کے لئے معرفت تامہ عقل راجح و حاضر اور اپنے نفس پر قابو

پانا ضروری ہے تاکہ خواہشات نفسانیہ اس پر قابو نہ پالیں۔ مقام تصوف والے انسان کو چاہیے کہ وہ قرآن مجید کو اپنی نگاہ میں رکھے)

ابن العربیؒ کی کتابوں میں سے ہم بے شمار مثالیں پیش کر سکتے ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ وہ کتاب وسنت کے متبع تھے اور دوسروں کو بھی اس کی تلقین کرتے تھے۔

۲۰۔ حضرت علی الخواصؒ اور سنت مبارکہ

حضرت عبدالوہاب شعرانیؒ کے پیر علی الخواصؒ بر لسی امی تھے نہ لکھنا جانتے تھے نہ پڑھنا۔ اس کے باوجود جب قرآن مجید اور حدیث نبوی ﷺ کے معانی پر گفتگو کرتے تو بڑے بڑے علماء بھی انگشت بدنداں رہ جاتے۔ حضرت علی الخواصؒ فرماتے ہیں:

”لَا یَکْمَلُ الْفَقِیْرُ فِیْ بَابِ الْاِتِّبَاعِ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ حَتّٰی یُصِیْرَ مَشْھُوْدًا لَہٗ فِیْ کُلِّ عَمَلٍ مَّشْرُوْعٍ وَیَسْتَاْذِنُہٗ فِیْ جَمِیْعِ اُمُوْرِہٖ مِنْ اَکْلٍ وَّ لُبْسٍ وَ جِمَاعٍ وَّ دُخُوْلٍ وَّ خُرُوْجٍ فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِکَ شَارَکَ الصَّحَابَۃَ فِیْ مَعْنَی الصُّحْبَۃِ“

(کوئی فقیر رسول اللہ ﷺ کی اتباع میں اس وقت تک کامل نہیں ہو سکتا جب تک ہر مشروع عمل میں آنحضرت ﷺ اس کی نگاہ میں نہ ہوں اور اپنے تمام امور میں مثلاً کھانا، لباس، جماع اور دخول و خروج میں آنحضرت ﷺ سے اذن حاصل نہ کرے۔ پس جس نے ایسا کر لیا، وہ صحبت نبوی ﷺ میں صحابہ ؓ کا شریک ہو گیا)[۱]

۲۱۔ شیخ بقاءؒ بن بطومؒ (م۵۵۲ھ)

آپ کے متعلق شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ:

”اکثر مشائخ کو اللہ تعالیٰ نے ناپ تول کر معرفت عطا کی ہے مگر انہیں بغیر اندازے کے ہی عطا کر دی گئی ہے“۔ آپ کا طریقہ بھی کتاب وسنت کے مطابق تھا۔

۲۲۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (۵۶۱ھ)

آپ کا طریقہ ہر دم اور ہر لحظہ کتاب وسنت کی موافقت کرنا تھا۔ شیخ موصوف کے متعلق امام نوویؒ فرماتے ہیں:

”آپ کلام شرع اور احکام شرع کی شدت سے پیروی کرتے تھے اور دیندار اور متبع سنت کی قدر

---

[۱] لواقع الانوار، جلد۲، صفحہ۳۷۔

کرتے تھے"

۲۳۔ شیخ احمد ملثمؒ (۶۰۰ھ)

آپ نے ۴۰۰ سال عمر پائی۔ آپ کے والد ممالک مشرق میں بادشاہ تھے مگر شیخ احمدؒ نے فقر اختیار کیا تھا۔ فرماتے ہیں کہ:

"نہ کوئی قطب، قطب بن سکا نہ اوتار، اوتار اور نہ ولی، ولی جب تک کہ اس نے رسول اللہ ﷺ کی تعظیم نہیں کی اور آنحضرت ﷺ کی معرفت حاصل نہ کی اور جب تک آپ ﷺ کی شریعت کی تعظیم نہیں کی اور اس کے آداب بجا نہیں لایا"

۲۴۔ حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ

آپؒ سے کسی نے پوچھا کہ ہم اتنے سال آپ کے پاس گزار چکے ہیں مگر آپ کی کوئی کرامت مشاہدہ میں نہیں آئی۔ آپؒ نے فرمایا "کیا تم نے میرا کوئی فعل یا عمل قرآن وسنت کے خلاف دیکھا ہے؟ کہا نہیں۔ فرمایا "یہی سب سے بڑی کرامت ہے"

۲۵۔ حضرت بایزید بسطامیؒ

آپ کے بارے میں حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا ہے کہ:

"بایزیدؒ ہم میں ایسی عظمت کے مالک ہیں جیسے فرشتوں میں جبرئیل علیہ السلام"

علامہ اقبالؒ حضرت بایزید علیہ الرحمہ کی نسبت کے متعلق فرماتے ہیں کہ:

بنور تو بر افروزم نگہ را — کہ بینم اندرونِ مہر و ماہ را
(تمہارے نور سے میں اپنی آنکھ کو چمک دیتا ہوں کہ میں جہانِ مہر و ماہ کے باطن کا معائنہ کرلوں)
چو می گویم مسلمانم بلرزم — کہ دانم مشکلات لا الٰہ را
(جب میں اپنے آپ کو مسلمان کہتا ہوں تو مجھ پر لرزہ طاری ہو جاتا ہے کیونکہ میں لا الٰہ کی مشکلات کو جانتا ہوں) ا۔ح:۵۹

آپؒ فرماتے ہیں کہ میں نے تیس سال مجاہدہ کیا مگر مجھ پر کوئی چیز سخت ترین محسوس نہ ہوئی سوائے علم اور اس کی اتباع کے۔

۲۶۔ حضرت علی ہجویری المعروف بہ داتا گنج بخشؒ

آپ نے فرمایا کہ کوئی صوفی ایسا نہیں ہے جو شریعت اور طریقت میں فرق کرتا ہو، اس لئے کہ شریعت بغیر طریقت کے مکمل نہیں اور طریقت بغیر شریعت کے حقیقت نہیں۔ جب طریقت اور شریعت میں

فرق کیا جانے لگا تو ایک کو رد کر کے دوسرے کو قبول کرنا ہوگا۔ یاد رکھو ردِ شریعت الحاد خالص ہے اور ردِ حقیقت شرک۔ فرق صرف معنوی ہے۔ جیسے کہتے ہیں کہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ حقیقت ہے اور محمد رسول اللہ شریعت ہے۔ اگر کوئی چاہے کہ ایمان رکھ کر ایک کو دوسرے سے جدا کر دے تو یہ ناممکن ہے۔ آپ ؒ مزید فرماتے ہیں کہ جہنم میں خیمہ لگا کر بیٹھنا آسان ہے اس سے کہ ایک مسئلہ شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کرے۔ آپ کی مراد یہ ہے کہ جہنم میں رہنا آسان ہے مگر شریعت پر عمل کرنا مشکل کام ہے۔

۲۷۔ حضرت ابو علی شفیق ؒ

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی اطاعت کرنے والوں کو موت کے اندر بھی زندہ فرمایا ہے اور اہل معصیت کو اپنی زندگی میں بھی مردہ، ہونا کہا ہے۔

۲۸۔ حضرت ابوبکر محمد بن عمر وراق ؒ

آپ فرماتے ہیں کہ ”لوگ تین قسم کے ہیں۔ (۱) علماء (۲) امراء (۳) فقراء۔ جب علماء میں فساد ہوگا تو اطاعت الٰہی اور شریعت مطہرہ میں فساد ہوگا اور جب امراء میں فساد ہوگا تو لوگوں کی معاش خراب ہو جائے گی اور جب فقراء بگڑ گئے تو لوگوں کے اخلاق و عادات خراب ہو جائیں گے“۔ امراء کا فساد ظلم وستم ہے، علماء کا فساد حرص و آرزو اور طمع ہے اور فقراء کا فساد ریاست اور جاہ طلبی ہے۔ امراء کا فساد بے دینی اور ریا کی وجہ سے اور بے توکلی کی وجہ سے ہوگا۔ فرمایا بادشاہ بے علم، عالم بے عمل اور فقیر بے توکل شیطان کے ساتھی ہیں۔

۲۹۔ شیخ ابوالحسن شاذلی ؒ (متوفی ۶۵۶ھ)

آپ نے شاذلی سلسلہ کی بنیاد ڈالی۔ افریقہ میں شاذلہ ایک قصبہ ہے۔ آپ وہاں کے باشندے تھے۔ ”حزب البحر“ مشہور دعاء، آپ ہی کی لکھی ہوئی ہے۔ بہت بڑے عارف باللہ تھے۔ فرماتے ہیں کہ:

”جب تمہارا کشف کتاب وسنت کے خلاف ہو تو کتاب وسنت پر پابند رہو اور اپنے کشف کو چھوڑ دو“۔ اس سے کتاب وسنت کی اہمیت واضح ہوتی ہے۔

۳۰۔ عبداللہ بن مبارک ؒ

آپ فرماتے ہیں کہ:

”جو ادب سے غفلت برتتا ہے اس کو یہ سزا ملتی ہے کہ وہ سنتوں سے محروم رہ جاتا ہے اور جو سنتوں سے غفلت برتتا ہے اس کو فرائض سے محروم کر دیا جاتا ہے اور فرائض سے غفلت برتنے والے کو معرفت سے محروم کر دیا جاتا ہے“

۳۱۔ حضرت مجدد الف ثانی علیہ الرحمہ

۱۔ آپ اپنے مکتوب ۵۵ دفتر دوم، حصہ ہفتم میں فرماتے ہیں کہ جو شریعت کی پابندی کرتا ہے وہ صاحب معرفت ہے۔ جتنی پابندی زیادہ کرے، اتنی ہی معرفت زیادہ ہوگی۔ سستی کرنے والا معرفت سے بے نصیب ہے اور اگر وہ کچھ اپنے خیال کے مطابق کوئی کمال رکھتا ہو تو وہ استدراج ہے جس میں جوگی برہمن بھی شریک ہیں۔ ہر وہ حقیقت جس کو شریعت رد کردے، بے دینی اور الحاد ہے۔

۲۔ مکتوب ۴۱، دفتر اول، حصہ دوم میں ارشاد فرماتے ہیں کہ باطن ظاہر کو تمام و کمال تک پہنچانے والا ہے۔ ظاہر و باطن آپس میں بال برابر بھی ایک دوسرے کے ساتھ مخالفت نہیں رکھتے۔ مثلاً زبان سے جھوٹ نہ بولنا شریعت ہے اور دل سے جھوٹ کا خیال دور رکھنا طریقت اور حقیقت ہے۔ اگر دل سے یہ نفی تکلف اور مشقت سے ہے تو طریقت ہے اور اگر بے تکلف میسر ہے تو حقیقت ہے۔ (کوئی عمل شریعت کے خلاف ہو تو وہ امور سکر اور غلبہ حال پر مبنی ہے)

۳۲۔ حضرت بشر حافیؒ

آپ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ اے بشر کیا تو جانتا ہے کہ تجھے اللہ تعالیٰ نے تیرے ہم عصروں میں کیوں ممتاز کیا ہے؟ میں نے کہا یارسول اللہ ﷺ میں نہیں جانتا۔ فرمایا اس لئے کہ تو صلحاء فقراء کی خدمت کرتا ہے اور اپنے بھائیوں کی خیر خواہی کرتا ہے اور یاروں دوستوں سے محبت کرتا ہے اور میری سنت کی پیروی کرتا ہے۔ پھر فرمایا جس نے میری سنت و طریقہ سے محبت رکھی، گویا مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھے دوست رکھا وہ قیامت کے دن میرے ساتھ جنت میں ہوگا[1]

۳۳۔ حضرت سہیلؒ

آپ کا ارشاد ہے کہ اللہ کی محبت کی علامت قرآن سے محبت ہے۔ اللہ اور قرآن کی محبت کی علامت رسول اللہ ﷺ کی محبت ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت کی علامت آپ ﷺ کی سنت کی پیروی کی محبت ہے۔ سنت کی محبت کی علامت آخرت کی محبت ہے۔ آخرت کی محبت کی علامت دنیا کو ترک کرنا ہے اور دنیا کے ترک کرنے کی علامت یہ ہے کہ دنیا کو آخرت کا سفینہ سمجھے یا آخرت کا زادِ راہ سمجھے۔

۳۴۔ شیخ علی بن ابی بکرؒ

---

[1] الاعتصام، ابو اسحاق شاطبی، متوفی ۷۹۰، جلد ۱، صفحہ ۱۰۹، المکتبۃ التجاریہ الکبریٰ، مصر۔

''معارج البدایہ'' میں آپ نے فرمایا ہے کہ ''ہر انسان کا حسن و کمال تمام امور میں ظاہراً و باطناً، اصولاً و فروعاً، عقلاً و فعلاً، عادتاً و عبادتاً، کامل اتباع رسول ﷺ میں مضمر ہے''۔

محال است سعدیؒ کہ راہ صفا   تواں رفت جز درپئے مصطفی

اعلیٰ حضرتؒ فرماتے ہیں:

خدا کی رضا چاہتے ہیں دو عالم   خدا چاہتا ہے رضائے محمدؐ

۳۵۔ حضرت خواجہ محمد معصوم سرہندیؒ (فرزند مجدد الف ثانیؒ)

۱۔ آپؒ اتباعِ سنّت اور سنّتِ رسول ﷺ کی اہمیت کے ضمن میں مکتوب نمبر ۱۱۰ میں یوں رقم طراز ہیں:

''ہر وہ شیخ جو مسند مشیخیت پر بیٹھا ہو اور اس کا عمل موافق سنّتِ رسول ﷺ نہ ہو اور وہ خود زیورِ شریعت سے آراستہ نہ ہو تو ایسے شخص سے ہمیشہ دور رہنا چاہئے بلکہ احتیاطاً اس شہر میں بھی نہ رہنا چاہئے جس میں ایسا مکار رہتا ہو۔ ایسا نہ ہو کہ کچھ عرصے بعد اس کی طرف دل کا میلان ہو جائے اور کارخانہ روحانیت خلل پذیر ہو جائے۔ پس اگر اس شخص کو بظاہر دنیا سے دور بھی دیکھو تب بھی اس کی صحبت سے ایسے بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو''

۲۔ حضرت خواجہ صاحب مکتوب نمبر ۱۰ میں لکھتے ہیں کہ:

''اگر کوئی شخص ہزار فضائل و خوارق رکھتا ہو اور متابعتِ رسول ﷺ میں سست ہو اس شخص کی صحبت و محبت سمِ قاتل ہے اور جو کوئی بھی فضیلت و کرامت نہ رکھتا ہو لیکن اتباع رسول ﷺ میں اس قدم راسخ ہو اس کی صحبت و محبت ''تریاق نافع'' ہے''

۳۔ حضرت خواجہ محمد معصومؒ مذکورہ مکتوب ۱۱۰ میں مزید لکھتے ہیں کہ:

''آداب نبوی ﷺ کا خیال نہ رکھنے والے اور سنن مصطفوی ﷺ کو چھوڑنے والے کو ہرگز، ہرگز ''عارف یا ولی اللہ'' تصور نہیں کرنا چاہئے اور اس کے ظاہری تجمّل و انقطاع، خوارقِ عادات، زہد، توکل اور زبانی معارف توحیدی پر فریفتہ و شیفتہ ہو کر نہیں پھرنا چاہئے کیونکہ ہر چیز کا مدار اِتباع شریعت اور پیروئ سنت سے مربوط ہے''

پابندی سنت کی عظمت کے بارے میں دیگر آئمہ کے اقوال بھی ملتے ہیں مگر مذکورہ آئمہ کے اقوال پر ہی اکتفا کیا جا رہا ہے۔

نواں باب

سنت رسول ﷺ پر چند مزید
آئمہ کے اقوال

سُنّتِ رسول ﷺ پر کچھ آئمہ اسلام کے اقوال کا تذکرہ گزشتہ باب میں ہو چکا ہے۔ اس جگہ چند مزید آئمہ اسلام مثلاً خلفائے راشدین ؓ، امام مالکؒ، امام حنبلؒ، امام شافعیؒ کے علاوہ دیگر اکابرینِ امت کے اقوال بھی شامل کیے جا رہے ہیں۔ ان آئمہ اسلام کے اقوال کے مطالعہ کے بعد اہمیت اور افادیتِ سنت کے متعلق خاطر خواہ وضاحت میسر ہو جاتی ہے۔

صوفیائے کرام کی نظر میں سنت نبوی ﷺ کی اہمیت و ضرورت

۱۔ حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے دعا کے نہ قبول ہونے کے اسباب میں سے سُنّتِ نبوی ﷺ کے ترک کرنے کو ایک سبب بتایا ہے (دیکھئے ہماری تصنیف "حسنِ نماز، صفحہ ۸۱۵)

۲۔ حضرت ذوالنون مصریؒ نے فرمایا کہ لڑائی فساد کی جڑ، خواہشات نفسانی کی پیروی اور سنتِ رسول ﷺ کو پس پشت ڈالنے پر موقوف ہے۔

۳۔ حضرت سہل تستریؒ کتاب اللہ! سنتِ رسول اللہ ﷺ کی پیروی کو اصول دین بتاتے ہیں۔

۴۔ حضرت بشر حافیؒ کو آنحضرت ﷺ نے خواب میں بشارت دی کہ میری سنت کی پیروی اور صحابہ کرام ؓ اور اہل بیت کی عزت نے تمہیں مقامِ ابرار تک پہنچا دیا ہے۔

۵۔ حضرت ابو محمد عبدالوہاب ثقفیؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ حدیث و سنت کے مطابق خلوص سے کیے ہوئے اعمال کو بہت زیادہ قبولیت عطا فرماتے ہیں۔

خلفائے راشدین اور محدثین کے جاری کردہ اہمیت احادیث پر بیانات

معتزلہ اور خوارج کے علاوہ پوری امت کا اس امر پر اتفاق ہے کہ قرآن حکیم کے بعد اسلامی قوانین

کا ماخذ احادیث نبویہ ہے۔ یہاں چند صحابہ کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور آئمہ اسلام کی مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔

۱۔ **حضرت ابوبکر صدیق** ؓ خلیفہ اول نے ان لوگوں پر جہاد کا اعلان کیا جنہوں نے زکوۃ دینے سے رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد انکار کر دیا۔ اس موقع پر حضرت عمر ؓ نے فرمایا جن لوگوں نے لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ کہہ لیا، حضور ﷺ نے ان کی جان و مال کو محفوظ کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ ان پر تلوار اٹھانا جائز نہیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے فرمایا کہ میں ان سے لازماً جہاد کروں گا کیونکہ مال میں بھی اسلام کا حق ہوتا ہے۔

۲۔ **حضرت عمر** ؓ نے لوگوں سے کہا کہ جب ایسے لوگ وجود میں آئیں جو قرآنی آیات کے بارے میں شبہات پیدا کریں تو تم احادیث کے ذریعہ ان پر گرفت کرو، کیونکہ احادیث والے کتاب اللہ کا زیادہ علم رکھتے ہیں۔ آپ ؓ نے یہ بھی فرمایا، میں تم پر عمال (گورنر) اس لئے نہیں بھیجتا کہ وہ تمہیں مار مار کر تمہاری چمڑی ادھیڑ لیں اور تم سے زبردستی مال و مویشی چھین لیں بلکہ میں انہیں اس لئے بھیجتا ہوں کہ وہ تمہیں تمہارا دین اور رسول اللہ ﷺ کی سنت سکھلائیں۔ ایک مرتبہ آپ ؓ خطبہ جمعہ میں فرمایا کہ تمہارے لئے سنت مقرر کی گئی ہے۔ خدا نے احکام متعین کر دیئے ہیں تا کہ تم لوگ کسی وجہ سے دائیں بائیں نہ بھٹک جاؤ۔ آپ ؓ نے یہ بھی فرمایا کہ اپنی رائے اور من گھڑت قیاس کرنے والوں سے بچو، اس لئے کہ یہ لوگ سنت کے دشمن ہیں۔ فرمایا کہ یہ لوگ اس لئے قیاس آرائی کا سہارا لیتے ہیں کہ احادیث کے حفظ کرنے سے عاجز ہو چکے ہیں۔

۳۔ **حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ (موفی ۱۰۱ھ)** آپؒ نے فرمایا کہ خلفائے راشدین ؓ نے حضور ﷺ کے بعد بہت سی سنتیں قائم کیں، جن کو اختیار کرنا کتاب اللہ کی تصدیق کے ہم معنی ہے، اس پر عمل پیرا ہونے سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت میں کمال پیدا ہوتا ہے اور اس کے دین کے لئے قوت و طاقت میں فراوانی ہوتی ہے، ان سنتوں میں تغیر و تبدل جائز نہیں اور نہ ہی ان کی مخالفت کی جا سکتی ہے، جس نے ان پر عمل کیا اس نے ہدایت پائی، جس نے ان کو تھام لیا اس نے غلبہ پایا، جس نے ان کی مخالفت کی اس نے مومنوں کی راہ چھوڑ کر دوسرے راستہ کی پیروی کی۔[1]

۴۔ **حضرت امام مالکؒ** آپ کو حضرت عمر بن عبدالعزیز ؓ کہ انہوں نے حدیث کی باقاعدہ جمع و تدوین کے لئے محدثین کرام کو آمادہ کیا اور اس کے لئے حکومتی ذرائع اور وسائل وقف کر دیئے"۔ (مقدمہ

---

[1] الاعتصام، جلد ۱، صفحہ ۱۰۳۔

انتخاب الحدیث)

۵۔ حضرت امام ابوحنیفہؒ آپ نے جو کچھ پیروی سنت کے لئے فرمایا، اسے مستند کتب کے حوالے سے نیچے درج کیا جارہا ہے۔

(i) ”لَوْ لَا السُّنَّةُ مَا فَهِمَ اَحَدٌ مِنَّا الْقُرْاٰنَ“

(اگر سنت کا وجود نہ ہوتا تو ہم میں سے کوئی بھی قرآن کا فہم حاصل نہ کرسکتا)[1]

(ii) ”وَاِیَّاکُمْ وَالْقَوْلُ فِیْ دِیْنِ اللّٰهِ بِالرَّاْیِ وَعَلَیْکُمْ بِاِتِّبَاعِ السُّنَّةِ فَمَنْ خَرَجَ عَنْهَا ضَلَّ“

(اللہ کے دین کے معاملہ میں رائے اور قیاس سے بچو اور سنت کی پیروی کو اپنے اوپر لازم کرلو، جو سنت کے دائرے سے نکلا وہ گمراہ ہوا۔)[1]

(iii) ”لَمْ تَزَلِ النَّاسُ فِیْ صَلَاحٍ مَادَامَ مِنْهُمْ مَنْ یَطْلُبُ الْحَدِیْثَ فَاِذَا طَلَبُوْا الْعِلْمَ بِلَا حَدِیْثٍ فَسَدُوْا“

(لوگ برابر خیر وصلاحیت سے ہمکنار ہوں گے جب تک کہ ان میں حدیث کے طالب موجود ہوں گے اور جب وہ حدیث کو چھوڑ کر علم طلب کریں گے تو فساد اور بگاڑ کا نشانہ بن جائیں گے)[1]

(iv) ”اِذَا صَحَّ الْحَدِیْثُ فَهُوَ مَذْهَبِیْ“ (جب حدیث صحیح میسر آئے تو وہی میرا مذہب ہے)[1]

(v) ”اِذَا قُلْتُ قَوْلاً یُخَالِفُ کِتَابَ اللّٰهِ وَحَدِیْثَ الرَّسُوْلِ فَاتْرُکُوْا قَوْلِیْ“

(جب میں کوئی ایسی بات کروں جو کتاب اللہ وسنتِ رسول اللہ ﷺ کے خلاف ہو تو میری بات کو چھوڑ دو)[1]

حضرت امام مالکؒ مستند کتب سے آپ کے دو اقوال نیچے پیش کئے جارہے ہیں۔

(i) ”اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ اُخْطِئُ وَاُصِیْبُ فَانْظُرُوْا فِیْ رَاْیِ فَکُلُّ مَا وَافَقَ الْکِتَابَ وَ السُّنَّةَ فَخُذُوْهُ وَ کُلُّ مَا لَمْ یُوَافِقِ الْکِتَابَ وَالسُّنَّةَ فَاتْرُکُوْهُ“۔

(میں ایک انسان ہی ہوں غلط اور صحیح دونوں قسم کے فتوے دے سکتا ہوں۔ میری رائے میں غور کرو اگر کتاب و سنت کے مطابق ہو تو اسے قبول کرلو ورنہ رد کردو)[2]

(ii) ”لَیْسَ اَحَدٌ اِلَّا وَیُؤْخَذُ مِنْ قَوْلِهٖ وَیُتْرَکُ اِلَّا النَّبِیُّ ﷺ“

(کوئی آدمی نہیں ہے کہ اس کے قول کو لیا بھی جاتا ہے اور چھوڑا بھی جاسکتا ہے سوائے نبی ﷺ کے ارشادات

---

[1] قواعد الحدیث، محمد جمال الدین القاسمی، متوفی، جلد ۱، صفحہ ۵۲، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

[2] حاشیہ ابن عابدین، امام ابن عابدین، صفحہ ۶۳، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت۔

کے (کہ وہ ہر حال میں واجب العمل ہیں) [۱]

سُنّتِ رسول ﷺ پر چند مزید آئمہ کے نظریات

آئمۂ اسلام نے اتباعِ سنت کی اہمیت پر بہت تاکید فرمائی ہے۔ درج ذیل عبارات میں سنتِ رسول ﷺ کی اتباع کے متعلق ان کے نظریات کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ حضرت ابراہیم بن ادہم ؒ۔ حضرت ابراہیم بن ادہم ؒ سے جب پوچھا گیا کہ ہماری دعا قبول کیوں نہیں ہوتی، تو آپ نے اس کے متعلق نو (۹) وجوہات بیان فرمائیں جن کا لب لباب یہ ہے کہ ہم خدا، رسول اللہ ﷺ، قرآن، موت، جنت، دوزخ کو مانتے ہیں لیکن عملاً ان کے احکام کا انکار کرتے ہیں، ان اسباب میں سے عدم قبولیت دعا کا ایک سبب سنتِ رسول ﷺ کو ترک کرنا بھی آپ نے فرمایا۔

"اِدَّعَیْتُمْ حُبَّ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ وَتَرَکْتُمْ سُنَّتَهٗ"

(تم نے رسول اللہ ﷺ کی محبت کا دعویٰ کیا ہے اور آپ ﷺ کی سنت کو ترک کر دیا ہے) [۲]

۲۔ ذوالنون مصری ؒ۔ دنیا میں فساد و بگاڑ کے اسباب بیان کرتے ہوئے ایک سبب یہ بھی بتلاتے ہیں:

"اِتَّبَعُوْا اَهْوَائَهُمْ وَنَبَذُوْا سُنَّةَ نَبِيِّهِمْ"

(لوگوں نے اپنی خواہشات کی پیروی کی اور نبی کریم ﷺ کی سنت کو پس پشت ڈال دیا) [۲]

۳۔ حضرت سہل تستری ؒ۔ آپ فرماتے ہیں کہ ہمارے اصول سات ہیں۔ ان میں سے دو یہ ہیں:

"اَلتَّمَسُّکُ لِکِتَابِ اللّٰهِ وَالْاِقْتِدَآءُ لِسُنَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ"

(اللہ کی کتاب کو مضبوطی سے تھامنا، رسول اللہ ﷺ کی سنت کی پیروی کرنا) [۲]

۴۔ ابو محمد عبدالوہاب ثقفی ؒ۔ آپ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان اچھے اعمال کو قبول فرماتے ہیں جو سنت کے مطابق ہوں۔

"لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ مِنَ الْاَعْمَالِ اِلَّا مَا کَانَ صَوَابًا وَمِنْ صَوَابِهَا اِلَّا مَا کَانَ خَالِصًا وَمِنْ خَالِصِهَا اِلَّا مَا وَافَقَ السُّنَّةَ"

---

[۱] اصول الاحکام، علی بن احمد بن حزم، متوفی ۴۵۶، جلد ۶، صفحہ ۱۳۵، دار الحدیث، قاہرہ۔

[۲] الاعتصام، جلد ۱، صفحہ ۱۰۰۔

[۳] الاعتصام، جلد ۱، صفحہ ۶۲۔

(اللہ تعالیٰ اچھے اعمال کے ماسوا کسی کو قبول نہیں فرماتا۔ اچھے اعمال بھی وہ جو خلوص پر مبنی ہوں اور پر خلوص وہ ہو سکتے ہیں جو حدیث و سنت کے مطابق ہوں) [۳]

۵۔ شاہ کرمانیؒ۔ آپ فرماتے ہیں کہ جس نے چند امور کا لحاظ رکھا تو اس کی فراست کبھی خطا نہ کرے گی، ان میں سے ایک امر اپنے ظاہر کو سنت سے آراستہ کرنا ہے۔

"مَنْ غَضَّ بَصَرَہٗ عَنِ الْمَحَارِمِ وَاَمْسَکَ نَفْسَہٗ عَنِ الشَّھَوَاتِ وَعَمَّرَ بَاطِنَہٗ بِدَوَامِ الْمُرَاقَبَۃِ وَ ظَاھِرَہٗ بِاِتِّبَاعِ السُّنَّۃِ وَعَوَّدَ نَفْسَہٗ بِاَکْلِ الْحَلَالِ لَمْ تَخْطَئْہٗ فَرَاسَتَہٗ"

(جس نے اپنی نگاہ محارم سے بچائی اور شہوات سے اپنے نفس کی حفاظت کی اور اپنے باطن کو ہمیشہ مراقبہ سے آباد کیا اور اپنے ظاہر کو اتباع سنت سے آراستہ کیا اور اپنے نفس کو حلال روزی کا عادی بنایا تو اس کی فراست کبھی خطاء نہ کرے گی) [۱]

۶۔ ابو سلیمان درانیؒ۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ میں کسی مشکوک شے کو قرآن اور سنت سے پرکھتا ہوں۔

"رُبَمَا تَقَعُ فِیْ قَلْبِیْ اَلنُّکْتَۃُ مِنْ نُکَۃِ الْقَوْمِ اَیَّا مًا فَلَا اَقْبَلُ مِنْہُ اِلَّا بِشَاھِدَیْنِ عَدْلَیْنِ"

(بار ہا میرے دل میں کوئی نکتہ کھٹکتا ہے تو میں کہتا ہوں کہ میں اسے دو عادل گواہوں، کتاب اور سنت کے بغیر قبول نہیں کروں گا) [۲]

۷۔ ابراہیم تیمیؒ۔ آپؒ دعا فرمایا کرتے تھے: "یا اللہ اپنے دین اور اپنے رسول کی سنت پر قائم رکھیو اور مجھے اختلافات سے بچائیو"۔

۸۔ امام شافعیؒ اور سنت نبوی ﷺ۔ حضرت امام شافعیؒ نے سب سے پہلے اس فتنہ انکار حدیث کی طرف توجہ فرمائی۔ رسالہ اور کتاب الام کی ساتویں جلد مستقلاً منکرین حدیث کی تردید میں تحریر فرمائی۔ چنانچہ آپؒ فرماتے ہیں:

"وَسُنَّۃُ رَسُوْلِ اللّٰہِ مُبَیِّنَۃٌ عَنِ اللّٰہِ مَعْنَیً مَااَرَادَ دَلِیْلاً عَلٰی خَاصِہٖ وَعَامِہٖ ثُمَّ قَرَنَ

---

[۱] الاعتصام، جلد۱، صفحہ ۱۱۷۔

[۲] الاعتصام، جلد۱، صفحہ ۱۱۷۔

الْحِكْمَةَ بِهٖ فَاتَّبِعْهَا اِيَّاهُ وَ لَمْ يَجْعَلْ هٰذَا لِاَحَدٍ مِنْ غَيْرِ خَلْقِهٖ غَيْرَ رَسُوْلِهٖ"

(اور رسول اللہ کی سنت اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے اس کی مراد کو بیان کرنے والی ہے اور قرآن کے الفاظ عموم وخصوص کی دلالت کرنے والے ہیں، اس لئے اللہ تعالیٰ نے حکمت کو قرآن کے پہلو بہ پہلو ذکر کیا ہے پس تو ان کی اتباع کر اور رسول اللہ ﷺ کے علاوہ مخلوق میں سے کسی اور شخص کو اللہ تعالیٰ نے یہ مقام عطا نہیں فرمایا) [۱]

امام شافعیؒ مزید فرماتے ہیں، تمام مسلمانوں کا اس پر اتفاق ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ کی سنت سامنے آجائے تو پھر اس بات کی گنجائش نہیں رہتی کہ اس کو کسی امتی کے قول کی بناء پر ترک کر دیا جائے۔

۹۔ امام احمد بن حنبلؒ۔ آپ فرماتے ہیں، جس نے رسول کریم ﷺ کی حدیث کو رد کیا وہ تباہی کے کنارے پہنچ گیا۔ [۲]

۱۰۔ حضرت داتا گنج بخشؒ شریعت کے لزوم پر متشدد تھے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ نے اہتمام شریعت کے متعلق جو نظریات پیش کئے ہیں، ان کا ذکر "پابندئ سنت کی عظمت" کے باب میں اور اس کتاب کے دیگر مقامات پر گزر چکا ہے۔ بزرگانِ اسلام کے بہت سے واقعات میں سے چند واقعات جن سے لزوم شریعت کا اظہار ہوتا ہے، نیچے بیان کئے جا رہے ہیں، جن کو حضرت داتا گنج بخشؒ نے "کشف المحجوب" میں بیان فرمایا ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے نقل کیا ہے کہ حضرت بایزید بُسطامیؒ سے جب کسی نے پوچھا، ولی کون ہوتا ہے۔ تو آپ نے فرمایا:

"اَلْوَلِیُّ هُوَ الصَّابِرُ تَحْتَ الْاَمْرِ وَالنَّهْيِ"

(ولی وہ ہے جو اللہ کے امر و نہی پر صبر کرے) [۳]

جتنا بڑا ولی ہوگا اتنا ہی زیادہ اس کا سنت پر عمل ہوگا۔ داتا گنج بخشؒ بایزید بُسطامیؒ کی حکایت "کشف المحجوب" میں نقل کرتے ہیں کہ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ مجھے بتایا گیا کہ فلاں شہر میں اللہ کے ولیوں میں سے ایک ولی ہے۔ میں اٹھا اور اس کی زیارت کا قصد کر کے چلا۔ جب ان کی مسجد میں پہنچا وہ گھر سے باہر تشریف لائے اور مسجد میں آ کر قبلہ رخ کر کے مسجد میں کلی کر دی۔ میں اسی وقت بغیر سلام کئے وہاں سے پلٹ

---

[۱] کتاب المناقب، عبدالرحمن ابن جوزی، متوفی ۵۰۵ھ، صفحہ ۱۸۳، بیروت۔ [۲] کتاب الرسالہ، جلد ۱، صفحہ ۷۸-۷۹۔

[۳] کشف المحجوب، علی بن عثمان الہجویری، متوفی ۴۰۱، صفحہ ۳۶۷، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور۔

آیا اور میں نے کہا کہ ولی کو چاہئے کہ احکام شریعت پر پابند ہوتا کہ اس پر حق تعالیٰ نظر رحمت فرمائے، اگر یہ ولی ہوتا تو مسجد میں قبلہ رو ہو کر کبھی کلی نہ کرتا۔ فرماتے ہیں کہ اس شب میں نے حضور شافع یوم النشور ﷺ کے جمالِ جہاں آرا سے شرف حاصل کیا۔ دیکھا کہ حضور ﷺ فرما رہے ہیں کہ بایزید تم نے وہ کام کیا جس کی برکت سے تم اس درجہ کو پہنچے۔ دوسرے روز میں اس درجے پر پہنچ گیا جو تم دیکھ رہے ہو۔[1]

حضرت داتا گنج بخشؒ نے لکھا ہے کہ ایک شخص حضرت ابو سعیدؓ کی خدمت میں حاضر ہوا اور مسجد میں بایاں قدم رکھ کر داخل ہوا۔ آپ نے فرمایا واپس ہو جاؤ اور دایاں قدم رکھ کر مسجد میں آؤ اس لئے کہ جو دوست کے گھر میں آنے کے قاعدے کو نہیں جانتا وہ ہمارے کام کا آدمی نہیں۔[2] یاد رہے کہ حضرت سفیان ثوریؒ کو بھی ہاتف نے کہا تھا کہ اے بیل واپس ہو جا۔ ثور بیل کو کہتے ہیں۔

حضرت ہجویریؒ لکھتے ہیں، کچھ ملحدین کہتے ہیں کہ بے حد خدمت کے بعد جب ولی ہو جائے تو ولی پر خدمت کا بوجھ اٹھ جاتا ہے۔ فرماتے ہیں یہ بالکل گمراہی ہے۔ صوفیا پر ایسا کوئی مقام نہیں جس پر کوئی رکن یا خدمت یعنی شریعت اٹھ جائے۔

حضرت عمرؓ نے ایک روز فجر کی جماعت کے بعد پوچھا کہ سلیمان بن ابی حثمہؓ نہیں آیا۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ تمام رات عبادت میں مصروف رہتا ہے شاید اس وقت سو گیا ہوگا۔ امیر المومنینؓ نے فرمایا کہ اگر وہ ساری رات سوتا اور عشاء اور صبح کی نماز با جماعت ادا کرتا تو وہ اس سے زیادہ بہتر تھا۔ جو گمراہ لوگ شریعتِ حقہ کے مطابق مجاہدے نہیں کرتے ہیں ان کو اگر کچھ اجر ملے گا تو وہ دنیاوی منافع کی صورت میں ہوگا اور دنیاوی منافع کی یہ حالت ہے کہ اگر کسی طرح ساری دنیا بھی اجر میں مل جائے تو کچھ بھی نہیں۔ دنیا کو طلب کرنے والوں کی مثال جھاڑو کش کی طرح ہے کہ محنت بہت زیادہ ہوتی ہے مگر اجرت سب سے کم ہوتی ہے اور شریعت کے مطابق عمل کرنے والوں کا کام جوہریوں کی طرح ہے، جن کا کام تھوڑا اجرت زیادہ ہوتی ہے۔ ایک گھڑی کا عمل ہزار سال کے اجر کے برابر ہو سکتا ہے۔

ہرچہ گیرد علتی علت شود　　کفر گیرد کاملے ملت شود

(بیمار جس چیز سے تعلق پیدا کرے گا وہ بھی بیمار ہو جائے گی، اور کامل جب کفر کی طرف رخ کرے گا تو اسے ملت حقہ کی شکل دے دے گا)

حضرت داتا گنج بخشؒ نے حضرت امام حنبلؒ کا وہ واقعہ بھی نقل کیا ہے جس میں امام صاحب نے دریا

---

[1] کشف المحجوب، صفحہ ۳۶۷۔

[2] کشف المحجوب، صفحہ ۳۶۸۔

کو پار کرنے کے لئے اپنے جسم سے لباس اس لئے الگ نہیں کیا کہ حضور ﷺ نے حمام میں برہنہ جانے سے منع فرمایا ہے آپ کے اس عمل پر (خواب میں) حضرت جبرائیل امین علیہ السلام نے یہ بشارت دی کہ حق تعالیٰ نے اس سنت پر عمل کرنے سے تمہیں بخش دیا ہے اور ایک جماعت کا امام بنا دیا ہے۔

۱۱۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اور حدیثِ نبوی ﷺ۔

امام ربانی حضرت شیخ احمد بن عبدالاحد سرہندی مجدد الف ثانیؒ (م ۱۰۳۴ھ) کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ انہوں نے سنت کی زبردست حمایت کرتے ہوئے شعائر شرک اور غیر اسلامی ہندی رسم و رواج کا شدت سے مقابلہ کیا، بدعتِ حسنہ کی مطلقاً تردید کی، مسئلہ وحدت الوجود پر سخت تنقید کی، سنت پر عمل اور بدعت سے کھلی جنگ کی دعوت دی اور ایک موقعہ پر وہ تاریخی الفاظ تحریر فرمائے جو اس قابل ہیں کہ ان کو بار بار نقل کیا جائے۔ (مکتوبات ربانی، مکتوب نمبر ۱۰۰، جلد اول)

مخدوما! فقیر کو ایسی باتوں کے سننے کی تاب نہیں، بے اختیار میری رگِ فاروقی حرکت میں آجاتی ہے اور تاویل و توجیہ کا موقعہ نہیں دیتی، ایسی باتوں کے قائل شیخ کبیر یمنی ہوں یا شیخ اکبر شامی، ہمیں محمد عربی ﷺ کے کلام کی ضرورت ہے نہ کہ محی الدین ابن عربی، صدر الدین قونوی، عبدالرزاق کاشی کے کلام کی۔ ہمیں نصوص کی ضرورت ہے نہ کہ فصوص کی۔ فتوحاتِ مدینہ نے ہمیں فتوحاتِ مکیہ سے بے نیاز کر دیا ہے"

(مکتوبات امام ربانی، مکتوب نمبر ۱۰۰، ج ۱، ص ۲۸۲، کی طرف اشارہ ہے اور اس کے علاوہ اس میں ابن عربیؒ کی دوسری مشہور کتاب "الفتوحات المکیہ" کی طرف اشارہ ہے)

۱۲۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اور حدیث نبوی ﷺ۔

حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ (متوفی ۱۱۷۹ھ) تفسیر، حدیث، فقہ اور تصوف، ان چاروں علوم میں مہارت رکھتے تھے اور ان سب کے بارے میں ان کی مشہور و معروف تصانیف موجود ہیں۔ حدیث کی عظمت و اہمیت کے بارے میں اپنی شاہکار تصنیف حجۃ البالغہ کے مقاصد بیان کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"ان اغراض و مقاصد میں سے ایک مقصد یہ بھی ہے کہ فقہاء کے ایک گروہ نے خیال کیا ہے کہ جو حدیث، قیاس کے خلاف ہو اس کو رد کر دینا جائز ہے۔ اس نظریہ کے ماتحت بہت سی احادیث شک و شبہ کا شکار ہو گئیں، مثلاً حدیثِ مصرات اور حدیثِ قلتین۔ اس صورت حال میں محدثین کے لئے اس کے سوا کوئی چارہ نہ تھا کہ وہ ان فقہاء پر حجت قائم کریں کہ اس قسم کی احادیث ان مصالح کے موافق ہیں جو شریعت میں معتبر ہیں"[1]

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، شاہ ولی اللہ محدث دہلوی، متوفی ۱۱۷۹ھ، جلد ۱، صفحہ ۹، مطبوعہ لاہور۔

(نوٹ: مصرّات سے مراد، وبائی امراض، طاعون وغیرہ کے دوران اونٹنیوں کا دودھ اور ان کا پیشاب ایک موقعہ پر مریضوں کو پلایا گیا تھا اور قلتین سے مراد پانی کی تعداد دو مشکیزوں کے برابر رہ جائے اس صورت میں کہ پانی میں چوہا یا چڑیا وغیرہ گر کر مر جائے اور معلوم نہ ہو کہ اس سے وضو، غسل اور کھانا پکانا یا کپڑے دھونا ایک روایت کے مطابق بامرِ مجبوری جائز تھا۔ آیت تیمم کے نازل ہونے پر یہ حکم منسوخ کر دیا گیا)

صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی اہمیت و عظمت بیان کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

''صحیحین (صحیح بخاری، صحیح مسلم) کا معاملہ یہ ہے کہ محدثین کرام نے اتفاق رائے سے یہ طے کیا ہے کہ ان دونوں کتابوں میں جو احادیث متصل مرفوع پائی جاتی ہیں، وہ قطعی طور پر صحیح ہیں اور یہ دونوں متواتر طریقے کے ساتھ اپنے مصنفین (امام بخاریؒ و مسلمؒ) سے مربوط ہیں اور حد یہ ہے کہ جو شخص بھی ان دونوں کا درجہ گھٹانے کی کوشش کرے گا اور ان کے ساتھ توہین و تحقیر سے پیش آئے گا تو وہ بدعتی ہے اور ایمان والوں کی راہ چھوڑ کر دوسرے راستے کی پیروی اختیار کرنے والا ہے''۔

تمام علوم میں سب سے افضل اور اعلیٰ، جس کو دین کی بنیاد سمجھنا چاہیے۔ علم حدیث ہے جس میں کہ آنحضرت ﷺ کے جملہ اقوال کو محفوظ رکھا گیا ہے اور اس میں وہ واقعات بھی لکھے ہیں جو آپ ﷺ کے سامنے ہوئے اور آپ ﷺ نے اپنے سکوت سے اس کے مباح ہونے پر مہر تصدیق ثبت فرمادی۔ آپ ﷺ کے یہ افعال و اقوال اور آپ ﷺ کا یہ سکوت ہمارے لئے مشعل راہ ہیں جن کی روشنی میں اگر ہم اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کا ارادہ کرنا چاہیں تو منزل مقصود تک پہنچنے میں قطعاً کوئی شک باقی نہیں رہتا، اس راستہ پر چلنے والے کے لئے صراط مستقیم سے بھٹک جانے کا کوئی خطرہ نہیں۔ جس نے آنحضرت ﷺ کی حدیث پر عمل کیا وہ راہ یاب ہوا اور جس نے اس سے منہ پھیرا وہ یقیناً گمراہ ہے۔ اس پر عمل کرنے میں یقیناً خیر کثیر ہے اور اس پر عمل نہ کرنا خسرانِ مبین ہے۔ آنحضرت ﷺ کے کلام میں (جس کا دوسرا نام حدیث ہے) امر و نہی یا بالفاظِ دیگر احکام شرعیہ کی تشریح ہے۔ آپ ﷺ نے اس بات کی تصریح فرمائی ہے کہ حدیث کو بھی قرآن مجید کی طرح اہمیت حاصل ہے اور احادیث نبویہ ﷺ کی مقدار، احکام قرآنی کے برابر یا اس سے بھی زائد ہے۔[1]

''طبقاتِ کتب حدیث'' کے عنوان سے شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں:

''واضح ہو کہ ہمارے پاس نبی کریم ﷺ کی حدیثِ مبارکہ کے علاوہ اور ایسا کوئی ذریعہ موجود نہیں، جس میں شریعت کے احکام معلوم کئے جائیں۔ جہاں تک اعمال صالح کا تعلق ہے وہ غور و فکر اور تجربہ

---

[1] چراغ راہ، اسلامی قانون نمبر ۹۳، بحوالہ حجۃ اللہ البالغہ، ترجمہ از مولانا عبدالرحیم صاحب، جلد ا، صفحہ ۱۲۷۔

[2] حجۃ اللہ البالغہ، جلد ا، صفحہ ۱۳۲۔

سے بھی معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ ہمارے پاس رسول اللہ ﷺ کی احادیث معلوم کرنے کا صرف یہی ایک ذریعہ ہے کہ وہ روایتیں ہم پہنچیں جن کی سند آپ تک پہنچتی ہو"[۲]

شیخ محمد عبدہ، علامہ رشید رضا اور سنتِ نبوی ﷺ۔

سورۃ النساء کی درج ذیل آیت کی تشریح علامہ رشیدؒ نے جو اپنی تفسیر "المنار" میں کی ہے، اسے نیچے پیش کیا جا رہا ہے:

۱۔ "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ"

(اے ایمان والوں اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی) (النساء:۵۹)

استاد محمد عبدہؒ نے فرمایا کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں اطاعت کا حکم دیا ہے، اس حکم کی تعمیل اللہ تعالیٰ کی کتاب پر عمل پیرا ہونے سے ہو سکتی ہے اور اطاعتِ رسول ﷺ کا حکم دیا ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ ہی نازل شدہ وحی کی وضاحت فرماتے ہیں۔ اس آیت میں "اطاعت" کا لفظ دوبارہ لایا گیا ہے تا کہ اطاعتِ رسول کی تاکید واضح ہو جائے۔

سورۃ النساء کی آیت میں فرمایا گیا ہے:

۲۔ "فَاِنْ تَنَازَعْتُمْ فِیْ شَیْءٍ فَرُدُّوْهُ اِلَی اللّٰهِ وَالرَّسُوْلِ" (سورہ النساء:۵۹)

(اگر تمہارا آپس میں کسی معاملہ میں نزاع ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف لوٹاؤ)

ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ کتاب اللہ اور سنتِ رسول اللہ کی طرف رجوع کرو اور اس میں جو عام قواعد وضوابط اور وسیع سیرت کا نقشہ پیش کیا گیا ہے اسے راہنما بناؤ۔ جو معاملہ کتاب وسنت کے موافق ہو وہ ہمارے لئے مفید ہے تو اسے اختیار کرنا ضروری ہے اور جو کام ان دونوں کے منافی ہو، وہ ہمارے لئے مفید نہیں ہے لہٰذا ایسے کام کو ترک کرنا ضروری ہے۔ اس طریقے سے نزاع ختم ہو جائے گا اور ایک کلمہ پر امت کی وحدت قائم ہو جائے گی۔[۱]

۱۴۔ علامہ اقبالؒ سنتِ نبوی ﷺ کو شرعی حجت (بالادستی) تسلیم کرتے تھے۔

ایک گروہ علامہ اقبالؒ کو منکرین سنت میں سے شمار کرتا ہے حالانکہ ان کی نثر ونظم گواہ ہے کہ وہ دین مبین میں سنت کو شرعی حجت مانتے تھے۔ چند شواہد ملاحظہ ہوں:

(i) ایک خط میں نشانِ ہلال کے بارے میں حدیث سے استدلال کرتے ہیں، تمام امت کا صدیوں سے اس پر

---

[۲] تفسیر المنار، علامہ رشید رضا، متوفی ۱۳۵۴، جلد ۵، صفحہ ۱۸۰ تا ۱۸۲، بیروت۔

اجماع ہے۔ جن اسلامی قوموں کا نشان اور ہے وہ اس نشان پر کبھی معترض نہیں ہوئیں اور حدیث صحیح ہے کہ میری امت کا اجماع ضلالت پر نہیں ہو گا۔ اس واسطے اس کو (یعنی نشانِ ہلال کو) ضلالت تصور کرنا درست نہیں ہے۔ [1]

(ii) ان احادیث میں ایسے بیش بہا اصول ہیں کہ سوسائٹی باوجود اپنی ترقی اور تعلّی کے اب تک ان کی بلندیوں تک نہیں پہنچی۔

(iii) ایک مرتبہ ایک صاحب نے ان (علامہ اقبالؒ) کے سامنے بڑے اچنبھے انداز میں اس حدیث کا ذکر کیا جس میں بیان ہوا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ''اصحاب ثلاثہ رضی اللہ عنہم'' (حضرت ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم) کے ساتھ احد (پہاڑ) پر تشریف رکھتے تھے، اتنے میں احد لرزنے لگا اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ ''ٹھہر جا! تیرے اوپر ایک نبی ﷺ، ایک صدیق ؓ اور دو شہیدوں رضی اللہ عنہما کے سوا کوئی نہیں ہے''۔ اس پر پہاڑ ساکن ہو گیا[2]۔ اقبالؒ نے حدیث سنتے ہی کہا کہ اس میں اچنبھے کی کونسی بات ہے؟ میں اس کو استعارہ مجازی نہیں بلکہ ایک مادی حقیقت سمجھتا ہوں اور میرے نزدیک اس کے لئے کسی تاویل کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تم حقائق سے آگاہ ہوتے تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ایک نبی کے نیچے مادے کے بڑے بڑے تودے بھی لرز اٹھتے ہیں، مجازی نہیں واقعی لرز اٹھتے ہیں۔

۴۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

از بلا ترسی حدیث مصطفیؐ است — مرد راہ روز بلا روزِ صفا است

(معصیت سے ڈرتے رہو، رسول پاک کی حدیث ہے کہ مسلمان کے لئے روز بلا روز صفا ہے۔ ج۔ن: ۹۸)

مسلمانوں کے زوال کا سبب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے زوال کا سبب سنتِ نبوی ﷺ کو چھوڑ دینا ہے۔

تا شعارِ مصطفیؐ از دست رفت — قوم را رمزِ حیات از دست رفت

(جب سنت رسول ﷺ ہاتھ سے گئی، قوم کی زندگی کا راز ہاتھ سے گیا۔ ا۔ر: ۱۲۸)

لا نبیَّ بعدی زاحسانِ خدا است — پردۂ ناموس دینِ مصطفیؐ است

(حضور ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں۔ یہ اللہ کا احسان ہے، اس سے ناموس دینِ مصطفیٰ ﷺ کا تحفظ ہے۔ ا۔ر: ۱۰۲)

''تلمیحاتِ اقبال'' (مؤلفہ پروفیسر ڈاکٹر اکبر حسین، میں بحوالہ ''رموز بے خودی'' ص ۱۰۲) اسی

---

[1] اقبال نامہ، جلد ۱، صفحہ ۳۴۷، اقبال اکیڈمی، لاہور۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۳۴۷۲، جلد ۳، صفحہ ۱۳۴۴۔

شعر میں اس روایت کی طرف اشارہ ہے:

حضرت سعد ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی ؓ سے فرمایا کہ تم میرے لئے ایسے ہو جیسے حضرت موسیٰ ؑ کے لئے ہارون ؑ تھے۔ معنی یہ ہوئے کہ میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔[1]

حضرت صدیق اکبر ؓ کے متعلق علامہؒ فرماتے ہیں:

آں اَمَنُّ النّاسُ بر مولائے ما آں کلیمِ اوّلِ سینائے ما

(وہ جن کے احسانات ہمارے آقا ﷺ پر سب سے زیادہ تھے اور وہ ہمارے طورِ سیناءِ (اسلام کے نورِ ہدایت) کے پہلے کلیم تھے۔ ا۔ ر:۱۵۶)

اس شعر میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے فضائل میں جو روایت ہے اس کی طرف اشارہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ لوگوں میں حسن سلوک کے اعتبار سے سب سے زیادہ احسان مجھ پر ابوبکر ؓ نے کیا ہے۔

"لَوِاتَّخَذْتُ خَلِيْلاً غَيْرَ رَبِّي لاَتَّخَذْتُ اَبِي بَكْرٍ خَلِيْل"

(اگر میں کسی کو (اللہ تعالیٰ کے علاوہ) خلیل بناتا تو ابوبکر صدیق ؓ کو خلیل بناتا۔ علامہ نے ایک شعر میں یہ بھی فرمایا ہے کہ سنت کی تقلید اجتہاد سے بہتر ہے)[2]

علامہ اقبالؒ کے مزید اشعار اس کتاب میں ایک الگ باب ''سنتِ رسول ﷺ علامہ اقبالؒ کی نظر میں'' کی زینت بنائے گئے ہیں۔ وہاں ملاحظہ فرمائیں۔

۱۵۔ امام ابنِ تیمیہؒ اور سنت نبوی ﷺ

امام ابنِ تیمیہؒ (متوفی ۷۲۸ھ) کے نزدیک بھی ہر سنت مستقل حجت ہے، خواہ قرآن کی شارح یا مفسر ہو یا نہ ہو۔ وہ سنت کی درج ذیل تین قسمیں قرار دیتے ہیں اور تینوں کو حجت مانتے ہیں۔

(i) وہ سُنّتِ متواترہ جو ظاہراً قرآن کے خلاف نہ ہو بلکہ اس کی مفسر ہو۔ مثلاً نمازوں کی تعداد، رکعات کی تعداد، یا زکوٰۃ کا نصاب یا حج کے ارکان وغیرہ۔ اس طرح کے دوسرے احکام سنت ہی سے معلوم ہو سکتے ہیں اور علمائے اسلام کا ان کے بارے میں اجماع ہے، یہ قرآن کا تتمہ اور تکملہ ہیں۔ پس جو ان کی حجیت کا انکار کرتا ہے وہ علمِ دین کا انکار کرتا ہے، رکنِ اسلام کو منہدم کرتا ہے اور اسلام کا حلقہ اپنی گردن سے اتار پھینکتا ہے۔

(ii) ایسی سُنّتِ متواترہ جو قرآن کی تفسیر نہیں کرتی، نہ ظاہراً قرآن کے خلاف ہے لیکن ایسے حکم کو بتاتی ہے جو

---

[1] سنن نسائی، احمد بن شعیب النسائی، متوفی ۳۰۳ھ، حدیث ۸۱۰۴، جلد ۵، صفحہ ۲۵، بیروت۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۳۳۷۲، جلد ۳، صفحہ ۱۳۳۳۔

قرآن میں صراحتاً مذکور نہیں ہے، جیسے زانی کے لئے (جبکہ شادی شدہ ہو) سنگسار کی سزا، یا نصابِ سرقہ کا تعین، تمام سلف امت اس قسم کی سنت پر بھی عمل ضروری سمجھتے ہیں، سوائے خوارج کے۔

(iii) رسول اللہ ﷺ سے تواتر سے مروی نہیں، تَلَقِّی بِالْقُبُوْلِ کی حیثیت سے یا یہ کہ ثقات نے ان کو روایت کیا ہے۔ ان کے بارے میں بھی اہلِ علم فقہ وحدیث وتصوف کا اتفاق ہے کہ ایسی حدیثیں قابلِ قبول ہیں اور ان کی اتباع واجب ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "حیات ابنِ تیمیہؒ" مولفہ شیخ ابوزہرہؒ بحوالہ "الرسائل والمسائل" تصنیف امام ابنِ تیمیہؒ ج ۷، ص ۲۰)

اس بارے میں راجح مسلک یہی ہے کہ اس قسم کی احادیث سے قرآن مجید کے عموم کی تخصیص ہوسکتی ہے، خواہ بظاہر یہ روایت قرآن کے خلاف ہی پڑتی ہو، تب بھی حدیث پر عمل کیا جائے گا۔ اس بات کی مزید وضاحت امام شافعیؒ نے اس طرح کی ہے:

"اِنَّ قَوْلَ مَنْ قَالَ تُعْرَضُ السُّنَّةُ عَلَى الْقُرْاٰنِ فَاِنْ وَافَقَتْ ظَاهِرَهٗ وَاِلَّا اِسْتَعْمَلْنَا ظَاهِرَ الْقُرْاٰنِ وَتَرَكْنَا الْحَدِيْثَ جَهْلٌ"

(یہ شرط لگانا کہ سنت کو قرآن مجید پر پیش کیا جائے اور سنت کا قرآن مجید سے موازنہ کیا جائے پھر جو حدیث ظاہر قرآن کے خلاف ہو اسے رد کیا جائے اور جو موافق ہو اسے قبول کرلیا جائے، یہ اندازِ فکر عدم واقفیت پر مبنی ہے)[1]

---

[1] اختلاف الحدیث، امام محمد بن ادریس الشافعی، متوفی ۲۰۴ھ، جلد ۱، صفحہ ۴۸۴، دار الصادر، بیروت۔

دسواں باب

بدعت کیا ہے؟

(بحوالہ خصوصی حضرت مجدد علیہ الرحمہ)

مسلمانانِ عالم اور بالخصوص ہندوستان اور پاکستان میں بدعت کے متعلق بہت متضاد بیانات جاری کیے جاتے ہیں اور کچھ لوگ تو اس معاملے میں اس قدر شدت اختیار کر لیتے ہیں کہ ایک دوسرے پر کفر اور شرک کے فتوے ثبت کرنے لگتے ہیں، حالانکہ اس کا فیصلہ کرنے میں کوئی دقت پیش آنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوتی۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے اس بحث کا بہت خوبصورت فیصلہ صادر کیا ہے جو اس مضمون میں شامل کیا جا رہا ہے۔ سب سے پہلے تو یہ معلوم ہونا ضروری ہے کہ بدعت کی تعریف کیا ہے اور شریعت نے بدعت کن باتوں کو قرار دیا ہے۔

بدعت (عرف عام میں) دین میں نئی بات یا نئی رسم نکالنے کو کہتے ہیں اس سے نئے دستور ہائے رسم و رواج کو دین کا حصہ بنالینا مراد ہے۔

لغت: بدعت کا لفظ "بدع" سے بنا ہے جس کے معنی کوئی چیز ایجاد کرنا کے ہیں یا کوئی چیز بغیر نمونہ کے بنانا یا ابتداء کرنا ہے۔

درج ذیل عبارت میں چند محدثین اور علماء کے اقوال درج کیے جا رہے ہیں۔

۱۔ امام نووی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسا کام جس کی مثال زمانہ سابق میں نہ ہو (لغت میں) اس کو بدعت کہتے ہیں اور شرع میں بدعت یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کا ایجاد کرنا جو رسول اللہ ﷺ کے ظاہری زمانہ میں نہ تھی اور حضور ﷺ کا قول كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ[1] عام مخصوص ہے (یعنی بدعت سے مراد بدعت سیۂ ہے) حضرت شیخ عزالدین بن عبدالسلام نے کتاب القواعد کے آخر میں فرمایا کہ بدعت یا تو واجب ہے جیسے

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۲، جلد ۱، صفحہ ۵۔

اللہ اور اس کے رسول کے کلام کو سمجھنے کے لئے علم نحو سیکھنا اور جیسے اصول فقہ اور اسماء الرجال کے فن کو مرتب کرنا اور بدعت یا تو حرام ہے جیسے جبریہ، قدریہ، مرجیہ اور مجسمہ کا مذہب اور ان مذہبوں کا رد کرنا بدعت واجبہ سے ہے، اس لئے کہ ان کے عقائد باطلہ سے شریعت کی حفاظت فرض کفایہ ہے۔ بدعت یا تو مستحب ہے جیسے مسافر خانوں اور مدرسوں کی تعمیر اور ہر وہ نیک کام جس کا رواج ابتدائی زمانہ میں نہیں تھا اور جماعت کے ساتھ تراویح اور صوفیائے کرام کے دقیق اور باریک مسائل میں گفتگو اور بدعت یا تو مکروہ ہے جیسے شافعیہ کے نزدیک قرآن مجید کی تزیین اور مساجد کا نقش ونگار اور یہ حنفیہ کے نزدیک بلا کراہت جائز ہے۔

بدعت یا تو مباح ہے جیسے شافعیہ کے نزدیک صبح اور عصر کی نماز کے بعد مصافحہ کرنا ورنہ حنفیہ کے نزدیک مکروہ ہے (تحقیق یہ ہے کہ بلا کراہت جائز ہے۔ اسی کتاب میں مصافحہ کا بیان دیکھئے) اور لذیذ کھانے پینے اور رہنے کی جگہوں میں کشادگی اختیار کرنا اور کرتے کی آستینوں کو لمبی رکھنا، اس میں سے بعض کی کراہت میں لوگوں نے اختلاف کیا ہے جیسا کہ ہم نے پہلے بیان کیا۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ ایسی چیز ایجاد کرنا جو قرآن مجید، حدیث شریف، آثار صحابہ یا اجماع کے خلاف ہو تو وہ گمراہی ہے اور ایسی اچھی بات ایجاد کرنا جو ان میں سے کسی کے مخالف نہ ہو، تو وہ بری نہیں ہے۔[1]

۲۔ حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اسی حدیث کے تحت فرماتے ہیں "بدانکه هر چه پیدا شده بعد از پیغمبر ﷺ بدعت ست ازانچه موافق اصول و قواعد سُنّت اوست و قیاس کرده شده برآں آں را بدعت حسنه گویند. و آنچه مخالف آں باشد بدعت ضلالت گویند و کلیه کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ محمول براین ست و بعض بدعتها ست که واجب ست چنانچه تعلیم و تعلم صرف و نحو که بداں معرفت آیات و احادیث حاصل گردد و حفظ غرائب کتاب و سنت و دیگر چیز هائیکه حفظ دین و ملت برآں موقوف بود و بعض مستحسن و مستحب مثل بنائے رباطها و مدرسها و بعض مکروه مانند نقش و نگار کردن مساجد و مصاحف بقول بعض و بعض مباح مثل فراخی در طعامهائے لذیذه و لباسهائے فاخره بشرطیکه حلال باشند و باعث طغیان و تکبر و مفاخرت نه شوند و مباحات دیگر که در زمان آنحضرت ﷺ نبودند چنانکه بیری و غربال و مانند آں و بعض حرام چنانچه مذهب اهل بدع و هوا بر خلاف سنت و جماعت و آنچه خلفائے راشدین کرده باشند اگرچه بآں معنی که در زمان آنحضرت ﷺ نبوده بدعت ست و لیکن قسم بدعت حسنه خواهد بود بلکه در حقیقت سنت ست...."

یعنی جاننا چاہئے کہ وہ چیز جو حضور ﷺ کے ظاہری زمانہ کے بعد ہوئی بدعت ہے، لیکن ان میں سے

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوۃ، علی بن سلطان قاری، متوفی ۱۰۱۴، جلد ۱، صفحہ ۱۷۹، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

جو کچھ حضور کی سنت کے اصول و قواعد کے مطابق ہے اور اسی پر قیاس کیا گیا ہے اس کو بدعتِ حسنہ کہتے ہیں اور ان میں جو چیز سنت کے مخالف ہو اسے بدعت ضلالت کہتے ہیں اور کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ ۔ (ہر بدعت گمراہی ہے) کی کلیت بدعت کی اسی قسم پر محمول ہے یعنی ہر بدعت سے مراد صرف وہی بدعت ہے جو سنت کے مخالف ہو اور بعض بدعتیں واجب ہیں جیسا کہ صرف و نحو کا سیکھنا سکھانا کہ اس سے آیات و احادیث کریمہ کے مفاہیم و مطالب کی معرفت حاصل ہوتی ہے اور قرآن و حدیث کے غرائب کا محفوظ کرنا اور دوسری چیزیں کہ دین و ملت کی حفاظت ان پر موقوف ہے اور بعض بدعتیں مستحسن و مستحب ہیں، جیسے سرائے اور مدرسوں کی تعمیر اور بعض بدعتیں مکروہ ہیں جیسے کہ بعض کے قول پر قرآن مجید اور مسجدوں میں نقش و نگار کرنا اور بعض بدعتیں مباح ہیں جیسے کہ عمدہ کپڑوں اور اچھے کھانوں کی زیادتی بشرطیکہ حلال ہوں اور غرور و نخوت کا باعث نہ ہوں اور دوسری مباح چیزیں جو حضور ﷺ کے ظاہری زمانہ میں نہ تھیں جیسے بیری اور چھلنی وغیرہ اور بعض بدعتیں حرام ہیں جیسے کہ اہل سنت و جماعت کے خلاف نئے عقیدوں اور نفسانی خواہشات والوں کے مذاہب اور جو بات خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے کی ہے اگرچہ اس معنی میں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہیں تھیں، بدعت ہے، لیکن بدعتِ حسنہ کے اقسام میں سے ہے، بلکہ حقیقت میں سنت ہے۔ [1]

۳۔ شامی جلد اول، ص ۳۹۳ میں ہے:

بدعت کبھی واجب ہوتی ہے جیسے گمراہ فرقہ والوں پر رد کے دلائل قائم کرنا اور علم نحو کا سیکھنا جو قرآن و حدیث سمجھنے میں معاون ہوتا ہے اور بدعت کبھی مستحب ہوتی ہے جیسے مدرسوں اور مسافر خانوں کو تعمیر کرنا اور ہر وہ نیک کام کرنا جو ابتدائی زمانہ میں نہیں تھا اور بدعت کبھی مکروہ ہوتی ہے جیسے مسجدوں کو آراستہ و مزین کرنا اور بدعت کبھی مباح ہوتی ہے جیسے لذیذ کھانے اور کپڑے میں کشادگی اختیار کرنا جیسا کہ مناوی کی شرح جامع صغیر میں تہذیب النووی سے منقول ہے اور اسی کے مثل برکلی کی کتاب طریقہ محمدیہ میں ہے۔ [2]

۴۔ دیگر مشائخ کی آراء:

حضرت مجدد الف ثانی کی آراء بھی اس باب میں دے دی گئی ہے، آپ کی آراء کے بعد کچھ مزید لکھنے کی حاجت نہیں رہتی۔

امام ربانیؒ کے نزدیک بدعت کیا ہے؟

---

[1] اشعة اللمعات شرح مشکوٰۃ، عبدالحق بن سیف الدین، متوفی ۱۰۵۲ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۲۸۔

[2] فتاویٰ شامی، ابن عابدین شامی، جلد ۱، صفحہ ۳۹۳۔

حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی ؒ کے مکتوبات کے مترجم مولانا محمد سعید نقشبندی ؒ لکھتے ہیں کہ امام صاحب ؒ نے بدعت سے بچنے پر بہت زور دیا ہے (حاشیہ مکتوب ۱۸۶ حصہ سوم دفتر اول)

۱۔ حضرت امام ربانی ؒ نے اپنے مکتوبات میں "بدعت" سے بچنے اور اس سے دور رہنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور بدعت اور بدعتی لوگوں کی مذمت کی ہے۔ آپ ؒ نے جو لکھا ہے بالکل حق اور صحیح لکھا ہے لیکن مخالفینِ اہل سنت اپنے مخصوص نظریات کے تحت حضرت شیخ مجدد ؒ کے موقف و مسلک کو غلط رنگ دینے کی کوشش کرتے ہیں اور بدعت سے متعلق اپنے مسلک کی تائید و حمایت میں حضرت شیخ قدس سرہ کی عبارات کو پیش کر کے سادہ لوح مسلمانوں کو بہکاتے ہیں۔ لہٰذا آپ ؒ کے مسلک و موقف کی وضاحت ضروری ہے۔ اس سلسلے میں علماء کرام نے جو کچھ لکھا ہے، مختصراً یہاں درج کیا جاتا ہے۔ قارئین کرام سے درخواست ہے کہ دیانت و انصاف کی نگاہ سے اس کا مطالعہ فرمائیں۔ علامہ محمد مراد مکی حنفی ؒ مکتوبات شریف کے اس مقام پر حاشیہ میں لکھتے ہیں:

(ترجمہ) "اور اس بارے میں آپ کا قول علمائے اسلاف رحمہم اللہ کے اس قول کے مخالف نہیں ہے کہ بدعت کی دو قسمیں کی ہیں یعنی حسنہ اور سیۂ۔ وہ بدعت حسنہ سے ایسی شے مراد لیتے ہیں جس کی صدر اول میں اصل موجود ہو، اگرچہ اشارتاً ہی ہو، جیسے مسجدوں کے مناروں، مدارس اور مسافر خانوں کی تعمیر اور کتابوں کی تدوین اور دلائل کی ترتیب اور اسی طرح کی اور چیزیں اور بدعت سیۂ سے ایسی چیز مراد لیتے ہیں جس کی صدر اول میں بالکل اصل موجود نہ ہو تو امام ربانی قدس سرہ قسم اول پر بدعت کے نام کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ اس کی اصل صدر اول میں موجود ہوتی ہے۔ لہٰذا وہ چیز بدعت اور محدث نہیں ہے بلکہ آپ بدعت صرف قسمِ ثانی کو قرار دیتے ہیں کیونکہ وہی درحقیقت بدعت اور محدث ہے اور حضور ﷺ نے فرمایا کہ "ہر بدعت گمراہی ہے" تو علمائے اسلاف اور حضرت شیخ مجدد علیہ الرحمہ کے درمیان نزاع لفظی ہے کہ قسم اول پر بدعت کا اطلاق ہوتا ہے یا نہیں۔"

۲۔ حضرت شیخ مظہر دہلوی قدس سرہ، مقاماتِ سعیدیہ میں فرماتے ہیں:

"اَلْبِدْعَةُ الْحَسَنَةُ عِنْدَالْاِمَامِ الرَّبَانِيِّ قَدَّسَ سِرُّهُ دَاخِلَةٌ فِي السُّنَّةِ وَ لَا يُطْلَقُ عَلَيْهَا اِسْمُ الْبِدْعَةِ بِمُوْجِبِ كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ وَ النِّزَاعُ لَفْظِيٌّ بَيْنَهُ وَ بَيْنَ الْعُلَمَآءِ الْقَآئِلِيْنَ بِوَجُوْدِ الْحَسَنِ فِي الْبِدْعَةِ"

(بدعت حسنہ امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک سنت میں داخل ہے اور آپ بموجب حدیث کُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ اس پر بدعت کا اطلاق نہیں فرماتے تو اس بارے میں آپ اور دوسرے علمائے کرام کے درمیان جو بدعت حسنہ کے قائل

ہیں نزاع لفظی ہے)

۳۔ "فَكُلُّ بِدْعَةٍ لَمْ تُخَالِفِ السُّنَّةَ وَهِيَ الْبِدْعَةُ الْحَسَنَةُ عِنْدَ الْعُلَمَآءِ دَاخِلَةٌ عِنْدَالإِمَامِ الرَّبَانِي قَدَّسَ سِرُّهُ فِي السُّنَّةِ"

(تو ہر بدعت جو مخالف سنت نہ ہو اور علماء کے نزدیک وہی بدعت حسنہ ہے اور امام ربانی کے نزدیک وہ سنت میں داخل ہے)

۴۔ شاہ عبدالغنی محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ انجاح الحاجۃ حاشیہ ابن ماجہ میں "مَنْ اَحْدَثَ فِي اَمْرِنَا هٰذَا مَالَيْسَ مِنْهُ" (الحدیث) کے تحت فرماتے ہیں:

"اَیْ مَالَيْسَ مِنْ وَسَائِلِهٖ فَاِنَّ الْوَسِيلَةَ دَاخِلَةٌ فِيهِ وَلِهٰذَا قَالَ الشَّيْخُ الْمُجَدِّدُ ﷺ اَنَّ الْعُلُوْمُ الَّتِیْ وَسَائِلُ لِاَمْرِ الدِّيْنِ كَالصَّرْفِ وَالنَّحْوِ دَاخِلَةٌ فِي السُّنَّةِ وَ لَا يُطْلَقُ عَلَيْهَا اِسْمُ الْبِدْعَةِ عِنْدَهٗ ﷺ لَيْسَ مِنْهَا حَسَنُ الْبَتَّةَ"

(یعنی وہ چیز جو دین کے وسائل میں سے نہ ہو کیونکہ شے کا وسیلہ اور ذریعہ اس میں داخل ہوتا ہے۔ اسی لئے شیخ مجدد ﷺ کے نزدیک وہ علوم جو دین کے وسائل ہیں جیسے صرف ونحو سنت میں داخل ہیں اور آپ اس پر بدعت کا اطلاق نہیں کرتے کیونکہ امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک بدعت میں کوئی حسن اور خوبی نہیں)

۵۔ نیز معمولاتِ اہلِ سنت کے مطابق حضرت امام ربانیؒ اپنے پیر و مرشد کی مجلس عرس شریف میں شریک ہوتے تھے۔ حضرات القدس جلد دوم، ص ۲۹ پر ہے کہ آپ بتقریب عرس حضرت خواجہ قدس سرہ دہلی تشریف لائے۔ آپ نے خود اپنے مکتوبات شریف کے دفتر اول، جلد دوم، ص ۲۳۳ میں فرمایا ہے:

در ایامِ عرس حضرت خواجہ جیو قدس سرہٗ بحضرت دهلی رسیده بخاطر داشت که درملازمت علیه نیز برسد دریں اثنا خبرِ کوچ منتشر گشت بضرورت توقف نموده۔

"حضرت خواجہ جیو قدس سرہ کے عرس مبارک کے ایام میں فقیر دہلی آیا۔ ارادہ تھا کہ حضرت (شیخ فرید) کی خدمت عالی میں بھی حاضر ہو۔ آنے کی تیاری میں تھا کہ آپ کے تشریف لے جانے کی خبر مشہور ہوگئی تو ارادہ ملتوی کرنا پڑا"

۶۔ آپؒ فوت شدگان کی فاتحہ دلاتے تھے اور ایصال ثواب کرتے تھے۔ مکتوبات شریف میں آپؒ کے اس

عمل کی تصریح موجود ہے۔

۷۔ آپؒ مزاراتِ بزرگان پر تشریف لے جاتے تھے اور قبر پر پڑے ہوئے اجھاڑ کو تبرک جانتے تھے اور عقیدت کے ساتھ قبول کرتے تھے (حضرات القدس، جلد۲، صفحہ۷۹)۔

۸۔ حضرت امام ربانیؒ تصورِ شیخ، استمداد اِدِاولیاء کرامؒ کے قائل ہیں جیسا کہ مکتوبات شریف میں آپ نے جابجا مسائل کو وضاحت سے لکھا ہے۔ ان مختلف فیہ مسائل میں حضرت مجدد قدس سرہٗ کے مسلک و موقف کے متعلق پورے طور پر واقف ہونے کے لئے بندہ کی تالیف "مسلکِ اولیاءِ اُمت" کا مطالعہ فرمائیں۔

علماء کرام کی مذکورہ تحقیقات اور حوالہ جات سے روز روشن کی طرح یہ بات واضح ہوگئی ہے کہ حضرت امام ربانیؒ کا مسلک اہلِ سنت کے عین مطابق ہے اور مخالفین آپ کا مسلک غلط رنگ میں پیش کرتے ہیں۔

امام ربانیؒ کے بدعت سے متعلق ایک مکتوب کا اقتباس

مکتوباتِ ربانی میں خواجہ عبدالرحمٰن مفتی کابلی کے نام حضرت مجدد علیہ الرحمہ (مکتوب نمبر ۱۸۶، دفتر اول، حصہ سوم میں) لکھتے ہیں۔ آپ فرماتے ہیں:

کہنے والوں نے کہا ہے کہ بدعت کی دو اقسام ہیں۔ حسنہ اور سیۂ، حسنہ اس نیک عمل کا نام رکھتے ہیں جو حضور ﷺ اور آپ کے خلفائے راشدین علیہ وعلیھم الصلوات اتمہا ومن التحیات اکملہا کے زمانہ کے بعد پیدا ہوئی ہے اور کسی سنت کو اٹھانے اور دور کرنے والی نہ ہو اور سیۂ اس کو کہتے ہیں جو سنت کو مٹانے اور دور کرنے والی ہو۔ یہ فقیر ان بدعتوں میں سے کسی بدعت کے اندر حسن و نورانیت کا مشاہدہ نہیں کرتا اور ظلمت و کدورت کے سوا کسی شئے کا احساس نہیں ہوتا۔ اگر فرضاً آج مبتدع کے عمل کو ضعفِ بصارت کے باعث طراوت و تازگی کی شکل میں دیکھتے ہیں تو کل جب کہ نظر تیز کردیں گے تو پتہ چل جائے گا کہ خسارے اور ندامت کے سوا اس کا کچھ نتیجہ نہیں تھا۔

بر وقت صبح شود همچو روز معلومت   کہ با کہ باختۂ عشق در شبِ دیجور

(صبح کے وقت روز روشن کی طرح تجھے معلوم ہوجائیگا کہ تو نے شب تاریک میں کس کیساتھ رشتہ عشق جوڑ رکھا تھا)

حضور سید البشر علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات فرماتے ہیں:

"مَنْ اَحْدَثَ فِی اَمْرِنَا ھٰذَا مَا لَیْسَ مِنْہُ فَھُوَ رَدٌّ"

(جس نے ہمارے اس دین میں وہ چیز نکالی جو اس میں نہ ہو تو وہ شے مردود ہے)[1]

جو چیز مردود ہو اس میں حسن کہاں سے آسکتا ہے۔ یہ قول حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے۔

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۲۵۵۰، جلد۲، صفحہ ۹۵۹۔

آپ (حضرت مجددؒ) فرماتے ہیں کہ جاننا چاہئے کہ بعض بدعات جنہیں علماء اور مشائخ بدعتِ حسنہ کہتے ہیں جب ان کا خوب مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ بھی رافع سنت ہے۔ مثلاً میت کے کفن میں عمامے کو انہوں نے بدعت حسنہ کہا ہے حالانکہ یہ بدعت بھی رافع سنت ہے، کیونکہ اس سے کفن کے تین کپڑوں میں تین کے عدد کا نسخ ہے اور نسخ عین رفع ہے۔ یوں ہی مشائخ نے دستار کے شملے کو دائیں جانب چھوڑنے کو مستحسن کہا ہے حالانکہ اس بارے میں سنت یہ ہے کہ پشت پر دونوں کاندھوں کے درمیان ہو، تو ظاہر ہے کہ یہ بدعت بھی رافع سنت ہے۔ نیز علماء نے جو نیت نماز میں کہا ہے کہ دل سے نیت کے باوجود زبان سے نیت کرنا بھی مستحسن ہے، حالانکہ زبان سے نیت کرنا حضور علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام سے نہ صحیح روایت سے ثابت ہے اور نہ ضعیف روایت سے اور نہ صحابہ کرام اور تابعین عظام سے یہ ثابت ہے کہ وہ زبان سے بھی نیت کرتے تھے بلکہ دستور یہ تھا کہ جب اقامت ہوتی تھی تو ساتھ ہی وہ تکبیر تحریمہ کہتے تھے، تو زبان سے نیت کرنا بھی بدعت ہے اور علماء نے اس بدعت کو بھی حسنہ کہا ہے اور یہ فقیر جانتا ہے کہ یہ بدعت سنت تو کجا فرض کے خاتمے کا بھی باعث ہے کیونکہ زبان سے نیت کے جائز ہونے کی صورت میں اکثر لوگ زبان سے نیت پر ہی کفایت کر بیٹھیں گے اور دل کی غفلت کی کچھ پرواہ نہ کریں گے۔ پس اس ضمن میں نماز کے فرائض میں سے ایک فرض نیت قلبی بھی چھوٹ جاتی ہے اور اس سے نماز ہی فاسد ہو جاتی ہے۔ یہی حال باقی بدعات اور محدثات کا ہے۔ کہ یہ سب کسی نہ کسی طرح سنت پر زیادتی ہے اور زیادتی نسخ ہے اور نسخ رفع ہے۔ لہٰذا تم پر لازم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کی متابعت کے ہی پابند رہو اور آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اقتدا پر ہی کفایت کرو کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہدایت کے ستارے ہیں۔ تم ان میں سے جس کی اقتدا کرو گے ہدایت پاؤ گے۔[1] باقی قیاس اور اجتہادِ فقہی تو وہ بالکل بدعت نہیں بلکہ وہ نصوص کے معنی کو ظاہر و واضح کرتا ہے۔ کسی نئی چیز یا زائد چیز کو ثابت نہیں کرتا تو اے اصحابِ بصیرت عبرت پکڑو اور ہر متبع ہدایت اور حضرت محمد مصطفیٰ علیہ وعلی آلہ الصلوات والتسلیمات کی متابعت کی پابندی کرنے والے پر سلامتی کا نزول ہوتا رہے۔

اتباعِ شریعت کا ہونا اور بدعت سے اجتناب

حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے مکتوب نمبر ۲۳ (دفتر دوم، حصہ اول) میں خواجہ محمد عبداللہ کے نام لکھا ہے کہ عمدہ کام روشن سنت کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب کرنا ہے اور نقشبندیہ طریقہ کی فضیلت شریعت کی اتباع اور عزیمت پر عمل کرنا ہے۔ فرماتے ہیں:

"یہ سب سے اعلیٰ نصیحت فرزند عزیز سلمہ اللہ تعالیٰ اور تمام دوستوں کو کی جاتی ہے کہ وہ روشن سنت علی صاحبہا الصلوۃ والسلام والتحیۃ کی اتباع اور ناپسندیدہ بدعت سے اجتناب ہے۔ اسلام اس زمانہ میں غریب

---

[1] مشکوۃ المصابیح، محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی، حدیث ۶۰۱۸، جلد ۳، صفحہ ۱۶۹۶، المکتب الاسلامی، بیروت۔

ہو چکا ہے اور مسلمان غریب ہو چکے ہیں اور روز بروز کمزور سے کمزور تر ہوتے جا رہے ہیں یہاں تک کہ ایک وقت وہ آ جائے گا کہ زمین پر اللہ کا نام لینے والا نہ رہے گا اور قیامت بدترین لوگوں پر قائم ہوگی"

سعادت مند وہ ہے جو اس غریب اسلام کے زمانہ میں چھوڑی ہوئی سنتوں میں سے کسی سنت کو زندہ کرے اور مروجہ بدعات میں سے کسی بدعت کو مارے اور ختم کرے۔ یہ وہ وقت ہے کہ حضرت خیر البشر علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والسلام کی بعثت کو ایک ہزار برس گزر چکا ہے اور قیامت کی علامات ظاہر ہونا شروع ہو چکی ہیں اور زمانہ نبوت کے دور ہونے کے باعث سنت پوشیدہ ہو چکی ہے اور کذب اور جھوٹ کے عام ہونے کے باعث بدعت جلوہ گر ہو چکی ہے۔ کسی شہباز کی ضرورت ہے جو سنت کی مدد کرے اور بدعت کو شکست دے۔ بدعت کا مروّج ہونا دین کی ویرانی کا موجب ہے اور بدعتی کی تعظیم اسلام کو مٹانے کا باعث ہے۔ حدیث:

"مَنْ وَقَّرَ صَاحِبَ بِدْعَةٍ فَقَدْ اَعَانَ عَلٰی هَدْمِ الْاِسْلَامِ"

(جس نے بدعتی کی تعظیم کی اس نے اسلام کے گرانے میں مدد کی) [1]

سنی ہوگی۔ پوری ہمت اور پورے ارادے کے ساتھ سنتوں میں سے کسی سنت کو رواج دینے اور بدعتوں میں سے کسی بدعت کو ختم کرنے کی طرف توجہ کرنی چاہئے۔ ہر وقت، خصوصاً آج کل کہ ضعفِ اسلام کا زمانہ ہے، نشاناتِ اسلام کا قائم کرنا، سنت کی ترویج اور بدعت کی تخریب سے وابستہ ہے۔ گزشتہ لوگوں نے بدعت میں حسن دیکھا ہوگا تب ہی تو انہوں نے بدعت کے بعض افراد کو مستحسن کہا ہے لیکن یہ فقیر اس مسئلہ میں ان کے ساتھ موافقت نہیں رکھتا اور بدعت کے کسی فرد کو حسنہ نہیں کہتا اور اس میں ظلمت و کدورت کے سوا کچھ احساس نہیں کرتا۔ حضور علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا ہے:

"كُلُّ بِدْعَةٍ ضَلَالَةٌ"

(ہر بدعت گمراہی ہے) [2]

اور یہ فقیر یہ پاتا ہے کہ اسلام کی سلامتی سنت کے بجالانے کے ساتھ وابستہ ہے اور اس کی خرابی اور ویرانی بدعت کے ارتکاب میں ہے، چاہے جو بدعت بھی ہو، یہ فقیر بدعت کو اس کہی کی طرح جانتا ہے جو اسلام کی بنیاد کو گراتی ہے اور سنت کو روشن تارے کی طرح پاتا ہوں جو تاریک رات میں ہدایت کا باعث بنتا ہے۔ حق سبحانہ وتعالیٰ علمائے وقت کو توفیق دے کہ کسی بدعت کو حسنہ نہ کہیں اور کسی بدعت کے ارتکاب کا فتویٰ نہ دیں اگرچہ وہ بدعت ان کی نظر میں سپیدہ صبح کی طرح دکھائی دے کیونکہ شیطانی آرائشوں کو غیر سنت میں غلبۂ عظیم

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۳۷۱۰، جلد ۱ صفحہ ۲۶۴۔

[2] سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۲، جلد ۱ صفحہ ۱۵۔

حاصل ہے۔ گزشتہ زمانوں میں جبکہ اسلام قوی تھا، بدعت کی تاریکیوں کو برداشت کر سکتا تھا اور شاید کہ نور اسلام کی روشنی میں بعض اشخاص کو بعض تاریکیاں نورانی محسوس ہوں۔

قرآن میں احکامِ شریعت، امام ابوحنیفہ" کا اجتہاد اور تصوف کا شریعت پر مدار ہونے پر حضرت مجدد" کا اظہار خیال

حضرت مجدد علیہ الرحمہ مکتوب نمبر ۵۵ (حصہ ہفتم، دفتر دوم) میں خواجہ محمد سعید کی طرف لکھتے ہیں کہ قرآن مجید شریعت کے تمام احکام کا جامع ہے اور امام ابوحنیفہ" کے بہت بلند مناقب ہیں۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ تصوف کا دارومدار شریعت پر ہے۔

خواجہ محمد پارسا نے "فصول ستہ" میں جو لکھا ہے اسی لئے لکھا ہے کہ "حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام بعد از نزول، امام ابوحنیفہ" کے مذہب پر عمل کریں گے" یعنی حضرت روح اللہ کا اجتہاد امام اعظم کے اجتہاد کے مطابق ہوگا، نہ یہ کہ وہ اس مذہب کی تقلید کریں گے کہ ان کی شان اس سے بہت بلند ہے کہ وہ علمائے امت کی تقلید کریں۔

بلا تعصب و تکلف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مذہب کی نورانیت کشفی طور پر دریائے عظیم کی طرح نظر آتی ہے اور باقی دوسرے تمام مذاہب اس کے مقابل حوض اور چھوٹی نہروں کی طرح معلوم ہوتے ہیں اور ظاہر میں بھی جو کچھ نظر آ رہا ہے، وہ یہ ہے کہ اہل اسلام کی اکثریت ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے مذہب کی پیرو ہے اور یہ مذہب کثرت متبعین کے باوجود اصل اور فروع میں دوسرے تمام مذاہب سے متمیز ہے اور استنباط میں اپنا ایک الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ بات اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔

عجیب معاملہ ہے کہ امام ابوحنیفہ" سنت کی پیروی میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں اور مرسل احادیث کی پیروی بھی مسند احادیث کی طرح کرتے ہیں اور ان کو اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور اسی طرح صحابہ کے قول کو بھی خیر البشر علیہ وعلیہم الصلوات والتسلیمات کی صحبت کی وجہ سے اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں اور دوسروں کا یہ مسلک نہیں ہے۔ اس کے باوجود مخالف ان کو "اصحاب الرائے" کہتے ہیں اور ان کی طرف ایسے الفاظ منسوب کرتے ہیں جن سے سوء ادبی ظاہر ہوتی ہے حالانکہ یہ سب ان کے کمال علم اور تقویٰ اور پرہیزگاری کی کثرت کے بھی معترف ہیں۔ حق سبحانہ وتعالیٰ ان کو توفیق دے کہ وہ دین کے سردار اور اہل اسلام کے رئیس کی دل آزاری نہ کریں۔ اور اسلام کے سوادِ اعظم کو ایذا نہ پہنچائیں۔ یہ لوگ خدا کے نور کو اپنی پھونکوں سے بجھانا چاہتے ہیں۔

وہ لوگ جو اکابرین کو "اصحاب الرائے" کہتے ہیں اگر یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ وہ اپنی رائے سے حکم

کرتے تھے اور کتاب وسُنّت کی متابعت نہیں کرتے تھے اور اس صورت میں وہ اپنے گمانِ فاسد کی بنا پر اہل اسلام کے سوادِ اعظم کو گمراہ اور بدعتی کہتے ہیں بلکہ اپنے خیال میں ان کو اہل اسلام کی جماعت سے خارج قرار دیتے ہیں تو یہ عقیدہ یا تو وہ جاہل رکھتا ہوگا جو خود اپنی جہالت سے بے خبر ہے یا وہ بے دین جس کا مقصد نصف دین کو باطل کرنا ہے۔

چند ایک ناقص لوگوں نے چند احادیث یاد کر رکھی ہیں اور احکام دین کو انہی میں منحصر سمجھتے ہیں اور اپنی معلومات کے سوا دوسری چیزوں کی نفی کرتے ہیں اور جو ان کے نزدیک ثابت نہیں ہے، اس کا انکار کرتے ہیں۔

چوں آں کرمے کہ درسنگے نہاں است زمین و آسمان او ہماں است

ہزار افسوس ان کے خشک تعصب اور ان کی نظرِ فاسد پر کہ فقہ کے بانی ابوحنیفہؒ ہیں اور لوگوں نے فقہ کا تین چوتھائی حصہ ان کے لئے مسلّم رکھا ہے اور صرف باقی چوتھائی حصہ میں دوسرے فقہاء ان کے شریک ہیں اور فقہ میں صاحب خانہ وہ ہیں اور دوسرے سب اس کے عیال ہیں باوجودیکہ میں مذہب حنفی کا پابند ہوں لیکن مجھے امام شافعیؒ سے گویا ذاتی محبت ہے۔ ان کو بزرگ سمجھتا ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض نفلی اعمال میں میں ان کے مذہب کی تقلید کرتا ہوں لیکن کیا کروں کہ دوسرے فقہاء کو میں باوجود بے انتہا علم اور کمالِ تقویٰ کے امام ابوحنیفہؒ کے مقابلہ میں بچوں کی طرح دیکھتا ہوں اور حقیقت معاملہ خداتعالیٰ کے سپرد ہے۔

اب ہم اصل بات کی طرف آتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اوپر گزر چکا ہے کہ اجتہادی احکام میں اختلاف کرنا اگرچہ وہ اختلاف پیغمبر ہی سے صادر کیوں نہ ہو، نسخ کو مستلزم نہیں ہے، برخلاف اس اختلاف کے جو کتاب وسنت کے احکام میں ہو کہ وہ موجب نسخ ہے، جیسا کہ اس کی تحقیق پہلے گزر چکی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ احکامِ شریعت کے اثبات میں اصل چیز کتاب وسنت ہے اور مجتہدین کا قیاس اور امت کا اجماع بھی احکام کا مثبت ہے۔ ان چار شرعی دلائل کے سوا کوئی دلیل بھی احکامِ شرعیہ کی مثبت نہیں ہوسکتی۔ الہام حلت و حرمت کا مثبت نہیں ہے اور اہلِ باطن کا کشف فرض وسنت کا اثبات نہیں کرسکتا۔ ولایتِ خاصہ کے مالک اور عام مومن مجتہدین کی تقلید میں برابر ہیں اور کشف اور الہام سے ان کی کوئی فضیلت نہیں مل سکتی اور وہ تقلید کی زنجیر سے باہر نہیں نکل سکتے۔ ذوالنون مصریؒ اور بایزید بُسطامیؒ اور جنید بغدادیؒ اور شبلیؒ احکام اجتہادیہ میں مجتہدین کی تقلید کرنے میں زید، عمرو بکر اور خالد کے ساتھ جو کہ عام مومنین میں سے ہیں، برابر ہیں۔ (مذکورہ مکتوب ۵۵)

ہاں ان بزرگواروں کی فضیلت اور امور میں ہے۔ یہ لوگ اصحابِ کشف ومشاہدہ ہیں اور یہی لوگ تجلیات وظہورات کے مالک ہیں جو کہ محبوبِ حقیقی جل سلطانہ کی محبت کے غلبہ میں اس کے ماسوا سے تعلق

توڑے ہوئے ہیں اور غیر اور غیریت کو دیکھنے اور سمجھنے سے آزاد ہو چکے ہیں۔ اگر یہ کچھ حاصل رکھتے ہیں تو وہی ان کا حاصل ہے اور اگر واصل ہیں تو اسی سے واصل ہیں۔ دنیا میں رہتے ہوئے بھی دنیا میں نہیں ہیں اور باخود ہوتے ہوئے بھی بے خود ہیں۔ اگر یہ زندہ ہیں تو اسی کے لئے زندہ ہیں اور اگر یہ مرتے ہیں تو اسی کے لئے مرتے ہیں۔ ان کے مبتدی غلبۂ محبت کے ذریعہ سے مطلوب کو دنیا کے ہر ایک ذرہ کے آئینہ میں مشاہدہ کرتے ہیں اور ہر ذرہ کو اللہ تعالیٰ کی اسمائی و صفاتی تمام کمالات کا جامع سمجھتے ہیں اور ان کے منتہیوں کا کیا نشان دیا جائے کہ وہ بے نشان ہیں۔ ان کا پہلا قدم ماسوا کو فراموش کرنا ہے اور ان کے دوسرے قدم کو کیا بیان کیا جائے کیونکہ وہ آفاق و انفس سے باہر ہے۔ الہام ان کو ہوتے ہیں اور کلام ان سے ہوتا ہے۔ اکابر حقیقت میں یہی لوگ ہیں۔ یہ علوم اور اسرار بلا واسطہ اصل سے اخذ کرتے ہیں اور مجتہدین کی طرح کہ وہ اپنی رائے اور اجتہاد کے پابند ہوتے ہیں۔ یہ لوگ بھی معارف و مواجید میں اپنے الہام اور فراست کے تابع ہیں۔

حضرت خواجہ محمد پارسا قدس سرہٗ نے لکھا ہے کہ علوم لدنی کے فیض دینے میں حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت متوسط ہے علی نبینا وعلی جمیع الانبیاء والمرسلین الصلوٰۃ والسلام۔ ظاہراً یہ بات ابتداء اور توسط کی نسبت معلوم ہوتی ہے اور منتہی کا معاملہ ہی دوسرا ہے جیسا کہ صاحب کشف اس کی شہادت دیتا ہے اور اس کشف تخصیص کا مؤید حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ تعالیٰ سرہ کا وہ قول ہے کہ ایک روز وہ منبر پر بیٹھ کر علوم اور معارف بیان کر رہے تھے کہ اس اثناء میں حضرت خضر علیہ السلام کا گزر ہوا تو شیخ نے فرمایا ''اے اسرائیلی! آ کلامِ محمدی ﷺ سن'' شیخ کی اس عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خضر علیہ السلام محمدی ﷺ نہیں ہیں بلکہ پہلی امتوں میں سے ہیں اور جب ایسا ہو تو محمدیوں کو ان سے کیا واسطہ؟

پس معلوم ہوا کہ علوم اور معارف احکامِ شرعیہ کے علاوہ اور چیزیں جن کے ساتھ اہل اللہ مخصوص ہیں۔ یہ صحیح ہے کہ وہ معارف انہی احکام کا نتیجہ اور ثمرہ ہیں اور درخت لگانے کا مقصد انہی ثمرات کا حصول ہے، لیکن جب تک درخت قائم ہے ثمرات کی توقع ہے اور جب اصل درخت میں خلل واقع ہوگا تو پھل ختم ہو جائیں گے۔ بیوقوف ہے وہ آدمی جو درخت کو تو کاٹے اور پھلوں کی توقع رکھے۔ جس قدر درخت کی اچھی طرح پرورش کریں گے اتنا ہی وہ پھل زیادہ دے گا اور پھل اگرچہ مقصود ہے لیکن پھر بھی وہ درخت کی فرع ہے۔ شریعت کی پابندی کرنے والے اور شریعت میں سستی کرنے والے کی یہی مثال سمجھ لیں۔ جو شریعت کی پابندی کرتا ہے، وہ صاحب معرفت ہے۔ جتنی پابندی زیادہ کرے گا، اتنی ہی معرفت زیادہ ہوگی اور جو سستی کرنے والا ہے، وہ معرفت سے بے نصیب ہے اور اگر بالفرض وہ اپنے فاسد گمان کی بنا پر کچھ رکھتا ہے تو وہ استدراج ہے کہ جوگی اور برہمن بھی اس میں شریک ہیں۔ ہر وہ حقیقت جس کو شریعت رد کر دے، وہ بے دینی اور الحاد ہے۔

پس جائز ہے کہ خواص اہل اللہ، اللہ تعالیٰ کے افعال اور ذات وصفات کے معارف میں بعض اسرار و دقائق معلوم کریں کہ ظاہر شریعت ان معارف سے خاموش ہو اور حرکات وسکنات میں خداوند تعالیٰ کا اذن یا عدمِ اذن معلوم کر لیں اور خدا تعالیٰ کی مرضی اور عدم مرضی کو جان لیں۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ بعض اوقات میں بعض نفلی عبادتوں کا ادا کرنا وہ ناپسندیدہ جانتے ہیں اور ان کو ان کے چھوڑ دینے کا حکم ہوتا ہے اور کبھی وہ سونے کو جاگنے سے بہتر سمجھتے ہیں۔ احکام شرعیہ اوقات پر مقرر ہیں اور احکام الہامیہ ہر وقت ثابت ہیں اور چونکہ ان بزرگواروں کی حرکات وسکنات خدا تعالیٰ کے اذن سے وابستہ ہیں تو لازماً دوسروں کے نوافل ان کے فرائض ہیں۔ مثلاً ایک کام ایک آدمی کی نسبت شریعت کا نفلی حکم ہے اور وہی فعل کسی دوسرے کے لئے بطور الہام فرض ہے۔

پس دوسرے کبھی نوافل ادا کرتے ہیں اور کبھی امور مباحہ کا ارتکاب کرتے ہیں اور یہ بزرگوار چونکہ کام کو خدا تعالیٰ کی اجازت اور حکم سے کرتے ہیں تو وہ سب ان کے لئے فرض ہوتے ہیں۔ دوسروں کے مباح اور مستحب ان کے فرائض ہیں۔ اس لحاظ سے ان بزرگواروں کی بلندی مرتبہ معلوم کرنا چاہئے۔ علماء ظاہر امورِ دین میں غیبی اخبار کو صرف انبیاء علیہم الصلوٰت والتسلیمات کے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں اور دوسروں کی ان اخبار میں شرکت جائز نہیں سمجھتے اور یہ بات وراثت کے منافی ہے اور بہت سے علوم اور معارف صحیحہ کی نفی ہے جو کہ دین متین کے ساتھ تعلق رکھتے ہیں۔ ہاں شرعی احکام اَدِلّہ اربعہ سے وابستہ ہیں کہ الہام کو ان میں کوئی دخل نہیں ہے۔

لیکن امورِ دینیہ احکام شرعیہ کے علاوہ اور بھی بہت سے ہیں کہ جن میں پانچواں اصل الہام ہے بلکہ کہنا چاہئے کہ تیسرا اصل الہام ہے۔ کتاب وسنت کے بعد یہ اصل قیامت تک قائم ہے۔ پس دوسروں کو ان بزرگواروں سے کیا نسبت؟ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسرے لوگ بعض اوقات میں عبادت کرتے ہیں اور وہ عبادت ناپسندیدہ ہوتی ہے اور یہ بزرگوار بعض حالات میں عبادت چھوڑ دیتے ہیں اور وہ چھوڑ دینا پسندیدہ ہوتا ہے، تو حق جل واعلیٰ کے نزدیک ان کا ترک دوسروں کے فعل سے بہتر ہے اور عوام اس کے برخلاف حکم کرتے ہیں۔ اس کو عابد سمجھتے ہیں اور اس (مؤخر الذکر) کو مکار اور فریبی۔

سوال: جب دین کتاب وسنت سے مکمل ہو چکا تو مکمل ہونے کے بعد الہام کی کیا ضرورت پڑی اور کیا نقصان رہ گیا تھا جو کہ الہام سے پورا ہوا؟ (زبدۃ المقامات)

جواب: الہام دین کے مخفی کمالات کا مظہر ہے نہ کہ کمالات زائدہ کا مظہر، جیسا کہ اجتہاد احکام کا مظہر ہے، اسی طرح الہام دقائق واسرار کا مظہر ہے کہ اکثر لوگوں کا فہم اس کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ ہر چند کہ اجتہاد اور الہام میں فرق واضح ہے کہ اس کا دارومدار رائے پر ہے اور اس (الہام) کا دارومدار خداوند تعالیٰ کی ذات پر ہے۔ پس

الہام میں ایک قسم کی اصلیت پیدا ہوگئی جو اجتہاد میں نہیں تھی۔ الہام کی مثال نبی کی مثال کی طرح ہے جو کہ سنت کا ماخذ ہے جیسا کہ اوپر گزر چکا۔ اگرچہ الہام ظنی ہے اور اعلام (نبی کا خبر دینا) قطعی ہے۔ اے ہمارے رب ہمیں اپنی جناب سے رحمت عنایت فرما اور ہمارے کام میں بھلائی پیدا کر اور سلام اس پر ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔

فرقہ بندی پر حضرت مجددؒ کے کلام کا خلاصہ

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات سے ماخوذ مندرجہ بالا فرمودات سے یہ واضح ہوتا ہے کہ بدعت کا اطلاق صرف ان چیزوں پر ہے جو دین میں نئی بات یا نئی رسم نکالے اور اس رسم یا رواج کو دین کا حصہ قرار دے۔ انہی اختلافات کی وجہ سے امتِ مسلمہ میں ۷۲ فرقے نمودار ہوئے۔ مکتوب نمبر ۶۷ (مکتوبات امام ربانی، حصہ ہفتم، دفتر دوم) میں اہلِ سنت و جماعت کے عقائد اور اسلام کے ارکانِ خمسہ کے متعلق ایک اچھی خاصی تفصیل موجود ہے۔ شائقین حضرات آپ کے مذکورہ مکتوب کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ نے پیغمبر اسلام ﷺ کا قول نقل فرمایا ''بنی اسرائیل ۷۲ فرقوں میں تقسیم ہوئے، ان میں صرف ایک فرقہ جنتی ہے، باقی سب فرقے دوزخی ہیں اور قریب ہے کہ میری امت ۷۳ فرقوں میں تقسیم ہو جائے گی جن میں سے صرف ایک فرقہ جنتی ہوگا اور باقی سب دوزخ میں جائیں گے'' صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا ''نجات پانے والے فرقہ میں وہ کون سے لوگ ہوں گے'' تو آنحضرت ﷺ نے فرمایا یہ وہ لوگ ہیں جن کا طریقہ وہی ہوگا جو میرا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا طریقہ ہے''[1] حضرت مجدد علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ راہ نجات پانے والا فرقہ اہل سنت و جماعت ہے، جو رسول ﷺ کی متابعت کو لازم پکڑے ہوئے ہیں اور آنحضرت ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہا کی پیروی کرتے ہیں۔ آپ نے مزید فرمایا ''اے اللہ ہمیں اہل سنت و جماعت کے عقیدہ پر ثابت قدم رکھ اور انہیں کی جماعت میں ہماری موت ہو اور انہی کی جماعت میں ہم کو بروزِ حشر اٹھا۔ آمین''

اسی مکتوب میں آپؒ نے یہ بھی فرمایا ہے ''حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ اللہ اپنی کتاب ''غنیۃ الطالبین'' میں فرماتے ہیں کہ بدعتی لوگوں کے گروہ کہ جن کے اصول نو جماعتیں ہیں، یہ لوگ ہیں: خوارج، شیعہ، معتزلہ، مرجیہ، مشبہ، جہمیہ، ضراریہ، بخاریہ، کلابیہ۔ یہ لوگ رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں نہ تھے اور نہ ہی خلفائے اربعہ رضی اللہ عنہم کی خلافت کے زمانہ میں تھے۔ یہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، تابعین، فقہائے سبعہ رضی اللہ عنہم کے وفات کے کئی سال بعد پیدا ہوئے''

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں لکھا ہے کہ:

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۲۶۴۱، جلد ۵، صفحہ ۲۶۔

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ”جو آدمی میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت سا اختلاف دیکھے گا۔ پس تم میری سنت اور خلفائے راشدین کی سنت کو اپنے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو اور دین میں نئے پیدا ہونے والے امور سے اپنے آپ کو بچاؤ، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے اور جو کچھ میرے بعد دین میں نیا پیدا ہوگا، وہ مردود ہے“۔[1]

مذکورہ بالا بیانات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک کوئی عمل یا تو سنت ہے یا بدعت۔ آپ بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ کے الفاظ استعمال نہیں فرماتے، چنانچہ بہت سے امور جن کو کچھ علماء نے بدعت قرار دیا ہے، وہ آپ کے نزدیک بدعت میں شامل نہیں یعنی بدعت حسنہ امام ربانی قدس سرہ کے نزدیک سنت میں داخل ہے اور آپ بدعت حسنہ پر بدعت کا اطلاق نہیں فرماتے۔ آپ کا دوسرے علماء کے درمیان جو بدعت حسنہ کے قائل ہیں، نزاع لفظی ہے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ کے نزدیک نجات والا فرقہ اہل سنت و جماعت کے سوا اور کوئی نہیں اور اہل سنت و جماعت کا بدعت کے متعلق وہی اعتقاد ہے جس کو حضرت مجدد الف ثانیؒ بدعت قرار دیتے ہیں اور یہی محفوظ راستہ ہے۔

راقم الحروف نے اس بات کو ملاحظہ کیا ہے کہ دین میں اختلاف کی وجہ صرف چند لوگوں کی ہٹ دھرمی اور ذاتی توجیہات کی خود پرستی ہے۔ جو لوگ اس فساد سے بچنا چاہتے ہیں ان کے لئے ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل نکات کو ذہن نشین کرنے کے بعد تمام مسائل کا خود فیصلہ کریں اور مُلا کی بحث سے بچیں۔ جیسا کہ علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

ع (اے مسلماں اپنے دل سے پوچھ مُلا سے نہ پوچھ)

وہ قابل غور نکات حسب ذیل ہیں:

۱۔ کچھ لوگ صرف دین کے عالم ہونے کی حیثیت رکھتے ہیں اور ان کو اولیاء اللہ کے زمرہ میں شمار نہیں کیا جا سکتا۔ اس علم کو جاننے والے، ہندو، سکھ اور عیسائی بھی ہو سکتے ہیں۔ ہر عالم کو ولی اللہ نہیں کہا جا سکتا اور کچھ لوگ تمام علماء کو ہی اولیائے کرام کے زمرہ میں شامل کر لیتے ہیں جو ان کی غلطی ہے۔

۲۔ ایک سرسری نظر میں اس حقیقت کو معلوم کیا جا سکتا ہے کہ کون سا گروہ ایسا ہے کہ جس میں اولیاء اللہ کثرت سے ہو چکے ہیں اور اب بھی موجود ہیں اور کون سا گروہ ایسا ہے جس میں عالم تو ہیں مگر ولی اللہ ایک بھی نہیں۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ تمام اولیاء اللہ صرف اہل سنت و جماعت سے ہی

---

[1] سنن ابی داؤد، حدیث ۴۶۰۷، جلد ۴ صفحہ ۲۰۰۔

تعلق رکھتے ہیں، چنانچہ یہی وہ گروہ ہے جس کو نجات پانے والا گروہ کہا جا سکتا ہے۔ افسوس کی بات ہے کہ اہل سنت و جماعت کے بہت سے دین نا آشنا لوگ مختلف فرقہ والوں کے ہتھے چڑھ جاتے ہیں اور اپنی لاعلمی کے باعث غلط طریقہ اختیار کر لیتے ہیں۔

۳۔ حضرت مجدد علیہ الرحمہ کا قول اوپر گزر چکا ہے کہ آپؒ نے فرمایا ہے کہ اہل اسلام کی اکثریت حضرت ابو حنیفہؒ کے مذہب کی پیرو ہے جو اصل اور فروع میں تمام مذاہب سے متمیز ہے اور استنباط میں ایک الگ طریقہ رکھتا ہے اور یہ بات اس کے حق ہونے کی دلیل ہے۔ آپ نے یہ بات بھی بغیر کسی شک و شبہ کے لکھ دی ہے کہ اہل سنت و جماعت ہی اسلام کا سوادِ اعظم ہے اور سوادِ اعظم کو گمراہ کہنے والے یا تو جاہل ہیں یا وہ بے دین ہیں جن کا مقصد نصف دین کو باطل کرنا ہے۔

اہل سنت و جماعت کے وہ لوگ جو علم سے دور رہنے کے عادی ہیں، مذکورہ باتوں کا خیال رکھیں اور عقائد پر راقم الحروف کی کتاب ''عقائد اولیائے امت'' جو جلد ہی شائع ہونے والی ہے، کا مطالعہ کریں۔

گیارہواں باب

سُنّت حضرت مجدّد علیہ الرّحمۃ کی نظر میں

حضرت مجدّد الف ثانی ؒ فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کے لئے سُنّتِ رسول اللہ ﷺ کی اِتباع سے بڑھ کر کوئی شرف نہیں۔ آپ ؒ نے فرمایا ہے کہ سلسلۂ عالیہ نقشبندیہ کا سب سے بڑا کمال یہ ہے کہ اس میں اِتباعِ سُنّت کا حد درجہ لزوم اور احترام کیا جاتا ہے۔ آپ ؒ نے مکتوبات شریف میں سُنّتِ رسول ﷺ کی عظمت، افادیت اور اہمیت پر جو عبارات بیان فرمائی ہیں، ان میں سے کچھ عبارات قارئین کرام کی نظر کی جارہی ہیں۔

نجات کا راستہ اہلِ سُنّت و جماعت کی اطاعت میں ہے

حضرت مجدّد الف ثانی ؒ (مکتوب نمبر ۶۹، دفتر اول حصہ دوم میں) فرماتے ہیں کہ نجات کا راستہ اہلِ سُنّت و جماعت کی متابعت میں ہے۔ اقوال میں، افعال میں اور احوال و فروع میں بھی۔ تمام فرقے زوال و ہلاکت کے کنارے پر کھڑے ہیں۔ آج کسی کے علم میں یہ بات آئے یا نہ آئے لیکن کل قیامت کو ہر ایک جان لے گا، مگر اس وقت جاننا بے سود ہوگا۔

حضرت مجدد الف ثانی ؒ ایک اور جگہ (مکتوب نمبر ۸۰، دفتر اول، حصہ دوم) میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے فرقہ ناجیہ کی پہچان کے لئے فرمایا ہے:

"اَلَّذِیْنَ ھُمْ عَلٰی مَااَنَا عَلَیْہِ وَاَصْحَابِیْ"

(یعنی تمام فرقوں میں سے صرف ایک فرقہ جو نجات پائے گا وہ ہے جو اس طریقے پر قائم ہے جس پر میں ہوں اور میرے صحابہ رضی اللہ عنہم) [1]

اس میں ذرہ بھر شک نہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی اتباع کا پابند صرف اہل سنت و جماعت شکّرَ اللہُ

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۲۶۴۱، جلد ۵، صفحہ ۲۶۔

تعالیٰ سَعْیَهُمْ کا گروہ ہے۔ لہٰذا نجات پانے والا فرقہ بھی یہ ہے پھر ایک جگہ (مکتوب ٦٦، ص ٣١٢) میں فرماتے ہیں حضرت خواجگان نقشبندیہ قدس اللہ تعالیٰ سرہم کا طریقہ نیابت کو ابتداء میں اندراج کرنے پر مبنی ہے اور یہ طریقہ بعینہ صحابہ کرام ؓ کا طریقہ ہے اور صحابہ ؓ کو حضور ﷺ کی پہلی ہی صحبت میں وہ کچھ میسر آ گیا کہ اولیاء امت کو بڑھاپے میں جا کر اس کمال کا تھوڑا سا حصہ ہاتھ آتا ہے۔

آپؒ نے فرمایا کہ لذیذ کھانوں اور نفیس ملبوسات میں حظ نفس ملحوظ خاطر نہیں ہونا چاہئے بلکہ کھانے پینے کی اشیاء میں ادائے طاعات کی نیت کے سوا کچھ نیت نہیں ہونی چاہئے اور نفیس لباس بمطابق حکمِ ربی ہونا چاہئے۔

"خُذُوْا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ" (اَىْ عِنْدَ كُلِّ صَلٰوةٍ)

(اختیار کرو اپنی زینت ہر مسجد میں یعنی ہر نماز کے وقت) (اعراف: ٣١)

حکم ربی کے تحت زینت اختیار کرنے کے لئے زینت والا لباس پہننا روا ہے اور کوئی دوسری نیت نہیں ہونی چاہئے۔ اگر حقیقت میسر نہ آئے تو تکلف سے مسجد کی نماز کے لئے یہ نیت دل میں لانی چاہئے اور اللہ کی بارگاہ میں التجا اور تضرع کرتے رہنا چاہئے تا کہ حقیقتِ نیت نصیب ہو۔

(مکتوب نمبر ١٩٣، دفتر اول، حصہ سوم) میں فرماتے ہیں کہ "دنیا و آخرت کی سعادت صرف سید الکونین ﷺ کی اتباع سے وابستہ ہے۔ حضور ﷺ کی متابعت احکام اسلامیہ کی بجا آوری اور رسوم کفر کے دور کرنے میں ہے کیونکہ اسلام اور کفر ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ ایک کا ثابت کرنا دوسرے کے اٹھانے کا موجب ہے اور ان دو ضدوں کا جمع ہونا محال ہے، ایک کو عزت دینا دوسرے کو ذلیل و خوار کرنے کا باعث ہے۔ حدیث میں ہے "اَلدُّنْيَا وَ الْاٰخِرَةُ ضَرَّتَانِ اِنْ رَضِيَتْ اِحْدٰهُمَا سَخِطَتِ الْاُخْرٰى" یعنی (دنیا اور آخرت دو سوکنیں ہیں اگر ایک کو راضی کرو گے تو دوسری ناراض ہو جاتی ہے)[1]

می تواند کہ دھد اشک قبول آنکہ دُرّ ساختہ است قطرۂ بارانی را

(مکتوب ٧٠ حصہ دوم دفتر اول)

(ممکن ہے وہ ذات میرے آنسوؤں کو حسن قبول سے نواز دے، جس نے بارش کے قطرے کو موتی کی صورت عطا کر دی)

دین و دنیا دونوں کو جمع کرنا دو ضدوں کا جمع کرنا ہے۔

"مَا اَحْسَنَ الدِّيْنُ وَ الدُّنْيَا لَوِ اجْتَمَعَا"[2]

---

[1] احیاء العلوم، امام غزالی، متوفی ٥٠٥، جلد ٢، صفحہ ٧٨، دار المعرفۃ، بیروت۔

[2] اضواء البیان، محمد الامین بن محمد، متوفی ١٣٩٣ھ، جلد ٣، صفحہ ٥٠٦، دار الفکر للطباعۃ والنشر، بیروت۔

(کیا ہی اچھا ہوتا اگر دین و دنیا اکٹھی ہو سکتیں)

طالب آخرت کے لئے دنیا چھوڑنا ضروری ہے۔ اگر حقیقتاً ترک دنیا میسر نہ ہو تو کم از کم ترک حکمی وصوری تو ضرور ہونا چاہئے ورنہ ایسا شخص منافق کے حکم میں ہے جو صرف صورتِ ایمان رکھتا ہے اور منافق کا ایمان آخرت میں کچھ نفع نہ دے گا۔ ایسے آدمی کے ایمان کا ثمرہ صرف اس قدر ہے کہ دنیا میں اس کے مال اور جان کا تحفظ ہو جاتا ہے۔ (ترکِ حکمی کا مطلب یہ ہے کہ دنیاوی امور میں بندہ شرع کے تقاضوں اور احکام کی پابندی کرے) (مکتوب نمبر ۷۸۲، دفتر اول، حصہ دوم)

حضور ﷺ کی شریعت تمام شریعتوں کی جامع ہے اور اس کی مخالفت کے تمام راستے بند ہونا ضروری ہیں

حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ جب تک ایک بال برابر بھی شریعت سے مخالفت کی راہ کھلی ہے بدستور خطرے کا محل موجود ہے۔ مخالفت کے تمام راستے بند ہونے ضروری ہیں اور وہ درویش جن کا قدم شریعت میں پختہ ہو اور جو عالم حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں ان کی دعا و ہمت اور توجہ کا طالب رہے اور ان کی مدد طلب کرنی چاہئے تاکہ اللہ ان کی مدد سے اپنی طرف کھینچ لے۔ (مکتوب ۷۸، دفتر اول، حصہ دوم)

آپؒ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی کتاب تمام کتابوں کی جامع یعنی خلاصہ ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ کی شریعت بھی تمام شریعتوں کی جامع ہے۔ عباداتِ شرعیہ کا مقصود دولتِ یقین حاصل کرنا ہے جو حقیقتِ ایمان ہے اور صحابہ ؓ یقین کی دولت سے مالا مال تھے۔ غالباً قرآن کا اشارہ اسی طرف ہے:

"وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَأْتِيَكَ الْيَقِيْنُ٥"

(رب تعالیٰ کی عبادت کرتے رہو یہاں تک کہ یقین کے مقام تک پہنچ جاؤ) (الحجر:۹۹)

اور وہ جو فرمایا:

"يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اٰمِنُوْا"

(یعنی اے صورت ایمان والو حقیقت ایمان لاؤ (عباداتِ ماموره ادا کرنے کے بعد) (النساء:۱۳۶)

ولایتِ کُبریٰ کا درجہ سنت کی کامل پیروی میں ملتا ہے

حضرت مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں ولایت کے کئی درجے ہیں اور ہر نبی کے قدم پر ایک مخصوص ولایت ہے۔ جیسا کہ ولایتِ موسوی ؑ، عیسوی ؑ، محمدی ﷺ وغیرہ) لیکن اعلیٰ ترین ولایت وہ ہے جو ہمارے نبی ﷺ کے قدم پر ہے اور یہ نادر الوجود مقام حضور ﷺ کی اِتباع سے یا کامل پیروی سے ملتا ہے۔

حق تعالیٰ کی طرف قریب کرنے والے اعمال یا تو فرائض ہیں یا نوافل ہیں۔ نوافل کی فرائض کے سامنے کچھ حقیقت نہیں۔ کسی وقت میں فرائض میں سے کسی فرض کو ادا کرنا ہزار سال نوافل ادا کرنے سے بہتر ہے۔ سنت اور مستحب کے متعلق بھی یہی حکم ہے، مثلاً ایک دو پیسے (فرض) زکوٰۃ ادا کرنا بطور نفل پہاڑوں جتنا سونا صدقہ کرنے سے کئی گنا بہتر ہے۔ چنانچہ تہجد کی نیت سے عشاء کی نماز رات کے نصف اخیر میں پڑھنا بہت برا ہے اور امام اعظمؒ کے نزدیک مکروہ ہے اور اس کی عادت بنانا مکروہ تحریمی ہے اور اگر کبھی کبھی ہو تو مباح ہے۔

امام اعظمؒ نے وضو کے مستحبات میں سے ایک مستحب چھوٹ جانے سے ۴۰ سال کی نمازیں قضا کیں۔ (مکتوب ۲۳، حصہ سوم، دفتر اول، ص ۳۳۹) میں حدیث لکھی ہے کہ:

"عَلَامَةُ اِعْرَاضِهٖ تَعَالٰی عَنِ الْعَبْدِ اِشْتِغَالِهٖ بِمَالَایَعْنِیْهِ"

(یعنی اللہ تعالیٰ کا بندے سے اعراض کی علامت یہ ہے کہ بندہ لایعنی کاموں میں مشغول و مصروف ہو جائے)[1]

عبادت جو متابعت کے نور سے روشن نہیں وہ جَو کے برابر بھی نہیں

حضرت مجددؒ فرماتے ہیں کہ ادائے نفل خواہ حج بیت اللہ بطور نفل ہی کیوں نہ ہو اگر فرائض میں سے کسی فرض کے فوت ہونے کا باعث ہو تو وہ نفلی حج لایعنی عمل میں داخل ہے۔ نفلی حج کے لئے ممنوعات کا مرتکب ہونا درست نہیں۔ خانِ خاناں کے نام ایک خط میں (مکتوب نمبر ۱۹۱، حصہ سوم، دفتر اول) آپؒ فرماتے ہیں کہ اگر ہزار سال عبادت کی جائے اور ریاضت شاقہ اور مجاہدات شدیدہ کو بروئے کار لایا جائے اور اگر یہ عبادت متابعت نبی ﷺ کے نور سے روشن نہیں تو بارگاہ ایزدی میں ان کی ایک جو برابر بھی قیمت نہیں۔ سنت کے مطابق سونا ایسے تمام مجاہدات سے بہتر ہے جو شریعت کی متابعت میں نہ ادا کئے گئے ہوں۔

یہ اللہ کا کام ہے کہ شرعی امور میں آسانیاں رکھی گئی ہیں

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے فرمایا کہ یہ اللہ کا کرم ہے کہ دینی امور اور شرعی تکالیف میں آسانی رکھی گئی ہے۔ مثلاً دن رات میں صرف ۱۷ رکعت نماز ادا کرنے کی تکلیف دی گئی ہے اور باقی ۲۳ گھنٹے میں ایسی تکلیف نہیں۔ نماز میں مختصر قرأت کی اجازت دی۔ اگر نماز میں قیام مشکل ہو تو بیٹھ کر پڑھ لے ورنہ لیٹ کر پڑھنے کی بھی اجازت ہے۔ رکوع سجود اشارے سے کر لے، وضو کا بدل تیمم کو کر دیا، زکوٰۃ میں صرف ۴۰ واں حصہ رکھا، عمر میں حج صرف ایک بار فرض کیا وہ بھی مشروط۔ دائرہ مباح بہت کشادہ کیا۔ طلاق کو نکاح کی تبدیلی کا ذریعہ بنایا۔ شراب کو حرام کیا مگر بہت سے مشروبات مباح کئے۔ سونا اور ریشمی لباس مردوں پر حرام کیا۔

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۳۹۷۶، جلد ۱، صفحہ ۱۸۶۔

عورتیں نکاح میں لانا اور لونڈیاں جس قدر رہوں ان کی اجازت دی۔ کھانے پینے کی چیزوں میں زیادہ تر مباح رکھیں، ریشم حرام کیا مگر دیدہ زیب قیمتی چیزیں حلال کیں، مگر یہ دونوں چیزیں عورتوں پر حلال کیں جس کا نفع مرد کے لئے ہے۔ اگر کوئی ان آسانیوں کے باوجود اسلام پر چلنا مشکل جانے تو وہ مرض قلبی میں مبتلا ہے۔ اس مکتوب شریف کی مزید تفصیل آگے دی جا رہی ہے۔

مکتوباتِ ربانی کی عبارات کے چند اقتباسات

۱۔ مُردہ سُنّت کو زندہ کرنا: حضرت مجدد علیہ الرحمۃ (مکتوب نمبر ۷۷، حصہ ہفتم، دفتر دوم میں) فرماتے ہیں کہ جو آدمی بھی سُنّتوں میں سے کسی مردہ سنت کو جو متروک العمل ہو چکی ہے زندہ کرتا ہے اس کو سو شہید کا ثواب ملتا ہے۔[1]

۲۔ محفوظ راستہ اہل سنت و جماعت کا ہے: حضرت مجدّد رحمۃ اللہ (مکتوب نمبر ۵۹، دفتر اول، حصہ دوم میں) فرماتے ہیں کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ علم جس سے عمل مقصود ہے۔ اس علم کے بیان کی تفصیل فقہ ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جس سے مقصود صرف اعتقاد اور یقین قلبی ہے۔ اس علم کی تفصیل بمطابق آرائے صائبہ اہل سنت والجماعت علمِ کلام ہے۔

حضرت مجدّد علیہ الرحمہ اسی ضمن میں مزید فرماتے ہیں اہلِ سُنّت ہی ناجی فرقہ ہے، ان بزرگوں کی اِتباع کے بغیر نجات متصور نہیں۔ اگر بال برابر بھی مخالفت ہے تو خطرہ ہی خطرہ ہے اور پھر فرمایا کہ مضبوط اور محفوظ تر راستہ وہی ہے جس کو اہل سنت و جماعت نے اختیار کیا ہے۔

۳۔ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے: حضرت مجدد علیہ الرحمۃ (مکتوب نمبر ۲۵، حصہ سوم، دفتر اول میں) لکھتے ہیں کہ اللہ سبحانہ تعالیٰ فرماتا ہے:

"مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ"

(جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی) (النساء: ۸۰)

یہاں پر اللہ تعالیٰ نے رسول ﷺ کی اطاعت کو عین اپنی اطاعت قرار دیا تو اللہ عزوجل کی وہ اطاعت جو اطاعتِ رسول ﷺ کی شکل میں نہیں اللہ تعالیٰ کی اطاعت نہیں۔ اس مضمون کی تاکید و تحقیق کے لئے فَقَد تاکیداً لایا گیا تاکہ کوئی نادان و احمق ان دو اطاعتوں کے درمیان فرق نہ کرے اور ایک کو دوسری جگہ اختیار نہ کرے۔ پھر ایک اور جگہ پر اللہ تعالیٰ اس جماعت کی شکایت کرتے ہیں جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۱۷۶، جلد ۱، صفحہ ۸۴۔

کی اطاعت میں فرق کرتے ہیں۔ لہٰذا فرمایا۔

"يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّفَرِّقُوْا بَيْنَ اللّٰهِ وَرُسُلِهٖ وَيَقُوْلُوْنَ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَّنَكْفُرُ بِبَعْضٍ وَّيُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَّخِذُوْا بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا اُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ حَقًّا" (النساء:۱۵۰)

(یعنی کفار چاہتے ہیں کہ اللہ اور اس کے رسولوں کے درمیان فرق کریں اور کہتے ہیں کہ ہم بعض پر ایمان لائیں گے اور بعض سے کفر کریں گے اور یہ لوگ چاہتے ہیں کہ اس کے درمیان راستہ اختیار کریں یہی لوگ پکے کافر ہیں)

ہاں البتہ بعض مشائخ کبار نے بوقت سکر اور غلبہ حال کے باعث ایسی باتیں کہی ہیں جس سے ان دو اطاعتوں میں فرق کا اظہار ہوتا ہے اور ایک کے مقابلے میں دوسرے کی محبت کی پسندیدگی مترشح ہوتی ہے۔

منقول ہے کہ سلطان محمود غزنوی اپنی بادشاہت کے ایام میں "خرقان" کے قریب فروکش تھا، اس نے وہاں سے اپنے وکلاء کو شیخ "ابوالحسن خرقانی" کی خدمت میں بھیجا اور التماس کی کہ حضرت شیخ بادشاہ کی ملاقات کے لئے تشریف لائیں اور ساتھ ہی اپنے وکلاء سے کہہ دیا کہ اگر شیخ کی طرف سے آنے میں توقف محسوس کریں تو درج ذیل آیت کریمہ پڑھیں:

"اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِى الْاَمْرِ مِنْكُمْ"

(اللہ کی اطاعت بجالاؤ اور اس کے رسول ﷺ کی اور اپنے حکمرانوں کی بھی) (النساء:۵۹)

لہٰذا جب وکلاء نے شیخ کی طرف سے جانے میں توقف محسوس کیا تو مذکورہ آیتِ کریمہ کی تلاوت کی، اس پر شیخ نے جواب میں فرمایا کہ میں اَطِيْعُوا اللّٰهَ میں اس قدر گرفتار ہوں کہ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﷺ کی اطاعت سے بھی شرمندہ ہوں پھر اُولِى الْاَمْرِ کی اطاعت کی تو کوئی صورت ہی نہیں۔

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ اسی طرح سنت کی اہمیت کو مزید واضح کرنے کے لئے ایک اور واقعہ مذکورہ مکتوب میں بیان فرماتے ہیں کہ "شیخ ہند ابوسعید" ابوالخیر ایک مجلس میں تشریف فرما تھے اور سادات خراسان میں سے ایک بہت بڑے سید بزرگ بھی آپ کی مجلس میں بیٹھے تھے۔ اتفاقاً اسی دوران ایک مغلوب الحال مجذوب نمودار ہوا۔ شیخ صاحب نے اس مجذوب کو سید بزرگ پر ترجیح دی۔ اس پر سید صاحب نے برا منایا۔ شیخ نے سید صاحب سے فرمایا آپ کی تعظیم تو رسول اللہ ﷺ کی محبت کی وجہ سے ہے اور اس مجذوب کی تعظیم رب تعالیٰ کی محبت کی وجہ سے ہے۔ حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے تفرقہ آمیز جملے سکر وقت اور غلبہ حال کی بناء پر ہوتے ہیں جبکہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

۴۔ تمام کمالات کا حصول اطاعتِ نبی ﷺ میں ہے: (مکتوب نمبر ۴۵، دفتر اول، حصہ

اول میں ہے کہ) ولایت کی ہر چیز بلکہ روح، سر، خفی، اخفی کے تمام کمالات کا حصول حضور سید المرسلین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی متابعت اور پیروی کے ساتھ وابستہ ہے، لہٰذا مسلمانوں پر حضور سید عالم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی پیروی اور اتباع لازم ہے۔ بالکل اسی طرح (مکتوب نمبر ۲۱، دفتر اول، حصہ اول) میں مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اتباع کرنے والوں میں سے کاملین کو نصیب کامل اور حصہ وافر عطا ہوتا ہے، لہٰذا اگر مسلمان اس بلند درجہ دولت اور اس درجہ عُلیا کے حصول کی توجہ رکھتے ہوں تو پھر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اتباع اور پیروی کو مضبوطی سے پکڑنا چاہئے"۔

۵۔ اِتباعِ رسول ﷺ میں معارف اور احوال بارش کی طرح برستے ہیں: حضرت مجدد علیہ الرحمہ (مکتوب نمبر ۳۷، دفتر اول، حصہ اول) میں عظیم سلسلہ طریقت یعنی سلسلہ نقشبندیہ کے حوالے سے ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"سلسلہ نقشبندیہ کا طریقہ کبریتِ احمر (سرخ گندھک یعنی اکسیر) ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اِتباعِ سنت کی بناء پر ہے" اس کے ساتھ ہی مجدد صاحب اپنی ذات کے حوالے سے بلکہ اپنی زندگی کی آخری خواہش کو بیان کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہوتے ہیں کہ:

"مجھ کو اس وقت تک جو کچھ ہاتھ آیا ہے اس کے متعلق یہ ہے کہ اس ناچیز پر علوم و معارف اور احوال و مقامات موسلا دھار بارش کی طرح برستے رہے اور جو کام کرنا تھا اللہ تعالیٰ کی عنایت سے کر لیا گیا۔ اب کوئی آرزو باقی نہیں ہے سوائے ایک آرزو کے کہ مصطفیٰ ﷺ کی سنتوں میں سے کسی ایک سنت کا احیاء کر دوں۔ کیونکہ

کار ایں است، غیرِ ایں ہمہ ہیچ

(اصل کام یہی ہے اس کے علاوہ سب ہیچ ہیں)

۶۔ حضور ﷺ کی اِتباع تمام نعمتوں سے کئی درجے بہتر ہے: مجدد علیہ الرحمہ اپنے مکتوبات میں قرآن مجید سے ارشاداتِ ربانی کے ذریعے اسوۂ رسول ﷺ اور سنّتِ رسول ﷺ کو بہترین اسوہ اور سنت قرار دے کر امت مسلمہ کو اتباعِ سنت کی اہمیت سے آشنا کرتے ہیں۔ انہوں نے مکتوب نمبر ۴۱، دفتر اول، حصہ دوم) میں لکھا ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہیں اور جو چیز پسندیدہ اور مرغوب ہے وہ مطلوب اور محبوب کی نسبت سے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

"اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم"

(اے محمد ﷺ آپ خلقِ عظیم کے مالک ہیں) (القلم: ۴)

اس کے علاوہ فرمایا:

"اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ"

(اے نبی ﷺ آپ رسولوں میں سے ہیں اور سیدھے راستے پر قائم ہیں) (یٰسٓ: ۳)

اس کے بعد یہ بھی فرمایا کہ:

"وَ اَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْهُ ج وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ"

(بے شک یہی میرا سیدھا راستہ ہے تو آپ ﷺ اسی کی پیروی کریں۔ اس کے علاوہ دوسرے راستے کو اختیار نہ کریں) (الانعام: ۱۵۴)

مندرجہ بالا آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی سیرت طیبہ کو خلق عظیم قرار دیا اور ان کے راستے کو ہی سیدھا راستہ قرار دیا اور پھر اس راستے کو اپنا راستہ کہہ کر اس کی اتباع اور پیروی کا حکم دیا اور اس کے علاوہ دیگر تمام راستوں کو سبل کہا اور ان کی اتباع اور پیروی سے منع فرمایا۔ خود حضور ﷺ نے بھی اظہار تشکر اور امت کو بتانے کے لئے کہا:

"خَیْرُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ"

(بہترین سیرت محمد ﷺ ہے)[1]

۷۔ کسی شخص کی فضیلت متابعتِ شریعت سے وابستہ ہے: مجدد علیہ الرحمہ (مکتوب نمبر ۱۱۴، دفتر اول، حصہ دوم) میں فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی اتباع کا ایک ذرہ تمام دینی لذتوں اور اخروی نعمتوں سے کئی درجے بہتر ہے۔ کسی شخص کی فضیلت روشن سُنّت کی متابعت کے ساتھ وابستہ ہے اور بزرگی آپ ﷺ کی شریعت کی بجا آوری کے ساتھ مربوط ہے۔ مثال کے طور پر دوپہر کا قیلولہ جو متابعتِ سُنّت کی نیت سے ہو کروڑہا نوافل سے اولیٰ اور افضل ہے جو بے نیت متابعت ہوں۔ اسی طرح عید الفطر کے روز روزہ نہ رکھنا جس کا شریعتِ مصطفیٰ ﷺ نے رکھنے کا حکم نہیں دیا ہے، رکھے جانے والے روزوں سے جو شرع سے ماخوذ نہیں ہیں، حد درجہ بہتر ہے اور شارع علیہ السلام کے حکم سے ایک پیسہ خرچ کرنا اپنی طرف سے سونے کا پہاڑ خرچ کرنے سے زیادہ افضل ہے۔ پس تمام سعادتوں کا سرمایہ سُنّت کی متابعت ہے اور تمام فسادات کا مادہ شریعت کی مخالفت ہے، لہٰذا اتباع واطاعتِ سُنّت، کامیابی وفلاح کے لئے ہر مسلمان پر لازم ہے۔

۸۔ سُنّت تو کجا ایک مستحب بجالانا بہت بڑی بات ہے: حضرت مجدد الف ثانی ؒ نے (مکتوب نمبر ۲۹، دفتر اول، حصہ اول میں) لکھا ہے کہ امام اعظم ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ نے وضو کے مستحبات میں

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۸۶۷، جلد ۲، صفحہ ۵۹۲۔

سے ایک مستحب چھوٹ جانے سے چالیس سال کی نمازیں قضا کیں۔

۹۔ جواہر خمسہ کا ادراک سُنّت پر ہے۔ طریقت اور حقیقت سب شریعت کے خادم ہیں: مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں "عالم امر کی ابتداء مرتبہ قلب سے ہے۔ قلب سے اوپر روح ہے، روح سے اوپر سِرّ اور سِرّ سے اوپر خفی ہے اور خفی سے اوپر اخفیٰ۔ عالمِ امر کے ان پانچ امور کو اگر جواہر خمسہ کہیں تو اس کی گنجائش ہے" آگے فرماتے ہیں "عالمِ امر کے ان جواہر خمسہ کا ادراک اور ان کے حقائق پر اطلاع حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی کامل اتباع کرنے والوں کو نصیب ہوتی ہے"۔ (مکتوب نمبر ۴۳، دفتر اول، حصہ اول)

شریعت کے تین جزو ہیں۔ علم، عمل، اخلاص۔ جب تک یہ تین اجزاء نہ پائے جائیں شریعت متحقق نہیں ہوتی اور جب شریعت متحقق ہو گئی تو حق تعالیٰ سبحانہ کی رضا جو تمام دنیوی واخروی سعادتوں سے فائق و اعلیٰ ہے، بھی متحقق ہو گئی۔ پھر آگے لکھتے ہیں "اس لئے شریعت تمام دنیوی واخروی سعادتوں کی ضامن وکفیل ہے اور کوئی ایسا مطلب ومقصود نہیں جو شریعت سے الگ ہو اور انسان کو اس کی محتاجی ہو۔ طریقت وحقیقت جس کے ساتھ صوفیاء کرام ممتاز ہیں دونوں شریعت کے خادم ہیں" پھر اسی خط میں لکھتے ہیں "کہ شریعت وحقیقت کے منازل طے کرنے سے اخلاص کا حاصل کرنا مقصود ہے جو رضا کو مستلزم ہے" (مکتوب ۳۶، دفتر اول، حصہ اول)

۱۰۔ محبوب کی اِتّباع سے محبوبیت کا درجہ ملتا ہے: حضرت فرماتے ہیں، چونکہ سرور دو عالم ﷺ محبوب رب العالمین ہیں تو آپ ﷺ کی متابعت کرنے والے بھی آپ ﷺ کی متابعت کے واسطہ سے مرتبہ محبوبیت تک پہنچ جاتے ہیں، کیونکہ محب جس میں بھی اپنے محبوب کے شمائل اور عادات واخلاق پاتا ہے انہیں بھی اپنا محبوب بنالیتا ہے۔ اس سے مخالفین کی برائی یعنی بدقسمتی کا قیاس بھی کر لینا چاہئے۔

محمد ﷺ عربی کہ آبروئے ہر دوسرا است   کسیکہ خاکِ درش نیست خاک برسرِ او

(محمد عربی ﷺ دونوں جہانوں کی آبرو ہیں، جو شخص آپ ﷺ کے دروازے کی خاک نہیں بنتا اس کے سر پر خاک پڑے) (مکتوب نمبر ۴۴، دفتر اول، حصہ دوم)

۱۱۔ ایک شرعی حکم پر عمل کرنا اللہ کی راہ میں کروڑوں روپے خرچ کرنے سے بہتر ہے:

حضرت مجدد الف ثانی (مکتوب ۴۸، دفتر اول، حصہ دوم میں) فرماتے ہیں:

"کل قیامت کو شریعت کے بارے میں سوال کریں گے، تصوف کے متعلق نہیں پوچھیں گے۔

جنت میں داخلہ اور دوزخ سے بچنا شریعت پر عمل کرنے سے ہوگا۔ انبیاء کرام صلوات اللہ تعالیٰ وتسلیمات علیہم جو افضل ترین اور بہترین کائنات ہیں، انہوں نے شریعت کی ہی لوگوں کو دعوت دی ہے اور نجات بھی اس شریعت پر ہی موقوف ہے اور ان اکابر انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی بعثت اور تشریف آوری سے مقصود بھی تبلیغ شرائع ہے، لہٰذا اعلیٰ ترین نیکی یہ ہے کہ شریعت کی ترویج میں سعی اور کوشش کی جائے اور احکام شرع میں ایک حکم کو جاری اور زندہ کرنا خصوصاً ایسے وقت میں جبکہ اسلامی شعائر مٹائے جا رہے ہوں خدائے تعالیٰ عزوجل کی راہ میں کروڑ ہا روپیہ خیرات کر دینا بھی اس کے برابر نہیں۔ اسی طرح مسائل شرعیہ میں سے ایک مسئلے کو رواج دینا بہت افضل ہے کیونکہ اس فعل میں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کی اقتداء ہے، جو تمام مخلوق سے افضل واعلیٰ ہیں اور یہ بات طے شدہ ہے کہ اعلیٰ درجہ کی نیکیاں انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کو نصیب ہوتی ہیں اور کروڑوں روپے خرچ کرنا تو غیر انبیاء کو بھی میسر آجاتا ہے"۔

۱۲۔ ایک حکم شرعی پر عمل کرنا ہزاروں چلّوں سے بہتر ہے: حضرت مجدد الف ثانی" (مکتوب نمبر ۵۲، دفتر اول، حصہ دوم) میں فرماتے ہیں:

"جس قدر شریعت کے تقاضوں کے مطابق عمل ہوگا، اسی قدر نفسانی خواہشات زوال پذیر ہوں گی۔ لہٰذا احکام شریعہ میں سے ایک حکم کو بجالانا خواہشِ نفسانی کو زائل کرنے میں ان ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے بہتر ہے جو اپنے طور پر کیئے جائیں"۔ اسی مکتوب میں فرماتے ہیں: "فجر کی دو رکعت فرض نماز باجماعت ادا کرنا جو سنت ہے اس سے کئی مراتب بہتر ہے کہ انسان ساری رات نفل پڑھنے میں گزارے اور فجر کی نماز جماعت سے ادا نہ کرے"

حضرت مجدد الف ثانی" شریعت و طریقت کو ایک چیز قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ظاہر کو ظاہر شریعت کے ساتھ اور باطن کو باطن شریعت کے ساتھ (جو حقیقت کے ساتھ عبارت ہے) آراستہ اور مزین رکھیں، کیونکہ حقیقت و طریقت، حقیقتِ شریعت اور اس حقیقت کے راستے سے عبارت ہیں۔ یہ بات نہیں کہ شریعت اور چیز ہے اور طریقت و حقیقت امر دیگر ہے، کیونکہ یہ تو الحاد و زندقہ ہے"۔
(مکتوب نمبر ۵۷، دفتر اول، حصہ دوم)

۱۳۔ غیر شرعی ریاضتیں سب مردود ہیں: حضرت مجدد علیہ الرحمہ (مکتوب نمبر ۷۱، دفتر اول، حصہ دوم میں) فرماتے ہیں کہ شریعتِ مطہرہ کی پیروی لازم و ضروری ہے۔ ہندو برہمنوں اور فلسفۂ یونان نے کیا کم ریاضتیں اور مجاہدے کیے ہیں؟ لیکن چونکہ ان کی ریاضتیں انبیاء کرام علیہم السلام کی شریعتوں کے مطابق

واقع نہیں ہوئیں، اس لئے سب مردود ہیں اور یہ لوگ نجات اخروی سے محروم ہیں۔ تو تم پر ہمارے سردار و مولیٰ اور ہمارے گناہ بخشوانے والے اور ہمارے دلوں کے طبیب حضرت جناب مصطفیٰ ﷺ اور حضور کے ہدایت یافتہ خلفاء راشدین رضوان اللہ علیہم اجمعین کی متابعت اور پیروی لازم و ضروری ہے۔

حضرت مجددؒ کے ہر کام میں سنت کا اہتمام

جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ ہر دینی و دنیاوی امور میں شریعتِ حقہ کی رعایت کرنے کا سختی سے اہتمام فرماتے۔ اس سلسلے میں آپ کی چند تحریرات کو قارئین کے سامنے پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ یہ تحریرات مکتوباتِ ربانی سے ماخوذ ہیں۔

مریض کی عیادت: مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں مریض کی عیادت سنت ہے اور اگر اس مریض کا کوئی خبر گیر یا بیمار پرسی کرنے والا کوئی نہیں تو یہ واجب ہے۔

نمازِ جنازہ: نماز جنازہ میں حاضر ہونے کے بعد چند قدم جنازہ کے پیچھے چلنا بھی چاہئے تاکہ میت کا حق ادا ہو جائے۔

نمازِ جمعہ و جماعت و نماز پنجگانہ اور نماز عیدین: میں حاضر ہونا ضروریاتِ اسلام سے ہے اور ان کے بغیر چارہ نہیں۔ نوافل جماعت سے ادا کرنا اور فرض نماز کی جماعت ترک کرنا ابلیس لعین کے پھیلائے ہوئے کاموں کی طرح ہے اور اگر بغیر تداعی (بغیر بلانے کے) ایک دو آدمی مسجد کے کونے میں جماعت نفل ادا کر لیں تو بغیر کراہت جائز ہیں۔ چار یا زائد افراد کے ساتھ مکروہ ہے۔ سوائے سورج گرہن کی نماز کے۔

مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ کام دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک عبادت کے طور پر اور ایک عرف اور عادت (رسمی یا نفلی) کے طور پر ہے۔ اول الذکر کا خلاف کرنا بدعت سمجھتا ہوں اور یہی دین میں نئی بات ہے اور مردود ہے اور موخر الذکر کو بدعت نہیں سمجھتا۔

مجدد علیہ الرحمہ ہی فرماتے ہیں کہ انسان کے لئے جس طرح درستی عقائد ضروری ہے، اسی طرح اعمالِ صالح کا بجالانا بھی ضروری ہے اور عبادات میں جامع تر اور قیامت کے دن سب سے زیادہ خدا کے قریب کرنے والی نماز ہے۔ نماز باجماعت ادا کرنا سنت مؤکدہ ہے اور بے حد ثمرات کا ضامن ہے۔ حدیث شریف میں ہے:

"عِبَادَةٌ فِی الْهَرَجِ كَهِجْرَةٍ اِلَیَّ"[1]

(فتنے کے وقت عبادت میں مصروف رہنا میری طرف ہجرت کرنے کا ثواب رکھتی ہے)

(مکتوب ۱۹۳، دفتر اول، حصہ سوم، ص ۳۳۴) خواجہ حضرت احرارؒ سے منقول ہے کہ آپ فرمایا کرتے تھے کہ اگر

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۲۹۴۸، جلد ۴ صفحہ ۲۲۶۸۔

تمام احوال و مواجید کو ہمیں دے دیں اور ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے عقائد کے ساتھ آراستہ نہ کریں تو سوائے خرابی کے ہم کچھ نہیں جانتے اور اگر تمام خرابیوں کو ہم پر جمع کر دیں لیکن ہماری حقیقت کو اہل سنت و جماعت کے عقائد سے نواز دیں تو پھر کچھ خوف نہیں۔

بارہواں باب

سُنّتِ رسول ﷺ علامہ اقبالؒ کی نظر میں

(کتاب وسنت، آئینِ حیات کی تفسیر ہے)

اس تحریر میں علامہ اقبالؒ کی شاعری پر تبصرہ کرنا مقصود نہیں۔ پوری دنیا اس حقیقت سے آگاہ ہے کہ علامہ کی شاعری قرآن اور حدیث کے علاوہ کسی اور چیز پر محمول نہیں کی جا سکتی۔ مصر کے ڈاکٹر عبدالوہاب عزام نے ایک کتاب علامہ اقبالؒ کے فلسفے پر لکھی ہے جس میں انہوں نے علامہ کو شاعرِ اسلام، شاعرِ مشرق، شاعرِ حیات، شاعرِ انسانیت، شاعرِ جہاد، شاعرِ حریت اور شاعرِ جلال و جمال کے القابات کے ساتھ اپنا سلام پیش کیا ہے۔ عالم اسلام کے بہت سے دیگر علماء نے بھی آپ کی پر اثر اور سینے میں اتر جانے والی شاعری پر نہایت عقیدت مندانہ الفاظ استعمال کیے ہیں۔

راقم الحروف کا خیال ہے کہ علامہ اقبالؒ نے ہر شعبۂ زندگی اور تمام امورِ دینیہ پر اپنا کلام پیش کیا ہے۔ خواہ وہ مسئلے قرآن و حدیث سے متعلق ہوں یا توحید و رسالت سے تعلق رکھتے ہوں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ علامہ نے مقصودِ رسالت، عشقِ رسول ﷺ، ایمان باللہ اور ہر عبادت سے متعلق دینی مسائل کو اپنے کلام میں قوم کے سامنے پیش کیا ہے۔ آپ کا خصوصی کلام تصوف، قوتِ دین، خودی، یقینِ محکم، فقر، عزم و توکل اور ذوقِ تحقیق و تجسس پر کثرت سے ملتا ہے جبکہ انہوں نے اخلاقیات، عدالت، شجاعت، بلند نظری، سوزِ دروں، صبر و استقامت، سخت کوشی، خطر پسندی کے مختلف اسلامی پہلوؤں کو بھی اپنے اشعار میں سمو دیا ہے جس کو پڑھتے ہی قارئین کے دلوں میں علامہ کے کلام میں موجود رنگینیاں فورا نقشِ جاوداں کی طرح ابھر آتی ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کے دلوں میں ایک نیا جذبہ عطا کیا اور تصوف کو خانقاہی نظام سے آزاد کرنے میں کوئی کسر نہ اٹھا رکھی۔ آپؒ نے دین اور سیاست کی باریک کڑیوں کو اسلامی ڈھانچے میں ڈھالنے کی کوشش کی ہے اور مسلمانوں کو شوقِ شہادت، بہادری، حق گوئی، بے باکی، اطاعتِ امیر اور اعلائے کلمۃ اللہ کی

اہمیت کو نہایت خوبصورت انداز میں پیش کیا ہے۔ سچ بات تو یہ ہے کہ آپؒ نے اسلام کی کسی شاخ یا فرع کو اپنے نظریات سے محروم نہیں کیا تا کہ مسلمانوں پر اسلام کی حقانیت اور افادیت واضح ہو جائے۔ آپ نے خوابیدہ مسلمانوں کو پھر سے بیدار کیا اور ان کی کوششوں کے ثمرات اِن کو ان کی زندگی میں ہی ملنا شروع ہو گئے۔ ہمارے ایک اسلامی مفکر کہا کرتے ہیں کہ دنیا میں جہاں جہاں بھی انقلاب آیا تو پہلے کسی مفکر نے اس قوم کو اپنی سوچ سے آگاہ کیا، مثلاً روس میں کیمونزم کا موجد کارل مارکس تھا، مگر تقریباً پچاس سال کے بعد اس انقلاب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے لینن ظاہر ہوا۔ ہمارے دوست مفکر فرماتے ہیں کہ علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو آزادی کا تصور پیش کیا اور انہوں نے قائداعظم محمد علی جناح کو (جو اس وقت ہندو سیاست سے دل برداشتہ ہو کر انگلینڈ میں مقیم ہو گئے تھے) خط لکھا کہ اس وقت مسلمانوں کو تمہاری ضرورت ہے لہٰذا ہندوستان میں آ کر جہاد آزادی کا بیڑا اپنے ہاتھوں میں لیں کیونکہ تمہارے سوا اس وقت مسلمانوں میں اس کام کا بوجھ اٹھانے کا کوئی شخص اہل نہیں۔ ہم نے دیکھا کہ قائداعظم نے علامہ کی آواز پر لبیک کہا اور بالآخر پاکستان کی آزادی کا سہرا ان کے مبارک سر پر سجا دیا گیا۔ غالباً علامہ اقبالؒ دنیا کے پہلے شخص تھے جن کے ملک میں ان کی کوششیں ان کی زندگی میں ہی بار آور ہونے لگیں۔ ہم نے یہ بھی دیکھا کہ علامہ کے نام پر یوم اقبالؒ ان کی زندگی میں ہی منایا گیا۔ ان تمام خصوصیات کے سامنے آنے کی وجہ صرف یہ تھی کہ علامہ اقبالؒ نے اپنی زندگی میں سوائے اسلامی خدمات کے اور کسی طرف توجہ نہ دی۔ آپ کے دل میں خلوص کا ایسا جذبہ موجزن تھا کہ جس نے ان کی راہ میں موجود مشکلات کی سنگین چٹانوں کو ریزہ ریزہ کر دیا اور آپ کامیابی سے ہمکنار ہوئے۔

علامہ اقبالؒ کے کلام کو راقم الحروف نے اس لئے مسلمانوں کے سامنے پیش کرنے کی جسارت کی ہے کہ جب علامہ نے مسلمانوں کی بہتری اور سر بلندی کے لئے اپنا بے نظیر کلام اس قدر جانفشانی کے ساتھ پیش کیا ہے تو قوم کے لئے بھی یہ بات واجب ہو جاتی ہے کہ اس کا مطالعہ کر کے ایک اچھے مسلمان ہونے کا ثبوت دیں، چہ جائے کہ یہود اور نصاریٰ ان کے کلام کا انگریزی ترجمہ کر کے استفادہ کریں۔ پوری قوم کو علامہ کے کلام سے روگردان اور منحرف اس لئے کیا گیا ہے کہ یہ قوم اگر بیدار ہو گئی تو کہیں کفار کے لئے پھر سے ایک نئی مصیبت نہ بن جائے۔ قارئین اس حقیقت کو معلوم کر کے حیران ہوں گے کہ راقم الحروف نے ۴۴۳ صفحات پر مشتمل ایک کتاب "حضور قلب" کے نام سے لکھی ہے جس کا بیشتر حصہ علامہ اقبالؒ کے فلسفہ غیب و حضور کی وضاحت اور تشریح پر مبنی ہے، لیکن بے چارے مسلمانوں کو اس خزانہ علم سے مکمل بے خبری ہے۔

ہماری ایک اور کتاب جس کی ضخامت تقریباً ایک ہزار صفحات پر ہے اور جس کا نام "حسنِ نماز" رکھا گیا ہے۔ اس میں صرف یقین پر ہی تقریباً ۶۰ صفحات موجود ہیں اور ان صفحات میں علامہ کے فلسفہ یقین پر لکھے گئے

کلام کے صرف ایک قلیل حصہ کا احاطہ کیا گیا ہے۔ اگر یقین کے موضوع پر آپ کے مزید کلام کو شامل کر لیا جاتا تو یہ تحریر ایک ضخیم کتاب کی شکل اختیار کر لیتی لیکن مسلمان قوم علامہؒ کے ان تمام علمی جواہرات سے نابلد ہے۔

علامہ اقبالؒ کے وسعتِ کلام پر جو تحریر اوپر پیش کی گئی ہے اس کے تسلسل میں اور بھی بہت سے پہلو نظر آتے ہیں جن کو اگر وضاحت سے لکھا جائے تو ہر موضوع پر ایک طویل اور خوبصورت مقالہ پیش کیا جا سکتا ہے۔ راقم الحروف نے اس بات پر توجہ دی ہے کہ زیر نظر کتاب میں علامہ اقبالؒ کے نظریات کو بھی پیش کیا جائے، مگر جب علامہ کے کلام پر سرسری نظر ڈالی تو معلوم ہوا کہ ''کتاب وحدیث'' کے موضوع پر علامہ کا کلام ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آ رہا ہے اور پھر یہ سوال پیدا ہوا کہ آپؒ کے کلام کے کون سے حصے کو لیں اور کس کو چھوڑیں۔ چونکہ یہ کتاب علامہ اقبالؒ کے اس قدر طویل اور عریض کلام کی حامل نہ تھی اور اس کے علاوہ قلتِ وقت اور انتہائی مصروفیت کے پیش نظر راقم الحروف نے علامہ کے کچھ ایسے کلام کو قارئین کے سامنے لانے کی کوشش کی ہے جن کا اس کتاب میں شامل کرنا ضروری تھا مگر اس اختصار کے باوجود یہ تحریر ایک مختصر سی کتاب کی شکل اختیار کر گئی ہے اور علامہ کے اس قدر مختصر کلام ہی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ اس کے علاوہ قرآن کے متعلق ایک خاص تحریر ''سرمایہ ملت'' کے نام سے عوام کے سامنے عنقریب پیش کی جا رہی ہے جو اپنی نوعیت کی ایک انوکھی تحریر ہے۔ علامہ اقبالؒ کے کلام سے ماخوذ زیر نظر مضمون ''مقام سنت علامہ اقبالؒ کی نظر میں'' اس تحریر کے ساتھ منسلک کیا جا رہا ہے۔ اس میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ مسلمان کے لئے کتاب وسنت کن وجوہات کی بنا پر آئین حیات کی تفسیر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ علامہ اقبال نے زیر غور موضوع پر حسب ذیل نکات پیش کئے ہیں۔

رسول اللہ ﷺ کی اِتباع کے بغیر آپ کی محبت کا دعویٰ باطل ہے

(لفظ تقلید کی بحث)

اتباع کا لفظی معنی کسی کے پیچھے پیچھے چلنے کے ہیں۔ اتباع سے یہ مراد لی جائے گی کہ ہر عمل میں حضور ﷺ کی تقلید کرنا اور ان کی راہ پر چلنا ہے۔ علامہ اقبالؒ کے کلام کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ آپؒ نے کہیں تقلید کو اسمائے عشق کی تقلید کہہ کر پکارا ہے اور کہا ہے کہ ملّت از تقلیدی گیرد ثبات (یعنی تقلید سے ملت کو ثبات حاصل ہوتا ہے)۔ ایک جگہ پر آپ نے فرمایا ہے ''معنیٔ تقلید ضبطِ ملّت است'' (یعنی تقلید کے معنی ملّت کی تنظیم ہے) علامہ اقبالؒ اپنے آباء کی تقلید پر چلنے کا حکم دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ تقلید سے دل پر توحید کے معنی نقش ہو جاتے ہیں۔ آپؒ مسلمانوں کو بھی حکم دیتے ہیں کہ مسلمانو! تم پرانی تہذیب کے مالک ہو اور اپنے باپ دادا کے مسلک کو ہرگز ٹھکرانے کی کوشش نہ کرو۔ اسرار و رموز میں علامہ اقبالؒ نے ایک نظم لکھی ہے

جس میں فرمایا ہے کہ انحطاط کے زمانے میں تقلید اجتہاد سے بہتر ہے۔

مذکورہ نظم میں آپؒ لکھتے ہیں کہ موجودہ دور اپنے اندر بہت سے فتنے رکھتا ہے اور اس کی بے باک طبیعت سراپا آفت ہے اور اس نے ہمیں اپنا آپؒ بھلا دیا ہے۔ اس دور کے جلوؤں نے ہمارے دلوں سے عشق کی قدیم آگ چھین لی ہے اور ہمارے سینوں سے لا الہ کا نور نکال لیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ جب زندگی کی ساخت کمزور پڑ جائے تو اس وقت قوم تقلید سے ہی استحکام پاتی ہے۔ اگر خزاں کے دوران کوئی شاخ پھل پھول سے محروم ہو جائے تو امید بہار سے اسے درخت سے اپنا تعلق منقطع نہیں کر لینا چاہیے۔ جو دریا سوکھ جائے تو اس کے اندر باقی رہنے والی معمولی پانی والی ندی کا تحفظ ضروری ہے کیونکہ کوہسار سے کسی وقت دوبارہ طوفان باراں دریا کی شکل اختیار کر سکتا ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اے مسلمان تری قدیم محفل پریشان ہو چکی ہے تو اپنے دل پر دوبارہ توحید کا نقش کندہ کر اور اپنے اسلاف کی تقلید سے اپنی مشکلات کی چارہ سازی کر۔ انحطاط کے زمانے میں اجتہاد قوم کا شیرازہ بکھیر دیتا ہے اور اس کی بساط کو لپیٹ لیتا ہے۔ کوتاہ نظر عالموں کے اجتہاد سے اسلاف کی پیروی اختیار کرنا خطرات سے زیادہ محفوظ ہے۔ ہمارے آباء و اجداد کی عقل ہوس کا شکار نہیں بنی۔ آپ فرماتے ہیں ۔

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط   قوم را برہم ہمی پیچد بساط
(انحطاط کے زمانے میں اجتہاد قوم کا شیرازہ بکھیر دیتا ہے اور اس کی بساط کو لپیٹ دیتا ہے) (ا۔ ر: ۱۲۵)

زاجتہاد عالمانِ کم نظر   اقتدا بر رفتگان محفوظ تر
(کوتاہ نظر عالموں کے اجتہاد سے اسلاف کی پیروی زیادہ محفوظ ہے)

عقل آبایت ہوس فرسودہ نیست   کارِ پاکاں از غرض آلودہ نیست
(تمہارے آباء و اجداد کی عقل ہوس کا شکار نہیں تھی، پاک بازوں کا کام خود غرضی سے آلودہ نہیں ہوتا)

فکرِ شاں ریسد ہمے باریک تر   ورعِ شاں با مصطفیٰؐ نزدیک تر
(ان کے فکر نے بڑی باریکیاں پیدا کیں ہیں، ان کا تقویٰ حضور ﷺ کے قریب تر تھا)

ذوقِ جعفر، کاوشِ رازیؒ نماند   آبروئے ملتِ حجازی نہ ماند
(اب امام جعفر صادقؓ کا ذوق و شوق اور امام رازیؒ کی کاوش باقی نہیں رہی اور نہ ملت حجازی کی وہ شان و شوکت)

از یک آئینی مسلماں زندہ است   پیکرِ ملت ز قرآں زندہ است
(مسلمان وحدت آئین سے ہی زندہ ہے اور ملت کا پیکر قرآں سے زندہ ہے)

غور و فکر کے بعد علامہ مذکورہ نظم میں ہی نصیحت فرماتے ہیں کہ جمعیت اسی میں ہے کہ اپنے آباء کی

راہ پر چلو اور اپنے کام کی تدبیر تقلید سے کرو۔

راہ آبا رو کہ ایں جمعیت است   معنیٔ تقلید ضبطِ ملت است

(بزرگوں کی راہ پر چل کیونکہ یہی جمعیت ہے، تقلید کے معنی ملت کی تنظیم ہے) (ا۔ر:۱۲۴)

نقش بر دل معنیٔ توحید کن   چارۂ کار خود از تقلید کن

(دل پر توحید کے معنی کو نقش کر لے اور اپنے کام کی تدبیر تقلید سے کر) (ا۔ر:۱۲۵)

اے امانت دار تہذیبِ کہن   پشت پا بر مسلکِ آباء مزن

(اے قدیم تہذیب کے وارث، اپنے باپ دادا کے مسلک کو نہ ٹھکرا) (ا۔ر:۵۹)

''اسرار و رموز'' میں علامہ نے ایک نظم کو یہ عنوان دیا ہے کہ خودی عشق سے مستحکم ہوتی ہے۔ عشق کی خوبیوں اور بزرگی پر کافی کلام کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے اپنی تمام عمر میں خربوزہ کھانے سے محض اس بناء پر اجتناب کیا تھا کہ انہیں یہ معلوم نہ تھا کہ نبی کریم ﷺ نے یہ پھل کس طرح کھایا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اسی کامل تقلید کا نام عشق ہے۔ علامہ فرماتے ہیں:

کیفیت ہا خیزد از صہبائے عشق   ہست ہم تقلید از اسمائے عشق

(شراب عشق سے مختلف کیفیتیں پیدا ہوتی ہیں، چنانچہ تقلید بھی عشق کے ناموں سے ایک نام ہے) (ا۔ر:۲۱)

کاملِ بُسطام در تقلید فرد   اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد

(بسطام کے کامل مرد نے ایک فرد کی تقلید میں خربوزہ کھانے سے گریز کیا) (ا۔ر:۲۲)

مضمحل گردد چو تقویمِ حیات   ملت از تقلید می گیرد ثبات

(جب زندگی کا نظام ڈھیلا پڑ جائے، تو قوم تقلید سے ثبات حاصل کرتی ہے) (ا۔ر:۱۲۴)

عاشقی محکم شو از تقلید یار   تا کمند تو شود یزداں شکار

(اگر تو عاشق ہے تو معشوق کی تقلید کر کے قوی ہو جا، تا کہ تیری کمند سے یزداں (خدا) بھی شکار ہو جائے۔ (ا۔ر:۲۲)

عشق کے بارے حضرت علامہؒ ایک اور مقام پر فرماتے ہیں کہ

یک لحظہ ز کوئے دوست دوری   در مذہبِ عاشقاں حرام است

(معشوق کی گلی سے ایک لحظہ کی جدائی، عاشقوں کے مذہب میں حرام ہے)

مردِ مومن کی علامت کو بیان کرتے ہوئے علامہ ضرب کلیم میں لکھتے ہیں کہ بندۂ مومن ایسی تقلید کی تاریکی میں پرورش پاتا ہے کہ اس کی طبیعت میں کمالاتِ تخلیق، عمیق غور و فکر، جذبۂ شفقت اور جذبۂ تحقیق وغیرہ پایا جاتا ہے۔

آپ نے ضرب کلیم میں فرمایا ہے:

اس کی نفرت بھی عمیق اس کی محبت بھی عمیق
قہر بھی اس کا ہے اللہ کے بندوں پہ شفیق
پرورش پاتا ہے تقلید کی تاریکی میں
ہے مگر اس کی طبیعت کا تقاضا تخلیق
انجمن میں بھی میسر رہی خلوت اس کو
شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق
مثلِ خورشیدِ سحر فکر کی تابانی میں
بات میں سادہ و آزاد، معانی میں دقیق
اس کا اندازِ نظر اپنے زمانے سے جدا
اس کے احوال سے محرم نہیں پیرانِ طریق

تقلید مذمومہ پر علامہ ؒ کی مخالفت

مذکورہ کلام کے علاوہ علامہ اقبالؒ کا اور بھی بہت سا کلام ایسا ملتا ہے جس میں آپ نے جذبۂ تقلید کو سراہا ہے لیکن اس کے علاوہ آپ کا ایسا بھی کلام نظروں سے گزرتا ہے جس میں آپ نے تقلید کی سخت مخالفت کی ہے اور یہاں تک کہہ دیا ہے ''تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی'' اس سے قبل کہ تقلید کی مخالفت میں علامہ کا مزید کلام پیش کیا جائے، اس بات کا فیصلہ کر لینا بہتر ہے کہ علامہ نے تقلید کی ان دونوں جہتوں کو برا بھلا کیوں کہا ہے۔ کچھ لوگ جو اقبالؒ کے مخالفین میں شامل ہیں علامہ کی اس روش کو ان کے کلام میں تضاد کے مترادف قرار دیتے ہیں حالانکہ آپ کے ان دونوں نظریات میں چنداں اختلاف نہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ تقلید اگر اچھے کام میں کی جائے تو وہ مستحسن کہلائی جائے گی اور برے کام میں تقلید سراسر زیادتی اور گناہ کے ارتکاب کے برابر ہے۔ علامہ اقبالؒ نے جہاں تقلید برائے تعمیر کا ذکر کیا ہے، وہاں اس کو سراہا ہے اور جہاں تقلید انسان کی صلاحیتوں کو پراگندگی، کج روی اور بے چارگی پیدا کرے وہاں علامہ نے تقلید سے اجتناب کرنے کو کہا ہے۔ یہ ناکارہ لوگ پڑھے لکھے ہونے کے باوجود علامہ کے خیالات سے آگاہ نہیں ہو سکے۔ علامہ کا مزید کلام (ضرب کلیم سے) ملاحظہ فرمائیں۔

کس درجہ یہاں عام ہوئی مرگِ تخیل
ہندی بھی فرنگی کا مقلد، عجمی بھی

مجھ کو تو یہی غم ہے کہ اس دور کے بہزاد
کھو بیٹھے ہیں مشرق کا سرورِ ازلی بھی
معلوم ہیں اے مرد ہنر تیرے کمالات
صنعت تجھے آتی ہے پرانی بھی نئی بھی
فطرت کو دکھایا بھی ہے دیکھا بھی ہے تو نے
آئینہ فطرت میں دکھا اپنی خودی بھی

علامہ اقبالؒ نے اپنے کالم میں اس بات کو واضح کیا ہے کہ جہاں خودی کی تعمیر کا معاملہ ہو یا تحقیق اور تخلیق کی بازی ہو تو اپنی دنیا آپ پیدا کرنے میں ہی ترقی کا مدار ہے۔ ایسے معاملات میں تقلید انسان کو ناکارہ بنا دیتی ہے۔ ضرب کلیم میں فرماتے ہیں:

جو عالم ایجاد میں ہے صاحب ایجاد
ہر دور میں کرتا ہے طواف اس کا زمانہ
تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو
کر اس کی حفاظت کہ یہ گوہر ہے یگانہ
اس قوم کو تجدید کا پیغام مبارک
ہے جس کے تصور میں فقط بزمِ شبانہ
لیکن مجھے ڈر ہے کہ یہ آوازۂ تجدید
مشرق میں ہے تقلیدِ فرنگی کا بہانہ

مشرق و مغرب کے عنوان سے علامہ نے ضرب کلیم میں لکھا ہے کہ ہندوستان میں مسلمانوں کا مرض انگریزوں کی غلامی اور ان کی تقلید ہے۔ مغربی تہذیب کی تقلید تو تقریباً ہر گھر میں دیکھی جاتی رہی ہے حتیٰ کہ بعض لوگوں نے تو صبح اٹھ کر گڈ مارننگ کا رواج شروع کر دیا تھا اور ان کے گھروں میں بچوں کے ساتھ بھی انگریزی میں بات کی جاتی تھی۔ علام اقبالؒ کا خیال ہے کہ مغرب کی بیماری جمہوری نظام کے سبب پیدا ہوئی ہے۔ ضرب کلیم میں فرمایا ہے:

یہاں مرض کا سبب ہے غلامی و تقلید
وہاں مرض کا سبب ہے نظامِ جمہوری
نہ مشرق اس سے بری ہے نہ مغرب اس سے بری
جہاں میں عام ہے قلب و نظر کی رنجوری

ضربِ کلیم میں "جدت" کے عنوان سے علامہ لکھتے ہیں کہ اگر تم تقلید کی بجائے اپنی نظر و فکر کو سر بلند کرو تو تمہارے ایام بھی منور ہو سکتے ہیں۔ اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی سے انسان کو اپنی خودی تک بھی رسائی نہیں ہو سکتی۔

دیکھے تو زمانے کو اگر اپنی نظر سے
افلاک منوّر ہوں ترے نورِ سحر سے
خورشید کرے کسبِ ضیا ترے شرر سے
ظاہر تیری تقدیر ہو سیمائے قمر سے
دریا متلاطم ہوں تری موجِ گہر سے
شرمندہ ہو فطرت ترے اعجازِ ہنر سے
اغیار کے افکار و تخیل کی گدائی
کیا تجھ کو نہیں اپنی خودی تک بھی رسائی
تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی
رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

جاوید نامہ میں "شرق و غرب" کے فرق پر علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں کہ اہلِ مغرب نے دانش کو اوّلیت دی حالانکہ شاعرِ مشرق عشق کو کائنات کا راز سمجھتے ہیں۔ اہلِ مغرب کی برائیوں کی نشاندہی کرنے کے بعد علامہ فرماتے ہیں کہ فرنگیوں کے انگور سے سوز و مستی نہ تلاش کرو بلکہ اپنے عشق کی آگ سے نیا عالم تخلیق کرو۔ علامہ نے مصطفیٰ کمال پاشا کے تجدد کے راگ کی مذمت کی ہے اور کہا ہے کہ اگر ہم فرنگ سے لات و منات (غلط نظریات کے بت) اپنا لیں تو اس سے کعبے کی متاعِ حیات نئی نہیں ہو سکتی۔ اسی طرح جدید ترکی کے ساز میں کوئی نئی بات نہیں ہے۔ تقلید سے حیات کا استحکام نہیں پیدا ہوتا۔ صرف قلبِ زندہ ہی نئے زمانے پیدا کرتا ہے۔ اگر تو مسلمان کا سا حوصلہ رکھتا ہے تو اپنے ضمیر اور قرآن پر نگاہ رکھ۔ تمہارے کام سنور جائیں گے۔

طرفگی ہا در نہادِ کائنات نیست از تقلید تقویمِ حیات

(دنیا کی فطرت میں نیا پن ہے، زندگی کے مزاج میں تقلید سے استحکام نہیں (ج۔ن:٦٦)

زندہ دل خلاقِ اعصار و دہور جانش از تقلید گردد بے حضور

(زندہ دل انسان نئی زمانے اور ادوار پیدا کرتا ہے، اس کی روح تقلید سے مرجاتی ہے)(ج۔ن:٦٦)

چوں مسلماناں اگر داری جگر در ضمیرِ خویش و در قرآں نگر

(اگر تو مسلمانوں کا سا حوصلہ رکھتا ہے، تو اپنے ضمیر اور قرآن پر نظر ڈال)(ج۔ن:٦٦)

چوں کہن گردد جہانے در برش　　　می دھد قرآن جہانے دیگرش

(جب اس کے ایک جہان کی قبا پرانی ہو جاتی ہے تو قرآن اسے نیا جہاں عطا کر دیتا ہے) (ج۔ن:۶۶)

پیام مشرق میں ''لالہ طور'' کے عنوان سے علامہ فرماتے ہیں کہ اپنا راستہ خود سے بنا کیونکہ دوسروں کے راستے پر چلنا عذاب ہے۔ بانگ درا کا شعر اوپر گزر چکا ہے جس میں آپ نے فرمایا ہے کہ تقلید کی روش سے تو خودکشی کر لینا ہی بہتر ہے۔ راستہ بھی ڈھونڈ اور خضر علیہ السلام کا احسان بھی نہ لو۔ بال جبرئیل (منظومات:۱) میں علامہ اقبالؒ جبرئیل علیہ السلام کو کہتے ہیں کہ وہ انسان کی تقلید نہ کرے کیونکہ مشکل کاموں میں تقلید تن آسان عرشیوں کا کام نہیں۔ ضرب کلیم کی نظم ''اقوام مشرق میں'' آپ فرماتے ہیں کہ جن کی آنکھ محکومی اور تقلید سے پریشان ہو تو ان کو بے پردہ حقائق نظر نہیں آتے۔

تراش از تیشۂ خود جادۂ خویش　　　براہ دیگراں رفتن عذاب است

(تو اپنے تیشے سے اپنا راستہ خود بنا کیونکہ دوسروں کے بنائے ہوئے راستوں پر چلنا عذاب ہے)

گر از دست تو کارِ نادر آید　　　گناہے ہم اگر باشد ثواب است

(اگر تیرے ہاتھ سے کوئی نادر کام ہو جائے تو اگرچہ وہ گناہ ہو، ثواب کا حکم رکھتا ہے) (پ۔م:۵۹)

نظر آتے نہیں بے پردہ حقائق ان کو
آنکھ جن کی ہوئی محکومی و تقلید سے کور

ضرب کلیم میں ہی آپؒ ادبیات کے عنوان پر لکھتے ہیں کہ عشق کے لئے عقل خداداد کی پیروی کرنا ضروری ہے تا کہ وہ اپنی آبرو کو قائم رکھ سکے اور اگر عشق انسان کے پرانے اور نکمے جسم میں نئی روح پھونک دے یا ایسی پرانی نکمی روح کو تقلید سے آزاد کر لے تو بھی اس کا مقصود حل ہو سکتا ہے۔

عشق اب پیرویٔ عقل خداداد کرے　　　آبرو کوچۂ جاناں میں نہ برباد کرے
کہنہ پیکر میں نئی روح کو آباد کرے　　　یا کہن روح کو تقلید سے آزاد کرے

شرح رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئینِ حیات کی تفسیر ہے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہر کلام وحی الٰہی ہے

علامہ اقبالؒ امت مسلمہ کے زوال کو ابدی یا لاعلاج نہیں سمجھتے۔ اس لئے انہوں نے اس کا سیدھا سادھا حل یوں پیش کیا ہے کہ مسلماں کے لئے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دین، دین حیات ہے اور آپ کے دین کی شرح (یعنی اتباع کتاب وسنت) آئین حیات کی تفسیر ہے جس کے مطابق عمل کرنے سے مسلمانوں کی تمام برائیاں ختم ہو سکتی ہیں۔

ہست دینِ مصطفیٰ دینِ حیات   شرع او تفسیرِ آئین حیات

(حضور اکرم ﷺ کا دین ہی دین فطرت ہے اور شرع محمد ﷺ آئین حیات کی تفسیر ہے) (ا۔ر:۱۲۸)

گر زمینی آسماں ساز و ترا   آنچہ حق می خواهد آں سازد ترا

(اگر تو پست ہے تو یہ (نسخہ شریعت) تجھے آسماں جیسی بلندی عطا کرتا ہے، اللہ تعالیٰ جو کچھ تم سے چاہتا ہے تمہیں وہی بنا دیتا ہے) (ا۔ر:۱۲۸)

لفظ اسلام کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ راستہ جس پر چل کر انسان امن و امان حاصل کر لے اور اسلام ہی وہ واحد راستہ ہے جس پر عمل کرنے سے کامیاب زندگی گزاری جا سکتی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس موضوع پر بہت کلام کیا ہے جس کو اختصار کی خاطر یہاں بیان نہیں کیا جا سکتا۔

اسی کتاب میں یہ بات تفصیل سے آ چکی ہے کہ حضور ﷺ کا ہر کلام اور ایک ایک حرف وحی الٰہی اور مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰہِ ہے جیسے کہ سورۃ النجم کی آیت نمبر ۳ اور ۴ میں فرمایا گیا ہے وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى ٥ اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یعنی وہ اپنی خواہش سے کچھ نہیں کہتے مگر وہ وحی ہے جو انہیں کی جاتی ہے۔

اسی سورہ میں آیت نمبر ۲ میں فرمایا جا چکا ہے کہ حضور ﷺ نہ تو بہکے ہیں اور نہ بے راہ چلے یعنی کبھی آپ ﷺ نے راہ حق سے تجاوز نہ کیا۔ آپ ﷺ نے زبان حق سے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دی اور آپ ﷺ کی امت نے پوری دنیا تک آپ کا پیغام پہنچا دیا۔ علامہ نے انہی حقیقتوں کو یوں بیان کیا ہے ؎

اُمّیے پاك از هوٰی گفتارِ او   شرحِ رمزِ ماغوٰی گفتارِ او

(وہ امّی (ﷺ) جس کی گفتار خواہشات نفسانی سے پاک ہے اور اس کی باتیں رمزِ مَاغَوٰی کی شرح ہیں) (ا۔ر:۱۳۹)

نکتہ سنجاں را صلائے عام دہ   از علوم اُمّیے پیغام دہ

(تو نکتہ دروں کو دعوتِ عام دے اور انہیں جنابِ رسول پاک ﷺ کا پیغام پہنچا) (ا۔ر:۱۳۹)

نہیں وجود حدود و ثغور سے اس کا   محمدؐ عربی سے ہے عالم عربی

حضور ﷺ کی اتباع کے بغیر زندگی کی راہیں طے نہیں ہو سکتیں

اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق فرمائی اور اس کو ایک قانون یا آئین کے تابع رہنے کا حکم دیا، چنانچہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے فرمان کے مطابق چل رہی ہے البتہ بعض جنات اور انسان ایسے پائے جاتے ہیں کہ جو اللہ تعالیٰ کے اس قانون کی اتباع نہیں کرتے، لہٰذا طرح طرح کی مشکلات اور مصائب میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ راقم الحروف کے پاس مصیبت زدہ اور پریشان حال لوگوں کی ایک کثیر تعداد آتی ہے اور جب ان کی زندگیوں کا جائزہ لیا جاتا ہے تو عام طور پر (مصیبت زدہ لوگوں میں سے ۸۹ فیصد) لوگ دین سے دوری کی وجہ سے

مصیبتوں میں گرفتار پائے جاتے ہیں۔ بہت کم لوگ ایسے دکھائی دیتے ہیں کہ نماز و روزہ کی پابندی کے باوجود مصائب سے دوچار ہوں چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ایسے لوگ کسی غلطی کی وجہ سے مصائب میں پھنس جاتے ہیں یا کچھ نیک لوگ آزمائش اور درجات میں بلندی کی وجہ سے مبتلائے مصائب کئے جاتے ہیں۔ ایسے اور دوسرے لوگوں کی تکالیف میں واضح فرق پایا جاتا ہے کیونکہ نافرمانی کے باعث مصائب سزا یا عتاب الٰہی کی حیثیت رکھتی ہیں اور آزمائش کی خاطر دیئے جانے والے مصائب عتاب کی حیثیت نہیں رکھتے۔

اگر اس مسئلہ کو ذرا واضح طور پر بیان کرنا مقصود ہو تو راقم الحروف نے جو تحقیق کی ہے اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زندگی گزارنے کا ایک واضح اور زریں اصول نافذ کیا ہے، وہ یہ کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کے شرعی قوانین کی اتباع کرے گا، اس کو اللہ تعالیٰ کی مدد کا سبز اشارہ زندگی کے ہر موڑ پر ملتا رہے گا مگر جو بھی اس راہ سے انحراف کرے گا تو اللہ کی اس مدد کا یہ وعدہ واپس لے لیا جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص کتاب و سنت کے چیدہ چیدہ اصولوں کی پیروی کرے تو اس میں کوئی زیادہ مشقت درکار نہیں ہوتی۔ اس پیروی میں صرف نماز و روزہ کی پابندی (جس کے لئے یومیہ تقریباً نصف گھنٹہ درکار ہے) اور حج و زکوٰۃ حسب استطاعت ادا کرتا ہے۔ ان اسلامی احکام کے علاوہ راہِ سلوک میں مسلمان کو ممنوعات اسلام (چوری، زنا، رشوت اور دیگر حرام کاریوں) سے خود کو محفوظ کر لینا ہوتا ہے۔ اگر اتنی سی بات سے خدا راضی ہو جائے تو یہ کون سی مشکل بات ہے۔ انسان کو چاہئے کہ وہ خود کو شترِ بے مہار کی طرح نہ چھوڑ دے۔ اگر انسان میں یہ احساس نہ ہو تو اللہ تعالیٰ بھی اس کو اس کی اپنی بے کسی کی حالت پر چھوڑ دیتا ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے کائنات کی تخلیق فرمائی تو کائنات کو اس بات کا حکم دیا کہ جو شخص میرے (یعنی اللہ کے) تابع فرمان رہے تو تم اس کے تابع فرمان رہنا اور جو مجھے فراموش کر دے تو تم بھی (مصائب اور مشکلات کے ذریعے) اسے تھکا دینا۔ (الحدیث) علامہ اقبالؒ نے اسی بات کو ایک حدیث کے حوالے سے کہ ''مَنْ کَانَ لِلّٰہِ کَانَ اللّٰہُ لَہٗ'' (یعنی جو اللہ کا ہوگا، اللہ تعالیٰ اس کا ہو جاتا ہے) [۱] جاوید نامہ میں یوں لکھا ہے۔

مرد مومن با خدا دارد نیاز　　با تو ما سازیم، تو با ما بساز

(مرد مومن اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایک راز و نیاز رکھتا ہے اور کہتا ہے کہ ہم نے آپ سے موافقت کی آپ ہم سے موافقت کریں) (ج۔ن: ۱۲۲)

علامہؒ نے فرمایا کہ زندگی آپ ﷺ کے آئین اور دین سے وابستہ ہے اور میں اس سلسلے میں غور و فکر کے بعد اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ کتاب و سنت کے بغیر زندگی کی راہیں طے ہو جانا ممکنات سے بعید ہے۔

---

[۱] مرقاۃ المصابیح، حدیث ۱۳۶۳، جلد ۳، صفحہ ۳۵۵۔

در جہاں وابستۂ دینش حیات   نیست ممکن جز بآئینش حیات

(دنیا میں زندگی آپ ﷺ کے دین سے وابستہ ہے، آپ کے آئین کے بغیر زندگی ممکن نہیں) (ا۔ر:۱۴۰)

بودہ ام در حضرتِ مولائے کل   آنکہ بے او طے نمی گردد سبل

(میں نے جناب رسالت ماب ﷺ کی مجلس میں حاضری دی ہے، آپ وہ شخصیت ہیں جن کے بغیر زندگی کے راستے طے نہیں ہوتے)

علمِ حق سوائے شریعت کے اور کچھ نہیں

یہ وہ گوہر ہے جسے خدا نے خود بنایا ہے

رموزِ بے خودی میں علامہ اقبالؒ نے اس مضمون کی وضاحت کی ہے کہ کردار کی پختگی شریعت کی اتباع سے ہی ممکن ہے۔ فرماتے ہیں کہ شریعت میں کوئی اور معنی نہ ڈھونڈو۔ گوہر کے باطن میں بھی چمک ہی چمک نظر آتی ہے۔ شریعت ایک ایسا موتی ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے۔ اس کا ظاہر بھی موتی اور باطن بھی موتی ہے۔ سچا علم، شریعت کے علاوہ اور کوئی چیز نہیں اور سنّتِ رسول پاک ﷺ کی بنیاد محبت کے علاوہ کچھ اور نہیں۔ فرد کے لئے شرع ایمان کا زینہ ہے۔ اسی سے ایمان کے مقامات میں پختگی آتی ہے۔ شریعت کی پابندی سے انسان کو عمل پر قدرت ملتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

علمِ حق غیر از شریعت ہیچ نیست   اصلِ سنت جز محبت ہیچ نیست

(سچا علم شریعت کے علاوہ اور کچھ نہیں اور سنت رسول پاک ﷺ کی بنیاد کے علاوہ اور کچھ نہیں) (ا۔ر:۱۲۶)

در شریعت معنی دیگر مجو   غیر ضوء در باطنِ گوہر مجو

(شریعت میں کوئی اور معنی نہ ڈھونڈ، گوہر کے باطن میں بھی چمک کے سوا اور کچھ تلاش نہ کرو) (ا۔ر:۱۲۶)

ایں گہر را خود خدا گوہر گر است   ظاہرش گوہر بطونش گوہر است

(شریعت ایسا موتی ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے اس کا ظاہر بھی موتی ہے اور باطن بھی موتی) (ا۔ر:۱۲۶)

طینتِ پاک مسلماں گوہر است   آب و تابش از یمِ پیغمبر است

(مسلمان کی پاک فطرت مانند گوہر ہے اور اس کی آب و تاب نبوت کے دریا سے ہے) (ا۔ر:۱۳۳)

آب نیسانی باغوشش در آ   وز میانِ قلزمش گوہر برآ

(تو بارش کا قطرہ ہے لہٰذا اس دریا کی آغوش میں آ اور حضور ﷺ کے سمندر سے موتی بن کر نکل) (ا۔ر:۱۳۳)

علامہ فرماتے ہیں کہ عشق کی تیغ جوہر دار کی حیثیت آبِ حیات سے کم نہیں ہے اور نقطۂ نور، جس کا

نام خودی ہے اللہ تعالیٰ کی محبت کے باعث پائندہ تر اور زیادہ چمکدار ہوتا ہے۔ محبت سے ہی خودی کی صلاحیتوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا عشق بندے کو مولا صفات بنا دیتا ہے اور کسی کامل کے آستانہ پر بوسہ زن ہو کر بندہ اپنی مشتِ خاک کو کیمیا بنا سکتا ہے۔

از نگاہ عشق خارا شق بود   عشقِ حق آخر سراپا حق بود

(عشق کی نگاہ پتھر کو توڑ دیتی ہے، اللہ تعالیٰ کا عشق بندے کو سراپا مولا صفات بنا دیتا ہے)(ا۔ر:۱۸)

عاشقی آموز و محبوبے طلب   چشمِ نوحےؑ، قلب ایوبےؑ طلب

(عاشقی سیکھ اور اپنے لئے محبوب ڈھونڈ، اس کے لئے چشمِ نوح علیہ السلام اور قلب ایوب علیہ السلام تلاش کر)(ا۔ر:۱۸)

کیمیا پیدا کن از مشتِ گِلے   بوسہ زن بر آستانِ کاملے

(اپنی مشتِ خاک کو کیمیا بنا لے (ایسا کرنا ہے تو) کسی کامل کے آستانہ پر بوسہ زن ہو جا)(ا۔ر:۱۸)

رسول اللہ ﷺ کی محبت سے مسلمان کا دنیا میں مقام بنتا ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کا پرانا منبر جو کھجور کی لکڑی کا بنا ہوا تھا، وہ بھی آپ ﷺ کے فراق میں اس وقت رونے لگا جب لکڑی کا نیا منبر بن کر مسجد نبوی ﷺ میں آ گیا۔[1] علامہؒ فرماتے ہیں میرے دل میں آپ ﷺ کے لئے محبت کی تڑپ تسکین کا باعث ہے۔ میری زندگی کی شام، صبحِ محشر سے بھی زیادہ گرم ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر تو عاشق ہے تو حضور ﷺ سے اپنے آپ کو محکم بنا تا کہ آپ ﷺ کی محبت کے باعث اللہ تعالیٰ تجھے اپنی تجلی سے نواز دے اور خلافتِ الٰہی کے بلند مرتبہ سے نواز دے۔ یہ سب ان کی محبت اور اطاعت سے ہی ممکن ہے۔

روز محشر اعتبارِ ماست او   در جہاں ہم پردہ دارِ ماست او

(روز محشر حضور ﷺ (کی شفاعت پر) ہمارا بھروسہ ہے اس دنیا میں بھی آپ ﷺ ہی ہمارے عیب ڈھانپنے والے ہیں)(ا۔ر:۲۰)

ہست مسلم تجلی گاہ او   طورہا بالد ز گرد راہ او

(مسلمان کا وجود حضور ﷺ کی تجلیات کا مہبط ہے۔ آپ ﷺ کے گرد راہ سے کئی طور پیدا ہوتے ہیں)(ا۔ر:۲۱)

کشتۂ اندازِ مُلّا جامیم   نظم و نثرِ او علاجِ خامیم

(میں جامی کے انداز بیان کا مارا ہوا ہوں۔ اس کی نظم اور نثر میری خامی کا علاج ہیں)(ا۔ر:۲۱)

لشکرے پیدا کن از سلطانِ عشق   جلوہ گر شو بر سرِ فارانِ عشق

(عشق کی قوت سے لشکر تیار کر اور عشق کے فاران کی چوٹی پر جلوہ گر ہو جا)(ا۔ر:۲۲)

تا خدائے کعبہ بنوازد ترا   ترح انّی جاعلٌ سازد ترا

---

[1] سنن ترمذی، حدیث ۵۰۵، جلد ۲، صفحہ ۳۷۹۔

اسلام کا آغاز اور انجام شرع ہے اور شرع ہی اسلام کی کامیابی کا راز ہے

اسرار ورموز خودی میں علامہ اقبالؒ نے "اِتباعِ آئینِ الٰہیہ" کے نام سے اپنے کلام میں اس حقیقت کو آشکار کیا ہے کہ شریعت ایک ایسا موتی ہے جسے خود اللہ تعالیٰ نے بنایا ہے، یعنی اس کے قوانین اللہ تعالیٰ نے خود جاری فرمائے ہیں اور اس کا ظاہر بھی موتی اور باطن بھی موتی ہے۔ (اس سلسلے کے اشعار گزشتہ بیان سے پہلے عنوان میں گزر چکے ہیں) سچا علم شریعت کے علاوہ اور کچھ نہیں جس کی بنیاد رسول پاک ﷺ کی محبت پر قائم ہے۔ مسلمانوں کے لئے شرع ایمان کا زینہ ہے اور اس ہی سے ایمان میں پختگی آتی ہے۔ شریعت سے ہی ملت قائم ہے اور ملت کے نظام کو اسی سے بقا اور استحکام حاصل ہوتا ہے۔ شریعت پر عمل کرنے سے ہی ایک مسلمان کو باعمل مسلمان بننے کی توفیق حاصل ہوتی ہے اور یہی قوت اس کے لئے عصا اور یدِ بیضا کا کام دیتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا "میں کہتا ہوں کہ اسلام کا راز شرع ہے اور اسلام کا کام شرع سے ہی آغاز اور انجام تک پہنچتا ہے۔ اسلام نے دشمنوں پر بھی اس وقت حملہ کرنے سے منع کیا ہے جب تک اس کو صلح کے گمان کا شائبہ ختم یا واضح نہ کر دیا جائے کیونکہ بے خبر لوگوں پر حملہ کرنا اسلام کے اصولوں کے خلاف ہے۔ شرع مسلمانوں کے زور بازو یعنی ان کی قوت کو آزماتی ہے اور اس کو پہاڑوں کے ساتھ ٹکرا جانے کی توقع رکھتی ہے۔ دشمن کی کمزور اور لاغر بھیڑ، شیر کے پنجے کے لائق نہیں لہٰذا ایسے وقتوں پر جب دشمن کمزور ہو تو اس پر حملہ کرنا حرام ہے۔ حضرت محمد ﷺ نے شرع کا نسخہ مسلمانوں کے لئے تجویز فرمایا ہے اور ان کا یہ نسخہ مسلمانوں کو عمل کرنے پر ابھارتا ہے اور پہاڑ کی طرح سخت بنا دیتا ہے۔"

علامہ مزید فرماتے ہیں کہ: شریعت مسلمانوں کے دلوں کو صیقل بناتی ہے اور ان کے دلوں کو لوہے کے زنگ اور میل کچیل سے پاک کرتی ہے۔ علامہ فرماتے ہیں کہ قرونِ اولیٰ کے مسلمان جو شریعت کے حامل تھے مکمل طور پر تمام اسلامی اصولوں کے تابع تھے اور پوری دنیا پر چھائے ہوئے تھے مگر اب ذرا ذرا سی بات سے اس کا دل دہل جاتا ہے اور مشکلات کا سامنا نہیں کر سکتا۔ جس قوم کے نقش قدم سے سینکڑوں ہنگامے وابستہ تھے اب وہ گوشہ عزلت میں اپنے پاؤں توڑ کر بیٹھ گئی ہے۔ جس قوم کا حکم پورے عالم پر چلتا تھا اور دارا و جمشید جیسے جن کے دروازوں پر فقیروں کی طرح کھڑے رہتے تھے، اب وہ قوم کاسہ گدائی لئے ہوئے پوری دنیا کی محتاجی میں مبتلا ہے۔ حضور اکرم ﷺ کا دین ایک دینِ فطرت ہے اور آپ ﷺ کی شریعت آئین حیات کی تفسیر ہے جس پر عمل پیرا ہونے کے بعد مسلمان پہاڑ کی طرح پختہ ہو جاتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ وہ مسلمان

جس نے گرمیِ صحرا سے تربیت پائی تھی، آج وہ عجمی خیالات سے مغلوب ہو کر معمولی نے (بانس کی لکڑی) کی طرح کمزور ہو گیا ہے۔ مسلمانوں کے موجودہ حالات کو دیکھ کر علامہ اپنی قوم کو اپنے کلام میں کمر ہمت باندھنے اور شریعت پر عمل کرنے کی بار بار نصیحت فرماتے ہیں۔ آج اگر یہ قوم نماز و روزہ کی پابند ہو جائے تو اپنا کھویا ہوا وقار حاصل کر سکتی ہے۔ افسوس کہ اس قوم میں ذرا سی ہمت کی بھی سکت نہیں رہی۔

با تو گویم سرِ اسلام است شرع   شرع آغاز است و انجام است شرع

(میں یہ کہتا ہوں کہ اسلام کا راز شرع ہے شرع ہی سے اس کا آغاز ہے اور شرع ہی پر اس کا انجام ہے)

شارع آئینِ شناسِ خوب و زشت   بہر تو ایں نسخۂ قدرت نوشت

(جناب رسول پاک ﷺ نے جو خوب و زشت کے آئین شناس ہیں تیرے لئے شریعت کا یہ نسخہ جو تجھے عمل پر قدرت عطا کرتا ہے تحریر فرمایا) (ا۔ر:۱۲۸)

از عمل آہن عصب می سازدت   جانے خوبے در جہاں اندازدت

(یہ عمل کے ذریعے تیرے اعصاب کو آہنی بناتا ہے اور تجھے دنیا میں بلند مقام عطا کرتا ہے) (ا۔ر:۱۲۸)

خستہ باشی استوارت مضبوط می کند   پختہ مثل کوہسارت می کند

(اگر تو کمزور ہے تو یہ تجھے استوار کر دیتا ہے اور پہاڑ کی مانند پختہ بنا دیتا ہے) (ا۔ر:۱۲۸)

مصطفیٰؐ اندر حرا خلوت گزید   مدتے جز خویشتن کس را ندید

(جناب رسول پاک ﷺ نے غار حرا میں خلوت اختیار فرمائی اور مدت تک اپنے سوا کسی اور کو نہ دیکھا) (ج۔ن:۶۹)

اسرار و رموز میں علامہ نے لکھا ہے کہ اے مسلمان تجھے اللہ تعالیٰ کی طرف سے جو کتاب عطا ہوئی ہے اس کتاب پر عمل کرنے کی رفتار تیز کر اور جس نے اس کا دامن چھوڑ دیا تو سمجھ لے کہ اس کی میدان عمل میں موت واقع ہو گئی۔

اے کہ می داری کتابش در بغل   تیز تر نہ پا بہ میدانِ عمل

(اے مسلمان! تو جو آپ ﷺ کی کتاب بغل میں لئے ہوئے ہے اس کتاب کے میدان عمل میں قدموں کو تیز تر کر) (ا۔ر:۱۴۰)

قلبِ مومن را کتابش قوت است   حکمتش حَبْلُ الْوَرِیْد ملّت است

(دل مومن کے لئے اس کی کتاب (قرآن) منبع قوت ہے اور اس کی حکمت (حدیث) قوم کی شہ رگ ہے) (ا۔ر:۱۰۱)

دامنش از دست دادن مردن است   چوں گل از بادِ خزاں افسردن است

(اس کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا گویا مرنا ہے اور پھول کی طرح بادِ خزاں میں مرجھا جانے کے مصداق ہے) (ا۔ر:۱۰۱)

دینِ فطرت از نبیؐ آموختیم   در رہ حق مشعلے افروختیم

(ہم نے اسلام کا دستور رسول اکرم ﷺ سے سیکھا اور خدا کی راہ میں مشعلِ توحید روشن کی) (ا۔ر:۱۰۲)

کسی اور شاعر نے بھی سُنّت رسول ﷺ کی افادیت کو ان لفظوں سے ظاہر کیا ہے۔

اک اسوۂ رسول ہے وہ راہ مستقیم
ہوتے ہیں جس کے سامنے سب راستے فنا
جو بھی عمل خلافِ پیغمبرؐ ہے، کفر ہے
ہے طاعت رسولؐ میں ایمان کی بقا
راضی کرو رسولؐ کو سنت کے ضبط سے
اس کی رضا میں پاؤ گے اللہ کی رضا

مسلمان کا ساز و برگ کتاب وسنت ہے

یہ دونوں ملّت کی شہ رگ کی مانند ہیں

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ کسی قوم کا استحکام اس کے قوانین اور آئین کی حق پرست بنیادوں پر قائم ہوتا ہے۔ اسلام میں سُنّتِ رسول ﷺ کو آئین حق ہونے کا مقام حاصل ہے۔ سُنّتِ رسول ﷺ مسلمانوں کے لئے ید بیضا اور عصا کی حیثیت رکھتی ہے۔ شریعت کے علم سے ہی مسلمانوں کو عمل پر قدرت حاصل ہوتی ہے۔ افرادِ ملّت کے لئے شرع اسلامی ایمان کا زینہ ہے۔ جس سے ایمان کے مختلف مقامات پر مسلمانوں کو پختگی حاصل ہوتی ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام میں مسلمانوں کا ساز و سامان کتاب وسنت کے علاوہ کچھ نہیں۔ قرآن اور سنت دو ایسے انعامات ہیں جو خود اللہ تعالیٰ نے مومنوں کو زندگی کی کٹھن راہوں پر سے گزرنے کے لئے تجویز فرمائے ہیں۔

برگ و سازِ ما کتاب و حکمت است   ایں دو قوت اعتبارِ ملت است

(کتاب وحکمت ہی ہمارا سرمایہ ہے۔ انہی دو قوتوں پر ملت کا دارومدار ہے) (پ۔چ:۸۳)

آں فتوحات جہانِ ذوق و شوق   ایں فتوحات جہانِ تحت و فوق

(ایک یعنی قرآن کی وجہ سے جہان ذوق وشوق (یعنی روحانیت) کے انعامات ہیں اور دوسری سنت سے مادی دنیا کی تسخیر ہے)

ہر دو انعام خدائے لا یزال   مومناں را آں جمال است، ایں جلال

(یہ دونوں ہی خدائے لایزال کے انعامات ہیں، مومنوں کے لئے ایک جمال ہے دوسرا جلال) (پ۔چ:۸۴)

ملت از آئین حق گیرد نظام   از نظام محکمے خیرد دوام

(ملت کو بھی شریعت ہی سے نظام حاصل ہوتا ہے اور نظام محکم اسے دوام عطا کرتا ہے) (ا۔ر:۱۲۶)

قدرت اندر علمِ اُو پیداستے
هم عصا و هم ید بیضا ستے

(شریعت کے علم ہی سے (عمل پر) قدرت حاصل ہوتی ہے۔ یہ عصا بھی ہے (قوت کا نشان) اور ید بیضا (نور ہدایت) بھی)

فرد را شرع است مرقاتِ یقیں
پختہ تر از وے مقاماتِ یقیں

(فرد کے لئے شرع ایمان کا زینہ ہے، اسی سے ایمان کے مقامات میں پختگی آتی ہے) (ا۔ر:۱۲۶)

علامہ اقبالؒ نے مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید مومن کے دل کو تاب و تواں (یعنی قوت) بخشتی ہے اور اللہ تعالیٰ کی حکمت یعنی حدیث رسول ﷺ دین اسلام کی شہ رگ ہے۔

قلبِ مومن را کتابش قوت است
حکمتش حَبلُ الوَرِید ملّت است

(اس کی کتاب (قرآن) قلب مومن کی تاب و تواں ہے اور اس کی حکمت یعنی (حدیث) ملت کی شہ رگ ہے) (ا۔ر:۱۰۱)

دامنش از دست دادن مردن است
چوں گل از باد خزاں افسردن است

(اس کا دامن ہاتھ سے چھوڑنا گویا مرنے کے برابر ہے اور پھول کی طرح باد خزاں سے مرجھانے کی طرح ہے) (ا۔ر:۱۰۱)

زندگی قوم از دمِ او یافت است
ایں سحر از آفتابش تافت است

(قوم نے زندگی رسول اللہ ﷺ کے دم سے حاصل کی ہے اور یہ صبح ان ہی کے سورج سے روشن ہوتی ہے) (ا۔ر:۱۰۱)

مسلمان کا دین قرآن و سنت سے مستحکم ہوتا ہے

علامہ اقبالؒ نے سُنّتِ رسول ﷺ کو بہت سے نام دیئے ہیں۔ کبھی وہ سُنّتِ رسول ﷺ، شرع پیغمبر، آئینِ پیغمبر، روحِ محمد ﷺ، حکمتِ پیغمبر، کہیں دستورِ رسول ﷺ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ سُنّتِ رسول ﷺ کے لئے آپؒ نے تقلید یار، سرِ اسلام، نقرئی زنجیر، نسخہ قدرت، راہِ مصطفیٰ ﷺ، رضائے مصطفیٰ، ضمیرِ مصطفیٰ ﷺ کے علاوہ کہیں کہیں تفسیر کل، اعتبارِ ملت اور آئینِ حیات کے الفاظ استعمال کئے ہیں۔ ان تمام الفاظ کے استعمال سے آپ کا اشارہ بجا طور پر شرع اور سنتِ رسول ﷺ کی طرف ہی ہوتا ہے۔

مذکورہ بالا الفاظ کو استعمال کرنے کے ساتھ ساتھ علامہ اقبالؒ لوگوں کے ذہنوں میں سُنّتِ رسول ﷺ کی اہمیت کو واضح طور پر بیان کرتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ سنت کے ذریعے مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کے ابدی پیغام سے آگاہ ہونا ضروری ہے تاکہ وہ اس کی پابندی کے بعد تسخیر کائنات کر سکیں، بلکہ خود اللہ تعالیٰ کو اپنی کمند محبت سے شکار کر لیں۔ اِتباعِ سُنّت سے انسان کے دل سے غیر اللہ کے نقوش مٹ جاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ مسلمانوں کو آگاہ کرتے ہیں کہ ہر چیز کا باطن کسی نہ کسی قانون سے متاثر ہوتا ہے، لہٰذا مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اس آئینِ قدرت (یعنی کتاب و سُنّت کی اِتباع سے غافل نہ رہیں۔

از مقام مصطفیٰؐ آگاہ شو   فارغ از اربابِ دون اللہ شو

(حضور ﷺ کے پیغام کو سمجھ لے اور اللہ تعالیٰ کے سوا اور جتنے آقا ہیں، ان سے فارغ ہو جا) (پ۔ چ: ۶۰)

باطن ہر شئے ز آئینے قوی   تو چرا غافل ز ایں ساماں روی

(ہر شے کی حقیقی پختگی ایک آئین سے ہے تو کیوں اس سامان سے بے خبر جا رہا ہے) (ا۔ر: ۴۱)

عاشقی، محکم شود از تقلیدِ یار   تا کمند تو شود یزداں شکار

(تو عاشق ہے تو اپنے محبوب ﷺ کی تقلید سے اپنے عشق کو محکم کر، تا کہ تو اللہ تعالیٰ کو اپنی محبت کی کمند میں لا سکے) (ا۔ر: ۴۲)

علامہ کا اشارہ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ کی طرف ہے یعنی اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو رسول اللہ ﷺ کی اتباع کرو تو پھر اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔

باز اے آزاد دستورِ قدیم   زینت پا کن ہماں زنجیرِ سیم

(اے پرانے آئین (شریعت) سے آزاد شخص اپنے آپ کو اسی نقرئی زنجیر کا پابند بنا) (ا۔ر: ۴۱)

رسالت مآب ﷺ کی محبت اور اطاعت کے بغیر انسان میں تخمِ کردار نہیں پھوٹتا

صوفیائے کرام کا قول ہے کہ کوئی ہدایت قرآن کی ہدایت سے بڑھ کر نہیں اور کوئی اتباع یا اطاعت رسول اللہ ﷺ کی اتباع سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی، کیونکہ آپ ﷺ کے خلق کو قرآن نے خلق عظیم فرمایا ہے، لہٰذا آپ ﷺ کی اتباع سے بڑا درجہ ممکن نہیں۔ جس کسی کو خدا کی طرف راہ ملتی ہے تو وہ اتباع رسول ﷺ سے ہی ملتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کا طریقہ خوبیوں کے اعتبار سے تمام انبیاء سے اعلیٰ اور افضل طریقہ ہے۔ آپ ﷺ کے طریقے کے علاوہ تمام غیر شرعی طریقے سوائے ظلمت اور گمراہی کے اور کچھ نہیں۔ آپ ﷺ ایسی ذات ہیں کہ جن کے اخلاق، اوصاف اور کمال کردار کی تعریف خود خالق کائنات نے قرآن میں متعدد بار بیان فرمائی ہے۔

ایک روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے ایک بار حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو مخاطب کر کے فرمایا اے صدیق رضی اللہ عنہ! تمہارے نبی ﷺ کے مقام کو تمہارے رب کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ یہی وجہ ہے کہ چچا غالب اتنے بڑے شاعر ہوتے ہوئے آپ ﷺ کی شان اقدس میں حسب ذیل الفاظ سے زیادہ کچھ نہ کہہ سکے۔

غالبؔ ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتیم
کاں ذات پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

(اے غالب ہم حضور ﷺ کی تعریف کے بیان کو اللہ تعالیٰ پر ہی چھوڑتے ہیں کیونکہ وہ پاک ذات ہی آپ

ﷺ کے مرتبے کو جانتی ہے)

اصلِ شریعت، محبتِ رسول ﷺ کے سوا کچھ نہیں۔

اگر انسان کامیابی کا راز ڈھونڈنا چاہتا ہے تو اسے معلوم ہونا چاہئے کہ کامیابی حضور ﷺ کے قدموں پر جھک جانے میں ہے اور جھکنے سے یہاں مراد آپ ﷺ کی اتباع اور عشق کے ساتھ اطاعت کرنا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ حضور ﷺ کی ذات پاک عشق و مستی کے جہان میں اول ہے اور آخر بھی وہی ہے۔ آپ ﷺ کے نام اور القاب قرآن میں بہت عزت و احترام سے آئے ہیں۔ آپ ﷺ قرآن، فرقان، یٰسٓ اور طٰہٰ کے نام سے یاد کئے گئے ہیں۔ لہٰذا آپ ﷺ سے محبت رکھنا ہی اصلِ شریعت ہے۔ علامہ اقبالؒ اس سلسلے میں فرماتے ہیں۔

نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسٓ وہی طٰہٰ

علم حق غیر از شریعت هیچ نیست اصلِ سنت جز محبت هیچ نیست
(دین الٰہی کا علم سوائے فہم شریعت کے اور کچھ نہیں اور سنت کی اصل سوائے محبتِ رسول ﷺ کے اور کچھ نہیں)(اسر:۱۲۶)

از وجود تو سر افرازیم ما بس به سوزِ ایں، جهاں سوزیم ما
(آپؐ کے وجود سے ہی ہم عزت و عظمت سے سرفراز ہیں بس اس لئے ہم اس جہان کو اس سوز سے جلا رہے ہیں)(اسر:۴۶)

علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہمارے لئے آپ ﷺ کا وجود ہی پوری کائنات ہے۔ آپ ﷺ ہی ہمارا دین و ایماں، ذکر و فکر اور کشتی و دریا یعنی سب کچھ آپ ﷺ ہی ہیں۔ فرماتے ہیں میں دنیا میں کسی چیز سے مغلوب نہیں ہوتا اور میں آپ ﷺ کے حرم میں پناہ لئے ہوئے ہوں۔ آپ ﷺ ہی ہم پر اپنی کرم بخشی کی نظر فرمائیں اور ہمارے دکھوں کا علاج فرمائیں۔

ذکر و فکر و علم و عرفانم توئی کشتی و دریا و طوفانم توئی
(میرا ذکر و فکر و علم و عرفان آپ ﷺ ہی ہیں، میری کشتی، دریا بھی اور طوفان بھی آپ ﷺ ہیں)(پ۔چ:۵۰)

آهوئے زار و زبوں و ناتواں کس به فتراکم نه بست اندر جهاں
(میں ایک زار و زبوں و ناتواں آہو ہوں، دنیا میں مجھے کسی نے اپنے فتراک (بستے) میں نہیں باندھا)(پ۔چ:۵۰)

اے پناه من حریمِ کوئے تو من بامیدے رمیدم سوئے تو
(آپ ﷺ کا حرم ہی میری پناہ گاہ ہے، میں اس امید سے آپ ﷺ کی طرف دوڑا ہوا آرہا ہوں)(پ۔چ:۵۰)

چوں بوصیری از تو می خواهم کشود با من باز آید آں روزے که بود

(میں بھی بوصیریؒ کی طرح آپ ﷺ سے شفا کا خواہاں ہوں تا کہ میرے گزشتہ (صحت مند) دن واپس آجائیں) (پ۔چ:51)

مہرِ تو بر عاصیاں افزوں تر است   در خطا بخشی چو مہرِ مادر است

(گناہگاروں پر آپ ﷺ کی شفقت زیادہ ہوتی ہے اور خطائیں معاف کرنے میں آپ کی شفقت ماں کی شفقت کی مانند ہے) (پ۔چ:51)

آخر میں آپ حضور ﷺ سے آپ ﷺ کے عکس جمال کی درخواست کرتے ہیں اور کتاب و سنت پرعمل کی توفیق طلب کرتے ہیں کیونکہ حضور ﷺ کی نظر کے بغیر انسانی بدن سے عمل کا بیج نہیں پھوٹ سکتا ہے۔

اے وجودِ تو جہاں را نوبہار   پرتوِ خود را دریغ از من مدار

(آپ ﷺ کا وجود مبارک جہاں کے لئے نوبہار ہے، اپنے عکسِ جمال سے مجھے محروم نہ رکھئے) (پ۔چ:51)

تا ز غیر اللہ ندارم ہیچ امید   یا مرا شمشیر گرداں یا کلید

(چونکہ میں غیر اللہ سے کوئی امید نہیں رکھتا اس لئے مجھے یا شمشیر بنا دیجئے یا کلید) (پ۔چ:51)

فکر من در فہم دیں چالاک و چست   تخم کردارے زخاکِ من نہ رست

(میری فکر دین کے فہم میں تیز اور چست ہے (لیکن) میری خاک بدن سے عمل کا بیج نہیں پھوٹا) (پ۔چ:51)

تیشہ ام را تیز تر گرداں کہ من   محنتے دارم فزوں از کوہکن

(میرے تیشے کو اور تیز کر دیجئے کیونکہ مجھے فرہاد سے زیادہ محنت درپیش ہے) (پ۔چ:52)

اسرارِ شریعت کو پا لینے کے بعد انسان احسن التقویم کا حامل اور ایمانِ ابراہیم علیہ السلام کا وارث بن جاتا ہے

علامہ اقبالؒ نے "اسرار شریعت" کے متعلق "پس چہ باید کرد" میں نہایت واضح گفتگو کی ہے اور مسلمانوں کو اس بات سے آگاہ کیا ہے کہ اگر ان کی نظر دین کی حکمت پر نہیں تو گویا وہ مال و دولت کے غلام ہیں اور سب اہل دولت ان کے آقا ہیں۔ ایسے لوگ ملک میں فساد کا باعث بنتے ہیں اور ایسی قوم جدت کی راہ پر نہیں چل سکتی۔ حقیقتاً ایسے لوگ قوم اور ملک کے دشمن ہیں کیونکہ وہ مزدور سے اس کی روٹی چھین لیتے ہیں اور ان کی بیٹیوں کی عزت و ناموس کو بھی لٹا دینے کا سبب بنتے ہیں۔ علامہ فرماتے ہیں کہ ایک ایسا دولت مند قابل تحسین ہے جو تونگری میں بھی فقر کی زندگی کو اپناتا ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اہل یورپ حلال و حرام میں تمیز نہیں کرتے۔ اس لئے ان کی آنکھ دنیا کو اللہ کے نور سے نہیں دیکھ سکتی۔ نئی تہذیب کا شیوہ انسانوں کو چیر پھاڑ کرنا ہے اور ان کے سودی نظام کی حمایت کرنے کا عمل ایسا افسوس ناک ہے کہ اس سے غریب ملکوں کو نقصان پہنچتا ہے۔ جب تک خیر و شر میں تمیز نہیں

اس وقت تک کوئی ملک یا قوم صراط مستقیم پر قائم نہیں ہوسکتی۔ فرماتے ہیں کہ اسلامی شرع، زندگی کی گہرائیوں سے اٹھتی ہے اور فی زمانہ تمام مروج برائیوں کا قلع قمع کرسکتی ہے شرع اسلام سے ہی کائنات کی تاریکیاں دور ہوسکتی ہیں۔ فرماتے ہیں۔

مال را گر بہرِ دیں باشی حمول
نِعْمَ مَالٌ صَالِحٌ گوید رسول

(اگر تم مال کو دین کے لئے رکھتے ہو تو حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ اچھی طرح کمایا ہوا مال کیا اچھی چیز ہے)(پ۔چ:۲۹)

گر نہ داری اندر ایں حکمت نظر
تو غلام و خواجۂ تو سیم و زر

(اگر تیری نظر اس حکمت پر نہیں پھر تو غلام ہے اور دولت تیری آقا ہے)(پ۔چ:۲۹)

خواجہ نان بندۂ مزدور خورد
آبروئے دخترِ مزدور برد

(ایسا آقا اپنے مزدور غلام کی روٹی کھالیتا ہے اور اس کی بیٹی کی آبرو چھین لیتا ہے)(پ۔چ:۲۹)

تا نہ دانی نکتہ اکلِ حلال
بر جماعت زیستن گردد وبال

(جب تک تو حلال کی کمائی کا نکتہ نہ سمجھے تو تیری زندگی معاشرے کے لئے وبال ہوجاتی ہے)(پ۔چ:۳۰)

آہ یورپ زیں مقام آگاہ نیست
چشمِ او یَنْظُرُ بِنُوْرِ اللّٰہ نیست

(افسوس یورپ اس مقام سے آگاہ ہی نہیں رکھتا، اس کی آنکھ اللہ کے نور سے نہیں دیکھتی)(پ۔چ:۳۰)

شرع بر خیزد ز اعماقِ حیات
روشن از نورش ظلومِ کائنات

(شرع زندگی کی گہرائیوں سے اٹھتی ہے اور اس کے نور سے کائنات کی تاریکیاں دور ہوجاتی ہیں)(پ۔چ:۳۰)

گر جہاں داند حرامش را حرام
تا قیامت پختہ ماند ایں نظام

(اگر لوگ شرع کی حرام کردہ چیزوں کو حرام سمجھیں تو نظامِ ملک میں قیامت تک پختگی باقی رہے گی)(پ۔چ:۳۰)

حکمش از عدل ست و تسلیم و رضاست
بیخ اُو اندر ضمیرِ مصطفیؐ است

(شرع کا حکم عدل، تسلیم (احکام الٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کردینا) اور راضی برضا رہنا ہے شرع کا بیج حضور ﷺ (کے قلب) میں ہے)(پ۔چ:۳۱)

مصطفیؐ داد از رضائے اُو خبر
نیست در احکامِ دیں چیزے دگر

(حضور اکرم ﷺ نے اللہ کی رضا کی ہی خبر دی ہے احکامِ دین میں اس کے سوا اور کچھ نہیں ہے)(پ۔چ:۳۲)

از شریعت احسن التقویم شو
وارث ایمان ابراھیمؑ شو

(احکام شریعت کی پابندی کر کے احسن التقویم کا مصداق بن جا اور ایمان ابراہیم علیہ السلام بن جا)(پ۔چ:۳۲)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ شرع کیا چیز ہے؟ پھر خود ہی فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے ہمیں خدا کی

رضا حاصل کرنے کے لئے جن اصولوں کو اپنانے کی خبر دی ہے وہی شریعت کی غایت ہے۔ احکام دین اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ انسان اس بات کو محسوس کرے کہ فقر و شاہی رضائے الٰہی کے ہی مختلف مقامات ہیں۔ انسان شریعت کی پابندی سے احسن التقویم کا مصداق بن جاتا ہے اور ابراہیم علیہ السلام کے دین کا وارث بھی بن جاتا ہے۔ طریقت بھی یہی ہے کہ جس میں زندگی کو شرع کی گہرائیوں کے ساتھ بسر کرنے کا حکم ہے۔ اگر دین کو اس نظریے سے نہ دیکھا جائے تو تیرا دین مجبوریِ محض کا نام ہے اور ایسا دین انسان کو اللہ سے دور کر دیتا ہے۔

نبی کریم ﷺ کی شرع انسان کو جبرئیل علیہ السلام کے بھی قریب کر دیتی ہے۔ شرع اسلام کا مقصد امن ہے یعنی کوئی انسان کسی انسان کا محتاج نہ رہے۔ جو قومیں آئینِ خداوندی (احکام کتاب و سنت) کی تاویلیں گھڑ کر اس کی اصل کو بدل دیں تو ایسی قومیں تباہ و برباد ہو جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں کہ صوفی اور علماء کو میں خوب جانتا ہوں۔ انہوں نے اس حکمت اسلام کا مطلب سمجھا ہی نہیں۔ یہاں تک کہ اپنی ناسمجھی کے باعث ہمارے بڑوں نے ایک پیغمبر (قادیانی) کو جنم دے دیا جس نے قرآن سے زندگی بھر اپنی پیغمبری کے ثبوت مہیا کرنے کے سوا کچھ اور نہیں دیکھا۔ یہ تمام لوگ قرآن اور حدیث کے دعویدار ہیں، لیکن شریعت اسلامیہ کے رازوں سے نابلد ہیں۔ قوموں کے معیار تو قوانین الٰہی کو سمجھ کر اس پر عمل کرنے سے بنتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کے راز (یعنی شریعت) سے حصہ پاتا ہے وہ خدا کے قریب ہو جاتا ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

هر که از سرِ نبی گیرد نصیب   هم به جبریلِ امیں گردد قریب

(جو شخص نبی پاک ﷺ کی شریعت سے حصہ پاتا ہے وہ جبرائیل امین علیہ السلام (علامت حکمت) سے بھی قریب ہو جاتا ہے)(پ۔چ۳۲)

کس نه گردد در جهاں محتاج کس   نکتهٔ شرع مبیں ایں است و بس

(شرع مبین کا نکتہ یہ ہے کہ دنیا میں کوئی انسان کسی کا محتاج نہ ہو)(پ۔چ:۳۲)

زنده قومے بود از تاویلِ مرد   آتش او در ضمیرِ او فسرد

(مسلمان قوم زندہ تھی مگر قرآن کی غلط تاویلوں نے اسے مار دیا ان کے ضمیر کی آگ بجھ چکی ہے)(پ۔چ:۳۲)

صوفیانِ با صفا را دیده ام   شیخ مکتب را نکو سنجیده ام

(میں نے صوفیان باصفا کو دیکھا ہے اور علمائے مدارس کو بھی خوب پرکھا ہے)(پ۔چ:۳۲)

عصرِ من پیغمبرے هم آفرید   آنکه در قرآں بغیر از خود نه دید

(میرے دور نے بھی ایک نبی (قادیانی) کھڑا کیا، وہ جسے قرآن پاک میں اپنے سوا کچھ اور نظر نہ آیا یعنی اپنی پیغمبری کے حق میں دلائل ڈھونڈتا رہا)(پ۔چ:۳۲)

هریکے دانائے قرآن و خبر   در شریعت کم سواد و کم نظر

(یہ سب قرآن اور حدیث کے عالم ہونے کے عویدار ہیں مگر شریعت سے بے بہرہ اس کے رازوں سے بے بصر ہیں) (ا۔ر:۱۲۸)

کار اقوام و ملل ناید درست از عمل بنما کہ حق در دستِ تست

(قوموں اور ملتوں کے کام اس طرح نہیں سنورتے، اپنے عمل سے ثابت کر کہ حق تیرے پاس ہے) (ا۔ر:۱۲۸)

یافت مورے بر سلیمانے ظفر سطوتِ آئینِ پیغمبر نگر

(جناب رسول پاک ﷺ کے آئین کی شان دیکھ، اس کی بدولت چیونٹی نے سلیمان علیہ السلام پر فتح پائی) (ا۔ر:۱۲۸)

چیونٹی کے متعلق لکھا گیا ہے کہ وہ درود شریف پڑھ رہی تھی اس کی برکت سے سلیمان علیہ السلام نے اسے اٹھا کر اپنے ہاتھ پر رکھا۔

حضور رسالت مآب ﷺ کی بارگاہ میں دین و دنیا کی پناہ ملتی ہے

حضور ﷺ کی ذات مبارکہ پوری کائنات کے لئے رحمت بنا کر بھیجی گئی ہے، حتیٰ کہ نباتات جمادات اور ساری کائنات میں بسنے والے ذی عقول اور غیر ذی عقول کو آپ ﷺ کی رحمت احاطہ کئے ہوئے ہے۔ آپ ﷺ ان لوگوں کے لئے رحمت ہیں جو ایمان لائے ہوں اور ان کے لئے بھی جو آپ ﷺ پر ایمان نہ لائے ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام سے جب آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا تم کو بھی میری رحمت سے حصہ ملا ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ آپ ﷺ کی رحمت سے مجھے بھی حصہ ملا ہے اور وہ یہ کہ اگرچہ آپ ﷺ سے پہلے بھی میں وحی رسانی کا کام کرتا تھا مگر اپنی حیثیت سے ہمیشہ خائف رہتا تھا اور نہیں جانتا تھا کہ میری وحی رسانی کے کام سے اللہ تعالیٰ راضی ہیں یا نہیں۔ حضور ﷺ کی رحمت کی بدولت سورۂ التکویر کی آیت ۹۱ تا ۱۲ میں میری تعریف کی گئی اور میرے متعلق یہ کہا گیا ذِیْ قُوَّۃٍ عِنْدَ ذِی الْعَرْشِ مَکِیْنٍ ۝ مُّطَاعٍ ثَمَّ اَمِیْنٍ ۝ (یعنی یہ قرآن ایک عزت والے فرشتے یا عزت والے رسول کا پڑھنا ہے جو قوت والا ہے (اور) مالک عرش کے حضور عزت والا ہے۔ وہاں اس کا حکم مانا جاتا ہے اور پھر امانت دار ہے) جبرئیل علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرے متعلق جب یہ الفاظ آئے تو میں اپنے کام کی نوعیت سے مطمئن ہو گیا۔ علامہ فرماتے ہیں۔

گرد تو گردد حریم کائنات از تو خواہم یک نگاہ التفات

(تمام کائنات (ادب سے) آپ ﷺ کا طواف کرتی ہے، میں آپ ﷺ سے ایک نگاہ التفات چاہتا ہوں) (پ۔چ۵۰)

ذکر و فکر و علم و عرفانم تونی کشتی و دریا و طوفانم تونی

(آپ ﷺ ہی میرا ذکر و فکر ہیں اور آپ ﷺ ہی میرا علم و عرفان ہیں، آپ ﷺ ہی میری کشتی، میرا دریا اور طوفان بھی آپ ﷺ ہیں) (پ۔چ۵۰)

علامہ اقبالؒ نے ''پس چہ باید کرد'' میں ''در حضور رسالت مآب ﷺ'' کے عنوان سے لکھا کہ جب علامہ بھوپال میں بیمار تھے تو خواب میں سرسید احمد خان نے ان سے فرمایا کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے حضور میں شفا کے لئے عرض کریں۔ اس پر علامہ نے یہ نظم لکھی اور آپ ﷺ کے احسانات کو شمار کرنے کی کوشش کی۔ آپؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا ذکر روحانیت کا سرمایہ ہے۔ اس کے بعد آپ نے اپنی اور امت مسلمہ کی مشکلات اور احوال کا ذکر کیا اور درخواست کی کہ اس امت میں پھر کوئی بندہ پیدا ہونے کی دعا فرمائیں جو قوم کی حالت کو پھر سے اصلاح کی طرف لے جائے۔ آپؒ عرض کرتے ہیں کہ اس قوم کا علاج صرف آپ ﷺ کی نظر کرم کا محتاج ہے۔

ارمغان حجاز میں علامہ، حضور رسالت ﷺ میں عرض کرتے ہیں کہ میں نہ تو ملاؤں کی مجلس میں اور نہ صوفیوں کی مجلس میں بیٹھتا ہوں۔ آنحضرت ﷺ سے التجا کرتے ہیں کہ میرے دل پر لفظ اللہ نقش کر دیں تا کہ میں اللہ کو بے حجاب دیکھ لوں۔ آپؒ نے مسلمانوں کو مخاطب کر کے فرمایا کہ میں نے تمہیں تقدیر کے اصول واضح کر دیئے ہیں۔ اب تمہیں چاہئے کہ تقدیر کی بابت ناامید نہ ہونا اور حضور ﷺ کا دامن تھام لینا نہیں تو بڑی خوشی سے ایک کافر کی موت مر جاؤ۔

نہ با مُلاّ نہ با صوفی نشینم تو می دانی کہ من آنم نہ اینم

(میں نہ تو ملا کے پاس بیٹھا ہوں نہ صوفی کے پاس آپ جانتے ہیں کہ میں نہ تو وہ ہوں نہ یہ) (ا۔ح:۴۸)

نویس اللہ بر لوح دلِ من کہ ہم خود را ہم او را فاش بینم

(میرے دل کی تختی پر لفظ اللہ رقم فرما دیں تا کہ میں خود کو اور اللہ کو بے حجاب دیکھ لوں) (ا۔ح:۴۸)

کشادم پردہ را از روئے تقدیر مشو نومید و راہ مصطفیؐ گیر

(میں نے تقدیر کے چہرے سے پردہ اٹھا دیا ہے ناامید نہ ہو اور حضور ﷺ کی راہ اختیار کر) (ا۔ح:۴۸)

علامہ اقبالؒ حضور ﷺ سے کرم فرمائی کی بھیک مانگتے ہیں اور خود کو آپ ﷺ کے در کا گدا تصور کرتے ہوئے یوں التجا کرتے ہیں:

کرم اے شہ عرب و عجم کہ کھڑے ہیں منتظر کرم
وہ گدا کہ تو نے عطا کیا ہے جنہیں دماغ سکندری

حضور ﷺ کا وجود کتاب وسنت سے منور ہے
اور آپ ﷺ کے عشق نے ذروں کو طلوع آفتاب دیا

حضور ﷺ چونکہ مجسمہ ہدایت ہیں اس لئے علامہ اقبالؒ نے آپ ﷺ کے لئے ''تیرا وجود الکتاب'' کے الفاظ استعمال کئے ہیں اور وہ ان الفاظ کے استعمال کرنے میں حق بجانب بھی تھے کیونکہ آپ ﷺ

جو بات بھی اپنی زبان مبارک سے ادا کرتے، اس کا درجہ وحی الٰہی سے کم نہ تھا، جیسا کہ قرآن کی سورہ النجم کی آیت نمبر ۳ اور ۴ میں وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوٰى o اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْیٌ يُّوْحٰى o (یعنی وہ تو بولتے ہی نہیں اپنی خواہش سے مگر (یہ آپ ﷺ کا کلام) نہیں ہے سوائے اس کے کہ جو وحی آپ ﷺ پر کی جاتی ہے) حضرت عائشہ رضی اللہ عنھا کی مشہور روایت میں ہے کہ حضور ﷺ کا اخلاق پورا قرآن تھا، یعنی آپ ﷺ مجسم قرآن تھے[1]

حضور ﷺ کا وجودِ مبارک قرآن ہونے کا ایک یہ بھی ثبوت ہے کہ آپ ﷺ چونکہ پوری کائنات کے لئے ہدایت تھے اس لئے آپ ﷺ کی حیثیت چلتا پھرتا قرآن کی طرح ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کے وجود کو الکتاب کہنا بے جا نہ ہوگا۔ علامہ اقبالؒ نے ایک اور شعر میں اس بات کا اظہار کیا ہے کہ چونکہ قرآن کا مقصود ہدایت دینا ہے لہٰذا جو مسلمان قرآن کی طرح ہدایت کو پھیلاتا ہے تو وہ بھی ایک قسم کا چلتا پھرتا قرآن ہے۔ آپؒ نے ضربِ کلیم میں مردِ مسلمان کی صفات کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے۔

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

علامہ اقبالؒ کے مجموعہ کلام "بالِ جبریل" میں ایک نہایت خوبصورت اشعار کا گلدستہ "ذوق و شوق" کے عنوان سے ملتا ہے، جس کے پڑھنے کے بعد عشقِ رسول ﷺ کا نہایت والہانہ اظہار سامنے آتا ہے اور اہلِ ذوق ان اشعار کو بار بار پڑھ کر بے خود اور بے قرار ہوتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ ان اشعار کو مضمون کی مناسبت کے باعث قارئین کی خدمت میں نیچے پیش کیا جا رہا ہے تاکہ وہ بھی (بشرط ذوق) پوری طرح محظوظ ہو سکیں۔ وہ اشعار جو نیچے درج کئے جا رہے ہیں، ان کی مکمل تشریح کرنا، نوعیتِ مضمون کے پیشِ نظر، نہایت طوالت طلب امر ہے لیکن اس جگہ اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ جن لوگوں نے خود کو حضور ﷺ کے عشق میں سمو لیا ہے، وہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ، عمر بن خطاب ؓ، عثمان غنی ؓ اور حضرت علی ؓ جیسے صحابہ کبار ؓ کا روپ ڈھال کر تمام زمانے پر چھا گئے۔ وہ اشعار حسب ذیل ہیں۔ آخری دو اشعار کی مختصر تشریح راقم الحروف کی تصنیف "حضورِ قلب" کے صفحہ ۵۵۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

لوح بھی تو قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبد آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب

---

[1] مسند احمد بن حنبل، احمد بن حنبل متوفی ۲۴۱، حدیث ۲۴۶۴۵، جلد ۶، صفحہ ۹۱، موسسۃ قرطبہ، مصر۔

شوکت سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقر جنیدؒ و بایزیدؒ تیرا جمال بے نقاب
شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب
تیری نگاہ ناز سے دونوں مراد پا گئے
عقل، غیاب و جستجو، عشق حضور و اضطراب

راقم الحروف نے اچھی خاصی وسعت کے ساتھ نعتیہ کلام لکھا ہے اور اس سلسلہ میں ایک نعت جو ہماری کتاب ''حسن نماز'' میں اور دیگر اخبارات میں چھپ چکی ہے، اس کے چند اشعار قارئین کی نظر کیے جا رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں۔

دل میں نہیں جو نقش یار حسنِ نماز کچھ نہیں
دل نہ ہو تار تار اگر، سفر حجاز کچھ نہیں

رہتے ہیں یوں تو رات دن، حسن و جمال کے نقوش
شوخیِ دل نہ ہو اگر، عشقِ مجاز کچھ نہیں

مستیِ ذوق و شوق ہے، اصل نماز کا نشان
تیرا قیام بے حضور، بندہ نواز کچھ نہیں

تری اذان میں کہاں، نظر رسولؐ کا فروغ
جذبِ بلال گر نہیں، تری آواز کچھ نہیں

لمحہ عشقِ مصطفیٰؐ بہتر ہے زہد خشک سے
سجدہ گری میں بسر کی، عمر دراز کچھ نہیں

عشق کی آگ میں جلا، گیسوئے دل کو برملا
جب تک نہ خم ہو عشق میں، زلفِ ایاز کچھ نہیں

دیتا ہے عشق پر اگر فتویٰ کفر تو اے شیخ
فتویٰ یہ تنگ دل کا ہے، اس کا جواز کچھ نہیں

اہلِ نظر کی رفعت قلب و نظر کچھ اور ہے
وہ جو اٹھائیں اک قدم، کوہ فراز کچھ نہیں

تیرا کلام بے نظیر، قوم کا تو ہے دستگیر
تیرے لئے خراجِ دل، دانائے راز کچھ نہیں

رحمت دو جہان دی، اپنے نبی کو شان دی
تیرے لئے عطائے کل اے بے نیاز کچھ نہیں

میں تو لطیفؔ کہہ چکا اہل مراد سے یہ بات
عشق ہے نامراد اگر سوز و گداز کچھ نہیں

(کلام عبداللطیف خان نقشبندی)

کتاب وسُنّت سے تمسک بغیر عشقِ مصطفیٰ ﷺ ممکن نہیں

عشقِ رسول ﷺ علامہ اقبالؒ کا دلپسند اور مخصوص موضوع رہا ہے۔ اس پر علامہ اقبالؒ نے بہت طویل کلام کیا ہے جس کا احاطہ اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں ہے۔ ''عقل وعشق اور فلسفۂ خودی'' کے عنوان سے راقم الحروف نے ایک (زیرِ طباعت) مفصل کتاب تصنیف کی ہے جس میں علامہ کے اس مخصوص موضوع پر سیر حاصل تفصیل دی گئی ہے۔ خواہش مند حضرات اس کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

علامہ اقبالؒ کے مطابق عشق کسی شے کو اپنے اندر جذب کر لینے اور اسے اپنا جزوِ حیات بنا کر اپنا لینے کا نام ہے چنانچہ جس شخص کو رسول اللہ ﷺ سے والہانہ عشق ہو جائے تو وہ آپ ﷺ کی ہر سنت کو اپنانے کی کوشش کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو لوگ رسولِ خدا ﷺ سے شدید محبت رکھتے ہیں ان کے ہر کام میں سُنّتِ نبوی ﷺ کی خوشبو پائی جاتی ہے۔ اسی جذبۂ عشق کے باعث انسان کو فرشتوں پر فضیلت حاصل ہوئی۔ علامہ اقبالؒ منکرِ عشق کو کافر وزندیق سے بہتر نہیں سمجھتے۔ زبورِ عجم میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

زرسم و راہ شریعت نہ کردہ ام تحقیق   جز ایں کہ منکرِ عشق است کافر و زندیق

(میں نے شریعت کے احکام کی تحقیق کی ہے اور اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ منکرِ عشق کافر وزندیق ہے) (ز۔ع:۱۱۴)

علامہ اقبال فرماتے ہیں:

عشق دمِ جبرئیل عشق دلِ مصطفیٰ   عشق خدا کا رسولؐ، عشق خدا کا کلام
پروانے کو چراغ ہے بلبل کو پھول بس   صدیقؓ کے لئے ہے خدا کا رسولؐ بس
ہے یہی میری نماز ہے یہی مرا وضو   میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
کبھی حیرت کبھی مستی کبھی آہِ سحر گاہی   بدلتا ہے ہزاروں رنگ میرا دردِ مہجوری
اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی   نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

مسلمانوں نے جب سے اتباعِ رسول ﷺ کو چھوڑا تو رمزِ بقا اُن کے ہاتھ سے نکل گئی

علامہ اقبالؒ نے جو کلام لکھا ہے وہ قرآن اور سُنّت رسول ﷺ کی تعلیمات کو نہایت دلکش انداز میں لوگوں کے دلوں کو اپنی طرف جذب کر لیتا ہے۔ آپ کے کلام کا ایک اچھا خاصہ حصہ راقم الحروف نے اپنی کتابوں میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے تا کہ مسلمانوں کے دلوں میں علامہ اقبالؒ کا پیش کردہ اسلامی جذبہ شد و مد سے موجزن ہو جائے اور وہ قوم جو اس وقت مادی دنیا کی محبت میں گرفتار ہو چکی ہے، شاید علامہ اقبالؒ کے ساحرانہ انداز گفتگو سے دین اسلام کی طرف مائل ہو سکے۔ اس سلسلے میں علامہ کا زیادہ کلام تو پیش نہیں کیا جا سکے گا البتہ اس بات کی تلقین کی جا سکتی ہے کہ ہماری مختلف کتابوں (بالخصوص رابطہ شیخ، سرمایۂ ملت، حسنِ نماز، اسلام اور رُوحانیت، عقل و عشق اور فلسفہ خودی وغیرہ) کا اگر مطالعہ کیا جائے تو قارئین کو علامہؒ کے کلام سے اچھا خاصہ استفادہ ہو سکتا ہے۔ یہاں پر علامہ کے چند اشعار پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

دینِ فطرت از نبیؐ آموختیم　　　در رہِ حق مشعلے افروختیم
(دینِ فطرت ہم نے نبی ﷺ سے سیکھا، ہم نے حق کے راستے میں مشعل روشن کی ہے)(ا۔ر:۱۰۲)
پس خدا برما شریعت ختم کرد　　　بر رسولِؐ ما رسالت ختم کرد
(اللہ تعالیٰ نے ہم پر شریعت ختم کر دی، ہمارے رسول ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے رسالت ختم کر دی)(ا۔ر:۱۰۲)
خدمتِ ساقی گری با ما گزاشت　　　داد ما را آخریں جامے کہ داشت
(ساقی گری کی خدمت اللہ نے ہم پر چھوڑ دی ہے اور اس کے پاس جو آخری جام تھا، وہ ہمیں دے دیا)(ا۔ر:۱۰۲)
لانبیؐ بعدیْ ز احسانِ خداست　　　پردۂ ناموسِ دینِ مصطفیؐ است
(آپ ﷺ کا فرمان کہ آپ ﷺ کے بعد کوئی نبی نہیں یہ ہم پر احسان ہے یہ دین مصطفیٰ ﷺ کی عزت کا پردہ ہے)(ا۔ر:۱۰۳)
قوم را سرمایۂ قوت ازو　　　حفظِ سرِ وحدتِ ملّت ازو
(قوم کی طاقت کا سرمایہ اسی سے ہے، ملتِ اسلامیہ کی وحدت کی حفاظت کا راز اسی سے ہے)(ا۔ر:۱۰۲)
حق تعالیٰ نقش ہر دعویٰ شکست　　　تا ابد اسلام را شیرازہ بست
(نبوت کے ہر دعوے کے نقش کو اللہ تعالیٰ نے مٹا دیا اور اس طرح تا قیامت اسلام کی شیرازہ بندی کر دی)(ا۔ر:۱۰۲)

علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں مسلمانوں کی پسماندگی، بے عملی اور کم ہمتی کا جا بجا ذکر کیا ہے اور قومی پریشانیوں اور واماندگیوں سے نکلنے کی راہیں تجویز کی ہیں۔ اسلامی تعلیمات کا فلسفہ بھی آپ کے کلام سے بارہا

جھلکتا ہوا نظر آتا ہے اور حقیقت یہ ہے کہ علامہ اقبالؒ کی یہ تمام کوششیں رائیگاں نہیں گئیں اور مسلمانوں کی بدلتی ہوئی کیفیت نے غلامی کی زنجیروں کو بالآخر توڑ دیا۔ آپ نے قوم پر یہ راز افشاء کیا کہ ان کا علاج کتاب و سنت پر عمل کرنے اور رسول کریم ﷺ کی ذات سے محبت کرنے میں پنہاں ہے۔

آں چناں قطع اخوّت کردہ اند   بر وطن تعمیرِ ملت کردہ اند

(انہوں نے اخوت کے رشتے کو اس طرح توڑا ہے کہ وطن پر قوم کی تعمیر کی ہے) (ا۔ر:۱۱۵)

مقامِ خویش اگر خواہی دریں دیر   بحق دل بند و راہ مصطفیؐ رو

(اگر تو اس دنیا میں اپنا کوئی مقام چاہتا ہے تو اپنا دل اللہ تعالیٰ کے ساتھ لگا اور مصطفیٰ ﷺ کا راستہ چل) (ا۔ر:۶۵)

تا شعارِ مصطفیؐ از دست رفت   قوم را رمزِ بقا از دست رفت

(جب قوم کے ہاتھوں سے حضور ﷺ کا طریقہ (سنت) چلا گیا تو گویا قوم نے اپنی بقا کا راز کھو دیا) (ا۔ر:۱۲۸)

علامہ اقبالؒ نے اقوام مغرب کی تقلید سے باز رہنے کا سبق دیا اور اپنے آپ کو قوت مذہب سے مستحکم کرنے اور ملت میں ربط و ضبط اور جمعیت پیدا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

اپنی ملت پر قیاس اقوامِ مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قومِ رسول ہاشمیؐ
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوتِ مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی

جاوید نامہ میں "زندہ رود ارداح بزرگ کے سامنے اپنی مشکلات پیش کرتا ہے" کے عنوان سے "ابلیس حاضر ہوتا" والا حصہ انسان اور شیطان کے معاملات پر بہت دلچسپ انداز سے روشنی ڈالتا ہے۔ شائقین حضرات اس کا بھی مطالعہ کریں۔ اس نظم کا ایک شعر پیش کیا جا رہا ہے۔

من بلٰی در پردۂ "لَا" گفتہ ام   گفتۂ من خوشتر از نا گفتہ ام

(میں نے "نہیں" کے پردے میں "ہاں" کہا ہے میرا کہنا نہ کہنے سے بہتر ہے) (ج۔ن:۱۳۶)

یعنی میرا احکام الٰہی سے انکار اس آدم علیہ السلام کے اقرار (بلٰی) سے بہتر ہے کیونکہ اس اقرار کے بعد وہ خدا کی نافرمانی کرتا ہے۔

مسلمانوں کے ضُعفِ مدافعت سے ابلیس بھی نالہ کناں ہے

جب سے مسلمان کتاب وسُنّت کی اطاعت سے غافل ہوا ہے تو دنیا کی حکمرانی سے اسے ہاتھ دھونا پڑا اور ساتھ ہی اس کی اخلاقی قدروں میں گراوٹ رونما ہونے لگی۔ رات دن مال و دولت کے جمع کرنے کی لگن اس کے سینے میں اس طرح ظاہر ہوئی کہ اب نہ وہ دین کو ہی سلامت رکھ سکا ہے اور نہ ہی دنیا میں اسے کوئی مقام حاصل ہے۔ ایسی حالت میں فرشتۂ موت اللہ تعالیٰ سے شکوہ کرتا ہے کہ جب وہ انسان کی روح قبض کرتا ہے تو اسے بھی شرم آتی ہے مگر یہ مسلمان اس قدر ڈھیٹ ثابت ہوا ہے کہ بچپن سے جوانی تک اور پھر بڑھاپے میں بھی اپنی اصلاح کرنے کی قطعاً فکر نہیں کرتا۔ علامہ اقبالؒ ارمغان حجاز میں اس بات کو یوں بیان کرتے ہیں۔

شنیدم مرگ بایزداں چنیں گفت چہ بے نم چشمِ آں کز گِل بزاید

(میں نے سنا ہے کہ موت نے اللہ تعالیٰ سے کہا کہ یہ (انسان) جو مٹی سے پیدا ہوتا ہے اس کی آنکھ کیسی بے نم ہے) (ا۔ح:۱۲۳)

چو جانِ او بگیرم شرمسارم ولے او را زمردن عار ناید

(جب میں اس کی جان قبض کرتی ہوں تو مجھے شرم آتی ہے، مگر اسے مرنے سے شرم نہیں آتی) (ا۔ح:۱۲۳)

مسلمانوں کی اخلاقی اور ایمانی کمزوری نے ابلیس کو بھی پریشان کر دیا ہے۔ قرونِ اولیٰ کے مسلمانوں سے جب کوئی گناہ سرزد ہو جاتا تو وہ فوراً توبہ اور استغفار میں مصروف ہو جاتے اور توبہ کے بعد پھر وہی پہلے والا مقام حاصل کر لیتے۔ ابلیس اللہ تبارک وتعالیٰ سے شکایت کرتا تھا کہ استغفار نے تو اس کی کمر توڑ دی ہے کیونکہ جب بھی وہ مسلمانوں کو گناہوں کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً توبہ میں مصروف ہو جاتے ہیں اور ابلیس بار بار انہیں گناہوں کی طرف لے آتا ہے تو وہ فوراً توبہ میں مصروف ہو جاتے ہیں اور ابلیس بار بار انہیں گناہوں کی طرف راغب کرتا ہے۔ اس زمانے کے لوگ توبہ استغفار کی شان سے قطعاً ناواقف ہیں لہٰذا گناہوں پر گناہ کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ ان کے روحانی مدارج اس قدر تنزل کی صورت اختیار کر گئے ہیں کہ شیطان کا محکمہ بالکل بیکار رہتا ہے۔ آج کے اس انسان کی داستان کو کیا بیان کیا جائے۔ وہ تو خود ہی شیطانی کاموں کا ایسا دلدادہ بن چکا ہے کہ شیاطین کو مسلمانوں کو گمراہی کی طرف لانے کی نوبت ہی نہیں آتی۔

علامہ اقبالؒ نے جاوید نامہ میں "نالہ ابلیس" کے نام سے لکھی گئی ایک نظم میں اس بات کا انکشاف کیا ہے کہ ابلیس بارگاہ ایزدی میں نالہ کرتا ہوا آتا ہے اور کہتا ہے کہ اے الٰہی تیرے ابنِ آدم علیہ السلام کا شکار میں کیا کروں، میں ذرا ہاتھ ڈالتا ہوں تو وہ فوراً ہتھیار ڈال دیتا ہے۔ اس کو شکار کرنے میں مجھے قطعاً کوئی مزہ نہیں آتا۔ انسانوں کو بغیر مزاحمت اور بغیر مقابلہ کے فتح کرتے کرتے میں بیزار ہو گیا ہوں۔ کوئی ایسا مردِ خدا بھیج جو میرا مقابلہ کرے اور مجھے ٹھکرا دے تا کہ ایسے مقابلے میں مجھے کچھ مزہ تو آئے۔ یہ انسان تو میرے حکم کا مطیع بن

چکا ہے اور فوراً میرے پھندے میں پھنس جاتا ہے۔ اس میں مقابلہ کرنے کی تو بالکل سکت نہیں رہتی۔

علامہ اقبالؒ نے اس نظم میں لکھا ہے کہ شیطان انسان کی اس ارزانی شکست سے اب اس قدر تنگ آ چکا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے یوں عرض کرتا ہے کہ الٰہی یہ پانی اور مٹی کی گڑیا (یعنی انسان) کو مجھ سے واپس لے لے۔ میں اس بڑھاپے میں ان کے ساتھ بچوں کا کھیل نہیں کھیل سکتا۔ اس انسان کی حیثیت محض تنکوں کی سی ہے جس کے لئے میری ایک چنگاری کافی تھی تو پھر مجھے اس قدر زیادہ آگ کی چنگاریاں دینے کی کیا ضرورت تھی۔ اس قدر آسان نوعیت کی فتوحات سے میں تنگ آ چکا ہوں جو مجھے انسان سے حاصل ہو جاتی ہیں۔ اے اللہ مہربانی فرما کر میری ٹکر ایسے باخدا شخص سے کروایئے جو میرا انکار کرنے والا اور مجھ سے کچھ تو مقابلہ کر سکے۔ ابلیس نے کہا کہ اے خدایا مجھے ایسا بندہ چاہئے جو میری گردن مروڑ دے، جس کی نگاہ سے میرے بدن پر کپکپی طاری ہو جائے۔ ایسا مرد مقابل دے کہ مجھے اس سے مقابلہ کرنے میں کچھ تو مدافعت کا سامنا کرنا پڑے۔

ابلیس کے ان خیالات کا علامہ اقبالؒ نے حسب ذیل اشعار میں اظہار کیا ہے۔

اے خداوند صواب و ناصواب　　　من شدم از صحبت آدم خراب

(اے نیکی اور بدی کے مالک خدا، مجھے آدم جنم کی صحبت نے خراب کر دیا ہے) (ج۔ن:۱۳۷)

هیچ گہ از حکم من سر برنتافت　　　چشم از خود بست، خود راہ در نیافت

(یہ کسی وقت بھی میرے حکم سے منہ نہیں موڑتا۔ اس نے اپنے آپ سے آنکھیں بند کر لی ہیں وہ اپنی عظمت کو نہیں پا سکا) (ج۔ن۳۷)

خاکش از ذوقِ "ابا" بیگانۂ　　　از شرارِ کبریا بیگانۂ

(اس کی خاک انکار (تکبر) کے لطف سے ناآشنا ہے۔ یہ کبریائی (بڑائی) کے شعلے سے ناواقف ہے) (ج۔ن:۱۳۷)

صید خود صیاد را گوید بگیر　　　الاماں از بندۂ فرماں پذیر

(یہ ایسا شکار ہے جو خود شکاری کو کہتا ہے کہ مجھے پکڑ لے۔ ایسے فرمانبردار بندے سے خدا کی پناہ) (ج۔ن:۱۳۷)

از چنیں صیدے مرا آزاد کن　　　طاعت دیروزۂ من یاد کن

(ایسے شکار سے مجھے نجات دے دے، میری پرانی اطاعت کا اتنا تو لحاظ کر) (ج۔ن:۱۳۷)

فطرت او خام و عزم او ضعیف　　　تابِ یک ضربم نیارد ایں حریف

(اس کی فطرت خام ہے اور عزم کمزور ہے، یہ میرا حریف تو میری ایک بھی ضرب کی تاب نہیں لا سکتا) (ج۔ن:۱۳۷)

بندۂ صاحب نظر باید مرا　　　یک حریفِ پختہ تر باید مرا

(مجھے تو کوئی صاحب نظر بندہ چاہئے، مجھے تو ایک پختہ تر حریف کی ضرورت ہے) (ج۔ن:۱۳۷)

ابن آدم چیست؟ یک مشتِ خس است　　　مشتِ خس را یک شرار از من بس است

(ابن آدم کیا ہے؟ تنکوں کی ایک مٹھی ہے۔ اس مٹھی بھر خس کے لئے تو میری ایک چنگاری کافی ہے)(ج۔ن:۱۳۸)

اندریں عالم اگر جز خس نہ بود　　　ایں قدر آتش مرا دادن چہ سود

(اگر اس جہاں میں تنکوں کے سوا کچھ نہ تھا۔ تو مجھے اس قدر آگ دینے کا کیا فائدہ تھا)(ج۔ن:۱۳۸)

ابلیس حضرت عمر ؓ جیسی شخصیت کی تلاش میں ہے جن کو دیکھ کر شیطان پر لرزہ طاری ہو جاتا اور وہ جب آپ ؓ کو کہیں آتا دیکھتا تو راہ چھوڑ کر بھاگ جاتا تھا۔ وہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے مقابلے کے لئے کوئی شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ جیسا بندہ ہو جو شیطان کے پھیلائے ہوئے جال کو دیکھ کر فرما دیتے تھے اِدْفَعْ یَا لَعِیْنُ (یعنی اے لعنتی دور ہو جا) تو ابلیس اپنے مکر و فریب کو سمیٹ کر فرار ہو جاتا تھا۔ حدیث شریف میں ہے کہ جو شخص شیطان کے مکر سے بچنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دینے کو تیار ہو تو اس پر شیطان کبھی غلبہ حاصل نہیں کر سکتا۔ ایک مستند روایت (جو مفتی غلام سرور نے خزینۃ الاولیاء میں لکھی ہے) کے مطابق بہت بڑے بڑے جنوں نے اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ رات کو جب حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی ؒ روئے زمین کی طرف توجہ کرتے ہیں تو تمام دنیا کے جنات ان کی ہیبت سے تھر تھر کانپنے لگ جاتے ہیں کہ آپ ؒ کی نظر سے ان کو نقصان نہ ہو جائے۔ علامہ ؒ فرماتے ہیں کہ شیطان کہتا ہے کہ۔

بندۂ باید کہ پیچد گردنم　　　لرزہ اندازد نگاہش در تنم

(مجھے ایسا بندہ چاہئے جو میری گردن مروڑ دے جس کی نگاہ سے میرے بدن پر کپکپی طاری ہو جائے)(ج۔ن:۱۳۸)

آنکہ گوید از حضور من برو　　　آں کہ پیشِ اُو نیرزم با دو جو

(ایسا شخص چاہئے جو مجھے کہے کہ یہاں سے دفع ہو جا ایسا شخص چاہئے کہ جس کے سامنے میری حیثیت دو جو کے برابر بھی نہ ہو) (ج۔ن:۱۳۸)

اے خدا یک زندہ مردِ حق پرست　　　لذّتے شاید کہ یابم در شکست

(اے خدا مجھے ایسا زندہ مرد حق پرست عطا کر کہ شاید میں اس سے لذت شکست پا سکوں یعنی جس کو شکست دے کر مجھے کچھ لذت محسوس ہو)(ج۔ن:۱۳۸)

نامساعد حالات کا مقابلہ کرنے اور اتباع کتاب و سنت میں ہی مسلمانوں کی بقا ہے

مصائب اور مشکلات کے حل کا نسخہ جو قرآن نے تجویز کیا ہے اس میں صبر اور استقامت کی تلقین کی گئی ہے جیسا کہ سورۂ بقرہ میں فرمایا گیا ہے:

"یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِیْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوۃِ "(الآیۃ)

(اے ایمان والو صبر اور صلوۃ سے مدد لو) (البقرہ:۱۵۳)

یہاں صبر سے مراد ناموافق حالات میں سینہ سپر رہنا اور حصول مقصد کے لئے مکمل جدو جہد کرنا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے قرآن کی اس آیت کو ''اسرار و رموز'' میں ''اسرار اسمائے علی المرتضیٰ ﷺ'' کے عنوان سے ایک نظم میں بیان کیا ہے کہ ناموافق حالات میں ہمت ہار دینا اور مردانہ وار مقابلہ نہ کرنا میدان جنگ میں ہتھیار پھینکنے کے مترادف ہے۔ اگر انسان پختہ کاری اور سخت کوشی سے کام لے تو زمانہ اس کے مزاج کے مطابق ڈھل جاتا ہے۔ مسلمان اپنے حالات کو اپنے دست و بازو سے سازگار بنا سکتا ہے ورنہ اسے بزدلوں کی موت مرنا ہوگا۔ ہماری تصنیف ''حضور قلب'' میں بری عادات کو ترک کرنے اور اچھی عادات کے اختیار کرنے کو بھی ہجرت ہی ظاہر کیا گیا ہے۔ تفصیل کے لئے اس کتاب سے رجوع کریں۔

قرآن کے علاوہ حدیث شریف میں بھی محنت و مشقت سے کام لینے والے کو اللہ کا حبیب کہا گیا ہے۔ (الْكَاسِبُ حَبِيْبُ اللّٰهِ)[1] علامہ نے فرمایا ہے ۔

با جہانِ نامساعد ساختن   ہست ز میداں سپر انداختن

(ناموافق جہان کے ساتھ موافقت کرنا، میدان میں ہتھیار پھینکنے کے برابر ہے) (ا۔ر:۴۹)

مردِ خود دارے کہ باشد پختہ کار   با مزاجِ اُو بسازد روزگار

(جو آدمی خوددار اور پختہ کار ہوتا ہے زمانہ اس کے مزاج کے ساتھ موافقت کرتا ہے) (ا۔ر:۴۹)

گر نہ ساز و با مزاجِ اُو جہاں   می شود جنگ آزما با آسماں

(اگر زمانہ اس کے مزاج کے مطابق نہ رہے تو وہ زمانے سے جنگ شروع کر دیتا ہے) (ا۔ر:۴۹)

بر کند بنیاد موجودات را   می دہد ترکیبِ نو ذرّات را

(وہ اس دنیا کی بنیاد کو اکھاڑ پھینکتا ہے اور ذرات کو ایک نئی ترکیب دیتا ہے) (ا۔ر:۴۹)

گردشِ ایام را برہم زند   چراغ نیلی فام را برہم زند

(وہ زمانے کی گردش اور نیلے رنگ کے آسمان کو درہم برہم کر دیتا ہے) (ا۔ر:۴۹)

می کند از قوّتِ خود آشکار   روزگارِ نو کہ باشد سازگار

(وہ اپنی طاقت سے نیا زمانہ وجود میں لاتا ہے جو اس کے موافق ہوتا ہے) (ا۔ر:۴۹)

در جہاں نتواں اگر مردانہ زیست   ہمچو مرداں جاں سپردن زندگیست

(گر تو دنیا میں مردوں کی طرح زندگی بسر نہیں کر سکتا تو مردوں کی طرح جان دینا ہی زندگی ہے) (ا۔ر:۴۹)

---

[1] روح المعانی، علامہ سید محمود آلوسی، متوفی ۱۲۷۰ھ، جلد ۲۰، صفحہ ۱۰۹، دار احیاء التراث العربی، بیروت۔

علامہ اقبالؒ رموزِ بے خودی میں لکھتے ہیں کہ اگر خدا کی توحید پر یقین ہو اور پوری کوشش سے کام کیا جائے تو انسان کی قسمت کی تاریکی اجالے میں تبدیل ہو سکتی ہے۔ مچھلی کی مانند سمندر میں آزادی حاصل کرنا مسلمان کو مچھلی کے کردار سے سیکھنا چاہئے۔ ایسی ہی حالت میں جب مسلمان آزادیٔ افکار اور جانفشانی سے کام کرتا ہے تو سنتِ خیر الانام ﷺ اس کو کائنات کی تسخیر کی خوشخبری دیتی ہے۔

اسود از توحید احمر می شود   خویش فاروقؓ و ابوذرؓ می شود

(توحید کے ذریعے کالا گورا بن جاتا ہے، یعنی ہمسر ہو جاتا ہے، اور عمر فاروق ؓ اور حضرت ابوذر ؓ کا قرابت دار بن جاتا ہے) (ا۔ر:۹۴)

جوہرِ ما با مقامے بستہ نیست   بادۂ تندش بہ جامے بستہ نیست

(ہمارا جوہر کسی ایک مقام سے وابستہ نہیں، اس کی سخت شراب کسی ایک جام تک محدود نہیں) (ا۔ر:۱۱۲)

صورتِ ماہی بہ بحر آزاد شو   یعنی از قیدِ مقام آزاد شو

(مچھلی کی مانند سمندر میں آزاد رہ، یعنی کسی مقام کی قید سے آزاد ہو جا) (ا۔ر:۱۱۴)

ہر کہ تسخیر مہ و پرویں کند   خویش را زنجیریٔ آئیں کند

(ہر وہ شخص جو چاند اور ستاروں کے جھرمٹ کو مسخر کرتا ہے وہ اپنے آپ کو قانون کا پابند بنالیتا ہے) (ا۔ر:۱۱۴)

حضور ﷺ نے قومیت کا عقدہ حل فرمایا اور وطن سے ہجرت کی اور اس بات کو واضح کیا کہ ہجرت مسلمان کی زندگی کا دستور ہے۔ اس سے مسلمانوں کو ثبات اور استحکام حاصل ہوتا ہے۔ مسلمانوں کے اس قانونِ ہجرت سے واضح ہوتا ہے کہ انسان کو اگر دریا کا وسیع پانی ملتا ہو تو شبنم کو چھوڑ دینا قرینِ مصلحت ہے۔ پھول کو چھوڑ کر باغ یا گلشن کو حاصل کرنا ہجرت کے اصول سے سمجھ میں آجاتا ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ جن لوگوں نے وطن کو ملت کی بنیاد قرار دیا انہوں نے نوعِ انسانی کے لئے فساد کی راہیں کھول دیں۔ مسلمان کو کسی مقام سے دل بستہ نہیں ہونا چاہئے، کیونکہ مسلمان کا کوئی ایک وطن نہیں ہے بلکہ مسلمان کا یہ قانون ہے کہ "جہاں جا کے جھنڈے کو گاڑ و وطن ہے"۔

ہجرت آئینِ حیاتِ مسلم است   ایں ز اسبابِ ثباتِ مسلم است

(ہجرت مسلمان کی زندگی کا دستور ہے یہ مسلمانوں کے ثبات و استحکام کا ایک سبب ہے) (ا۔ر:۱۱۴)

معنیٔ او از تنک آبی رم است   ترکِ شبنم بہرِ تسخیرِ یم است

(اس کے معنی تھوڑے پانی سے گریز کرنا ہے اور دریا کو سر کرنے کی خاطر شبنم کو ترک کرنا ہے) (ا۔ر:۱۱۴)

بگزر از گل گلستاں مقصودِ تُست   ایں زیاں پیرایہ بندِ سودِ تست

(اے مسلمان پھول کو چھوڑ دے ترا مقصود تو باغ ہے یہ نقصان (پھول چھوڑنے کا) ترے فائدے کی خاطر ہے) (ا۔ر:۱۱۴)

بازو تیرا توحید کی قوت سے قوی ہے
اسلام تیرا دیس ہے تو مصطفوی ہے

صاحبِ شریعت سے اپنا تعلق منقطع نہ کرو

دین کی روحِ رواں حضور ﷺ سے محبت کے تعلقات کو استوار رکھنے میں پوشیدہ ہے، چنانچہ جس نے اپنے آپ کو ان کے دامن سے الگ کر لیا تو سمجھو کہ وہ دین اسلام سے دور چلا گیا اور کفر کے اندھیروں سے جا ملا۔ حضور ﷺ کی ذاتِ مبارکہ تو بہت بلند مرتبت ذات ہے، لیکن آپ ﷺ کے غلاموں کے متعلق صوفیائے کرام کا خیال ہے کہ جو مشائخ سے بدظن ہو گیا یا دور ہو گیا تو وہ ان کے سلسلۂ فیض اور رشد و ہدایت سے دور ہو گیا۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے ایک مرید کے متعلق مکتوبات شریف میں لکھتے ہیں کہ فلاں شخص اگر ہم سے الگ ہو گیا تو اس کو یہ معلوم نہیں کہ وہ ہم سے الگ ہو کر کس سے جا ملے گا۔

مولانائے رومؒ نے فرمایا ہے کہ جو شخص خدا سے ملنا چاہتا ہے تو اس کو کہہ دو کہ وہ اولیائے کرام کے حضور میں بیٹھا کرے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اپنی رفتار اور اپنی قوت پر اعتماد نہ کرو اور ہمہ وقت حضور ﷺ سے ملحق رہو تا کہ ان کا دریائے فیض تمہیں سیراب کرتا رہے۔ آپ ﷺ کی محبت کی راہ میں اگرچہ سختیاں بھی حائل ہو جائیں تو بھی آپ ﷺ سے تعلقات اور نسبت کو منقطع نہ کرو کیونکہ اگر ایسا کرو گے تو سمجھ لو کہ تمہاری طبعی موت واقع ہو گئی۔ اگر کسی نے اپنی نظروں کو حضور ﷺ سے ہٹا لیا تو سمجھو کہ وہ خود باقی نہ رہے گا۔

مگسل از ختم الرسل اَیام خویش
تکیہ کم کن بر فن و بر گام خویش

(اپنی زندگی کو ختم الرسل ﷺ سے منقطع نہ کر اپنے فن اور اپنی رفتار پر اعتماد نہ کر) (ا۔ر:۱۳۲)

شکوہ سنج سختیِ آئیں مشو
از حدودِ مصطفیٰؐ بیروں مرو

(قانون شریعت کی سختی کی شکایت نہ کر، جناب رسول پاک ﷺ کی حدود سے باہر نہ جا) (ا۔ر:۴۱)

دامنش از دست دادن مردن است
چوں گل از بادِ خزاں افسردن است

(حضور ﷺ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا موت ہے یہ ایسے ہے جیسے پھول بادِ خزاں سے مرجھا جائے) (ا۔ر:۱۰۱)

منوّر شو زنورِ مَن یرَانِیٓ
مژہ برہم مزن تو خود نمانی

(اپنے آپ کو ان (رسول پاک ﷺ) کے نور سے منور کر جنہوں نے مَنْ یّرَانِیٓ فرمایا تھا ان پر سے نظر نہ ہٹاؤ ورنہ تو خود بھی باقی نہیں رہے گا) (ز۔ع:۱۶۷)

تازہ کن با مصطفیٰ ﷺ پیمانِ خویش

(مصطفیٰ ﷺ تک خود کو پہنچا دینا ہی دین ہے)

اسرار و رموز میں علامہ اقبالؒ نے نہایت خوش کن انداز سے اس عنوان پر گفتگو کی ہے کہ خودی عشق و محبت سے مستحکم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ خودی اس نقطہ نور کا نام ہے جو ہمارے بدن میں زندگی کو گرمی دینے والا شرر ہے۔ یہ چنگاری اللہ کی محبت سے پائیدار ہوتی ہے اور اس سے ہی انسان کا جوہر نکھرتا ہے۔ عشق اس چنگاری کو حرارت پہنچاتا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بندے کو خدا سے عشق ہو جائے تو بندہ مولا صفات ہو جاتا ہے۔ عاشقی سیکھنے کے لئے اگر انسان کسی کامل کے آستانہ پر بوسہ زن ہو جائے تو انسان کی مٹھی بھر خاک کیمیا بن جاتی ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ تمہارے دل میں ایک محبوب چھپا ہوا ہے جس سے محبت کرنے والے اللہ تعالیٰ کے بھی محبوب بن جاتے ہیں:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"

(یعنی آپ ﷺ فرما دیں کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت رکھتے ہو تو میرے فرمانبردار بن جاؤ پھر اللہ تمہیں اپنا محبوب بنا لے گا۔) (آل عمران:۳۱)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کی محبت کے ذریعے انسان کا دل قوت حاصل کر لیتا ہے اور خاکی انسان کے رتبے کو بلندیوں تک لے جاتا ہے۔ فرماتے ہیں۔

در دل مسلم مقام مصطفیٰؐ است   آبروئے ما زنام مصطفیٰؐ است

(رسول اکرم ﷺ کا مسکن مسلمانوں کے دل میں ہے اور ہماری عزت و آبرو، نامِ مصطفیٰ ﷺ سے ہے) (ا۔م:۱۹)

طور موجے از غبارِ خانہ اش   کعبہ را بیت الحرم کاشانہ اش

(طور کا پہاڑ آپ ﷺ کے گھر کے غبار کی ایک موج ہے آپ ﷺ کا حجرہ، کعبہ کے لئے بیت الحرم ہے) (ا۔م:۱۹)

از کلیدِ دیں درِ دنیا کشاد   ہمچو اُو بطن اُمِ گیتی نزاد

(آپ نے دین کی کنجی سے دنیا کا دروازہ کھولا، زمانے کے بطن سے ان جیسا کوئی اور پیدا نہ ہوا) (ا۔م:۱۹)

رمزِ سوز آموز از پروانۂ   در شرر تعمیر کن کاشانۂ

(پروانے سے جلنے کی رمز سیکھ، اور اس کی طرح چنگاری میں کاشانہ تیار کر) (ا۔ر:۸۱)

طرح عشق انداز اندر جانِ خویش   تازہ کُن با مصطفیٰؐ پیمان خویش

(اپنی جان کے اندر عشق کی بنیاد رکھ، حضور ﷺ سے اپنا پیمان محبت از سرِ نو استوار کر) (ا۔ر:۸۱)

خاطرم از صحبتِ ترسا گرفت   تا نقاب روئے تو بالا گرفت

(جب سے تیرے حسین چہرے پر سے نقاب اٹھا ہے، میں اہل یورپ کی محبت سے دل گرفتہ ہو گیا ہوں) (ا۔ ر:۸۱)

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست   اگر باُو نہ رسیدی تمام بولہبی است

(اپنے آپ کو حضور ﷺ تک پہنچا دو کیونکہ وہ ہی تمام دین ہیں، اگر ان تک نہ پہنچے تو یہ کفر اور الحاد ہے) (ا۔ ح:۴۹)

ہر کہ رمزِ مصطفیٰ فہمیدہ است   شرک را در خوف مضمر دیدہ است

(جب کسی نے حضور اکرم ﷺ کے ارشادات کی حقیقت سمجھ لی، تو اس نے شرک کو خوف میں پوشیدہ دیکھ لیا) (ا۔ ر:۹۶)

جب تک محمد ﷺ کا رنگ و بو نہ ہو

تو آپ ﷺ پر درود بھی پڑھنا مناسب نہیں

علامہ اقبالؒ نے ''پس چہ باید کرد'' میں ''سیاسیاتِ حاضرہ'' کے نام سے جو کلام لکھا ہے اس میں آپ نے فرمایا ہے کہ مسلمان کے لئے آزادی بہت بڑی چیز ہے۔ مسلمان اُس وقت تک مسلمان نہیں جب تک وہ محکومی غیر سے آزاد نہ ہو۔ جس ملک کے مسلمان خود کافروں کے دست و بازو بنے ہوئے ہوں وہ حکومتِ غیر کی امداد کرنے میں بہت سے جواز گھڑ لیتے ہیں۔ کوئی یہ کہتا ہے کہ اسلام نے حکمرانوں کی اطاعت کا حکم دیا ہے (حالانکہ اُن حاکموں کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے جو تم میں سے ہوں یعنی اُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ کہا ہے) کچھ لوگ ملک کے مختلف مذاہب کو اکٹھا کرنے کے بہانے سے حکومت کی مدد کرتے ہیں حالانکہ قرآن کی رو سے کفار کے ساتھ دوستی اور اتحاد کا جواز اس وقت تک نہیں جب تک کہ وہ اسلام کے ساتھ تعاون نہ کریں اور اسلام کی شرائط کو قبول نہ کرلیں۔ ایسے لوگ غیروں کی غلامی کو بخوبی قبول کر لیتے ہیں جس طرح ایک پنجرے میں بند طوطا خود بخود پنجرے سے باہر نکل کر بھی پنجرے میں چلے آنے سے بالکل نہیں گھبراتا۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ ان سیاست دانوں سے پرہیز کریں جو لوگوں کو غلامی کا سبق دیتے ہیں۔

مذکور بالا غلط سیاست دانوں کی صحبت کے نقصانات بیان کرنے کے بعد علامہ لکھتے ہیں کہ ان کی لفاظی پر مبنی تقریروں سے لطف اندوز ہونا حماقت کی علامت ہے۔ علامہؒ فرماتے ہیں کہ افسوس ہے اس قوم پر جو اپنے آپ سے کٹ جائے اور دل غیر اللہ کو دے دے۔ ایسے غلام لوگوں کی ماؤں کے پیٹ سے بھی کسی ایسے مردِ حُر کی پیدائش نہیں ہوتی جو بے یقینوں کو یقین کی دولت سے مالا مال کر دے اور تلوار کے نیچے بھی لا الہ کہنے سے گریز نہ کرے۔

فرماتے ہیں کہ حرم میں کوئی بھی صاحبِ دل نظر نہیں آتا۔ ایسی قوم کب تک ذلت کی زندگی بسر کرے گی۔ آپ لکھتے ہیں کہ میں نے کسی کتے کو کسی کے آگے جھکا ہوا نہیں دیکھا۔ فرماتے ہیں کہ چونکہ میں

بھی غلام ہوں اس لئے آستانِ کعبہ سے دور جا پڑا ہوں۔ جب میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر درود پڑھتا ہوں تو غلامی کی شرم سے میرا وجود پانی پانی ہو جاتا ہے۔ عشق مجھ سے کہتا ہے کہ اے غیر کے محکوم، بتوں کی محبت کی وجہ سے تیرا سینہ بت خانہ بنا ہوا ہے۔ جب تک اپنے درود کو حضور ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کا رنگ نہیں چڑھاتا اس وقت تک درود شریف سے ان کے نام کو آلودہ نہ کر۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ آزادی کا ایک جلوہ خواہ ایک لحہ کے لئے ہی کیوں نہ ہو، صرف آزاد مردوں کو نصیب ہوتا ہے۔ آزاد مرد جب سجدے میں گرتا ہے تو یہ نیلا آسمان اس کے طواف میں سرگرم ہو جاتا ہے۔ غلام لوگ مرد آزاد کے جلال اور لازوال جمال سے ناآشنا ہیں۔ غلاموں کی زبان سے خواہ وہ حافظ قرآن ہی کیوں نہ ہو، ایمان کی لذت تلاش نہ کرو۔ فرمایا:

چوں بنامِ مصطفیؐ خوانم درود　　از خجالت آب میگردد وجود

(جب میں حضور اکرم ﷺ پر درود شریف بھیجتا ہوں تو میرا وجود شرم سے پانی پانی ہو جاتا ہے) (پ۔ب:۳۷)

عشق می گوید کہ اے محکومِ غیر　　سینۂ تو از بتاں مانند دیر

(عشق مجھ سے کہتا ہے کہ اے غیر کے محکوم، بتوں کی وجہ سے تیرا سینہ بت خانہ بنا ہوا ہے) (پ۔ب:۳۷)

تا نداری از محمدؐ رنگ و بو　　از درودِ خود میالا نامِ او

(جب تک آنحضور ﷺ کے (اخلاق عالیہ) کا رنگ و بو اختیار نہیں کرتا، اپنے درود شریف سے ان کے نام کو آلودہ نہ کر) (پ۔ب:۳۷)

جلوۂ حق گرچہ باشد یک نفس　　قسمتِ مردانِ آزاد است و بس

(اللہ کا جلوہ خواہ ایک لمحے کے لئے ہی کیوں نہ ہو، صرف مردان آزاد کو نصیب ہوتا ہے) (پ۔ب:۳۷)

مردے آزادے چوں آید در سجود　　در طوافش گرم رو چرخ کبود

(آزاد مرد جب سجدے میں گرتا ہے تو یہ نیلا آسمان اس کے طواف میں سرگرم ہو جاتا ہے) (پ۔ب:۳۷)

اگر دنیا میں کوئی مقام چاہتے ہو تو اللہ سے دل لگاؤ اور حضور ﷺ کی اتباع کرو

''اسرار و رموز خودی'' میں علامہ اقبالؒ نے اس بیان کی وضاحت فرمائی ہے کہ نظام کائنات کی بنیاد خودی سے مستحکم ہوتی ہے اور حیات کے مختلف پیکروں کا تعین اور ان کا ارتقاء خودی کے استحکام پر ہی منحصر ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس نظم میں فرمایا ہے کہ زندگی کا وجود خودی کے نشانات کے باعث چل رہا ہے اور جو کچھ نظر آ رہا ہے، خودی کے اسرار کا ہی اظہار ہو رہا ہے۔ یہ عالم اس وقت وجود میں آیا جب خودی نے اپنے آپ کو بیدار کیا۔ جب خودی اپنا اظہار کرے تو نئے جہان پیدا ہوتے ہیں۔ خودی نے ہی دنیا میں کشمکش کا بیج بویا ہے۔

خودی اپنی تخلیق کردہ اشیاء میں سے بعض اشیاء کو خود ہی تباہ کر دیتی ہے تا کہ خودی کی طاقت کا اس کو علم ہو۔

خودی کی یہی خود فریبیاں ہیں کہ وہ اپنے آپ سے اپنے غیر کو پیدا کر کے پھر اسے اپنا غیر سمجھ کر فنا کر دیتی ہے۔ پھولوں کا اپنے خون سے وضو کرنا ہی پھول کی زندگی ہے۔ خودی ایک خوبصورت پھول پیدا کرنے کے لئے سینکڑوں نالے بلند کرتی ہے پھر کہیں ایک دلفریب نغمہ اُبھرتا ہے۔ اس اسراف اور بے دردی کا جواز یہ ہے کہ لذتِ تخلیق تکمیل جمالِ معنوی کے ذریعے ذوق حسن کی تسکین کرے۔ خودی کے قلم نے سینکڑوں امروز (آج) بنائے پھر کہیں جا کر ایک خوبصورت فردا (یعنی کل) پیدا ہوا۔ خودی کے شعلوں نے سینکڑوں ابراہیم جلائے تا کہ ایک محمد ﷺ کا چراغ روشن ہو، چنانچہ خودی اٹھتی ہے، اٹھاتی ہے، اڑاتی ہے، بھاگتی ہے، جلتی ہے، روشن کرتی ہے، مارتی ہے، مرتی ہے، زندہ ہوتی ہے۔

یہ تمام کام خودی سے منسوب ہوتے ہیں اور خودی نے دنیا میں ایسا رائج کیا جس میں حسن، خوبی اور ارتقاء کی نمود و نمائش نظر آتی ہے۔ ایسے حالات میں تمام رسولوں سے بہترین رسول ﷺ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے ارادے سے پیدا فرمایا وہ حضور ﷺ کی ذات ہے جن کا طریقہ ان کی ذات کی طرح سب سے اعلیٰ و ارفع اور کامل و مکمل ہے۔ لہٰذا ارمغان حجاز میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اگر اپنا مقام اس دنیا میں چاہتے ہو تو آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے سے حاصل کر سکتے ہیں۔ اس طریقے پر چلنا مقصود ہو تو اللہ سے اپنے دل کو لگاؤ اور حضور ﷺ کی اتباع میں سرگرداں ہو جاؤ۔

شعلہ ھائے او صد ابراہیمؑ سوخت   تا چراغ یک محمدؐ برفروخت

(خودی کے شعلوں نے سینکڑوں ابراہیم علیہم جلا دیئے تا کہ ایک محمد ﷺ کا چراغ روشن ہو) (ا۔ر:۱۳)

بہ منزل کوش مانند مہ نو   دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو

(نئے چاند کی مانند منزل کی طرف پہنچنے کی کوشش کرو اس نیلی فضا میں ہر دم بڑھتا جا) (ا۔ح:۶۵)

مقام خویش اگر خواہی دریں دیر   بحقِ دل بند و راہ مصطفیؐ رو

(اگر اس دنیا کے بت خانے میں اپنا مقام چاہتے ہو تو اللہ تعالیٰ سے دل لگاؤ اور حضور ﷺ کی اتباع کرو) (ا۔ح:۶۵)

مسلمان کا سب سے بڑا جہاد سنّتِ پیغمبری کی اتباع کرنا ہے

حضرت علی بن عثمان ہجویریؒ المعروف بہ داتا گنج بخشؒ نے کشف المحجوب میں لکھا ہے کہ جہنم میں خیمہ لگا کر بیٹھنا اس بات کے مقابلہ میں آسان ہے کہ ایک مسئلہ شرعی معلوم کر کے اس پر عمل کیا جائے۔ حضرت بایزید بُسطامیؒ نے فرمایا کہ میں نے ۳۰ سال تک مجاہدہ کیا مگر مجھ پر کوئی چیز سخت ترین محسوس نہ ہوئی سوائے علم اور اس کی اتباع کے۔ علامہ اقبالؒ بھی فرماتے ہیں کہ اپنے آپ کو مسلمان کہلوانا اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ

انسان "لا الہ الا اللہ" کے لوازمات کا اہتمام کرے۔ جب کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کے لئے اپنی قبولیت کا اظہار کرتا ہے تو اس کی زبان سے ایجاب وقبول کے الفاظ نکلتے ہی بیوی کی تمام ضروریات کا پورا کرنا اس کے فرائض منصبی میں شامل ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح کلمہ لا الہ پڑھتے ہی تمام اسلامی قوانین مسلمان پر نافذ ہو جاتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ۔

چو می گویم مسلمانم بلرزم   کہ دانم مشکلات لَآ الٰہ را

(جب میں کہتا ہوں کہ میں مسلمان ہوں تو لرز اٹھتا ہوں کیونکہ میں جانتا ہوں کہ "لا الہ" کی مشکلات کیا ہیں) (ا۔ح:۵۹)

حضرت علامہ اقبالؒ جاوید نامہ میں فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کی جنگ تو ملکوں کی غارت گری ہے اور بندۂ مومن کی جنگ سنت پیغمبری کو ادا کرنے میں ہے کیونکہ اس میں اس کو اپنے آپ سے جہاد کرنا ہوتا ہے۔

جنگ شاهان جهان غارت گری است   جنگ مومن سنّت پیغمبری است

(دنیا کے بادشاہ لوٹ مار کے لئے جنگیں لڑتے ہیں لیکن مومن کا جہاد آنحضور ﷺ کی سنت کی پیروی ہے) (ج۔ن:۱۸۵)

مولانائے رومؒ نے فرمایا ہے کہ اپنے نفس سے جہاد کرنا جہاد ہے۔ حضور ﷺ نے ایک جنگ سے واپسی پر فرمایا کہ اب ہم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹ آئے ہیں۔ اس سے آپ کی مراد یہ ہے کہ دنیا میں رہتے ہوئے اس کے تمام امور کو شریعت کے تقاضوں کے مطابق پورا کرنا ایک تلوار کی جنگ سے مشکل ہے اور اس کو ہی جہاد اکبر فرمایا ہے۔ "کنوز الحقائق" صفحہ ۹۰ پر یہ حدیث نقل کی گئی ہے:

"قَدِمْتُمْ خَيْرَ مَقْدَمٍ وَقَدِمْتُمْ مِنَ الْجِهَادِ الْاَصْغَرِ اِلَى الْجِهَادِ الْاَكْبَرِ مُجَاهَدَةُ الْعَبْدِ هَوَاهُ"

(تم جہاد اصغر سے جہاد اکبر کی طرف لوٹے ہو وہ جہاد اکبر کیا ہے یعنی انسان اپنی خواہشات کے ساتھ جہاد کرے)

حضور ﷺ کے ساتھ وابستگی میں ملت اسلامیہ کا قیام ہے

"اسرار و رموز" میں علامہ اقبالؒ "رسالت" کے عنوان سے کلام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کا پیکر تخلیق فرمایا اور رسالت سے ہمارے بدن میں جان پھونکی۔ اس جہان میں ہم بے آواز تھے۔ رسالت نے ہمیں موزوں مصرعہ بنایا۔ رسالت کے باعث مسلمانوں میں اتفاق، یگانگت اور باہم ربط قائم ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے رسالت کے واسطے سے مسلمانوں کو ہدایت عطا فرمائی۔ آپ ﷺ کی امت دیوار حرم کی پناہ میں ہے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیقؓ کی نظر سے دیکھا جائے تو نبی اکرم ﷺ مسلمانوں کے قلب وجگر کی قوت بن جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبوب بن جاتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کے تمام انعامات اور اکرامات آپ ﷺ کے ذریعے ہی امت مسلمہ تک پہنچتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل شدہ کتاب قلب مومن کے لئے قوت

ہے اور حضور ﷺ کے اقوال (سُنّت رسول) ملّت کے لئے شہ رگ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ حضور ﷺ کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دینا موت کے برابر ہے۔ ملّت اسلامیہ نے آپؐ کے ہی دم سے زندگی پائی ہے اور یہ ملت آپ ﷺ کی شعاع سے ہی چمک رہی ہے۔ قوم کے افراد کی وحدت جب حضور ﷺ کی پیروی سے پختہ ہو جائے تو ملّت بن جاتی ہے۔ دینِ فطرت حضور ﷺ کے بحرِ بے پایاں کا موتی ہے۔ آپ ﷺ کے دین نے پرانے ادیان کی سربلندی کا نقش مٹا دیا ہے۔

حق تعالیٰ پیکرِ ما آفرید وز رسالت در تنِ ما جاں دمید

(اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کا پیکر تخلیق فرمایا اور رسالت سے ہی ہمارے بدن میں جان پھونکی) (ا۔ر:۱۰۱)

از رسالت در جہاں تکوینِ ما از رسالت دینِ ما آئینِ ما

(دنیا میں ہماری تخلیق رسالت سے ہی ہوئی ہے اور ہمارا دین و آئین بھی رسالت سے ملا ہے) (ا۔ر:۱۰۱)

آں کہ شان اوست "یَھْدِیْ مَنْ یُّرِیْدُ" از رسالت حلقہ گردِ ما کشید

(جس ہستی کی شان یہ ہے کہ جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے تو اس نے بذریعہ رسالت ہمارے گرد ایک حلقہ کھینچ دیا ہے کہ جو اس دائرے میں آ گیا وہ ہدایت پا گیا) (ا۔ر:۱۰۱)

ما ز حکمِ نسبتِ اُو ملّتیم اہلِ عالم را پیامِ رحمتیم

(ہم اسی کے تعلق سے وابستہ ہو کر ایک قوم ہیں اور تمام دنیا والوں کے لئے پیامِ رحمت بن رہے ہیں) (ا۔ر:۱۰۱)

قلبِ مومن را کتابش قوت است حکمتش حَبْلُ الْوَرِیْد ملت است

(قلب مومن کے لئے اللہ تعالیٰ کی کتاب ایک قوت ہے اور آپ ﷺ کے اقوال قوم کی شہ رگ کی طرح ہیں) (ا۔ر:۱۰۱)

از رسالت ہم نوا گشتیم ما ہم نفس ہم مدعا گشتیم ما

(ہم سراسر رسالت سے ہی ہم نوا (ہم عقیدہ) ہوئے ہیں اور ہم اسی سے ہم نفس اور ہم مدعا ہوئے) (ا۔ر:۱۰۲)

دینِ فطرت از نبی آموختیم در رہِ حق مشعلے افروختیم

(ہم نے دینِ فطرت (اسلام) رسول کریم ﷺ سے سیکھا ہے اور (اس طرح) خدا کی راہ میں مشعل ایمان روشن کی ہے) (ا۔ر:۱۰۳)

از مقامِ او اگر دور ایستی از میانِ معشرِ ما نیستی

(اگر تو اس کے مقام سے ابھی دور ہے، تو تو ہمارے گروہ مسلمین میں سے نہیں ہے) (ا۔ر:۱۳۲)

در جہاں روشن تر از خورشید شو صاحبِ تابانیٔ جاوید شو

(دنیا میں سورج سے بھی زیادہ روشن ہو جاؤ، سینہ پیغمبر سے غیر فانی روشنی حاصل کرو) (ا۔ر:۱۳۲)

ایں گہر از بحرِ بے پایانِ اوست ما کہ یکجائیم از احسانِ اوست

(یہ موتی (اسلام) ہمیں اسی کے بحرِ بیکراں سے ملا ہے ہم جو متحد اور یکجا ہیں تو یہ بھی سراسر اسی کا احسان ہے) (ا۔ر:۱۳۲)

مگسل از ختمُ الرُّسُول ایاّمِ خویش   تکیہ کم کن برفن و برگامِ خویش

(خدا کے آخری رسول ﷺ سے اپنے تعلقات منقطع نہ کرو اور اپنے فنون اور رفتارِ عمل پر بھروسہ نہ کرو) (ا۔ر:۱۳۲)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان اب دین نبی ﷺ کے اسرار سے بیگانہ ہو گیا ہے اور ان کا بیت الحرم دوبارہ بت خانے کی صورت اختیار کر گیا ہے۔ علامہ اقبالؒ رسول اللہ ﷺ سے عرض کرتے ہیں کہ آپ ﷺ ہمارے لئے آخری سہارا ہیں لہٰذا آپ ﷺ ہی مسلمانوں کے لئے دنیا میں غربت اور موت کے خوف سے نجات کے لئے دعا فرمائیں۔

مسلم از سرِ نبیؐ بیگانہ شد   باز ایں بیتُ الحرم بت خانہ شد

(مسلمان دین نبی ﷺ کے اسرار سے غافل ہو گیا ہے اور اس طرح یہ کعبہ دوبارہ بت خانہ بن گیا ہے) (ا۔ر:۱۶۷)

اے تو ما بیچارگاں را ساز و برگ   وارھاں ایں قوم را از ترسِ مرگ

(یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ بیچارہ و بے کس لوگوں کا سہارا ہیں، مسلمان قوم کو خوفِ مرگ سے آزاد کریں) (ا۔ر:۱۶۷)

آخر میں علامہؒ مسلمانوں کو اس بات سے باخبر کرتے ہیں کہ اگر انہوں نے دین کو ہاتھ سے چھوڑ دیا تو ان کی جامعیت ختم ہو جائے گی اور اس کے نتیجے میں ملت بھی ختم ہو جائے گی، لہٰذا مسلمانوں کو چاہئے کہ ملت سے پیوستہ رہیں اور بہار کی امید رکھیں۔

دامنِ دیں ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں   اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی
ملت کے ساتھ رابطہ استوار رکھ   پیوستہ رہ شجر سے امیدِ بہار رکھ

رسول اللہ ﷺ کاروانِ شوق کی منزل ہیں

علامہ اقبالؒ نے ''پس چہ باید کرد'' کی ایک غزل میں فرمایا ہے کہ میں دیارِ مغرب کی رومانی شراب سے بھی سرمست ہو کر آیا ہوں اور میں نے پیرانِ حرم کو کلیساؤں میں مست ہوتے ہوئے دیکھا ہے مگر یہ کچھ دیکھنے کے بعد اب میں نے مسلمانوں کے لئے سے خانہ رومیؒ کے دروازے کھولنے کا ارادہ کیا ہے۔ ایسا کام تو کسی کلیم کے شایانِ شان ہوتا ہے یا پھر اس کے لئے ایسا شخص درکار ہے جو ان آفات سے آگاہ ہو اور طوفانوں سے ٹکر لے سکتا ہو۔

حضور ﷺ کی حدیث ہے کہ میرے دو پیراہن ہیں، ایک فقر اور دوسرا جہاد۔ دین اسلام میں خصوصیت کے ساتھ یہ خوبی موجود ہے کہ اس دین کے ہر عمل کے لئے احادیث نبویہ ﷺ کثرت سے موجود ہیں اور آپ ﷺ کی سُنت مبارکہ میں ہر مشکل مسئلہ کو حل کرنے کا عمل موجود ہے، چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ

اسلام میں زندگی گزارنے کا پورا لائحہ عمل موجود ہے۔ علامہ اقبالؒ ان حقیقتوں کا اظہار "پس چہ باید کرد" میں اور "ارمغان حجاز" میں درج ذیل اشعار میں کرتے ہیں۔

دین اور آئینِ او تفسیرِ کل   در جبینِ او خطِ تقدیرِ کل

(حضور ﷺ کا دین اور آئین ہر چیز کی تفسیر ہے آپ ﷺ کی جبین مبارک میں پوری تقدیر کی لکیر موجود ہے) (پ۔ج:۷۷)

عقل را او صاحب اسرار کرد   عشق را او تیغ جوهر دار کرد

(آپ ﷺ نے عقل کو صاحب اسرار کیا اور آپ ﷺ ہی نے عشق کو تیغ جوہر دار کیا) (پ۔ج:۷۷)

کاروانِ شوق را اُو منزل است   ما همه یک مشتِ خاکیم اُو دل است

(آپ ﷺ ہی کاروان شوق کی منزل ہیں۔ ہم سب ایک مشت خاک ہیں اور آپ ﷺ دل ہیں) (پ۔ج:۷۷)

در آں دریا کہ اُو را ساحلے نیست   دلیلِ عاشقاں غیر از دلے نیست

(عشق کا دریا وہ ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں، وہاں دل کے سوا عاشقوں کا اور کوئی راہنما نہیں) (ا۔ح:۴۶)

تو فرمودی رہ بطحا گرفتیم   وگرنہ جز تو ما را منزل نیست

(آپ ﷺ نے فرمایا تو ہم نے مکہ مکرمہ کی راہ پکڑی ورنہ آپ ﷺ کے سوا تو ہماری کوئی اور منزل ہی نہیں) (ا۔ح:۴۶)

مذکورہ بالا اشعار میں علامہؒ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ہی عقل کو صاحب اسرار بنایا ہے اور آپ ﷺ نے ہی عشق کو تیغ جوہر دار بنایا۔ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ ہی کاروان شوق کی منزل ہیں۔ ہم سب مٹھی بھر خاک کی حیثیت رکھتے ہیں اور آپ ﷺ قلب کی مانند ہیں اور انسانیت کی معراج ہیں، گویا کہ آپ ﷺ ہمارے لئے سب کچھ ہیں۔

عقل و ہوش تو دل کے لئے معیبت ہیں   دل کا کام تو مستی اور وارفتگی ہے

آمد از پیراهن او بوئے او   داد ما را نعرهٔ اللہ هُو

(آپ ﷺ کی پیراہن سے آپ ﷺ کی خوشبو آتی ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیں نعرۂ اللہ ہو عطا کیا) (پ۔چ:۷۷)

آشکارا دیدنش اَسرائے ماست   در ضمیرش مسجد اقصائے ماست

(آپ ﷺ کی زیارت ہمارے لئے معراج ہے۔ آپ ﷺ کے ضمیر میں ہی ہماری مسجد اقصیٰ ہے) (پ۔چ:۷۷)

نبی آخر زماں ﷺ کی دیدار کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کا حکم خود پر جاری کیا جائے

جاوید نامہ میں ایک نظم میں منصور حلاجؒ، زندہ رود اور غالب کے ساتھ سوال و جواب کی شکل میں ایک گفتگو لکھی گئی ہے۔ اس گفتگو میں زندہ رود نے حلاجؒ سے دریافت کیا ہے کہ میں نہیں سمجھتا کہ عشق کا کیا کام

ہے؟ اگر یہ عشق ذوق دیدار ہے تو دیدار کیا ہے؟ حلاجؒ نے کہا کہ نبی آخر زماں ﷺ کے دیدار کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ کے حکم (سنت) کو اپنے اوپر جاری کیا جائے اور سنت کے مطابق ہی زندگی بسر کی جائے تاکہ اس طرح کرنے سے تو بھی حضور ﷺ کی طرح انس وجن کا محبوب بن جائے۔ اس اتباع کے بعد جب تو خود کو دیکھے گا (یعنی اپنا عرفان پالے گا) تو تم یہ سمجھو کہ گویا تم نے حضور ﷺ کو دیکھ لیا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کے دیدار کے یہ معنی ہیں کہ اس کی اتباع کے بعد جب بندہ خود کو دیکھتا ہے تو پھر ان احکام کو رسول اللہ ﷺ کی طرح پورے جہان میں نافذ کرے۔

معنیٔ دیدارِ آں آخر زماں
حکمِ اُو بر خویشتن کردن رواں

(نبی آخر الزماں ﷺ کے دیدار کے معنی یہ ہیں کہ اپنے اوپر آپ ﷺ کا حکم جاری کیا جائے) (ج۔ن: ۱۳۰)

در جہاں زی چوں رسولِ انس و جاں
تا چو او باشی قبولِ انس و جاں

(دنیا میں جناب رسول پاک ﷺ کی سُنت کے مطابق زندگی بسر کرتا کہ تو بھی ان کی مانند انس وجن کا محبوب بن جائے) (ج۔ن: ۱۳۰)

باز خود را بیں ہمیں دیدار اوست
سُنّتِ اُو سِرّے از اسرار اوست

(پھر اپنے آپ کو دیکھ، یہی آپ ﷺ کا دیدار ہے۔ آپ ﷺ کی سنت ہی آپ ﷺ کے اسرار کا ایک سِر ہے) (ج۔ن: ۱۳۰)

قرآن وحدیث میں گم ہو کر ذرا اپنے اندر نظر ڈال کر دیکھ

"پس چہ باید کرد" کی نظم "خطاب بہ اقوامِ سرحد" میں علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اے مسلمان تیرے اندر قوت نے تمام نادر خزانوں کو جمع کر رکھا ہے۔ لہٰذا تمہیں چاہئے کہ اس کے اندر جھانک کے دیکھو کہ تم کو کن قیمتی چیزوں سے نوازا ہے۔ جو ایسا نہ کرے تو وہ حجاب میں ہے اور اپنے آپ سے اس طرح کا حجاب اسلام میں حرام ہے۔ دین مصطفوی ﷺ کی حقیقت بھی یہی ہے کہ مسلمان اپنے آپ کو برملا دیکھے اور اپنے اسرار کو دریافت کرے کیونکہ اپنے دیدار کے بغیر زندگی موت کے مترادف ہے۔ ایسا مسلمان ہی ضمیرِ کائنات سے آگاہ ہونے کے سبب تمام کائنات سے افضل ہے۔ مکان ولامکان مردِ مسلمان کا ہی غوغا ہے اور وہ "لَا مَوْجُوْدَ اِلَّا اللّٰہ" کی تیغ بنتا ہے اور چونکہ وہ پیغمبری کا وارث ہے اس لئے اپنا جہان خود ہی پیدا کرتا ہے۔

مسلمان کی بعض صلاحیتوں کا بیان کرنے کے بعد علامہؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے چونکہ انسان کی فطرت کو تمام جہات سے بالاتر بنایا ہے اس لئے ساری کائنات اس کا طواف کرتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی صلاحیتیں ملت اسلامیہ کے اصولوں کے ذریعے بڑھتی رہتی ہیں اور اس سے آنکھ کی روشنی میں بصیرت پیدا ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اے مسلمان ذرا قرآن اور حدیث کے اندر گم ہو جا اور پھر دیکھ کہ تو کس حد تک قرآن وحدیث کے معیار پر پورا اترتا ہے۔ کچھ نصیحتوں کو بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ تو اللہ تعالیٰ سے رزق

مانگ، ارے غیرے سے نہ مانگ۔ مستی عشق اللہ تعالیٰ سے مانگ اور شراب سے مستی نہ مانگ۔ علامہ اقبالؒ مسلمانوں کو مادیت کا طلب گار ہونے سے منع فرماتے ہیں کیونکہ اس کا طلبگار ہمیشہ ذلیل وخوار رہتا ہے لہٰذا آپ ہمیں یہی سبق دیتے ہیں کہ اپنی آرزوؤں سے اپنی صلاحیتوں کو تیز کرو۔ یہ آرزو ہی کا کمال ہے کہ جو سلطان ومیر کا سرمایہ بن جاتی ہے اور ہماری خاک کو گردوں کی وسعت عطا کر دیتی ہے۔ فرماتے ہیں۔

اندکے گم شو بقرآن و خبر   باز اے ناداں بخویش اندر نگر

(ذرا قرآن وسنت کے اندر گم ہو جا، پھر اے نادان اپنی طرف نگاہ ڈال کہ تو کس حد تک اس معیار پر پورا اترتا ہے)

علامہؒ فرماتے ہیں کہ خود کو حضور ﷺ کی سنت سے منسلک رکھو تا کہ اس سمندر میں غوطہ لگانے کے بعد تمہاری گئی ہوئی جان دوبارہ بدن میں واپس آجائے۔ حضور ﷺ کی ذات بابرکات تو ایک بحرِ بیکراں کی طرح ہیں جس میں غوطہ زن ہونے سے گوہر نایاب دستیاب ہوتے ہیں۔

مصطفیؐ بحر است و موج او بلند   خیز و ایں دریا بجوئے خویش بند

(حضور اکرم ﷺ وہ بحر ہیں جس کی موجیں بلند ہیں، اٹھ اور اس بحر (کے فیضان) کو اپنی ندی میں سمیٹ لے) (پ۔ چ:٦٩)

مدتے بر ساحلش پیچیدۂ   لطمہ ہائے موج او نادیدۂ

(تو ایک مدت تک اس سمندر کے ساحل سے وابستہ رہا مگر تو نے اس کی موجوں کے تھپیڑے نہیں کھائے) (پ۔ چ:٦٩)

یک زماں خود را بدریا در فگن   تا رواں رفتہ باز آید بہ تن

(کچھ مدت کیلئے اپنے آپ کو اس سمندر میں ڈال دے تا کہ تیری گئی ہوئی جان دوبارہ تیرے بدن میں واپس آجائے) (پ۔ چ:٦٩)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص کتاب وسنت میں غوطہ لگانے کے بعد ایک نئی جان حاصل کر لیتا ہے تو نبی کریم ﷺ کی شریعت سے حصہ پالینے کے سبب آپ ﷺ کی ذات مبارکہ اور جبرئیل امین کا بھی قرب حاصل کر لیتا ہے۔ فرماتے ہیں غفلت کے حجرے سے نکل اور اسلام کے ان زریں اصولوں پر عمل کر کے تمام زمانے میں رسول اللہ ﷺ کی شرع کے نکات کو پھیلا دے کیونکہ اسلام پوری کائنات کو ہدایت دینے کے لئے آیا ہے۔

ہر کہ از سرِ گیرد نصیب   ہم بہ جبریل امیں گردد قریب

(جو شخص نبی کریم ﷺ کے راز (شریعت) سے حصہ پاتا ہے وہ جبریل امین (جو حکمت کی علامت ہیں) کے بھی قریب ہو جاتا ہے) (پ۔ چ:٦٩)

اے کہ می نازی بہ قرآنِ عظیم   تا کجا در حجرہ می باشی مقیم

(اے مسلمان! تو جو قرآنِ پاک پر فخر کرتا ہے کب تک حجرہ نشین رہے گا) (پ۔ چ:٣٢)

در جہان اسرارِ دیں را فاش کن نکتۂ شرع مبیں را فاش کن

(باہر نکل) دین کا راز فاش کر اور شرع مبین کا نکتہ فاش کر) (پ۔ چ:۳۲)

ابلیسی طاقتیں شرعِ پیغمبر سے خائف ہیں

ارمغان حجاز میں علامہ اقبالؒ نے ''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' کے نام سے اس روئیداد کو بیان کیا ہے کہ دنیا کی ابلیسی طاقتیں اسلام دشمنی پر نہایت تندہی سے کارروائیاں جاری رکھے ہوئے ہیں۔ ایسی طاقتیں اپنی تمام تر توجہ اس بات پر مرکوز کئے ہوئے ہیں کہ مسلمانوں میں اگر دین سے دوری کو بدستور قائم رکھا جائے اور دین اسلام سے محبت، اخوت اسلامی، یکجہتی اور ترقی کی تمام راہیں مسدود کر دی جائیں تو مسلمان دنیا میں سر اٹھانے کے قابل نہیں رہے گا۔

اسلام دشمن طاقتیں اس بات سے خائف ہیں کہ اگر مسلمان متحد اور ترقی پذیر ہو جائیں تو ان کا ایسا عمل غیر اسلامی ملکوں کی تباہی کا باعث بن سکتا ہے۔ افسوس اس بات پر ہے کہ مسلمان ان باتوں کو جانتے ہوئے بھی غفلت اور بے عملی کا شکار ہیں۔ آج دنیا کے تمام ممالک، اسلامی ایٹم بم سے خائف ہیں (جو پاکستان نے بنا لیا ہے) اور ایسے ایٹم بم بنانے کی راہ میں طرح طرح کی رکاوٹیں حائل کرتے رہے کیونکہ ایسا ایٹم بم باقی دنیا میں مسلمانوں کی سربلندی کا باعث بن سکتا ہے۔ کچھ ایسی ہی وجوہات کی بنا پر مخالفین اسلام چاہتے ہیں کہ مسلمانوں کا غلط کاموں میں الجھے رہنا اور دین سے دور کرنے والے اشغال میں وقت کا ضیاع کرتے رہنا مسلمانوں کو اس قدر کمزور بنا دے گا کہ وہ دنیا میں ایسا مقام حاصل نہیں کر سکیں گے جس کا ان کو ہر وقت کھٹکا لگا رہتا ہے۔ اس سلسلے میں ابلیس خود بھی یہی چاہتا ہے کہ مسلمان غلط کاموں میں الجھے رہیں تاکہ کل قیامت کے دن وہ اللہ تعالیٰ سے یہ کہہ سکے کہ آدم علیہ السلام کو خدا کا نائب بنانے کا عمل (نعوذ باللہ) غلط تھا اور یہی وجہ تھی کہ اس نے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہیں کیا۔

''ابلیس کی مجلس شوریٰ'' میں علامہ اقبالؒ نے ابلیس کی مشاورتی کونسل میں ہونے والے سوالات اور جوابات پر مکمل رپورٹ پیش کی ہے اور اس گفتگو پر چند اشعار کے مجموعے کو بطور نمونہ نیچے پیش کیا جا رہا ہے مسلمانوں کو تباہ کرنے کے مشوروں میں جو بات سرفہرست رکھی گئی ہے وہ اس بات کا خوف ہے کہ مسلمانوں میں ان کے دین کو زندہ رکھنے والی چیز یعنی شرعِ پیغمبر کہیں دوبارہ زندہ نہ ہو جائے۔ اشعار ملاحظہ فرمائیں۔

عصر حاضر کے تقاضاؤں سے ہے لیکن یہ خوف
ہو نہ جائے آشکارا شرعِ پیغمبرؐ کہیں

الحذر آئینِ پیغمبرؐ سے سو بار الحذر
حافظِ ناموسِ زن، مرد آزما، مرد آفریں
وہ فاقہ کش جو موت سے ڈرتا نہیں ذرا
روحِ محمدؐ اس کے بدن سے نکال دو
فکرِ عرب کو دے کے فرنگی تخیلات
اسلام کو حجاز و یمن سے نکال دو
افغانیوں کی غیرتِ دیں کا ہے یہ علاج
مُلا کو ان کے کوہ و دمن سے نکال دو
اہلِ حرم سے ان کی روایات چھین لو
آہو کو مرغزارِ ختن سے نکال لو

ابلیس کی مجلس شوریٰ میں اسلامی قوانین اور خوبصورت اصولوں کا بھی ذکر کیا گیا ہے اور ساتھ ہی یہ کہا گیا ہے کہ مسلمانوں کو قرآن کے آئین سے بے خبر رکھو اور ان کو غلط بحثوں اور روایتوں اور تاویلوں میں الجھائے رکھو۔

ہے اگر مجھ کو خطر کوئی تو اس امت سے ہے
جس کی خاکستر میں ہے اب تک شرارِ آرزو
چشمِ عالم سے رہے پوشیدہ یہ آئین تو خوب
یہ غنیمت ہے کہ خود مومن ہے محرومِ یقیں
ہے یہی بہتر الہیات میں الجھا رہے
یہ کتاب اللہ کی تاویلات میں الجھا رہے
خیر اسی میں ہے قیامت تک رہے مومن غلام
چھوڑ کر اوروں کی خاطر یہ جہانِ بے ثبات
ہے وہی شعر و تصوف اس کے حق میں خوب تر
جو چھپا دے اس کی آنکھوں سے تماشائے حیات
ہر نفس ڈرتا ہوں اس امت کی بیداری سے میں
ہے حقیقت جس کے دیں کی احتسابِ کائنات

مسلمانوں کے زوال کا سبب سنت سے روگردانی ہے

بس چہ باید کرد میں حکمتِ کلیمی کے عنوان سے علامہ اقبالؒ لکھتے ہیں کہ نبوت جب اللہ کے حکم کو جاری کرتی ہے تو بادشاہوں کے احکام کو ٹھکرا دیتی ہے۔ ان کے سامنے بادشاہوں کے محلات کوئی حیثیت نہیں رکھتے اور انبیائے کرام غیر اللہ کے احکام کو برداشت نہیں کرتے۔ نبی ﷺ کی صحبت، خام اشخاص کو پختہ کر دیتی ہے اور وہ غیر اللہ سے لوگوں کو محفوظ کرتے ہیں۔ نبی ﷺ کی زندگی قرآن پاک کا عملی نمونہ ہے اور آپ ﷺ فطرۃ اللہ (دین اسلام) کے نگہبان ہیں۔ آپ ﷺ کی نگاہ خزاں کو بہار میں تبدیل کر دیتی ہے اور آپ ﷺ کی محبت سنگ ریزہ کو موتی بنا دیتی ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ اگر مسلمان احکام الٰہی (کتاب وسنت) کا پابند ہو جائے تو دنیا کی ہر شے اس کی غلام ہو سکتی ہے۔

تا نبوت حکمِ حق جاری کند   پشت پا بر حکمِ سلطان می زند
(جب نبوت اللہ تعالیٰ کا حکم جاری کرتی ہے تو بادشاہ کے حکم کو ٹھکرا دیتی ہے) (پ۔چ:۱۲)

در نگاهش قصرِ سلطاں کہنہ دیر   غیرت او بر نتابد حکمِ غیر
(اس کی نگاہ میں بادشاہ کا محل ایک پرانا بتکدہ ہے اس کی غیرت غیر اللہ کا حکم برداشت نہیں کرتی) (پ۔چ:۱۲)

پختہ سازد صحبتش ہر خام را   تازہ غوغائے دہد ایام را
(نبی ﷺ کی محبت ہر خام (شخصیت) کو پختہ کر دیتی ہے، وہ زمانے کو نئے ہنگامے عطا کرتی ہے) (پ۔چ:۱۲)

بندۂ درماندہ را گوید کہ خیز   ہر کہن معبود را کن ریز ریز
(وہ گرے ہوئے غلام سے کہتا ہے "اٹھ اور ہر پرانے معبود کو ریزہ ریزہ کر دے) (پ۔چ:۱۳)

"پس چہ باید کرد" میں علامہؒ نے فقر کے عنوان سے ایک طویل کلام کیا ہے جس کا مختصر مگر جامع تذکرہ راقم الحروف کی کتاب "اسلام اور روحانیت" میں "فقر اور درویشی" کے عنوان سے (تقریباً ۴۰۰ صفحات پر مشتمل مضمون میں) شامل کر دیا گیا ہے۔ (یہ کتاب انشاء اللہ جلد ہی زیور طباعت سے آراستہ ہو جائے گی) فقر پر لکھے گئے اس کلام میں علامہ اقبالؒ نے فقر کی وضاحت کرنے کے بعد مسلمانوں کو اس بات کا احساس دلایا ہے کہ غیر اللہ کے ساتھ لگاؤ اور غیرت دین کے بغیر زندگی گزارنا موت کے مترادف ہے۔ اس میں آپ نے مسلمانوں کو اپنی تخلیق (Reconstuction of the self) کا سبق دیا ہے اور عیارِ مصطفیٰ ﷺ (معیار سنت کی کسوٹی) پر خود کو پرکھنے کی ہدایت کی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

دل ز غیر اللہ بہ پرداز اے جواں   ایں جہانِ کہنہ در باز اے جواں

(اے جوان غیر اللہ سے دل ہٹا اور اس پرانے جہان کا دروازہ کھول دے) (پ۔چ:۲۳)

تا کجا بے غیرت دیں زیستن اے مسلماں مردن است ایں زیستن

(اے مسلمان تو کب تک غیرت دین کے بغیر زندگی بسر کرے گا اے مسلمان اس طرح جینا تو مرجانے کے مترادف ہے) (پ۔چ:۲۳)

مرد حق باز آفریند خویش را جز بہ نورِ حق نہ بیند خویش را

(مردحق اپنے آپ کو ازسرنو تخلیق کرتا ہے وہ اپنے آپ کو حق تعالیٰ کے نور کے بغیر نہیں دیکھتا) (پ۔چ:۲۳)

بر عیار مصطفیؐ خود را زند تا جہانے دیگرے پیدا کند

(مسلمان جناب رسول پاک ﷺ کے معیار پر اپنے آپ کو پرکھتا ہے، حتیٰ کہ وہ ایک نیا جہان وجود میں لاتا ہے) (پ۔چ:۲۳)

"پس چہ باید کرد" میں ہی علامہؒ نے مردِ حُر کے عنوان سے جو اشعار لکھے ہیں ان میں مرد مسلمان کی شان اور بلند پایہ اوصاف کا ذکر فرمایا ہے اور لکھا ہے کہ شرع کے حکم کے سامنے مرد مومن اپنا سر تسلیم خم کر دیتا ہے۔ وہ کسی کا غلام نہیں کیونکہ اس کا ضمیر لَآ اِلٰہَ سے روشن ہے۔ آپ نے اس نظم میں آج کے مردہ دل مسلمان اور مردِ حُر کی قوتوں میں واضح فرق بیان کیا ہے اور آخر میں مردِ حُر کی صحبت اختیار کرنے کا حکم دیا ہے۔

مردِ حُر از لَآ الٰہ روشن ضمیر می نہ گردد بندۂ سلطان و میر

(مردحر کا ضمیر لا الہ سے روشن ہے۔ وہ کسی بادشاہ یا امیر کا غلام نہیں ہوتا) (پ۔چ:۲۶)

مردِ حُر چوں اشتراں بارے برد مردِ حُر بارے برد خارے خورد

(مردحر اونٹ کی طرح بوجھ اٹھاتا ہے اور کانٹے دار جھاڑیاں کھا کر گزارہ کرتا ہے) (پ۔چ:۲۶)

پادشاہاں در قبا ہائے حریر زرد رو از سہمِ آں عریاں فقیر

(ریشم لباس میں ملبوس بادشاہان وقت کے چہرے ایسے عریاں فقیر کی ہیبت سے زرد پڑ جاتے ہیں) (پ۔چ:۲۶)

سِرِّ دیں ما را خبر او را نظر او درونِ خانہ، ما بیرون در

(دین کی باریکیاں ہمارے لئے سنی سنائی بات ہوتی ہے مگر اس کے لئے مشاہدہ ہے گویا کہ وہ گھر کے اندر پہنچ گیا ہے اور ہم ابھی دروازے سے باہر کھڑے ہیں) (پ۔چ:۲۶)

ما کلیسا دوست، ما مسجد فروش اُو ز دست مصطفیؐ پیمانہ نوش

(ہم تو اہل کلیسا سے دوستی کرتے ہیں اور مسجدوں کو فروخت کر دیتے ہیں اور مرد مومن حضور ﷺ کے دست مبارک سے جام (الست) پیتا ہے) (پ۔چ:۲۶)

صبح و شامِ ما بہ فکرِ ساز و برگ آخرِ ما چیست؟ تلخیہائے مرگ!

(صبح وشام ہم تو کھانے پینے کے چکر میں رہتے ہیں اور ہمارا انجام کیا ہوتا ہے؟ موت کی تلخی) (پ۔چ:۲۷)

در جہانِ بے ثبات او را ثبات   مرگ او را از مقاماتِ حیات

(اس ناپائیدار دنیا میں مردِ مومن کو ثبات ہے اس کی موت بھی زندگی کے مقامات میں سے ایک مقام ہے)(پ۔ج ۲۷)

می نہ روید تخمِ دل از آب و گلِ   بے نگاہے از خداوندانِ دل

(جب تک صاحب دل کی نظر نہ ہو آب و گل کے بدن سے دل کا بیج نہیں اگتا)(پ۔ج ۲۸)

اندر ایں عالم نیرزی با خسے   تا نیاویزی بدامانِ کسے

(جب تک تو کسی مردِ مومن کی صحبت میں نہیں آئے گا اس دنیا میں تیری قیمت ایک تنکے کے برابر نہیں ہوگی)(پ۔ج ۲۸)

مسلمانوں کے انحطاط کا علاج

اطاعتِ رسول ﷺ کے سوا کچھ اور نہیں

مولانائے رومؒ اور علامہ اقبالؒ میں ایک قدر مشترک ہے، وہ یہ کہ دونوں مفکران اسلام اپنی قوم کو قعر مذلت اور رسوائی سے نکالنا چاہتے ہیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ علامہ اقبالؒ نے مولانا رومؒ کے افکار کو اس لئے پسند کیا اور اسے اپنایا کیونکہ وہ قوم کو ارتقائی منزلوں پر کھڑا کرنا چاہتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علامہؒ کے کلام میں مثنوی مولانائے رومؒ کا رنگ نمایاں معلوم ہوتا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ انہوں نے مولانائے رومؒ کے ساتھ عالم واقعہ میں ملاقات کی اور ان سے قوم کو زوال کی حالت سے نکالنے کی سبیل دریافت فرمائی۔ مولاناؒ نے مشورہ دیا کہ قوم کو قعرِ مذلت سے نکالنے کے لئے اگر مسلمان اپنی خودی کو پہچان لیں اور اس کے اصولوں کو اپنا لیں تو خودی کی پہچان ہی سے ان کے مرض کا علاج ہو سکتا ہے۔ مولانا رومیؒ کے اس مشورے پر آپ نے فلسفۂ خودی کو اشعار اور نثر کی شکل میں پیش کیا، جس کا زیادہ تر حصہ آپ کی سات تقریروں کے علاوہ اسرار و رموز میں ملتا ہے اور آپ کے باقی کلام میں بھی اس کی اچھی خاصی تعلیم پائی جاتی ہے۔ فلسفۂ خودی کی مختصر تعریف راقم الحروف نے اپنی تصانیف ''حضور قلب'' اور ''رابطہ شیخ'' میں دی ہے اور اس کے علاوہ ''عقل و عشق اور فلسفہ خودی'' نامی کتاب میں اس کی مزید تشریح کی گئی ہے۔

فلسفۂ خودی میں جو خاص نکتہ کارگر ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی صلاحیتوں کی شناخت کر کے اپنی تمام صلاحیتوں کو بروئے کار لائے۔ جب امتِ مسلمہ زوال و انحطاط کا شکار ہو گئی تو اس کو قعرِ مذلت سے نکالنے کے لئے مختلف مفکرین نے اپنے اپنے نسخے تجویز کیے۔ کسی نے کہا کہ اسے جدید تعلیم حاصل کرنی چاہئے تو کسی نے کہا کہ اسے یورپی قوموں کی تقلید کرنی چاہئے اور اپنی پرانی روایات کو چھوڑ دینا چاہئے مگر حکیم الامت علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ اس امت کا علاج کرنے سے پہلے اس کے مرض کی تشخیص کرنا ضروری ہے۔ جب علامہؒ نے

قوم کے مرض کی تشخیص کی اور اس کے بعد یہ نتیجہ نکالا تو اس کو آپ نے اس طرح پیش فرمایا۔

کون ہے تارکِ آئینِ رسولِ مختار؟
مصلحت وقت کی ہے کس کے عمل کا معیار؟
کس کی آنکھوں میں سمایا ہے شعارِ اغیار؟
ہو گئی کس کی نگہ طرزِ سلف سے بیزار؟
قلب میں سوز نہیں، روح میں احساس نہیں
کچھ بھی پیغام محمدؐ کا تمہیں پاس نہیں

اہل علم جانتے ہیں کہ جب تک مرض کی تشخیص نہ ہو اس کا علاج کرنا بھی مشکل ہوتا ہے، لہٰذا امت مسلمہ کی مرض کی اصل وجہ علامہ اقبالؒ کے نزدیک اس امت کا اپنے رسول ﷺ کی سُنت کی پیروی کو ترک کرنا ہے اور جب اس ناعاقبت اندیش افرادِ امت نے اپنے نبی ﷺ کی سُنت اور اطاعت کو ترک کر کے اغیار کی پیروی شروع کر دی تو ذلت و رسوائی اس کا مقدر بن گئی۔ ابلیسی طاقتیں بھی یہی چاہتی ہیں کہ مسلمان اپنے نبی ﷺ کی سُنت کو ترک کر دیں تا کہ وہ اپنے عظیم ماضی کو دوبارہ پا نہ سکیں۔

علامہ اقبالؒ کا پورا کلام مسلمانوں کی اصلاح کی طرف قدم اٹھانے کی دعوت دے رہا ہے اور آپ کا اس نوعیت کا تمام کلام یہاں شامل کرنا ممکن نہیں۔ ایک اور نسخہ جو مولانائے رومؒ اور علامہ اقبالؒ نے قوم کے لئے پیش کیا ہے، وہ یہ ہے کہ کسی راہبر یا پیر کامل کی اِتباع اختیار کرنا قومی کردار کو درست کرنے کے لئے بہت ضروری ہے۔ علامہ اقبالؒ کے چند ایسے شعر تبرکاً پیش کئے جا رہے ہیں جن میں مسلمانوں کا علاج کسی مردِ کامل کی نگاہوں سے ہو سکنے کے امکانات کو واضح کر رہا ہے۔ اس سلسلہ میں راقم الحروف کی دوسری کتب کا مطالعہ بھی ضروری ہوگا۔ ہماری تصنیف ''سرمایۂ ملت'' اور ''اسلام اور رُوحانیت'' میں خاص طور پر اس موضوع پر کافی کلام کیا گیا ہے۔ یہاں چند اشعار پر ہی اکتفا کیا جا رہا ہے۔

پیرِ رومیؒ را رفیقِ راہ ساز   تا خدا بخشد ترا سوز و گداز
(پیر رومیؒ کو اپنی زندگی کے راستے کا ساتھی بناؤ تا کہ خدا تجھے سوز و گداز سے نوازے) (ج۔ن:۲۰۸)

ز رومیؒ گیر اسرارِ فقیری   کہ آں فقر است محسود امیری
(رومیؒ سے اسرار فقیری حاصل کرو کیونکہ ان کے فقر پر امارت بھی رشک کرتی ہے) (ا۔ح:۷۷)

شمعِ خود را ہمچو رومیؒ بر فروز   رومؒ را در آتشِ تبریزؒ سوز
(اپنی شمع کو رومیؒ کی طرح روشن کر دو مولائے رومؒ کی طرح اپنے آپ کو شمس تبریزؒ کی آگ میں جلا دو) (ا۔ر:۱۹)

بالِ جبریل میں بھی علامہ اقبالؒ نے مذکورہ حقیقت کو آشکار کیا ہے اور اس کے علاوہ بھی مختلف مقامات پر فیضانِ نظر کا متعدد بار ذکر کیا ہے۔ ؎

علاج آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں
اسی کے فیض سے میری نگاہ ہے روشن
اسی کے فیض سے میرے سبو میں ہے جیحوں
خرد کے پاس خبر کے سوا کچھ اور نہیں
ترا علاج نظر کے سوا کچھ اور نہیں

دین مجو اندر کتب اے بے خبر   علم و حکمت در کتب دیں از نظر

(اے بے خبر! دین کو کتابوں میں نہ تلاش کرو علم و حکمت تو کتابوں میں مل جاتے ہیں مگر دین نظر سے ہی ملتا ہے)

مذکور بالا علامہ اقبالؒ کا جو کلام پیش کیا گیا ہے، وہ زیرِ غور موضوع پر علامہؒ کے لکھے گئے کلام کا ایک جزو ہے۔ ڈاکٹر غلام مصطفیٰ خان نے اپنی کتاب ''اقبال اور قرآن'' میں گیارہ سو اٹھارہ (۱۱۱۸) صفحات پر مشتمل مضمون محض اس بات پر لکھا ہے کہ اقبالؒ کے اشعار کے اشارات قرآن اور حدیث سے کن کن آیات اور احادیث سے مطابقت رکھتے ہیں۔ مذکورہ کتاب کی ضخامت سے یہ حقیقت عیاں ہوگئی ہے کہ علامہ اقبالؒ کے کلام کے اسرار و رموز کا مکمل احاطہ اس مختصر تحریر میں بیان کرنا ممکن نہیں لہٰذا جو کچھ بیان کیا جا چکا ہے، اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔

علامہ اقبالؒ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی سنت کے متعلق بہت سے اشعار اپنی مختلف کتب میں شامل کیے ہیں۔ ''رموزِ بے خودی'' میں بعنوان ''عرضِ حال بحضور محمد مصطفیٰ ﷺ'' لکھتے ہیں:

اے ظہور تو شباب زندگی   جلوہ ات تعبیر خواب زندگی

(آپ ﷺ کی تشریف آوری سے زندگی اپنے شباب کو پہنچی، آپ ﷺ کا ظہور خواب زندگی کی تعبیر ہے یعنی آپ مقصودِ کائنات ہیں)(ا۔ر:۱۶۶)

اے زمیں از بارگاہت ارجمند   آسمان از بوسۂ بامت بلند

(اس زمین نے آپ ﷺ کی بارگاہ کے سبب شرف پایا، آسمان نے آپ ﷺ کی بارگاہ کے بام کو بوسہ دے کر بلند مرتبہ پایا)

شش جہت روشن ز تاب روئے تو   ترک و تاجیک و عرب ہندوئے تو

(آپ کے چہرہ مبارک کے نور سے شش جہت روشن ہیں، ترک و تاجیک اور عرب سب آپ ﷺ کے غلام ہیں)

از تو بالا پایۂ ایں کائنات   فقرِ تو سرمایۂ ایں کائنات

(اس کائنات کا مرتبہ آپ ﷺ کی وجہ سے بلند ہوا، آپ ﷺ کا فقر کائنات کی دولت ہے)(ا۔ر:۱۶۶)

در جہان شمع حیات افروختی   بندگاں را خواجگی آموختی

(آپ ﷺ نے جہاں میں زندگی کی شمع روشن کی اور غلاموں کو آقائی سکھائی)(ا۔ر:۱۶۶)

تا مرا افتاد بر رُوئیت نظر   از اَب و اُمّ گشتہ محبوب تر

(جب سے میری نظر آپ ﷺ کے چہرہ مبارک پر پڑی ہے، آپ ﷺ مجھے ماں باپ سے زیادہ محبوب ہو گئے ہیں)

عشق در من آتشے افروخت است   فرصتش بادا کہ جانم سوخت است

(آپ ﷺ کے عشق نے میرے اندر آگ بھڑکا دی ہے، عشق کو فرصت مبارک کیونکہ اب میری جان جل چکی ہے)

نالۂ مانند نَے سامانِ من   آں چراغ خانۂ ویرانِ من

(بانسری کی مانند نالہ ہی میرا سامان ہے اور یہی میرے خانہ ویران کا چراغ ہے)(ا۔ر:۱۶۶)

از غم پنہاں نگفتن مشکل است   بادہ در مینا نہفتن مشکل است

(غم پنہاں کی بات نہ کرنا بہت مشکل ہے جیسے شراب کو مینا میں چھپانا مشکل ہے)(ا۔ر:۱۶۶)

حضور ﷺ کے عشق پر آپ کا بے شمار کلام کُلیاتِ اقبال میں ملتا ہے۔ اس کے علاوہ آپ حضرت باری تعالیٰ میں عرض کرتے ہیں کہ انہوں نے مسلمانوں کی حالت کو درست کرنے کے لئے بہت سی رموز آشکار کی ہیں۔

داستانے گفتم از یارانِ نجد   نکہتے آوردم از بستانِ نجد

(میں نے اسے یاران نجد کی داستان سنائی، میں اس کے لئے نجد کے گلستان کی خوشبو لایا)(ا۔ر:۱۶۷)

محفل از شمع نوا افروختم   قوم را رمزِ حیات آموختم

(میں نے محفل کو اپنی آواز کی شمع سے روشن کیا اور قوم کو رمزِ حیات سکھائی)(ا۔ر:۱۶۷)

علامہ اقبالؒ حضور ﷺ کی بارگاہ میں یہ عرض کرتے ہیں کہ انہوں نے قرآن اور حدیث کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا۔ ایک جگہ پر آپ ؒ فرماتے ہیں کہ اگر میں قرآن کے علاوہ کچھ اور کہوں تو مجھے ختم کر دیا جائے، قوم کو میرے شر سے محفوظ رکھا جائے، مجھے قیامت کے روز رسوا کیا جائے اور حضور ﷺ کی پابوسی سے بھی محروم کر دیا جائے۔ اسرار و رموز کی آخری نظم میں لکھتے ہیں۔

گر دلم آئینۂ بے جوہر است   ور بحرم غیر قرآں مضمر است

(اگر میرے دل کا آئینہ جوہر کے بغیر ہے، اگر میرے اشعار میں قرآن پاک کے علاوہ کچھ اور پوشیدہ ہے)(ا۔ر:۱۶۸)

اے فروغت صبح اعصار و دھور   چشم تو بینندۂ ما فی الصُدُور

(آپ ﷺ کا نور اعصار و دہور کی صبح، آپ ﷺ کی آنکھ پر دلوں کی بات روشن ہے)(ا۔ر:۱۶۸)

پردۂ ناموسِ فکرم چاک کن   ایں خیابان را زخارم پاک کن

(اگر میں قرآن کے علاوہ کچھ کہہ رہا ہوں تو آپ ﷺ میرے فکر کے شرف کا پردہ چاک کر دیں اور خیابان (دنیا) کو میرے کانٹے سے پاک کر دیجئے)(ا۔ر:۱۶۸)

تنگ کن رختِ حیات اندر برم   اہلِ ملّت را نگہدار از شرم

(زندگی کے لباس کو مجھ پر تنگ کر دیجئے اور مسلمان کو میری شاعری کی شرم سے محفوظ رکھ)(ا۔ر:۱۶۸)

سبز کشت تا بسامانم مکن   بہرہ گیر از ابرِ نسیانم مکن

(میری کشت ویراں کو سرسبز نہ کیجئے، اے ابر بہار سے بہرہ مند نہ فرمایئے)(ا۔ر:۱۶۸)

خشک گرداں بادہ در انگورِ من   زہر ریز اندر مئے کافور من

(میرے انگور کے اندر جو شراب ہے اسے خشک کر دیجئے، میری کافوری شراب کے اندر زہر ڈال دیجئے)(ا۔ر:۱۶۸)

روزِ محشر خوار و رسوا کن مرا   بے نصیب از بوسہ پا کن مرا

(مجھے قیامت کے روز خوار و رسوا کیجئے یعنی اپنے بوسہ پا سے محروم رکھئے)(ا۔ر:۱۶۸)

گر دُر اسرارِ قرآں سفتہ اَم   با مسلماناں اگر حق گفتہ ام

(لیکن گرمیں نے اپنی شاعری میں قرآن پاک کے موتی پروئے ہیں اوراگر میں نے مسلمانوں سے حق بات کی ہے)(ا۔ر:۱۶۸)

اے کہ از احسان تو ناکس کس است   یک رعایت مزد گفتارم بس است

(تو اے وہ ذات پاک ﷺ جس کے احسان سے ناکس بھی کس یعنی بندہ بن جاتا ہے، میرے لئے دعا فرمایئے اور یہ ایک دعا ہی میری ساری گفتار کا اجر ہوگا)(ا۔ر:۱۶۸)

عرض کن پیش خدائے عز و جل   عشق من گردد ہم آغوش عمل

(خدائے عز و جل کے سامنے عرض کیجئے کہ میرا عشق عمل سے ہم کنار ہو)(ا۔ر:۱۶۸)

دولت جان حزیں بخشندۂ   بہرۂ از علم دیں بخشندۂ

(آپ ﷺ نے مجھے غم گسار جاں کی دولت عطا فرمائی ہے آپ ﷺ نے مجھے دین کا وافر حصہ بخشا ہے)(ا۔ر:۱۶۸)

در عمل پائندہ تر گرداں مرا
آب نیسانم گہر گرداں مرا

(مجھے عمل میں پائندہ تر کر دیجئے میں بارش کا قطرہ ہوں مجھے گوہر بنا دیجئے)(ا۔ر:۱۶۸)

جو احباب زیر غور مضمون پر علامہ اقبالؒ کے مزید اشعار کا مطالعہ کرنا چاہتے ہوں تو وہ کلیات اقبال (فارسی) اور

میاں عبدالرشید صاحب کے ترجمے کی مدد سے مستفید ہو سکتے ہیں۔ ہماری تصنیف ''مجلس اقبال'' چھپ چکی ہے جس میں علامہ اقبال کے فارسی کے کسی بھی شعر کو تلاش کیا جا سکتا ہے اور اس کتاب میں فارسی زبان کو آسانی سے سمجھنے کے طریقے بھی لکھ دیئے گئے ہیں۔ اس ضخیم کتاب کی قیمت بہت ہی کم رکھی گئی ہے تاکہ ہر کس و ناکس اسے آسانی سے خرید سکے۔ قرآن و سنت کے معاملات کی وضاحت بہت طویل ہے، لیکن جو کچھ اوپر لکھ دیا گیا ہے عوام الناس کی معلومات کے لئے بہت کافی ہے۔

تیرہواں باب

اِتّباعِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تَبِعَہٗ وَ اتَّبَعَہٗ کے معنی کسی کے نقش قدم پر چلنا کے ہیں۔ یہ اطاعت اور فرمانبرداری کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے فرمایا:

"فَمَنْ تَبِعَ هُدَایَ"

(جنہوں نے میری ہدایت کی پیروی کی۔) (البقرہ: ۳۸)

اتباع کا لفظ کبھی کوئی چیز سیکھنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ جیسے:

"هَلْ اَتَّبِعُکَ عَلٰٓی اَنْ تُعَلِّمَنِیْ مِمَّا عُلِّمْتَ رُشْدًا" (الکہف: ۶۶)

(کیا میں آپ کے ساتھ رہوں اس شرط پر کہ آپ اس میں سے مجھے کچھ سکھائیں نیک بات جو تمہیں تعلیم ہوئی)

اِتَّبَعَہٗ کے معنی کسی کے پیچھے چلنا اور اسے پالینے کے ہیں۔ **اَلْمُتْبِعُ** کا لفظ اس چوپائے کے لئے بولا جاتا ہے جس کا بچہ اس کے پیچھے پیچھے رہتا ہے۔

ابن منظور ''لسان العرب'' میں لکھتے ہیں کہ نحو کے امام فراء نے کہا ہے کہ اتباع کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص آگے آگے چل رہا ہو اور کوئی دوسرا اس کے نقش قدم پر چل رہا ہو۔ [1]

''ضیاء القرآن'' میں ہے کہ امام ابوالحسن ماتریدیؒ نے اتباع کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کسی فعل کی اتباع کے معنی یہ ہیں کہ اس کے اس فعل کو اس طرح کیا جائے جس طرح وہ کرتا ہے اور اس لئے کیا جائے کیونکہ وہ کرتا ہے۔ امام موصوف اطاعت کے مفہوم کی توضیح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص کسی دوسرے کی عزت واحترام کے باعث بعینہ اس کے فعل کی طرف کوئی فعل کرے تو وہ اس کا تابع کہلاتا ہے۔

اتباع واطاعت رسالت ماب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق جو حکم قرآن نے ہم کو دیا ہے (جس کی اطاعت بھی فرض ہی سمجھتے ہیں) اس کی تعمیل کی صرف یہی صورت ہے کہ ہم حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے افعال کو بالکل اسی طرح ادا کریں جیسے

---

[1] لسان العرب، علامہ ابن منظور، متوفی ۷۱۱ھ، جلد ۷، صفحہ ۷۵، ادار صادر، بیروت۔

حضور ﷺ نے ادا فرمائے اور صرف اس لئے کریں کہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے ظہور پذیر ہوئے ہیں کیونکہ جس جمال اور کمال کا وہ پیکر ہیں، اس سے زیادہ جمیل تر چیز کا تصور تک ممکن نہیں ہے۔[1]

سورۂ آل عمران "وَاعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا" (یعنی مضبوطی سے پکڑ لو اللہ کی رسی سب مل کر) (آل عمران: ۱۰۳) میں مسلمانوں کے اتحاد و اتفاق اور عزت و وقار کو ملت کی بقا اور استحکام کے لئے لازم ہونا بیان کیا جا رہا ہے۔ علامہ قرطبیؒ نے لکھا ہے کہ ہمارے اتحاد کا صرف یہی سبب ہے اور ہمیں صرف اسی طرح اتحاد و اتفاق کی نعمت میسر آ سکتی ہے کہ ہم اعتقاداً اور عملاً کتاب و سنت کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رہیں۔

اتباعِ رسول ﷺ محبت الٰہی کی نشانی ہے۔ اس بات کا ذکر سورۃ البقرہ کی آیت ۱۳۱ کی تشریح میں ملتا ہے۔ اس سورہ کی آیت ۱۳۲ میں اطاعتِ رسول ﷺ کا صاف حکم دیا گیا ہے اور آپ ﷺ کی اتباع اور اطاعت کرنے کا یہ حکم فتنہ انکار حدیث کا ایک قوی رد ہے۔ اتباعِ رسول ﷺ سے مغفرت کی بشارت متصور ہے۔ اس سے تصفیۂ باطن اور تزکیۂ قلب ہوتا ہے اور پھر ولایت کبریٰ سے حصہ نصیب ہوتا ہے۔ اتباعِ رسول ﷺ بغیر محبتِ رسول ﷺ کے ممکن نہیں اور یہی وہ چیز ہے جو ایمان کی جز ہے اور باقی تمام روحانی فیوضات اس کے ثمرات ہیں اور مقامِ مطابقت کی مثالیں ہیں۔

اطاعت میں حکم کی تعمیل ہے مگر اتباع میں جذبۂ عشق ہے

اطاعت کا تعلق اسلام کے ظاہری ارکانوں سے ہے اور اس میں حکم کی تعمیل ہے جبکہ اتباع کا تعلق ایمان سے ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ کی سنت کے قدم بقدم چلنا ہے۔ اطاعت عقل سے ہوتی ہے اور اعمال کے ذریعے سے ہوتی ہے اور اس میں ہر شے سے بیگانگی ہے مگر اتباع عشق سے ہوتی ہے اور اس میں رسول اللہ ﷺ سے سراسر یگانگت ہے اور اعمال کے ساتھ عقائد کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اطاعت کی تکمیل ہو جائے تو اتباع کہلائے گی اور اتباع وہی معتبر ہے جو عشقِ رسول ﷺ کے نتیجے میں ہو ورنہ فریبِ نفس ہے۔ (جس طرح عام بدعقیدہ لوگوں کے چہروں پر اس فریب کے آثار نظر آتے ہیں) اتباع سے چہرے پر سنت کا نور نظر آتا ہے اور اگر محبت بھی ہو تو قلب و روح پر بھی رنگ چڑھ جاتا ہے۔ اتباع میں مجاہدات شرط ہیں اور مجاہدات سے دنیا میں مشاہدات اور وفا و صفا نصیب ہوتے ہیں اور آخرت میں رضا اور لقا نصیب ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ان کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے جو حضور ﷺ کی اتباع کرتے ہیں

سورۂ آل عمران میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو لوگ میرے حبیب ﷺ کی اتباع کو دل و

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن، پیر محمد کرم شاہ الازہری، جلد ۱، صفحہ ۲۲۳، ضیاء القرآن پبلیکیشنز، لاہور۔

جان سے قبول کرتے ہیں وہ میری ایسی محبت کے حقدار بن جاتے ہیں بلکہ میں انہیں اپنا محبوب بنالیتا ہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ"

(آپ ﷺ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے) (آل عمران:۳۱)

مذکورہ آیت کا شان نزول یہ ہے کہ کعب بن اشرف اور اس کے یہودی ساتھیوں کو جب دعوت اسلام دی گئی تو انہوں نے یہ کہہ کر دعوت قبول کرنے سے انکار کیا کہ ہم اللہ کے لاڈلے فرزند ہیں اور اس سے شدید محبت رکھتے ہیں۔ اس پر یہ آیت کریمہ نازل ہوئی اور بتایا گیا کہ محبت الٰہی کا دعویٰ سید عالم ﷺ کے اتباع وفرمانبرداری کے بغیر قابل قبول نہیں (جو اس دعوے کا ثبوت دینا چاہے تو حضور ﷺ کی غلامی کرے) جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی نعمت سے بھی سرفراز کئے جاؤ گے یعنی تمہیں محبوب الٰہی ہونے کا شرف بخشا جائے گا اور تمہاری سیاہ کاریوں کو رحمت و مغفرت کے پانی سے صاف کر دیا جائے گا۔ حضور ﷺ کی کامل اتباع کے بغیر محبت الٰہی کا دعویٰ جھوٹ ہے۔

سابقہ آیات میں قرآن نے یہود کے برے اعمال اور رذیل عادات کا ذکر فرمایا کہ وہ لوگ ایسی ناپسندیدہ حرکات کے باوجود خدا کی دوستی کا دم بھرا کرتے تھے۔ ان آیات میں انہیں تنبیہ فرمائی جارہی ہے کہ محبت الٰہی کا دعویٰ بغیر دلیل قابل التفات نہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ کے اس برگزیدہ رسول ﷺ کی اطاعت وفرمانبرداری کرو۔ اگر تم نے دل و جان سے اس رسول کریم ﷺ کی اطاعت کی تو تمہارا دعویٰ محبت بھی درست تسلیم کرلیا جائے گا اور اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کی ایک سب سے بڑی نعمت سے بھی سرفراز کئے جاؤ گے یعنی تمہیں محبوب الٰہی ہونے کا شرف بخشا جائے گا اور تمہارے اعمال نامہ کی سیاہی کو رحمت اور مغفرت کے پانی سے صاف کردیا جائے گا۔ مصطفیٰ ﷺ کی عظمت اور جلالت قدر کا کیا کہنا جس کی غلامی یہود جیسی راندۂ درگاہ اور ذلیل قوم کو بھی اللہ تعالیٰ کا محبوب بنا سکتی ہے۔ اگر امت مسلمہ اتباع حبیب خدا ﷺ کو اپنا شعار بنالے اور سنت سرور کائنات ﷺ کے سانچے میں اپنی سیرت کو ڈھال لے تو کیا یہ محبوبیت کی خلعتِ فاخرہ سے نوازی نہیں جائے گی؟ جب ہم اللہ تعالیٰ کی محبت کے لمبے چوڑے دعوے کرتے ہیں اور عمل کی دنیا میں رسول کریم ﷺ کی سنت سے انحراف کئے ہوتے ہیں تو ہمارے سر ندامت سے جھک جاتے ہیں۔ کسی شاعر نے کیا خوب کہا ہے۔

لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقًا لَاَطَعْتَهُ   اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ مُطِیْعٌ

(یعنی اگر تیری محبت سچی ہوتی تو تو اپنے محبوب کی اطاعت میں سرگرم ہوتا کیونکہ محب تو ہمیشہ اپنے محبوب کا مطیع ہوا کرتا ہے)

اور اسی طرح ارشاد نبوی ﷺ بھی ہے کہ جب تک کوئی شخص سب سے زیادہ مجھ سے محبت نہ کرے، اس وقت تک وہ کامل مسلمان نہیں ہوسکتا:

"لَا يُؤْمِنُ اَحَدُ كُمْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ"

(تم میں سے کوئی شخص (سچا) مومن نہیں ہوسکتا تاوقتیکہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب (محترم) نہ ہوجاؤں)[1]

اِتّباعِ سنت قرآنی دلائل کی روشنی میں

قرآن مجید میں جابجا ایسی آیتیں موجود ہیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کو لازم قرار دیا ہے اور متعدد بار یہ تنبیہ فرمائی ہے کہ جس نے محمد ﷺ کی اطاعت اور اِتباع سے منہ موڑا اس نے فقط محمد ﷺ کی بارگاہ ہی سے بغاوت نہ کی بلکہ اس نے خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے بھی بغاوت کی اور ایسا شخص بارگاہِ الٰہ میں ملعون ومغضوب قرار پاتا ہے اور حق دار سزا ہے۔ قرآن مجید سے چند ایک آیات دلیل کے طور پر حسب ذیل ہیں:

۱۔ اللہ تبارک وتعالیٰ سورۂ آل عمران میں ارشاد فرماتے ہیں:

"قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ"

(اے محبوب ﷺ! آپ ﷺ فرمایئے (انہیں کہ) اگر تم (واقعی) محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ اور بخش دے گا تمہارے لئے تمہارے گناہ اور اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے) (آل عمران:۳۱)

مندرجہ بالا آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے بڑے واضح الفاظ میں اُمتِ مسلمہ کو یہ بتا دیا کہ میری محبت اصل میں میرے محبوب ﷺ کی اتباع کا دوسرا نام ہے، لہٰذا وہ لوگ جو میرے پیارے رسول ﷺ کی اطاعت واتباع نہیں کرتے اس کے نقش قدم پر نہیں چلتے اس کے احکام کے آگے سر تسلیم خم نہیں کرتے تو وہ لوگ سمجھ لیں کہ بارگاہِ ایزدی میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ وہ لوگ اللہ کی بارگاہ میں مقامِ قبولیت کو کبھی نہیں پہنچ سکتے اور ان پر میری عنایتوں، بخششوں اور رحمتوں کے تمام دروازے بند ہیں۔

---

[1] صحیح البخاری، حدیث ۱۵، جلد ۱، صفحہ ۱۴۔

اس سے ثابت ہوا کہ محبوبیت حقیقت میں خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت و اتباع اور فرمانبرداری میں پختگی اور ثبات کا نتیجہ ہے۔ علامہ اقبالؒ اس حقیقت کو یوں بیان کرتے ہیں:

ع چوں تمام اُفتد سراپا ناز می گردد نیاز
(جب نیاز تکمیل پالے تو وہ ناز بن جاتا ہے) (پ۔م:۱۸۲)
قیس را لیلیٰ ہمی نامند در صحرائے من
(ہمارے صحرا میں قیس کو لیلیٰ ہی کہتے ہیں) (پ۔م:۱۸۲)

۲۔ سورۂ آل عمران میں ہی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"قُلْ اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ الْکٰفِرِیْنَ"

(آپ ﷺ فرمائیے اطاعت کرو اللہ کی اور (اس کے) رسول کی پھر اگر وہ منہ پھیریں تو یقیناً اللہ تعالیٰ دوست نہیں رکھتا کفر کرنے والوں کو) (آل عمران:۳۲)

مندرجہ بالا آیتِ مبارکہ میں بھی اللہ تعالیٰ نے بڑے واضح انداز میں بیان فرمایا ہے کہ جو لوگ اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی اطاعت نہ کریں گے اور انکار کریں گے تو اللہ ان لوگوں سے محبت نہیں کرتا۔

یہاں پر یہ نکتہ قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فقط اپنی اطاعت کو ہی لازم قرار نہیں دیا بلکہ فرمایا اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اگر کسی ایک کی اطاعت سے انکار کیا تو دوسرے کی اطاعت بھی نہ کر پاؤ گے۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی اور اپنے رسول ﷺ کی اطاعت کو باہم لازم و ملزوم قرار دیا ہے۔

۳۔ اتباع سنت کے ضمن میں اللہ تعالیٰ سورۃ النساء میں فرماتے ہیں:

"تِلْکَ حُدُوْدُ اللّٰہِ ط وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ یُدْخِلْہُ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَا ط وَذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ"

(یہ اللہ تعالیٰ کی حدیں ہیں اور جو حکم مانے اللہ اور اس کے رسول کا تو اللہ اس کو باغات میں لے جائے گا جن کے نیچے نہریں رواں ہیں اور یہی بڑی کامیابی ہے) (النساء:۱۳)

اس آیتِ مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے جنت کی ضمانت دی ہے اس شرط کے ساتھ کہ اس کی اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی جائے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کہیں پر اطاعت و اتباع رسول ﷺ کرنے پر خوشخبری سنائی ہے تو

کہیں پر رسول ﷺ کی نافرمانی کرنے پر ڈرایا ہے۔ سورہ مجادلہ میں ارشاد فرمایا ہے:

”یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا تَنَاجَیْتُمْ فَلَا تَتَنَاجَوْا بِالْاِثْمِ وَ الْعُدْوَانِ وَمَعْصِیَتِ الرَّسُوْلِ وَتَنَاجَوْا بِالْبِرِّ وَ التَّقْوٰی وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْٓ اِلَیْهِ تُحْشَرُوْنَ“

(اے ایمان والو جب تم آپس میں مشورہ کرو تو گناہ کرنے، حد سے بڑھنے اور رسول ﷺ کی نافرمانی کا مشورہ نہ کرو اور نیکی اور پرہیزگاری کا مشورہ کرو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف اٹھائے جاؤ گے)(المجادلہ:۹)

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو ایسا مشورہ بھی کرنے سے منع فرمایا ہے جس میں رسول اللہ ﷺ کی اتباع کی بجائے نافرمانی کا کوئی پہلو ہو اور ساتھ ہی ڈرایا کہ اگر ایسا کرو گے تو یاد رکھو تمہیں اللہ کی بارگاہ میں ایک دن حاضر ہونا ہے اور اپنے اعمال کا حساب دینا ہے۔

۵۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ النساء میں ان لوگوں کی حسرت کا بیان کیا ہے جو دنیا میں اتباع رسول ﷺ کو اپنے اوپر لازم قرار نہیں دیتے:

”یَوْمَئِذٍ یَّوَدُّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا وَعَصَوُا الرَّسُوْلَ لَوْ تُسَوّٰی بِهِمُ الْاَرْضُ ط وَلَا یَکْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِیْثًا“

(اس دن تمنا کریں گے، وہ جنہوں نے کفر کیا اور رسول ﷺ کی نافرمانی کی، کاش انہیں مٹی میں دبا کر زمین ہموار کر دی جائے اور کوئی بات اللہ سے چھپا نہ سکیں گے)(النساء:۴۲)

۶۔ اس مضمون کو آگے چلاتے ہوئے ”سورۃ الاحزاب“ میں اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کا جو انجام آخرت میں ہوگا یوں بیان کیا ہے:

”یَوْمَ تُقَلَّبُ وُجُوْهُهُمْ فِی النَّارِ یَقُوْلُوْنَ یٰلَیْتَنَآ اَطَعْنَا اللّٰهَ وَاَطَعْنَا الرَّسُوْلَا“

(جس دن ان کے منہ الٹ الٹ کر آگ میں تلے جائیں گے وہ کہتے ہوں گے کاش! ہم نے خدا کی اطاعت کی ہوتی اور رسول ﷺ کی اطاعت کی ہوتی۔)(الاحزاب:۶۶)

مندرجہ بالا آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے دوٹوک انداز میں بیان فرمایا ہے کہ جس نے اطاعت رسول ﷺ سے گریز کیا اس کا ٹھکانہ جہنم ہے اور روز قیامت آگ میں ان کے منہ تلے جائیں گے۔

اِتباع سنت پر زور دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے سورہ النساء میں ہی سنت سے انحراف کرنے والوں کو منافقین کی صف میں شامل کیا ہے فرمایا:

”وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ تَعَالَوْا اِلٰی مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ وَاِلَی الرَّسُوْلِ رَاَیْتَ الْمُنٰفِقِیْنَ یَصُدُّوْنَ عَنْکَ

صُدُوْدًا"

(اور جب ان کو (جو ظاہر میں مسلمان ہونے کے مدعی ہیں) کہا گیا ہے کہ آؤ اس چیز کی طرف جو اللہ نے نازل فرمائی ہے اور اس کے رسول ﷺ کی طرف تو تم نے دیکھا منافق کو وہ تم سے دور ہٹتے ہیں) (النساء:٦١)

مندرجہ بالا دلائل قرآنی سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ کسی بھی بندے کے لئے ضروری ہے کہ تعلق باللہ کو تعلق بالرِّسالت ﷺ پر مؤخر کرے اور بارگاہِ ایزدی میں حضوری سے پہلے بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہو اور اللہ کے ہاں قبولیت کا درجہ حاصل کرنے کے لئے اتباع سنت کے اصول پر عمل پیرا ہو۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کا قول ہے کہ عَرَفْتُ رَبِّیْ بِمُحَمَّدٍ (ﷺ) وَعَرَفْتُ مُحَمَّدًا (ﷺ) بِرَبِّیْ یعنی میں نے خدا کو محمد ﷺ کی وجہ سے پہچانا اور محمد ﷺ کو خدا کی وجہ سے پہچانا۔ یہ بات سورہ النساء کی آیت نمبر ٦٤ سے بھی واضح ہے (وَلَوْ اَنَّهُمْ اِذْ ظَّلَمُوْ...... الآیۃ)

اطاعت اور اتباع میں فرق

تفسیر نعیمی میں ہے کہ کسی کے قول کی فرمانبرداری اطاعت ہے اور کسی کے نقش قدم پر اطاعت سے چلنا اتباع ہے۔ اتباع کے معنی دیکھا دیکھی عمل کرنا ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اتباع دیکھا دیکھی ممکن نہیں ہے۔ رب تعالیٰ روزانہ صدہا موت دیتا ہے اور اگر ہم ایک کو بھی ماریں تو اس کے بدلے میں قتل کیے جاتے ہیں۔ اس لئے اتباع رب تعالیٰ کی نہیں ہو سکتی۔ اتباع میں صرف رسول اللہ ﷺ کا ذکر آیا ہے اور اطاعت میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کا حکم آیا ہے۔ مگر "اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْكُمْ" (یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور رسول (ﷺ) کی اطاعت کرو اور اپنے میں سے (اہلِ حق) صاحبانِ اَمر کی) (النساء، ٥٩) اس میں سب ہی شامل ہیں۔ حکام کی اطاعت اس حالت میں جائز ہے کہ اگر ان کا حکم موافق شریعت ہو، کیونکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول اللہ ﷺ کے ضمن میں ان کی اطاعت واجب ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ شرط یہ ہے کہ اللہ اور رسول ﷺ کی اطاعت ان علماء اور حکماء کے بغیر سمجھ میں نہیں آتی۔ اس کے علاوہ شرعی سزاؤں کا اجراء بھی حکام ہی کرتے ہیں اور شرعی فیصلے بھی ان کے ذریعے طے پاتے ہیں جیسا کہ قرآن میں آیا ہے کہ:

"وَلَوْ رَدُّوْهُ اِلَى الرَّسُوْلِ وَاِلٰٓى اُولِی الْاَمْرِ مِنْهُمْ لَعَلِمَهُ الَّذِیْنَ یَسْتَنْۢبِطُوْنَهٗ مِنْهُمْ"

(یعنی اگر لوٹا دیتے (اس بات کو) رسول کریم ﷺ کی طرف اور با اقتدار حاکموں کی طرف تو ضرور اس بات کی حقیقت جان لیتے وہ لوگ جو نتیجہ اخذ کر سکتے ہیں بات کا ان میں سے) (النساء:٨٣)

حاکم اور حکم میں چند فرق ہیں۔ حاکم وہ ہوتا ہے جو کسی بادشاہ کی طرف سے مقرر ہو اور حکم وہ جسے فریقین اپنے جھگڑے کے فیصلے کے لئے منتخب کرتے ہیں۔ حاکم کو ولایت وحکومت عامہ حاصل ہو اور حکم وہ ہوتا ہے جسے ولایت خاصہ حاصل ہو۔ حاکم اپنا فیصلہ طاقت اور حکومتی قوت سے منواتا ہے اور سزا بھی دے سکتا ہے جبکہ حکم میں یہ بات نہیں۔ حاکم میں علم اور اختیارات ہوتے ہیں اور حکم میں یہ ضروری نہیں۔ جو شخص حضور ﷺ کو رسول، حاکم مختار اور عالم مانے وہ مومن ہے اور جو آپ ﷺ کو مختار تو مانے لیکن خبردار نہ مانے وہ حضور ﷺ کے حاکم مطلق ہونے کا منکر ہے۔

حضور ﷺ کی اِتباع ہر حکم اور ہر عمل میں ہے

حضور ﷺ کی اطاعت اس لئے واجب ہے کہ آپ ﷺ مسلمانوں کے لئے محسن، فرمان رساں اور فیض رساں ہیں، چنانچہ جب اطاعت کی بات ہو تو قرآن نے آپ کو رسول ﷺ کے نام سے پکارا ہے اور جب خطاب ہو تو نبی ﷺ کہہ کر پکارا ہے۔ تفسیر نعیمی میں پارہ ہفتم، ص ۵۲ پر ہے کہ اگر حضور ﷺ کسی کو خلاف قرآن حکم دیں تو اس کے لئے وہی حکم شریعت کا حکم بن جاتا ہے اور اس کے لئے قرآن کا وہ حکم شریعت نہیں۔ صاحب تفسیر نعیمی نے اس موضوع پر ایک کتاب 'سلطنتِ مصطفیٰ ﷺ" تحریر فرمائی ہے جہاں اس بات کو بہت تفصیل سے بیان کیا ہے۔

مفسرِ موصوف فرماتے ہیں کہ اللہ کی اطاعت صرف اس کے فرمان اور احکام میں ہے لیکن حضور ﷺ کی اطاعت حضور ﷺ کے فرماں اور عمل میں بھی ہے۔ حضور ﷺ کے احکام فرض یا واجب اور آپ ﷺ کے اعمال سنت مؤکدہ یا غیر مؤکدہ بھی ہیں۔ لہٰذا اطاعتِ خدا سے اطاعت رسول عام مراد لی جاتی ہے۔ یہاں دو اطاعتوں کا حکم دیا یعنی اطاعت الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ "وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" (مائدہ:۹۲) مگر پانچویں پارے میں تین اطاعتوں کا ذکر ہے۔ "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُوْلِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ" (یعنی اطاعت کرو اللہ کی، اطاعت کرو رسول اللہ کی اور ان کی جو تم میں سے تمہارے حاکم ہیں) (النساء:۵۹) اور ایک جگہ صرف ایک اطاعت کا ذکر ہے یعنی "مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" (جس نے اطاعت کی رسول ﷺ کی، اس نے اطاعت کی اللہ کی) (النساء،۵۹)۔ [1] اطاعتِ رسول ﷺ باقی تمام اطاعتوں کی جان ہے۔ جب بچہ قاعدہ پڑھتا ہو تو اس کو ایک ایک حرف پر زیر زبر سکھائی جاتی ہے اور کچھ ترقی کے بعد اسے دو تین حروف کے مرکبات سمجھائے جاتے ہیں، لیکن رفتہ رفتہ اسے اس تفریق اور علیحدگی کی ضرورت نہیں رہتی اور وہ خود بڑے بڑے جملوں کو سمجھنے پر قادر ہو جاتا ہے۔ یونہی منزل

---

[1] تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی، جلد ۷، صفحہ ۵۲، مکتبہ اسلامیہ، لاہور۔

معرفت کی ابتدائی حالت میں اللہ کی اطاعت، رسول ﷺ کی اطاعت، اولی الامر کی اطاعت اور فقہاء کی اطاعت کو الگ الگ کر کے سمجھایا جاتا ہے۔ مگر جب عارف اس منزل سے آگے بڑھتا ہے تو اسے معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سب چیزیں علیحدہ نہیں ہیں بلکہ ایک اطاعتِ رسول ﷺ میں سب اطاعتیں آ جاتی ہیں۔

حضور ﷺ کی اطاعت حاصل جمع اور خلاصہ اطاعت ہے۔ توریت، زبور اور انجیل کے احکامات اللہ تعالیٰ کے ہی احکامات تھے مگر اب ان پر عمل نہیں ہو سکتا۔ ان سب احکامات کا مرکز ایک ہی ہے۔ حدیث جبریل علیہ السلام جو گفتگو ایمان، اسلام اور احسان وغیرہ کے متعلق ہوئی، تو وہ احکامات انہوں نے براہ راست صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو نہ پہنچائے بلکہ حضور ﷺ کی معرفت پہنچائے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ جو احکام حضور ﷺ کے ذریعے پہنچیں گے صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر فقط وہی احکام ماننا لازم ہوں گے۔

سُنّت کی اِتّباع کے بعد کسی غیر شرعی مشقتوں کی حاجت نہیں رہتی

قرآن اور سُنّت ان اصولوں پر مبنی ہیں جو ہر اعتبار سے کامل، بے ضرر اور کمی یا کجی کے احتمال سے مبرّا اور محفوظ ہیں۔ غیر اسلامی چلے، نفس کشی اور غیر فطری تقاضے اور مشقتیں اسلامی عبادتوں کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتے۔ اگر غور سے دیکھا جائے تو اسلامی عبادات اگرچہ کچھ محنت طلب نظر آتی ہیں لیکن غیر اسلامی مشقتوں کے مقابلے میں نہایت سہل اور زود اثر ہیں اسلامی عبادات کا سہل ہونا رسول اللہ ﷺ کے ساتھ حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی مندرجہ ذیل گفتگو سے با آسانی سمجھا جا سکتا ہے جو انہوں نے معاملہ فہمی کی غرض سے رسول اللہ ﷺ سے دریافت فرمائیں۔ آپ کی یہ گفتگو احادیث میں منقول ہے۔

حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ نے حضور ﷺ سے عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ میں اپنے آپ کو خصی کر لوں تا کہ خواہش نکاح سے پیچھا چھوٹے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسا کرنے کی ضرورت نہیں کیونکہ میری امت کا خصی ہونا اس کا روزے رکھنا ہے۔ پھر عرض کیا کہ میرا دل چاہتا ہے کہ راہبوں کی طرح پہاڑوں پر جا کر رہوں۔ فرمایا ایسا ہرگز نہ کرنا میری امت کے لئے حج اور جہاد رہبانیت کا درجہ رکھتے ہیں۔

اِتّباع کے بغیر اسلام متصور نہیں

اطاعت اور اِتّباعِ نبوی ﷺ کے بغیر ایمان ہی حاصل نہیں ہو سکتا۔ اس کی دلیل وہ غیر مسلم ہیں جنہوں نے محض زبان سے آپ ﷺ کے رسول ہونے کی تصدیق تو کر دی مگر چونکہ دل سے تصدیق نہیں تھی

---

[1] مشکوٰۃ شریف، حدیث ۷۲۴، جلد ۱، صفحہ ۲۲۵۔

اس لئے اِتباع بھی نہ کر سکے۔ جیسے شاہ روم ہرقل نے کھلی محفل میں آپ ﷺ کی تصدیق کر لی تھی۔ اسی طرح دو یہودی علماء حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور امتحاناً کچھ سوالات کئے۔ درست جواب پا کر بولے کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ ﷺ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں۔ آنحضرت ﷺ نے فرمایا اچھا بولو اب میری اتباع سے تمہیں کیا چیز مانع ہے؟ انہوں نے فوراً یہ بہانہ کر دیا کہ ہمیں یہ ڈر ہے کہ یہود کہیں ہمیں مار نہ ڈالیں چنانچہ اس واقعہ سے یہی معلوم ہوا کہ صرف نبوت کا اقرار کر لینے سے اسلام کا حکم نہیں لگایا جا سکتا جب تک کہ آپ ﷺ کی اطاعت کا عہد بھی نہ کیا جائے۔ حافظ ابن قیمؒ فرماتے ہیں جس کا مفہوم یہ ہے کہ ”جو شخص کتب سیرت کا مطالعہ کرے گا اور ان میں بہت سے اہل کتاب اور مشرکین کی تصدیق کے واقعات پڑھے گا تو اس پر یہ بخوبی روشن ہو جائے گا کہ اسلام صرف آپ ﷺ کی رسالت کی تصدیق کا نام نہیں، نہ وہ صرف معرفت ہے اور نہ صرف معرفت واقرار کا نام ہے بلکہ جب تک ان کے علاوہ آپ ﷺ کی ظاہراً و باطناً فرمانبرداری اور آپ ﷺ کی پوری پوری اطاعت و اِتباع کا اقرار و عہد نہ کیا جائے، اس وقت تک کسی کا مسلمان ہونا متصور نہیں ہے۔[1] علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ اتباع رسول ﷺ کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے فرماتے ہیں ۔

بمنزل کوش مانند مہ نو　　دریں نیلی فضا ہر دم فزوں شو
مقام خویش اگر خواہی دریں دیر　　بحق دل بند و راہ مصطفیؐ رو

(ماہ نو کی طرح منزل کی طرف کوشش کرتے رہو، اس دنیا میں ہر دم آگے بڑھتے رہو، اگر اس دنیا میں کوئی مقام چاہتے ہو تو اپنے دل کی خواہش کو چھوڑ کر حضور ﷺ کی راہ پر چلو) (ا۔ح:۶۵)

اِتباع صرف حضور ﷺ کی ہی ہوگی

سورۂ نساء آیت ۵۹ میں اطاعتِ الٰہی اطاعتِ رسول ﷺ اور اولی الامر (حاکموں) کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے لیکن اِتباع کے لئے صرف رسول اللہ ﷺ کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اتباع تو صرف حضور ﷺ کی ہی ہو سکتی ہے۔ اتباع نہ تو خدا کی اور نہ ہی کسی اور بندے کی ہو سکتی ہے کیونکہ آپ کسی کو موت، زندگی، روزی اور عزت وغیرہ نہیں دے سکتے۔ عام لوگوں کی اتباع کے لئے دیکھنا ہوگا کہ وہ اچھے کام کرتا ہے یا برے، جبکہ حضور ﷺ کا کوئی کام برا ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ان کا ہر قول اور فعل اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے سوائے اس کے کہ اگر اللہ تعالیٰ حضور ﷺ کو کسی خاص چیز کے لئے حکم فرما دیں تو اس کام میں آپ ﷺ کی اتباع نہیں کی جائے گی۔ مثلاً چار سے زیادہ شادیاں کرنا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کوئی نماز قضا کریں یا رمل (پہلوانوں کی طرح

---

[1] زاد المعاد، حافظ ابن قیم، متوفی ۷۷۱ھ، جلد ۳، صفحہ ۵۵ موسسۃ الرسالۃ، بیروت۔

چلیں یا کسی کو نماز توڑ دینے یا کسی چیز کی طمع کا حکم دے دیں تو اس کی اتباع کرنا عین دین ہے۔

قرآن نے مِلّت ابراہیم علیہ السلام کی اِتباع کا حکم کیوں دیا

سورۃ النحل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی تعریفیں فرمانے کے بعد فرمایا گیا ہے:

"ثُمَّ اَوْحَیْنَآ اِلَیْکَ اَنِ اتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا" (النحل:۱۲۳)

(پھر ہم نے وحی بھیجی آپ ﷺ کی طرف کہ پیروی کرو ملتِ ابراہیم علیہ السلام کی جو یکسوئی سے حق کی طرف مائل تھا)

لفظ ملت کی تحقیق کرتے ہوئے صاحب تاج العروس لکھتے ہیں:

"صحتِ عقائد، مکارم اخلاق، دعوت وارشاد کا حکیمانہ انداز، دلائل کی پختگی، بیان کی دلنشینی اور منکرین کے جور و جفا کے مقابلے میں حلم اور بردباری کا اظہار کرنا، یہ وہ سنت ابراہیمی ہے جس کی پیروی کا مذکورہ آیت میں حکم دیا گیا ہے، کیونکہ رشد و ہدایت پر کاربند ہونے کے لئے اسوۂ ابراہیمی علیہ السلام پر کاربند ہونا ضروری ہے" عام انسان جب اس آیت کے ترجمے کو پڑھتا ہے تو وہ سوچتا ہے کہ جب حضور ﷺ بالاتفاق فخر موجودات اور افضل المرسلین ٹھہرے تو پھر آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا حکم کیوں دیا جا رہا ہے۔ اس کی تشریح نیچے بیان کی جا رہی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی نظروں میں ایک بہت پسندیدہ نبی کی حیثیت رکھتے ہیں اور قرآن میں بار بار آپ کی رفعتِ شان کو بیان فرمایا گیا ہے۔ مگر رتبے اور درجات کے اعتبار سے حضور ﷺ سے زیادہ بزرگ و برتر رتبہ کسی کو بھی نہیں ملا۔ یہ وہ حقیقت ہے کہ جس کو قرآن اور حدیث نے ثابت کیا ہے اور کسی مسلمان کو اس حقیقت سے قطعاً کوئی اختلاف نہیں۔ اب رہی یہ بات کہ حضور ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ملت کی اتباع کے متعلق کیوں تاکید کی جا رہی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ ملت کی تعریف جو اوپر بیان کی گئی ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے عقائد، اخلاق اور حکیمانہ انداز کے اپنانے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس پر عمل کرنے پر حضور ﷺ کے درجات میں کسی قسم کا کوئی فرق نہیں آتا۔

تفسیر نعیمی میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے متعلق لکھا گیا ہے کہ اگرچہ کفار کی کثیر تعداد آپ علیہ السلام کی مخالفت پر کمربستہ تھی اور آپ علیہ السلام تن تنہا ان سب کے خلاف ڈٹے رہے گویا کہ وہ خود ہی پوری امت (یا ملت) تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اشارتاً یا ظاہراً بیس (۲۰) صفتیں اور شانیں بیان فرمائی ہیں۔ (ان صفات کا یہاں بیان کرنا ممکن نہیں۔ اس کے لئے سورۃ النحل کی تشریح ضیاء القرآن میں صفحہ ۵۸۱ پر ملاحظہ فرمائیں) ان میں سے آپ علیہ السلام کی آخری صفت یہ بیان ہوئی کہ آپ کو حنیف ہونے کا منفرد لقب عطا ہوا اور آپ کی ملت بھی حنیف

ہے اور مسلمان بھی حنیف ہیں۔ حنیف کی دس خصلتیں اور سنتیں ہیں جو اس آیت کے ذریعے امت محمدیہ ﷺ کو بھی ملیں۔ وہ یہ ہیں (۱) داڑھی رکھنا (۲) مونچھوں کو چھوٹا کرنا (۳) لبوں کے بال کاٹنا (۴) بغل کے بال مونڈنا (۵) ختنہ کرنا (۶) زیرِ ناف بال مونڈنا (۷) قربانی کرنا (۸) مسواک کرنا (۹) حجامت کرانا (۱۰) غسل کرنا اور خوشبو لگانا۔ سب سے بڑی فضیلت اور عظمتِ شان حضرت ابراہیم علیہ السلام کو یہ ملی کہ حضور ﷺ کو اسی طریقے کے اپنانے کا حکم دیا گیا ہے اور اس ایک حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نام قیامت تک روشن ہو گیا۔ حج، قربانی اور نمازوں میں درودِ ابراہیمی علیہ السلام کے علاوہ تکبیر و تشریق میں آپ ﷺ کی یاد کو تازہ کیا جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرتؒ نے فرمایا:

ع لولاک والے صاحبی سب تیرے گھر کی ہے

پہلے انبیاء علیہم السلام میں بعض انبیاء علیہم السلام بھی بعض کی پیروی کرتے رہے ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بھی ملت ابراہیمی کی پیروی کی اور داڑھی، ختنہ اور حج میں آپ کی اتباع کی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی فرمایا کہ میں توریت کو منسوخ کرنے نہیں آیا بلکہ پورا کرنے آیا ہوں، اس میں شریعت ابراہیم علیہ السلام کی اتباع کا نہیں بلکہ ملتِ ابراہیم علیہ السلام کا ذکر آیا ہے۔ شریعت اور ملت میں چار طرح کے فرق ہوتے ہیں۔

شریعت پورے قوانین الٰہیہ کا نام ہے جبکہ ملت چند ذاتی عملیات کا نام ہے۔ دوسرا فرق یہ کہ شریعت میں واجبات، فرائض اور نوافل بھی ہوتے ہیں لیکن ملت میں مستحبات اور کسی شخصیت کا ذاتی طریقہ ہوتا ہے۔ تیسرے یہ کہ ملت کا معنی دینِ ابراہیم علیہ السلام بھی کہا گیا ہے اور دین سب کا سب اسلام ہے اور چوتھا فرق یہ ہے کہ ملت ابراہیمی علیہ السلام صرف چند چیزیں ہیں جب کہ شریعت زندگی کے لائحہ عمل کا نام ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء مبعوث فرمائے ہیں جن میں سے ۳۱۳ مستقل شریعت والے رسول علیہ السلام تھے۔ ان میں سے چار صاحب کتاب مرسلین علیہم السلام تھے۔ نبی سے افضل رسول اور ان سے افضل مرسل ہوتے ہیں اور ان میں سے افضل کلیم اللہ ہیں اور ان سے افضل خلیل اللہ کا درجہ ہے مگر سب سے افضل حبیب اللہ کا درجہ ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام کو صفی اللہ فرمایا گیا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی اِجۡتَبٰـہُ یعنی مجتبیٰ کہا گیا ہے۔ احادیث سے ثابت ہے کہ حضور ﷺ کو مجتبیٰ بھی اور مصطفیٰ ﷺ بھی فرمایا گیا ہے۔

معلوم ہوا کہ ملتِ ابراہیم علیہ السلام چند چیزوں کا نام ہے جو شریعت محمدیہ ﷺ کا ایک جزو بھی ہیں۔

حضور ﷺ وحی کے متبع ہیں مطیع نہیں اور ہم آپ ﷺ کے متبع بھی اور مطیع بھی ہیں

سورۃ الانعام میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ:

"اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ"

(پیروی کیجئے اس کی جو وحی کی جاتی ہے آپ ﷺ کی طرف آپ کے رب کی جانب سے) (الانعام:۱۰۶)

اِتّباع ۔ کے معنی پیچھے چلنے کے ہیں اور اس کا مفعول اگر انسان ہو تو اس کے معنی اس کے نقش قدم پر چلنے یا اس کی نقل کرنے کے ہوتے ہیں۔ اگر انسان کے علاوہ اِتباع کا مفعول کوئی اور چیز ہو تو معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس کے بتائے، دکھائے ہوئے راستے پر چلنا، جیسے وَلَا تَتَّبِعِ الْھَوٰیٰ (نفس کی دکھائی ہوئی راہ پر نہ چلو) تفسیر نعیمی میں ہے کہ اطاعت کے معنی ہیں کسی کا حکم ماننا یا فرمانبرداری کرنا۔ رسول اللہ ﷺ وحی الٰہی کے متبع تھے (اتباع کرنے والے) مگر اس کے مطیع نہیں جبکہ ساری امت حضور ﷺ کی متبع بھی ہے اور مطیع بھی۔ یہی وجہ ہے کہ مذکورہ بالا آیت نمبر ۱۰۶ میں اتباعِ وحی کا حکم دیا گیا ہے، اطاعتِ وحی کا حکم نہیں دیا گیا۔

مذکورہ آیت میں اتباع کے معنی ہیں کہ یوں ہی اتباع کیے جاؤ یا اتباع پر قائم رہو کیونکہ آپ ﷺ اس آیت سے پہلے بھی اتباع کر رہے تھے (بچپن میں دایہ کا ایک پستان شریف چوسنا، بچوں کے ساتھ نہ کھیلنا، چھ سال کی عمر میں بتوں کے نام پر ذبیحہ کا گوشت نہ کھانا وغیرہ یہ سب وحی الٰہی پر عمل تھا) مَآ اُوْحِیَ سے مراد صرف قرآن مجید نہیں بلکہ وہ تمام قسم کی وحی مراد ہے، خواہ قرآن ہو یا الہام والقاء یا خواب کی نوعیت سے ہو۔ بہت سے احکام جو قرآن میں نازل ہونے سے پہلے ہی آپ ﷺ نے جاری کر دیئے تھے، مثلاً وضو اور غسل (جن کا ذکر الگ کر دیا گیا ہے) سب اتباع میں شامل ہیں۔

حکمت سے مراد سنتِ نبوی کی اتّباع ہے

سورۃ البقرہ کی آیت ۱۲۹ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وہ دعا موجود ہے جس میں انہوں نے امتِ مسلمہ کے لئے ایک برگزیدہ رسول ﷺ کے بھیجنے کی استدعا کی ہے تا کہ وہ لوگوں کو آیات الٰہیہ سکھائے اور حکمت کی تعلیم بھی دے۔ زیر نظر کتاب میں ہی حکمت پر ایک الگ بیان شامل کر دیا گیا ہے۔ حکمت کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ رسول ﷺ اپنے تصرف روحانی سے دلوں کے آئینوں کو جلا بخشیں اور اس طرح حقائق و معارف ان میں جلوہ نما ہو سکیں۔ [1]

ضیاء القرآن میں ہے کہ حکمت سے مراد "وَضْعُ الْاَشْیَآءِ عَلٰی مَوَاضِعِھَا" یعنی ہر چیز کو اپنے محل اور موقع پر رکھنا۔ اس آیت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آیات کی اس طرح تفصیل بیان کی جائے جس سے قرآن کے نازل کرنے والے خدا کا منشاء ظاہر ہو جائے اور اس پر عمل کر کے دکھائے۔ اسی حکمت یعنی بیانِ

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن، جلد۱، صفحہ۹۴۔

قرآنی کو سنتِ نبوی ﷺ کہا جاتا ہے۔ دیگر آیات سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ حکمتِ قرآن کا بیان، نبی ﷺ کا ذاتی اجتہاد نہیں ہوتا کیونکہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ حکمت بھی نازل کی جاتی ہے۔

"وَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَلَیْکَ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ"

(اللہ تعالیٰ نے (اے نبی) آپ ﷺ پر کتاب اور حکمت نازل فرمائی) (النساء:۱۱۳)

مذکورہ آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح قرآن کی اطاعت فرض ہے اسی طرح صاحبِ قرآن کی سنت پر عمل کرنا بھی ضروری ہے۔ وہ لوگ اپنی اصلاح کرلیں جو یہ کہتے ہیں کہ سنت آپ ﷺ کی ذاتی رائے ہے۔ ملّت سے مراد بھی دین اور شریعت ہے، کیونکہ ملّتِ ابراہیم علیہ السلام (جس کا سورۃ النحل آیت ۱۲۲ میں ذکر ہے) دینِ فطرت ہے۔ ۱؎ تفسیر نعیمی میں لکھا ہے کہ حکمت کا لفظ ۲۹ معنی پر بولا جاتا ہے جن میں سے نبوت، ناسخ اور منسوخ کا علم، محکم اور متشابہات کا علم، علم فقہ، (قرآن وسنت وغیرہ) تدبر قرآن، اچھے اعمال، علمِ نافع، علم باعمل، اللہ تعالیٰ کی معرفت، قلبی نور جس سے الہام اور وسوسے کا فرق معلوم ہوجائے، الہام، قرآنی اسرار، توفیقِ خیر، خوفِ الٰہی وغیرہ چند ہیں۔ ۲؎

مقاتلؒ فرماتے ہیں کہ قرآن میں، حکمت چار معنوں میں آیا ہے۔ (۱) قرآنی نصیحت (۲) فہم اور علم (۳) نبوت (۴) اسرارِ قرآن۔ دنیا کو قرآن نے مَتَاعٌ قَلِیْلٌ کہا ہے اور حکمت کو خَیْرٌ کَثِیْرٌ فرمایا ہے۔

اللہ سے محبت کرنے والے وہی ہیں جو رسول اللہ ﷺ کی اِتباع کرتے ہیں

سورۃ البقرہ کی آیت ۳۱ میں فرمایا گیا ہے کہ اے محبوب ﷺ آپ ﷺ فرمادیں کہ اے لوگو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی یا اتباع کرو، اس طرح اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا محبوب بنالے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔ ظاہر ہوا کہ جس دل میں رسول اللہ ﷺ کی محبت اور اتباع کا جذبہ ہو تو اس دل میں دوسروں (کفار اور اہلِ دنیا) سے محبت کب ہوسکتی ہے۔

زیرِ غور آیت میں ان لوگوں کو جو بتوں کی اس نیت سے عبادت کرتے تھے کہ یہ بت ان کو خدا کے قریب کردیں گے اس بات کا سبق دیا جارہا ہے کہ خدا کا قرب یا محبت صرف ان لوگوں کو مل سکتی ہے جو حضور ﷺ کی اتباع کرتے ہیں۔ اسی طرح ان لوگوں کے اس بیان کی بھی نفی کی جارہی ہے جو یہ سمجھتے تھے کہ وہ اللہ کے پیارے ہیں، چنانچہ ان کے لئے رسول اللہ ﷺ کے آنے کی کیا ضرورت ہے۔

اطاعت یا تو محبت سے ہوتی ہے یا خوف وڈر سے یا لالچ کی وجہ سے۔ جو اتباع محبت سے ہو وہ

۱؎ تفسیر ضیاء القرآن، جلد۱، صفحہ۹۵۔

۲؎ تفسیر نعیمی، جلد۱، صفحہ۷۰۶۔

مطلبی نہیں اور اس میں زوال بھی رو پذیر نہیں ہوتا۔ اسی طرح محبت بھی تین قسم کی ہوتی ہے۔ ایک محبت مع عظمت جیسے استاد کی محبت، دوسری محبت مع برابری جیسے بھائی کی محبت اور تیسری محبت مع حقارت جیسے چھوٹوں سے محبت۔ بخاری شریف کی حدیث میں اس بات کا ذکر آیا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کو اس کی اولاد ماں باپ بلکہ اس کی اپنی جان سے پیارا نہ ہو جاؤں۔ بروایتِ عبداللہ بن ہشام، اس بات کا ذکر تفسیر روح البیان میں آیا ہے کہ حضرت عمر ؓ نے فرمایا کہ مجھے اپنی جان کے سوا باقی تمام چیزوں سے بڑھ کر آپ ﷺ سے پیار ہے۔ جب حضور ﷺ نے حضرت عمر ؓ کے سینے پر ہاتھ پھیرا تو آپ ؓ نے فرمایا کہ اب مجھے آپ ﷺ سب سے زیادہ عزیز ہیں۔ اگر کسی کو ایسی محبت نہ ہو تو وہ شیطان کی طرح آپ سے دور ہے۔

مذکورہ آیت میں "اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ" (یعنی اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو) (آل عمران:۳۱) میں حب کے معنی پسند کرنے کے ہیں اور اس سے مراد نفس کا کسی اعلیٰ شے کی طرف مائل ہونا ہے۔ اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ اگر تم خدا کو چاہنے والے، اس کے طالب بننا یا اس کو اپنا محبوب بنانا چاہتے ہو تو حضور ﷺ کے غلام بن کر ان کے پیچھے پیچھے آؤ (اتباع کرو) جس اتباع میں کاملیت ہو یا جس میں فنا کا ظہور ہو وہی صحیح اتباع کہلاتی ہے۔ آیت مذکورہ کے بعد فرمایا گیا ہے "اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ" (اطاعت کرو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی) اس آیت پر اللہ کی اطاعت کے ساتھ رسول ﷺ کی اطاعت کو بھی شامل کیا گیا ہے۔ چنانچہ خلاف قرآن کفار نے کہا کہ محمد ﷺ خود کو خدا بنانا چاہتے ہیں۔ عبداللہ ابن ابی سلول (منافق) نے کہا کہ حضور ﷺ نے اپنی اطاعت کو رب کی اطاعت کی طرح بنا دیا اور حقیقت یہ ہے کہ اطاعت میں شرکت کا حکم خود اللہ تعالیٰ نے دیا ہے۔ یاد رہے کہ رب کی اطاعت احکام میں ہو گی نہ کہ افعال میں اور حضور ﷺ کی اطاعت ساری چیزوں میں ہو گی۔ اطاعت کا درجہ اتباع کے بعد ہے چنانچہ مذکورہ آیات میں اتباع کا حکم پہلے دیا گیا اور اطاعت کا بعد میں ذکر ہوا۔

مذکورہ بیان سے ثابت ہوا کہ جو لوگ بغیر وسیلہ کے اللہ کی محبت کا دم بھرتے ہیں اور حضور ﷺ سے بے نیاز ہو کر یا کسی اور طریقے سے اطاعت الٰہی کرنا چاہتے ہیں تو ان سب کے لئے حکم سنایا گیا ہے کہ وہ حضور ﷺ کی پیروی کریں۔ ایسا کرنے سے ہی تم محبوب خدا بن جاؤ گے پھر جو تم چاہو گے، خدا وہی کرے گا۔

اقتدا اور اِتّباع میں فرق

اقتداء کے معنی ہیں پیروی کرنا مگر اطاعت والی پیروی کو اِتّباع کہتے ہیں۔ اقتداء کے معنی ہیں پہلے انسان کے چلے ہوئے نمونہ پر چلنا۔ کسی کی سی صفات اور کسی کے سے اخلاق اپنے لئے حاصل کرنا تا کہ یہ دوسرا شخص پہلے شخص کا نمونہ بن جائے۔ جب اللہ تعالیٰ نے فرمایا "فَبِهُدَاهُمُ اقْتَدِهْ" (پس ہدایت ان (نبیوں) کی سی اختیار کرو) (الانعام: ۹۰) اس سے یہ مراد ہے کہ پہلے نبیوں کی صفات و کمالات (مثلاً اخلاق، صبر، شکر، ذکر و فکر وغیرہ) اختیار کرو۔ ان نبیوں کی کتاب پر عمل کرنے کا حکم تو اب منسوخ ہو چکا ہے لہٰذا ان کی ہدایت اب ہدایت نہیں رہی دیگر معاملات میں اتباع اب حضور ﷺ کی ہی کی جائے گی۔

عملِ نبی اور سُنّتِ نبی میں فرق

انبیاء کے کام سُنّتِ انبیاء علیہم السلام کہلاتے ہیں اور حضور ﷺ کے کاموں کو سنتِ رسول ﷺ کہتے ہیں۔ مگر کب؟ جب یہ کام ہمارے عمل کے لائق ہوں اور محض ان حضرات کی خصوصیات سے نہ ہوں۔ ایسے ہی ان انبیاء علیہم السلام کی دعاؤں کو دعائے ماثورہ کہتے ہیں اور ہمارے لئے دعائے ماثورہ تب بنیں گی جبکہ وہ دعائیں ہماری حیثیت کے لائق ہوں۔ لہٰذا ان انبیاء علیہم السلام حضرات کے مخصوص اعمال ہمارے لئے مسنون نہیں اور نہ ان کی مخصوص دعائیں ہمارے لئے ماثورہ ہیں۔ لہٰذا نہ تو ہم اپنے فرزند کو ذبح کر سکتے ہیں اور نہ اپنی بیوی بچوں کو بے آب و گیاہ جنگل میں ڈال سکتے ہیں اور نہ اپنے آپ کو آگ میں پھینک سکتے ہیں۔ یہ اعمال حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اعمال تو ہیں مگر آپ کی سنت نہیں۔ اسی طرح نہ اللہ کے دیدار کی دعا کر سکتے ہیں اور نہ مردہ کو زندہ کرنے کی دعا کر سکتے ہیں اور نہ ہی دستر خوان اتارنے کی دعا کر سکتے ہیں۔ یہ فرق ہے جو عملِ نبی اور سنتِ نبی میں ظاہر ہوتا ہے۔

اِتّباع کا لغوی اور شرعی معنی

اِتّباع کا لغوی اور شرعی اصطلاحی معنی یہ بھی ہے کہ کسی کو بے عیب اور پاک دامن سمجھ کر اس کے نقش قدم پر چلنا، نقل یا پیروی کرنا۔ اگرچہ پچھلی امتوں والے کلمہ پڑھتے تھے تو ہم کلمہ پڑھنے میں ان کے انبیاء کی اتباع نہیں کرتے بلکہ ہم تو اپنے آقا و مولا محمد مصطفیٰ ﷺ کی پیروی کرتے ہیں اور کلمہ پاک میں حضور ﷺ کا نام مبارک شامل ہے۔ انبیاء کرام شرعی غلطی یا گناہ کے مرتکب نہیں ہو سکتے کیونکہ وہ معصوم ہیں۔ یہ لوگ گناہ پر قادر ہی نہیں ہوتے۔

تفسیر نعیمی میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول "هَلْ اَتَّبِعُكَ" (یعنی کیا میں تمہارے پیچھے چل سکتا

ہوں (الکہف:۶۶) جو انہوں نے خضر علیہ السلام کو کہا اس کے معنی میں یہ لکھا ہے کہ کیا میں تمہاری اتباع کر سکتا ہوں اور اتباع کی تعریف یہ ہے کہ کسی شخص کو بالکل صحیح اور غلطیوں سے پاک سمجھ کر اس کے نقش قدم پر اور اس کے پیچھے ایسا چلنا اور ایسا سچا ماننا کہ اس میں اپنی عقل کو بالکل دخل نہ دے۔ مولانائے روم فرماتے ہیں۔

چوں گرفتی پیر ہاں تسلیم شو　　ہمچو موسیٰؑ زیر حکم خضرؑ رو

(جب تم کوئی پیر پکڑو تو اسے تسلیم کرو اور موسیٰ علیہ السلام کی طرح حضرت خضر علیہ السلام کے حکم کے تابع چلو)

ایسی پاک دامنی صرف انبیاء کرام علیہم السلام کی ہوتی ہے۔ شریعت تو ایک ظاہری علم ہے اس کے لئے لوگوں کو علم قرآن و حدیث اور فقہ و اصول فقہ کا علم دینا چاہئے، لیکن روحانی علم میں یہ بات ممنوع ہے۔ اس میں تو مرید کے لئے خود ہی مرشد کی تلاش کرنا واجب ہے۔ پیر کو خود کہنا نہیں چاہئے کہ میرا مرید بن جاؤ کیونکہ روحانی معاملات میں اس قدر بندشیں ہوتی ہیں کہ جب تک مرید کو عشق صادق نہ ہو، وہ ان پابندیوں کو نبھا ہی نہیں سکتا۔ جس سے کچھ سیکھنا ہو تو اس کا ادب واحترام لازم ہے۔

محبت رسول ﷺ کے بغیر کوئی عمل مقبول نہیں

محبت تین قسم کی ہوتی ہے۔ طبعی، عقلی اور احسانی۔ اپنی اولاد اور اپنی جان سے محبت طبعی ہوتی ہے۔ عقلی محبت یہ ہے کہ عقل تقاضا کرے کے حضور ﷺ سے محبت ہونی چاہئے۔ احسانی محبت یہ ہے کہ والدین نے چونکہ اولاد پر اس کی پرورش کرنے میں احسان کیا ہے اس لئے قرآن نے والدین سے احسان کرنے کا حکم دیا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی محبت سب سے بڑھ کر ہونی چاہئے، کیونکہ اپنی جان اور اولاد سے طبعی محبت ہوتی ہے۔

حضور ﷺ کی حیثیت ایسی ہے جیسے محبوبیت کا مرکز ہوتا ہے اور دائرے کے ہر نقطے کو مرکز کا فیض پہنچتا ہے۔ حضور ﷺ کی اتباع سے مناسبت باطنی، قلبی یا روحی اور سری مناسبتیں پیدا ہوتی ہیں، اس لئے تابعداری کرنے والے کو ان کی محبوبیت کا کچھ حصہ مل جاتا ہے اور محبوبیت کے انوار بھی اس کو ملتے رہتے ہیں۔ جتنی مناسبت زیادہ اتنی ہی نورانیت غالب ہوگی اور جتنی نورانیت غالب ہوگی، اتنی ہی محبوبیت ظاہر ہوگی جس کا آیت میں ذکر ہے (یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ) (سورۂ آل عمران:۳۱)

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

”جو کسی مرد کو دیکھے کہ وہ ہوا میں اڑتا، پانی پر چلتا اور آگ نگلتا ہے اور وہ حضور ﷺ کی کسی ایک سنت کا تارک ہو تو اسے جوتے مارو، وہ شیطان ہے اور جو اس سے ظاہر یا صادر ہو وہ مکر اور استدراج ہے“۔

اولیائے کرام کا قول ہے کہ اطاعت و اتباع پر استقامت کرنا ہی کرامت سے بڑی بات ہے (اَلاِسْتِقَامَۃُ فَوْقَ الْکَرَامَۃِ یعنی استقامت کو اختیار کرنا کرامت سے بلند درجہ رکھتا ہے)۔

متابعت سنت کے سات درجات

رسول اللہ ﷺ کی متابعت کے (جو کہ دین اور دنیاوی سعادتوں کا سرمایہ ہے) کئی ایک مراتب اور درجات ہیں جن میں سے سات حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں بیان فرمائے ہیں۔

درجہ اول: یہ عوام اہل اسلام کا درجہ ہے جس میں سالک کی اِتباع سنت، صرف صورت شریعت سے ہوتی ہے۔ اس میں متابعتِ سنت سے مسلمان اس طرح وابستہ ہوتا ہے کہ دل سے شریعت کی تصدیق کرتا ہے، مگر اطمینانِ نفس میسر نہیں ہوتا۔ یہ درجہ ولایت کے ساتھ تعلق رکھتا ہے اور علماء حق اور عابد اور زاہد اس میں شریک ہیں۔ اس میں افکار نفس، آزاد نہیں۔ یہ حقیقی متابعت کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔ اس درجے والے کو جہنم کے عذاب سے نجات ہے اور جنت کی بشارت ہے۔

درجہ دوم: اس میں حضور ﷺ کے اقوال اور اعمال کی اتباع ہے۔ یہ درجہ باطنی ہے اور باطن کی اصلاح کے لئے برے اخلاق کو دور کرتا ہے۔ گویا یہ طریقہ طریقت والوں کا ہے جو صوفیاء کے طریقے اپنے شیخ سے اخذ کریں (نفس ابھی راہ کی رکاوٹ ہے مگر کم کیونکہ عبادت کا رنگ ابھی حقیقت عبادت نہیں)۔

درجہ سوم: یہ ولایت خاصہ والوں کا درجہ ہے، خواہ مجذوب سالک ہو یا سالک مجذوب، اس میں سالک کا درجہ ولایت کی انتہاء کو پہنچ جاتا ہے اور نفس مطمئن ہو جاتا ہے، سرکشی اور نافرمانی سے باز آ جاتا ہے۔ اس میں متابعتِ شریعت حقیقی درجے کی شکل میں ہوگی، یعنی نماز، حقیقت نماز ہوگی۔ اس طرح روزہ، حج اور دیگر احکام کی اتباع حقیقی ہوگی۔ حقیقی کی پہچان یہ ہے کہ شریعت کی اتباع برضا اور رغبت ہوتی ہے۔

درجہ چہارم: یہ درجہ علماء راسخین کا ہے۔ اتباع میں تصدیق قلب کے علاوہ نفس کو کمال درجہ کا اطمینان ہوگا اور یہ کمال نبوت سے بطریق وراثت علمائے راسخین کو حاصل ہوتا ہے۔ عالم راسخ وہ ہے جو کتاب وسنت کے متشابہات کی تاویل کے دقیق اشارات کو جانتا ہو اور حروف مقطعات کے معنی اس پر کھل جاتے ہیں۔ متابعت اور اطمینان نفس کا کبھی تو بغیر فنا و بقا، سلوک وجذبہ کی تجلیات سے) یہ دولت جلد اور آسانی سے مل جاتی ہے، بہ نسبت دوسرے طریقہ سے جن میں سنت کی اتباع کا احترام نہیں ہے اور اس میں بدعت حسنہ سے بھی بدعت سَیِّئَۃ کی طرح پرہیز آنا ضروری ہے، ورنہ اس کی خوشبو بھی اس کے روح دل و دماغ میں نہ پہنچے گی۔

درجہ پنجم: یہ محض اللہ کے فضل واحسان سے ملتا ہے اس میں نبی اکرم ﷺ کے کمالات کی اتباع ہے جس میں علم اور عمل کا کوئی دخل نہیں۔ یہ مقام اولوالعزم انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے اور ان کے طفیلی بنا کر (وراثت کے طور پر) جسے چاہے دے دیں۔

درجہ ششم: اس میں نبی اکرم ﷺ کے ان کمالات کی اتباع ہے جو ان کے مقام محبوبیت کے ساتھ مخصوص ہے۔ یہ درجہ ان کی انتہائی محبت سے ملتا ہے اور بہت ہی کم لوگوں کو ملتا ہے اور یہ اس کے فضل و احسان سے بھی بلند ہے۔

درجہ ہفتم: پہلے تمام درجوں کا جامع ہے اور ھبوط ونزول پر منحصر ہے۔ اس مقام میں نزول، تصدیق قلب، اطمینان نفس، جسم کے اربعہ عناصر کا اعتدال، سرکشی سے اور نافرمانی سے باز رہنا ہے گویا پہلے تمام درجے اس درجے کے جزو ہیں۔ اس میں تابع اپنے متبوع سے اس طرح مشابہت کر لیتا ہے گویا تمام حجابات درمیان سے اٹھ جاتے ہیں اور تابع اور متبوع میں امتیاز نہیں رہتا۔ ایسے محسوس ہوتا ہے جیسے تابع اپنے متبوع سے جو کچھ حاصل کرتا ہے، وہ اصل سے براہ راست حاصل کرتا ہے یا دونوں ایک ہی پہلو کی آغوش میں ہیں یا دونوں ایک ہی بستر پر ہیں اور دونوں شیر وشکر کی طرح ملے ہوئے ہیں اور متابعت کامل ہوتی ہے۔ اسی مقام کو شاعر نے اس طرح بیان کیا ہے:

من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تا کس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

(میں تو ہو جاؤں اور تو میں ہو جائے، میں جسم ہو جاؤں اور تو جان ہو جائے تا کہ اس کے بعد کوئی یہ نہ کہے کہ میں اور ہوں اور تو اور ہے)

کامل متبع وہی شخص ہے جو ان سات درجات میں پوری طرح متابعت میں آراستہ ہے۔

چودھواں باب

اطاعتِ رسول ﷺ

اطاعت کا لفظ اَلطَّوْعُ سے بنا ہے جس کے معنی فرمانبردار ہو جانے کے ہیں۔ اس کے بالمقابل لفظ کُرْہٌ ہے جس کا مطلب کسی کام کو ناگواری اور دل کی کراہت سے انجام دینا ہے۔ اَلطَّاعَۃُ یا عام طور پر طَاعَۃٌ کا لفظ کسی حکم کے بجالانے کے لئے استعمال ہوتا ہے جیسے قرآن میں ہے "مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ" (جو شخص رسول کی فرمانبرداری کرے گا بے شک اس نے خدا کی فرمانبرداری کی)۔ (النساء: ۸۰)

مفردات میں اَلْاِسْتِطَاعَۃُ (استطاعت) کے معنی کسی کام کو سرانجام دینے کے لئے جن اسباب کی ضرورت ہوتی ہے ان سب کا موجود ہونا ہے۔ (اس کے لئے ایک فاعل، فعل، مادہ جو فعل کے اثر کو قبول کرے اور آلہ فعل کا ہونا ضروری ہے)۔ استطاعت کے لئے قدرت کی ضرورت ہوتی ہے۔[1]

تحویلِ قبلہ کی بابت قرآن نے یہ حکمت بیان فرمائی ہے کہ اس سے معلوم ہو جائے کہ کون نبی ﷺ کی بے چون و چرا اطاعت کرتے ہیں اور ایسے لوگ ان لوگوں سے ممتاز اور الگ ہو جائیں جو بات بات پر اعتراض کرتے ہیں۔ قرآن کی لاتعداد آیات کا یہ صاف مطلب ظاہر ہوتا ہے کہ حضور ﷺ کی سنت کی اتباع کرنے والوں کو جنت میں داخل کرنے کا وعدہ دیا گیا ہے۔ اس حقیقت کی بھی وضاحت الگ سے کی جارہی ہے کہ رسول علیہ السلام اس لئے بھیجے جاتے ہیں کہ ان کی اطاعت کی جائے اور جو لوگ ان کے فیصلوں کو نہ مانیں، وہ ہرگز ہرگز مسلمان نہیں ہو سکتے۔ سورۃ النساء کی آیت ۶۹ میں اس بات کی خوشخبری دی گئی ہے کہ حضور ﷺ سے محبت کرنے والے اور اطاعت کرنے والے آخرت میں حضور ﷺ کی معیت میں ہوں گے۔

قرآن مجید نے اطاعت کا مفہوم یہ ظاہر کیا ہے کہ جو کچھ تمہیں رسول اللہ ﷺ عطا کریں وہ لے لو

---

[1] المفردات فی غریب القرآن، ابوالقاسم الحسین بن محمد، متوفی ۵۰۲ھ، جلد ۱، صفحہ ۳۱۰، دارالمعرفہ، بیروت۔

اور جس سے منع کریں اس سے باز رہو۔ مَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ (الحشر: ۷) رزقِ حلال اور صدقِ مقال کے بغیر کوئی عمل کرنا تو ممکن ہو سکتا ہے لیکن ایسا عمل صالح نہیں ہوگا۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی محبت اور اطاعت کے سوا کسی کی محبت اور اطاعت رب تک نہیں پہنچا سکتی۔ حدیث میں ہے کہ اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو انہیں بھی حضور ﷺ کی اطاعت کے بغیر چارہ نہ تھا۔[۱] جو پیر یہ وعدہ کرے کہ میں خدا تک پہنچا سکتا ہوں، تو وہ غلط کہتا ہے کیونکہ پیر رہنما ہے، لے جانا تو حضور ﷺ کا کام ہے۔ تفسیر نعیمی میں ہے کہ تانگہ والا تو صرف اسٹیشن یا ہوائی اڈے تک پہنچا سکتا ہے، لندن پہنچنے کے لئے جہاز کا وسیلہ لینا ہوتا ہے۔ تانگے والے کے بس کی بات نہیں ہے۔

لِسَانُ الْعَرَبْ میں اطاعت کے معنی کسی کے سامنے سرِ تسلیم خم کر دینا اور اس کا حکم ماننا ہے۔

"اَلْاَحْكَامُ فِيْ اُصُوْلِ الْاَحْكَامِ" میں امام ابوالحسن الآمدی حسب ذیل معنی فرماتے ہیں:

"وَمَنْ اَتٰى بِمِثْلِ فِعْلِ الْغَيْرِ عَلٰى قَصْدِ اِعْظَامِهٖ فَهُوَ مُطِيْعٌ لَّهٗ"

(یعنی جب کوئی شخص کسی دوسرے کی عزت و احترام کے باعث بعینہٖ اس کے فعل کی طرح کوئی فعل کرے تو کہتے ہیں کہ یہ شخص فلاں کا مطیع ہے)[۲]

چنانچہ جب کوئی کام کسی کے حکم کی تعمیل کے لئے کیا جائے یا کسی کی عزت و احترام کے لئے بعینہٖ اس جیسا کام کیا جائے تو اسے اطاعت کہتے ہیں۔ آئمہ کا خیال ہے کہ ہر سنت پر عمل لازم ہے لہٰذا ہر قوم پر اس کے نبی یا رسول کی اطاعت فرض ہے۔ جو سُنّت کی اطاعت کرے گا وہ فرائض میں یقیناً احکام الٰہی کی متابعت کرے گا۔ فقیہ سمرقندی نے کہا ہے کہ فرائض کی بجا آوری اور اطاعتِ رسول ﷺ یہ ہے کہ سُنّتِ نبوی ﷺ پر عمل کرے۔ حضرت سہیل بن عبداللہ نے فرمایا کہ اس کا فیصلہ تو "مَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ" (الحشر: ۷) میں ہو چکا ہے۔

حدیث نبوی ﷺ میں اطاعت کی وضاحت

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس نے میری اطاعت کی، اس نے خدا کی اطاعت کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے خدا کی نافرمانی کی۔ یہ حکم آپ ﷺ کے نائب کے متعلق بھی ہے کہ جس نے میرے نائب کی اطاعت کی، اس نے میری اطاعت کی اور جس نے اس کی نافرمانی کی تو اس نے میری نافرمانی کی۔[۳] آپ ﷺ نے فرمایا کہ جس کام سے میں

---

[۱] صحیح ابن حبان، حدیث ۳۳۰۸، جلد ۸، صفحہ ۱۰۱۔

[۲] الاحکام آمدی جلد ۱، صفحہ ۲۳۲۔

[۳] صحیح بخاری، حدیث ۲۷۹۷، جلد ۳، صفحہ ۱۰۸۰۔

احتراز (رکنے) کا حکم دوں تو اس سے باز رہا کرو اور جس کام کے کرنے کا حکم دوں تو حتی الامکان اس کو کرنے کی کوشش کرو۔[1] ایک حدیث میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ "جو شخص قرآن کو محبوب نہیں رکھتا، قرآن بھی اس سے سخت اور گراں ہو جاتا ہے"۔ جس شخص نے آپ ﷺ کی حدیث پر عمل کیا تو قیامت کے روز وہ قرآن کے سائے میں ہوگا اور جس نے اس سے روگردانی کی تو وہ دنیا اور آخرت میں رسوا ہوگا۔[2]

اطاعت و اتباع نبوی ﷺ بغیر ایمان کے ممکن نہیں۔ منافق لوگ بھی تو زبان سے کلمہ پڑھتے ہیں لیکن نہ دل سے اقرار کرتے ہیں اور نہ ہی اتباع کرتے ہیں۔ ایک حدیث شریف میں ہے کہ عشاء اور فجر کی نماز منافقین پر بہت بھاری ہے۔ کچھ لوگوں نے حضور ﷺ کی رسالت کو تسلیم کر لیا لیکن وہ اتباع کے زیور سے محروم رہے کیونکہ وہ اپنی برادری کے یہودیوں سے ڈرتے تھے، چنانچہ جب تک حضور ﷺ کی ظاہری اور باطنی فرمانبرداری اور آپ ﷺ کی پوری پوری اطاعت کا عہد نہ کرے اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہو سکتا۔ جیسا کہ سورۃ النساء آیت ۶۴ میں فرمایا کہ ہم نے جو رسول بھی بھیجا ہے، اس لئے بھیجا ہے کہ اللہ کے حکم کے مطابق اس کی اطاعت کی جائے "وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا لِيُطَاعَ بِاِذْنِ اللّٰهِ" (النساء:۶۴)

اطاعتِ رسول ﷺ کی علامتی وضاحت

خدا اور رسول ﷺ کی اطاعت کا تو ہر شخص دعویٰ کرتا ہے مگر اس کی اطاعت کی تصدیق میں درج ذیل خصوصیات کا پایا جانا ضروری ہے۔

۱۔ اپنے ہر معاملے کو حضور ﷺ کے سپرد کر دینا اور آپ ﷺ کے ہر فیصلے کو دل سے تسلیم کر لینا، یہاں تک کہ دل میں کوئی کجی نہ رہے۔ "حَتّٰی يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ" (النساء، ۶۵)

۲۔ آپ ﷺ کا ہر فیصلہ ماننا اور آپ کے فیصلے کی کہیں اپیل نہ کرنا۔

۳۔ آپ ﷺ کی اطاعت میں ہدایت کو منحصر سمجھنا۔

۴۔ آپ ﷺ کی اطاعت میں خدا کی محبت اور مغفرت کو یقینی جاننا۔

۵۔ آپ ﷺ کی اطاعت میں کوئی حجت یا دلیل کا محتاج نہ ہونا۔

ہر چیز کی محبت کی علامت ضرور ہوتی ہے

ہر چیز کی محبت کی کوئی نہ کوئی علامت ہوتی ہے اور وہ علامت نہ پائی جائے تو اس چیز کی محبت کا دعویٰ

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۹۶، جلد ۲، صفحہ ۹۷۵۔

[2] الشفاء شریف، جلد ۲، صفحہ ۱۸۔

غلط اور بے بنیاد ہوتا ہے۔ حضرت سہلؒ نے اس کو یوں بیان فرمایا:

اللہ کی محبت کی علامت قرآن سے محبت کرنا ہے۔

اللہ اور قرآن سے محبت کی علامت یہ ہے کہ وہ رسول اللہ ﷺ سے محبت کرتا ہو۔

رسول اللہ ﷺ کی محبت کی علامت یہ ہے کہ وہ ان کی سنت کی پیروی کرتا ہو۔

سنت سے محبت کی علامت یہ ہے کہ اسے آخرت سے محبت ہو۔

آخرت کی محبت کی علامت یہ ہے کہ وہ دنیا کو (دل سے) ترک کر دے۔

دنیا کے ترک کی علامت یہ ہے کہ دنیا کو آخرت کا وسیلہ سمجھے یا آخرت کی زادِ راہ سمجھے۔

اطاعت رسول ﷺ پر منکرین کے اعتراضات کے جوابات

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ (نعوذ باللہ) رسول اللہ ﷺ کا کام یہ تھا کہ اللہ کا پیغام بندوں تک پہنچا دیں جس طرح ایک پوسٹ مین خط کو پہنچاتا ہے۔ ایسے لوگوں کا خیال یہ بھی ہے کہ "اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" کا مطلب یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھ کر اللہ کی اطاعت کرو یعنی ان سے قرآن سن لو اور پھر اس پر عمل کرو۔ ان کے اس اعتراض کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی اطاعت ہی رسول کی اطاعت ہے حالانکہ "اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" فرمایا گیا ہے بلکہ قرآن تو اس کے برعکس کہتا ہے کہ رسول کی اطاعت ہی اللہ کی اطاعت ہے۔ ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ کیا خدا اور رسول ﷺ کے احکام کافی نہیں جو اہل سنت والجماعت قیاس و اجماع کرتے ہیں۔ ان لوگوں کو علم نہیں کہ قیاس اور اجماع تو قرآن و حدیث کے سمندر سے نکالے ہوئے موتی ہیں۔ قرآن نے نماز کا حکم دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے نماز کا طریقہ سکھایا۔ مجتہد نے نماز کے مسائل (فرائض، واجبات، سنن، نوافل، سجدہ سہو وغیرہ) منکرین حدیث یہ بھی اعتراض کرتے ہیں کہ حضور ﷺ جب بحیثیت رسول حکم دیں تو ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے اور نعوذ باللہ جب بحیثیت انسان یا فقط ایک بشر کے حکم دیں تو ان کی رائے ان کیلئے وہ قابلِ اتباع نہیں۔ ایسے لوگ اس بات کو غلط قسم کی مثالوں سے ثابت کرتے ہیں مگر وہ یہ بھولتے ہیں کہ جہاں حضور ﷺ نے رائے طلب کی ہے وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے رائے دی مگر فیصلہ حضور ﷺ کے ہاتھ میں تھا۔ یہ رائے اس لئے لی جاتی تھی کہ امت کو رائے لینے کا سبق دیا جائے، نہ یہ کہ وہ خود نعوذ باللہ کسی بات سے غافل یا لاعلم تھے۔ یہ بات ہر کوئی جانتا ہے کہ آپ ﷺ کا خواب یا کوئی بات وحی الٰہی ہوتی اور جو کلمات جس جگہ بھی آپ ﷺ کی زبان مبارک سے نکل گئے، وہی قانون الٰہی بن گئے۔ ان لوگوں سے تو

یہ بات بھی بعید نہیں کہ وہ کہہ دیں کہ خدا بھی کبھی خدا ہوتا ہے اور کبھی خدا نہیں ہوتا۔

وہ لوگ اس کی مثال یوں دیتے ہیں کہ تخلیق کائنات سے پہلے خدا کو کوئی خدا نہ کہتا تھا اور وہ خالق رازق وغیرہ کچھ نہ تھا، حالانکہ خدا اس وقت بھی خدا تھا یاد رہے کہ خدا ہر حال میں خدا، خواہ کتنا نزول کر جائے۔ ابن عربیؒ کا قول ہے کہ بندہ ہر حال میں بندہ ہے خواہ کتنا ہی عروج کر جائے۔ منکرین حدیث یہ بھی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنے کئی احکامات واپس لئے تو پھر اطاعت رسول ﷺ کہاں گئی۔ ان لوگوں کو یہ علم نہیں کہ قرآن میں بھی بہت سے احکام فرائض ہیں، کچھ واجب اور مستحب ہیں اور کچھ مباح ہیں۔ مثلاً نماز کا حکم ہے اور یہ فرض ہے۔ جبکہ غلاموں کے متعلق مدت کا تحریر نامہ لکھنا "فَكَاتِبُوْهُمْ اِنْ عَلِمْتُمْ فِيْهِمْ خَيْرًا" (تو لکھ دو اگر ان میں کچھ بھلائی جانو) (النور: ۳۳) بھی حکم ہے مگر یہ حکم مستحب ہے اور اسی طرح قرض کا لین دین کرنے کا لکھنا "اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ" (جب تم کسی قرضے کا لین دین کرو تو اس کو لکھ لو) (البقرہ: ۲۸۲) بھی حکم ہے مگر یہ حکم مستحب ہے۔ احرام کھولنے کے بعد شکار کرنے کا حکم "وَاِذَا حَلَلْتُمْ فَاصْطَادُوْا" (اور جب تم احرام سے نکلو تو شکار کر سکتے ہو۔ مباح ہے) (المائدہ: ۲)۔ جہاں کوئی حکم بطور مشورہ تھا اس کی تعمیل مباح تھی۔ جیسے حضرت بریرہؓ نے حضرت مغیثؓ سے نکاح باوجود منع کرنے کے توڑا کیونکہ آپ ﷺ نے صاف فرما دیا تھا کہ یہ مشورہ ہے۔ حضور ﷺ کے وہ امور جن کا آپ ﷺ کے لئے حکم خاص تھا ان میں ہم اطاعت نہیں کریں گے کیونکہ قرآن نے منع فرمایا ہے کہ یہ کام باقی لوگ نہیں کر سکتے۔ مثلاً نو عدد بیویوں سے شادی کرنا، نیند سے وضو کا نہ ٹوٹنا وغیرہ احکامات آپ ﷺ کے لئے خاص تھے۔

تمام عبادات کا وقت مقرر رہے مگر اطاعتِ رسول ﷺ ہر وقت ضروری ہے

حضور ﷺ کی مخالفت سب کے لئے عذاب کا باعث ہے اس لئے اطاعت کا حکم قرآن میں بار بار فرمایا گیا ہے۔ اسلامی عبادات سب پر فرض نہیں، مثلاً حائضہ پر نماز اور مسافر یا زیادہ بوڑھے پر روزہ فرض نہیں۔ غریب پر زکوٰۃ اور حج فرض نہیں مگر اطاعتِ رسول ﷺ سے کوئی شخص علیحدہ نہیں کیا گیا۔ نیز تمام عبادات کے لئے اوقات مقرر ہیں۔ مثلاً نماز دن میں پانچ، روزہ سال میں ایک ماہ، حج ساری عمر میں ایک بار مگر اطاعت رسول ﷺ ہر وقت واجب اور ضروری ہے۔ اس کی مثال یوں دے سکتے ہیں کہ کھانے پینے اور سونے کے اوقات مقرر ہیں مگر سانس ہر وقت جاری رہتا ہے۔ نیز ساری عبادت مرتے ہی ختم ہو جاتی ہے مگر حضور ﷺ کی غلامی برزخ اور جنت میں بھی رہے گی۔ اعمال کا حساب تو قیامت کو ہو گا مگر حضور ﷺ کی

پہچان کا حساب قبر میں ہی شروع ہو جاتا ہے۔

مخالفت رسول ﷺ اور مخالفتِ اجماع کفر ہے

رسول اللہ ﷺ سے مخالفت کی سزا جہنم ہے، البتہ اگر مشورہ میں کچھ رائے دے دی جائے تو وہ قابل مواخذہ نہیں، چنانچہ جو شخص اسلام کی حقانیت معلوم کرنے کے بعد مخالف ہو جائے تو وہ مرتد ہے۔ اگر کوئی خود کو مسلمان بھی کہے اور حضور ﷺ کے خلاف کوئی بات کہے تو بھی وہ مرتد ہے۔ مثلاً حضور ﷺ کو آخری نبی نہ ماننا یا یہ کہے کہ نعوذ باللہ موجودہ قرآن مکمل نہیں، کیونکہ اس کا کچھ حصہ صحابہ ؓ نے چھپا لیا ہے یا یہ کہے کہ پانچ نمازیں فرض نہیں بلکہ دو ہی فرض ہیں وغیرہ۔ اجماع کی مخالفت کرنا بھی مستقل کفر ہے (تفسیر نعیمی) امام شافعیؒ نے اجماع کی مخالفت پر کفر کا جواز سورۃ النساء کی آیت ۱۱۵ سے دیا جس میں فرمایا گیا ہے: "وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصْلِهِ جَهَنَّمَ" (یعنی جو اتباع کرے مسلمانوں کی راہ سے جدا اسے دوزخ میں داخل کریں گے) (النساء: ۱۱۵)۔

عشق اطاعت سے افضل ہے

اطاعت فرض ہو یا واجب ہو یا مستحب، ہر حالت میں اطاعت مستحسن ہے اور اطاعت کرتے رہنے کا حکم ہے۔ اطاعت میں اگر جذبہ عشق شامل ہو جائے تو ایسی اطاعت پھر اطاعت تو بہت کم رہتی ہے بلکہ اس پر عشق کا حکم قائم ہو جاتا ہے جو بہر حال اطاعت سے بہتر صورت میں تصور کی جائے گی۔ اگر دیکھا جائے تو اطاعت کا منشاء ہی یہی ہے کہ تم اس کی فرمانبرداری اس طرح کرو کہ خود کو مٹا کر اپنے محبوب کی صورت میں رنگے جاؤ۔ فارسی کے ایک شعر میں یہ تصور ظاہر ہوتا ہے:

چناں کن اسم را در جسم پنہاں کہ می گردد الف در بسم پنہاں

(اللہ کے اسم کو جسم میں اس طرح پنہاں کر لو جس طرح بسم اللہ کا الف بسم میں چھپا ہوا ہے)

یہ بات ظاہر ہے کہ اطاعت عقل سے ہوتی ہے اور اتباع میں عشق و محبت کا جذبہ نمایاں ہوتا ہے۔ انجن اسٹیشن والوں کی اطاعت کرتا ہے مگر ڈبے انجن کی اطاعت کرتے ہیں کیونکہ ڈبے یہ نہیں دیکھتے کہ لائن صاف ہے یا سگنل نہیں ہے۔ لائن کمزور ہے یا مضبوط ہے۔ ان کا کام انجن کی اتباع کرنا ہے۔ قرآن مجید میں جہاں اطاعت کی بات ہو تو اس وقت حضور ﷺ کو رسول فرمایا جاتا ہے اور اگر کوئی خطاب کرنا ہو تو یَـٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ فرمایا جاتا ہے کیونکہ اطاعت محسن کی واجب ہوتی ہے۔ چونکہ حضور ﷺ فرمان رساں اور فیض رساں ہیں اس لئے ایسی اطاعت کے موقعوں پر رسول فرمایا گیا ہے۔

اطاعت تو ہر رسول کی تھی مگر رسول مکرم ﷺ کی ہمسری ممکن نہیں

اطاعتِ رسول کا حکم تمام امتوں کے لئے ہے۔ قرآن کی کچھ آیات میں اس بات کا ذکر آیا ہے کہ رسول ﷺ تمہارے جیسے ہی ایک بشر ہیں۔ اس پر کچھ لوگوں نے ہمسری کا دعویٰ کر دیا اور کچھ تو اطاعتِ رسول سے (منکر حدیث ہونے کے ناتے سے) انکار کرنے لگے۔ اس کے بعد فرمایا گیا کہ اس رسول ﷺ کی اطاعت کرو گے تو یہ میری ہی اطاعت ہوگی۔ ''فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰہَ'' اس کے علاوہ احادیث میں حضور ﷺ کا فرمان ہے کہ ''اَیُّکُمْ مِثْلِیْ ؟'' (تم میں سے میری مثل کون ہے) [1] اور قرآن نے بھی فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اپنی جانوں پر زیادتی کر لے اور سچے دل سے توبہ کر کے ہمارے اس رسول ﷺ کے پاس آ کر اعترافِ گناہ کرتے ہوئے ان کی سفارش بارگاہ رب العزت میں پیش کریں تو تمہاری زیادتی معاف کر دی جائے گی بشرطیکہ رسول اللہ ﷺ بھی اپنی مہرِ شفاعت ثبت کر دیں:

''وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا اَنْفُسَھُمْ جَآءُوْکَ فَاسْتَغْفَرُوا اللّٰہَ وَاسْتَغْفَرَ لَھُمُ الرَّسُوْلُ لَوَجَدُوا اللّٰہَ تَوَّابًا رَّحِیْمًا'' (اور اگر یہ لوگ جب ظلم کر بیٹھے تھے اپنے آپ پر (پھر) حاضر ہوتے آپ ﷺ کے پاس اور مغفرت طلب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے نیز مغفرت طلب کرتا ان کے لئے رسول (ﷺ) بھی تو وہ ضرور اللہ تعالیٰ کو پاتے بہت توبہ قبول کرنے والا، نہایت رحم والا) (النساء:۶۴)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ یہ لوگ خواہ کتنے ہی گنہگار ہوں تو جب آپ ﷺ کے ہاتھ ان کی بخشش کے لئے اٹھیں گے تو اے رسول ﷺ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کو مایوس نہ کرے گی۔ مفسرین کا قول ہے کہ حضور ﷺ کی یہ برکت ان کی زندگی تک ہی محدود نہ تھی بلکہ تا ابد ہے۔ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ کے وصال کے تین دن بعد ایک اعرابی ہمارے پاس آیا (فرط رنج و غم سے) مزار پُر انوار پر گر پڑا اور خاکِ پاک کو اپنے سر پر ڈالا اور عرض کرنے لگا کہ اے اللہ کے رسول ﷺ جو آپ ﷺ نے فرمایا ہم نے سنا۔ جو آپ ﷺ نے اپنے رب سے سیکھا، وہ ہم نے آپ ﷺ سے سیکھا اور اسی میں یہ آیت بھی ہے ''وَلَوْ اَنَّھُمْ اِذْ ظَّلَمُوْٓا'' (الآیۃ)) پھر کہا کہ میں نے اپنی جان پر بڑے ستم کئے ہیں۔ اب تیری بارگاہ میں حاضر ہوا ہوں۔ اے سراپا شفقت و رحمت میری مغفرت کے لئے دعا فرمائیے۔ ''فَنُوْدِیَ مِنَ الْقَبْرِ اَنَّہٗ قَدْ غُفِرَ لَکَ'' (تو مرقد سے آواز آئی ''تجھے بخش دیا گیا) [2] منکرین شانِ رسول ﷺ نے

---

[1] صحیح البخاری، حدیث ۶۴۵۹، جلد ۶، صفحہ ۲۵۱۲۔

[2] تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۱، صفحہ ۳۶۰۔

اس حدیث کو بھی غلط کہہ دیا حالانکہ قرطبیؒ نے اسے روایت کیا۔ راقم الحروف کا خود بھی تجربہ ہے کہ جب بھی حضور ﷺ کے مرقد مبارک کو سامنے رکھ کر دعا یا التجا کی گئی تو (اکثر اوقات) وہ دعا فوراً قبول ہوئی۔

تفاسیر میں ہے کہ مذکورہ آیت (بروایت ابوبکر اصم ؓ) منافقین کے لئے نازل ہوئی جو رسول اللہ ﷺ کو اذیت پہنچانے کے لئے حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے ان کو ان کے ارادے سے آگاہ کر دیا۔ حضور ﷺ نے ان منافقین سے فرمایا کہ اپنے ارادے سے توبہ کرو مگر انہوں نے اپنے ارادے کو چھپائے رکھا۔ پھر حضور ﷺ نے ان منافقین کا نام لے لے کر کھڑا کیا تو وہ مان گئے اور توبہ کی۔

مذکورہ بالا آیت "جَآءُ وْکَ" کا ہر حکم جن وانس کے لئے ہے اور فرشتے چونکہ گناہ نہیں کرتے اس لئے وہ اس حکم سے الگ ہیں۔ اس آیت کا حکم ہر وقت کے لئے ہے۔ خواہ حیات شریف ہو یا وفات شریف کے بعد ہو۔ "ظَلَمُوْا" میں ہر قسم کا ظلم شامل ہے۔ خواہ شرک وکفر ہو خواہ کوئی خطا اور لغزش ہو، کیونکہ شرک بھی ظلم ہے۔ "اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ (لقمان:۱۳) یا "اِنِّیْ کُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ" (الانبیاء:۸۷)

اطاعت اللہ تعالیٰ، نبی اکرم ﷺ اور بزرگوں کی ہے مگر اتباع صرف نبی ﷺ کی ہے

خیال رہے کہ عبادت صرف اللہ کی ہے۔ اطاعت اللہ تعالیٰ کے نبی ﷺ کی اور اپنے دوسرے بزرگوں کی بھی ہے۔ اتباع صرف نبی ﷺ کی ہے اللہ تعالیٰ کی نہیں۔ نیکیاں تو کفار بھی کرتے ہیں مثلاً صدقات اور خیرات وغیرہ مگر وہ نیکیاں عبادت نہیں اور نہ ان کو ثواب ملے گا۔ عبادت وہ نیکی ہے جو نبی ﷺ کے فرمان کے ماتحت کی جائے۔ ایسی عبادت ہی قبول ہوتی ہے۔ اس کی مثال یوں ہے کہ جب ہم پلاؤ پکاتے ہیں تو بغیر آگ کے اس کا پکنا ممکن نہیں، اگرچہ پلاؤ کے باقی تمام اجزاء موجود ہی کیوں نہ ہوں، آگ ہی ان اجزاء کو کھانے کے قابل بناتی ہے۔ یوں ہی عشق نبی ﷺ کی آگ اطاعتِ رسول ﷺ کے ذریعے حسنات کو عبادت بناتی ہے۔ کافر کی اطاعت پر اجر نہیں ہے۔ اجر کے لئے مومن ہونے کی شرط ہے۔

"مَنْ عَمِلَ صَالِحًا مِّنْ ذَکَرٍ اَوْ اُنْثٰی وَهُوَ مُؤْمِنٌ فَلَنُحْيِيَنَّهٗ حَيٰوةً طَيِّبَةً ج"

(جو کوئی نیک عمل کرے (خواہ) مرد ہو یا عورت جب کہ وہ مومن ہو تو ہم اسے ضرور پاکیزہ زندگی کے ساتھ زندہ رکھیں گے) (النحل:۹۷)

عبادت اور اطاعت میں بنیادی فرق

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ محدث دہلوی سورۃ البقرہ کی آیت ۲۱ میں "اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ" (اور اپنے

رب کی عبادت کرو) کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حاکم کے حکم کو بجالانے کو اطاعت کہتے ہیں خواہ وہ کافر ہی کیوں نہ ہو اور اپنی بندگی کے اظہار کرنے کو عبادت کہتے ہیں۔ غیر اللہ کی اطاعت تمام دینوں میں جائز ہے خواہ کوئی پیغمبر، مرشد، عالم دین یا حاکم وقت ہی کیوں نہ ہو۔ معبود ہونے کے لئے ذاتی عظمت ضروری ہے جو کہ اطاعت کے لئے ضروری نہیں۔ کسی کو مستقل اور ذاتی حاکم مان کر اس کا بندہ سمجھ کر اس کی فرمانبرداری کرنا عبادت ہے اور کسی کو غیر مستقل، مجازی اور عطائی حاکم مان کر اپنے آپ کو اس کا ماتحت یا غلام سمجھ کر فرمانبرداری کرنا عبادت نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفات دائمی اور ذاتی ہیں چنانچہ کوئی بندہ ذاتی طور پر نہ سمیع ہے نہ علیم بلکہ ہر بندہ تو خود حادث ہے (یعنی قدیم نہیں) اس کی ہر صفت بھی حادث ہے اور خود بھی اللہ کے پیدا کرنے سے پیدا ہوا ہے۔ المختصر لائق عبادت وہ اللہ ہے جو بندوں کے نفع و نقصان کا ذاتی مالک ہے اور جو ابدی اور ازلی خود سمیع اور علیم ہے۔

عبادت کے معنی انتہائی عجز و انکساری کا اظہار کرنے کے ہیں، چونکہ دو معبودوں کے سامنے برابر کی انکساری کا اظہار کرنا عملی طور پر ناممکن ہے اور جب عجز میں برابری آئی تو انتہائی درجہ کی عاجزی نہ رہی، لہٰذا عبادت کے دائرے سے خارج ہو گئی۔ اسی لئے کہا گیا ہے کہ چند معبودوں کا عابد کسی کا بھی عابد نہیں ہو سکتا۔ دنیاوی رشتوں میں سے بیٹا ہونا یا خاوند ہونا ایک ہی سے منسوب ہو سکتا ہے، کیونکہ ایک بیٹے کے دو باپ اور ایک بیوی کے بیک وقت دو خاوند نہیں ہو سکتے۔ اسی طرح بندے کے دو خالق اور دو معبود ہو ہی نہیں سکتے۔ اگر دو ہوں گے تو وہ خالق نہیں بلکہ کاسب (تخلیق اکسب میں حصہ لینے والے) ہوں گے اور ان کی عبادت نہ ہو گی البتہ اطاعت اور فرمانبرداری ہو سکتی ہے۔

اطاعت کا دوہرا ثواب ملتا ہے

صوفیاء فرماتے ہیں کہ ہر نیکی میں اللہ کی عبادت ہوتی ہے اور حضور ﷺ کی اطاعت کے جذبے کا الگ ثواب ملتا ہے۔ اس طرح نیکی کرنے والے کے لئے دو قسم کے اجر ملتے ہیں، مثال کے طور پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بیوی بچوں کے حقوق ادا کرنا بذات خود کار ثواب ہے اور اگر یہ سمجھ کے کیا جائے کہ میں یہ کام حضور ﷺ کی موافقت اور اطاعت میں کرتا ہوں تو آپ کی اطاعت کا بھی ثواب ملے گا۔ حضرت امام غزالیؒ نے احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ اگر کوئی اعتکاف میں بیٹھے تو اس کا ثواب ملے گا اور اعتکاف میں بیٹھنے والا اس کے علاوہ پندرہ اور نیتیں بھی کر سکتا ہے، ان نیتوں کا بھی اسے اجر ملے گا۔

اطاعت کا ثواب اس لئے ملتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے "اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ"

(یعنی اللہ کی اطاعت کرو اور اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو) (النساء: ۵۸) یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی نافرمانی پر اللہ کی نافرمانی اور رسول اللہ ﷺ کی نافرمانی کا بھی گناہ ہے۔ نافرمانی پر حضور ﷺ کو تکلیف ہوتی ہے اور ان کی حق تلفی ہوتی ہے۔ اگر قیامت سے پہلے آپ ﷺ سے معافی مانگ لے تو جرم معاف ہو جاتا ہے (جَــآءُوْکَ کی آیت پڑھیں) یاد رہے کہ دنیا میں جو چوری کرے اس کے ہاتھ کاٹے جاتے ہیں۔ اعمال کی چوری یہ ہے کہ ایک حدیث کے مطابق نماز میں سجدہ اور رکوع پورا نہ کرنا نماز کی چوری ہے، جس کے روحانی ہاتھ کٹ جائیں، تو وہ ہاتھ یار کے دامن تک پہنچنے سے محروم رہتے ہیں اور ایسا شخص بے مراد رہتا ہے (روح البیان) جو لوگ عبادتیں تو کرتے ہیں مگر روحانیت کا ایک ذرہ بھی ان کی شکل پر نظر نہیں آتا ان کی بے نور شکلوں کی اصل وجہ یہی ہوتی ہے کہ ان کی روح کا تزکیہ نہیں ہوتا۔ روحانیت کا یہ قانون ہے کہ بیماری پہلے روح کو لگتی ہے اور پھر جسم میں منتقل ہوتی ہے۔

ظاہری اطاعت پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ بخوشی اطاعت کرنا روحِ ایمان ہے

سورۃ النساء کی آیت ۵۹ میں ظاہری طور پر احکامِ رسول ﷺ کی اطاعت کا حکم تھا لیکن چونکہ احکام کو مجبوراً تو منافقین بھی مان لیتے تھے لہٰذا آپ ﷺ کے حکم کو بہ دل و جان مان لینا اور آپ ﷺ کے فیصلے پر چیں بجبیں نہ ہونا بھی لازمی سمجھا گیا۔ ظاہری اطاعت کو اگر ایمان کا قالب کہا جائے تو بخوشی اطاعت کو قبول کرنا ایمان کی روح رواں ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"فَــلَا وَرَبِّکَ لَا یُؤْمِنُوْنَ حَتّٰی یُحَکِّمُوْکَ فِیْمَا شَجَرَ بَیْنَهُمْ ثُمَّ لَا یَجِدُوْا فِیْٓ اَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَیْتَ وَیُسَلِّمُوْا تَسْلِیْمًا"

(تو اے محبوب تمہارے رب کی قسم نہیں مومن ہو سکیں گے یہ لوگ حتیٰ کہ اپنے آپس کے جھگڑے میں آپ کو اپنا حاکم نہ بنائیں پھر آپ ﷺ جو کچھ حکم فرما دیں تو اس کے لئے اپنے دلوں میں رکاوٹ نہ پائیں اور دل سے مان لیں) (النساء: ٦٥)

حضرت عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے والد کا کھیت ایک انصاری کے کھیت کے پاس تھا اور انصاری چاہتا تھا کہ نالے کا پانی پہلے اس کے کھیت میں چھوڑا جائے اور پھر حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کو پانی ملے کیونکہ ان کا کھیت اونچائی پر تھا، یہ جھگڑا جب حضور ﷺ تک پہنچا تو فیصلہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ کے حق میں ہوا اور انصاری نے کہا کہ چونکہ حضرت زبیر رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ہیں اس لئے آپ ﷺ نے یہ فیصلہ ان کے حق میں دیا، اس پر حضور ﷺ نے فرمایا کہ زبیر رضی اللہ عنہ تم پانی اپنے کھیت کے منڈیر تک دو اور پھر انصاری کے لئے چھوڑ دو۔

اس پر یہ آیت نازل ہوئی کہ خدا کی قسم یہ لوگ مومن نہیں ہو سکتے جب تک آپ ﷺ کے فیصلے کو دل و جان سے قبول نہ کریں۔ ایک یہودی نے جب انصاری کی بات سنی تو کہا ”خدا تمہیں غارت کرے، تم جس رسول ﷺ کا کلمہ پڑھتے ہو اس پر راضی نہیں ہوتے“ اس نے کہا کہ موسیٰ علیہ السلام کے ایک حکم کو بنی اسرائیل نے قبول نہ کیا تو اس کے عوض ہمارے ستر ہزار یہودی قتل ہوئے۔

نبی ﷺ کی اطاعت سب جہانوں پر واجب ہے

قرآن مجید کی سورہ توبہ میں فرمایا گیا ہے:

”لَقَدْ جَآءَ کُمْ رَسُوْلٌ“ (یعنی تمہارے پاس رسول آچکے ہیں) (توبہ:۱۲۸)

یہ خطاب ہر شخص کے لئے ہے۔ اب یہ سوال کیا جاتا ہے کہ ایک انسان سب کے پاس کیسے آسکتا ہے۔ اس کے جواب میں تفسیر نعیمی میں یہ دلیل دی گئی ہے کہ چونکہ رسول اللہ ﷺ خدا کے نور میں سے ایک نور ہیں (بمطابق حدیث نور) تو ایسا نور جو خدا سے نکلا ہو وہ بیک وقت ہر جگہ اور ہر چیز کو روشن کر سکتا ہے۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ اگر سورج کی طرف لاکھوں شیشوں کا رخ کر دیا جائے تو ہر شیشہ میں سورج کا نور منعکس ہوتا ہے۔ مومنوں کے سینے صاف اور شفاف ہیں۔ ان کے دلوں میں حضور ﷺ جلوہ گر ہیں۔ روح انسانی بھی نور ہے جو بیک وقت جسم کے ہر حصے اور خلیے میں جلوہ گر ہے۔ ہدایت کا نور ہر جگہ پہنچ جاتا ہے۔

حضور ﷺ کی رسالت چونکہ تمام عالموں کے لئے ہے، جیسے فرمایا ”لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا“ (تا کہ آپ ﷺ تمام عالموں کے لئے ڈرانے والے بنیں) (الفرقان:۱) اور تمام عالموں کے لئے رحمت بھی ہیں جیسے فرمایا ”وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَۃً لِّلْعٰلَمِیْنَ“ (یعنی ہم نے نہیں بھیجا آپ کو مگر سراپا رحمت بنا کر) (الانبیاء:۱۰۷) تو لازم ہے کہ جہاں جہاں عالم ہیں وہاں رحمت عالمین کا ہونا بھی ضروری ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپ ﷺ کا ظہور ہر جگہ پر ہے ورنہ آپ کو رحمت للعالمین تصور نہیں کیا جا سکتا۔ ان آیات سے ظاہر ہوا کہ جہاں جہاں بھی عالم ہے آپ ﷺ کی شریعت وہاں پر جاری و ساری ہے۔ اگر آپ ﷺ ہر جگہ پر رحمت ہیں تو آپ کی اطاعت بھی ہر جگہ ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہر چیز آپ ﷺ کی اطاعت گزار ہے۔ مثلاً سورج آپ ﷺ کے حکم سے پلٹ آیا، چاند دو ٹکڑے ہو گیا، کنکروں نے کلمہ پڑھا، درختوں نے سجدہ کیا اور بادل جہاں آپ نے فرمایا، برسا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ ہر قسم کی مخلوق حضور ﷺ کی اطاعت کرتی ہے۔

اطاعت کسی انسان یا کسی چیز کی بھی ہو سکتی ہے

کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ چونکہ اتباع کے معنی کسی کے پیچھے چلنا یا کسی کے نقش قدم پر چلنا

ہے تو اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اتباع صرف کسی انسان کی ہو سکتی ہے تو پھر سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۳ میں یہ کیوں فرمایا ''وَاَنَّ ھٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا فَاتَّبِعُوْہُ'' (اور یہ ہے میرا سیدھا راستہ تو اس پر چلو) اس کا جواب تفسیر نعیمی میں یہ دیا گیا ہے کہ اگر اس اتباع کا مفعول انسان ہے تو یہی معنی ہوتے ہیں جو بیان کیے گئے لیکن اگر مفعول کوئی اور چیز مثلاً ملت، کتاب یا کوئی راستہ ہو تو اس کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ اس راہ پر چلنا یا اس کتاب پر عمل کرنا یا اختیار کرنا یا ان کی پیروی کرنا ہے، پیروی کسی انسان کی بھی ہو سکتی ہے اور کسی کتاب یا راستے کی بھی۔

جو آیات حضور ﷺ کی شان میں تھیں ان پر آپ ﷺ کے لئے عمل ضروری نہ تھا

سورۃ الانعام کی آیت ۱۵۵ میں فرمایا گیا ہے ''وَھٰذَا کِتٰبٌ اَنْزَلْنٰہُ مُبٰرَکٌ فَاتَّبِعُوْہُ'' (ہم نے یہ کتاب جو اتاری ہے جو برکت والی ہے تم اس کی پیروی کرو) اس آیت سے کتاب کی اتباع کرنا ظاہر ہوتا ہے مگر حضور ﷺ پر قرآن کے سارے احکام کی اتباع ضروری نہیں، بلکہ بہت سی آیاتِ قرانیہ تو حضور ﷺ کی مرضی کے مطابق آئیں، کچھ آیات میں بھی خطاب مسلمانوں کو ہے نہ کہ حضور ﷺ کے لئے کیونکہ ''فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ'' (آل عمران:۳۱) ''لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ'' (اللہ اور رسول سے آگے نہ بڑھو) (الحجرات:۱) وغیرہ بہت سی آیات میں حضور ﷺ سے خطاب نہیں۔ بہت سی آیات تو آپ کی عزت افزائی اور شان کو ظاہر کرنے کے لئے نازل ہوئی ہیں، ان پر آپ سے عمل کا مطالبہ نہیں۔

اطاعتِ رسول ﷺ قرآنی دلائل کی روشنی میں

قرآن مجید میں جا بجا ایسی آیاتِ شریفہ موجود ہیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ نے مسلمانوں کے لئے رسول اللہ ﷺ کی اطاعت واتباع کو لازم قرار دیا ہے۔ قرآن حکیم نے دو مختلف اصطلاحیں استعمال کی ہیں۔ اطاعت (بات ماننا) اور اتباع (پیروی کرنا) پہلی اصطلاح کا تعلق رسول اللہ ﷺ کے احکامات و ارشادات سے ہے جبکہ دوسری اصطلاح آپ ﷺ کے افعال واعمال سے متعلق ہے۔ اس طرح مسلمانوں کو اطاعت واتباع کا حکم دے کر قرآن کریم نے آپ ﷺ کے ارشادات اور افعال دونوں کو حتمی حجت قرار دیا ہے، بلکہ متعدد بار یہ بھی تنبیہ فرمائی ہے کہ جس نے آپ ﷺ کی اطاعت سے منہ موڑا اس نے فقط محمد ﷺ کی بارگاہ ہی سے بغاوت نہ کی بلکہ اس نے خدا تعالیٰ کی بارگاہ سے بھی بغاوت کی۔ درج ذیل آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اطاعتِ رسول ﷺ کو اطاعتِ الٰہی کے ساتھ لازم قرار دیا گیا ہے:

۱۔ ”قُلْ اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْكٰفِرِيْنَ“

(آپ ﷺ فرما دیجئے کہ تم اطاعت کیا کرو اللہ کی اور اس کے رسول کی پھر اگر وہ لوگ اعراض کریں سو اللہ تعالیٰ کافروں سے محبت نہیں فرماتے) (آل عمران:۳۲)

۲۔ ”وَاَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَاحْذَرُوْا“

((اور تم اللہ تعالیٰ کی اطاعت کرتے رہو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرتے رہو اور احتیاط رکھو)

۳۔ ”يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ“

(اے ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد مت کرو) (محمد:۳۳)

منکرین حدیث رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کو مستقل یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے الگ اطاعت تسلیم نہیں کرتے بلکہ اللہ کی اطاعت کے ضمن میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کے قائل ہیں، حالانکہ قرآن سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ جہاں بھی کسی ایک آیت میں اَطِيْعُوا اللّٰهَ (اللہ کی اطاعت) کا ذکر آیا ہے تو اس کے ساتھ ہی اَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ ﷺ کا بھی ذکر کیا جاتا ہے، جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت مستقل حیثیت رکھتی ہے نہ کہ ضمنی ورنہ اَطِيْعُوا کا لفظ صرف ایک بار ہی آتا۔

اس کے ساتھ ساتھ ایسی بھی بہت سی آیات دیکھنے میں آتی ہیں کہ جہاں صرف رسول اللہ ﷺ کی اطاعت کا حکم آیا ہے، اور ان میں اللہ کی اطاعت کا حوالہ نہیں دیا گیا۔ غالباً اس لئے کہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت بھی اللہ کی اطاعت ہے۔

”وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ“

(اور نماز کی پابندی رکھو اور زکوٰۃ دیا کرو اور رسول ﷺ کی اطاعت کیا کرو تاکہ تم پر رحم کیا جائے) (النور:۵۶)

”وَاِنْ تُطِيْعُوْهُ تَهْتَدُوْا“

(اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر جا لگو گے) (النور:۵۴)

”وَمَنْ يُّشَاقِقِ الرَّسُوْلَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدٰى وَيَتَّبِعْ غَيْرَ سَبِيْلِ الْمُؤْمِنِيْنَ نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ ؕ وَسَآءَتْ مَصِيْرًا“

(اور جو شخص رسول ﷺ کی مخالفت کرے گا بعد اس کے کہ اس کو ہدایت کی راہ ظاہر ہو چکی اور مسلمانوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرے راستے پر ہو لیا تو ہم اس کو جو کچھ وہ کرتا ہے کرنے دیں گے اور اس کو جہنم میں داخل کریں گے اور جہنم کیا ہی بری جگہ پلٹنے کی ہے) (النساء:۱۱۵)

چونکہ رسول اللہ ﷺ کی اطاعت اللہ تعالیٰ ہی کی اطاعت کی نمائندگی کرتی ہے، اسی لئے قرآن مجید نے کئی مقامات پر صرف اطاعتِ رسول ﷺ کا ذکر کافی سمجھ کر اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا ذکر چھوڑ دیا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت کا عملی طریقہ صرف رسول ﷺ کی اطاعت ہی ہے۔ ٹھیک اسی طرح رسول ﷺ کی نافرمانی اور اس کے نتائج سے خبردار کیا ہے اور اسے اللہ کی نافرمانی کے ساتھ ملا کر ذکر کیا ہے:

"وَ مَنْ یَّعْصِ اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَ یَتَعَدَّ حُدُوْدَهٗ یُدْخِلْهُ نَارًا خَالِدًا فِیْهَا"

(جو شخص اللہ اور رسول کا کہنا نہ مانے گا اور بالکل ہی اس کے ضابطوں سے نکل جائے گا اس کو آگ میں داخل کر دیں گے اس طور سے کہ وہ اس میں ہمیشہ ہمیشہ رہے گا) (النساء:۱۴)

ایسے ہی فرمایا: "اے ایمان والو جب تم آپس میں مشورہ کرو تو گناہ کرنے، حد سے بڑھنے اور رسول ﷺ اللہ کی نافرمانی کا مشورہ نہ کرو بلکہ نیکی اور پرہیزگاری کا مشورہ کرو اور اللہ سے ڈرو جس کی طرف اٹھائے جاؤ گے" (المجادلہ:۹)

بہرحال یہ امر واضح ہے کہ قرآن نے سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی بے چون وچرا اطاعت پر بار بار زور دیا ہے اور قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے والوں کے لئے سنتِ نبوی ﷺ سے انحراف کے سارے دروازے بند کر دیئے ہیں۔ جو شخص بارہا چار باتوں کے مان لینے کے بعد چار باتوں کا دعویٰ کرے، وہ کذاب ہے۔ وہ باتیں یہ ہیں۔

۱۔ وہ جو جنت کی محبت کا دعویٰ کرے مگر عبادت نہ کرے۔
۲۔ وہ جو حضور ﷺ سے محبت کا دعویٰ کرے مگر علماء اور فقراء سے محبت نہ کرے۔
۳۔ وہ جو دوزخ سے ڈرنے کا دعویٰ کرے مگر گناہ نہ چھوڑے۔
۴۔ وہ جو اللہ سے محبت کا دعویٰ کرے، مگر آزمائش کے وقت شکایت کرے۔

کسے راہ خلاف پیغمبر گزید
او ہرگز نہ خواہد بہ منزل رسید

(جو پیغمبر ﷺ کے راستے پر نہیں چلتا وہ کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتا) (سعدیؒ)

رسالتِ مآب ﷺ کے اعمالِ طیبہ کی پابندی

حضور ﷺ کی عادات کریمانہ کو امت کے لئے لازمی نہیں مگر آپ کے شیدائیوں کا طریقہ کامل اتباع کرنے پر رہا ہے۔ جیسا کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں تہذیب الاسماء میں امام نوویؒ نے (جلد نمبر ۱، صفحہ ۲۷۹) درج کیا ہے کہ آپ یعنی حضرت عبداللہ بن عمرؓ حضور ﷺ کے آثار کے اتباع کا ازحد خیال رکھتے تھے، یہاں تک کہ اگر سفر کرتے تو اسی جگہ راستہ میں قیام فرماتے جہاں حضور ﷺ نے قیام

فرمایا ہوتا اور جس جس مقام پر حضور ﷺ نے نماز ادا فرمائی وہاں نماز ادا فرماتے اور جس جگہ حضور ﷺ کی اونٹنی بیٹھی، اسی جگہ اپنی اونٹنی بٹھاتے۔ حضور ﷺ نے ایک درخت کے نیچے ایک دفعہ آرام فرمایا تو آپ اس درخت کو ہمیشہ پانی دیتے تاکہ وہ درخت ہمیشہ سرسبز و شاداب رہے۔ سفر میں ایک جگہ پر درخت کے نیچے حضور ﷺ کچھ جھکے تو آپ بھی وہاں سے گزرتے تو جھکا کرتے۔

سنت واطاعتِ رسول ﷺ کی اہمیت

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

"اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِىْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ"

(یعنی اگر اللہ سے محبت کا دعویٰ کرتے ہو تو میری تابعداری کرو، اللہ تم کو دوست رکھے گا) (آل عمران: ۳۱)

اور حدیث پاک میں ہے:

"خَيْرُ الْهَدْىِ هَدْىُ مُحَمَّدٍ ﷺ"

(بہترین سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے) [1]

اور حضور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

"اَدَّبَنِىْ رَبِّىْ فَاَحْسَنَ تَاْدِيْبِىْ"

(مجھے مرے رب نے ادب سکھایا اور بہت ہی اچھا ادب سکھایا) [2]

حضرت مجدد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ متابعت شریعت والوں کو ترکِ اولیٰ کے ارادے سے بھی پشیمانی اور ندامت ہوتی ہے اس لئے ان کا ایک سال کا کام ایک گھڑی میں ہو جاتا ہے۔ (ترک اولیٰ وہ ہے کہ اگر اس کا اہتمام کیا جائے تو بہتر ہے)

دل کو غیر حق کی محبت سے خالی کرنے کا بہترین آلہ اِتباعِ سنت ہے۔ انسان جب تک پراگندہ تخیلات سے آلودہ رہتا ہے محروم اور مقصد سے دور رہتا ہے۔ مکتوب ۴۲، دفتر اول، حصہ دوم ص ۱۵ میں آپ فرماتے ہیں کہ اصحابِ کہف کو تمام درجات ایک نیکی یعنی ہجرت سے ملے۔ نبی اکرم ﷺ کے پیروکار آپ ﷺ کی متابعت کی برکت سے مرتبۂ محبوبیت تک پہنچے ہیں۔ ہجرت ظاہر اگر میسر نہ ہو تو ہجرت باطن کامل طریقہ سے حاصل کرنی چاہئے۔ کل قیامت کے روز سوال شریعت کے متعلق ہوگا۔ طریقت یا تصوف کے متعلق نہیں پوچھیں گے۔ جنت میں داخلہ اور دوزخ سے بچنا شریعت پر عمل کرنے سے ہوگا۔ انبیاء علیہم

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۸۶۷، جلد ۲، صفحہ ۵۹۲۔

[2] کنز العمال، حدیث ۳۱۸۹۵، جلد ۱۱، صفحہ ۱۸۳۔

السلام نے لوگوں کو شریعت کی دعوت دی اور نجات کا مدار بھی شریعت پر ہوگا لہٰذا اعلیٰ ترین نیکی یہ ہے کہ شریعت کی ترویج میں کوشش کی جائے۔ ایک شرعی حکم کو اس حالت میں زندہ کرنا جبکہ اسلامی شعائر مٹائے جا رہے ہوں تو یہ اللہ کی راہ میں کروڑوں روپے خرچ کرنے سے بہتر ہے، کیونکہ اس میں انبیاء ؑ کی اقتداء ہے۔

شریعتِ مطہرہ کی پیروی میں نفس کی پوری مخالفت ہے اور نفس کی خصلت یعنی عادت شریعت کی مخالفت پر ہے۔ شرع کی تقویت اور ترویج ملت کے لئے اسلام پر ایک کوڑی خرچ کرنا اس کے علاوہ لاکھوں روپے خرچ کرنے کے برابر ہے۔

آپ (مکتوب نمبر ۴۸ حصہ اول، دفتر اول، ص ۱۸۳) میں فرماتے ہیں کہ:

"جو صوفی تصوف کے مراتب طے کرنے کے بعد مخلوق کو راہ راست پر لانے کا فریضہ ادا کرتا ہو وہ مقامِ نبوت سے حصہ پا چکا ہے۔ ایسا صوفی مبلغینِ شریعت میں داخل ہے اور علماء شریعت کا حکم رکھتا ہے، احکام شریعت میں سے ایک حکم کو بجا لانا، خواہش نفسانی کو زائل کرنے میں ان ہزار سالہ ریاضتوں اور مجاہدوں سے بہتر ہے جو اپنے طور پر کیے جائیں"۔

اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہر مومن پر فرض ہے اور اللہ تعالیٰ کی اطاعت یہ بھی ہے کہ اس کا یہ حکم بھی مانا جائے کہ میرے رسول ﷺ کی بھی اطاعت کرو۔ جو رسول ﷺ کی اطاعت سے انکار کرتا ہے، اس نے گویا اللہ کے حکم سے سرتابی کی تو رسول ﷺ کی نافرمانی کر کے اس نے صرف رسول کی ہی نافرمانی نہیں کی بلکہ اللہ کی بھی نافرمانی کی ہے۔ وہ فرقہ جو حضور رسالت مآب ﷺ کی اتباع کو معاذ اللہ غیر ضروری بلکہ امت کے لئے مضر اور نقصان دہ سمجھتا ہے، ان آیات پر کیوں غور نہیں کرتا: (کچھ لوگ مغربی تہذیب کو ترقی کا زینہ سمجھتے ہیں)

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ یُؤْتِكُمْ كِفْلَیْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ" (الحدید: ۲۸)

"اے ایمان والو! تم ڈرتے رہا کرو اللہ سے اور (سچے دل سے) ایمان لے آؤ اس کے رسول (مقبول ﷺ) پر اور اللہ تعالیٰ عطا فرمائے گا دو حصے اپنی رحمت سے"۔

"وَمَآ اٰتٰىكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰىكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" (الحشر: ۷)

(اور تمہیں رسول اللہ ﷺ جو (کچھ) عطا فرمائیں وہ لے لو اور جن (چیزوں) سے روک دیں رک جاؤ)

اطاعت کرو خواہ امیر حبشی ہی کیوں نہ ہو

حضور ﷺ نے فرمایا کہ "اَصْحَابِیْ كَالنُّجُوْمِ بِاَیِّهِمْ اِقْتَدَیْتُمْ اِهْتَدَیْتُمْ" (میرے صحابہ ؓ تاروں کی طرح ہیں جن کی پیروی کرو گے ہدایت پا جاؤ گے)۔[1] فرمایا کہ میری امت میں صحابہ ؓ ایسے

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۶۰۱۸، جلد ۳، صفحہ ۱۶۹۶۔

ہیں جیسے کھانے میں نمک۔ [1] کھانا بغیر نمک کے ٹھیک نہیں ہوتا۔ اس سے مراد اسلام کے حکام و سلاطین ہیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تم پر حبشی غلام امیر بنا دیا جائے۔ [2] بعض اسلامی احکام حکومت اسلامیہ سے وابستہ ہیں، مثلاً جہاد، قصاص، چوری اور زنا کی سزا دینا، اس لئے ان جیسے ملکی نظام کے کاموں میں حکام کی اطاعت ضروری ہے۔ حکّام سے مراد آئمہ مجتہدین یا علمائے دین بھی لئے جاتے ہیں۔ یہ آخری قول سیدنا عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہ، جابر ابن عبداللہ رضی اللہ عنہ، مجاہدؒ، حسنؒ اور عطاؒ سے منقول ہے۔ اجماع علماء امت یعنی جس پر اولی الامر متفق ہو جائیں تو ان کی اطاعت کرنا ضروری ہے۔ قیاسِ شرعی کا درجہ کتاب و سنت اور اجماع کے بعد ہے۔

مندرجہ بالا عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ اطاعت میں ملکی، صوبائی اور علاقائی تعصب کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں، علاقائی تعصبات کو دشمنانِ اسلام نے مسلمان ممالک میں جنم دیا ہے تاکہ اس سے مسلمانوں میں نفاق اور فساد پیدا ہو جائے اور افسوس ہے تمام مسلمان ممالک اس مرض کو جانتے ہوئے اس مرض میں مبتلا ہیں۔ اب ایسا لگتا ہے کہ ملکی تنافر کبھی ختم نہ ہونے والا مرض ہے سوائے اس کے کوئی مجدد پیدا ہو۔؟

---

[1] مصنف عبدالرزاق، حدیث ۲۰۳۷۷، جلد ۱۱، صفحہ ۲۲۱۔

[2] سنن ابی داؤد حدیث ۴۶۰۷، جلد ۴، صفحہ ۲۰۰۔

پندرہواں باب

اُسوۂ حسنہ

اَلْاُسْوَۃُ انسان کی اس حالت کو کہتے ہیں جس میں وہ دوسرے کا تبع ہوتا ہے (یعنی جس میں دوسرے اس کی تقلید کریں، خواہ وہ حالت اچھی ہو یا بری، سرور بخش ہو یا تکلیف دہ۔ اگر اس کے ساتھ حسنہ کا لفظ شامل کر دیا جائے تو اس سے اچھی حالت مراد لی جاتی ہے، چنانچہ اسوۂ حسنہ کا مطلب یہ ہے کہ انسان کی وہ اچھی حالت جس کی دوسرے تقلید کریں۔ اَلْاَسٰـــی بمعنی غم یا حزن کے استعمال ہوتا ہے اور اس کا اصل معنی کسی گم شدہ چیز پر غم کھانے کے ہوتے ہیں۔ قرآن میں سورۃ المائدہ آیت نمبر ۶۸ ''فَلَا تَاْسَ عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ'' (یعنی تم قوم کفار پر افسوس نہ کرو) یہاں تَاْسَ ان معنوں میں استعمال ہوتا ہے، چنانچہ اَسَوْتُہٗ کا لفظ ''میں نے اس کا غم دور کیا'' کی شکل میں استعمال ہوتا ہے۔ المفردات میں یہ سب لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ اَلْاَسْیُ صالح شخص یا مرہم پٹی کرنے والے کے لئے بولا جاتا ہے۔ جب یہ کہا جائے کہ اَسَیْتُہٗ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ میں نے اس کے ساتھ ہمدردی کی، چنانچہ اسوہ کا لفظ کسی کا غم کرنا، مرہم پٹی کرنا اور ہمدردی کرنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

صاحب ضیاء القرآن اُسْــوَۃٌ کے لفظ کی تحقیق کرتے ہوئے علامہ ابن منظور کے حوالے سے لکھتے ہیں اَلْاِسْوَۃُ وَالْاُسْوَۃُ الْقُدْوَۃُ کے معنی پیشوا، راہنما، امام کے ہیں۔ اس کا دوسرا معنی یوں رقم فرمایا ہے:

''اَلْاِسْوَۃُ وَالْاُسْوَۃُ لُغَتَانِ وَ هُوَ مَا يَتَاَسّٰى بِهِ الْحَزِيْنُ اِىْ يَتَعَزّٰى بِهٖ''

(یعنی جس سے کوئی غمزدہ اور شکستہ دل تسلی حاصل کر سکے، یعنی غمگسار)[1]

قرآن میں سورہ الاحزاب کی آیت ۲۱ (جو نیچے بیان کی جارہی ہے) کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات اقدس میں تمہارے لئے شان غم گساری ہے۔ علامہ جوہری نے صحاح میں بھی یہی معانی بیان کئے ہیں۔

---

[1] ضیاء القرآن، جلد ۴، صفحہ ۳۳۔

علامہ قرطبی لکھتے ہیں:

"اَلْاُسْوَةُ الْقُدْوَةُ وَالْاُسْوَةُ مَا يَتَاَسّٰى بِهٖ اَىْ يَتَعَزّٰى فَيُقْتَدٰى بِهٖ فِىْ جَمِيْعِ اَحْوَالِهٖ وَ يَتَعَزّٰى بِهٖ فِىْ جَمِيْعِ اَفْعَالِهٖ وَيَتَعَزّٰى بِهٖ فِىْ جَمِيْعِ اَحْوَالِهٖ وَ قَدْ شُجَّ وَجْهُهٗ وَ كُسِرَتْ رُبَاعِيَّتُهٗ وَ قُتِلَ عَمُّهٗ وَجَاعَ بَطْنُهٗ وَ لَمْ يُلْفَ اِلَّا صَابِرًا مُحْتَسِبًا وَ شَاكِرًا رَاضِيًا"

(اسوہ کا ایک معنی راہنما ہے اور اس کو بھی اسوہ کہتے ہیں جو غمزدہ دل کی تسلی کا باعث ہو۔ حضور ﷺ کا رخ انور زخمی کیا گیا، دندان مبارک توڑے گئے، حضور ﷺ کے چچا کو شہید کیا گیا، بھوک برداشت کی لیکن ان تمام حالات میں صابر و شاکر رہے۔ اللہ تعالیٰ کی رضا کے طلب گار اور اس کی قضا پر راضی) [1]

اُسوۂ حسنہ کے متعلق سورۃ الاحزاب میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا"

(جو شخص رضائے الٰہی کی آرزو اور قیامت (نجات) کی توقع رکھتا ہو اور کثرت سے ذکر حق بھی کرتا رہا ہو تو اس کے لئے رسول اللہ ﷺ کی زندگی موزوں ترین اور بہترین عملی نمونہ ہے) (الاحزاب:۲۱)

کامیاب زندگی گزارنے کے لئے اللہ تعالیٰ نے ایک عملی معیار مقرر فرمایا ہے اور اپنے رسول معظم ﷺ کو اس زندگی کے گزارنے کے طریقے بذریعہ وحی یا الہام واضح فرما دیے اور اس کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو یہ فرما دیا کہ جو طریقے تم کو ہمارے نبی ﷺ سے حاصل ہو جائیں تو تم بھی انہیں اپنی زندگی کا جزو بنا لو، آپ ﷺ کے ان طریقوں کو قرآن نے اسوۂ حسنہ کے نام سے موسوم کیا۔ حضور ﷺ نے اپنی زندگی کے ہر شعبہ حیات میں ایک ایسا معیار مقرر فرما دیا جو ہر عیب اور نقص سے مبرا اور حسنِ عمل سے مزین ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کیا جائے تو ہمیں زندگی کے ہر شعبہ میں ایک ایسا لائحہ عمل نظر آئے گا جسے رہتی دنیا تک قابل تقلید سمجھا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کی جامعیت ایک طرف تو کتاب اللہ کی ہم رنگ ہے اور دوسری طرف آپ ﷺ کی اس حیات طیبہ کی نمائندگی کرتی تھی جو وحی خفی کی بنا پر آپ ﷺ کے عمل میں آئی۔

آپ ﷺ کی حیثیت ایک انسانِ کامل، ایک باپ، ایک شوہر، ایک دوست، ایک ہمسایہ، ایک خانہ دار، ایک تاجر، ایک افسر، ایک زاہد و عابد اور ایک پیغمبر کی صورت میں نظر آتی ہے۔ آج بھی پوری دنیا آپ ﷺ کی شخصیت کو بحیثیت ایک سربراہِ مملکت، ایک سپہ سالار، بین الاقوامی امور کے ماہر، نظام تعلیم کے بانی، منشورِ انسانیت کے موجد، دنیائے طب کے طبیب حاذق اور معاملہ فہم منصف، قانون دان وغیرہ کے

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۴، صفحہ ۳۴۔

شعبہ جات میں بطور راہنما تسلیم کرتی ہے۔ آپ ﷺ نے مزدور اور آجر کے باہمی ربط، تجارت کے قواعد و ضوابط، شہری دفاع کے اصولوں کا تعین کرنے، قاضی القضاۃ کے منصفانہ اصولوں کی بنیاد رکھنے اور رفاہ عامہ کی راہوں کو اجاگر کرنے کو رہتی دنیا کے لئے مشعلِ راہ بنا کر پیش کیا ہے۔

آپ ﷺ نے تزکیۂ نفس، تربیتِ عوام، معاشرتی علوم، اخلاقی اقدار، شخصی مساوات، انسانی عظمت واحترام، تواضع اور ایثار کے معیار، قوموں کی اخلاق سازی اور خارجہ پالیسی کے روشن طریقوں کی عملی وضاحت کی۔ حضور ﷺ نے تبلیغ اسلام، زکوٰۃ وعشر، اتحادِ ملت، تعمیر انسانیت، نظامِ مملکت، مجلس شوریٰ کے اجراء کے اصولوں کی بنیاد رکھی اور صحابہ کرام کو ایسی تاریخ ساز تربیت دی کہ جس کی مثال دنیا کی کوئی شخصیت پیش نہیں کرسکی۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ایسی تعلیمات عطا فرمائیں کہ آج تک کائنات میں ان کا کوئی ہم پلہ پیدا ہوا اور نہ ہوگا۔ حضرت عمر ؓ کے متعلق مغربی تاریخ دانوں کا یہ خیال ہے کہ اگر حضرت عمر ؓ جیسی ایک اور ہستی پیدا ہو جاتی تو آج پوری دنیا دین اسلام میں تبدیل ہو چکی ہوتی۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے اس لئے اُسوہ حسنہ قرار دیا کہ وہ آئینِ فطرت کے تمام تقاضوں پر پورا اترتی ہے اور اس سے بہتر زندگی گزارنے کا کوئی طریقہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قابل قبول نہیں۔

سورۂ احزاب کی مذکورہ بالا آیت کی تفسیر میں ضیاء القرآن کی چوتھی جلد کے صفحہ ۳۳ پر جو حاشیہ آرائی کی گئی ہے، وہ عبارت قارئین کے لئے نقل کی جارہی ہے۔ ملاحظہ فرمائیں:

''نظریات جب تک صرف نظریات ہوں، ان کے حسن وقبح ہونے کا صحیح اندازہ نہیں لگایا جاسکتا اور نہ ہی ان میں یہ کشش اور جاذبیت پائی جاسکتی ہے کہ وہ کسی کو عمل پر ابھار سکیں۔ دلائل کے آپ انبار لگا دیجئے، فصاحت وبلاغت کے دریا بہا دیجئے، لوگ تحسین وآفرین ضرور کریں گے لیکن ان نظریات کو اپنانے اور اس اپنانے کی جو ذمہ داریاں ہیں اور ان ذمہ داریوں کو نبھانے کی راہ میں جو خطرات ہیں، ان کو وہ اٹھانے کے لئے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اسلام فلسفیانہ نظریات کا مجموعہ نہیں کہ آپ اپنے ڈرائنگ روم میں آرام دہ صوفوں پر بیٹھ کر انہیں موضوع بحث بنائیں۔ اپنے ذہن رسا سے طرح طرح کی ترمیمیں پیش کریں۔ مجلسِ مذاکرہ منعقد کر کے مقالے پڑھیں اور پھر یہ سمجھ لیں کہ ہم نے اپنا فرض ادا کر دیا، بلکہ یہ تو ایک نظام حیات پر عمل کرنا اور اس کی تعلیمات پر کاربند ہونا اس وقت تک آسان نہیں، جب تک ایک عملی نمونہ ہمارے پاس نہ ہو۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے صرف قرآن نازل کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کی تبلیغ کرنے کے لئے اپنے محبوب ﷺ کو منتخب فرمایا تاکہ وہ ارشادات خداوندی پر خود عمل کر کے دکھائے اور ان پر عمل کرنے سے زندگی

میں جو زیبائی اور نکھار پیدا ہوتا ہے، اس کا عملی نمونہ پیش کرے۔ اس نمونہ حیات کی غرض یہ تھی کہ جو حق کے متلاشی ہیں، وہ قرآنی تعلیمات کی عملی تصویر کو اپنے سینہ سے لگالیں۔"[1]

آپ نے مشکل وقتوں میں بھی عملی نمونہ پیش کیا

سورۂ احزاب کی مذکورہ آیت اپنے الفاظ کے اعتبار سے عام ہے۔ اسے زندگی کے کسی ایک شعبہ کے ساتھ وابستہ نہیں کیا جا سکتا، لیکن جس موقع پر اس کا نزول ہوا، اس نے اس کی اہمیت کو چار چاند لگا دیئے ہیں۔ یہ آیت غزوۂ خندق کے ایام میں نازل ہوئی جبکہ دعوتِ حق پیش کرنے والوں کے راستہ میں پیش آنے والی ساری مشکلات اور آلام و مصائب پوری شدت سے رونما ہو گئے۔ دشمن سارے عرب کو ساتھ لے کر آ دھمکا ہے۔ یہ حملہ اتنا اچانک ہے کہ اس کو پسپا کرنے کے لئے جس تیاری کی ضرورت ہے، اس کے لئے خاطر خواہ وقت نہیں۔ تعداد کم ہے۔ سامانِ رسد کی اتنی قلت ہے کہ کئی وقت فاقہ کرنا پڑتا ہے۔ مدینہ کے یہودیوں نے عین وقت پر دوستی کا معاہدہ توڑ دیا ہے، ان کی غداری کے باعث حالات مزید پیچیدہ ہو گئے ہیں۔ دشمن سیلاب کی طرح بڑھا چلا آ رہا ہے۔ اس کے پہنچنے سے قبل مدینہ طیبہ کی مغربی سمت کو خندق کھود کر محفوظ بنا دینا از حد ضروری ہے۔

ان حالات میں حضور سرور عالم ﷺ اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے دوش بدوش موجود ہیں۔ خندق کھودنے کا موقع آتا ہے تو ایک عام سپاہی کی طرح خندق کھودنے لگتے ہیں۔ مٹی اٹھا اٹھا کر باہر پھینک رہے ہیں۔ دوسرے مجاہدین کی طرح فاقہ کشی کی تکلیف بھی برداشت فرماتے ہیں۔ اگر صحابہ ؓ نے پیٹ پر ایک پتھر باندھ رکھا ہے تو شکم رسالت مآب ﷺ پر دو پتھر بندھے دکھائی دیتے ہیں۔ مہینہ بھر شدید سردی میں میدان جنگ میں صحابہ ؓ کے ساتھ دن رات قیام فرما ہیں۔ دشمن کے لشکر جرار کو دیکھ کر بھی پریشان نہیں ہوتے۔ بنو قریظہ کی عہد شکنی کا علم ہوتا ہے، تب بھی جبینِ سعادت پر بل نہیں پڑتے۔ منافقین طرح طرح کے حیلہ سازیوں سے میدان جنگ سے راہ فرار اختیار کرنے لگتے ہیں تب بھی پریشانی نہیں ہوتی۔ ان تمام ناگفتہ بہ حالات میں عزم و استقامت کا پہاڑ بنے کھڑے ہیں، قدم قدم پر صحابہ رضی اللہ عنہم کی دلجوئی فرماتے ہیں۔ منافقین سے صرف نظر کرتے ہیں۔ دشمن کو مرعوب کرنے کے لئے کوئی دقیقہ فروگزاشت نہیں کیا جاتا۔

پھر جنگی اور سیاسی خطوط پر ایسی تدبیریں کی جاتی ہیں کہ دشمن آپس میں ٹکرا جاتا ہے۔ حملہ آور خود بخود محاصرہ اٹھا کر ایک دوسرے پر گالیوں کی بوچھاڑ کرتے ہوئے ایک دوسرے پر غداری اور عہد شکنی کے الزامات لگاتے ہوئے بھاگ جاتا ہے۔ غرضیکہ یہ ایک ماہ کا عرصہ ایسا ہے کہ محبوب رب العالمین ﷺ کی سیرت طیبہ کے سارے پہلو اپنی پوری دل فریبیوں کے ساتھ اجاگر ہو جاتے ہیں۔ اس وقت یہ آیت نازل

---

[1] تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۴، صفحہ ۳۳۔

فرمائی گئی کہ ان مہیب خطرات میں تم نے میرے پیارے رسول ﷺ کا طریقہ کار دیکھ لیا، یہ کتنا راست بازانہ، سچا اور اخلاص وللّٰہیت کے رنگ میں رنگا ہوا ہے، یہی تمہاری زندگی کے ہر موڑ پر تمہارے لئے ایک خوبصورت نمونہ ہے۔ اس کے نقش قدم کو خضرِ راہ بنالو، اس کے دامنِ شفقت کو مضبوطی سے تھام لو، یقیناً منزل تک پہنچ جاؤ گے۔

مذکورہ آیت کی اس تشریح کے باوجود بعض لوگ اس تحریک کو بڑی سرگرمی سے چلا رہے ہیں کہ ہمیں صرف قرآن کی اتباع کرنا چاہیے، سنتِ نبوی کی پیروی کی ضرورت نہیں۔ باعث تعجب امر یہ ہے کہ ایک طرف تو وہ اتباعِ قرآن کے دعویدار ہیں اور پھر بھی بڑی جرأت کے ساتھ سنت کا انکار کرتے ہیں جبکہ قرآن ہی کا حکم ہے کہ اللہ تعالیٰ کے رسول برحق کی اطاعت کرو، اس کا حکم مانو اور اس کے اسوۂ حسنہ کو اپناؤ تو گویا حضور نبی کریم ﷺ کی فرمانبرداری قرآن سے کوئی الگ چیز نہیں بلکہ قرآن ہی کی اتباع ہے، لہٰذا اگر کوئی سُنّتِ نبوی کی پیروی کا انکار کرتا ہے تو گویا وہ اپنے قرآنی اتباع کے دعویٰ کو جھوٹا کر کے بے شمار آیاتِ ربانی کا منکر ہو جاتا ہے۔ مذکورہ بالا آیت کے علاوہ اور بہت سی قرآنی آیات ہمیں اتباع واطاعتِ رسول ﷺ کا حکم دیتی ہیں جن کو اتباعِ رسول ﷺ کے عنوان سے بیان کیا جارہا ہے۔

حضور ﷺ اصنافِ زندگی کے ہر پہلو میں کامل نمونہ تھے

قومی ذمہ داریوں کو نبھانے اور ملکی قوانین کی پاسداری کے لئے ہر مذہب نے ایک ہی تجویز پیش کی ہے اور وہ یہ کہ کسی مذہب کے شارع کے بیان کئے ہوئے طریقے اور نصیحتوں پر عمل کیا جائے لیکن اسلام نے ایک منفرد اندازِ تبلیغ اختیار کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پیغمبر ﷺ کو مسلمان قوم میں اس لئے مبعوث فرمایا تا کہ وہ ایک ایسی عملی زندگی کا نمونہ پیش کریں جو عین دینِ فطرت کے مطابق ہو اور اس میں کسی قسم کی کجی یا کمی کا شائبہ نہ ہو۔ یہ نمونہ اس لئے پیش کیا گیا کہ ہر مسلمان کو ایک طرف زندگی کے ہر شعبے میں ایسی راہنمائی حاصل ہو سکے کہ دنیا کے اصولوں کے اعتبار سے انسانی زندگی مضرات اور نقصانات سے مبرا ہے اور دوسری طرف اللہ تعالیٰ کی خوشنودی کی مستحق بنے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جو اعمال حضور ﷺ سے صادر ہوئے، وہ مکمل طور پر ایک معیاری زندگی کے عین مطابق تھے اور دینِ فطرت پر مبنی ہونے کے ناتے سے حفظانِ صحت کے سائنٹیفک اصولوں اور زبردست مصلحتوں کے حامل تھے۔ آج سے بہت پہلے آپ ﷺ کے اعمال کا معیار یہ تھا کہ جدید سائنس کے مختلف شعبوں نے یہ ثابت کر دیا ہے کہ آپ ﷺ کے عمل کا معیار ہر کمی اور کجی سے مبرا ہے۔

اس دنیا کی تخلیق اس نہج پر کی گئی ہے کہ اس کے شب و روز، اس کی پیداوار اور اس میں موجود تمام اشیاء پر دائمی تغیر رونما ہوتا رہتا ہے۔ زمین کی ساخت، درختوں کی رنگارنگ بہاریں، پہاڑوں سے نکلنے والے

دریا اور آبشاریں ہر وقت اپنا رنگ بدلتے رہتے ہیں، اسی طرح انسانوں میں بھی مختلف بنیادوں اور اختلافات پر مبنی اصناف پائے جاتے ہیں۔ لوگوں میں مختلف پیشے اور مختلف طبقات دیکھنے میں آتے ہیں۔ اگر کہیں فقیروں اور غریبوں کی بستیاں نظر آتی ہیں تو وہاں بادشاہوں اور رئیسوں کی انواع بھی نظر آتی ہیں، کہیں محکوم، مطیع اور فرمانبردار نظر آتے ہیں اور کہیں امن و امان کے قیام کے لئے قاضیوں اور ججوں کا ٹولہ بھی پایا جاتا ہے۔ ملکی حفاظت کے لئے فوجوں، سپہ سالاروں، سپاہیوں اور افسروں کا پایا جانا بھی ایک ضروری امر ہے۔ دنیا میں غریب، دولت مند، عابد و زاہد، چور اُچکے، سپاہی اور مجاہد بھی دیکھنے میں آتے ہیں۔ کچھ لوگ مفلس اور نادار ہوتے ہیں تو ان کے ساتھ ارباب مال و ثروت بھی پائے جاتے ہیں۔ پیشوں کے مطابق تاجر، سوداگر، امام و پیشوا، طبیب اور انجینئر غرض یہ کہ دنیا کے نظم و نسق میں کئی قسم کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ان تمام اصناف کو اپنی زندگی کے لئے عملی مجسمے اور نمونے کی ضرورت ہوتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ کو کامل انسان اسی لئے کہا جاتا ہے کہ آپ ﷺ نے مختلف اصناف کے لوگوں کے لئے زندگی گزارنے کی راہ فراہم کی ہے۔ آپ ﷺ کی نبوت کا اعجاز ہے کہ ان کی امت کے علماء نے بھی ہر موضوع پر زبردست راہنمائی پیش کی ہے اور ایسے ہی علامہ اقبالؒ نے ہر موضوع پر زبردست کلام پیش کیا ہے۔

حضور ﷺ کی شخصی زندگی ہر طائفہ انسانی اور ہر حالت کے مختلف مظاہر و اقسام اور جذبات کی صحیح نمائندگی کرتی ہے۔ آپ ﷺ کی ذات میں درویشوں، فرمانرواؤں، مہمانوں، میزبانوں، رعایا اور حاکموں کی طرز زندگی کے نمونے نظر آتے ہیں۔ گویا اگر کوئی بادشاہ ہو یا رعایا، فاتح یا سپہ سالار ہو تو آپ ﷺ کی زندگی میں اس کا ایک نمونہ ہے۔ اگر کوئی استاد یا معلم ہو تو اصحاب صُفّہ کے مدرس کو دیکھے، اگر کوئی واعظ اور ناصح ہو تو مسجد نبوی ﷺ کے منبر پر کھڑے ہونے والے کی باتوں پر غور کرے، اگر کوئی تنہائی اور بے کسی کے عالم کا شکار ہو تو مکہ معظمہ کے بے یار و مددگار نبی ﷺ کا اُسوۂ حسنہ اس کے سامنے ایک درخشندہ مثال ہوگی، اگر کوئی اپنے دشمنوں اور مخالفوں پر غلبہ حاصل کرے تو فتح مکہ کا نظارہ اس کو ایک نفیس لائحہ عمل پیش کرے گا۔ غرض یہ کہ آپ ﷺ کی زندگی یتیموں اور بے کسوں، تاجروں، مالداروں، شہنشاہوں اور مصیبت زدہ لوگوں کے علاوہ چرواہوں، محنت کشوں، جوانوں اور بوڑھوں کے لئے راہنمائی فراہم کرتی ہے۔

اگر قضاۃ کے فیصلوں اور ثالثوں کی زندگی کا نمونہ چاہتے ہو تو مدینہ منورہ کی مسجد کے کچے صحن میں بیٹھنے والے منصف کو دیکھئے، جس کی نظر انصاف میں شاہ و گدا اور امیر و غریب سب برابر تھے۔ آپ ﷺ کی حیات طیبہ، بیویوں، شوہروں، اولادوں کے بارے میں، آپ ﷺ کی سیرت درستی و اصلاح کا سامان اور نورِ ہدایت بن کر چمکتی ہوئی نظر آتی ہے۔

آپ ﷺ کے اوصاف کسی میں موجود نہ تھے

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں ہمیں اس قدر مختلف انواع واقسام کے اوصاف نظر آتے ہیں جو تاریخ میں بیک وقت کسی ایک انسان میں یکجا دکھائی نہیں دیتے۔ آپ ﷺ کی حیثیت دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ سے کم نہ تھی، لیکن آپ ﷺ کی اختیار کردہ بے بسی کا یہ عالم تھا کہ کسی چیز کو اپنے قبضے میں نہ سمجھتے تھے جس کی حکمت عملی کا آئین یہ تھا کہ "اَلْمُلْکُ لِلّٰہِ وَالْحُکْمُ لِلّٰہِ" یعنی ملک خدا کے قبضہ قدرت میں ہوتا ہے اور اس ملک کا قانون بھی خداوند تعالیٰ کی طرف سے نافذ کیا جاتا ہے۔ آپ ﷺ کے زمانے میں خزانوں سے لدے ہوئے اونٹ مال غنیمت کے طور پر آتے اور ان کو محتاجوں، بے کسوں اور حقداروں میں تقسیم کیا جاتا۔ اس قدر مال ودولت آنے کے باوجود آپ ﷺ کی درویشانہ زندگی کا یہ عالم تھا کہ مہینوں تک ان کے گھر میں چولہا نہ جلتا تھا اور کئی روز تک فاقوں پر نوبت آجاتی۔ آپ ﷺ کی سپہ سالاری کا یہ عالم تھا کہ مٹھی بھر نہتے مجاہدوں کو لے کر ساز وسامان سے لیس ہزاروں کی فوج پر جھپٹ کر کامیابی حاصل کر لیتے۔ آپ ﷺ صلح پسند ایسے تھے کہ ہزاروں پر جوش جانثار صحابہ ؓ کی ہمرکابی کے باوجود صلح کے کاغذ پر بے چون وچرا دستخط کر دیتے، اس نوعیت کی سیاسی حقانیت کا علم اس وقت ہوتا جب اس کے حیرت انگیز اثرات نمودار ہوتے۔

شجاعت اور بہادری کے ایسے واقعات بھی نظر آتے ہیں کہ حضور ﷺ ہزاروں کے مقابلے میں تن تنہا بھی لڑتے رہے اور نرم دلی کے ایسے مواقع بھی نظر آتے ہیں کہ آپ ﷺ نے انسانی خون کا ایک قطرہ بھی اپنے ہاتھ سے نہ بہایا یہاں تک کہ اگر کوئی ایسا واقعہ پیش آیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی ذمہ داری کو اپنی طرف تحویل کیا اور فرمایا:

"وَمَا رَمَیْتَ اِذْ رَمَیْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ رَمٰی" (سورہ انفال: ۱۷)

(یعنی اے محبوب ﷺ وہ کنکریاں آپ ﷺ نے نہیں پھینکیں جو آپ ﷺ نے پھینکیں وہ تو اللہ نے پھینکیں)

آپ ﷺ کے دل میں پوری کائنات کا فکر جاگزیں رہتا اور جب دنیا سے بے تعلق ہوتے تو اپنے خدا کے سوا کسی اور کی یاد آپ ﷺ کے دل میں نہ ہوتی۔ تاریخ شاہد ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے برا کہنے والوں سے کبھی بدلہ نہ لیا اور اپنے ذاتی دشمنوں کے حق میں دعا دی لیکن اس کے ساتھ ساتھ خداوند تعالیٰ کی یاد کو فراموش نہ کیا اور اس کے ساتھ ہی خدا کے دشمنوں کو کبھی معاف نہ کیا۔ آپ ﷺ کی بود و باش ایسی تھی کہ کھجور کی چھال کا تکیہ لگا کر لیٹ جاتے کہ آپ ﷺ کے بدن مبارک پر کھردری چٹائی کے نشانات پڑ جاتے۔ حضرت عمر ؓ نے جب یہ حال دیکھا تو رو پڑے۔ اس پر رسول ﷺ نے فرمایا اے عمر ؓ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ قیصر و کسریٰ تو دنیا کے مزے لوٹیں اور ہم اللہ کو راضی کر لیں۔ آپ ﷺ کی بیٹی فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا آنے کی

چکی پیستی تو ہاتھوں پر چھالے پڑ جاتے، مگر انہیں کام کرنے کے لئے لونڈی نہ ملتی جبکہ اس وقت تقریباً آدھا عرب آپ ﷺ کے زیرِ نگیں تھا۔ فتح مکہ کے موقع پر رسول اللہ ﷺ نے سب سے بڑے حریف ابوسفیان کو معاف فرما دیا، جبکہ وہ یہ سمجھتا تھا کہ حضور ﷺ بہت بڑے بادشاہ بن گئے ہیں اور آج وہ مجھ سے ایک ایک بدلہ چکائیں گے۔ فتح مکہ کے بعد عدی بن حاتم (قبیلہ طئی کے رئیس اور حاتم طائی کے فرزند) جو مذہباً عیسائی تھا، حضور ﷺ کی شان و شوکت، رعب و دبدبہ دیکھ کر اس بات کا فیصلہ نہ کر سکا کہ آپ ﷺ بادشاہ ہیں یا پیغمبر لیکن جب ایک غریب لونڈی نے آپ ﷺ کے دربار میں آ کر فریاد کی تو آپ ﷺ نے اس کی حاجت پوری فرما دی۔ اس تواضع کو دیکھ کر عدی ؓ نے فوراً اسلام قبول کر لیا اور یہ سمجھ لیا کہ آپ ﷺ ایک بادشاہ نہیں بلکہ ایک پیغمبر ہیں۔

حضور ﷺ کی ذاتِ مُبارکہ پوری کائنات میں منفرد ہے

اس دنیائے گوناگوں میں ہر زمانے میں علماء، حکماء، فلسفی، سائنس دان اور بہت بڑے بڑے محققین گزر چکے ہیں اور آئندہ بھی کئی عظیم ہستیاں رہتی دنیا تک آتی رہیں گی لیکن رسول اللہ ﷺ کی ہستی ایک ایسی بلند پایہ اور عالی مرتبت خوبیوں کی مالک ہے کہ جس کی نظیر کسی زمانے میں بھی ممکن نہیں۔ جس طرح اللہ تعالیٰ کی ذات بے چوں و بے چگوں ہے، اسی طرح اس کے محبوب ترین رسول ﷺ بھی بے مثل اور بے مثال ہیں۔ اس بات پر پوری دنیا کا اتفاق ہے کہ مجموعۂ کمالات و جمالات کی وہ بلندیاں جو تمام رسولوں میں موجود تھیں وہ تمام تنہا فخرِ موجودات محمد مصطفیٰ ﷺ کی جہات والا ستودہ صفات میں موجود ہیں اور درج ذیل شعر آپ ﷺ کے حقیقی کمالات کی صحیح ترجمانی کرتا ہے ۔

حُسن یُوسفؑ دم عیسیٰؑ ید بیضا داری آنچه خوباں همه دارند تو تنها داری

احادیث سے اس بات کا علم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو بھی مجھ پر ایمان لایا، اللہ تعالیٰ نے ان سب کے مجموعے پر مجھ کو ایمان عطا فرمایا۔[1] قوت القلوب میں رسول اللہ ﷺ کا ارشاد پاک نقل کیا گیا ہے کہ ایک ہزار عوام اہلِ اسلام کا ایمان ایک صالح مومن مرد کے برابر ہوتا ہے اور تمام صالحین کا ایمان ایک شہید کے برابر ہے اور تمام شہداء کا ایمان حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے برابر ہے۔[2] روایات میں یہ بھی آیا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ایمان اور اعمال کا پلڑا تمام امتیوں سے بڑھ کر ہے، ان روایات

---

[1] التذکرہ فی الاحادیث المشتہرہ، بدرالدین الزرکشی، متوفی ۷۹۴ھ، جلد۱، صفحہ۱۷۱، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

[2] قوت القلوب، شیخ محمد بن عطیہ مکی، جلد۲، صفحہ۲۷۹، غلام علی اینڈ سنز، لاہور۔

سے ثابت ہوتا ہے کہ جس نبی آخر الزمان ﷺ کے ایک صحابی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا مقام اس قدر بلند ہے تو سید الکونین فخر موجودات ﷺ کے ایمان اور اعمال کی شان کیا ہوگی۔ دیگر احادیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تمام کائنات حضور نبی کریم ﷺ کی خاطر پیدا کی گئی اور تمام کائنات کا مدعا صرف آپ ﷺ ہی کی ذات بابرکات ہے۔

آپ ﷺ کی ذات بزرگ تر اور قابلِ اِتباع ہے

اگرچہ یہود و نصاریٰ کی اسلام سے مخالفت پر شک وشبہ نہیں لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ دنیا کے تمام سیرت نگاروں نے اس حقیقت پر اتفاق کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے بڑھ کر آج تک کوئی بزرگ انسان پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی قیامت تک کوئی ایسا شخص پیدا ہوگا جو انسان ہر پہلو سے کامل اور اکمل ہو، یقیناً وہ اِتباع کرنے کے قابل ہوگا۔ اس بات کی تائید اللہ نے قرآن مجید میں جابجا فرمائی ہے اور اس بات کا اعلان کیا ہے کہ حضور ﷺ کی ذات مکمل تقلید اور اتباع کے لائق ہے اور فرمایا ’’لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ‘‘ (میرے محبوب کے تمام خصائل تمہارے لئے نمونہ ہیں) (الاحزاب: ۲۱)۔

مذکورہ بالا آیت سے اللہ تعالیٰ کا اشارہ اس طرف ہے کہ میرا محبوب ﷺ جو ہر پہلو سے کامل ہے، اس کی تمام عادات، ادائیں، خصائل، شمائل اور جو خوبیاں ان میں جمع کردی ہیں، وہ سب تمہارے لئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے تمام خوبیوں کو رسول اللہ ﷺ میں جمع کرنے کے بعد یہ ظاہر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اللہ تعالیٰ کی قدرتوں کا مجموعہ ہیں، اس کے منشاء کے مظہر اور اللہ تعالیٰ کی مرضی کی تفسیر ہیں۔

خُلق کیا ہے اور صاحبِ خُلقِ عظیم ﷺ کے خُلق کی شان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ’’وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ‘‘ (بے شک آپ عظیم الشان خُلق کے مالک ہیں) (القلم: ۴) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ افضل ایمان والا کون ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ’’جو اخلاق میں سب سے بہتر ہے‘‘۔[1]

کسی ارادے کے عادت بن جانے کو خُلق کہتے ہیں۔ اگر ارادہ عطاء بخشش کا خوگر ہو جائے تو اس کو خُلق کریم کہتے ہیں۔ استاد ابوعلی دقاق ’’ فرماتے ہیں کہ اچھے اخلاق انسان کی بہترین خوبیاں ہیں، اس سے انسان کا جوہر ظاہر ہوتا ہے۔ انسان اپنے افعال کی وجہ سے تو چھپا رہتا ہے مگر اخلاق کی وجہ سے مشہور ہوتا ہے۔

انسان کے رجحانات کا اپنے استمرار و تسلسل کی وجہ سے غالب آجانا خلق کہلاتا ہے، اگر خلق اچھی

---

[1] مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۳۶، جلد ۱، صفحہ ۲۱۔

عادت یا رجحان میں ہو تو خلق حسن کہلاتا ہے۔ واضعیؒ نے فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ کے خلق کو اس لئے عظیم فرمایا کہ آپ ﷺ نے دونوں جہانوں کی جملہ اشیاء کو دے کر اللہ تعالیٰ کے ساتھ اکتفا کیا۔ واسطیؒ فرماتے ہیں کہ خُلقِ عظیم کا مطلب یہ تھا کہ اللہ کی شدید مغفرت کی وجہ سے آپ ﷺ نہ تو خود کسی سے جھگڑے اور نہ کوئی ان سے جھگڑ سکا۔ حسن منصورؒ فرماتے ہیں کہ مخلوق کی جفا کا آپ ﷺ پر کوئی اثر نہ تھا جبکہ آپ ﷺ حق کا مطالعہ کر چکے ہیں۔ الکتانیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف نام ہی اخلاق کا ہے لہٰذا جو شخص تم میں سے اخلاق میں بلند ہوگا، وہ تصوف میں بھی تم سے بلند ہوگا۔ ابن عمرؓ نے فرمایا کہ اگر تم مجھ سے اپنے غلام کو اَخزَاہُ اللّٰہُ (خدا اسے رسوا کرے) کہتے ہوئے سن لو تو تم گواہ رہنا کہ وہ آزاد ہے۔ فضیلؒ فرماتے ہیں کہ اگر ایک شخص کلیتاً نیکی کرتا ہے مگر اس کی ایک مرغی ہے جس سے وہ برا برتاؤ کرتا ہے تو وہ نیک کام کرنے والا نہیں کہلائے گا۔

حدیث میں ہے کہ ایمان کے بعد سب سے بڑی نیکی خلق ہے۔ آپ ﷺ نے ایک جگہ فرمایا کہ تم اپنے مال کے ذریعے سے لوگوں کو خوش نہیں کر سکتے لہٰذا خندہ پیشانی اور حسن خلق سے انہیں خوش رکھا کرو۔[1] ذوالنونؒ فرماتے ہیں کہ جو سب سے زیادہ بدخلق ہے، وہ سب سے زیادہ غمزدہ رہتا ہے۔

اویس قرنیؒ کو بچے پتھر مارتے تو کہتے کہ اگر تم نے پتھر مارنے ہی ہیں تو اتنے بڑے نہ مارو جس سے میری پنڈلیوں سے خون جاری ہو اور میں نماز نہ پڑھ سکوں۔ ایک شخص نے احنف بن قیس ؓ کو گالی دی اور گالیاں دیتا ہوا آپ ؓ کے پیچھے گھر تک گیا۔ جب گھر کے قریب ہوئے تو آپ رک گئے اور اسے کہا کہ اگر اور کوئی بات تمہارے دل میں رہ گئی ہے تو یہیں کہہ ڈالو تا کہ میرے قبیلہ کا کوئی بے وقوف تمہیں تمہاری بات سن کر کچھ جواب نہ دے۔ وہبؒ فرماتے ہیں کہ بندہ جس کسی بات کو چالیس دن تک اپنا خلق بنا لے تو وہ خلق اس کی طبیعت بن جاتا ہے۔

ایک دن کا واقعہ ہے کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے غلام کو آواز دی اور جب وہ تین بار آواز دینے پر بھی نہ آیا تو خود جا کر دیکھا کہ آرام سے لیٹا ہوا تھا۔ پوچھا کیا تم نے میری آواز نہیں سنی؟ کہنے لگا ہاں سن رہا ہوں، پوچھا کہ پھر جواب کیوں نہیں دیتا؟ کہنے لگا مجھے یقین تھا کہ آپ ؓ مجھے سزا نہیں دیں گے۔ یہ سن کر آپ ؓ نے فرمایا جا تو اللہ کے لئے آزاد ہے۔ جریریؒ فرماتے ہیں کہ میں حج کے لئے مکہ گیا تو واپسی پر پہلے جنیدؒ کے گھر حاضری دی اس لئے کہ اگر میں آپؒ کے گھر نہ گیا تو آپؒ میرے گھر پر آنے کی تکلیف فرمائیں گے۔ جب میں نے اپنے محلے کی مسجد میں صبح کی نماز پڑھی تو دیکھا کہ جنیدؒ میرے پیچھے صف میں تھے۔ میں نے

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۲۶۲۶، جلد ۴، صفحہ ۲۰۲۶۔

کہا کہ میں کل اسی غرض سے آپ کے ہاں حاضر ہوا تھا کہ آپؒ تکلیف نہ فرمائیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ وہ تمہاری مہربانی تھی اور یہ تمہارا حق ہے۔

ابو حفصؒ نے فرمایا خلق تو وہی ہے جو اللہ نے اپنے حبیب ﷺ سے فرمایا، یعنی جس طرح کہا گیا ہے کہ خلق یہ ہے کہ لوگوں کی بدخلقی اور اللہ کی قضا کو بغیر ملال اور اظہار بے چینی کے قبول کرے۔ فتوت یہ ہے کہ بندہ اوروں کے کام میں لگا رہے کیونکہ حدیث شریف میں ہے کہ جو اپنے آپ کو دوسروں سے افضل نہ سمجھے [1] یا جو اپنی خواہشات کی مخالفت کرے وہ صاحب فتوت ہے۔ ایک مجوسی نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے دعوت چاہی تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ اس شرط پر دعوت کرتا ہوں کہ اگر تو مسلمان ہو جائے، یہ سن کر مجوسی چلا گیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام پر وحی نازل ہوئی ''اے ابراہیم علیہ السلام ہم تو پچاس سال سے اس کو باوجود کافر ہونے کے کھانا دے رہے ہیں اگر تو ایک لقمہ دین کی تبدیلی کے بغیر اسے دے دیتا تو بہتر تھا'' آپ علیہ السلام گئے اور اس سے معذرت کی اور کھانا کھلایا اور یہ قصہ سن کر وہ مسلمان ہو گیا۔

شیرازی شیخؒ ایک شخص کی دعوت پر آئے اور کھانے کے بعد حالت سماع میں ان کو نیند آ گئی۔ شیخ نے میزبان سے پوچھا ہمارے سو جانے کی کیا وجہ ہے؟ کہنے لگے کہ مجھے معلوم نہیں لیکن جو کچھ میں نے تمہیں کھلایا ہے، سوائے بینگن کے باقی کچھ نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ بینگن چوری کے تھے اور کھیت والے نے وہ کھیت چور کو دے دیا تا کہ وہ آئندہ چوری نہ کرے۔

ایک حاجی مدینے میں تھا جس کی تھیلی گم ہو گئی، جب اس نے امام جعفر صادقؒ کو دیکھا تو ان سے لپٹ گیا اور کہنے لگا تو نے میری تھیلی اٹھائی ہے۔ آپؒ نے پوچھا اس میں کیا تھا؟ کہا ایک ہزار دینار۔ آپؒ اس کو اپنے گھر لے گئے اور ایک ہزار دینار گن کر دے دیئے مگر بعد میں وہ تھیلی اس کو راستے میں گری ہوئی مل گئی، چنانچہ وہ عذر خواہی کے لئے حضرت جعفرؒ کے گھر آیا مگر آپؒ نے ایک ہزار دینار واپس لینے سے انکار کر دیا اور فرمایا جو چیز میں اپنے ہاتھ سے نکال چکا ہوں، واپس نہیں لوں گا، اس نے لوگوں سے پوچھا یہ کون ہیں؟ بتایا گیا کہ یہ امام جعفر صادقؒ ہیں۔

امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ خلق نفس کے اس ملکہ اور استعداد کو کہتے ہیں جس میں وہ پایا جائے اور اس کے لئے افعال جمیلہ اور خصائل حمیدہ پر عمل پیرا ہونا اس طرح آسان اور سہل ہو جائے جیسے دیکھنا، سننا آسان ہے۔ فرماتے ہیں اچھا فعل کرنا الگ بات ہے مگر اس کو آسانی اور سہولت سے کرنا کہ اس کو کرنے میں تکلیف کی نوبت نہ آئے، جیسے دیکھنا، سننا، بولنا، بے تردد ہو تو ان امور میں تیرا اخلاق تصور کیا جائے گا۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۲۵۶۴، جلد ۴، صفحہ ۱۹۸۶۔

حضور ﷺ کی ذات پاک تمام کمالات کی جامع تھی۔ شکرِ نوح علیہ السلام، خلّتِ ابراہیم علیہ السلام، اخلاصِ موسیٰ علیہ السلام، صدقِ اسماعیل علیہ السلام، صبرِ یعقوب علیہ السلام اور تواضع سلیمان علیہ السلام سب یہاں جمع تھے۔

حضور ﷺ کی عظمتِ خُلق کے قریب کوئی نہیں پہنچ سکتا

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے کہ (بے شک آپ ﷺ عظیم الشان خلق کے مالک ہیں) آپ ﷺ ظاہری شکل اور اخلاق کے اعتبار سے تمام انبیاء سے برتر ہیں۔ کوئی آپ ﷺ کی شانِ علم اور کرم کے قریب نہیں پہنچ سکا۔ آپ ﷺ بزرگی کے آفتاب ہیں اور سارے انبیاء ستارے ہیں جو عہد جہالت کے اندھیروں میں آپ ﷺ کے انوار کو ظاہر کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث مشہور ہے کہ آپ رضی اللہ عنہا سے پوچھا گیا کہ حضور ﷺ کا اخلاق کیسا تھا تو آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کیا تم نے قرآن نہیں پڑھا۔ سارا قرآن ان کا خلق ہے، [1] آپ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآنُ یعنی جن مکارم اخلاق کا قرآن حکم دیتا ہے، آپ ﷺ اس سے کمال درجہ متصف ہیں اور برائیوں سے پوری طرح منزّہ و مبرّا ہیں۔

امام ترمذیؒ نے فرمایا کہ حضور ﷺ اپنی مشیت اور مرضی سے الگ ہو گئے ہیں اور اپنے آپ کو کلیتًا حق کے سپرد کر دیا ہے۔ امام قشیریؒ نے فرمایا کہ نہ مصائب کے باعث اللہ سے منہ موڑو نہ جود و عطا سے دامن بھر لینے کے بعد۔ جنیدؒ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ کے خلق کو عظیم اس لئے کہا گیا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے بغیر حضور ﷺ کی کوئی خواہش نہیں۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں دس سال حضور ﷺ کے ساتھ رہا، آپ ﷺ نے مجھے کبھی اف تک نہ فرمایا، جو کام میں نے کیا آپ ﷺ نے کبھی نہ فرمایا کہ کیوں کیا اور جو کام نہ کیا اس کے متعلق کبھی نہ فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔ [2] آپ ﷺ حسن و جمال میں بھی تمام لوگوں سے برتر ہیں۔ کوئی ریشم آپ ﷺ کے ہاتھ سے زیادہ نرم نہیں ہے، کوئی خوشبو آپ ﷺ کے پسینے سے زیادہ خوشبودار نہیں ہے۔ آپ ﷺ کے ارشادات کی نقل ہی قیامت کے دن مومن کے میزان میں سب سے بڑی نیکی ہوگی۔ حسن خلق سے زیادہ وزنی اور کوئی چیز نہ ہوگی، اور اللہ تعالیٰ فحش کلام کرنے والے کو ناپسند کرتا ہے۔ ایک حدیث میں آپ ﷺ کا فرمان ہے کہ قیامت کے دن تم میں سب سے زیادہ میرے محبوب اور زیادہ قریب وہ لوگ ہوں گے جن کے اخلاق اچھے ہوں گے۔ پھر فرمایا کہ میرے نزدیک تم میں سے سب سے زیادہ ناپسندیدہ اور قیامت کے دن تم میں سے سب سے زیادہ دور بے ہودہ باتیں کرنے والے، زبان دراز اور متکبر ہوں گے۔ [1] شیخ عبد

---

[1] المستدرک، حدیث ۳۲۲۲، جلد ۲، صفحہ ۶۷۰۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۵۶۹۱، جلد ۵، صفحہ ۲۲۳۵۔

القادر جیلانیؒ نے غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے کہ اللہ عزوجل نے اپنے محبوب رسول ﷺ کو بہت سے معجزے، کرامات، فضیلتیں، خصائل اور وسائل سے نوازا ہے مگر قرآن میں ان چیزوں کا ذکر اور تعریف ایسی نہیں کہ جیسی آپ ﷺ کے اخلاق کی فرمائی، یعنی ارشاد فرمایا ''وَ اِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ'' (القلم:۴) بعض مشائخ نے لکھا ہے کہ یہ تعریف اس لئے فرمائی کہ حضور اکرم ﷺ نے دونوں جہانوں کو اللہ کے لئے ترک کر کے اللہ پر اکتفا کیا ہے۔

کسی نے کہا ہے کہ خلق عظیم یہ ہے کہ کمال معرفت الٰہی کی بنا پر کسی سے جھگڑا نہ کیا جائے اور نہ کوئی اس سے جھگڑا کرے، یعنی نہ اپنے حق کے لئے نہ کسی کی حق تلفی کے لئے جھگڑا کرے۔ ابوسعید کرازؒ نے فرمایا کہ حسن خلق یہ ہے کہ آدمی کے ارادے کے سامنے سوائے اللہ کے اور کوئی نہ ہو یعنی اس کا ارادہ اللہ کی رضا کے تحت ہو۔

حضرت جنیدؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حارث نجاشی سے سنا ہے کہ ہم نے تین چیزوں کو کھو دیا ہے۔ (۱) کشادہ پیشانی اور ابرو کی حفاظت (۲) ایسی خوش کلامی جس میں بناوٹ نہ ہو (۳) عہد کو وفا کے ساتھ نبھانا۔ کچھ لوگوں نے کہا کہ حسنِ خلق یہ ہے کہ جو تم عطا کرو اسے حقیر جانو اور جو تم کو ملے اس کو عظیم سمجھو۔ بعض نے کہا کہ تم لوگوں کو ایذا نہ دو اور دوسروں کی ایذا کو برداشت کرو۔

حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ انسان اپنی جسمانی بناوٹ کے لحاظ سے پوشیدہ ہے لیکن اپنے اخلاق کے لحاظ سے ظاہر اور نمایاں ہے۔[1] حدیث میں ہے کہ اللہ کے پاس اخلاق کا خزانہ جمع ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی بندے کے ساتھ بھلائی چاہتا ہے تو اس کے اندر خلق کو پیدا کر دیتا ہے۔ [2] آپ ﷺ نے فرمایا ''میں اس لئے پیدا کیا گیا ہوں کہ مکارم اخلاق کا تکمیلہ کردوں'' [3] اور فرمایا کہ ''میں اس لئے بھول جاتا ہوں کہ تمہارے لئے سنت قائم کردوں''۔

سرورِ کونین ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے ایک سو سے کچھ اوپر اخلاق ہیں، ان میں سے ایک بھی وہ جسے عطا فرمادے، وہ جنت میں داخل ہوگا۔ اسی لئے فرمایا گیا تَخَلَّقُوْا بِاَخْلَاقِ اللّٰہِ (اللہ تعالیٰ کے اخلاق کو اپناؤ) [4] اور اخلاق کو اپنانے کی صفت بندوں میں نہ رکھی جاتی تو اللہ تعالیٰ اپنے اسماء صفاتی بندوں پر ظاہر نہ فرماتا اور اپنے اخلاق کے اپنانے کی دعوت نہ دیتا اور فرمایا ''درگزر کی عادت رکھو، نیکی کا حکم دو اور جاہلوں سے منہ پھیرلو''۔

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۲۰۱۸، جلد ۴، صفحہ ۳۷۰۔ [2] المستدرک للحاکم، حدیث ۴۲۲۱، جلد ۲، صفحہ ۶۷۰۔

[3] التذکرہ، جلد ۱، صفحہ ۸۔

[4] تفسیر کبیر فخر الدین رازی، متوفی ۶۰۴، جلد ۷، صفحہ ۶۰، دار الکتب علمیہ، بیروت۔

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا حسنِ اخلاق یہ ہے کہ جو تم سے توڑے تم اس سے جوڑو، جو تجھے محروم رکھے تم اسے عطا کرو، جو تم پر ظلم کرے، تم اسے معاف کرو اور فرمایا کہ قیامت کے دن میزان میں سب سے وزنی چیز جو رکھی جائے گی، وہ اللہ تعالیٰ سے ڈرنا اور حسنِ اخلاق ہے۔[1] ایک آدمی حضرت محمد ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور پوچھا کہ دین کیا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا حسن اخلاق پھر دائیں بائیں اور پیچھے سے حاضر ہو کر پوچھتا رہا آپ ﷺ نے یہی فرمایا۔ حتیٰ کہ چوتھی بار فرمایا کیا تو نہیں سمجھتا دین کیا ہے؟ دین یہ ہے کہ تو غصہ نہ کر۔ عرض کیا گیا کہ بدبختی کیا ہے؟ تو فرمایا بداخلاقی۔[2]

حضور اکرم ﷺ سے پوچھا گیا کہ فلاں عورت دن میں روزے رکھتی ہے اور رات کو نماز پڑھتی ہے مگر بداخلاق ہے، پڑوسیوں کو زبان سے تکلیف دیتی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اس عورت میں کچھ بھلائی نہیں، یہ دوزخیوں میں سے ہے۔[3] بہت سی احادیث میں اس قسم کے واقعات بیان کئے گئے ہیں کہ جن لوگوں نے جانوروں یا بے زبانوں پر رحم کیا تو اللہ نے ان کو بخش دیا یا ان پر رحم کیا۔ ایک شخص بکری ذبحہ کرنے کے لئے بکری کو زبردستی ہانک رہا تھا حضور ﷺ نے فرمایا اسے نرمی کے ساتھ لے جاؤ کیونکہ 'فَاِنَّ اللّٰہَ یَرْحَمُ مِنْ عِبَادِہِ الرُّحَمَا" (یعنی اللہ تعالیٰ رحم کرنے والے بندوں پر رحم فرماتا ہے)۔[4] اسی لئے جانوروں کے ذبح کرنے کے لئے احکام صادر کئے گئے ہیں کہ چھری ان کے سامنے تیز نہ کرو۔ ذبح کرنے سے قبل پانی پلالو، دانہ کھلاؤ، چھری کا تیز ہونا ضروری ہے اور دوسرے جانوروں کے سامنے ذبح نہ کرو۔

خلق اگر جبلی ہے تو اس کو خلق بنانے کے لئے کسی چیز یا مدد کی ضرورت نہیں ہوتی اور اگر جبلی نہیں تو کسب کی ضرورت ہوگی، اکتسابی قویٰ صرف کرنا پڑیں گی، طبیعت پر بوجھ ڈالنا پڑے گا اور خارج سے تحریکات کو حاصل کرنا ہوگا، تب وہ عادت کی صفات حاصل کرے گا۔ کسبی اخلاق دو طرح کے ہیں (۱) محمودہ یعنی وہ خلق جو مسلسل مشق سے اس لئے حاصل کیا جائے کہ اس کو برمحل اور حسب ضرورت استعمال کیا جائے۔ علم سیکھنے سے ہی آتا ہے اور خلق خوگر ہونے سے ہی خلق بنتا ہے۔ (۲) مزمومہ یعنی اگر اس حصول اخلاق کا مقصد نمائش، شہرت یا اعلان ہو تو اس کو ریا، تصنع، شہرت پسندی کہتے ہیں اور یہ مذموم ہے۔ ایسے بناوٹی خلق رکھنے والے کو جس قدر تیر کی طرح سیدھا کرو گے، اسی قدر ٹیڑھا ہوتا جائے گا۔

حضرت عمر ؓ فرماتے ہیں جو آدمی اپنے اندر ایسی صفت پیدا کرے جو اس میں بناوٹی ہو اور حقیقت میں اس میں موجود نہ ہو تو اللہ تعالیٰ اس کو رسوا کر کے چھوڑے گا۔ اصل میں اس کی مثال اس زخم جیسی

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۲۰۰۲، جلد ۴، صفحہ ۳۶۲۔ [2] احیاء العلوم، جلد ۱، صفحہ ۲۶۶۔

[3] مسند احمد بن حنبل، جلد ۲، صفحہ ۴۴۰۔ [4] المبسوط السرخسی، شمس الدین سرخسی، جلد ۱۱، صفحہ ۲۲۷، دار المعرفہ، بیروت۔

ہے جو مندمل نہ ہو سکے، بلکہ مندمل نظر آئے۔ اس اخلاق میں نفاق اور نفس شامل ہیں۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ حق کے ساتھ اس طرح ہو جا کہ مخلوق درمیان میں نہ ہو (یعنی بغیر ریا کے) اور خدا کی مخلوق کے ساتھ ایسا ہو جا کہ تیرا نفس اس میں حائل نہ ہو۔

اخلاقِ حسنہ: کتانیؒ فرماتے ہیں کہ تصوف حُسنِ خلق کا دوسرا نام ہے۔ جو شخص تجھ سے زیادہ خوش خلق ہے، وہ یقیناً تجھ سے زیادہ صاحب تصوف ہے۔ شیخ عبداللہ بن مبارکؒ فرماتے ہیں حسن خلق یہ ہے کہ شگفتہ روی اور خندہ پیشانی کے ساتھ بھلائی کی جائے اور لوگوں کو اذیت نہ دی جائے۔

حقیقتِ اخلاق: ایک بزرگ نے کہا ہے کہ کشادہ روی اخلاق ہے۔ ایک نے کہا کہ یہ دوسروں کے رنج اٹھانا یا ظلم وستم برداشت کرنا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ انتقام نہ لینا اخلاق ہے۔ حدیث میں ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا (میں اس واسطے مبعوث کیا گیا ہوں کہ مکارمِ اخلاق کا تکملہ کروں)[1] آپ ﷺ سے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے دریافت کیا کہ وہ کون سے اعمال ہیں جن کی وجہ سے زیادہ لوگ جنت میں جائیں گے، فرمایا حسنِ اخلاق اور تقویٰ۔ پھر دریافت کیا گیا کہ لوگ دوزخ میں کن چیزوں کی بدولت داخل ہوں گے، فرمایا خوشی اور غم[2] یعنی خوشی سے مراد دنیاوی کامیابیوں پر خوشی اور دنیاوی لذتوں کے ضائع ہونے پر غم زدہ نہ ہو اور جو کچھ تم کو حاصل ہو، اس پر خوش مت ہو۔ شیخ عبد القادر جیلانیؒ کے تجارتی جہاز کا غرق ہونا اور آپ کا الحمد للہ کہنا اور بعد میں اس خبر کا غلط ثابت ہونا اور پھر الحمد للہ کہنا، یہ اس بات کی مثال ہے کہ آپ کو دونوں حالتوں پر غم یا خوشی نہ تھی۔

شہاب الدین سہروردیؒ فرماتے ہیں کہ قناعت بھی صوفیاء کا ایک خلق ہے۔ بشر بن حارثؒ فرماتے ہیں کہ قناعت میں اگر عزت کے علاوہ اور کوئی فائدہ نہ ہو تو قانع کے لئے یہی کافی ہے۔ یحییٰ بن معاذؒ فرماتے ہیں جو اپنے رزق پر قانع ہو گیا، وہ آخرت کو حاصل کرے گا اور اس کی زندگی بھی اچھی گزرے گی۔

کیا اخلاق پیدا کیئے جاسکتے ہیں؟

انسان اپنی ظاہری صورت مثلاً قد، قامت، خوبصورتی یا بدصورتی کو مرضی کے مطابق بدل نہیں سکتا، اسی طرح اخلاق، خصائل جو اس کے باطن میں ودیعت کر دیئے گئے ہوں، جب تک مجاہدہ نہ کیا جائے بدل نہیں سکتے کیونکہ ریاضت، مجاہدہ، پند ونصیحت اور مذہب کا مقصد ہی یہی ہے۔ حدیث میں ہے اپنے خصائل

---

[1] سنن البیہقی الکبریٰ، حدیث ۲۰۵۷۱، جلد ۱۰، صفحہ ۱۹۱۔ [2] سنن الترمذی، حدیث ۲۰۰۴، جلد ۴، صفحہ ۳۶۳۔

اور عادات کو پسندیدہ بناؤ۔ [۱] یہ اس لئے ناممکن نہیں کہ جانوروں کو بھی مطیع اور فرمانبردار بنایا جاتا ہے۔ کھجور کی گٹھلی سے سیب کا درخت تو نہیں اگایا جا سکتا، البتہ کھجور کی پیداوار کو بہتر بنایا جا سکتا ہے۔ غصے کو جڑ سے تو نکال نہیں پھینکا جا سکتا لیکن ریاضت سے اعتدال پر لایا جا سکتا ہے، غصہ اور شہوت کا ہٹانا انسان کی عادت میں پائی جانے والی شدت پر منحصر ہے۔ ان کی قسمیں چار ہیں:

۱۔ وہ لوگ جو نیک و بد کی پہچان نہیں کرتے اور ان کا رجحان فطرت اول (یعنی اصلاح کو قبول کر لینے) کی طرف ہے ذرا سی تربیت دیں تو سنبھل جاتے ہیں۔ والدین کا فرض ہے کہ بچوں کو اس طرح نیکی کی طرف راغب کریں۔

۲۔ وہ لوگ جو شہوت اور غضب کے تابع رہنے کی وجہ سے عادی ہو جاتے ہیں ان کی اصلاح خوئے بد کو نکالنے اور خوئے نیک کی تخم ریزی کرنے سے ہو سکتی ہے۔

۳۔ وہ لوگ جو برائی کے خوگر ہوتے ہیں اور نہ ہی بدلنے کا احساس ہوتا ہے بلکہ برائی برائی نہیں لگتی اور اس سے لطف اندوز ہوتے ہیں، ایسے لوگ شاذ و نادر ہی اصلاح پذیر ہوتے ہیں۔

۴۔ کچھ لوگ برائی پر نہ صرف خوش بلکہ فخر کرتے ہیں، مثلاً کہتے ہیں ہم نے اتنے قتل کیے ہیں، ہم تو شراب غٹاغٹ پی جاتے ہیں اور کچھ بھی نہیں ہوتا، ان کی اصلاح سعادت آسمانی کے علاوہ ممکن نہیں۔

کچھ فقہاء کا قول ہے کہ اصلاحِ اخلاق کے لئے لوگ تین قسم پر ہوتے ہیں۔

۱۔ وہ لوگ جن کا ضمیرِ نیک فطرت ہو یعنی تخلیق میں خوبی ہو، مثلاً تواضع سخاوت وغیرہ یہ عطائے خداوندی ہے۔

۲۔ کچھ لوگ تکلف سے اپنے آپ کو نیک کام پر لگاتے ہیں تاکہ عادت ہوتے ہوتے فطرت بن جائے۔ (''می شود باجبر پیدا اختیار'' (یعنی جبر کرنے سے اختیار پیدا ہوتا ہے)

۳۔ وہ لوگ جو نیک صحبت میں آ کر دیکھا دیکھی نیک ہو جائیں۔ جو لوگ صحبت کا اثر قبول کر لیتے ہیں ان کے لئے صحبت ضروری ہے۔

جن کو یہ تینوں سعادتیں نصیب ہوں یعنی فطرتِ نیک، صحبتِ نیک میسر ہو اور نیک عادت اپنانے کے آرزومند ہوں تو وہ سعید (مکمل سعادت والے) ہیں، جو سعادت کا بلند ترین مقام ہے۔ جن کو تینوں سے محرومی ہو، یعنی فطرت ناقص، صحبت شریروں کی ہو اور بری عادت اختیار کرنے کا شوق ہو وہ شقی کہلاتا ہے۔ ان دونوں کے درمیان بھی درجات ہوتے ہیں۔ اگر جوانی میں کچھ کر نہ پائے تو بڑھاپے میں عمل کی کوشش کرو،

---

[۱] صحیح ابن حبان، حدیث ۵۲۳، جلد ۲، صفحہ ۲۸۳۔

کیونکہ آگ میں گم شدہ سونا راکھ میں سے نکل آتا ہے۔

حضور اکرم ﷺ نے ایک شخص کو فرمایا: اے شیخ تجھ میں دو ایسے خلق پائے جاتے ہیں کہ جن کو اللہ تعالیٰ محبوب رکھتا ہے، ایک حلم اور دوسرا وقار، جب انہوں نے پوچھا کہ یہ دونوں خلق میرے اندر کسب کا نتیجہ ہیں یا نہاد سرشت میں خدا کی طرف سے ودیعت کیے گئے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا یہ تیرے اندر خدا کی جانب سے ودیعت ہیں۔[1]

اخلاقِ حسنہ پر حضور ﷺ کے چند فرمودات

انسان کے رُجحانات کا اپنے استمرار و تسلسل کی وجہ سے غالب آجانا خلق کہلاتا ہے، اگر خلق اچھی عادت یا رجحان میں ہو تو خلق حسنہ کہلاتا ہے۔ حدیث شریف میں ہے کہ ایمان کے بعد سب سے بڑی نیکی خلق ہے۔[2] امام فخر الدین رازیؒ فرماتے ہیں کہ خلق نفس کے اس ملکہ اور استعداد کو کہتے ہیں کہ جس میں وہ پایا جائے تو اس کے لئے افعال جمیلہ اور خصائص حمیدہ پر عمل پیرا ہونا آسان اور سہل ہو جائے۔[3] اگر کسی سے سخاوت، حیا، حق گوئی، تقویٰ وغیرہ جیسے اعمال بلاتردد و توقف صادر ہوں تو ان کو اخلاق تصور کیا جائے گا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام اپنی ظاہری شکل و صورت اور سیرت و اخلاق کے اعتبار سے تمام انبیاء سے برتر ہیں۔ حضور ﷺ کی ذات گرامی تمام کمالات کی جامع ہے۔ شکرِ نوح ؑ، خلّتِ ابراہیم ؑ، اخلاص موسیٰ ؑ، صبرِ یعقوب ؑ، اور تواضع سلیمان ؑ سب یہاں جمع ہیں۔

افعالِ پسندیدہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا خاصہ تھا۔ آپ نے متعدد بار ارشادات گرامی میں اخلاق حسنہ کی تلقین فرمائی اور اپنے نیاز مندوں کو بھی ان نعمتوں سے مالا مال کر دیا۔ آج کے اس بے اطمینانی و بے چینی کے دور میں سیرت و اخلاق کی تعمیر کے لئے سیرت نبوی ﷺ سے ہی بہترین رہنمائی حاصل ہو سکتی ہے۔ ذیل میں ہم تشکیلِ کردار کے لئے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ارشاداتِ عالیہ میں سے چند ایک درج کرتے ہیں جن پر عمل پیرا ہو کر ایک مومن دارین کی سعادتیں حاصل کر سکتا ہے۔

اخلاقِ حسنہ و حسنِ معاشرت

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں سے اچھے وہ لوگ ہیں جن کے اخلاق اچھے ہیں۔[4] اور سنن ابو داؤد میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت کے مطابق اچھے اخلاق سے بندہ رات بھر نفلی نمازیں پڑھنے والے اور ہمیشہ روزہ رکھنے والے کا درجہ حاصل کر لیتا

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۱۸، جلد ۱، صفحہ ۴۸۔

[2] کنز العمال، حدیث ۴۳۵۸۱، جلد ۱۵، صفحہ ۳۸۶۔

[3] تفسیر الکبیر، امام فخر الدین رازی۔

[4] صحیح بخاری، حدیث ۵۶۸۸، جلد ۵، صفحہ ۲۲۴۵۔

ہے۔۱

والدین کے حقوق

جامع ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ کی رضامندی والدین کی رضامندی میں ہے۔۲ حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ماؤں کی نافرمانی تم پر حرام کردی ہے۔ ۳ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے کو جو ماں باپ کی خدمت کر کے جنت حاصل نہ کر سکا، وہ بدنصیب ہے۔ ۴ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زیادہ احسان جتانے والا، والدین کا نافرمان اور شرابی کبھی جنت میں داخل نہ ہو گا۔ ۵

میاں بیوی کے حقوق

ایک حدیث پاک میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ کسی مومن شوہر کو اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہیں کرنی چاہئے۔۶ دوسری حدیث پاک میں جو حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ جس عورت سے اس کا شوہر راضی ہو وہ جنت میں جائے گی۔ ۷

عورتوں کو پردہ میں رہنے کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا کہ عورت ستر ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیاطین اس کو تاکتے اور اپنی نظروں کا نشانہ بناتے ہیں۔

رشتہ داروں سے حسنِ سلوک

رشتہ داروں کے ساتھ اچھا برتاؤ رکھنے سے رزق اور عمر میں برکت ہوتی ہے اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ٹوٹے ہوئے رشتوں کا جوڑنا اچھا برتاؤ ہے۔ ۸ قرآن میں بھی ہے "وَالصُّلْحُ خَيْرٌ" (صلح کر لینا بہتر ہے) (النساء:۱۲۰)

ہمسایہ سے حسن سلوک

احادیث مبارکہ میں ہمسایہ سے حسن سلوک کی بہت تاکید آئی ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص کی شرارتوں اور فتنہ پردازیوں سے اس کا پڑوسی محفوظ نہ ہو وہ مومن نہیں۔۱

---

۱ سنن ابی داؤد، حدیث ۴۷۹۸، جلد۲، صفحہ ۶۶۸۔

۲ سنن الترمذی، جلد۲، صفحہ ۳۶۳۔

۳ صحیح بخاری، حدیث ۲۲۷۷، جلد۲، صفحہ ۸۴۸۔

۴ صحیح مسلم، حدیث ۲۵۵۱، جلد۴، صفحہ ۱۹۷۶۔

۵ سنن نسائی، حدیث ۵۱۸۲، جلد۳، صفحہ ۲۳۱۔

۶ صحیح مسلم، حدیث ۱۴۶۹، جلد۲، صفحہ ۱۰۹۱۔

۷ سنن الترمذی، حدیث ۱۱۶۱، جلد۳، صفحہ ۳۶۶۔

۸ صحیح مسلم حدیث نمبر ۴۶، جلد۱، صفحہ ۶۸۔

بھائی چارہ

مسلمانوں کا آپس میں اتفاق، ایک دوسرے پر رحم، شفقت، مہربانی اور مسلمان بھائی کی مدد و اعانت پر حضور ﷺ نے بہت زور دیا ہے۔ حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قسم کھا کر فرمایا "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبُّ لِاَخِیْهِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِهٖ" (کہ کوئی بندہ سچا مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی نہ چاہے جو وہ اپنے لئے چاہتا ہو)۔ حدیث پاک میں ہے کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر پانچ حق ہیں:

(۱) سلام کا جواب دینا (۲) بیمار کی عیادت کرنا (۳) جنازے کے ساتھ جانا (۴) دعوت قبول کرنا (۵) چھینک آنے پر یَرْحَمُکَ اللّٰہُ کہہ کر اس کے لئے دعائے مغفرت کرنا۔[۲]

حضور ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان کا خون، مال اور آبرو دوسرے مسلمان کے لئے قابل احترام ہے۔ جیسا کہ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے۔[۳]

عیادت

حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا بھوکوں کو کھانا کھلاؤ، بیماروں کی عیادت کرو اور جو لوگ ناحق قید کر دیئے گئے ہوں، ان کی رہائی کی کوشش کرو۔[۴]

طعنہ زنی

حضرت ابن مسعود ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ مومن طعنہ دینے والا، لعنت بھیجنے والا، فحش گو اور بدزبان نہیں ہوتا۔[۵]

عیب پوشی

حدیث پاک میں ہے کہ عیب کو چھپانے کا ثواب زندہ دفن کی ہوئی لڑکی کو بچانے کے برابر ہے۔[۶] حدیث پاک میں سات گناہوں کو ایمان کی ہلاکت کا سبب فرمایا گیا۔ شرک، جادو، ناحق قتل، یتیم کا مال کھانا، سود کھانا، لڑائی کے دن کافروں کے سامنے سے بھاگ جانا اور شادی شدہ، ایماندار، پاک دامن

---

[۱] الترغیب والترھیب، حدیث ۲۷۳۳، جلد ۲، صفحہ ۳۶۲۔

[۲] صحیح بخاری، حدیث ۱۱۸۳، جلد ۱، صفحہ ۴۱۸۔

[۳] صحیح مسلم، حدیث ۲۵۶۴، جلد ۴، صفحہ ۱۹۸۶۔

[۴] صحیح بخاری، حدیث ۴۸۷۹، جلد ۵، صفحہ ۱۹۸۴۔

[۵] صحیح مسلم، حدیث ۲۹۸۳، جلد ۴، صفحہ ۲۲۸۷۔

[۶] شرح السنۃ، حدیث ۳۵۱۹، جلد ۳، صفحہ ۹۹۔

عورت پر عیب لگانا۔[۱]

کسی مسلمان کو کافر کہنا منع ہے

حضرت ابوذر ؓ کی روایت کے مطابق کسی مسلمان کو (ناجائز طور پر) فاسق یا کافر کہنے سے یہ الزام اسی الزام لگانے والے کی طرف لوٹ آتا ہے۔[۲]

عیب جوئی بری بات ہے

حضرت ابوہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بدگمانی، کسی کی ٹوہ میں جاسوسوں کی طرح رازدارانہ طریقے سے عیب جوئی، بے جا ہوس، حسد، بغض اور کینہ سے منع فرما کر آپس میں بھائی بھائی بننے کا حکم دیا۔[۳]

احسان کا بدلہ دینا سنت ہے

حضرت جابر ؓ سے حدیث پاک مروی ہے کہ حضور ﷺ نے احسان پر بدلہ دینے کا حکم فرمایا، اگر قدرت نہ رکھتا ہو تو تعریف ہی کرے، تعریف کرنا گویا شکریہ ادا کرنا ہے۔[۴]

یتیم کا کفیل جنتی ہے

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ یتیم کی کفالت کرنے والا جنت میں میرے قریب ہوگا، جس طرح انگشتِ شہادت اور بیچ والی انگلی ہے اور فرمایا کہ یتیم بچے کو اپنے کھانے پینے میں شریک کرنے والا ضرور بالضرور جنت میں داخل ہوگا، سوائے اس بات کے کہ اس نے کوئی ناقابل معافی جرم کیا ہو۔[۵]

حضرت علامہ علاء الدین صدیقی مدظلہ العالی
کا اُسوۂ حسنہ پر حکمت آمیز واعظ

ایک جمعۃ المبارک کے دن حضرت علامہ علاء الدین صدیقی مدظلہ العالی نے لالہ موسیٰ کی جامع مسجد میں اس موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی جس کا خلاصہ نیچے بیان کیا جارہا ہے۔

---

[۱] لکفایۃ فی علم الروایۃ، جلد۱، صفحہ۱۰۳۔

[۲] صحیح بخاری، حدیث ۵۶۹۸، جلد۵، صفحہ ۲۲۴۷۔

[۳] صحیح بخاری، حدیث ۵۷۱۷، جلد۵، صفحہ ۲۲۵۳۔

[۴] سنن ابی داؤد، حدیث ۱۳۸۶، باب ۴۲۹۔

[۵] صحیح بخاری، حدیث ۵۶۵۹، جلد۵، صفحہ ۲۲۳۷۔

آپ ﷺ کو کمالاتِ انسانیہ کی بلندیوں پر تخلیق فرمایا گیا

اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ "بے شک تمہاری رہنمائی کے لئے اللہ کے رسول ﷺ (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ نمونہ اس کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے" (الاحزاب:۲۱)

مذکورہ آیت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کی توجہ اس طرف مبذول فرمائی ہے کہ میرا محبوب جس کی ہر عادت قابلِ ستائش (اور کامیاب زندگی گزارنے کے لئے بہترین نمونہ ہے) وہ تمہارے لئے مخصوص کردی گئی ہیں تاکہ تم بھی ان کی عادات کو ذہن میں رکھو۔ میرے محبوب کی تمام پاکیزہ ادائیں، خصائل، فضائل، شمائل مسلمانوں کے لئے ہیں۔ اس بات کا خیال رکھنا چاہئے کہ رسول اللہ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اس حالت میں پیدا فرمایا کہ وہ اپنے کمال کی بلندیوں تک پہنچ چکے تھے۔ آپ ﷺ کے تمام خصائل نہایت پسندیدہ اور حسین ہیں۔ آپ کا وجود مبارک اس قدر منور خوبیوں کا حامل ہے جن کے نور سے دور دور تک تاریکیوں کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کی صفات اور منشاء کے مظہر ہوتے ہوئے اس کی رضا اور خوشنودی کی تفسیر ہیں۔ تمام خوبیوں کو آپ ﷺ کے وجود کے اندر رکھنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا جو کچھ ان کے سینے میں رکھا گیا ہے اور جو خوبیاں ان کی رفتار، گفتار، کردار، صورت اور سیرت میں رکھ دی گئی ہیں اے مسلمانو! یہ سب تمہارے لئے ہیں۔

آپ ﷺ کے خصائل کا ظہور بعد میں ہوا لیکن آپ ﷺ نبی پہلے تھے

آپ ﷺ کی شان یہ ہے کہ آپ ﷺ کی عادات مبارکہ دنیا میں آنے کے بعد ظاہر ہوئیں لیکن آپ ﷺ نبی اس سے بھی پہلے تھے۔ غور کا مقام ہے خصلتیں بعد میں بنیں اور نبی پہلے تھے۔ نمازیں بعد میں بنیں اور نبی پہلے تھے، خلق بعد میں آیا، علم بعد میں آیا، اقتدار بعد میں آیا، اختیار بعد میں آیا، سجدہ، قومہ، رکوع بعد میں آیا لیکن آپ ﷺ نبی پہلے تھے۔ آپ ﷺ کا ظہور بعد میں ہوا لیکن سب چیزوں سے نبی پاک ﷺ پہلے تھے جیسا کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"نَحْنُ الْاٰخِرُوْنَ وَنَحْنُ السَّابِقُوْنَ"[1] (تمام سبقتوں کے باوجود بعثت میں ہم آخری ہیں)

مذکورہ بیان سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ اگر نبی ﷺ ان تمام خوبیوں کے محتاج ہوتے تو نبوت سے پہلے یہ سب چیزیں آپ کے لئے پیدا کی جاتیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے نہ میں ان چیزوں کا محتاج ہوں اور نہ ہی میرے نبی پاک ﷺ ان کے محتاج ہیں۔ حضور ﷺ کے وجود میں یہ سب خوبیاں سب فضائل اس لئے رکھی

---

[1] تحفۃ الاحوذی، عبدالرحمٰن بن عبدالرحیم مبارکپوری، متوفی ۱۳۵۳، جلد ۶، صفحہ ۳۲۳، دار الکتب العلمیہ، بیروت۔

گئیں کہ تمہیں ان کے حصول میں آسانی ہو جائے، یہ سب تمہارے لئے ہیں۔

آپ ﷺ کی پاکیزہ عادتوں کا نام اسوۂ حسنہ ہے

سورۂ احزاب کی مذکورہ بالا آیت میں خطاب مسلمانوں کو کیا جا رہا ہے اور اس بات کی نشاندہی کی جا رہی ہے کہ تمہارے رسول ﷺ کی پاکیزہ عادتوں کا نام اُسوہ حسنہ ہے۔ حضور ﷺ کا کردار اور گفتار آپ ﷺ کا اُسوہ حسنہ ہے، وہ سو جائیں تو اُسوہ حسنہ، چلیں، بولیں یا خاموش رہیں تو یہ اُسوہ حسنہ ہے۔ آپ ﷺ کی نگاہ اٹھے، فرش پر پڑے یا عرش پر پڑے تو یہ بھی اُسوہ حسنہ ہے۔ جنگِ اُحد یا بدر کے میدان جنگ میں جائیں تو اُسوہ حسنہ، مکہ میں رہیں، خالی پیٹ رہیں، کچھ تناول فرمائیں تو یہ اُسوہ حسنہ ہے۔ کسی غلام پر کرم کریں یا کسی کو تاج بخش دیں، یا راج و بخت بخش دیں تو یہ اُسوہ حسنہ ہے۔ کسی کو ولایت یا علم وتقویٰ بخش دیں تو یہ سب اُسوہ حسنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا منشا یہ ہے کہ جو کچھ نبی ﷺ کا ہے، وہ سب کا سب اُسوہ حسنہ ہے۔ مگر جہاں تک تمہاری وسعت اور قدرت میں ہے، وہ سب تمہارے فائدے کیلئے ہے۔ میرا نبی ﷺ اس کا محتاج نہیں۔

حضور ﷺ سب کے لئے ہیں مگر اُسوۂ حَسنہ صرف مومنوں کے لئے ہے

سورہ احزاب کی آیت ۲۱ میں لَکُمْ کی ضمیر بتاتی ہے کہ قیامت تک آنے والے اس آیت کے مخاطب ہیں۔ نبی ﷺ کا لائحہ عمل زندگی کی آخری مشعل قرار دی گئی ہے اور اس آیت کے مخاطب تمام کلمہ پڑھنے والے مسلمان ہیں، جو لوگ پیدا نہیں ہوئے اور ابھی تک اس دنیا میں نہیں آئے، ان سب کو لَکُمْ کی ضمیر سے مخاطب فرمایا گیا ہے، بلکہ جو لوگ ابھی کلمہ پڑھنے والے ہیں، ان کو بھی مخاطب کے صیغے میں کلام فرمایا۔ فرمان الٰہی سے مراد یہ بھی ہے اگرچہ نبی ﷺ تمام کائنات کیلئے ہیں مگر نبی ﷺ کی سیرت صرف تمہارے لئے ہے۔ لَکُمْ کی مثال اس طرح سمجھ میں آسکتی ہے کہ یہ مسجد (جس میں تقریر ہو رہی ہے) سارے لالہ موسیٰ والوں کے لئے ہے مگر فائدہ ان کو ملے گا جو مسجد کے اندر آئیں گے۔ جو شخص اس مسجد کو باہر سے ہی ہاتھ لگا کر چلا جائے اور یہ کہے کہ یہ مسجد میری ہے ایسے شخص کا صرف مسجد کے لئے دعویٰ ہے، فائدہ نہیں ہے۔ جو لوگ اس میں داخل ہو گئے، وہ کامیاب ہو گئے۔ اس طرح اسوہ حسنہ کی پاکیزہ خصوصیات اے کلمہ پڑھنے والو! صرف تمہارے لئے یا اس کے لئے ہیں جس نے خدا کو راضی کرنا اور رب کی خوشنودی حاصل کرنا ہو گی۔

مذکورہ بالا آیت میں اس بات کی تفسیر ہو رہی ہے کہ اسوہ حسنہ ان لوگوں کے لئے ہے، جن کا ذکر اس آیت کے آخری حصے میں آیا ہے یعنی ”لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ“ (اسوہ حسنہ کا یہ نمونہ ان لوگوں

کے لئے ہے جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے کی امید رکھتے ہیں)(الاحزاب:۲۱)

اوپر بیان کی گئی مثال سے یہ واضح ہو جاتا ہے کہ مذکورہ مسجد میں وہی آئے گا، جو خداوند تعالیٰ کو اپنے سجدوں سے راضی کرنے کی امید رکھتا ہو۔ نبی ﷺ کا اسوہ سب کے لئے ہے، مگر اس پر عمل وہی کرے گا، جو اللہ کو راضی کرنا چاہتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا چاہے۔ گویا بندہ چاہتا ہے کہ خدا راضی ہو اور خدا چاہتا ہے کہ بندہ میرے قریب ہو۔ بندہ محب ہے اور خدا محبوب ہے، یہ عابد ہے اور وہ معبود ہے، یہ ساجد ہے اور وہ مسجود ہے، یہ انسان ہے اور وہ رب ہے، یہ مخلوق ہے اور وہ خالق ہے۔ ان دونوں میں رابطہ قائم کرنے کے لئے انسان ساجد مومن اور عابد کی حیثیت سے قرب چاہتا ہے یعنی محب اپنے محبوب کا در چاہتا ہے، طالب مطلوب کی بارگاہ کا متمنی ہے، قاصد مقصود کے بغیر جینا نہیں چاہتا۔ عاشق معشوق کے بغیر رہنا نہیں چاہتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے تم ساری زندگی سجدے کرتے ہوئے گزار دو، عبادت کرتے رہو مگر میرے لائق عبادت وہی ہوگی، سجدہ وہی ہوگا، نیت وہی ہوگی، عادت، خصلت، ریاضت، تلاوت، محبت، چاہت، عبدیت وہی ہو گی جس میں میرے محبوب کی ادا ہوگی۔

تم عبادت سے مجھے راضی کرنا چاہتے ہو مگر تمہاری عبادت نہیں مانی جائے گی۔ عبادت وہی مانی جائے گی، جو میرے رسول ﷺ کی طرز پر ادا ہوگی۔ تم مجھے ملنا بھی چاہتے ہو تو یاد رکھو کہ اگر وہ (رسول اللہ ﷺ) نہ ہوتے تو تم کہاں ہوتے۔ وہ نہیں تھے تو میں مسجود بھی نہیں تھا۔ مجھے خالق بھی کوئی نہیں کہتا تھا۔ میں معبود، مقصود، مطلوب اور اپنی صفات کے ساتھ ظاہر بھی نہ تھا۔ وہ آئے تو سب کچھ آ گیا۔ جس کی وجہ سے تم عابد ہو اور میں معبود، مسجود، مقصود، مطلوب محبوب بنا اور تم مخلوق اور میں خالق بنا۔ یہ سب راستے میرے محبوب کے ذریعے سے ہیں، تم اسی کو لے کر آؤ، میں تمہیں اپنا بنا لوں گا۔ ان کی طرح ان کی سی ادائیں، ان کا طرز تکلم، گفتار، رفتار وغیرہ لے آؤ تو میں تمہیں اپنا بنا لوں گا۔ تم اپنا ہر کام، ساعت کلام، نشست و برخاست، کھانا پینا، بولنا، نگاہ اٹھانا، سونا جاگنا، چلنا پھرنا، حضر و سفر، جہاد اور امن، گھریلو زندگی، شہری اور دیہاتی زندگی، جوانی، بچپن، بڑھاپا، میرے محبوب کے سانچے میں ڈھال کر آؤ گے تو میں تمہیں اپنا بنا لوں گا۔ جوانی ہو، بچپن ہو، بڑھاپا ہو، رات ہو، دن ہو، فجر ہو، عصر ہو، اندھیرا ہو، اجالا ہو، سفر ہو یا حضر، جب تم میرے ساتھ رابطہ رکھو گے، ان منازل میں میرے محبوب کی اداؤں کو سامنے رکھ کر آنا، تو نہ تم مجھ سے جدا رہو گے اور نہ میں تم سے جدا رہوں گا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ جب کوئی گھر سے نکلتا ہے تو وضو کر کے صاف ستھرے کپڑے زیب تن کر کے اچھی طرح اپنے آپ کو سجا کر نکلتا ہے۔ کئی لوگ باہر نکلنے سے پہلے آئینے میں اپنی شکل و صورت دیکھتے ہیں،

ان کے دل میں یہ خیال ہوتا ہے کہ بٹن باندھوں، کوٹ دیکھوں، شلوار قمیض، بال مانگ شکل وصورت دیکھوں، کوئی داغ تو نہیں۔ چہرے پر کسی کو نظر آنے والی کوئی بدنما چیز تو نہیں بالوں میں ٹیڑھا پن تو نہیں، لباس مکمل طور پر درست ہے، یہ سب کچھ کیوں کرتے ہو؟ یہ اس لئے کرتے ہو کہ تم نے ڈپٹی کمشنر کے سامنے جانا ہے یا شہر میں کسی مجلس یا شادی پر جانا ہے۔ جانے والا اپنی ہر چیز کو دیکھ کر خود مطمئن ہوتا ہے اور جب تک مطمئن نہیں ہوتا، شیشے کے آگے سے ہٹنا نہیں چاہتا۔ جب مطمئن ہو گیا تو شیشہ وہیں رہتا ہے اور یہ بندہ چل نکلتا ہے۔

رب تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم دنیا سے نکل کر میرے پاس آنا چاہتے ہو، تم بھی اپنے سامنے ایک شیشہ رکھو اور اپنے آپ کو سجا کر میرے سامنے آؤ تا کہ وہ چیزیں جو ناپسند ہوں، وہ اتار کر آؤ۔ میرے اور تمہارے درمیان پسندیدگی کا مظہر ہونا ضروری ہے، تمہارے عیب نکال کر تمہیں حسن و جمال دینے والا تمہارے زوال کو مٹا کر تمہیں کمال دینے والا، تمہاری بدصورتی کو مٹا کر تمہیں حسن و جمال دینے والا اور تمہیں لاجواب کیفیت عطا کرنے والا اگر کوئی شیشہ ہے تو تمہارے اور میرے درمیان شیشۂ محمدیہ ﷺ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ اس آئینہ کے سامنے کھڑے ہو جاؤ۔ دیکھو کیا کمی ہے، آئینے کو سامنے رکھو، حسن و کمال کو جمع کرتے جاؤ، کمال کی چیزوں کو جمع کرتے جاؤ، جب آئینہ سیرت محمدی ﷺ میں، آئینہ کمال محمدی ﷺ میں اور آئینہ تصور محمدی ﷺ میں آپ کی زندگی پوری اتر جائے اور اس آئینے سے مزین ہو کر جو جمال لے کر اٹھو گے تو تمہیں خالق کونین پسند فرمائے گا۔ جب رخ زیبا محمد ﷺ کے سامنے کھڑے ہو جاؤ گے یعنی جب جلوۂ سیرت محمد ﷺ کے سامنے کھڑے ہو جاؤ گے تو وہ شیشہ سب سے پہلے تمہارا دل دکھاتا ہے۔ دنیا کے شیشوں کے سامنے کھڑے ہوتے ہو تو چہرہ نظر آتا ہے۔ جمال محمدی ﷺ کے آئینے میں دیکھو گے تو دل کو عیاں پاؤ گے۔ دل میں کیا ہے، اس میں صداقت بھی ہے اور کذب بھی، اس میں بخل، اسراف، سخاوت، نحوست، رحمت ایمان بھی ہے اور کفر بھی۔ دل میں جھوٹ بھی ہے اور سچ بھی۔ اس میں جذبۂ شر بھی ہے اور جذبۂ خیر بھی، اس میں عناد، فساد اور بغاوت بھی ہے، اس میں مروت، شقاوت، اتحاد بھی ہے، دل میں دوری بھی اور جذبہ قرب بھی ہے۔ جو چیز دل میں ہوئی سب نظر آئے گی اور جو خدا کو محبوب بنانا چاہتا ہے، وہ سیرت جمال محمدی ﷺ کے شیشے میں ہر ایک بات کو مٹاتا جائے گا، جس کو خدا پسند نہیں کرتا۔

یوں سمجھئے کہ وہ شیشہ عیب مٹاتا ہے اور نیکیاں تقسیم کرتا چلا جاتا ہے۔ جو اس شیشہ کے سامنے آ گیا، پاک ہو گیا، اس کی سیرت پاک ہو گئی، اس کی صورت پاک ہو گئی، اس کا دل پاک ہو گیا، اس کا باطن پاک ہو گیا، اس کا ظاہر پاک ہو گیا، اس کی رفتار گفتار، اس کا کردار اور اس کا ظاہر و باطن درست ہو گیا اور جب ظاہر و باطن درست ہو گیا تو اس پاکیزگی کے بعد اب وہ خدا کو راضی کرنے کے لئے نکلے گا۔ اب دنیا میں نہیں پھرے

گا، یہیں کھڑے ہو کر رخ کعبہ کی طرف کر کے نیت کر کے، دو عالم سے منہ موڑ کر خالق کونین کی طرف توجہ کر کے کائنات سے تعلق توڑ کر رکوع کرے گا، سجدہ میں جائے گا۔ اس پاکیزگی اور طہارت کو لے کر سجدے میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے گا تو چونکہ حجاب بننے والی کوئی شے نہیں ہے، فرش پر یہ پکارے گا، عرش پر ادھر آواز آئے گی لَبَّیْکَ عَبْدِیْ اے میرے بندے میں حاضر ہوں، بتا کیا چاہتا ہے؟ لہٰذا جس کو رب کی رضا مطلوب ہوگی، وہ محمد ﷺ کے جلوے اپنے اندر سمیٹے گا۔ اس سے یہ ظاہر ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی سیرت کے بغیر، اخلاق کے بغیر، اعمال کے بغیر، طرز زندگی کے بغیر کوئی آدمی کوئی بھی عمل اختیار کرے، خدا تک نہیں پہنچ سکتا اور جو تھوڑی دیر ہی حضور ﷺ کی بارگاہ میں پہنچے، لمبے اعمال کی ضرورت ہی نہیں۔ صرف اس آئینہ کے سامنے پہنچنے کے بعد پاک ہونا لازمی ہے اور جو سامنے ہوگیا، وہ پاک ہوگیا۔

دیکھو ایک آدمی پانچ سو سال سے مشرک ہے، ۱۰۰ سال سے کافر ہے، نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں داخل ہوا، ان کا ہاتھ تھام لیا، حضور ﷺ ایک مرتبہ کفر کی ظلمت سے نکال کر کلمے کا نور اس میں ڈالتے ہیں...... "لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ" اتنا کہنے کے بعد وہ ہاتھ چھوڑتا ہے، مر جاتا ہے، سیدھا جنت میں جائے گا، اس سے پوچھا بھی نہیں جائے گا۔ اس سے سوال بھی نہیں ہوگا، اس کے اعمال بھی نہیں تولے جائیں گے، قبر میں جائے گا، حشر میں سیدھا خدا کے حضور حاضری دے کر سیدھا جنت میں جائے گا۔ حساب اس لئے نہیں ہوگا کہ کلمہ پڑھنے کے بعد اسے موقع ہی نہیں ملا کہ عمل کرتا۔ رات اور دن میں معاملات کا موقع نہ ملا کہ پرسش ہوتی۔ عورتوں، مردوں، جوانوں، بوڑھوں سے ملنے کا موقع ہی نہیں ملا۔

ادھر کلمہ طیبہ کی آواز نکلی، آواز باہر آئی، نور اندر گیا، روح نکلی، کلمہ کے نور نے ایمان کو دل میں متمکن کیا۔ روح قرب الٰہی میں چلی گئی۔ موقع ہی کسی عمل کا نہیں ملا۔ خدا اس سے کیا پوچھے گا؟ سیدھا جنت میں جائے گا۔ اب اندازہ لگائیے کہ ایک لمحہ کے لئے جو رسول پاک ﷺ کے دستِ مبارک سے اپنا ہاتھ ملا کر توبہ کر کے قبول اسلام کرتا ہے، اس آئینہ کے سامنے ہو کر کفر کے بدنما دھبے مٹا کر ایمان واسلام کے پاکیزہ خدوخال سے زندگی سنوارتا ہے۔ وہ انسان خدا کے حضور بے سوال کھڑا ہوگیا اور نبی پاک ﷺ نے اسی لئے فرمایا ہے کہ میری سیرت پر عمل کرنے والے، میری محبت میں گم ہو کر خدا کو تلاش کرنے والے، میرے جمال کا چراغ لے کر خدا کو ڈھونڈنے والے، میرے نبوت کے انوار لے کر توحید کے جلوے لوٹنے والے اور میری بارگاہ میں قبول ہو کر خدا کو راضی کرنے والے ایسے لوگ موجود ہیں، جن کی تعداد ستر ہزار ہے کہ جب یہ قیامت میں جائیں گے، خدا ان سے ارشاد فرمائے گا، میں تم سے کوئی حساب نہیں لیتا، جاؤ تم بلا حساب جنت میں چلے جاؤ۔ جب وہ جنت میں جانے کے لئے تیار ہوں گے تو ان میں سے ہر ایک ۷۰، ۷۰ ہزار جنت میں لے جائے

گا اور جوان کے ساتھ اٹھیں گے، خدا ان سے بھی حساب نہیں لے گا۔ یہ کون لوگ ہیں لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ (الاحزاب:۲۱) یہ سیرت رسول ﷺ ان کے لئے ہے، یہ لائحہ عمل ان کے لئے ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی رضا کو اپنا معمول بنایا، اللہ کی رضا اور قیامت کی بہتری کی طلب کی، انہوں نے ساری زندگی رسول اللہ ﷺ کی اطاعت میں گزاری ہے۔ خدا نے ان کو دنیا میں بھی عزت دے دی، قبر میں بھی عزت دی، ان کو حشر میں بھی عزت دی اور اس عزت کا ضامن کون بنا؟ یہ عزت کس در سے ملی؟ کس بارگاہ سے ملی؟ کس دامن سے ملی؟ جناب محمد ﷺ کی بارگاہ سے ملی ہے۔

اس سے دو عظیم مسئلے ثابت ہو گئے۔ پہلی بات یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کے سارے اعمال، اعمالِ خیر ہیں۔ حضور مجسّمِ خیر ہیں، ہر لمحہ خیر، قدم قدم خیر، دم دم خیر، بلکہ قاسمُ الخیر ہیں۔ یہ جو کچھ کہا یہ آپ کی بہتری کے لئے ہے کہ آپ کی زندگی کا کوئی گوشہ تشنہ نہ رہ جائے، زندگی کے ہر گوشہ میں حضور ﷺ کی سیرت کا نور پڑ رہا ہوگا۔ زندگی کے جس شعبے کو آپ اپنانا چاہیں، اس میں کسی کے محتاج نہ ہوں۔ آج اگر کسی یہودی یا نصرانی میں بھی کوئی خوبی دیکھتے ہو تو یہ خوبی ان کی بدولت سے یوں سمجھو کہ آسمان پر سورج طلوع ہے اور سامنے بادل آ جائے، سورج نظر نہ آئے مگر سورج کے مدمقابل جو بادل کا ٹکڑا ہوگا، وہ بالکل روشن ہوگا، حالانکہ ابر میں روشنی نہیں، بادل کے نصیب میں ظلمت ہے مگر جو سورج کے مقابلہ میں ابر کا ٹکڑا آ گیا وہ روشن نظر آتا ہے۔ کفر میں نیکی نہیں ہے، اجالا نہیں ہے۔ کفر کے مقدر میں ظلمت ہے، مگر کفر کا وہ حصہ، کافر کی زندگی کا وہ حصہ، جس میں اس نے رسول اکرم ﷺ کی چند چیزیں اپنائی ہیں، ان چند عادتوں کے نور نے اس کی بعض عادتوں کو چمکایا ہے۔ تو یہ تعریف ان کی سیرت نہیں ہے وہ تو ان کی سیرت کا اعجاز ہے۔ اگر کافر بھی کافر ہوتے ہوئے سیرت رسول ﷺ کے بعض گوشے اپنا لے تو کائنات ان کی بھی تعریف کرتی ہے۔ تو اے مسلمان! جب تو ان کا ہو جائے گا تو کونین تیری تعریف کرے گی۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ مسلمان کے لئے کوئی لائحہ عمل نہیں بغیر حضور نبی کریم ﷺ کی پاکیزہ سیرت کے۔ دوسری چیز یہ معلوم ہوئی کہ نبی پاک ﷺ کی سیرت پر وہ عمل کرتا ہے، جو خدا کو راضی کرنے کی آرزو رکھتا ہے۔ جو لوگ حضور ﷺ کی سیرت پر عمل نہیں کرتے، معلوم ہوا کہ انہیں خدا کی رضا مطلوب نہیں ہے۔ جو خدا کے قریب جانا چاہتے ہیں، انہیں نبی کریم ﷺ کے قریب جانا چاہئے، چونکہ خداوند تو کھاتے پیتے نہیں، نہ وہ چلتے پھرتے ہیں اور نہ وہ سوتے جاگتے ہیں۔ یہ ساری چیزیں خدا کی شان کے خلاف ہیں، وہ ان چیزوں سے مبرا ہے، منزہ ہے۔ یہ ساری چیزیں مخلوق کے ساتھ تعلق رکھتی ہیں اور نبی کریم ﷺ مخلوق کی راہنمائی کے لئے ہیں۔

مخلوق کی راہنمائی کے لئے ایک نمونہ مطلوب تھا جو مخلوق میں رہے، جس پر لفظ مخلوق بھی صادر آسکے اور ایسا کامل نمونہ ہو کہ جس میں قدرت ربانی کا مشاہدہ بھی ہو۔ مخلوق کی صفات بھی ہوں، ملائکہ کی صفات بھی ہوں، عرشی اور فرشی صفات بھی ہوں، مکانی صفات بھی ہوں، لامکانی صفات بھی ہوں، فانی صفات کا اثر ہو اور باقی صفات کا اثر بھی ہو۔ یہ اس لئے کہ ان میں صفات ایسی ہیں جو فانی نہیں۔ ان میں فانیوں کے لئے بھی نمونہ ہے کہ فانیوں کو باقی بنانے کے لئے کیا طریقہ ہے۔ فانیوں کے لئے نمونہ، خاکیوں کے لئے نمونہ، فرشتوں کے لئے نمونہ، جنوں کے لئے نمونہ، انسانوں کے لئے نمونہ، حیوانوں کے لئے رحمت، انسانوں کے لئے رحمت، فرشتوں کے لئے رحمت، جنوں کے لئے رحمت اور ساری کائنات کے لئے رحمت، اس رحمت سے زندگی ملتی ہے۔ اسوہ حسنہ پر عمل کرنے سے رحمت کی حفاظت ملتی ہے اور اسوہ حسنہ پر عمل کرنے سے رحمت سے گزرنے کے بعد ملاقات بھی ہوتی ہے۔ ملنا اور ہے، جینا اور ہے۔ میں پوچھتا ہوں رحمت سے کائنات کو زندگی ملی ہے، رحمت سے کائنات کی حفاظت ہو رہی ہے۔ رحمت سے ہر زندہ شے کو زندگی کی حفاظت میسر آئی ہے۔ ہر شے، ہر چیز کے ملنے کی (جو اس کا حق ہے) ضمانت دی جا رہی ہے۔ مگر اسوہ حسنہ پر عمل کے بعد ہر شے کے ملنے کے بعد خدا مل رہا ہے۔ فرمایا عقل والوں میں سے مسلمان اور مسلمانوں میں سے طالبین خدا، عاشقین رب، ان لوگوں کو جب عملِ رسول ﷺ، فعلِ رسول ﷺ، قولِ رسول ﷺ ملے گا تو صرف رحمت ہی نہیں ملے گی، بلکہ اللہ رب العالمین بھی مل جائے گا۔ معلوم ہوا کہ سیرت رسول ﷺ کے بغیر کوئی آدمی، آدمی تو ہو سکتا ہے، انسان تو ہو سکتا ہے مگر ولی اللہ نہیں ہو سکتا۔

خداوند تعالیٰ کے جو قریب ہو گیا، چاہے وہ مرد ہو، عورت ہو، مولوی ہو، صوفی ہو، شہری ہو، دیہاتی ہو، جنگل میں رہنے والا ہو، صحرا میں رہنے والا ہو یا فضاء میں رہنے والا ہو یا عرش پر رہنے والا ہو، فرش پر رہنے والا ہو، جس کو بھی ولایت، قرب، محبت اور وصال الٰہی ملے گا، وہ جناب محمد ﷺ کے وسیلہ سے ملے گا۔

حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری رحمتہ اللہ علیہ نے ایک بات بڑی شاندار لکھی ہے۔ آپ ”فرماتے ہیں کہ حضرت بایزید بسطامیؒ نے فرمایا کہ جب وہ روحانی پرواز کے ذریعہ قربِ الٰہی میں چلے گئے تو اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ مولائے ذوالجلال! تیرے اور میرے درمیان معمولی سا پردہ رہ گیا ہے۔ اس پردہ کو بھی اٹھا کہ تو مجھ پر حاوی ہو جائے۔ اس پردہ کو اٹھا کہ میں تجھے دیکھ لوں۔ اللہ نے فرمایا کہ میں پردہ اس لئے نہیں اٹھاتا کہ تمہاری ضرورت ہے۔ عرض کیا، اے رب العالمین! تجھے میری کیا ضرورت ہے لیکن یہ تیرا کرم ہے کہ اگر واقعی تجھے میری ضرورت ہے تو میں تیرے اور بھی جلوے لوٹ لوں اور تیرے عشق کا مظہر بنوں اور تیرے جمال کا مظہر بنوں۔ تو پھر پردہ اٹھاتا کیوں نہیں؟ جس سے اتنی محبت ہو، اسے پردہ میں تو نہیں رکھا جاتا، فرمایا نہیں

میں اس لئے پردہ رکھتا ہوں کہ ابھی تمہاری ضرورت ہے۔ عرض کرنے لگے کہ خداوند عالم وجہ کیا ہے؟ ندا آئی، بایزید بُسطامیؒ اگر میں نے پردہ اٹھایا تو تیرا نام ونشان مٹ جائے گا، تو رہے گا ہی نہیں۔ اگر تو مجھے ملنا ہی چاہتا ہے تو اپنے اور میرے درمیان جمال محمد ﷺ کو آڑ بنا کر آ جا۔ جمالِ محمدی ﷺ لے کر آ تا کہ تو مل بھی لے، ملتا بھی رہے اور کامیاب بھی ہو جائے۔ فرماتے ہیں کہ موسیٰ ؑ بے ہوش ہو گئے تھے تو بعض عارفین نے بتایا کہ اگر جمالِ محمدی ﷺ درمیان میں حجاب بنتا تو موسیٰ ؑ ہوش میں بھی رہتے اور خدا تعالیٰ کو بھی دیکھ لیتے۔ صرف جلوہ دیکھا ہے، وہ بھی ذات کا جلوہ، عینِ ذات کے جمال کو بھی موسیٰ ؑ نہیں دیکھ سکے۔ عینِ ذات کو دیکھنے والے جناب محمد رسول اللہ ﷺ ہیں۔ اے لوگو! جو ذات الٰہی کے جلوے دیکھنا چاہے، وہ از خود نہیں دیکھ سکتا۔ وہ اپنے اور خداوند تعالیٰ کے درمیان جب تک جمالِ محمدی ﷺ کو حجاب نہیں بنائے گا، پردہ نہیں ہٹے گا۔ آڑ نہیں بنے گی۔ ایک حد جب تک قائم نہیں ہو گی، اس وقت تک نہ خدا بندے کو ملے گا اور اگر بندہ اپنے رب کو ملے اور درمیان میں حجاب ہو تو فائدہ کیا ہو گا۔ جس میں جتنی قوت ہو گی، وہ انوارِ محمدی ﷺ، جمالِ محمدی ﷺ کی باقی قوت کو روک کر وہ اتنا نورِ الٰہی عطا کر دیں گے، جیسے بعض جگہ اچانک بجلی کمزور ہو اور اس کی حد قائم رکھنے کے لئے ایک سٹیبلائزر ہوتا ہے، اس کا کام ہے کہ اگر بجلی کی کمی ہو تو پوری کر دیتا ہے اور اگر زیادتی ہو تو روک دیتا ہے یا ایسے کہ کم ہو تو اس کو دے دے اور اگر زیادہ ہو تو اس کو روک دے اور اس کی استطاعت کے مطابق دے دے۔ راقم الحروف نے اپنی کتابوں میں بعض مقامات پر لکھا ہے کہ سورج کو دیکھنے کے لئے رنگ دار شیشے میں دیکھا جائے تو عام شخص دیکھ سکتا ہے کیونکہ رنگ دار شیشہ سورج کی تمازت کو روک لیتا ہے اور اس طرح دیکھنا مشکل نہیں رہتا۔ اگر رسول اللہ ﷺ کو درمیان میں رکھا جاتا تو موسیٰ ؑ اپنی استطاعت کے مطابق اللہ تعالیٰ کو دیکھ لیتے اور بے ہوش نہ ہوتے۔

ذاتِ محمدی ﷺ اس لئے درمیان میں آ گئی کہ وصل بھی ہو جائے، بندہ بھی بچ جائے۔ اس میں کمی ہو گی تو ذاتِ محمدی ﷺ کمی پوری کر دے گی اور جب انوار و تجلیات کی زیادتی ہو گی تو وہ درمیان کا واسطہ روک دے گا اور اس کی ضرورت کے مطابق دے دے گا اور جو کہیں کہ ضرورت ہی نہیں خود جائیں گے تو موسیٰ ؑ کے ساتھ بھی کچھ لوگ گئے تھے۔ ان کا نام ونشان ہی مٹ گیا۔ وہ لوگ موسیٰ ؑ کو کہتے تھے کہ ہم نہیں مانیں گے جب تک اللہ کو نہیں دیکھیں گے۔ موسیٰ ؑ نے فرمایا، چلو پھر دکھالائیں۔ وہ لوگ گئے اور ابھی جلوہ ہی دیکھا تھا، خالی چمک ہی پڑی تھی، تھوڑی سی چمک پڑی تھی جتنی کہ کاغذ پر سوئی کے منہ کے برابر باریک ایک سوراخ کریں تو وہ کتنا سوراخ ہو گا۔ اس سوراخ کا ۷۰ واں حصہ جلوہ الٰہی کی چمک پڑی تھی لیکن وہ سب مر گئے۔

موسیٰ ؑ کو ہوش آیا۔ عرض کیا، یا الٰہی! یہ تو سارے سردار تھے، میں اکیلا لوگوں میں واپس جاؤں گا تو

کیا جواب دوں گا؟ پہلے ہی حالت بہتر نہ تھی، اب تو یہ مر ہی گئے، تو خدا نے فرمایا کہ ان کو ان کی صرف استطاعت بتانا مقصود تھا۔ خداوند تعالیٰ نے موسیٰ کی گزارش پر ان سب پر کرم فرمایا تو پھر اٹھ گئے۔ موسیٰ ؑ نے فرمایا، مانتے ہو میرے رب کو؟ کہنے لگے، کیا مانا جس نے ستیاناس ہی کر دیا ہمارا۔ ہم تو ملنے آئے تھے مرنے تو نہیں آئے تھے۔ تو اسی طرح جمال محمدی ﷺ، واسطۂ محمدی ﷺ اور وسیلۂ محمدی ﷺ کو اگر درمیان سے نکالتے جائیں گے تو جو ملتا جائے گا، وہ مرتا جائے گا، پھر ایسی ملاقات کی ضرورت ہی کیا ہے؟ اس لئے فرمایا، اے میرے محبوب ﷺ، جو آپ ﷺ کے مقبول، وہ میرے مقبول، آپ ﷺ کے محبوب میرے محبوب ہیں۔ آپ ﷺ کے غلام میرے غلام ہیں۔ آپ ﷺ کے تابع فرمان میرے تابع فرمان ہیں۔ جس سے آپ ﷺ خوش ہیں، میں خوش ہوں اور جس سے رب خوش ہو جائے، اس کی زندگی کتنی مسعود ہے۔

اسوہ حسنہ کے آئینے میں اپنے آپ کو سجا لو اور اسوہ حسنہ کا حجاب لے کر خدا کے حضور حاضر ہو جاؤ۔ خدا مل بھی جائے گا اور تم بچ بھی جاؤ گے۔ حضرت امام اعظم رحمۃ اللہ علیہ اسی جمال محمدی ﷺ کی شمع لے کر اٹھے کہ اپنے خدا سے ملوں تو ایک سو (۱۰۰) مرتبہ خدا کو دیکھ لیا۔ حضرت علی المرتضیٰ ؓ نبی کریم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کرتے ہیں کہ حضور اتنا تو ارشاد فرمائیں کہ مومن، آپ ﷺ کے غلام، جب آپ ﷺ کے وسیلہ سے جنت میں جائیں گے تو وہاں نفس کی آزادی ہوگی، جسم کی آزادی ہوگی، طعام اور عیش و عشرت ہر طرح کے ناز و نعم اور طرح طرح کی، نہ جانے کیا کیا خوشیاں ہوں گی۔ کیا وہاں بھی خداوند تعالیٰ آسانی سے ہر وقت ملے گا؟ حضور ﷺ نے فرمایا بڑے طویل وقفوں کے بعد خدا اپنے مقربین کو اور جنتیوں کو اپنا دیدار کرائے گا۔ اس پر حضرت علی ؓ فرمانے لگے۔ اس جنت کی کیا ضرورت ہے کہ جہاں اتنا انتظار کرنے کے بعد خدا ملتا ہے۔ اس سے یہی جگہ بہتر نہیں، ہر لمحے کے بعد یہاں خداوند کا دیدار ہو جاتا ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ حضور ﷺ کی دو جہتیں ہیں۔ ایک جہت ظاہری اور ایک جہت باطنی ہے۔ حضور ﷺ کی دو طرف توجہ رکھی گئی ہے، ایک باطنی لحاظ سے، ایک ظاہری لحاظ سے۔ آپ ﷺ ظاہراً مخلوق میں ہیں اور باطناً خالق کے ساتھ ہیں۔ نہ مخلوق سے جدا ہیں نہ خالق سے جدا ہیں۔ جو آپ ﷺ کی ظاہری سیرت سے گزر کر قالِ رسول ﷺ سے گزر کر حالِ رسول ﷺ میں جذب ہو گیا، وہ دنیا میں رہتا ہوا بھی خدا کے پاس رہے گا۔ اسی لئے کہا گیا کہ یہ میرے رسول ﷺ کا اسوہ حسنہ تمہارے لئے ہے۔ اس لئے کہ قال بھی تمہارے لئے ہے، حال بھی تمہارے لئے ہے۔ ورنہ جب یہ دنیا نہیں بنی تھی تو میرا رسول ﷺ تو اس وقت بھی میرے سامنے تھا۔ ہم دونوں تو آمنے سامنے ہی تھے۔ وہ کون سی جگہ تھی جہاں خداوند تعالیٰ اور نبی کریم ﷺ آمنے سامنے تھے۔ ذہن میں تو یہ بات آتی ہوگی۔ بس اتنا سمجھو کہ جہاں خدا تھا، وہیں مصطفیٰ ﷺ

تھے اور وہ خدا ہی جانے کہ وہ جگہ کون سی تھی؟ اس جگہ کو جگہ کہنا بھی جائز نہیں۔ خدا کی شان تھی اس کے مطابق نبی کریم ﷺ کی ایک شان تھی۔ جب دونوں آمنے سامنے تھے تو یہاں نمازیں پڑھوا کر اپنے سامنے بلانے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ میرا نبی ﷺ مجھ سے بچھڑ گیا، اب مل جائے، نہیں، ہرگز نہیں بلکہ تمہیں راستہ بتایا کہ یہ طریقہ ہے ادھر جانے کا۔ یہ بتایا گیا کہ ادھر جانے کا یہ دستور اور یہ طریقہ ہے۔ ناواقف کوئی آدمی کراچی بھیجنا ہو تو بس، ٹرین یا ہوائی جہاز کے ذریعہ، کار، سائیکل، موٹر سائیکل، گھوڑا گاڑی یا کسی ذریعہ سے بھیجا جاتا ہے۔ اسے سمجھانا پڑے گا کہ یہاں ٹکٹ ملے گی، یہ ہوگا، وہ ہوگا۔ آگے جاؤ گے، ادھر سمندر ہوگا، یہ شہر ہوگا، یہ سڑک ہوگی، یہ محلہ ہوگا، فلاں جگہ جاؤ گے تو تمہیں منزل مل جائے گی۔ اس طرح سمجھاتے ہیں۔ اسی لئے فرمایا، میرے محبوب جاؤ، انہیں کا لباس پہن کر جاؤ، انہیں کی طرح صورت بنا کر جاؤ، مطلب یہ ہے کہ وہ یہ خیال کریں گے کہ یہ تو ہماری طرح دیکھتے ہیں مگر میرے محبوب ﷺ یہ ہیں اور آپ ﷺ جانتے ہیں کہ نظر آپ ﷺ کی ادھر ہوتی ہے لیکن کلام میرے ساتھ ہوتا ہے۔ معاملہ میرے ساتھ ہوتا ہے۔ اس لئے ذرا مجھ سے بچھڑ کر ان کو میرے ملنے کا طریقہ بتا دو۔ حضور ﷺ یہ سارے طریقے بتانے آئے ہیں اور جب یہ طریقہ مکمل ہوگیا تو فرمایا کہ اے محبوب! آپ ﷺ باطناً تو میرے ساتھ ہی تھے اب ظاہراً بھی میرے قریب ہو جاؤ کیونکہ یہ جسم بھی نور کی کیفیت میں ہے۔

حضور ﷺ کا باطن بھی نور کی کیفیت میں ہے اور جسم بھی نور کی کیفیت میں ہے۔ اس پر نور اتنا حاوی ہوگیا کہ یہ جسم جو کہ بشری جسم کہلاتا ہے، اس پر اندر باہر، اوپر نیچے، دائیں بائیں نور کا اتنا غلبہ ہے کہ یہ بھی ایک نوری قوت کا حامل ہوگیا تا کہ جلوہ الٰہی بے حجاب آئے تو جناب رسول اللہ ﷺ ہر لحاظ سے برداشت کر سکیں۔ یہ قوت میرے اللہ نے پہلے باطن کو بخشی پھر باطن کی وجہ سے ظاہر کو بخشی۔ اگر ظاہر متحمل نہ ہوتا تو شب معراج کو یہ جسم یہیں رہتا، صرف روحانیت جاتی، صرف باطنی کیفیات جاتیں۔ یہ جسم اس لئے گیا ہے کہ باطن کی قوت نے ظاہر کو اتنا مضبوط کر دیا کہ اگر جلوۂ الٰہی بے حجاب دل پر پڑ بھی جائے تو جسدِ محمدی ﷺ اس کو برداشت کرنے کی صلاحیت اور قوت رکھتا ہو اور یہ قوت باطن کی بنا پر ہے۔ یہ قوت اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی اور قیامت تک رہے گی۔

عزیز دوستو! آپ کے لئے اور میرے لئے وہی زندگی مشعلِ راہ ہے کہ جس کو اپنانے کے بعد براہ راست خدا مل جاتا ہے۔ آئینہ رسول ﷺ کو ہٹا کر کوئی زندگی بنائے گا، زندگی نہیں بنے گی اور دستور نبی ﷺ کو ہٹا کر کوئی عبادت کرنا چاہے گا تو عبادت نہیں ہوگی، ریاضت نہیں ہوگی۔ نہ کوئی عادت ہے اور نہ کوئی ریاضت ہے، نہ خصلت ہے، نہ شمائل ہے نہ خوبی ہے، نہ جمال ہے نہ کمال ہے بلکہ زوال ہی زوال ہے۔

”لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ“

(رسول اللہ ﷺ کے تمام خصائل تمہارے لئے نمونہ ہیں) (الاحزاب:۲۱)

اللہ تعالیٰ مجھے اور آپ سب کو جناب محمد پاک ﷺ کا صحیح صحیح غلام بنا دے۔ آمین اگر اللہ تعالیٰ گزشتہ عادتیں چھوڑنے کا اب پورا پورا جذبہ عطا فرمائے تو بھول جاؤ پرانی غلط عادتوں کو، بس ان عادات کو چھوڑ دو یا اس طرح بھول جاؤ جس طرح سے اب بیٹھے ہوئے کسی کو روٹی یاد نہیں ہے، کسی کو گھر کا خیال نہیں ہے، اس طرح سے گناہوں کی عادت کو ہمیشہ کے لئے بھول جاؤ، کوئی یاد کروائے بھی تو آپ کے چہرے پر شکن آ جائے کہ کیا غلط بات آپ نے کہہ دی۔ اگر آج نہیں شرمندہ ہوں گے تو کل قیامت میں شرمندگی ہو گی۔ اس شرمندگی سے بچنے کے لئے آج اپنا آپ سنبھال لو۔

(وعظ حضرت علامہ علاؤالدین صدیقی غزنوی تراز خیل)

سولھواں باب

شریعت، طریقت اور حقیقت

ابو القاسم قشیریؒ فرماتے ہیں کہ عبودیت پر قائم رہنے کا حکم شریعت ہے اور حقیقت حق تعالیٰ کی ربوبیت کے مشاہدہ کا نام ہے۔ وہ شریعت جس کی تائید حقیقت سے نہ ہو، وہ غیر مقبول اور بے سود ہے۔ شریعت مخلوق کو مکلف بنانے کے لیے ہے اور حقیقت میں یہ معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ مخلوق میں کس طرح تصرف کرتا ہے یا ان امور کا مشاہدہ کرنا جن کا فیصلہ ہو چکا ہے یعنی جو مقدر ہو چکا ہے (القائے مراقبہ وغیرہ) لہذا شریعت اللہ کی بندگی کا نام ہے اور حقیقت اس کے مشاہدہ کرنے کو کہتے ہیں۔ شریعت درج ذیل چار چیزوں کا نام ہے:

(۱) اقرار زبانی (۲) اعتقاد قلبی (۳) تزکیہ اخلاق (۴) اعمال یعنی اوامر ونواہی

پہلی دو چیزیں شریعت کہلا سکتی ہیں تیسری اور چوتھی بھی شریعت ہے مگر امتیازاً اس کا ایک خاص نام رکھ لیا گیا ہے جسے طریقت کہتے ہیں کیونکہ یہ سلوک تصوف، مجاہدہ اور ریاضت سے حاصل ہوتا ہے۔ حقیقت سے بندے کا مقام وصل میں قائم ہونا مراد ہے۔ شریعت کسبی ہے اور حقیقت وہبی۔

شریعت، طریقت اور حقیقت راہ سلوک کی منزلیں ہیں

حضرت مجدد علیہ الرحمہ سے ایک سوال میں پوچھا گیا (مکتوب نمبر ۴۶، ص ۱۰۸۳) کہ بعض مراتب میں عارف شریعت سے باہر قدم رکھتا ہے اور شریعت کے ماوراء میں عروج کرتا ہے جواب میں آپؒ نے فرمایا کہ شریعت ظاہر کا عمل ہے اور روحانی عروج باطن سے تعلق رکھتا ہے۔ ظاہر شریعت کا مکلف ہے اور باطن بھی اس کا گرفتار ہے، باطن کو ظاہر عمل سے عظیم مدد پہنچتی ہے باطنی ترقی شریعت کی بجا آوری سے وابستہ ہے۔ ظاہر کا کام شریعت کے مطابق عمل کرنا ہے اور باطن کا حصہ شریعت کے نتائج وثمرات ہیں، خواہ اس دنیا میں ہوں، یہاں تک کہ جنت کی دائمی نعمتیں بھی شریعت کا ثمرہ ہیں گویا شریعت تمام کمالات کی بنیاد واصل ہے۔

(۱) مکتوب نمبر ۵۰، ص ۱۰۸۸ میں مجدد علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ:

''شریعت کی ایک صورت ہے اور اس کی ایک حقیقت بھی ہے۔ صورت شریعت ایمان باللہ اور ایمان بالرسول اور ان تمام احکامات پر ایمان رکھنے کے بعد احکام شریعت بجالانے کا نام ہے۔ اس صورت میں نفس امارہ کی مزاحمت اور سرکشی موجود رہتی ہے۔ اس حالت میں ایمان کی شکل ''صورت ایمان ہے''۔

(۲) حضرت مجدد الف ثانیؒ مزید فرماتے ہیں:

''علمائے شریعت ظاہر کی دعوت دیتے ہیں اور اولیاء شریعت ظاہر اور باطن کی دعوت دیتے ہیں۔ اولیاء مریدوں کو سب سے پہلے توبہ کرواتے ہیں اور رجوع الی اللہ کی دعوت دیتے ہیں اور احکام شریعت کی ترغیب دیتے ہیں اور دوسرے درجے پر اللہ تعالیٰ کے ذکر کی طرف راہنمائی کرتے ہیں اور تاکید کرتے ہیں کہ اپنے تمام اوقات کو ذکر الٰہی سے مستغرق رکھیں یہاں تک ذکر کرے کہ مذکور کے علاوہ کچھ بھی دل میں نہ رہے، یہاں تک کہ ماسویٰ سے ایسا نسیان ہو جائے کہ وہ اگر تکلیف سے بھی کوئی چیز یاد کرے تو اسے یاد نہ آئے''۔

حضرت مجدد علیہ الرحمتہ لکھتے ہیں (مکتوب ۲۸۶، دفتر اول، حصہ پنجم میں) کے علمائے حق کے سمجھے ہوئے معنی لائق اعتبار ہیں جو انہوں نے صحابہ ؓ اور سلف صالحین ؒ سے اخذ کئے اور اگر بعض علماء درستی اعتقاد کے باوجود اعمال میں سستی اور کوتاہیوں کے مرتکب ہوتے ہیں ان کی وجہ سے سب پر طعنہ زنی کرنا زیادتی ہے۔ کھرے کھوٹے کی پرکھ کرنے والے ہی علماء ہیں اگر ان کا نور ہدایت نہ ہوتا تو ہم ہدایت نہ پاتے، انہوں نے درست کو خطا سے الگ نہ کیا ہوتا تو ہم گمراہ ہو جاتے۔ انہوں نے بے شمار لوگوں کو صراط مستقیم پر چلایا تو جس نے ان کی پیروی کی، نجات اور فلاح پا گیا۔ آپ یہ بھی فرماتے ہیں کہ جو مجتہدین نے استنباط کیا ہے، اس کا علم حاصل کرنا اور ان کے ماموراتِ، فرض، واجب، سنت، مستحب اور مکروہ و مشتبہ احکام پر عمل کرنا بھی ضروری ہے اور مقلد کو اس امر کی اجازت نہیں کہ مجتہد کی رائے کیخلاف از خود ہی کتاب و سنت سے احکام اخذ کرتا پھرے۔ جس مجتہد کے مذہب کا تابع ہے، اس کے قول مختار کو اختیار کرے تاہم رخصت سے بچے اور عزیمت پر عمل کرے۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ لکھتے ہیں (مکتوب: ۳۰، ص: ۱۰۱۲) کہ ان کے ایک مرید خواجہ محمد اشرف نے تصور شیخ کے متعلق یہ مسئلہ دریافت کیا ہے کہ وہ غلبہ تصور شیخ کی وجہ سے نماز میں بھی اپنے شیخ کے تصور کو اپنا مسجود جانتا اور دیکھتا ہے اور اگر نماز میں تصور شیخ کو منتفی کرے تو نفی نہیں ہوتا۔ حضرت نے فرمایا کہ اے محبت کے اطوار والے یہ دولت طالبان حق کی متمنی اور آرزو ہے۔ ہزاروں میں شاید کسی ایک کو نصیب ہوتی ہے۔ اس کیفیت اور معاملے والا مرید صاحب استعداد اور تام المناسبت ہوتا ہے۔ احتمال ہے کہ شیخ کی تھوڑی سی صحبت سے اس کے تمام کمالات کو جذب کرلے۔ فرمایا رابطے کی نفی کی کیا ضرورت ہے کیونکہ شیخ مسجود الیہ ہے، مسجود لہ نہیں ہے۔ محرابوں اور مسجدوں کی نفی کیوں نہیں کرتے۔ اس قسم کا ظہور سعادت مندوں کو ہی میسر آتا ہے۔

شرع، شریعت اور منہاج کی حقیقت

شِرعَۃٌ بنا ہے شَرَعَ سے جس کے معنی وضاحت و بیان کے ہیں یا یہ لفظ شروع سے بنا ہے جس کے معنی دخول کے ہیں۔ لغت میں شِرعَہ اس نالی کو کہتے ہیں جو دریا سے کاٹ کر لائی جائے جس سے لوگ کھیت سیراب کریں۔ اصطلاح میں کھلے راستے کو شرعہ کہا جاتا ہے جس پر آسانی سے چل سکیں اور شارع عام بھی اسی سے بنا ہے۔ شرعہ کا اسم مفعول بروزن فعلیہ شریعت کہلائے گا یا کھلے احکام کو شریعت کہتے ہیں، کیونکہ ہر شخص اس پر چل کر اللہ تک پہنچ سکتا ہے۔ اصطلاح میں چوڑے راستے کو منہاج کہا جاتا ہے لہٰذا منہاج خدا کی طرف جانے کا کھلا راستہ ہے۔ شریعت اور منہاج یا تو ایک ہی معنی میں ہیں اور شِرعَۃً وَّمِنھَاجًا تکرار (دو دفعہ بولنا) تاکید کے لیے ہے یا یہ بھی کہا جاسکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تک پہنچانے والا راستہ شریعت ہے اور شریعت تک پہنچانے والا راستہ منہاج ہے یا یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ عقائد اسلامیہ تو شریعت میں داخل ہیں اور اعمال اسلامیہ منہاج ہیں۔ بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ اللہ اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت شریعت ہے اور ان کی محبت اور عشق منہاج ہے۔ بعض یوں بھی کہتے ہیں کہ نبی ﷺ کی اطاعت شریعت ہے اور نبی ﷺ تک پہنچانے والا راستہ یعنی ولی یا عالم منہاج ہے جیسے گھر سے اسٹیشن تک کا راستہ اور سواری کچھ اور ہے اور اسٹیشن سے کراچی پہنچانے والی ریل گاڑی کا راستہ اور ہے اور سواری بھی اور ہے [1]

مذکورہ بات کو یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ کتاب اللہ کی اطاعت شریعت ہے اور فرمان پیغمبر ﷺ کی اطاعت منہاج ہے یعنی اول الذکر کتاب ہے اور آخر الذکر سنت ہے۔ صوفیائے کرام کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کے قالب کے احوال شریعت ہیں اور قلب پاک کے احوال منہاج ہیں یہ کہنا بھی بجا ہوگا کہ اصولی اعمال شریعت ہیں اور فروعی اعمال منہاج۔ فروعی مسائل شریعت منہاج کہیں تو عقائد کو دین کہا جاسکتا ہے لہٰذا تمام کتب آسمانی کا دین ایک ہی ہے۔

مذکورہ گفتگو کے بعد یہ بات سمجھ میں آجاتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم نے ہر امت کے لیے الگ الگ شریعتیں بنائی تھیں اور دین سب کے لیے ایک ہے لیکن اب نزول قرآن کے بعد سب کے لیے ایک ہی شریعت ہے۔ رات کو لاکھوں ستارے اور چراغ ہوتے ہیں مگر دن میں ایک ہی سورج سب کو روشنی دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو یہ فرمایا کہ جس کا مقدمہ آپ ﷺ کے پاس آئے، اس کا فیصلہ اللہ کے نازل شدہ احکام کے مطابق فرمائیں۔ جیسے فرمایا:

"فَاحْکُمْ بَیْنَھُمْ بِمَا أَنْزَلَ اللّٰہُ" (تو ان میں فیصلہ کرو اس کے مطابق جو اللہ نے اتارا ہے) (المائدہ:۴۸)

---

[1] تفسیر نعیمی، مفتی احمد یار خان نعیمی، جلد ۶ صفحہ ۵۲۱، مکتبہ اسلامیہ، لاہور۔

اس حکم میں تمام مخلوق جن وانس، فرشتے، چاند، سورج ستارے، جانور وغیرہ پر آپ ﷺ کا حکم جاری تھا چنانچہ آپ ﷺ نے جانوروں پر بھی احکام نافذ فرمائے۔ اس آیت کا منشاء یہ بھی ہے کہ جب اہل کتاب اور اہل یہود آپ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ وحی الٰہی کے مطابق ان پر فیصلہ فرمائیں۔ کفار اور اہل کتاب کے مقدموں کا فیصلہ حاکم اسلام ان کے دین کے مطابق جاری کرے گا جیسا کہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ ان کے لیے سور ایسا ہے جیسے ہمارے لیے بکری اور شراب ایسی ہے جیسے ہمارے لیے سرکہ۔[1] قرآن کریم حاکم نہیں بلکہ حاکم تو حضور ﷺ ہیں۔ قرآن تو حکم وقانون ہے۔

دنیا میں مختلف شریعتیں ہیں جو مختلف انبیاء پر نازل ہوئیں۔ ہر زمانے میں اس وقت کے مطابق احکام آئے مگر اب نزول قرآن کے بعد تورات، زبور اور انجیل کی شریعتیں ختم ہوگئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَّمِنْهَاجاً"

(ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے شریعت اور وسیع راستہ رکھا) (المائدہ:۴۸)

اللہ تعالیٰ چاہتا تو سب کے لیے ایک ہی شریعت بنا دیتا۔ کوئی شرک اور کفر نہ کرتا مگر یہ دیکھنے کے لیے کون اللہ کو مانتا ہے، اللہ تعالیٰ کو سب کی آزمائش کرنا مقصود تھی۔ فرمایا گیا ہے "لِيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰكُمْ" (تاکہ جو تمہیں دیا اس میں آزمائے) (المائدہ:۴۸) ایسا کرنے سے لوگوں کو مجاہد، مہاجر، غازی، شہید وغیرہ کا منصب نصیب ہوا۔

تصوف یا طریقت کی تحقیق

(مثنوی مولانائے روم ؒ کی رو سے)

مثنوی مولانائے روم ؒ تصوف پر بہترین کتاب تصور کی جاتی ہے اور حضرت جلال الدین رومی ؒ کا مقام تصوف کی دنیا میں بہت بلند ہے، چنانچہ مولانائے روم ؒ نے دفتر پنجم میں جو تصوف کی تعریف کی ہے، اسے قارئین کے سامنے بیان کرنا زیادہ مناسب ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔

شریعت همچوں شمعے است که راه می نماید، چوں در راه آمدی ایں رفتن تو طریقت است وچوں به مقصود رسیدی آں حقیقت است، حاصل آنکه شریعت همچوں علم کیمیا آموختن بست از استادیاز کتاب، طریقت استعمال کردن دارو، مس رادر کیمیا مالبدن و حقیقت زرشدن مس، یا مثال، شریعت همچوں طب آموختن است و طریقت پرهیز کردن بموجب علم طب و دارو خوردن و حقیقت صحت یافتن۔ (شرح مفتاح العلوم)

---

[1] اللباب، عبداللہ بن الحسین العکبری، متوفی ۶۱۶، جلد۲، صفحہ ۳۱، دارالفکر، دمشق۔

''شریعت شمع کی مانند ہے جوراہ دکھاتی ہے۔ جب توراہ میں آجائے تو یہ تیرا راستے پر چلنا طریقت ہے اور جب تو مقصود (یعنی باری تعالیٰ) کو پالے (جس کو وصل کہتے ہیں) تو یہ حقیقت ہے۔ حاصل کلام یہ ہے کہ شریعت علم کیمیا کسی استاد سے یا کتاب سے سیکھنے کا نام ہے، طریقت دوا کا استعمال کرنا اور تانبے کا کیمیا سے مل دینے کا نام ہے اور حقیقت اس تانبے کا سونا بن جانے کا نام ہے۔ اس کی مثال یہ بھی ہے کہ ایک شخص نے علم طب پڑھا، یہ شریعت ہے، دوا استعمال کی، یہ طریقت ہے، مرض سے افاقہ ہوگیا یہ حقیقت ہے حاصل یہ کہ شریعت علم ہے، طریقت عمل ہے، حقیقت عمل کا اثر ہے۔

انوار اولیاء میں ہے کہ شریعت چار چیزوں کا نام ہے:

(۱) اقرار زبانی (۲) اعتقاد قلبی (۳) تزکیہ اخلاق (۴) اعمال یعنی اوامر ونواہی

اعتقاد تین طریقہ سے پیدا ہوتا ہے۔ تقلید سے، استدلال سے، کشف وحال سے۔ پہلی دونوں قسموں کو شریعت کہتے ہیں یعنی ان طریقوں سے کسی کو اگر اعتقاد حاصل ہو تو کہا جائے گا کہ اس کو شرعی اعتقاد حاصل ہے، تیسری قسم کا اعتقاد طریقت ہے، یہ قسم بھی شریعت سے باہر نہیں، لیکن امتیازاً ایک خاص نام رکھ لیا گیا ہے کیونکہ یہ اعتقاد سلوک وتصوف اور مجاہدہ وریاضت کے بغیر حاصل نہیں ہوتا۔ درج ذیل تفصیل قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتیؒ کے مکتوب ششم سے ماخوذ ہے۔

تزکیہ اخلاق کے جو احکام شریعت میں مذکور ہیں، ان کا نام شریعت ہے لیکن محض احکام کے جاننے سے تزکیہ اخلاق نہیں ہوتا۔ علمائے ظاہر اخلاق کی حقیقت وماہیت سے بخوبی واقف ہوتے ہیں لیکن خود ان کے اخلاق پاک نہیں ہوتے، یہ مرتبہ مجاہدہ اور فنائے نفس سے حاصل ہوتا ہے اور اسی کا نام طریقت ہے۔ تعمیل فرائض اور اجتناب منہیات کا بھی یہی حاصل ہے۔ اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ شریعت اور طریقت دو متناقض چیزیں نہیں بلکہ دونوں میں جسم وجان، جسد وروح، ظاہر وباطن، پوست ومغز کی نسبت ہے۔

تصوف بھی دو جزؤں سے مرکب ہے، ایک علم، اور دوسرے عمل۔ عقائد میں جن مسائل سے بحث کی جاتی ہے، ان میں ذات وصفات باری کے متعلق جو مسائل ہیں، تصوف میں بھی ان ہی مسائل سے بحث ہوتی ہے لیکن تصوف میں ان عقائد کی حقیقت اور طرح سے بیان کی جاتی ہے چنانچہ اس کی تفصیل آگے آئیگی۔ یہی حصہ تصوف کا علمی حصہ ہے لیکن تصوف کے اس حصہ میں جو چیز اصلی مابہ الامتیاز ہے، یہ ہے کہ اس میں علم اور ادراک کا طریقہ عام طریقہ سے مختلف ہے۔ تمام حکماء اور علماء کے نزدیک ادراک کا ذریعہ حواس ظاہری اور باطنی یعنی حافظہ، تخیل، حس مشترک وغیرہ ہیں، لیکن ارباب تصوف کے نزدیک ان وسائل کے سوا ادراک کا ایک اور بھی ذریعہ ہے۔ حضرات صوفیاء کا دعویٰ ہے کہ مجاہدہ، ریاضت مراقبہ اور تصفیہ قلب سے ایک

اور حاسہ پیدا ہوتا ہے جس سے ایسی باتیں معلوم ہوتی ہیں جو حواس ظاہری و باطنی سے معلوم نہیں ہوتی ہیں۔ امام غزالیؒ نے اس کی تشبیہ دی کہ مثلاً ایک حوض ہے جس میں نالوں اور جدولوں کے ذریعہ سے پانی باہر آتا ہے۔ یہ گویا علوم ظاہری ہیں، خود حوض کی تہہ میں ایک سوت منبع (ایک چشمہ) بھی ہے جس سے فوارہ کی طرح پانی اچھلتا ہے اور حوض میں آتا ہے، یہ علم باطن ہے، یہی علم ہے جس کو علم لدنی اور کشف اور علم غیبی کہتے ہیں اور یہی علم ہے جو انبیاء اور اولیاء کے ساتھ مخصوص ہے۔

انبیاء اور اولیاء میں فرق یہ ہے کہ انبیاء میں یہ علم نہایت کامل اور فطری ہوتا ہے، یعنی مجاہدہ اور ریاضت کا محتاج نہیں ہوتا بخلاف اس کے اولیاء کو مجاہدات اور ریاضات کے بعد حاصل ہوتا ہے۔

اہل ظاہر اس پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ تحقیقات علمیہ سے ثابت ہو چکا ہے کہ انسان کو جو علم ہوتا ہے، صرف اس طرح ہوتا ہے کہ وہ اشیائے خارجی کو کسی حاسہ سے محسوس کرتا ہے، پھر اس قسم کی بہت سی چیزوں کو محسوس کر کے ان میں قدر مشترک پیدا کرتا ہے جس کو کلی کہتے ہیں۔ پھر انہی جزئیات وکلیات کے باہمی نسبت اور مقابلہ سے سینکڑوں ہزاروں نئی نئی باتیں پیدا کرتا ہے لیکن ان تمام معلومات کی اصلی بنیاد حواس ہی ہوتے ہیں، اس کو الگ کر دیا جائے تو تمام سلسلہ بےکار ہو جاتا ہے، اس لیے حضرات صوفیاء کا یہ دعویٰ کہ حواس کے سوا کوئی اور ذریعہ ادراک بھی ہے، جو تحقیقات علمی کیخلاف ہے۔ حضرات صوفیاء کا جواب یہ ہے کہ

ع ۔ ذوق ایں بادہ ندانی بخدا تانہ چشی

(خدا کی قسم اس شراب کا ذوق نہیں جان سکتے جب تک اس کو پیو گے نہیں)

حضرات صوفیاء کہتے ہیں کہ جس طرح علوم ظاہری کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ مقرر ہے، جس کے بغیر وہ علوم حاصل نہیں ہو سکتے، اسی طرح اس علم کا بھی ایک خاص طریقہ ہے اور جب تک اس طریقہ کا تجربہ نہ کیا جائے اس سے انکار کرنے کی کوئی معقول وجہ نہیں۔ یہ امر مسلمہ ہے کہ بہت سے مسائل علمی، ایسے ہیں جن کو کسی خاص حکیم یا عالم نے دریافت کیا اور لوگ صرف ان کی شہادت کی بناء پر ان مسائل کو تسلیم کرتے ہیں۔ اسی قیاس پر جب سینکڑوں بزرگ جن کے فضل وکمال، صدق ودیانت، دقت نظر اور جدت ذہن کا کوئی انکار نہیں کر سکتا، مثلاً حضرت بایزید بسطامیؒ، سلطان ابوسعیدؒ، امام غزالیؒ، شیخ محی الدین اکبر، شیخ سعدیؒ، حضرت نظام الدینؒ، شاہ ولی اللہؒ وغیرہ وغیرہ۔ نہایت وثوق اور اطمینان سے اس کی شہادت دے رہے ہیں کہ علم باطن حواس سے بالکل جداگانہ چیز ہے، تو ان کی اس شہادت پر کیوں نہ اعتبار کیا جائے۔ سینکڑوں ایسے علماء گزرے ہیں جن کو علم باطن سے قطعاً انکار تھا، لیکن جب وہ اس کوچہ میں آئے اور خود ان پر وہ حالت طاری ہوئی تو وہ سب سے زیادہ اس کے معترف بن گئے۔ (مثال کے طور پر عزالدین عبدالسلامؒ)

چونکہ یہ مسئلہ تصوف کے تمام علمی مسائل کی بنیاد ہے، اس لیے مولانا رومیؒ نے اس کو بار بار بیان کیا ہے اور مختلف مثالوں سے سمجھایا ہے کہ ارباب ظاہر کا اس سے منکر ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک بچہ مسائل فلسفیہ سے انکار کرتا ہے، یا ان کے سمجھنے سے قاصر ہے، چنانچہ ہم مختلف مقامات پر اس کے متعلق مثنوی کے اشعار نقل کرتے ہیں۔ چند اشعار پیش خدمت ہیں:

آئینۂ دل چوں شود صافی و پاک　　نقش ہا بینی بروں از آب و خاک

(دل کا آئینہ جب صاف اور شفاف ہوتا ہے اس میں رنگ برنگے نقش تو دیکھے گا اس مادی دنیا سے باہر) (مثنوی:۷۲)

پنج حسے ہست جز ایں پنج حس　　آں چو زر سرخ و ایں حس ہا چو مس

(روحانی پانچ حواس ان حواس خمسہ کے علاوہ ہیں وہ حواس معانی خالص سونے کی طرح ہیں اور یہ حواس تانبہ ہی تانبہ ہے) (مثنوی:۶۹)

اے ببردہ رخت حس ہا سوئے غیب　　دست چوں موسیٰؑ بروں آور زِجیب

(اے انسان تو اپنی حسوں کی متاع کو عالم غیب کی طرف لے گیا ہے (ہمت سے کام لے) موسیٰ علیہ السلام کی طرح بغل سے ہاتھ باہر نکال) (مثنوی:۵۲)

تو زصد ینبوع شربت مے کشی　　ہر چہ زاں صد کم شود کاھد خوشی

(تو سینکڑوں چشموں کے شربت کشید کرتا ہے اور سینکڑوں چشموں سے کچھ کم ہو جائے تو خوشی بھی کم ہو جاتی ہے) (مثنوی:۳۵۹۷)

چوں بجو شد از دروں چشمہ سنی　　زاستراق چشمہ ہا گردی غنی

(جب اندر سے روشن چشمہ جوش مارتا ہے تو بہت سارے چشموں کے چرانے سے تو بے نیاز ہو جاتا ہے) (مثنوی:۳۵۹۸)

قلعہ را چون آب آید از بروں　　در زمانِ امن باشد بر فزوں

(شاہی قلعہ کو جب باہر سے پانی حاصل ہوتا ہے تو امن کے زمانے میں وہ پانی قلعے میں بہت جمع رہتا ہے) (مثنوی:۳۶۰۰)

چونکہ دشمن گردِ آں حلقہ کند　　تا کہ اندر خون شاں غرقہ کُند

(جب دشمن قلعے کا محاصرہ کرتا ہے، تا کہ اندر ہی اندر (قلعے میں محصور سپاہ کو) خون میں نہلا دے) (مثنوی:۳۶۰۱)

آب بیروں را ببردند آں سپاہ　　تا نباشد قلعہ را زاں ہا پناہ

(قلعے سے باہر آنے والے پانی کو بند کرنے کی سپاہ کوشش کرتی ہے تا کہ قلعے میں پناہ نہ لے سکیں) (مثنوی:۳۶۰۲)

آں زماں یک چاہ شورے اندروں　　بہ زصد جیحونِ شیریں در بروں

(ایسے موقع پر اگر اندر قلعہ میں ایک کنواں کڑوے پانی کا دستیاب ہو تو وہ باہر کے سینکڑوں میٹھے چشموں سے بہتر سمجھا جاتا ہے) (مثنوی:۳۶۰۳)

علم کاں نبود زھُو بے واسطہ　　آں نپاید ہمچو رنگِ ماشطہ

(وہ علم جو ذات باری تعالیٰ سے تعلق نہ رکھتا ہو، وہ علم کبھی نہیں چمک دکھاتا مثل مشاطہ کے سنگھار کے یعنی سرخی پوڈر سے حسن نہیں آتا)(مثنوی:۳۶۶۹)

همچو موسیٰؑ نور کے یابد زجیب   سخرهٔ استاد و شاگرد کتیب

(مثل موسیٰ گریباں کا نور بغل میں کب حاصل ہوتا ہے اگر کوئی استاد کا تابع اور کتاب کا ہی شاگرد ہو)(مثنوی:۳۳۱۶)

خویش را صافی کن از اوصاف خود   تا به بینی ذات پاك صاف خود

(اے انسان اپنے اوصاف یعنی آپ کو نفس کی آلائشوں (حرص و خواہشات) سے پاک کرتا کہ تو اپنی خودی کے جوہر اپنے اندر دیکھ سکے)

بینی اندر دل علوم انبیاءؑ   بے کتاب و بے معید و اوستا

(پھر تو اپنے دل میں انبیاء علیہم کے علوم کے چشمے جاری دیکھے گا بغیر کسی کتاب کے اور بغیر کسی سہارے اور ظاہری استاد کے)(مثنوی:۳۶۶۱)

بے صحیحین و احادیث و رواۃ   بلکہ اندر مشرب آب حیات

(بغیر بخاری مسلم اور احادیث کے یاد کرنے اور اسماء رجال کے اپنے دل کے اندر چشمہ آب حیات کا جاری دیکھے گا)(مثنوی:۳۶۶۴)

رومیاں آں صوفیانند اے پسر   نے ز تکرار و کتاب و نے هنر

(رومی ایسے صوفی ہیں اے صاحبزادے غور کر کہ وہ نہ تو تکرار سے اور نہ کتاب سے اور نہ ہی ہنر سے ان کو یہ نعمت حاصل ہوئی ہے)(مثنوی:۳۶۸۳)

لیک صیقل کرده اند آں سینه ها   پاك زآز و حرص و بخل و کینه ها

(لیکن ان صوفیوں نے) سینے قلعی کئے ہیں ایسے کہ پاک کر دیئے ہیں، برائیوں یعنی حرص و بخل اور حسد سے)(مثنوی:۳۶۸۶)

آں صفائے آئینه وصف دل ست   صورت بے منتها را قابل ست

(وہ صفائی آئینے کی مثل دل کی صفائی کے ہے دور کی صورتوں کو وہ اپنے اندر عکس کی شکل میں قبول کرتی ہے)(مثنوی:۳۶۸۵)

موسیٰ علیہ السلام کا علم لدنی تھا جس میں دنیاوی صورتیں نظر نہ آتی تھیں بلکہ لا انتہاء اور بے صورت تھیں۔ یہ علم حصولی نہ تھا، جو دنیا میں سما سکے بلکہ یہ علم آئینہ دل میں سما سکتا تھا جو کہ لامحدود ہونے کی کیفیت رکھتا تھا۔

صورتے بے صورتے بے حد و عیب   زآئینه دل تافت بر موسیٰؑ زجیب

(بغیر صورت کی صورت، جو بے حد و بے عیب تھی، گریبان میں سے موسیٰ کے آئینہ دل پر چمکی تھیں)(مثنوی:۳۶۸۶)

تا ابد، هر نقش نو کاید برو   مے نماید بے حجا بے اندرو

(قیامت تک کا ہر نیا نقش جو اس دل پر پڑتا ہے کسی حجاب کے بغیر اس دل میں دکھائی دیتا ہے)(مثنوی:۳۶۹۱)

پس بدانکہ چونکہ رستی از بدن گوش بینی چشم مے تاند شدن

(یہ سب کچھ جان لینے کے بعد یہ سمجھئے کہ جب آپ مادی جسم سے نجات حاصل کریں تو کان سے سننا اور آنکھوں سے دیکھنا تمہاری اپنی بات ہو جائیگی) (مثنوی:۱۸۶۳)

راست گفت ست آں شہ شیریں زباں چشم گردد مو بموئے عارفاں

(سچ فرمایا اس بادشاہ میٹھی زبان والے نے، کہ عارفوں کے لیے جسم کا ہر ہر بال آنکھ بن جاتا ہے) (مثنوی:۲۶۰۱)

نور راہ باپیہ خود نسبت نبود نسبتش بخشید خلّاق وُدود

(آنکھ کی روشنی کو اس کی چربی سے کوئی نسبت نہیں تھی، لیکن خدائے مہربان نے اس کو نور کی صلاحیت عطاء کردی) (مثنوی:۲۶۰۵)

علت دیدن مداں پیہ اے پسر ورنہ خواب اندر نہ دیدی کس صور

(اس چربی کو سبب بینائی کا نہ جان اے لڑکے! ورنہ خواب کے عالم میں کوئی کسی کی صورت نہ دیکھتا) (مثنوی:۲۶۰۳)

پس چو آہن گرچہ تیرہ ہیکلی صیقلی کن صیقلی کن صیقلی

(دیکھو لوہا جبکہ وہ سیاہ شکل میں نظر آتا ہے، تاہم اس کو چمکاؤ یعنی صیقل کرواتا کہ روشن اور چمکدار ہو جائے) (مثنوی:۲۶۶۹)

تا دلت آئینہ گردد بر صور اندر او ہر سو ملیحے سیمبر

(جب تیرا سخت دل صورتوں کے لیے آئینے کی طرح بن جائے تو اس میں ہر طرف سے چاندی کے جسم والی سیم اندام محبوبائیں نظر آئیں گی) (مثنوی:۲۷۰)

آہن ارچہ تیرہ و بے نور بود صیقلی آں تیرگی از وے زدود

(فولاد اگرچہ سیاہ اور بے نور ہی کیوں نہ تھا اس کو صیقل کرنے سے اس کی سیاہی دور کر دی) (مثنوی:۲۶۷۱)

گر تن خاکی غلیظ و تیرہ است صیقلش کن زانکہ صیقل گیرہ است

(اے انسان اگرچہ تیرا خاکی جسم اندر سے سخت غلیظ اور سیاہ ہے تاہم اس کو صیقل کر اس لیے کہ یہ صیقل کو قبول کرتا ہے) (مثنوی:۲۶۷۳)

تا درد اشکال غیبی رو دھد عکس حورے و ملک در وے جھد

(تاکہ اس میں غیبی انوار سامنے آئیں اور اس میں حوروں اور فرشتوں کے عکس صاف صاف نظر آئیں) (مثنوی:۲۶۷۶)

صیقل عقلت بداں دادست حق کہ بداں روشن شود دل را ورق

(عقل کی چمک اسی لیے اللہ تعالیٰ نے تجھے دی ہے کہ اسی سے دل کے ورق روشن ہو جائیں) (مثنوی:۲۶۷۵)

طریقت پوشیدہ اور شریعت روشن ہے (شریعت دے دروازے اچے راہ فقر دی موری ھو)

طریقت طریق سے ماخوذ ہے، طریق کے معنی عام راستہ اور طریقت کے معنی ہیں خاص راستہ یا

طریقہ جو سلوک کہلاتا ہے۔ یہ طریقت کا راستہ ذکر و فکر اور مشائخ طریقت کی ہدایت پر طالب اور سالک پر کھلتا ہے، اس کا اشارہ قرآن میں بھی ملتا ہے:

" وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (العنکبوت:۶۹)

(اور جن لوگوں نے ہمارے تک پہنچنے کی جدوجہد کی (طریقت کی ریاضت) تو البتہ ضرور بالضرور ہم ان کے لیے ہدایت کے راستے کھول دینگے۔)

اسی راستے کو باطن کا راستہ یا طریقت کا خفیہ راستہ کہا جاتا ہے، یہ راستہ بغیر کامل مرشد کے طے کرنا ناممکن ہے۔ حضرت مولانائے رومؒ فرماتے ہیں۔

پیر راهگزیں که بے پیر ایں سفر ہست بس پُر آفت و خوف و خطر

(پیر کامل کو پکڑ لے کیونکہ یہ سفر آفات، مصائب اور خطرات سے لبریز ہے) (مثنوی:۲۹۶۳)

یہ عام لوگوں کا راستہ نہیں یہ خاص الخاص ہدایت یافتہ لوگوں کا راستہ ہے۔ حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں۔

شریعت دے دروازے اچے راہ فقر دی موری ھو
عالم فاضل لنگھن نہ دیندے جو لنگھدا سو چوری ھو

حضرت سلطان باہوؒ نے طریقت کو موری سے تشبیہ دی ہے، اس لیے کہ یہ عام لوگوں کی فہم سے بالا تر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ صراط مستقیم شاہراہ شریعت ہے اور یہ ایک کھلا راستہ ہے، اس کے دروازے بھی اونچے ہیں، یعنی اس کو بلند مقام حاصل ہے۔ یہ راستہ بھی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا بتایا ہوا ہے۔ جس کے لیے ہم شب و روز ہر نماز کی ہر رکعت میں دعا مانگتے ہیں۔ "اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ" (اے اللہ ہمیں سیدھے راستے پر چلا) یعنی شریعت والے راستے پر جن لوگوں پر تو نے انعام کیا اور ان کے راستے پر چلا، اس سے مراد نبیوں، صدیقوں، شہیدوں، ولیوں اور صالحین کے راستے پر چلنا ہے اور یہی راستہ شریعت کا ہے۔

شریعت کا راستہ روشن اور واضح ہے

یہ راہ صوم وصلوٰۃ کی پابندی، عبادات حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی سے کھلتی ہے اور طریقت کا راستہ نسبت رسول ﷺ کے ذریعے خلفائے صدیقیؓ، فاروقیؓ، عثمانیؓ، حیدریؓ اور دیگر صحابہ کرام کا راستہ ہے، یہی وجہ ہے کہ ایک حدیث میں ارشاد ہے:

"اَصْحَابِيْ كَالنُّجُوْمِ بِاَيِّهِمْ اِقْتَدَيْتُمْ اِهْتَدَيْتُمْ"

(میرے صحابہ دین کے روشن ستارے ہیں ان میں سے جس کی بھی تم پیروی کرو گے، ہدایت یاب ہو جاؤ گے۔)

حضرت سلطان باہوؒ کے مندرجہ بالا شعر کا مطلب یہ ہے کہ شریعت مطہرہ کا درجہ بہت بلند ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ کسی ایک فرض کا ادا کرنا خود ساختہ لاکھوں چلوں سے بہتر ہے۔ آپؒ نے یہ بھی لکھا ہے کہ اگر فرض عبادات کو ایک سمندر تصور کر لیا جائے تو باقی اعمال اس فرض کے مقابلے میں قطرے کی حیثیت نہیں رکھتے (اور لکھتے ہیں کہ کاش ان کا درجہ ایک قطرے کے برابر ہی ہوتا) یہی وجہ ہے کہ شریعت کے دروازوں کو بہت اونچا قرار دیا گیا ہے۔

حضرت سلطان باہوؒ کے شعر کی وضاحت بخاری شریف کی اس حدیث قدسی سے بھی ہوتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس حقیقت کو واضح کیا ہے کہ جب میرا بندہ فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کی ادائیگی میں زیادہ کوشش کرتا ہے تو میں اس کے ہاتھ پیر اور منہ بن جاتا ہوں جس سے وہ کام کرتا ہے[۲] (یہ حدیث کافی طویل ہے)۔ اس سے معلوم ہوا کہ فرائض کا ادا کرنا روحانی درجات کی بلندی کا باعث بنتا ہے اور یہ کہ فرائض کے ادا کرنے سے انسان جنت کا حقدار تو بن جاتا ہے لیکن اس راہ میں نفلی عبادتوں سے سلوک کی منزلیں طے کرتے ہوئے مقامات میں بلندی پیدا ہوتی ہے۔

شریعت سے مراد وہ طریقہ زندگی ہے جو اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کے لیے مقرر کر دے اور اس پر چلنے کا حکم دے، جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دیگر اعمال صالحہ کا ادا کرنا فقہائے اسلام، خصوصاً جدید دور کے فقہاء نے شریعت کی تعریف و تحسین پر خصوصی توجہ دی ہے چنانچہ کہا گیا ہے کہ شریعت کے معنی وہ امور ہیں جو زمین اور اہل زمین سے تعلق رکھتے ہیں، اسی مناسبت سے شارع ایسے راستے کو کہتے ہیں جو سیدھا اور محفوظ ہو۔ اسی مناسبت سے شریعت بھی ایک محفوظ اور سیدھا راستہ ہے جو بھلائی اور نیکی پر منتج ہوتا ہے۔

شریعت اسلامی انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے مقابلے میں کئی لحاظ سے مختلف و ممتاز ہے۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کے اصول و مبادی شروع میں قلیل و متفرق شکل میں ہوتے ہیں اور بعد میں جمع و تنقیح کا عمل جاری رہتا ہے، اس کے برعکس شریعت اسلامی کے اصول شارع ﷺ کی حیات طیبہ میں ایک کامل و شامل، جامع و مانع اور مہذب و منقح شکل میں انسانیت کے لیے پیش کر دیے گئے ہیں۔ انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین میں نقص ہوتا ہے جو مرور زمانہ کے ساتھ تغیر و تبدل کے مراحل سے گزرتے رہتے ہیں۔ اس کے بالمقابل شریعت مکمل و اکمل صورت میں ہے جسے وقت کی رفتار بوسیدہ یا ناقابل عمل نہیں بنا سکتی۔

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، جلد ۳، صفحہ ۳۱۰۔ [۲] صحیح البخاری، حدیث ۶۱۳۷، جلد ۵، صفحہ ۲۳۸۴۔

اسی طرح انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین کسی خاص قوم، وقت اور ملک کے لیے ہوتے ہیں جو دوسری قوم، وقت اور ملک کے لیے موزوں نہیں ہو سکتے، جبکہ شریعت اسلامی تمام انسانیت اور تمام زمانوں کے لیے ہے اور کسی قوم، زمانے یا ملک میں مقید نہیں۔ عام قوانین اور شریعت اسلامی میں ایک بنیادی فرق یہ ہے کہ اول الذکر مخلوق کے وضع کردہ ہیں جبکہ شریعت کا وضع کرنے والا خالقِ کائنات ہے۔

شیخ عبدالقادر ”عودہ کی تصریح کے مطابق، فرماتے ہیں کہ شریعت اسلامیہ کے ممیزات جوہری یا اصلی امتیازات تین ہیں۔ کمال، بلندی اور دوام۔ اسلامی شریعت کا ایک خصوصی امتیاز یہ ہے کہ اس کے اصول ومبادی اور ان سے مستنبط ہونے والی فروعات انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر حاوی ومحیط ہے۔ گہوارے سے لے کر گور تک تمام مراحل زندگی کے لیے شریعت ایک مکمل ضابطہ پیش کرتی ہے چنانچہ احکام شریعت (حقوق اللہ، حقوق العباد اور مخلوط ومشترک حقوق) تین ابواب میں منقسم ہوتے ہیں۔ عبادات، معاملات اور جنایات وعقوبات۔

تصوف کی عالمانہ اور صوفیانہ تعریف

تصوف کیا ہے؟ اس کا اندازہ صوفیائے کرام کے بیان کردہ الفاظ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اولیائے کرام کا یہ گروہ تصوف کی تعریف بیان کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں چند اولیائے عظام کی وضاحت قارئین کی نظر کی جا رہی ہیں جس سے بخوبی یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ تصوف کی راہ دین محمدی ﷺ کی راہوں پر سختی سے چلنے کے سوا اور کچھ نہیں۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حقیقتاً تصوف اللہ تعالیٰ کے ساتھ بلاواسطہ دل کے قائم کرنے کا نام ہے۔ تمام اولیائے کرام اسی راہ سے واصل باللہ ہوئے ہیں۔ مختلف صوفیائے کرام نے تصوف کی وضاحت کے لیے جو خیال آرائی کی ہے، ان میں سے چند ایک کی تحریریں مختصراً پیش کی جاتی ہیں۔

ا۔ حضرت جنید بغدادیؒ

فرماتے ہیں کہ ہم اہل تصوف کا علم کتاب وسنت ہی سے استوار اور محکم ہوتا ہے۔ یاد رہے کہ حضرت شبلیؒ اور نوریؒ کو اس وقت کی حکومت نے گرفتار کر لیا تھا کیونکہ ان کے خلاف یہ شکایت تھی کہ یہ دونوں صوفی بے دینی پھیلا رہے ہیں۔ ان دونوں سے ایسے سوالات کیے گئے، جو نہایت دقیق اور عمیق فقہ سے متعلق تھے تو انہوں نے شرعی دلائل کے حامل ایسے واضح جوابات دیئے کہ سب لوگ دنگ رہ گئے اور آخر ان لوگوں کو رہا کرنا پڑا۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اہل تصوف کے لیے شریعت کا علم اور عمل نہایت ضروری ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں:

”تصوف کی راہ صرف وہی پا سکتا ہے جس کے دائیں ہاتھ میں قرآن اور بائیں میں حدیث یا سنت رسول ﷺ ہو۔ ان دونوں چراغوں کی روشنی میں راستہ طے کرے تاکہ نہ تو شرک کے گڑھے میں گرے اور نہ

بدعت کے اندھیروں میں پھنسنے"۔

حضرت جنیدؒ کا یہ بھی قول ہے کہ صوفی فانی زخویش اور باقی بہ حق ہوتا ہے یعنی وہ قیومیت ذاتیہ سے فانی ہو کر حق تعالیٰ کی قیومیت (ہویت اور انا) سے باقی ہوتا ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ نے فرمایا کہ عارف وہ ہے کہ جب حق تعالیٰ اسرار پنہاں سے گفتگو کرتا ہے تو وہ خاموش رہتا ہے۔ صوفی وہ ہے کہ جس میں اسماعیل علیہ السلام کی طرح تسلیم و رضا، حضرت داؤد علیہ السلام کی طرح اندوہ (غم) حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا فقر اور حضرت ایوب علیہ السلام جیسا صبر اور موسیٰ علیہ السلام جیسا شوق اور حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ جیسا اخلاق ہو۔

۲۔ حضرت معروف کرخیؒ

فرماتے ہیں کہ: "حقائق کو گرفت میں لانا، دقائق پر گفتگو کرنا خلائق کے پاس جو کچھ ہے، اس سے ناامید رہنا تصوف ہے"۔

حضرت معروف کرخیؒ کا ہی قول ہے کہ آپ فرماتے ہیں کہ "تصوف حقائق کی گرفت اور خلق سے مایوسی ہے"۔

۳۔ حضرت ابوالحسن نوریؒ (م ۲۷۵ھ)

فرماتے ہیں کہ صوفی وہ ہے جس کی روح بشریت کی کدورت سے آزاد ہو گئی ہو اور یہ لوگ غیر اللہ سے بھاگتے ہیں۔ یہ لوگ نہ کسی چیز کے مالک ہوتے ہیں اور نہ کسی کے مملوک (یعنی تصوف مولیٰ سے دوستی اور دنیا سے دشمنی کا نام ہے)

حضرت ابوالحسن نوریؒ کا ہی قول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"اَلتَّصَوُّفُ تَرْکُ کُلِّ حَظٍّ لِلنَّفْسِ" (یعنی تصوف حظِ نفس کا ترک ہے)[1]

اس قول سے ان کی مراد یہ ہے کہ اپنے نفس کو علم الٰہی کے تابع کر دے یا یہ کہ نفس کی اتباع کو ترک کر دیا جائے کیونکہ یہ نفس راہ خدا سے گمراہ کر دیتا ہے (تصوف سے متعلق دیگر مشائخ کی پیش کردہ تعریف ہماری تصنیف "اسلام اور روحانیت" میں ملاحظہ فرمائیں)

جس کو قرآن اور سنت رد کر دیں وہ زندقہ ہے

اسلام ہمیں خدا کو ماننے اور اس سے مدد طلب کرنے اور اس کی طرف رجوع کرنے کا حکم دیتا ہے۔

ہم اللہ سے رشتہ جوڑنے کی بات سنتے ہیں مگر وہ خدا کیا ہے، کہاں ہے، کیسا ہے، اس کا علم بذریعہ

---

[1] التعریف لمذہب التصوف، محمد الکلاباذی، متوفی ۳۸۰ھ، جلد۱، صفحہ۲۵، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

عرفان عطاء ہوتا ہے۔ جب یہ عرفان حاصل ہو جائے تو اس شخص کو مقرب بارگاہ الٰہی کہتے ہیں۔ قرآن میں انسانوں کے تین گروہوں کا نام آیا ہے۔ (۱) مقربین (۲) اصحاب الیمین (۳) اصحاب الشمال۔ اصحاب الیمین کا علم ہدایتی علم ہے۔ اصحاب الشمال کا علم اضلالی ہے جسے علم نفس یا ہوئی کہا جاتا ہے اور ذات کا علم جو مقربین کو ہے، وہ کسی کو نہیں۔ وہ اللہ کو قریب پاتے ہیں اور اس کی صفات سے وابستہ ہو جاتے ہیں، حتیٰ کہ بولنے، دیکھنے، سننے میں صفات الٰہیہ ان کی معاون بن جاتی ہیں۔ طریقت کا علم قرآن اور سنت سے حاصل کیا جاتا ہے۔ جس طریقہ کو کتاب وسنت رد کر دے، وہ زندقہ ہے "اَلْمُنْقِذُمِنَ الضَّلَالِ" (پھسلنے والا گمراہ ہے)

فلسفے کے دو باب ہیں۔ مشائیت اور اشراقیت، اشراقیت میں یہ عقیدہ مانا جاتا ہے کہ خدا کے سوا کسی کا وجود نہیں۔ وجود کا پہلا اشرق عقل ہے، دوسرا روح، تیسرا مادہ۔ وہ کہتے ہیں کہ وجود حقیقی خدا کا ہے اور اس کے علاوہ کوئی موجود نہیں۔ کچھ لوگوں نے ہر چیز کے متعلق کہا کہ سب کچھ حق ہی حق ہے اور غیر حق ذاتاً اور وجوداً معدوم ہے۔ مشائیت والا فرقہ کائنات کا سراغ لگاتا ہے اور کسی چیز کا عرفان عقل یا منطقی استدلال سے کرتا ہے۔ ان کا عملی سرمایہ فقط فکر و نظر ہے اور دماغی اختراعات ان کی پونجی ہے۔

شریعت انسانی جسم کے لیے غذا کی طرح ہے
اور طریقت روح انسانی کے لیے لذیذ پھل

تفسیر نعیمی میں یہ حقیقت بیان کی گئی ہے کہ انسانی زندگی کی تقویت کے لیے کھیتوں کے دانے خوراک کا کام دیتے ہیں اور باغوں کے پھل انسانوں کے لیے لذت کا سبب بنتے ہیں۔ اس مناسبت سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ (کھیتوں کی طرح) شریعت انسان کے جسم کی غذا کا کام دیتی ہے اور طریقت ایک ایسا پھل ہے جس سے روح کو تقویت ملتی ہے۔ اسی لیے اس میں لذت اور مستی بھی محسوس ہوتی ہے۔

عنایات الٰہی آسمان سے باران ہدایت کی شکل میں مومنوں کے دلوں پر نازل ہوتی ہیں۔ جس سے عارفان الٰہی کے دلوں سے اسرار ربانی کے ثمرات مثلاً زہد و تقویٰ وغیرہ نمودار ہوتے ہیں۔ تفسیر نعیمی میں ہے کہ حضور ﷺ گویا آسمان کی مانند ہیں اور قرآن اس آسمان نبوت سے پانی کی شکل میں مومنوں کے دلوں پر برستا ہے۔ ہر شخص کے دل میں مختلف قسم کے تخم بوئے گئے ہیں اور اس بارش یعنی قرآن سے ہر سعید مسلمان کے دل میں ایمان کا کھیت اگتا ہے۔ مگر مقبولان الٰہی کے شریعت کے درختوں سے رنگا رنگ پھل نمودار ہوتے ہیں۔

کفار کا قول یہ ہے کہ ہم اور نبی یا ولی ایک جیسے ہیں۔ صوفیاء کا قول ہے کہ جس طرح کوئی تخم بغیر پانی اور روشنی وغیرہ کے زمین سے باہر نہیں نکل سکتا، خواہ وہ زمین جس میں وہ بویا گیا ہو، کیسی ہی زرخیز اور اعلیٰ کیوں نہ ہو، ایسے ہی ہمارے اعمال بغیر کسی کامل ولی کی نظر عنایت کے مقبول نہیں ہو سکتے۔ ابلیس کے پاس اعمال کا تخم

بہت تھا مگر چونکہ اسے کسی نبی کا پانی نہ ملا لہٰذا اس کو قبولیت کا پھل نہ لگ سکا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

پانی نہ ملا زمزمہ ملت سے جو اس کو
پیدا ہیں نئی پود میں الحاد کے انداز

صوفیائے کرام فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے جسموں کی پرورش کے لیے مختلف غذاؤں اور پھلوں کو تخلیق فرمایا۔ غذاؤں کا کام یہ ہے کہ اس سے انسانی جسموں کو طاقت ملے اور پھل کے کھانے میں انسان کے لیے کچھ طاقت اور زیادہ لذت کا سامان بنتا ہے۔ ایسے ہی اللہ تعالیٰ نے قلب انسانی کے لیے شریعت اور طریقت بنائی ہے۔ شریعت سے انسانی اجسام کو قوت دینے کے لیے غذا ضروری ہے اور طریقت سے روح کو لذت حاصل ہوتی ہے۔ اسی طرح فرض عبادت انسان کی روح کی غذا ہے اور نوافل کی عبادت روح کے لیے لذیذ پھلوں کی طرح ہے۔ ہماری تصنیف "بعیت کی تشکیل اور تربیت" میں لکھا جا چکا ہے کہ فرض عبادات کے ادا کرنے سے انسان کی روح کا وہ حصہ جو عالم خلق میں ہوتا ہے مضبوط اور طاقتور ہوتا ہے اور نوافل کے ادا کرنے سے روح کا وہ حصہ جو عالم امر میں ہوتا ہے، تقویت پکڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روحانی ترقی کا دارومدار فرائض کی ادائیگی کے بعد نوافل کی ادائیگی میں رکھا گیا ہے۔ مختصراً ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ جسمانی غذاؤں کے مرکز کھیت ہیں اور پھلوں کے مراکز باغات ہیں۔ ضرورت مند احباب کو کھیتوں کے دانے اور باغات کے پھلوں کے لیے یا تو کھیتوں اور باغات میں جانا پڑتا ہے یا وہاں سے کسی کے ذریعے حاصل کرنا یعنی بازاروں سے خریدنا ضروری ہوتا ہے۔ ایسے ہی حضور ﷺ کا آستانہ ان سب چیزوں کا مرکز ہے جہاں روح کی پرورش کے دانے اور پھل ملتے ہیں۔ اگرچہ بعض پھلوں کے درختوں کے پتوں کی شکل آپس میں ملتی ہے لیکن ان کے پھلوں میں بڑا فرق ہوتا ہے لہٰذا بہ انداز روحانیت ہر بزرگ کے فیضان میں نمایاں فرق نظر آتا ہے۔

شارع سنت حضور ﷺ کو قرآن نے سراجاً منیراً کہا ہے

حضور ﷺ کے لیے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ آپ سراجاً منیراً یعنی چمکا دینے والا آفتاب ہیں (الاحزاب:۴۶)

خطہ ویراں کو بخشی ہے وہ رونق آپ نے
چاند تاروں کی مثل روشن ہیں اصحاب رسولؐ

درحقیقت اللہ تعالیٰ نے ہم کو ہزاروں آفتابوں سے زیادہ روشنی آپ ﷺ کے نور نبوت نے پہنچائی، کفر و شرک کی ظلمات شدیدہ کو اپنے نور حقیقت افروز سے دور کیا۔ خلق کے لیے معرفت و توحید الٰہی تک پہنچنے کی راہیں روشن کیں اور ضلالت کی وادی تاریک میں راہ گم کرنے والوں کو اپنے نور ہدایت سے راہ یاب فرمایا۔ حضور ﷺ کے نور نبوت سے ضمیروں کو، بصائر کو، قلوب اور ارواح کو منور فرمایا اور حقیقت میں آپ ﷺ کا وجود مبارک ایسا آفتاب عالم تاب ہے کہ جس نے ہزارہا آفتاب بنا دیئے، اس لیے آپ ﷺ کی صفت میں منیراً ارشاد فرمایا۔

آپ ﷺ کے انوار صحابہ پر وارد ہوئے اور ان سے آگے ہم تک یہ سلسلہ چلتا رہا۔

مے خانہ مدینے میں کھولا بغداد کو آ شاداب کیا
پھر دہلی سے سرہند تلک سب فیض کے چشمے جاری ہیں

سراجاً منیراً سے مراد آپ ﷺ کا آفتاب نبوت و ہدایت ہے جس کے طلوع ہونے کے بعد کسی دوسری روشنی کی ضرورت ہی نہیں رہتی۔ سب روشنیاں اسی نور اعظم ﷺ میں محو اور مدغم ہوگئیں۔

وہ دانائے سبل، ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اول وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

شریعت ہر امت کو ملی مگر طریقت فقط اس امت کو

قرآن مجید حضور ﷺ پر نازل ہوا۔ اس کے نزول کی ابتداء حق تعالیٰ سے ہوئی، واسطہ نزول کے لیے حضرت جبرائیل علیہ السلام بیچ میں آتے ہیں جبکہ منتہائے نزول حضور ﷺ ہیں۔ تبلیغ قرآن کی ابتداء حضور ﷺ نے فرمائی اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم واسطہ تبلیغ بنے۔ حضرت امام بوصیریؒ نے ایک شعر میں کہا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنی امت کو اپنی ملت کے حصار میں ایسے محفوظ فرمایا جیسے شیر اپنے بچوں کو اپنے کچھار میں محفوظ کر دیتا ہے۔ جو انعامات حضور ﷺ کو ملے ان میں سے ایک تصوف اور روحانیت بھی ہے جس کے لیے کچھ بیان نیچے شامل کیا جا رہا ہے۔

صوفیاء کا قول ہے کہ شریعت تو تمام امتوں کو ملی جیسا کہ قرآن میں ہے "لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنكُمْ شِرْعَةً وَمِنْهَاجًا" (یعنی ہم نے تم میں سے ہر ایک کے لیے بنائی ہے ایک شریعت اور عمل کی راہ) (المائدہ: ۴۸) مگر طریقت محض امت محمدیہ ﷺ کو عطاء ہوئی۔ پچھلی امتوں میں بعض نبیوں اور بعض ولیوں کو ہی طریقت ملی مگر اس امت کے لیے اس کی عطاء ہر اس شخص کو ملی جو اس کا خواہاں ہوا۔ شریعت یار تک پہنچنے کا کھلا راستہ ہے، جس کو ہر شخص بے تکلف طے کر سکے۔ طریقت کا راستہ مخفی یعنی چھپا ہوا، پر اسرار، اور پیچیدہ سرنگی (سرنگ کے ذریعے جانے والا) راستہ ہے، جس کو ہر شخص نہیں جانتا۔ طریقت میں یار کی طرف کشش سے بلاتا ہے اور شریعت میں ظاہر پر عمل ہے اور خود چل کر یار تک پہنچنا ہے۔ طریقت میں ظاہری اعمال کی بنیاد اس طرح ہے جیسے خضر علیہ السلام نے کشتی کو توڑا، بچے کو قتل کیا اور یتیم کی دیوار کو بنا دیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قول "رَبِّ اَرِنِیْ اَنْظُرْ اِلَیْکَ" (یا اللہ مجھے اپنا جلوہ

دکھا) (الاعراف:۱۴۳) طریقت تھا مگر ان کا یہ کام ان کی امت تک نہ پہنچا۔ امت محمدیہ ﷺ کا یہ حال ہے کہ لاکھوں ایسے اولیائے کرام موجود ہیں جو اللہ تعالیٰ کے جلوؤں کے مزے لوٹتے ہیں اگرچہ رویت کی حد تک نہ سہی، صفاتی جلوے تو تقریباً ہر ولی سے بعید نہیں۔

شریعت اور طریقت میں کچھ نمایاں فرق نظر آتا ہے۔ شریعت کی روشنی پاور ہاؤس سے بذریعہ تار آتی ہے جس میں بہت سے خطرات حائل ہوتے ہیں۔ طریقت میں سالک کا دل خود اپنے دل کے جنریٹر سے بجلی حاصل کرتا ہے، جہاں پاور ہاؤس بند ہو گیا، تو دل جنریٹر کا کام کرتا ہے۔ شریعت میں قالب (بدن) کے ذریعے قلب کو ٹھیک کیا جاتا ہے (یعنی نمازوں ریاضتوں روزوں وغیرہ سے دل کی اصلاح ہوتی ہے) جبکہ طریقت میں دل کے ذریعے قالب کو ٹھیک کیا جاتا ہے (قلبی تاثرات سے جسم کی اصلاح ہوتی ہے مثلاً دل کے روحانی اثرات چہرے سے ظاہر ہوتے ہیں، اخلاق اور اعمال درست ہوتے ہیں۔ ذکر کی گرمی سے بہت سے کام درست ہوتے ہیں۔ بیماریوں کا علاج اور مصائب کا دُور ہونا دعاؤں کے اثر سے وجود میں آتا ہے) شریعت کی تعلیم الفاظ کے ذریعے دی جاتی ہے اور طریقت کی تعلیم نظروں اور صحبت کے ذریعے دی جاتی ہے۔

طریقت اور شریعت میں مذکورہ بالا اختلافی اصولوں کے علاوہ ایک اور بھاری فرق یہ ہے کہ شریعت میں گناہوں کے راستوں کو بند کیا جاتا ہے مثلاً ناک، کان، آنکھ اور منہ پر کنٹرول کیا جاتا ہے اور طریقت میں ان تمام برائیوں کے سرچشمے یعنی نفس اور قلب کی تہذیب اور اصلاح کی جاتی ہے تاکہ گناہوں تک پہنچنے کی نوبت ہی نہ آئے۔ نفس امارہ جو تمام بیماریوں کی جڑ ہے، اس کا تزکیہ کیا جاتا ہے اور اسے نفس مطمئنہ، نفس راضیہ اور نفس مرضیہ تک پہنچا دیا جاتا ہے۔ شریعت کا مرکز حضور ﷺ کا جسم پاک ہے جبکہ مرکز طریقت حضور ﷺ کی روح کی طرف جاتا ہے اور وہاں سے بذریعہ مرشد فیض رسانی ہوتی ہے چنانچہ آپ ﷺ نے بذریعہ انعکاس اپنے دل سے مرید کے دل تک فیض پہنچانے کے قوانین وضع فرمائے، جو اب تک چلے آرہے ہیں۔ شریعت اور طریقت ایک دوسرے سے منسلک ہیں۔ شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ نے امام مالکؒ کا قول نقل کیا ہے کہ جس نے شریعت کا علم بغیر طریقت کے سیکھا، تو وہ زندیق ہوا اور جس نے بغیر طریقت کے شریعت کے علم کو اخذ کیا وہ فاسق ہوا اور جس نے ان دونوں کو ملایا وہ محقق ہے۔ اس مختصر تحریر میں طریقت اور شریعت کا موازنہ مشکل امر ہے لہٰذا ہماری دیگر کتابیں ''حضور قلب'' ''بیعت کی تشکیل اور تربیت'' ''رابطۂ شیخ'' اور ''اسلام اور روحانیت'' وغیرہ کا مطالعہ فرمائیں۔ اس باب میں شریعت اور طریقت کے فرق کے متعلق ایک مختصر مضمون پیش کیا گیا ہے اور حضرت سلطان باہوؒ کے درج ذیل شعر کے عمیق نکات بھی پیش کیے جا چکے جو اس کتاب کی ضروریات کے لیے کفایت کرتے ہیں۔

شریعت دے دروازے اچ راہ فقر دی موری ھُو

کشف المحجوب میں احکام شریعت کو ثابت کرنے کے دلائل

احکام شریعت کو نافذ کرنے کے لیے حضرت داتا گنج بخشؒ نے یہ دلائل پیش کیے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے احکام شریعت کو نافذ کرنے کے لیے اپنے بہت سے رسول مبعوث فرمائے اور ان کو ایسے معجزات سے سرفراز فرمایا، جن سے محیّر العقول اور خارق عادات امور ظاہر ہوتے رہے ہیں۔ ہمارے نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور ان کو بے حد معجزات عطاء فرمائے گئے ہیں۔ اور ان کے ذریعے ہمیں دونوں جہانوں کی خبریں ملی ہیں جو غیبی خبروں کی نوعیت رکھتی ہیں۔ یہ خبریں بالکل سچ ثابت ہوئیں۔ دلائل شرعیہ ایک کتاب اللہ، دوسرے سنت رسول اور تیسرے اجماع امت ہیں۔ شریعت مطہرہ کا پہلا رکن کتاب اللہ ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"مِنهُ آیاتٌ مُحکَماتٌ هُنَّ أُمُّ الكِتابِ" (آل عمران:۷)

(اس کتاب مقدس میں آیات محکم ہیں (جس کا مفہوم واضح ہے) یہی کتاب کی اصل ہیں)

اسلام کا دوسرا رکن، شریعت اسلامی کا سنت رسول ﷺ کے مطابق ظاہر ہوتا ہے، جس کی اطاعت کے لیے قرآن کریم میں حسب ذیل حکم آیا ہے:

"وَمَآ اٰتٰكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا" (الحشر:۷)

(جو ہمارے رسول تمہیں حکم دیں اسے قبول کرو اور جس بات سے منع فرمائیں اس سے باز رہو)

حضرت داتا گنج بخشؒ فرماتے ہیں اسلام کا تیسرا رکن اجماع امت ہے جو حضور ﷺ کے حکم کے عین مطابق ہے۔

مذکورہ بالا احکامات میں حقیقت اسلام موجود ہے اور شریعت حقہ کے یہی تین اثبات ہیں۔ اب اگر کوئی چاہے کہ اپنے اندر ان تمام باتوں کو جمع کرلے تو ایسا ہونا بہت نادر ہے کیونکہ لطائف اسمائے الٰہیہ کی کوئی انتہاء نہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب ان لطائف کی حد نہیں تو انسان ان سب پہ حاوی نہیں ہوسکتا۔ اللہ تعالیٰ تمام صفات سے متصف ہوتے ہوئے بھی اپنی تمام صفات سے پاک اور بالاتر ہے۔

حضرت علی ہجویریؒ فرماتے ہیں ایک فرقہ جسے سوفسطائی کہتے ہیں، یہ دعویٰ کرتا ہے کہ اشیاء کا علم ہونا محال ہے۔ حضرت داتا گنج بخشؒ ان کے اس عقیدے کو باطل قرار دیتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ملاحدہ کا یہ خیال کہ ہمارا علم کسی چیز کے ساتھ محال ہے درست نہیں، ان کا یہ خیال باطل ہے، کیونکہ ان کا یہ قول دو باتوں سے

خالی نہیں:

یہ کہ ان کا یہ کلام یا تو نفی علم کے باعث ہے یا علم ہونے کے باعث ہے، علم کا نہ ہونا یا علم کا ہونا اثبات علم کو ظاہر کرتا ہے (یعنی ان کو یہ علم ہو چکا ہے کہ یہ علم حاصل ہو سکتا ہے یا نہیں ہو سکتا۔ گویا اس میں علم کا ہونا پایا جاتا ہے) فرماتے ہیں کہ کسی شے کا علم نفی علم نہیں کہلا سکتا۔ علم کی ضد جہالت ہے جو نفی کی حقدار ہوگی۔ علم نفی کا حقدار نہیں ہو سکتا گویا علم سے علم کی نفی ناممکن ہے۔ نفی علم جہل سے ہو سکتی ہے تو ایسا جاہل، جو یہ کہتا ہے کہ کسی شے کا علم نہیں ہو سکتا، بذات خود جاہل ہے جو ذلیل اور مذموم ٹھہرے گا۔

حضرت گنج بخشؒ فرماتے ہیں کہ جہالت کفر خالص ہے اور باطل کی علامت ہے۔ حق کو جہل سے کوئی واسطہ نہیں۔ ملحدین کا عقیدہ اہل تصوف کے بالکل خلاف ہے۔ جب عوام نے ملحدین کے اس خیال کو سنا تو وہ بہک گئے اور کہنے لگے کہ اہل تصوف بھی پریشان حالی پر قائم ہیں۔ وہ جہل کو حق سے الگ کرنے سے عاجز آگئے اور لوگ تصوف کیخلاف ہو گئے۔ ملحدین کی اس گفتگو سے عقائد میں خرابی آئی اور حق و باطل کی تمیز ختم ہو گئی۔ حضرت مخدوم علی ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ اگر ان کی بات درست ہوتی تو دین ضرور ان کی مدد فرماتا اور حق ان کے پاس سے نہ جاتا۔ فرماتے ہیں اگر انہوں نے اللہ کے دوستوں سے تعلق قائم کر لیا ہوتا تو ان جھوٹی باتوں کو کبھی ان کی طرف منسوب نہ کرتے۔

حضرت داتا گنج بخش رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ آج کل فتنوں کا زمانہ ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوبوں کو اس قوم سے پوشیدہ کر لیا ہے اور ان کی حفاظت فرمائی ہے۔ فرماتے ہیں کہ ایسے منکرین کے پھندوں سے محفوظ رہنا چاہیے۔ آپ نے حضرت محمد بن فضل بلخیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ:

"اَلْعِلْمُ ثَلٰثَةٌ عِلْمٌ مِّنَ اللّٰهِ عِلْمٌ مَّعَ اللّٰهِ وَ عِلْمٌ بِاللّٰهِ"۔

(علم تین قسموں کے ہیں اول اللہ کی طرف سے علم، دوئم اللہ کے فضل کی معیت سے اور تیسرا اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ)

علم من اللہ: علم شریعت ہے جو انبیاء کے ذریعے پہنچتا ہے اور ہم اس کے مکلف ہیں۔

علم مع اللہ: یہ علم طریقت ہے جو فضل الٰہی سے عطاء ہو جس سے ہدایت اور مقامات ولایت بہ عنایت الٰہی حاصل ہوں۔

علم باللہ: علم معرفت ہے جو اللہ تعالیٰ کی یاد کے ساتھ ہو اور جس کے ذریعے انبیاء اور اولیائے عظام نے اللہ کو پہچانا۔ یہ لوگ عرفان کی وجہ سے عارف ہوتے ہیں۔ جب تک اس علم کو سیکھا نہ جائے خدا کو جانا نہیں جا سکتا اور خدا کی معرفت بھی خدا ہی کی ہدایت اور توفیق سے ہوتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے فرمایا کہ جس کو علم عرفان حاصل نہیں اس کا دل ظلمت جہل کی وجہ سے مردہ ہے۔ آپؒ کے کلام کا مقصد یہ ہے کہ جو علم توحید بلا عمل (مجاہدہ و تجربہ) کے حاصل کرے یعنی محض الفاظ کی حد تک پسند کرے اور اس کے خلاف باتوں سے نہ بچے تو وہ زندیق ہے اور جو شخص فقہ کی شرائط پر نہ چلے اور فقہ و شریعت کو بلا پرہیزگاری حاصل کر کے رخصتوں اور تاویلوں کے پیچھے لگ کر شبہات میں دب جائے یا بغیر اصولِ شرع کے محض اپنی سہولت کے لیے اجتہاد کرنے والوں کے گرد گھومنے لگے تو وہ بہت جلد فسق اور بدکاری میں پڑ جائیگا اور یہ چیز غفلت کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے۔

حضرت داتا گنج بخشؒ نے علم شریعت، طریقت، معرفت اور مدارج ولایت کو بیان کرنے کے بعد کشف المحجوب میں یہ خلاصہ بیان کیا ہے کہ معرفت اور مدارج ولایت بغیر علم شریعت جاننے کے صحیح نہیں اور اتباع شریعت بغیر مقامات رشد و ہدایت (طریقت) جاننے کے حاصل نہیں ہو سکتی (یعنی قانون کے مقتضیات کا جاننا قانون دانی ہے نہ کہ محض قانونی کتابوں کا مطالعہ کرنا)

حضرت ابو علی ثقفیؒ فرماتے ہیں ''اَلْعِلْمُ حَیٰوۃُ الْقَلْبِ مِنَ الْجَھْلِ وَنُوْرُ الْعَیْنِ مِنَ الظُّلْمَۃِ'' (علم جہل کی بجائے حیات کا پانا ہے، نور یقین پانے اور ظلمت سے بچنے کے بعد) جس بندہ کو معرفت کا علم نہیں اس کا دل جہالت کی وجہ سے مردہ ہے اور جس بندہ کو شریعت کا علم نہیں اس کا دل علم نہ ہونے کی وجہ سے بیمار ہے۔ اس لیے کافر کا دل مردہ ہوتا ہے اور غفلت والے کا دل بیمار ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر وراقؒ فرماتے ہیں۔ ''مَنِ اکْتَفٰی بِالْکَلَامِ مِنَ الْعِلْمِ دُوْنَ الزُّھْدِ فَقَدْ تَذَنْدَق وَمَنِ اکْتَفٰی بِالْفِقْهِ دُوْنَ الْوَرْعِ فَقَدْ تَفَسَّقَ'' (جس شخص نے زہد و تقویٰ کے بغیر ظاہر علم پر اکتفا کیا، وہ بے دین ہے اور جس نے زہد و تقویٰ کے بغیر صرف ظاہر علم فقہ پر اکتفا کیا، وہ فاسق و فاجر ہے) اس سے مراد یہ ہے کہ بغیر تقویٰ و پرہیزگاری اور مجاہدہ کے توحید جبر ہے اور مُوَحِّد (یعنی اللہ تعالیٰ کو ایک ماننے والا) قول کے اعتبار سے جبری اور فعل کے اعتبار سے قدری ہوتا ہے، لیکن فقہ کے لیے شرط احتیاط اور تقویٰ کی ہے جو علم فقہ کو بغیر ورع اور تقویٰ ہی پسند کرتا ہے اور رخصت و تاویلات میں مشغول ہوتا ہے گویا وہ آسانی کی تلاش کے لیے گھومتا ہے اور وہ بہت جلد فاسق و فاجر ہو جاتا ہے۔ یہ تمام باتیں غفلت سے پیدا ہوتی ہیں۔ حضرت ابو بکر وراقؒ نے فرمایا ہے کہ ''اَلتَّوْحِیْدُ دُوْنَ الْجَبْرِ وَفَوْقَ الْقَدْرِ'' (یعنی توحید جبر سے نیچے اور قدر سے اوپر ہے)

حضرت ابو یزید بسطامیؒ فرماتے ہیں ''عَمِلْتُ فِی الْمُجَاھَدَۃِ ثَلٰثِیْنَ سَنَۃً فَمَا وَجَدْتُ شَیْئًا اَشَدَّ عَلَیَّ مِنَ الْعِلْمِ وَمُتَابَعَتِہٖ'' (میں نے ۳۰ سال مجاہدے کیے پس میں نے علم اور اس کی متابعت سے زیادہ کسی چیز کو سخت نہیں پایا)۔ مختصر یہ کہ علم پر عمل کرنے کی بہ نسبت آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ آسان ہوتا

ہے۔ علم کے ایک مسئلہ پر کاربند ہونے کی نسبت دوزخ کے اندر خیمہ لگا کر بیٹھ جانا فاسق کے لیے بہت محبوب ہے (یعنی دوزخ میں خیمہ لگا کر اس میں بیٹھ جانا آسان ہے بہ نسبت اس کے شریعت کا ایک علم سیکھ کر اس پر عمل کرنے سے) پس تم علم سیکھو اور کمال حاصل کرو اور بندہ کا کمال علم یہ ہے کہ بندہ اللہ تعالیٰ کے علم کے سامنے مطلق نادان اور جاہل ہے۔

حضرت یحییٰ بن معاذ الرازی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں "اِجْتَنِبْ صُحْبَۃَ ثَلٰثَۃِ اَصْنَافٍ مِنَ النَّاسِ، اَلْعُلَمَآءِ الْغَافِلِیْنَ وَالْفُقَرَآءِ الْمُدَاہِنِیْنَ وَالْمُتَصَوِّفَۃِ الْجَاہِلِیْنَ" (تین قسم کے لوگوں سے پرہیز اختیار کرو، غافل علماء، خوشامدی فقراء اور جاہل صوفیاء سے) غافل علماء وہ ہیں جنہوں نے دنیا کو اپنا قبلہ بنایا اور بادشاہوں کی پوجا پاٹ کی اور اپنی شہرت کے لیے دنیا کو دھوکہ دے رہے ہیں۔ انہوں نے کینہ اور حسد کو اپنا مذہب بنایا ہوا ہے اور فقیر مداہن وہ ہیں کہ جب کوئی بندہ ان کی نفسانی خواہشات کے مطابق کام کرے، خواہ وہ غلط ہی کیوں نہ ہو، اس کی تعریف کرنے لگے اور اگر کوئی ان کی نفسانی خواہش کے مطابق نہ کرے خواہ وہ صحیح ہی کیوں نہ ہو اس کی مخالفت کرتے ہیں اور دنیا میں اپنے جاہ و مرتبہ کے قائل ہوتے ہیں۔ جاہل صوفی وہ ہے جو کسی بزرگ کی مجلس میں نہ بیٹھا ہو اور ادب حاصل نہ کیا ہو لیکن اس کے باوجود اپنے آپ کو بزرگ اور اہل معرفت میں سے خیال کرے، ایسی حالت میں ان پر من جانب اللہ راہ حق پوشیدہ ہو جاتی ہے۔

علم حاصل کرنے سے عاجز ہونا ہی علم ہے اور اخیاروں کے راستے میں کھڑا ہونا شرک ہے، تفسیر مظہری میں یہ شعر بیان ہوا ہے:

اَلْعِجْزُ مِنْ دَرْکِ الْاِدْرَاکِ اِدْرَاکٌ
وَالْبَحْثُ عَنْ سِرِّ الذَّاتِ اِشْرَاکٌ

علم حاصل کرنے سے عاجز ہونا بھی علم حاصل کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ کی ذات کی پوشیدگی کے بارے میں بحث کرنا شرک ہے اور وہ جو علم حاصل نہیں کرتا اور اپنی جہالت پر ڈٹا رہتا ہے وہ مشرک ہے۔

شریعت اور حقیقت کا باہمی تعلق

حضرت داتا گنج بخش "کشف المحجوب" میں فرماتے ہیں کہ شریعت اور حقیقت کے الفاظ ظاہری حالت کی درستی اور باطنی احوال کی درستی کے معنوں میں استعمال کیے جاتے ہیں۔ ان دونوں الفاظ کے بارے میں ایک گروہ کا یہ خیال ہے کہ شریعت اور حقیقت ایک ہی بات ہے۔ لیکن ملحدین کا گروہ یہ کہتا ہے کہ حقیقت کا تعلق شریعت سے قائم نہیں ہوتا اور حقیت کے لیے شریعت کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ حقیقت شریعت کے بغیر قائم ہو سکتی ہے۔ مؤخر الذکر گروہ کا یہ خیال ہے کہ جب حقیقت کا حال سامنے آجاتا ہے تو شریعت ختم

ہو جاتی ہے یعنی ایسی حالت میں شریعت کے احکام پر عمل کرنا منع ہو جاتا ہے۔ ایسے لوگوں کو آپ نے الحاد اور بے دینی پر محمول کیا ہے۔

صاحب کشف المحجوب فرماتے ہیں کہ شریعت اور حقیقت کے الگ نہ ہونے کی یہ دلیل ہے کہ دینی امور کا صرف زبان سے اقرار کرنا یا صرف دل سے اقرار کرنے کا نام ایمان نہیں بلکہ دونوں کا ایک ساتھ ہونا ضروریات ایمان میں سے ہے۔ آدم علیہ السلام سے لے کر جہان کے ختم ہونے تک ایک ہی حکم رکھتا ہے اور اس حکم میں کوئی تبدیلی نہیں (مثلاً معرفت الٰہی، خلوص نیت میں تبدیلی نہیں) لیکن شریعت کے احکام اور اوامر میں تبدیلی ممکن ہے۔ پس شریعت بندے کا فعل ہے اور حقیقت اللہ تعالیٰ کا بندے کو اپنی نگاہ اور حفاظت میں رکھنا ہے اور دونوں کا ایک دوسرے کے بغیر قائم ہونا ناممکن ہے۔ ان دونوں کا تعلق روح اور جسم کی طرح ہے۔ روح کے باعث بندے کی قدر و قیمت ہے اور بندے کی وجہ سے جان کی قدر و قیمت ہے۔ فرماتے ہیں حقیقت کے بغیر شریعت ریا ہے اور شریعت کے بغیر حقیقت نفاق ہے۔

حضرت داتا گنج بخش فرماتے ہیں کہ "وَالَّذِينَ جَاهَدُوا فِينَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا ط" (یعنی جو ہمارے راستے میں کوشش کرتے ہیں تو ہم انہیں ضرور اپنے راستے بتا دیتے ہیں) (عنکبوت:۶۹) کی آیت میں مجاہدہ کرنا شریعت ہے اور ہدایت کامل جاننا حقیقت ہے۔ شریعت کا مطلب ظاہری احکام کو اپنے اوپر جاری کرنا بندے کی طرف سے مجاہدہ ہے اور بندے کے اپنے باطنی احوال کو صحیح کرنا یا باقی رکھنا اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، جس کو حقیقت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ شریعت کا تعلق بندے کی کوشش اور کسب کرنا ہے اور حقیقت کا تعلق اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم کے ساتھ ہے۔

صاحب کشف المحجوب نے حقیقت اور شریعت کی رو سے چند الفاظ کا طریقت سے تعلق ہونا ظاہر کیا ہے وہ حسب ذیل ہیں۔

(۱) الحق (یعنی اللہ تعالیٰ کی ذات) (۲) الحقیقۃ (بندے کا اللہ کے وصل میں قائم ہونا) (۳) الخطرات (اللہ سے دور کرنے والے عوامل) (۴) الوطنات (اللہ تعالیٰ کی طرف سے بندے کے دل پر نازل ہونے والے اسرار و رموز) (۵) الطمس (بندہ کا اپنی ذات کی نفی کرنا) (۶) الرمس (بندے کی ذات کا نفی ہونا لیکن کچھ اثر باقی رہنا) (۷) العلائق (وہ اسباب جن سے طالب الٰہی کا دنیا سے تعلق باقی رہے) (۸) الوسائط (وہ اسباب جن سے بندہ اللہ تعالیٰ سے تعلق پیدا کرتا ہے) (۹) الفوائد (باطنی اسرار کو حاصل کرنا) (۱۰) اللوامع (اللہ تعالیٰ سے نور کا حاصل ہونا) (۱۱) اللطیفۃ (بندے کے دل میں باریکیوں کا

اشارہ ہونا) (۱۲) السبیر (اللہ کی طرف سے وارد ہونے والے احوال کو چھپانا) (۱۳) الواقع (دل پر نازل ہونے والے احساسات جو دل سے نکل نہ سکیں) (۱۴) الاختیار (اللہ تعالیٰ کے اختیار کو اپنے اختیار پر ترجیح دینا) (۱۵) الامتحان (اولیاء کے دل کا امتحان لینا) (۱۶) البلاء (اولیائے کرام کا مصیبتوں سے آزمائش کرنا) (۱۷) التحلی (کسی قوم کے اچھے قول وفعل کی مشابہت اختیار کرنا) (۱۸) التحلی (اللہ تعالیٰ کے انوار کی تاثیر کا ولیوں کے دلوں پر نازل ہونا) (۱۹) الشرود (طالبوں کا آفات وحجابات سے بھاگ جانا) وغیرہ اور بہت سی اصطلاحات ہیں جن کا ذکر ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' میں کر دیا گیا ہے۔

اس باب میں شریعت، طریقت اور حقیقت کے بارے میں اختصار سے کام لیا گیا ہے اور یہ بیان کیا گیا ہے کہ شریعت کا طریقت سے گہرا تعلق ہے۔ طریقت کا تفصیلی بیان ہماری تصنیف ''اسلام اور روحانیت'' میں ملاحظہ فرمائیں۔

سترہواں باب

امتیازات حدیث

تاریخ حدیث پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ یہاں ہم عام تاریخ کے مقابلے میں تاریخ حدیث کو جو امتیازات حاصل ہیں، ان کا جائزہ لیں تا کہ یہ معلوم ہو سکے کہ کتابتِ حدیث اور روایت حدیث کے معاملے میں کس قدر احتیاط سے کام لیا جاتا رہا ہے، جبکہ عام مؤرخین کی تحریروں میں اس قدر احتیاط نہیں برتی جاتی اور ان مؤرخین کی تحریر میں ذاتی پسند اور ناپسند کے جذبات بھی شامل ہو جاتے ہیں۔ یہاں ہم ان امتیازات کا ذکر کریں گے جو احادیث کی تحریر میں جلوہ گر ہوتے ہوئے نمایاں نظر آتے ہیں۔

۱۔ تاریخی واقعات کی نوعیت کا اثر

موجودہ عام تاریخی ذخائر کا تعلق عام طور پر کسی قوم کی حکومت، کسی عظیم الشان جنگ اور اس قسم کے منتشر اور گوناگوں پراگندہ چیزوں سے ہے اور ان تمام چیزوں کا مکمل احاطہ کرنا ایک مشکل امر ہے جبکہ حدیث اس تاریخ کا نام ہے جس کا تعلق براہ راست ایک عظیم ہستی یعنی سرور کائنات ﷺ کی ذات مقدس سے ہے۔ اگر ہم ایک ملک، قوم یا حکومت یا کسی جنگ کے تمام حالات کو ایک طرف رکھیں تو حضور ﷺ کی شخصیت سے متعلق تمام واقعات نشست و برخاست کا بیان کرنا زیادہ مشکل امر ہے۔ پہلی صورت میں غلطیوں کے امکانات بہت زیادہ ہیں جبکہ دوسری صورت میں واقعات کی صحت اور ان کی درستی کی توقع کہیں بڑھ کر ہے۔

۲۔ صاحب تاریخ سے مؤرخین کی عقیدت

عام طور پر تاریخ کی تدوین یوں ہوتی ہے کہ ادھر اُدھر کے بکھرے ہوئے واقعات، افواہیں اور خبریں کوئی مؤرخ محض شوقیہ انداز میں قلم بند کر دیتا ہے اور پھر وہ خود ہی یا کوئی اور شخص قرائن اور قیاسات سے جہاں تک ممکن ہو باقی رکھتا ہے اور جن حصوں کو چاہتا ہے قلم زد کر دیتا ہے۔ جوں جوں زمانہ گزرتا گیا ایسے تاریخی نسخے بوسیدہ اور کرم خوردہ مسودوں کی شکل میں، آنے والی نسلوں کے لیے تاریخی وثیقہ بن گئے۔ بنیادی

بات یہ ہے کہ خود ان مؤرخین کو ان واقعات سے یا صاحب واقعات سے قطعاً وہ تعلق نہ تھا اور نہ ہو سکتا ہے جو صحابہ کرام ؓ کو آنحضرت ﷺ کی ذات قدسی صفات سے تھا۔ وہ اپنے ماں باپ، بیوی بچوں بلکہ اپنی جانوں سے بھی زیادہ حضور ﷺ کو چاہتے تھے۔ وہ سب کچھ حضور ﷺ پر قربان کرنے کے لیے تیار تھے۔ یقیناً یہ ایسا امتیاز ہے جو کسی تاریخی واقعہ کو اپنے مؤرخین کے ساتھ حاصل نہیں۔ آخر دنیا کی کون سی تاریخ ہے جس کے بیان کرنے والے کی اس تاریخ سے اس قدر عقیدت ہوگی کہ وہ بیان کرتے جائیں اور ساتھ ساتھ روتے بھی جائیں۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ جب حدیث پاک بیان کرتے تو حضور پاک ﷺ کا نام نامی زبان پر آتے ہی کانپنے لگتے اور ان کے جسم میں تھرتھراہٹ پیدا ہو جاتی، گردن کی رگیں پھول جاتیں اور آنکھیں آنسوؤں سے بھر جاتیں۔[1] حضرت ابوذر ؓ آپ ﷺ کا ذکر کرتے ہی بے ہوش ہو جاتے[2] اور حضرت ابوہریرہ ؓ پر بھی اس قسم کی کیفیت طاری ہو جاتی تھی۔[3] اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جو تاریخ مؤرخوں کے لیے اس قدر محبوب ہو ان کے دل و دماغ پر اس کا کیا اثر ہوگا۔

۳۔ راویان حدیث کا یہ مذہبی فریضہ تھا کہ وہ دین کی اشاعت کریں

سمع، اطاعت و اتباع رسول ﷺ کے مطالبے سے قرآن کی آیات گونج رہی ہیں اور تاریخ حدیث کے چشم دید راویوں کو یہ بار بار تاکید کر رہی ہیں کہ حضور ﷺ کی زندگی کے ہر جزء اور ایک ایک خدوخال کو بطور اسوۂ حسنہ اپنے اندر پیدا کریں۔ صحابہ کرام ؓ نے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر اس عہد پر بیعت حاصل کی کہ ہر حاضر غائب کو، ہر پہلا پچھلے کو سنت نبوی ﷺ مسلسل پہنچاتا چلا جائے جیسا کہ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۱۰ "تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ" (یعنی تم اچھی باتوں کا حکم دو) سے واضح ہے۔ اسوۂ حسنہ کو پھیلانے اور اپنانے کا ذکر سورۃ الممتحنہ کی آیت نمبر ۶ میں موجود ہے۔ سورۂ حشر کی آیت نمبر ۷ میں اس بات کا حکم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے جو کچھ تمہیں حکم دیا ہے، اسے پکڑے رہو اور جس چیز سے روکا ہے اس سے رک جاؤ۔ رسول اللہ ﷺ کی اتباع کا ذکر قرآن میں بار بار آیا ہے جسے ہم اطاعت اور اتباع رسول ﷺ کے باب میں بیان کر چکے ہیں۔ دنیا کے کسی تاریخی واقعہ سے اس کے مؤرخین اور راویوں کا ایسا تعلق آج تک دیکھنے میں نہیں آیا جیسا رسول اللہ ﷺ کے متعلق قرآن مجید میں اشاعت دین محمدی ﷺ کی تکمیل کے لیے بیان کیا گیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں جو وفود وقتاً فوقتاً دربار نبوی ﷺ میں حاضر ہوا کرتے تھے ان کو ایسی جگہ ٹھہرایا جاتا تھا جہاں ان کے کانوں میں قرآن اور حدیث کی آوازیں پہنچتی رہیں تاکہ وہ اس کی سماعت سے متاثر ہوں اور وہ اپنے علاقوں میں یہ ہدایات لوگوں تک پہنچاتے رہیں۔

---

[1] مسند احمد بن حنبل، جلد ۱، صفحہ ۴۵۳۔ [2] الزھد لابن حنبل، جلد ۱، صفحہ ۱۴۶۔

[3] مسانید فراس المکتب، ابونعیم اصبہانی، متوفی ۴۳۰ھ، جلد ۱، صفحہ ۸۲، مطابع ابن تیمیہ، قاہرہ۔

"اِحۡفَظُوۡهُنَّ وَاَخۡبِرُوۡهُنَّ مِنۡ وَّرَآئِكُمۡ"

(ان باتوں کو یاد رکھو اور جو لوگ تمہارے پیچھے ہیں انہیں ان سے مطلع کرتے رہنا۔)[1]

۴۔ دین اسلام میں تحریف گناہ کبیرہ اور کفر کا باعث ہے

اسلامی احکام میں عمل تحریف کو گناہ کبیرہ اور بعض کی تحریف کو کفر تصور کیا جاتا ہے۔ اس قدر سخت احکام کے بعد کون شخص ایسا ہوگا جو احادیث کی روایت میں احتیاط نہ کرتا ہوگا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین جس تاریخ کی نشر و اشاعت کے ذمہ دار ٹھہرائے گئے تھے۔ از روئے قرآن اس کا چھپانا گناہ تصور کرتے تھے کیونکہ باری تعالیٰ نے سورۃ البقرہ کی آیت نمبر ۱۵۹ میں ارشاد فرمایا:

"جو لوگ چھپاتے ہیں اس چیز کو جسے ہم نے اتارا ہے اور جو کھلی کھلی باتوں اور سوجھ بوجھ (ہدایت) کی باتوں پر مشتمل ہے اور اس کے بعد چھپاتے ہیں جبکہ انسانوں کے لیے کتاب میں اسے بیان کر دیا ہے، یہی لوگ ہیں جن پر خدا بھی لعنت کرتا ہے اور لعنت کرنے والے بھی لعنت کرتے ہیں"۔

حضور ﷺ نے فرمایا:

"مَنۡ سُئِلَ عَنۡ عِلۡمٍ عَلِمَهٗ ثُمَّ كَتَمَهٗ اُلۡجِمَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ بِلِجَامٍ مِّنۡ نَّارٍ"

(جس کسی سے علم کی کوئی بات پوچھی جائے اور وہ اسے چھپائے تو قیامت کے دن آگ کی لگام اسے پہنائی جائیگی)[2]

یہی وجہ تھی کہ بستر مرگ پر پڑے سکرات میں مبتلا جلیل القدر صحابہ ؓ محض اس خیال سے کہ "علم چھپانے" کا الزام ان پر نہ رہ جائے، حدیث بیان کرتے جاتے تھے (صحاح) ان مورخین (صحابہ کرام ؓ) نے جو روایت حضور ﷺ کی طرف سے بیان کی وہ جانتے تھے کہ حضور ﷺ کی طرف کسی بات کا منسوب کرنا دراصل اللہ کی طرف منسوب کرنا ہے اور اللہ پر جھوٹ یا بہتان باندھنا ان سے محال تھا کیونکہ اللہ پر مفتری (بہتان باندھنے والے) کو قرآن نے سب سے بڑا ظالم ٹھہرایا ہے اور خود صادق و مصدوق ﷺ نے اپنے ارشاد گرامی میں اس شخص کے لیے جہنم کا ٹھکانہ ہونے کی وعید سنائی ہے جس نے کوئی جھوٹی اور مبنی بر کذب چیز کو آپ ﷺ کی طرف منسوب کیا۔ کثیر تعداد میں صحابہ کرام ؓ نے اس حدیث پاک کو بیان کیا اور اکثر صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین مثلاً حضرت ابوہریرہ ؓ جیسے جلیل القدر صحابی کسی روایت کو کسی دوسرے کو بیان کرنے سے قبل اس روایت کو دہراتے کہ:

"قَالَ رَسُوۡلُ اللّٰهِ (صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ وَسَلَّمۡ) اَلصَّادِقُ الۡمَصۡدُوۡقُ اَبُو الۡقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيۡهِ

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۱۷، جلد ۱، صفحہ ۴۷۔ [2] المعجم الاوسط، حدیث ۵۰۲۷، جلد ۵، صفحہ ۱۸۷۔

وَسَلَّمَ مَنْ كَذَبَ عَلَيَّ مُتَعَمِّدًا فَلْيَتَبَوَّءْ مَقْعَدَهُ مِنَ النَّارِ“

(صادق ومصدوق رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جس نے مجھ پر قصداً جھوٹ باندھا' اس کو چاہیے کہ اپنا ٹھکانہ آگ میں تیار کرے)[1]

پس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی روایات میں جھوٹی چیز کا احتمال بالکل نہ تھا اور محض مغالطہ بھی قریب قریب ناممکن تھا کیونکہ حضور علیہ السلام کی یہ ہمیشہ عادت تھی کہ جب بھی گفتگو فرماتے تو بات کو تین بار دہراتے، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے: ”اِنَّهُ كَانَ اِذَا تَكَلَّمَ بِكَلِمَةٍ اَعَادَهَا ثَلٰثًا“ (جب حضور ﷺ کوئی بات کرتے تو اس کو تین دفعہ دہراتے)[2] اور اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے افعال واقوال کی کڑی نگرانی فرماتے چنانچہ ایسی مثال دنیا بھر میں نہیں ملتی کہ صاحب واقعہ نے اہل تاریخ کی اس قدر کڑی نگرانی کی ہو۔

۵۔ تاریخ ساز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حضور ﷺ کی ذات سے عدیم المثال محبت کرنا

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جنہوں نے تاریخ حدیث رقم کی ان کو حضور ﷺ کی ذات مبارکہ سے اس قدر محبت تھی کہ وہ ان کے متعلق کوئی غلط بات منسوب نہ کر سکتے تھے۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی آہنی قوتوں اور عملی توانائیوں میں پیغام محمدی ﷺ نے نئی زندگی کی روح بھر کر ان میں ایسی ہلچل پیدا کر دی تھی، جس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔ بقول گارڈفرے ہگنس ”عیسائی اس کو یاد رکھیں تو اچھا ہو کہ محمد ﷺ کے پیغام نے وہ نشہ آپ کے پیروؤں میں پیدا کر دیا تھا جس کو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ابتدائی پیروؤں میں تلاش کرنا بے سود ہے اور حقیقت تو یہ ہے کہ صرف عیسائی کے لیے ہی نہیں بلکہ دنیا کو چاہیے کہ یہ یاد رکھے کہ اس نشہ کی نظیر نہ اس سے پہلے دیکھی گئی اور نہ اس کے بعد دیکھی جا سکتی ہے“۔

عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، صلح حدیبیہ کے موقع پر قریش کو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس نشہ محبت کی خبر جن الفاظ میں دی تھی، اس کا ترجمہ ملاحظہ فرمائیں کہ انہوں نے کیا فرمایا:

”لوگو! خدا کی قسم مجھے بلدشاہوں کے دربار میں بھی باریابی کا موقع ملا ہے، قیصر (روم)، کسریٰ (ایران) اور نجاشی (حبشہ) کے سامنے حاضر ہوا ہوں۔ قسم خدا کی میں نے کسی بادشاہ کو نہیں دیکھا جس کی لوگ اتنی تعظیم وتکریم کرتے ہوں، جتنی محمد ﷺ کے ساتھی محمد ﷺ کی کرتے ہیں۔ قسم خدا کی جب وہ بلغم تھوکتے ہیں تو نہیں گرتا وہ لیکن ان کے ساتھیوں میں سے کسی آدمی کے ہاتھ میں گرتا ہے۔ پھر وہ اپنے چہرے اور اپنے بدن پر اسے مل لیتا ہے۔ (محمد ﷺ) جب کسی بات کا انہیں حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل کی طرف وہ جھپٹ پڑتے ہیں، جب محمد ﷺ وضو کرتے ہیں تو اس وقت ان کے وضو کے پانی پر آپس میں الجھ پڑتے ہیں،

---

[1] صحیح البخاری، حدیث ۱۲۲۹، جلد ۱، صفحہ ۴۳۳۔

[2] صحیح البخاری، حدیث ۹۴، جلد ۱، صفحہ ۴۸۔

جب محمد ﷺ بات کرتے ہیں تو ان کی آوازیں پست ہو جاتی ہیں اور محمد ﷺ کو نگاہ بھر کر ان کی عظمت کی سے وجہ سے وہ نہیں دیکھ سکتے"۔[1]

مذکورہ بالا بیان کسی دوست کا نہیں بلکہ ایک دانا دشمن کی شہادت تھی، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس قوم کے نشے کا یہ حال ہو تو ان کے لیے حضور ﷺ کے احکام و اوامر کی اتباع کا کیا حال ہوگا۔ مسعود ثقفی ؓ لکھتے ہیں کہ آپ ﷺ کا لعاب مبارک اور وضو کے غسالہ تک کو بطور تبرک حاصل کرنے کے لیے (صحابہ کرام) ایک دوسرے پر سبقت کرنے میں گویا باہم الجھ پڑتے تھے۔ ایک ایک موئے مبارک کے متعلق یہ حال تھا کہ وہ اسے دنیا و مافیہا سے محبوب تر جانتے تھے، جیسا کہ بخاری شریف میں ہے کہ حضرت عبیدہ تابعی ؒ جنہیں حضرت انس ؓ (خادم رسول اللہ ﷺ) کے ذریعہ سے حضور ﷺ کا ایک موئے مبارک ہاتھ آ گیا تھا، فرماتے تھے:

"لَاَنْ تَكُوْنَ عِنْدِیْ شَعْرَةٌ مِنْهَا اَحَبُّ اِلَیَّ مِنَ الدُّنْيَا وَمَافِيْهَا"

(میرے پاس حضور ﷺ کے بال کا ہونا، اس سے زیادہ محبوب ہے کہ دنیا اور جو کچھ دنیا میں ہے وہ سب کچھ میرے پاس ہو)[2]

جن لوگوں کا تعلق آنحضرت ﷺ کے ساتھ اس قسم کا ہو، انہوں نے آنحضرت ﷺ کی ''زندگی'' جس کے لیے خدا کی طرف سے بھی وہ محافظ اور مبلغ قرار دیئے گئے، سوچنا چاہیے کہ ان ہی لوگوں نے اس 'زندگی' کی نگہداشت میں کس اہتمام، کس انہماک اور توجہ سے کام لیا ہوگا، ان کے نزدیک آنحضرت ﷺ کے اقوال و افعال کی کیا قیمت ہوگی۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ اپنی آمدنی کا کثیر حصہ حدیث کے اس علم کی خدمت میں صرف کرتے تھے۔

۶۔ صحابہ کرام ؓ حدیث کے جیتے جاگتے نسخے تھے

بجائے اس کے کہ حدیث کی تاریخ ایسے انسانوں کے ہاتھوں میں ہوتی جس کو دنیا کی شہرت و مال و دولت سے محبت ہوتی تو اس میں ان کے ذاتی اغراض کے باعث تحریف کا امکان ہوتا بلکہ یہاں تو معاملہ برعکس تھا۔ فن رجال کے بڑے مشہور عالم علی بن ابی زرعہ ؒ نے ان صحابہ کرام ؓ کی تعداد کے بارے میں فرمایا، جنہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا اور دیکھنے کے بعد آپ ﷺ کے متعلق کوئی نہ کوئی روایت بیان کی، فرماتے ہیں:

"تُوُفِّیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ رَاٰهُ وَسَمِعَ عَنْهُ زِيَادَةٌ عَلٰی مِائَةِ اَلْفِ اِنْسَانٍ

---

[1] صحیح البخاری، جلد ۲، صفحہ ۹۷۶۔ [2] عمدۃ القاری، حدیث ۱۷۰، جلد ۳، صفحہ ۳۷۔

مِنْ رَجُلٍ وَامْرَاَةٍ كُلُّهُمْ قَدْ رُوِیَ عَنْهُ سِمَاعًا وَرُؤْيَةً"

(آنحضرت ﷺ کی وفات ہوئی اور اس وقت ان لوگوں کی تعداد، جنہوں نے حضور ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ سے سنا تھا، ایک لاکھ سے زیادہ تھی۔ ان میں مرد بھی تھے اور عورتیں بھی۔ سب حضور ﷺ سے سن کر اور دیکھ کر روایت کرتے تھے)[۱]

ان صحابہ ﷺ کے ذوق اتباع کا عالم یہ تھا کہ وہ حضور علیہ السلام کے ہر عمل کو اپنانے کی کوشش کرتے تھے۔ حضرت ابن عمر ﷺ کے متعلق عام طور پر یہ مشہور ہے۔

"كَانَ يَتَّبِعُ اٰثَارَهُ فِیْ كُلِّ مَسْجِدٍ صَلّٰی فِيْهِ وَكَانَ يَعْتَرِضُ بِرَاحِلَتِهٖ فِیْ طَرِيْقٍ رَاٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَ نَاقَتَهٗ"

(جن جن مقامات پر حضور ﷺ نے (راستوں میں نمازیں پڑھی تھیں، ابن عمر ﷺ ان مقامات کو تلاش کرتے تھے اور نمازیں پڑھتے تھے۔ راہ میں جہاں کہیں بھی حضور ﷺ نے اپنی اونٹنی کا رخ پھیرا تھا ابن عمر ﷺ بھی قصداً اس مقام پر یہی کام کرتے تھے)[۲]

مذکورہ حقائق کو دیکھنے کے بعد یہ کہنا بجا ہوگا کہ ہر صحابی ﷺ دراصل حدیث کا ایک زندہ نسخہ تھا اور ان کی تعداد ہزاروں میں تھی، جبکہ دنیا میں کوئی تاریخ یا کسی تاریخ کا کوئی حصہ ایسا موجود نہیں جس کے عینی شاہد اتنی تعداد میں خود اس واقعہ کے مجسم آئینے بن کر دنیا کے سامنے پیش ہوئے ہوں۔

۷۔ سنت کو پھیلانے اور خلفائے راشدین کی اتباع کا حکم

حدیث میں حضرت علقمہ بن سعید ﷺ سے مروی ہے کہ ایک روز حضور علیہ السلام نے ایک خطبہ ارشاد فرمایا اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی تاکید کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "واللہ لوگ یا تو اپنے آس پاس والوں کو سکھائیں، سمجھائیں، نصیحت کریں، نیکی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں یا لوگ آس پاس والوں سے سیکھیں، سمجھیں، وعظ و نصیحت حاصل کریں ورنہ میں دنیا میں انہیں سخت سزا دوں گا"۔ [۳]

سنن میں حضرت عرباض بن ساریہ ﷺ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے اختلاف کے وقت سنت پر عمل کرنے کی تاکید فرمائی اور فرمایا کہ "میرے بعد تم میں سے جو زندہ رہے گا وہ بڑے بڑے اختلاف دیکھے گا،

---

[۱] الرضائے فی تمیز الصحابۃ، جلد ۱، صفحہ ۳۔

[۲] الرضائے فی تمیز الصحابہ، جلد ۳، صفحہ ۱۸۶۔

[۳] کنزل العمال، حدیث ۲۳۹۳۳، جلد ۹، صفحہ ۱۰۵۔

پس تم اختلاف کے وقت میری جانی پہچانی سنتوں اور ہدایت یافتہ خلفاء راشدین کے طریقوں سے وابستہ رہنا اور انہیں مضبوطی سے تھام لینا۔[1]

آنحضرت ﷺ سے پہلے جتنے عظیم رہنماء گزرے ہیں، ان کی تعلیمات اور ان کے حالات زندگی چونکہ محفوظ نہیں رہ سکے، اس لیے یقین کے ساتھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان کے پیروؤں نے ان کی تقلید کی، ان کے بتائے ہوئے راستے پر چل رہے ہیں یا حالات کی مناسبت اور وقت کے تقاضوں کے مدنظر خود ہی راہیں تلاش کیں اور اصول بنائے اور پھر ان سب باتوں کو ان راہنماؤں کی طرف منسوب کیا۔

---

[1] سنن ابی داؤد، حدیث ۴۶۰۷، جلد ۴، صفحہ ۲۰۰۔

اٹھارہواں باب

کتابتِ حدیث

اس حقیقت کے متعلق تو الگ بیان گزر چکا ہے کہ احادیث کی حفاظت کے لیے حفاظ حدیث نے اہم کردار ادا کیا اور احادیث کے حفاظ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بھی موجود تھے۔ اس تحریر میں اس بات کی وضاحت کی جائیگی کہ صحابہ کرام ؓ نے احادیث کو حفظ کرنے کے ساتھ ساتھ کتابتِ حدیث کے ذریعے بھی احادیث کو محفوظ کر لیا تھا اور اس کا بیشتر حصہ خلفائے راشدین کے زمانے میں ضبطِ تحریر میں آ چکا تھا۔

صحابہ کرام ؓ میں سے جو لکھنا جانتے تھے، وہ احادیث کو لکھ لیتے تھے۔ حضرت ابو سعید خدری ؓ کی روایت ہے کہ "ہم حضور ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے جو کچھ آپ ﷺ سے سنتے، لکھتے جاتے تھے" [۱] اس حدیث سے ظاہر ہے کہ حدیث کے لکھنے کا عمل صرف ان چند صحابہ ؓ تک محدود نہ تھا بلکہ آپ ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے دیگر صحابہ ؓ بھی احادیث لکھتے جاتے تھے۔ اس روایت کی تائید حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کے ان الفاظ سے بھی ہوتی ہے، فرماتے ہیں: "بَيْنَمَا نَحْنُ حَوْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكْتُبُ" (جب ہم رسول اللہ ﷺ کے گرد بیٹھے ہوتے تھے، ہم لکھتے تھے۔) [۲]

اس پس منظر میں یہ بات مزید واضح ہو جاتی ہے کہ آپ ﷺ کا یہ قاعدہ تھا کہ جب کوئی بات ارشاد فرماتے تو اسے تین بار دہراتے۔ گویا آپ ﷺ اس امر کو ملحوظ خاطر رکھتے کہ میری کہی ہوئی بات کا ایک ایک کلمہ مخاطبین تک پورا پورا پہنچ جائے۔ بعض روایات سے تو یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ احادیث قلم بند کرنے کے بعد بعض صحابہ ؓ اصلاح و تصحیح کی خاطر آپ ﷺ کی خدمت میں بھی پیش کیا کرتے تھے، چنانچہ بعض صحابہ ؓ احادیث کو لکھنے کا خصوصی اہتمام حفظ حدیث کے لیے کرتے۔ جیسا کہ عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ "میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا، اسے لکھ لیا کرتا تھا، اس نیت سے کہ اسے یاد کر لوں گا"۔ [۳] حفظ میں آسانی کے علاوہ صحابہ ؓ کو سب سے زیادہ فکر اس امر کی ہوتی کہ کہیں کوئی غلط بات رسول اللہ ﷺ

---

[۱] مجمع الزوائد، جلد۱، صفحہ ۱۵۰۔ [۲] مصنف ابن ابی شیبہ، حدیث ۱۹۴۶۳، جلد۴، صفحہ ۲۱۹۔

[۳] سنن الدارمی، حدیث ۴۸۶، جلد۱، صفحہ ۱۳۷۔

کی طرف منسوب نہ ہو جائے، کیونکہ ہر وقت ان کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ کا وہ ارشاد رہتا تھا جس میں آپ ﷺ نے اپنی طرف غلط بات منسوب کرنے والے کو جہنم کی وعید سنائی تھی۔ اس ضمن میں حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ ایک مجلس میں ہم نے سنا کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ جو مجھ پر قصداً جھوٹ باندھتا ہے، تو وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنالے۔ آپ ؓ نے دوسرے صحابہ ؓ سے پوچھا کہ لوگ حدیثیں لکھنے کی جرأت کس طرح کرتے ہیں تو انہوں نے فرمایا کہ اے بھتیجے ہم نے رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنا ہے، ہمارے پاس لکھا ہوا موجود ہے (یعنی غلط لکھنے کے لیے حضور ﷺ نے منع فرمایا ہے، صحیح لکھنے والوں کے لیے کوئی خوف نہیں)۔ کتابت حدیث کے متعلق حقائق پر مبنی درج ذیل نکات کا مطالعہ کیا جائے تو یہ حقیقت واضح ہو جائیگی کہ احادیث کی کتابت کی ابتداء حضور ﷺ کے زمانے ہی میں شروع ہو چکی تھی۔

۱۔ چند کاتبینِ حدیث کے اقوال

متفقہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح قرآن کی کتابت کے لیے کاتبین وحی مقرر تھے، اسی طرح احادیث کے لیے بھی صحابہ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے کاتبین حدیث کی حیثیت کے حامل تھے۔ بارگاہ نبوی ﷺ سے کتابت حدیث کی خصوصی اجازت حاصل کرنے والوں میں دیگر حضرات کے علاوہ حضرت انس بن مالک ؓ، عبداللہ بن عباس ؓ، جابر بن عبداللہ ؓ، سعد بن عبادہ ؓ، سمرہ بن جندب ؓ، عبداللہ بن ابی اوفی ؓ اور عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان تمام صحابہ کرام ؓ نے اپنے مستقل صحیفے تیار کیے تھے جن صحیفوں سے متعلق احادیث کے موجودہ ذخیروں میں بھی اچھا خاصا مواد ملتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابو رافع ؓ نے بھی احادیث لکھنے کی اجازت مانگی اور انہیں اجازت دے دی گئی۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کاتب حدیث فرماتے ہیں:

> ''میں رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتا تھا، اسے لکھ لیتا تھا۔ اس ارادے سے کہ اسے یاد کرلوں گا، لیکن قریش نے مجھے منع کیا اور کہا کہ تم رسول اللہ ﷺ سے جو کچھ سنتے ہو لکھ لیتے ہو، حالانکہ آپ بشر ہیں اور غصہ میں بھی کچھ فرما دیتے ہیں۔ میں نے (یہ سن کر) لکھنا ترک کر دیا پھر میں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا جو مجھ سے سنا کرو ضرور لکھ لیا کرو، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے، میری زبان سے حق کے علاوہ کچھ نہیں نکلتا''۔[1]

اس کی تائید مسند احمد کی اس روایت سے بھی ہوتی ہے جس میں ذکر ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو

---

[1] المستدرك على الصحيحين، حدیث ۶۲۳۶، جلد ۳، صفحہ ۶۰۶۔

بن العاص ؓ نے ایک بار بڑی صراحت کے ساتھ آپ ﷺ سے یہی سوال کیا ''میں جو کچھ سنوں کیا سب لکھ لیا کروں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں! عرض کیا خواہ آپ راضی ہوں یا غصے میں ہوں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں کیونکہ میں ہر حال میں حق بات کہتا ہوں۔[۱] حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کی طرح حضرت رافع بن خدیج ؓ کو بھی بارگاہ نبوی ﷺ سے کتابت حدیث کی اجازت ملی ہوئی تھی، انہی سے روایت ہے کہ ''ہم نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ ہم لوگ آپ ﷺ سے بہت سی باتیں سنتے ہیں۔ کیا انہیں لکھ لیا کریں، آپ ﷺ نے فرمایا لکھ لیا کرو کوئی مضائقہ نہیں۔[۱]

۲۔ احادیث قلم بند کرنے کی اجازت

ایسی کئی احادیث ملتی ہیں جن میں احادیث کے قلم بند کرنے کی تاکید ہے، مثلاً ترمذی میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ انصار میں سے ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی مجلس میں بیٹھا کرتا تھا۔ نبی ﷺ سے حدیثیں سنتا تو اسے پسند آتیں لیکن اسے یاد نہ رہتیں۔ اس نے آپ ﷺ سے اس بارے میں عرض کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اپنے داہنے ہاتھ سے مدد لو'' یہاں اپنے ہاتھ سے لکھنے کی طرف اشارہ فرمایا۔[۲]

روایات ایسی بھی ملتی ہیں کہ جن میں حضور ﷺ نے احادیث نقل کرنے کی اجازت فرمائی۔ حضرت انس بن مالک ؓ نے فرمایا ''قَیِّدُوْا هٰذَا الْعِلْمَ بِالْكِتَابَةِ'' (اس علم کو لکھ کر قید کر لو یعنی کتابت کے ساتھ)[۳] حضرت عمرو بن العاص ؓ نے جب سوال کیا کہ مقید سے کیا مراد ہے تو فرمایا کہ اس سے مراد اس کو لکھ لینا ہے۔

۳۔ کتابتِ حدیث کی ممانعت پر مبنی روایات

کئی روایات ایسی بھی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے احادیث لکھنے کی ممانعت فرما دی تھی۔ حضرت ابوسعید خدری ؓ کی ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ''مجھ سے سوائے قرآن کے کچھ نہ لکھو اور اگر کسی نے سوائے قرآن کے کچھ لکھا تو وہ مٹا دے، البتہ میری حدیث کو زبانی روایت کرو، اس میں کوئی حرج نہیں اور جس نے جان بوجھ کر مجھ پر جھوٹ باندھا، وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے''۔[۴] ابوسعید خدری ؓ ہی کی ایک دوسری حدیث ہے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ کیا لکھ رہے ہو؟'' عرض کیا کہ ''وہ کچھ جو آپ ﷺ سے سنتے ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کیا

---

[۱] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۶۹۳۰، جلد ۲، صفحہ ۲۰۷۔

[۲] جامع الترمذی، حدیث ۲۶۶۶، جلد ۵، صفحہ ۳۹۔

[۳] سنن الدارمی، حدیث ۴۹۱، جلد ۱، صفحہ ۱۲۷۔

[۴] صحیح بخاری، حدیث ۱۲۲۹، جلد ۱، ص ۴۳۴۔

اللہ کی کتاب کے ساتھ ایک اور کتاب؟ اللہ کی کتاب کو علیحدہ کر لو گے۔ اسے خالص رکھو' پس ہم نے جو کچھ لکھا، اسے اکٹھا کیا اور جلا دیا۔[1]

مذکورہ روایات کی بنا پر منکرین حدیث یہ ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے احادیث کو لکھنے سے قطعاً منع فرمایا تھا اور پھر از خود اپنی مرضی سے نتیجہ نکالتے ہوئے کہتے ہیں کہ اس ممانعتِ کتابت سے آپ ﷺ کا منشاء یہ تھا کہ احادیث کو محفوظ نہ کیا جائے، مبادا بعد میں آنے والے احادیث کو بھی قابل حجت سمجھنے لگیں (العیاذ باللہ)

منکرین حدیث کا غلط استدلال

مندرجہ بالا دونوں احادیث سے منکرین حدیث غلط نتیجہ نکالتے ہیں، اگر وہ ذرا بھی عقل سے کام لیتے تو انہی روایات سے ان کو حقیقت حال کا علم ہو جاتا، انہیں پھر دعوت ہے کہ وہ ابو سعید خدری ؓ کی روایت بالا کو آخر تک غور سے پڑھیں، اس روایت کے آخری الفاظ یہ ہیں:

"وَحَدِّثُوْا عَنِّیْ وَلَا حَرَجَ"

(میری حدیث کو زبانی روایت کرو اس میں کوئی حرج نہیں)[2]

آپ ﷺ کا زبانی روایت کی اجازت دینا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ اپنی دینی زندگی میں میری احادیث سے مستفید ہوتے رہیں۔ اگر منشائے نبوی ﷺ احادیث کو دین میں حجت ٹھہرانا نہ ہوتا تو آپ ﷺ سے کوئی بات نقل کرنے میں جھوٹ اور سچ کا امتیاز کیسا؟ نیز آپ ﷺ کے اس ارشاد کا کیا مطلب لیا جائے جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "میری بات جس جس تک پہنچتی رہے، وہ آگے ان لوگوں تک پہنچاتا جائے، جن تک میری بات نہیں پہنچی"۔[3] چنانچہ آپ ﷺ ان لوگوں کی قدم قدم پر حوصلہ افزائی فرماتے ہیں جو احادیث کو محفوظ کرتے اور دوسروں تک پہنچانے میں مصروف ہیں، ایسے لوگوں کے لیے زبانِ نبوی ﷺ پر بے اختیار دعائیہ کلمات جاری ہو جاتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ فرماتے ہیں "اللہ تعالیٰ اس شخص کو تر و تازہ رکھے جس نے مجھ سے حدیث کو جس طرح سنا، اسے اسی طرح دوسروں تک پہنچا دیا"۔[4]

۴۔ مجموعہ ہائے احادیث، مکثرین صحابہ ؓ و دیگر صحابہ کرام ؓ

احادیث کے کئی مجموعے ہیں۔ بعض بڑے ہیں اور بعض چھوٹے۔ صحابہ کرام ؓ میں سے بعض ایسے تھے جنہوں نے آپ ﷺ سے بکثرت احادیث روایت کیں اور مکثرین کی صف میں شمار ہوئے (یعنی

---

[1] صحیح البخاری، حدیث ۱۲۲۹، جلد ۱، صفحہ ۱۳۳۲۔ [2] مسند ابی یعلیٰ، حدیث ۱۲۰۹، جلد ۲، صفحہ ۲۱۶۔

[3] کنز العمال، حدیث ۲۹۲۲۸، جلد ۱۶، صفحہ ۲۰۱۔ [4] سنن الترمذی، حدیث نمبر ۲۶۵۷، جلد ۱، صفحہ ۳۴۔

زیادہ احادیث روایت کرنے والے) ان مرویات کی تعداد ایک ہزار سے اوپر ہے۔ احادیث کے ان مجموعوں کا مختصر ذکر ذیل میں کیا جاتا ہے۔

۵۔ حضرت ابوہریرہؓ کا مجموعۂ احادیث

آپ ﷺ سے سب سے زیادہ احادیث روایت کرنے والوں میں حضرت ابو ہریرہؓ سر فہرست ہیں۔ آپ سے ۵،۳۷۴ احادیث مروی ہیں۔ فقہ اسلامی میں احکام سے متعلق تین ہزار احادیث میں سے ۱۵۰۰ احادیث آپ سے مروی ہیں۔ (مکتوبات ربانی، مکتوب نمبر ۳۶، دفتر دوم، حصہ اول)

جامع بیان العلم میں حافظ ابن عبدالبرؒ بیان کرتے ہیں کہ ایک بار حضرت حسن بن عمرو بن ربیعہؓ نے حضرت ابوہریرہؓ کی روایت کردہ حدیث بیان کی تو آپ نے فرمایا کہ یہ حدیث حضرت ابوہریرہؓ نے اگر بیان کی ہے تو ان کے مجموعہ احادیث میں موجود ہوگی۔ جب اس مجموعے کو دیکھا گیا تو اس حدیث کے علاوہ اور بہت سی احادیث بھی اس میں موجود تھیں، جس سے ثابت ہوا کہ حضرت ابوہریرہؓ بہت سی احادیث کو لکھوا کر رکھ لیتے تھے۔ شواہد سنن دارمی میں ہے کہ حضرت بشیر ابن نہیکؓ بھی حضرت ابوہریرہؓ سے احادیث نقل کر کے رکھ لیتے تھے اور جب وہ ان سے الگ ہوئے تو حضرت ابوہریرہؓ نے ان تمام احادیث کی تصدیق کی۔ ان دو مجموعوں کے علاوہ ایک اور مجموعے کا ثبوت بھی ملتا ہے جس کو حضرت ابوہریرہؓ کے شاگرد، ہمام بن منبہؓ نے تیار کیا جو ”صحیفہ ہمام“ کے نام سے مشہور ہے۔

۶۔ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی احادیث

مکثرین صحابہؓ میں سے دوسرے نمبر پر حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا نام آتا ہے۔ انہوں نے آپ ﷺ سے ۲۶۶۰ احادیث روایت کیں۔ ایسے متعدد شواہد موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ آپ کی مرویات کا مجموعہ آپ کی زندگی ہی میں قلم بند ہو چکا تھا۔

طبقات ابن سعد کی یہ روایت بہت مشہور ہے کہ حضرت ابن عباسؓ کی جب وفات ہوئی تو جو علم انہوں نے چھوڑا وہ اتنی کتابوں کی صورت میں تھا کہ ایک اونٹ کا بوجھ بنتا تھا۔ حافظ ابن حجر عسقلانیؒ نے تہذیب التہذیب میں موسیٰ بن عقبہؓ کا بیان نقل کیا ہے۔ وہ فرماتے تھے میرے پاس عبداللہ بن عباسؓ کے غلام کریبؒ نے ابن عباس کی کتابیں رکھوائی تھیں جو ایک یا نصف بار شتر تھیں۔ نبی کریم ﷺ کی احادیث قلم بند کرنے میں حضرت ابن عباسؓ کا عالم یہ تھا کہ حضور علیہ السلام کے آزاد کردہ غلام حضرت ابو رافعؓ کے پاس پہنچتے اور حیات نبوی ﷺ سے متعلق ایک ایک دن کا حال تفصیل سے پوچھتے جاتے اور لکھتے جاتے۔ طبقات ابن سعد کی ایک روایت کے مطابق حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے احادیث

نبوی ﷺ بہت سی تختیوں پر بڑے اہتمام کے ساتھ لکھی ہوئی تھیں۔ جب آپ کسی محفل میں جاتے تو یہ تختیاں اپنے ساتھ لے کر جاتے۔

یہ تمام شواہد اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضرت ابن عباس ؓ نے اپنی تمام مرویات اپنے طور پر لکھ کر اپنے پاس محفوظ رکھی ہوئی تھیں، اس کے علاوہ آپ کی مرویات کے کچھ نسخے آپ کے شاگردوں اور دوسرے لوگوں نے بھی تیار کیے ہوئے تھے۔

۷۔ حضرت عائشہ صدیقہ ؓ کی احادیث

مکثرین صحابہ ؓ میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا تیسرے نمبر پر ہیں۔ محدثین کے نزدیک ان کی روایت کردہ احادیث کی تعداد ۲۲۱۰ ہے۔ عورتوں میں سب سے زیادہ احادیث آپ سے مروی ہیں۔ یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ آپ کے بھانجے اور شاگرد عروہ بن زبیر ؓ نے آپ کے علم کو ایک کتاب میں محفوظ کیا۔ حافظ ابن حجرؒ نے تہذیب التہذیب میں واقعہ حرہ کے سلسلہ میں یہ ذکر کیا ہے کہ حضرت عبداللہ بن زبیر ؓ نے غلطی سے وہ نسخہ جلا دیا اور پھر بعد میں پشیمان ہوئے۔ حضرت عمرہ بنت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما بھی آپ کی شاگردہ تھیں اور بخاریؒ نے لکھا ہے کہ ان کے بھانجے ابوبکر بن محمد ؓ نے عمر بن عبدالعزیز ؓ کے حکم پر احادیث کا مجموعہ تیار کیا۔

۸۔ حضرت عبداللہ بن عمر ؓ

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی روایت کی تعداد ۱۶۳۰ ہے۔ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بھائی ہونے کی حیثیت سے آپ ؓ کو چونکہ حرم نبوی ﷺ میں آمد و رفت کی سہولت تھی۔ اس لیے آپ ؓ کو حدیث نبوی ﷺ سے استفادہ کا خوب موقعہ ملا۔

۹۔ حضرت جابر ؓ کی احادیث

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کی مرویات کی کل تعداد ۱۵۴۰ ہے۔ جہاں تک ان کے ذاتی مجموعے کا تعلق ہے، یہ بات یقینی ہے کہ انہوں نے بھی ایک صحیفہ رقم کیا ہوا تھا۔

۱۰۔ حضرت انس ؓ کی احادیث

حضرت انس ؓ بچپن ہی سے لکھنے کے فن سے خوب واقف تھے۔ نبی اکرم ﷺ کے خادم خاص ہونے کی بنا پر دربار نبوی ﷺ میں انہیں ہمہ وقت حاضری بھی نصیب تھی۔ اس لحاظ سے انہیں نبی کریم ﷺ کی احادیث لکھنے کا خوب موقع ملا۔

۱۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کی احادیث

ان صحف میں سے جس صحیفے کا ذکر اولیت کا متقاضی ہے، وہ صحیفۂ الصادقہ ہے جس کو حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ نے تیار کیا تھا۔ آپ غالباً سب سے پہلے شخص ہیں، جنہوں نے احادیث کو کتابی شکل دی کیونکہ آپ کو دربار نبوی ﷺ سے کتابت حدیث کی خصوصی اجازت ملی ہوئی تھی۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور جو کچھ زبان نبوی ﷺ سے نکلتا، اسے لکھ لیتے۔ اس طرح آپ نے ایک مستقل کتاب تیار کر لی اور باقاعدہ اس کو "الصادقہ" کے نام سے موسوم کیا۔

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی مرویات کے تحریری نسخے

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ کی روایات کی تعداد ایک ہزار چھ سو تیس (۱۶۳۰) ہے۔ آپ ام المومنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے، اس لیے آپ کو احادیث نبوی ﷺ سے استفادہ کا خوب موقعہ ملا۔ السنۃ قبل التدوین کے مصنف محمد عجاج الخطیب ؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابن عمر ؓ کے پاس اپنی روایات کا مکتوب ذخیرہ موجود تھا۔

حضرت ابن عمر ؓ کے اس ذاتی مکتوب ذخیرے کے علاوہ بھی آپ کی مرویات آپ کے شاگرد حضرت نافع ؓ کے واسطے سے تحریری شکل میں محفوظ ہوگئی تھیں۔ سنن دارمی میں سلمان بن موسیٰ ؒ نے کہا ہے کہ انہوں نے حضرت ابن عمر ؓ کے آزاد کردہ غلام اور شاگرد حضرت نافع ؒ کو دیکھا کہ لوگ ان کے سامنے بیٹھ کر لکھ رہے ہیں۔ "طبقات ابن سعد" میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ ابن عمر ؓ کبھی کبھی فرمایا کرتے "اللہ نے نافع ؓ کی صورت میں ہم پر احسان کیا ہے" (کہ انہوں نے احادیث کا ذخیرہ جمع کیا)

حضرت جابر ؓ کے صحیفے

حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کی مرویات کی کل تعداد پانچ سو چالیس (۵۴۰) ہے۔ جہاں تک ان کے اپنے ذاتی مجموعے کا تعلق ہے، اتنی بات یقینی ہے کہ انہوں نے بھی ایک صحیفہ رقم کیا ہوا تھا۔ اس صحیفے کی ضخامت سورہ بقرہ کے برابر یا اس سے کچھ زیادہ ہی تھی، کیونکہ مشہور تابعی قتادہ جنہوں نے اس صحیفہ کو حفظ کیا ہوا تھا، کہا کرتے تھے کہ "حضرت جابر ؓ کا صحیفہ تو مجھے سورۂ بقرہ سے بھی زیادہ ازبر ہے"۔ اس صحیفے کی موجودگی کا ثبوت صحیح مسلم کی اس روایت سے بھی ملتا ہے جس میں ذکر ہے کہ حضرت جابر ؓ کا صحیفہ حج کے مناسک پر مشتمل تھا۔ اس کے علاوہ حضرت جابر ؓ کے شاگردوں نے بھی مجموعے تیار کیے تھے۔ ان کے مشہور شاگرد سلمان بن قیس الشکری ؓ کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک مجموعہ تیار کیا تھا اور شعبیؒ اور سفیان ثوری ؓ جیسے بڑے بڑے محدثین نے اس مجموعے کو سلمان بن قیس ؒ کی زبان سے لفظ بہ لفظ سنا بھی تھا۔ اسی طرح حضرت

جابرؓ کے دوسرے مشہور شاگرد وہب بن منبہؓ کے بارے میں حافظ ابن حجرؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ حضرت جابرؓ جب مسجد نبوی ﷺ کے حلقہ درس میں اپنے شاگردوں کو حدیثیں لکھوایا کرتے تو وہب بن منبہؓ وہ حدیثیں لکھا کرتے تھے۔ مسجد نبوی ﷺ میں حضرت جابرؓ کے حلقہ درس کے بارے میں الاصابہ فی معرفۃ الصحابۃ میں ہشامؓ بن عروہ کی ایک روایت موجود ہے کہ "مسجد نبوی ﷺ میں حضرت جابر بن عبد اللہؓ کا ایک حلقہ درس تھا جس میں ان سے لوگ علم حاصل کرتے تھے"۔

حضرت انس بن مالکؓ کا تحریری مجموعہ

حضرت انسؓ بچپن ہی سے لکھنے کے فن سے خوب واقف تھے۔ نبی کریم ﷺ کے خادم خاص ہونے کی بناء پر انہیں دربار نبوی ﷺ میں ہمہ وقت حاضری بھی نصیب تھی۔ اس لحاظ سے آپ کو نبی کریم ﷺ کی احادیث لکھنے کا خوب موقع ملا۔ آپ نے نہ صرف احادیث لکھیں بلکہ لکھ کر آپ ﷺ کے سامنے تصدیق کے لیے پیش بھی کیں۔ حاکم نے مستدرک میں سعید بن بلالؓ سے روایت کیا کہ ہم حضرت انسؓ سے زیادہ پوچھ گچھ کرتے تو وہ اپنے پاس سے ایک چونگہ (گٹھڑی) نکالتے اور فرماتے یہ ہیں وہ حدیثیں جو آنحضرت ﷺ سے میں نے سنیں اور ان کو لکھا اور لکھ کر نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کر چکا ہوں"۔ اسی بات کو خطیب بغدادیؒ نے بھی نقل کیا ہے۔ اس مجموعے کے علاوہ بھی بعض مجموعے آپ کے شاگردوں نے بھی تیار کیے۔ مثلاً دارمی میں سلیم العلوی سے روایت ہے کہ "میں نے ابانؒ کو دیکھا کہ وہ حضرت انسؓ کے پاس بیٹھے کاپی میں حدیثیں لکھ لیتے تھے"۔

شاگردوں کے علاوہ آپؓ کی اولاد نے بھی آپ کی مردیات کے مجموعے تیار کیے ہونگے، کیونکہ دارمی ہی میں ان کے بیٹوں کے بارے میں جن کی ایک بڑی تعداد تھی، ایک روایت، ہے کہ حضرت انسؓ اپنے بیٹوں سے اکثر فرمایا کرتے "میرے بچو! اس علم حدیث کو احاطہ تحریر میں لے آیا کرو"۔

یہ مکتوب ذخیرے اس بات کا منہ بولتا ثبوت ہیں کہ احادیث صحیحہ کا اکثر و غالب حصہ ہی نہیں بلکہ تمام تر حصہ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک اور اس کے متصل زمانے میں ہی قید تحریر میں آ کر سینوں کے ساتھ ساتھ صحیفوں میں بھی پوری طرح محفوظ ہو چکا تھا۔ اب ہم مزید چند ایسے قابل ذکر صحیفوں کی نشاندہی کرنے لگے ہیں جو مکثرین کے علاوہ دیگر صحابہؓ کی طرف منسوب ہیں۔ ان میں وہ صحیفے بھی ہیں جو بعض صحابہؓ نے اپنے طور پر رقم کیے اور وہ صحیفے بھی ہیں جن کو نبی کریم ﷺ نے بعض مخصوص حالات میں بعض لوگوں کو خود لکھوا کر عطا فرمائے۔

صحیفۃ الصادقہ

ان صحف میں سے جس صحیفہ کا ذکر اولیت کا متقاضی ہے، وہ صحیفہ "الصادقہ" ہے، جس کو حضرت عبد

اللہ بن عمرو بن العاص ؓ نے تیار کیا تھا۔ آپ غالباً سب سے پہلے شخص ہیں جنہوں نے احادیث کو کتابی شکل دی کیونکہ آپ کو دربار نبوی ﷺ سے کتابت حدیث کی خصوصی اجازت ملی ہوئی تھی۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اکثر حاضر رہتے اور جو کچھ زبان نبوی ﷺ سے نکلتا، لکھ لیتے۔ اس طرح آپ نے ایک مستقل کتاب تیار کر لی اور باقاعدہ اس کو ''الصادقہ'' کے نام سے موسوم کیا۔ ابن اثیر جزریؒ نے اسد الغابہ میں حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کا یہ قول نقل کیا ہے'' صادقہ ایک صحیفہ ہے جو میں نے نبی کریم ﷺ سے سن کر لکھا ہے۔ اس میں وہ کچھ ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا اور میرے اور ان کے درمیان کوئی واسطہ نہیں''۔ حدیث کی اکثر کتابوں میں اس صحیفہ کا تذکرہ ملتا ہے۔ امام احمدؒ نے تو اپنی مسند میں اسے جوں کا توں نقل کر دیا ہے۔ سنن دارمی میں اس صحیفے کا تذکرہ ان کے اپنے الفاظ میں اس طرح ہے'' مجھے زندگی دو چیزوں کی وجہ سے عزیز ہے۔ ایک صادقہ کی بناء پر اور ایک وہط (نامی زمین) کی بناء پر۔ صادقہ وہ صحیفہ ہے جو میں نے رسول اللہ ﷺ سے سن کر لکھا۔[1] تذکرۃ الحفاظ میں ہے کہ جب بھی آپ سے کوئی شخص مسئلہ پوچھتا جس کا جواب زبانی آپ کو یاد نہ ہوتا تو آپ اس صحیفے سے دیکھ کر وہ مسئلہ بتاتے۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ فرمایا کرتے تھے'' صحابہ ؓ میں مجھ سے زیادہ کثیر الروایات اور کوئی نہ تھا۔ البتہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کا معاملہ جداگانہ نوعیت رکھتا ہے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ حدیثیں لکھ لیا کرتے تھے اور میں لکھتا نہیں تھا۔ احادیث کا اگر کوئی اور تحریری ذخیرہ نہ بھی ہوتا تب بھی ''صحیفہ صادقہ'' اکیلا یہ ثابت کرنے کے لیے کافی ہے کہ عہد نبوت ہی میں نبی کریم ﷺ کی احادیث کی اتنی بڑی تعداد خود آپ ﷺ کے حکم سے حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کے ہاتھوں قلمبند ہو چکی تھی۔

صحیفہ حضرت علی ؓ

بخاری و مسلم اور صحاح کی دوسری کتابوں میں حضرت علی ؓ کے ایک صحیفے کا ذکر پایا جاتا ہے۔ جسے وہ اپنی تلوار کی نیام میں رکھا کرتے تھے۔ امام بخاریؒ نے کتاب العلم میں حضرت ابو جحیفہ ؓ سے روایت کیا ہے۔ انہوں نے فرمایا'' میں نے حضرت علی ؓ سے پوچھا کہ کیا آپ کے پاس کوئی کتاب ہے۔ فرمایا نہیں۔ مگر کتاب اللہ یا وہ فہم جو ہر مسلمان کو عطا کیا گیا یا وہ کچھ جو اس صحیفے میں ہے۔ اسی طرح امام مسلمؒ نے ابراہیم تیمیؒ سے اور انہوں نے اپنے والد سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ہمیں حضرت علی ؓ نے خطبہ دیا تو فرمایا ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں جس کو ہم پڑھتے ہیں سوائے اللہ کی کتاب کے اور اس کے جو اس صحیفے میں ہے۔

اس صحیفے کے مندرجات کے بارے میں مختلف احکام پر مشتمل احادیث کا ذکر کیا گیا ہے۔ بعض

---

[1] تاریخ دمشق، جلد ۳۱، صفحہ ۲۶۲۔

روایات میں غلاموں اور قیدیوں کے آزاد کرنے کے احکام کا ذکر ہے۔ بعض میں جنایات و دیت کے احکام اور اونٹوں کی زکوٰۃ کا حوالہ ہے اور بعض میں حرم مدینہ سے متعلق احکام کو خصوصیت سے ذکر کیا ہے۔ بعض روایات میں کہا گیا ہے کہ اس صحیفے میں مسلمان، کافر اور معاہد (جن سے معاہدہ ہوا ہو) کے قصاص سے متعلق احکام پر مشتمل احادیث تھیں۔ معلوم ایسا ہوتا ہے کہ اس صحیفے میں شریعت کے متعدد اہم مسائل تھے جو نبی کریم ﷺ نے حضرت علی ؓ کو لکھوا دیئے تھے اور آپ ؓ کو یہ صحیفہ نبی کریم ﷺ نے خود عطاء فرمایا تھا، چنانچہ ابن شہاب ؒ کہتے ہیں کہ میں نے منبر پر حضرت علی ؓ کو یہ فرماتے سنا تھا کہ "واللہ ہمارے پاس پڑھنے کی کوئی کتاب نہیں ہے سوائے اللہ کی کتاب کے اور اس صحیفے کے جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے عطاء فرمایا اور اس میں احکام زکوٰۃ ہیں۔ اشتر ؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی ؓ کے بارے میں یہ بات عام ہو گئی تھی کہ آپ ؓ کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان ہے۔ استفسار کیا گیا تو آپ ؓ ایک صحیفہ نکال کر لائے۔[1]

صحیفہ سعد بن عبادہ ؓ

حضرت سعد بن عبادہ ؓ نے بھی نبی کریم ﷺ کے بیشتر ارشادات ایک صحیفہ میں قلم بند کیے تھے۔ دور جاہلیت میں جن لوگوں کو کتابت کے فن میں مہارت حاصل تھی، ان میں ایک حضرت سعد بن عبادہ ؓ بھی تھے، انہوں نے اپنی اس مہارت سے یقیناً پورا پورا فائدہ اٹھایا ہوگا۔ ترمذی کی ایک روایت میں اس صحیفے کا ذکر ملتا ہے۔ کتاب الاحکام میں باب "ما جاء فی الیمین مع الشاهد" کے تحت حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے مدعی کی قسم پر صرف ایک گواہ کے ساتھ فیصلہ دے دیا۔ حضرت سعد بن عبادہ ؓ کے ایک بیٹے نے اس بات کی تصدیق کی ہے کہ یہ حدیث صحیفہ سعد بن عبادہ ؓ میں موجود ہے۔ مسند امام احمد کی ایک روایت سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ کئی پشت تک یہ صحیفہ حضرت سعد بن عبادہ ؓ کے خاندان میں محفوظ رہا۔[2]

صحیفہ سمرہ بن جندب ؓ

حضرت سمرہ بن جندب ؓ نے بھی ایک صحیفے میں نبی کریم ﷺ کی احادیث جمع کی تھیں اور معلوم ہوتا ہے کہ ان کا یہ صحیفہ خاصا ضخیم تھا کیونکہ حافظ ابن حجر ؒ نے تہذیب التہذیب میں اس صحیفے کا ذکر کرتے ہوئے نسخہ کبیرہ کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔ وہ حضرت سمرہ ؓ کے بیٹے سلیمان بن سمرہ ؓ کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ اپنے والد سے ایک بڑا نسخہ روایت کیا کرتے تھے۔ امام ابن سیرین ؒ بھی اس مکتوب کے بارے میں کہتے ہیں کہ اس میں علم کثیر تھا۔ ظاہر ہے کہ چند احادیث کے مجموعے کو تو علم کثیر یا نسخہ کبیرہ جیسے الفاظ سے تعبیر نہیں کیا جاسکتا۔

صحیفہ وائل بن حجر ؓ

نبی کریم ﷺ نے بعض مخصوص لوگوں کو مخصوص حالات میں کچھ چیزیں لکھوا کر عطاء فرمائی

---

[1] مسند احمد، حدیث ۹۵۹، جلد ۱، صفحہ ۱۱۹۔

[2] سنن الترمذی، حدیث ۱۳۴۳، جلد ۳، صفحہ ۶۲۷۔

تھیں۔ ایک صحیفہ آپ ﷺ نے حضرت وائل بن حجرؓ کو بھی جو حضر موت کے شہزادوں میں سے تھے، اس وقت عطاء فرمایا تھا، جب وہ مسلمان ہونے کے لیے مدینہ حاضر ہوئے تھے اور کچھ دن قیام فرما کر واپس جا رہے تھے۔ اس صحیفے میں نماز، روزہ، شراب اور سود وغیرہ کے احکام تھے۔

صحیفہ اہل یمن

اسی طرح کنز العمال میں ایک روایت ہے کہ عمرو بن حزمؓ کو جب آپ ﷺ نے حاکم یمن مقرر فرمایا تو ایک تحریر بھی لکھوا کر ان کے حوالے کی۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ اور مستدرک للحاکم میں بھی یہ روایت موجود ہے۔ اس صحیفے میں فرائض صدقات، دیات، طلاق، عتاق، صلوٰۃ اور مس مصحف (قرآن پاک کو چھونا) وغیرہ کے احکام تھے۔ دارمی میں اس صحیفے کا ذکر ان الفاظ میں ہے "رسول اللہ ﷺ نے اہل یمن کو لکھ بھیجا کہ قرآن کریم صرف پاک آدمی چھو سکتا ہے، نکاح سے پہلے طلاق نہیں اور غلام خریدنے سے پہلے اس کی آزادی نہیں"۔[1]

کتاب الصدقہ

نبی کریم ﷺ نے اپنی حیات مبارکہ کے آخری ایام میں مختلف علاقوں کے حاکموں کو بھیجنے کے لیے کتاب الصدقہ لکھوائی تھی مگر ابھی بھیجنے نہ پائے تھے کہ رحلت فرما گئے۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے وہ کتاب عاملوں کے پاس بھجوائی۔ اس کتاب میں جانوروں کی زکوٰۃ سے متعلق مسائل تھے۔ ترمذی میں اس کتاب کا ذکر اس روایت میں موجود ہے جو حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے منقول ہے اور جس کو امام ترمذیؒ نے باب "مَا جَاءَ فِیْ زَکٰوۃِ الْاِبِلِ" میں نقل کیا ہے۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ اور دار قطنی کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ یہ کتاب اصل میں والی بحرین کے نام تھی لیکن دوسرے عاملین کو بھی روانہ کی گئی تھی۔[2]

صحیفہ ابوشاہ یمنیؓ

حضرت ابوشاہ یمنیؓ کی درخواست پر نبی کریم ﷺ نے ان کو وہ خطبہ لکھوا کر دیا تھا جو آپ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا تھا۔ امام ترمذیؒ، ابوداؤدؒ، حافظ ابن حجرؒ، خطیب بغدادیؒ، ابن صلاحؒ اور ابن عبد البرؒ میں سے ہر ایک نے اس واقعہ کا ذکر کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ جب حجۃ الوداع کے خطبہ سے فارغ ہوئے تو حضرت ابوشاہ یمنیؓ نے درخواست کی کہ یہ خطبہ مجھے لکھوا دیا جائے۔

تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا

"اُکْتُبُوْا لِاَبِیْ شَاہٍ" (ابوشاہ کے لیے لکھ دو)[3] چنانچہ یہ خطبہ ان کو لکھ کر دے دیا گیا۔ امام

---

[1] صحیح ابن حبان، حدیث ۶۵۵۹، جلد ۱۴، صفحہ ۵۰۱۔

[2] سنن الترمذی، حدیث ۶۲۱، جلد ۳، صفحہ ۱۷۔

[3] صحیح البخاری، حدیث ۶۴۸۶، جلد ۶، صفحہ ۲۵۲۲۔

بخاریؒ نے بھی اپنی صحیح میں اس کا ذکر کیا ہے۔ ممکن ہے کسی کو یہ شبہ ہو کہ پورا خطبہ شاید لکھ کر نہ دیا گیا ہو بلکہ اس کا کچھ حصہ ہو جس کی نقل کا حکم دیا گیا ہو تو اس شبہ کے ازالے کے لیے امام اوزاعیؒ کی شہادت جو سیر کے امام ہیں، بہت کافی ہے، ان سے پوچھا گیا کہ کیا پورا خطبہ لکھوا کر دیا گیا تھا تو جواب میں فرمایا "ہاں وہی خطبہ جو انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا تھا"۔

دیگر چھوٹی بڑی تحریریں

ان مذکورہ صحیفوں کے علاوہ بھی اور متعدد چھوٹی بڑی تحریروں کی موجودگی کے ثبوت موجود ہیں، مثلاً حضرت عبداللہ ؓ بن حکیم صحابی کے پاس نبی کریم ﷺ کا ایک نامہ مبارک تھا جس میں مردہ جانوروں کے متعلق احکام تھے۔ حضرت ضحاک بن سفیان رضی اللہ عنہ کے پاس رسول اللہ ﷺ کی تحریر کرائی ہوئی ایک ہدایت تھی جس میں شوہر کی دیت کا حکم تھا۔ حضرت معاذ بن جبل ؓ کو آپ ﷺ کی طرف سے ایک تحریر یمن بھیجی گئی جس میں سبزیوں، ترکاریوں پر زکوٰۃ نہ ہونے کا حکم تھا۔ نیز حضرت رافع بن خدیج ؓ کے پاس بھی ایک تحریر تھی جس میں یہ درج تھا کہ مدینہ بھی مثل مکہ کے حرم ہے۔ اسی طرح حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ، حضرت عبداللہ بن ربیعہ بن مرثد واسطی ؓ اور حضرت سعد بن ربیع انصاری ؓ کے متعلق کہا جاتا ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کی کچھ حدیثیں قلم بند کی تھیں۔

خطوط اور وثائق

اور اب ان سب پر آپ ان خطوط اور وثائق کا اور اضافہ کر لیجیے جو مختلف اوقات میں نبی کریم ﷺ نے مختلف سلاطین و امراء اور سرداران قبائل کے نام لکھوائے یا مختلف مواقع پر معاہدے اور میثاق کی صورت میں تیار کرائے۔ مثال کے طور پر وہ خطوط جو آپ ﷺ نے قیصر روم، خسرو ایران، مقوقس شاہ مصر، نجاشی بادشاہ حبش، حارث غسانی، رئیس حدود شام اور مختلف رؤسائے یمامہ کی جانب لکھوا کر روانہ فرمائے۔ یہ سب آپ کی مستند تحریرات ہیں۔

ان میں سے ان خطوط کی تو نقول بھی محفوظ ہیں جو مقوقس اور نجاشی کے نام لکھوائے گئے تھے۔ حال ہی میں ڈاکٹر حمید اللہ صاحب نے "الوثائق السیاسیہ" کے نام سے نبی کریم ﷺ کے تمام خطوط شائع کر دیے ہیں۔ الوثائق میں وہ تحریری احکام و فرامین ہیں جو رسول اللہ ﷺ نے مختلف قبائل کو بھیجے تھے۔ مشہور صلح حدیبیہ کا عہد نامہ جو ۶ھ میں حضرت علی ؓ کے ہاتھوں تحریر میں آیا اور اس سلسلے کی اہم کڑی وہ دستاویز ہے جو نبی کریم ﷺ نے مدینہ تشریف لانے کے بعد اہل مدینہ کے ساتھ معاہدے کی صورت میں لکھوائی اور جو میثاق مدینہ کے نام سے مشہور ہے۔ سیرت ابن ہشام ؒ میں اس میثاق کا متن لفظ بہ لفظ نقل کیا گیا ہے۔ حدیث

کے مکتوب ذخیروں کے بارے میں جو تفصیلات اوپر گزری ہیں، سب کو یکجا کر کے دیکھئے کہ عہد نبوت وقرن صحابہ ؓ میں حدیث کا کیسا زبردست سرمایہ کتابی شکل اختیار کر چکا تھا، اس پر بھی اگر منکرین حدیث یہی رٹتے چلے جائیں کہ احادیث عہد نبوی ﷺ و عہد صحابہ ؓ میں ضبط تحریر میں نہیں آسکیں تو ہر کوئی خود فیصلہ کر سکتا ہے کہ ان کا یہ بے بنیاد واویلا کس حد تک کان دھرنے کے قابل ہے۔

صحیفہ حضرت عمرو بن حزم ؓ

دسویں ہجری میں جبکہ مسلمانوں نے نجران فتح کیا تو آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابی حضرت عمرو بن حزم ؓ کو یمن کا گورنر مقرر فرمایا۔ اس موقع پر آپ ﷺ نے ابی بن کعب ؓ کو ایک تفصیلی کتاب لکھوائی اور اسے حضرت عمرو بن حزم ؓ کے سپرد کیا۔ چند عمومی نصائح کے علاوہ اس کتاب میں طہارت، زکوٰۃ، عشر، حج، عمرہ، جہاد، مال غنیمت، ضریبہ (ٹیکس)، دیت، انتظامی اور تعلیمی امور وغیرہ جیسے موضوعات سے متعلق احکام شریعت مذکور تھے۔ سیدنا عمرو بن حزم ؓ نے یمن کے گورنر کے طور پر اپنے فرائض اس کتاب کی روشنی میں بحسن وخوبی انجام دیئے۔ ان کے انتقال کے بعد یہ دستاویز ان کے پوتے ابوبکر ؓ کے پاس رہی۔ امام زہریؒ نے یہ مسودہ انہی سے پڑھا اور نقل کیا۔ امام زہریؒ اپنے شاگردوں کو بھی اس کی تعلیم دیا کرتے تھے۔[1]

دیگر گورنروں کو تحریری ہدایات

اسی طرح جب آنحضرت ﷺ اپنے اصحاب ؓ میں سے مختلف حضرات کو صوبوں کے گورنر نامزد فرماتے تو اسی قسم کی دستاویزات لکھوایا کرتے۔ آنحضرت ﷺ نے سیدنا امیر معاویہ ؓ کو تین دستاویزات لکھوائیں۔ ان میں سے ایک سیدنا وائل بن حجر ؓ کے ذاتی مسائل کے بارے میں تھی، جبکہ دوسری دو دستاویزات نماز، زکوٰۃ، ممانعت شراب، عشر اور دیگر امور کے بارے میں احکام شریعت پر مشتمل تھیں۔[2]

چند قبیلوں کے نام ہدایات

(i) قبیلہ عبدالقیس

کے ایک فرد منقذ بن حیان ؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں آئے اور اسلام قبول کر لیا۔ وطن واپسی پر نبی کریم ﷺ نے انہیں ایک دستاویز عطاء کی جسے وہ اپنے قبیلے میں لے آئے مگر ابتداء میں کسی پر اسے ظاہر نہیں کیا، پھر جب ان کی کوششوں سے ان کے سسر نے اسلام قبول کر لیا تو حضرت منقذ بن حیان ؓ نے یہ کاغذ ان کے حوالے کر دیا جنہوں نے اسے قبیلے کے سامنے پڑھ کر سنایا جس کے نتیجے میں پورا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ عبدالقیس کا مشہور وفد اسی واقعے کے بعد آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔[3]

---

[1] الوثائق السیاسیہ فی الاسلام، ڈاکٹر حمید اللہ، صفحہ ۱۰۴ تا ۱۰۹۔

[2] الوثائق السیاسیہ فی الاسلام، صفحہ ۱۳۰ تا ۱۳۶۔

[3] المرقاۃ شرح مشکوٰۃ، جلد ۱، صفحہ ۸۸۔

(ii) قبیلہ غامد

کا وفد خدمت اقدس ﷺ میں حاضر ہو کر مسلمان ہوا۔ آنحضرت ﷺ نے انہیں سیدنا ابی بن کعب ؓ کے پاس بھیج دیا جنہوں نے ان لوگوں کو قرآن کریم سکھایا اور "کَتَبَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كِتَابًا فِيْهِ شَرَائِعُ الْإِسْلَامِ" (نبی کریم ﷺ نے ان کے لیے کتاب لکھوائی جس میں احکامات شریعت مذکور تھے) [۱]

(iii) قبیلہ خُشد

کا وفد آپ ﷺ کے پاس آیا انہوں نے کہا ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور اس کے نبی ﷺ پر اور جو کچھ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آیا ہے، لہٰذا ہمارے لیے ایک کتاب لکھوا دیجئے جس کی ہم پیروی کر سکیں۔ اس پر آنحضرت ﷺ نے ان کے لیے دستاویز لکھوا دی۔ (جابر بن عبد اللہ ؓ اور دیگر حاضرین اس کے گواہ تھے) تا کہ اس کی ہدایات کے مطابق وہ بطور حاکم یا قاضی اپنی ذمہ داریوں اور فرائض سے عہدہ برآ ہو سکیں۔ جب آپ ﷺ نے حضرت ابو ہریرہ ؓ اور حضرت علاء بن حضرمی ؓ کو اپنا سفیر مقرر فرما کر ہجر کے زرتشتی مذہب کے لوگوں کی جانب بھیجا تو انہیں ہدایات لکھوائیں جن میں زکوٰۃ اور عشر کے بارے میں مختلف احکام شریعت بتلائے گئے۔

اسی طرح حضرت معاذ بن جبل ؓ، سالک بن مرارہ ؓ و وائل بن حجر ؓ کے علاوہ قبیلہ سمالہ اور حدان کے وفود کا حضور ﷺ سے مختلف معاملات پر دستاویزات لکھوا کر لے جانا ثابت ہے، ایسی بہت سی روایات طبقات ابن سعد میں مل سکتی ہیں۔

مختلف وفود کو مزید تحریری ہدایات

مدینہ سے دور دراز علاقوں میں بسنے والے مختلف عرب قبائل اسلام قبول کر لینے کے بعد اپنے وفود نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں بھیجا کرتے تھے۔ یہ وفود مدینہ منورہ میں تعلیمات اسلام سیکھتے، اور جب واپس جاتے تو آپ ﷺ سے درخواست کرتے کہ کچھ ہدایات لکھوا دیں۔ آنحضرت ﷺ ان کی یہ درخواست قبول فرما لیا کرتے اور ایسے معاملات کے بارے میں احکام شریعت پر مشتمل ہدایات لکھوا دیتے جو ان کے لیے زیادہ ضروری ہوتے۔

سیدنا وائل بن حجر ؓ یمن سے خدمت اقدس میں حاضر ہوئے اور وطن واپسی سے قبل آنحضرت ﷺ سے درخواست کی "اُكْتُبْ لِيْ اِلٰى قَوْمِيْ كِتَابًا" (میرے لیے ایک کتاب لکھوا دیجئے جس میں میرے قبیلے سے خطاب ہو۔) [۲]

---

[۱] البدایہ والنھایہ، اسماعیل بن عمر بن کثیر، متوفی ۷۷۴، جلد ۵، صفحہ ۳۵۱، مکتبۃ المعارف، بیروت۔

[۲] الطبقات الکبریٰ۔ جلد ۱، صفحہ ۲۸۷۔

انیسواں باب

تدوینِ حدیث

(احادیث کو جمع کرنے کا اہتمام)

اللہ تعالیٰ نے رسول کریم ﷺ کی ذات مبارکہ کو پوری دنیا کے لیے ایک نمونہ بنا کر مبعوث فرمایا۔ آپ ﷺ سے پہلے جس قدر انبیاء و رسل مبعوث ہوئے، وہ صرف ایک خطے یا علاقے کے لیے مبعوث کیے گئے لیکن سید المرسلین حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کو تمام کائنات کی راہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا گیا۔ قرآن کی درج ذیل آیات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ آپ ﷺ پورے جہان کو ہدایت دینے کے لیے نبی بنا کر بھیجے گئے:

١. "تَبٰرَکَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَکُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ۝" (الفرقان:١)

(بڑی برکت والا ہے وہ کہ جس نے قرآن اپنے بندے پہ اتارا کہ وہ سارے جہانوں کو (اللہ کا) ڈر سنائے)

٢. "وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّ نَذِیْرًا" (سبا:٢٨)

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر)

کَافَّةً جامع کے معنی میں بھی استعمال ہوا ہے۔ زجاج کے نزدیک کَافَّةً لوگوں کو گناہوں سے روکنے کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ انہوں نے یہ بھی لکھا کہ یہ کفّ کا اسم فاعل ہے، جس کے معنی روکنے کے ہیں، یعنی آپ ﷺ سب لوگوں کو کفر و عصیان سے روکنے کے لیے بھیجے گئے ہیں۔[۱]

تفسیر مظہری میں ہے کہ آپ کو تمام سرخ اور سیاہ لوگوں کی رشد و ہدایت کے لیے بھیجا گیا۔ آپ ﷺ کی رسالت ایسی مکمل ہے کہ جس میں تمام طبقات انسانی یعنی جہان بھر کے لوگوں کو شامل کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ کی رسالت عامہ ہے جس میں جن و انس شامل ہیں۔ فرشتے اور تمام مخلوقات پر آپ ﷺ کا سایہ رحمت دراز کیا گیا ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ الانبیاء کی آیت ١٠٧ میں ہے کہ آپ ﷺ پوری کائنات کے لیے رحمت ہیں۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ آپ ﷺ کی رحمت تامہ اور کاملہ تمام جہانوں کے لیے ہے جس

---

[۱] تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۴، صفحہ ۱۲۶۔

میں عالم ارواح، عالم اجسام، ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول، سب شامل ہیں۔

آپ ﷺ تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں

حضرت ابن عباس ؓ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کا رحمت ہونا عام ہے، ایمان والوں کے لیے بھی اور اس کے لیے بھی جو ایمان نہ لایا ہو۔ مومن کے لیے آپ ﷺ دنیا اور آخرت دونوں کے لیے رحمت ہیں اور جو ایمان نہ لایا، اس کے لیے آپ ﷺ دنیا میں رحمت ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کی بدولت ان پر تاخیر عذاب ہوئی اور خسف و مسخ اور استیصال کے عذاب اٹھا دیئے گئے۔ تفسیر روح البیان میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو رحمت مطلقہ، تامہ، کاملہ، شاملہ، جامعہ، محیط بہ جمیع بنایا ہے۔ حضور ﷺ رحمت غیبیہ وشہادت علمیہ وعینیہ اور وجودیہ وشہودیہ وسابقہ ولاحقہ وَغَیرہٗ ذَالِکَ، تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اور تمام جہانوں سے افضل ہیں۔

آپ ﷺ کی بلندی مرتبہ اور جملہ کمالات کی شان یہ ہے کہ آپ کی جملہ صفات اور خوبیوں کو بیان کرنا کسی انسان کے بس سے باہر ہے، کیونکہ حضور ﷺ نے ایک روز خود ہی حضرت صدیق اکبر ؓ کو فرمایا کہ اے صدیق ؓ تمہارے رسول ﷺ کی حقیقت کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ اس بیان کے بعد اس بات کا اندازہ لگانا کوئی مشکل امر نہیں ہے کہ جو اعمال آپ ﷺ سے صادر ہوئے، ان اعمال کو اس سے بہتر صورت میں ادا کرنا کسی انسان کے بس سے باہر ہے۔ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سے جو اعمال سرزد ہوئے، ان تمام اعمال کو اللہ تعالیٰ نے اس درجہ تک قبولیت کا شرف عطاء فرمایا کہ انہیں سے رہتی دنیا تک انسان کی راہنمائی اور اصلاح ہوتی رہے گی۔

آپ ﷺ کی زندگی کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد اس بات کا احساس ہوتا ہے کہ آپ ﷺ پر جو کتاب نازل کی گئی ہے، وہ بے شک ایسے قوانین اور احکام کا مجموعہ ہے، جس میں اچھائی اور برائی کا فرق بیان کر دیا گیا ہے۔ اس کتاب میں لوگوں کے جملہ مسائل خواہ عبادات سے متعلق ہوں یا باہمی معاملات سے متعلق ہوں موجود ہیں۔ ضابطہ انسانیت کی حامل یہ کتاب معیشت، معاشرت کے اصولوں اور حکومتی امور کے متعلق تمام قوانین کے لیے راہنمائی کرتی ہے۔

علامہ اقبالؒ نے اس کتاب کو "کتاب زندہ، قرآن حکیم" اس لیے فرمایا ہے کہ یہ کتاب تا قیامت پوری انسانیت کی ہر حال اور ہر وقت میں راہنمائی کرنے کے لائق ہے۔ اس کتاب کو سمجھنے کے لیے اور زندگی کے پیچیدہ مسائل بیان کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے سید المرسلین محمد مصطفیٰ ﷺ کو ہماری راہنمائی کے لیے مبعوث فرمایا، چنانچہ آپ ﷺ نے اپنی زندگی میں جو لائحہ عمل اختیار کیا وہ ہمارے لیے اسوہ حسنہ کا درجہ رکھتا

ہے اور آپ ﷺ کے نقش قدم پر چل کر زندگی گزارنے سے زندگی کے مختلف شعبوں میں کامیابی حاصل کرنے کی راہنمائی مل جاتی ہے کیونکہ آپ ﷺ کی زندگی کو احادیث کی شکلوں میں لکھا گیا ہے اور یہ احادیث قرآن مجید کی ان باتوں کی مکمل تشریح و توضیح کر دیتی ہیں جن کی وضاحت قرآن مجید میں صراحتاً موجود نہیں ہے اور اس وضاحت کے لیے ہمیں حدیث نبوی ﷺ سے رابطہ قائم کرنا ہوتا ہے۔ ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن اور حدیث مل کر اسلام کی محکم عمارت کی مضبوط بنیادیں ہیں۔

احادیث زمانہ نبوی ﷺ کی معتبر تاریخ فراہم کرتی ہیں

مذکورہ احادیث جن کے ذریعے ہمیں آپ ﷺ کی زندگی کے ایک ایک عمل کی خبر ملتی ہے، ایک طرف تو قرآن کریم کے احکامات کی تفسیر اور تشریح کرتی ہیں اور دوسری طرف رسول اللہ ﷺ کی مکمل زندگی اور اسلام کے ابتدائی دور کی اہم اور معتبر تاریخ فراہم کرتی ہیں۔ اگر حدیث کا سرمایہ محفوظ نہ رہا ہوتا تو اسلام کی تعلیمات اور اس کی تاریخ کے ایک بہت بڑے حصے کو آنے والے لوگ سمجھنے سے قاصر رہتے۔ مسلمانوں کی خوش قسمتی ہے کہ عہد رسالت مآب ﷺ سے ہی جمع و تدوین احادیث کا کام شروع ہو چکا تھا۔ صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو حضور ﷺ کے ارشادات کا پورا احساس تھا، وہ ہر ممکن کوشش کرتے کہ حضور علیہ السلام کا کوئی حکم ایسا نہ ہو جس کا انہیں علم نہ ہو۔

ایک روایت میں حضرت عمر فاروق ؓ فرماتے ہیں کہ میں مدینہ سے دو تین میل باہر ایک جگہ ایک انصاری بھائی حضرت عتبان بن مالک ؓ کے ساتھ رہتا تھا۔ ہم نے باری مقرر کر رکھی تھی کہ ایک روز میں بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر رہتا اور حضور ﷺ کے ارشادات سنتا اور شام کو واپس آ کر اسے سنا دیتا، دوسرے روز وہ حاضر ہوتے اور میں اپنا کام کرتا۔ کثر صحابہ ؓ جو ہر روز حاضر نہ ہو سکتے، ان کا یہی دستور تھا کہ وہ کہیں نہ کہیں سے حضور ﷺ کی باتوں کو سن لیتے۔

ان صحابہ کرام ؓ کے علاوہ بھی صحابہ کرام ؓ کا ایک خاص گروہ تھا، جنہیں اصحاب صُفّہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ ان کا کام بجز تعلیم و تعلّم اور حاضری بارگاہ اقدس ﷺ کے کچھ نہ تھا۔ وہ فقر و فاقہ کی سختیاں خوشی سے برداشت کرتے، پھٹے پرانے کپڑے پہنتے۔ انہوں نے دنیا کے لذائذ کو اپنی خوشی سے ترک کر رکھا تھا اور شب و روز مسجد نبوی ﷺ میں رہتے۔ یہ اصحاب صفہ ؓ حضور ﷺ کے ارشادات سنتے اور حضرت ابو ہریرہ ؓ اسی گروہ میں سے ایک نامور صحابی تھے۔ وہ اپنی کثرت روایات کی وجہ بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان تمام احادیث کا جمع کرنا ایک ایسی عطا تھی جو انہیں حضور ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہونے اور آپ ﷺ کے فیض صحبت سے حاصل ہوئی۔ آپ ﷺ کی یہ روایت اسی باب میں تفصیل کے ساتھ بیان

کی جا رہی ہے جس سے معلوم ہو سکے گا کہ حفاظت حدیث کا بہت بڑا کارنامہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کے دم قدم سے انجام پایا۔

تدوین (جمع) حدیث کی ضرورت

حجیت حدیث (حدیث کی بالادستی) کا تقاضا یہ تھا کہ حدیث مدون (جمع) کی جائے اور اسے محفوظ کیا جائے اور ان احادیث کے مطالب کو کھول کر بیان کیا جائے اور ان احادیث سے استنباط کے چشمے پھوٹیں۔ علاوہ ازیں ان سے دوسرے مسائل کے لیے اجتہاد کی راہیں بھی نکل سکیں۔ دین اسلام اولاد آدم پر خداوند تعالیٰ کی آخری حجت ہے اور شریعت محمدی ﷺ پوری مخلوق کے لیے آخری شریعت ہے۔ اس کے بعد چونکہ کوئی شریعت نہیں آئیگی، اس لیے شریعت کا قیامت تک کے لیے باقی رہنا بھی ضروری ہے۔ پس لازم تھا کہ مذکورہ تمام ضروریاتِ دین اسلام کی تکمیل کے لیے اس بات کا تقاضا شدید ہو جاتا کہ احادیث کو جمع کیا جائے۔

قرآن کریم کے لکھے جانے اور حفظ کرنے سے یہ بات از خود ظاہر ہو جاتی ہے کہ علم کی پوری حفاظت لکھنے اور اسے حفظ کرنے سے ہی ہوتی ہے۔ آنحضرت ﷺ پر جب کوئی آیت اترتی تو آپ ﷺ کاتب کو بلا کر ارشاد فرماتے کہ یہ آیت فلاں سورۃ میں فلاں مقام پر لکھ لو۔ قرآن کریم اسی ترتیب سے لکھا اور حفظ کیا جاتا تھا، جس ترتیب سے حضور ﷺ اس کے لکھنے کی ہدایت فرماتے۔ قرآن کریم کی ترتیب نے تحریر حدیث کی فکر بھی پیدا کر دی تھی۔ اگرچہ حضور ﷺ کی زندگی کا ہر مرحلہ، آپ ﷺ کا ہر ارشاد اور آپ ﷺ کی ہر ادا حدیث تھی، تاہم ان دنوں اندیشہ تھا کہ تحریر حدیث کے اہتمام میں کہیں تحریر قرآن دب کر نہ رہ جائے۔ سو مصلحت کا تقاضا تھا کہ تحریر قرآن مجید کے دور تک تحریر حدیث پر پابندی رہے۔ صرف انہی حضرات کو اجازت ہو جو ان حدود و فروق میں پورے طور پر محتاط رہیں اور وہ لوگ احادیث لکھیں جو علم کی حدود اور زبان کو پہچانتے ہوں اور انہیں محفوظ رکھنے کا پورا اہتمام ملحوظ رکھ سکیں۔ احادیث کو تحریر کی ممانعت کے ایام میں بھی تحفظ احادیث کے احساس کے تحت بعض صحابہ ؓ نے حضور ﷺ سے تحریر حدیث کی اجازت بھی مانگی اور آپ ﷺ نے انہیں یہ اجازت مرحمت فرما دی۔

یہ حقیقت قابل غور ہے کہ عربوں میں ان دنوں زبانی یادداشتوں کا بہت رواج تھا، اس دور کے لوگوں میں حفظ کی زبردست صلاحیت موجود تھی، صدیوں سے یہ لوگ اپنے قبائل کی تاریخ یاد رکھتے اور اسے بار بار دہرانے کے خوگر تھے۔ یہ پرانا طریق آخر کب تک چل سکتا تھا۔ ایک ایسے دین میں جسے قیامت تک باقی رہنا ہے، اس میں زبانی حفظ و روایت کی کڑیاں کب تک ساتھ دے سکتی تھیں، لہٰذا کتابت حدیث کی ضرورت محسوس ہوئی۔

حفظ وفکر کے اس دور کے فوراً بعد ضروری تھا کہ حدیث باقاعدہ مرتب اور مدوّن کی جائے اور اس کی تحریر وتدوین کی ابتداء خود ذات پیغمبر ﷺ کے سامنے سے ہی ہو۔ یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے شاگرد اپنے اساتذہ سے روایت حدیث کے ساتھ ساتھ تحریر حدیث کی طرف بھی توجہ دینے لگے۔ یہاں تک کہ تابعین کے بعد علم حدیث باقاعدہ ترتیب کی منزل میں داخل ہو گیا، یہ وہ وقت تھا جب اسلامی تہذیب عجمی ممالک میں پھیل چکی تھی اور یہی وہ تین دور تھے، جن کے بارے میں حضور اکرم ﷺ نے اس کو خیر القرون ہونے کی شہادت دی تھی، حضرت سیدنا عمر فاروق ؓ فرماتے ہیں حضور ﷺ نے فرمایا:

"اَکْرِمُوْا اَصْحَابِیْ فَاِنَّھُمْ خِیَارُکُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَفْشُوْا الْکَذِبُ" (میرے صحابہ کی عزت کرو کیونکہ وہ تم میں سے بہترین ہیں، پھر وہ لوگ جو انہیں ملیں پھر وہ لوگ جو انہیں ملیں پھر جھوٹ پھیل جائے گا)[1]

اللہ تعالیٰ کا اس قوم پر بڑا احسان یہ ہوا کہ تدوین حدیث کے ابتدائی اور درمیانی مرحلے ان ہی قرون ثلاثہ میں سرانجام پا چکے تھے۔

تدوین حدیث اور خلفاء راشدین ؓ

اب ہم مختصر طور پر اس جگہ خلفاء راشدین ؓ کے زمانے میں محفوظ کیے جانے والے اقدامات کا ذکر کرینگے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ کی خلافت کا زمانہ اگرچہ اڑھائی سال کی مدت کا ہے، لیکن اس قلیل عرصے میں آپ ؓ کو مشکل حالات سے دوچار ہونا پڑا۔ آپ ؓ کے زمانہ خلافت میں مختلف قسم کے فتنے اور فساد عرب میں بھی پھوٹ پڑے اور عرب سے باہر بھی ایسی تیاریاں تھیں جن کی طرف توجہ دینا ضروری تھا۔ تاہم ان حالات میں حدیث کے سلسلے میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے تین اصولی اقدامات کا کتابوں میں تذکرہ کیا جاتا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے۔

ا۔ عہد صدیقی ؓ میں تدوین حدیث

جیسا کہ واقعات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کی وفات پر اگرچہ بظاہر ابوبکر صدیق ؓ نے بہت زیادہ تحمل اور صبر وثبات، استقلال واستقامت کا اظہار کیا لیکن درحقیقت یہ ان کا ظاہر حال تھا۔ ورنہ واقعہ یہ ہے کہ حضور علیہ السلام کے بعد ابوبکر ؓ پر ان کی زندگی دوبھر ہو گئی تھی۔

علامہ ابن کثیرؒ نے نقل کیا ہے کہ "ابوبکر ؓ کو آنے والی موت کی وجہ سے اندرونی سوز وغم تھا جو رسول اللہ ﷺ کی وفات سے ان میں پیدا ہو گیا تھا یہ ایک ایسا جان لیوا اور جان گداز غم تھا جو آخر کار موت ہی پر منتج

---

[1] صحیح ابن حبان، حدیث ۵۵۸۶، جلد ۱۲، صفحہ ۳۸۹۔

ہوا۔ شاید اسی جدائی کا دکھ دور کرنے کے لیے آپ ؓ نے حضور ﷺ کے متعلق جو معلومات آپ کے دل و دماغ کو روشن کر رہی تھیں، ان کو قلم بند کر کے اپنا جی بہلانے کی کوشش کی۔

کثرت مشاغل کے باوجود انہوں نے اتنا وقت نکال لیا کہ دس بیس نہیں بلکہ پانچ سو حدیثوں کا ایک مجموعہ اپنے قلم سے لکھ کر تیار کر لیا:

"جَمَعَ اَبِیْ اَلْحَدِیْثَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ وَ کَانَتْ خَمْسُ مِائَةِ حَدِیْثٍ"

(جمع کیا میرے والد نے رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کو اور یہ پانچ سو حدیثیں تھیں)۔[1]

اس حقیقت کو معلوم کرنے کے بعد اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ جس کام کو سو سال بعد حضرت امام مالکؒ نے موطا کی شکل میں انجام دیا، وہ کام آپ ﷺ کی وفات کے بعد ہی ایک ایسی صورت میں انجام پا چکا تھا، جس سے زیادہ بہتر صورت آنحضرت ﷺ کے بعد تدوین حدیث کے سلسلے میں تصور بھی نہیں کی جا سکتی۔ آپ ؓ نے حدیث کو پرکھنے کے لیے حسب ذیل طریقوں سے جانچ پڑتال کا نظام جاری کیا اور اگر کوئی حدیث اس معیار پر پوری نہ اترتی تو اسے تسلیم نہ فرماتے۔

(i) اصول شہادت کی بناء پر جانچ پڑتال

تحقیق حدیث کے لیے اصول شہادت کی بنیاد پر حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے ہی رکھی۔ آپ نے اپنے طرز عمل سے اس بات کو ایک اصول کے طور پر پیش کیا کہ ہر وہ بات جو رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کر دی جائے، محض منسوب ہو جانے کی وجہ سے قبول نہیں ہو جاتی بلکہ چھان بین اور تحقیق و تفتیش کے بعد یہ یقین حاصل کر لینا ضروری ہے کہ آپ ﷺ کی طرف منسوب کرنے میں کسی غلط بیانی یا سہو کا دخل تو نہیں ہے۔ حافظ شمس الدین ذہبیؒ نے "تذکرۃ الحفاظ" میں لکھا ہے کہ سب سے پہلے جس نے قبول روایت میں احتیاط کا طریقہ جاری کیا، وہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ ہیں۔ امام زہریؒ کی ایک روایت میں ہے کہ جب ایک دادی نے اپنے پوتے کی میراث کا حکم طلب کیا تو آپ ؓ نے اس سلسلے میں لوگوں سے دریافت کیا، کیونکہ قرآن حکیم میں کوئی حکم نہ تھا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کا کوئی فرمان موجود تھا۔ حضرت مغیرہ ؓ اٹھ کر کہنے لگے کہ انہوں نے سنا ہے کہ حضور ﷺ دادی کو چھٹا حصہ دلواتے تھے۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے پوچھا کہ کیا تمہارے پاس اور بھی کوئی شاہد ہے تو محمد بن سلمہ ؓ نے اس پر شہادت دی۔ آپ ؓ نے ان کی شہادت پر اس عورت کو چھٹا حصہ دلوایا۔[1]

حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے بعد کے زمانہ میں احادیث کے لیے چھان بین کے جتنے علوم

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، ابوعبداللہ شمس الدین الذہبی، متوفی ۷۴۸ھ، جلد ۱، صفحہ ۵، دار الکتب علمیہ، بیروت۔

وجود میں آئے، ان سب کا منبع حضرت ابوبکر ؓ کے جاری کردہ اسی چشمے سے پھوٹتا ہوا نظر آتا ہے۔

(ii) رفع اختلاف

حضرت ابوبکر ؓ نے اس بات کی خاص نگرانی کی کہ وہ احادیث جن کو آپ ﷺ نے اسلام کی سہولت پسندانہ خصوصیت کو برقرار رکھنے کی خاطر اپنے محتاط طرزِ عمل کے ذریعے انفرادی معلومات تک محدود رکھا ہے، وہ بدستور انفرادی معلومات تک محدود رہیں اور ان کی روایت اس طور پر نہ کی جائے، جس سے وہ قدرتی اور فطری اختلافات جو امت کی سہولت کے پیش نظر ان احادیث میں موجود ہیں، وہ ارادی اور اختیاری مخالفتوں میں تبدیل ہو کر امت کے لیے زحمت اور تنگی کا سبب بن جائیں۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اس قسم کی روایات کے سلسلے میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ایک بات قاعدہ کلیہ کے طور پر لوگوں کے ذہن نشین کرا دی کہ احادیث نبویہ ﷺ کا صحیح استعمال یہ نہیں ہے کہ ان کے متعلق جس شخص کے پاس جو معلومات ہیں، وہ ان کی پابندی کا خواہ مخواہ دوسروں سے مطالبہ کرے بلکہ صحیح مسلک یہ ہے کہ امت مسلمہ کا ہر فرد ایک دوسرے کے قدرتی و فطرتی اختلافات کو برداشت کرنے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرے۔

۲۔ عہد فاروقی ؓ اور تدوین حدیث

تدوین حدیث کے سلسلے میں حضرت عمر فاروق ؓ کی توجہ زیادہ تر اس بات پر رہی کہ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے اپنے مختصر عہد خلافت میں تدوین حدیث کے لئے جن جن کاموں کی ابتداء کی، آپ ؓ نے ان کاموں میں استحکام پیدا کیا۔ درج ذیل سطور میں حضرت عمر ؓ کی خدمات کا مختصر خاکہ پیش کیا جا رہا ہے، جس سے معلوم ہوگا کہ آپ نے دو اہم امور کی طرف توجہ دی۔

(i) کثرت روایت میں احتیاط

حضرت عمر ؓ نے اس بات کی خاص طور پر نگرانی فرمائی کہ لوگ روایت حدیث میں اکثار سے (کثرت سے) کام نہ لیں، یعنی کثرت سے حدیثوں کو نقل نہ کریں۔ کثرت روایت سے روکنے میں آپ کو اگر سختی سے بھی کام لینا پڑا تو آپ ؓ نے اس سے بھی دریغ نہ کیا۔ مقصود اس سے یہ تھا کہ کثرت روایت کی بناء پر کہیں خبر احادیث کی روایتوں میں عمومیت کی ایسی کیفیت نہ پیدا ہو جائے جس کی وجہ سے دین کے بنیادی حصہ کے مطالب میں جو قوت ہے، وہی قوت لوگ ان روایتوں کے مطالبوں میں بھی محسوس کرنے لگیں۔ آپ ؓ دین کے ان دونوں حصوں میں مطالبوں میں قوت و ضعف کے اس فرق کو برقرار رکھنا چاہتے تھے جو دین اسلام کی سہولت پسندانہ خصوصیات کے پیش نظر بہت ضروری تھا۔ اس فرق کو برقرار رکھنے میں حضرت

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، صفحہ ۳۔

عمر ؓ نے اس قدر احتیاط سے کام لیا کہ احادیث نبویہ ﷺ کو کتابی شکل دینے کی شدید خواہش رکھتے ہوئے بھی آپ ؓ انہیں قلم بند کرنے سے احتراز ہی فرماتے رہے۔ ایک مرتبہ لکھوانے کا ارادہ بھی کر لیا۔ صحابہ کرام ؓ سے مشورہ کیا تو انہوں نے بھی اجازت دے دی اور پھر نہ صرف خود اپنے ارادے سے باز رہے بلکہ دوسرے لوگوں کے لکھے ہوئے مجموعوں کو بھی منگوا کر جلا دیا، کیونکہ حضرت عمر ؓ کے پیش نظر یہ بات بھی تھی کہ آپ ﷺ کی طرف کوئی غلط بات منسوب نہ ہو جائے۔

(ii) تحقیق حدیث کے لیے تائید مزید کا مطالبہ

دوسرا کام تدوین حدیث کے لیے حضرت عمر ؓ نے یہ کیا کہ تحقیق حدیث کے لیے جس اصول شہادت کی بنیاد حضرت ابوبکر صدیق ؓ رکھ گئے تھے، اس کو زیادہ سے زیادہ مستحکم کرنے کی کوشش فرمائی۔ سنت صدیقی ؓ کی پیروی کرتے ہوئے آپ نے بھی بعض صحابہ ؓ کی روایت پر مزید تائید کا مطالبہ کیا بلکہ اپنی خاص فطری طبیعت کے لحاظ سے اس مطالبے میں کچھ شدت کی راہ بھی اختیار کی، جیسا کہ استیذان والی اس مشہور روایت میں ہے جو نسائی کے سوا صحاح ستہ کی ہر کتاب میں موجود ہے۔ استیذان (اجازت برائے دخول بیت) کے سلسلے میں آپ ؓ نے حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کے ساتھ سخت طرز عمل اختیار کرتے ہوئے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تھا کہ تم کو شہادت پیش کرنی پڑے گی۔ ورنہ میں تمہارے ساتھ کچھ کر گزروں گا بلکہ بعض روایتوں میں ہے کہ حضرت عمر ؓ نے کہا تھا کہ میں تمہیں دوسروں کے لیے عبرت بنا دوں گا۔ حافظ ذہبی ؒ نے حضرت عمر ؓ کے تذکرے میں یہ واقعہ درج کرنے کے بعد لکھا ہے:

"وَ فِیْ ذٰلِکَ حَضٌّ عَلٰی تَکْثِیْرِ طُرُقِ الْحَدِیْثِ"

(اس (واقعہ) میں (لوگوں کو) حدیثوں کے لیے کثرت طرق کی ترغیب دی گئی ہے)[1]

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس پر لوگوں کو (حضرت عمر ؓ کے) کے اس طرز عمل ہی نے آمادہ کیا۔

۳۔ تدوین حدیث اور حضرت عثمان ؓ

تدوین حدیث کے سلسلے میں حضرت عثمان ؓ سے متعلق کسی خاص واقعہ کا ذکر تاریخ حدیث کی کتابوں میں اگرچہ ہمیں نہیں ملتا لیکن ایسی روایتیں موجود ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ؓ نے شیخین ؓ کے قائم کیے ہوئے طریقے کو باقی رکھا۔ آپ ؓ کثرت روایت سے پرہیز کرتے رہے اور اس بات کی کوشش فرماتے رہے کہ اخبار آحاد کا جو مقام عہد نبوی ﷺ اور عہد شیخین ؓ میں متعین ہو گیا ہے، وہ

---

[1] تذکرۃ الحفاظ، جلد ۱، صفحہ ۶۔

بحال رہے، چنانچہ مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت عثمان ؓ فرمایا کرتے ”رسول اللہ ﷺ کی حدیثوں کے بیان کرنے میں مجھے یہ چیز نہیں روکتی کہ میں دوسرے صحابہ ؓ سے حدیثوں کے یاد رکھنے میں کچھ کم ہوں، لیکن یہ بات ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے میری طرف کوئی ایسی بات منسوب کی، جو میں نے نہ کہی تو اسے چاہیے کہ وہ اپنا ٹھکانہ جہنم میں بنا لے“ [1] اگرچہ حضرت عثمان ؓ کا خود اپنا یہ حال تھا کہ رسول اللہ ﷺ کی منشاء مبارک کی اطلاع خواہ آپ ؓ کو خبر واحد ہی کی راہ سے کیوں نہ پہنچی ہو، اس کی تعمیل کو اپنی سعادت خیال فرماتے تھے۔ احرام کی حالت میں شکار کے گوشت سے ہاتھ کھینچ لینے کا مشہور واقعہ اس کے ثبوت میں پیش کیا جاسکتا ہے۔

روایت حدیث میں متذکرہ تمام تر احتیاط کے باوجود حضرت عثمان ؓ کی اپنی مرویات کی تعداد اچھی خاصی ہے۔ امام احمدؒ نے اپنی مسند میں جن روایات کو جمع کیا ہے، ان کی تعداد ایک سو چھالیس (۱۴۶) لکھی ہے۔

۴۔ تدوین حدیث اور حضرت علی ؓ

حضرت علی ؓ کی عام عادت تھی کہ اگر کوئی شخص رسول اللہ ﷺ کی طرف منسوب کوئی بات آپ ؓ کے سامنے بیان کرتا تو آپ ؓ اس سے قسم لیتے تھے۔ شاید اس کی ایک وجہ عہد عثمانی کے وہ فتنے اور فساد بھی ہوں جو مسلمانوں میں پھوٹ پڑے تھے۔ یوں بھی اسلام کا دائرہ بہت وسیع ہو چکا تھا۔ صرف مقبوضہ علاقہ جات ہی نہیں بلکہ مختلف اقوام اور طبقات کے لوگ مسلمان ہو ہو کر اسلامی جماعت میں فوج درفوج شریک ہوتے چلے جاتے تھے۔ ان میں طرح طرح کے لوگ تھے۔ سب کے ایمان واسلام کی وہ حالت نہ تھی جو صحابہ کرام ؓ کی تھی۔ ان ہی امور کے احساس کا غالباً یہ نتیجہ بھی تھا کہ حضرت علی ؓ عموماً منبر سے اس حدیث کا اعلان فرمایا کرتے تھے کہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

”لَا تَكْذِبُوْا عَلَيَّ فَإِنَّهٗ مَنْ يَّكْذِبْ عَلَيَّ يَلِجْ فِي النَّارِ“

(میری طرف جھوٹ بات ہرگز منسوب نہ کیا کرو جو میری طرف منسوب کر کے جھوٹی بات بیان کریگا، وہ آگ میں جھونکا جائیگا) [2]

نہ صرف دوسروں ہی کے متعلق یہ فرماتے تھے بلکہ خود اپنی طرف اشارہ کر کے آپ ؓ نے متعدد موقعوں پر اس فقرے کو دہرایا ہے کہ ”آسمان سے میں گر پڑوں، یہ میرے لیے زیادہ آسان ہے اس بات سے کہ رسول اللہ ﷺ کی طرف غلط بات کو منسوب کر کے بیان کروں“۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ سے جو باتیں آحاد کی

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۲۲۹، جلد۱، صفحہ ۳۴۴۔

[2] مسند احمد، حدیث ۶۳۰، جلد۲، صفحہ ۴۵۔

شکل میں آپ ؓ تک پہنچی تھیں اور جن کا ایک حصہ مکتوبہ شکل میں آپ ؓ کے پاس موجود تھا، آپ نے ان کی اشاعت عام سے حتیٰ الامکان احتراز فرمایا۔ آپ ؓ نے ایک نوشتہ اپنی تلوار کی نیام میں رکھا ہوا تھا۔ لوگوں کے اصرار کے باوجود آپ ان حدیثوں کی اشاعت سے انکار ہی کرتے رہے، لیکن اصرار کی شدت بڑھتی چلی گئی۔ نیز آپ ؓ کے انکار سے لوگوں کے درمیان غلط فہمیاں پھیلنے لگیں کہ شاید نبی کریم علیہ السلام نے صیغۂ راز میں رکھتے ہوئے کچھ خاص رموز و اسرار کی نوعیت کی چیزیں آپ کو عطاء فرمائی تھیں۔ حضرت عثمان ؓ کے زمانے میں جن لوگوں نے فتنہ وفساد کا باضابطہ پروگرام تیار کیا تھا، ان کو موقع ملنے لگا کہ اس سے مختلف قسم کے تراشیدہ مغالطوں میں لوگوں کو مبتلا کر دیں تو آپ ؓ نے اس مکتوب میں جو حدیثیں لکھی ہوئی تھیں، ان پر لوگوں کو مطلع کر دیا۔

مسند احمد میں ہے کہ آخر ایک دن آپ ؓ نے کہا ”رسول اللہ ﷺ نے عام لوگوں سے الگ مجھ سے کوئی ایسی بات بطور عہد کے نہیں فرمائی ہے بجز اس کے کہ میں نے آپ سے چند باتیں سنی ہیں، وہ اس صحیفہ میں لکھی ہوئی ہیں جو میری تلوار کے نیام میں رکھا ہوا ہے“۔ آگے راوی کا بیان ہے کہ لوگ اس (صحیفہ کے دکھانے پر) مصر ہوئے۔ یہاں تک کہ آپ ؓ نے اس صحیفہ کو (نیام) سے نکالا۔

مسند احمد میں یہ بھی ہے کہ آپ ؓ نے فتنہ پردازوں کی پھیلائی ہوئی غلط فہمیوں کے ازالے کے لیے لوگوں کو واضح طور پر یہ بھی بتلایا کہ اس صحیفے میں صدقہ وزکوۃ سے متعلق چند مسائل ہیں۔ آپکے الفاظ یہ ہیں ”میں نے منبر پر حضرت علی ؓ کو خطبہ دیتے ہوئے دیکھا، ان کی کمر میں تلوار تھی جس کا قبضہ لوہے سے سجا ہوا تھا، میں نے سنا وہ فرما رہے تھے، اللہ کی قسم! ہمارے پاس کتاب اللہ اور اس صحیفے کے سوا کوئی ایسی کتاب نہیں ہے، جسے تم لوگوں کے آگے پڑھوں اور یہ صحیفہ جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے عطاء فرمایا ہے، اس میں صدقہ کے حصول کی تفصیل ہے۔“ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد آپ ؓ نے اس کی اجازت کسی کو نہ دی کہ وہ ان کے پاس موجود صحیفے کی نقل لے لے۔

روایت حدیث کے طرز عمل میں تبدیلی

ابتداء میں حضرت علی ؓ نے اس بات کا خاص خیال رکھا کہ حدیثوں میں عمومیت کا رنگ پیدا نہ ہو مگر جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، آپ ؓ کو احساس ہوتا گیا کہ اب تقلیل روایت کا طریقہ ترک کر دینا چاہیے۔ اس لیے رفتہ رفتہ روایت حدیث کے معاملے میں حضرت علی ؓ کے طرز عمل میں تبدیلی آتی چلی گئی۔ کوفہ منتقل ہو جانے کے بعد تو آپ ؓ کا یہ عالم تھا کہ لوگوں کو پکڑ پکڑ کر ایک طرف لے جاتے اور حضور علیہ السلام کی حدیثوں کی تبلیغ فرماتے۔ کبھی کبھی آپ ؓ کسی کو مخاطب کر کے کہتے کہ پوچھ لو جو کچھ پوچھنا ہے، اس لیے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی باتوں کو اب ہم سے زیادہ جاننے والا کوئی نہیں رہا“ کوفے کے منبر پر آپ ؓ

اعلان فرماتے ہیں کہ ”ایک درہم میں کون مجھ سے علم خریدتا ہے“۔ حال یہ تھا کہ لانے والے ایک درہم کے کاغذ خرید کر لا رہے ہیں اور آپ ؓ اپنے ہاتھ سے حدیثیں لکھ لکھ کر ان کے حوالے کر رہے ہیں۔ حضرت علی ؓ کا یہ طرز عمل بظاہر اپنے پیش رو خلفاء کے مقابلے میں عجیب معلوم ہوتا ہے، مگر جن حالات میں آپ ؓ نے یہ طرز عمل اختیار کیا تھا، ان کو نظر میں رکھا جائے تو یہ طرز عمل عین ثواب نظر آتا ہے۔

تدوین حدیث کے سلسلے میں خلفاء اربعہ کے رویہ کی ایک ہلکی سی جھلک آپ نے دیکھ لی۔ یہ تمام حضرات احادیث سے استشہاد کرتے اور خود روایت کرتے تھے، البتہ احتیاط کا اہتمام بھی فرماتے تھے۔

دور تابعین میں احادیث کی تدوین

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے بعد کے ادوار میں تاریخ تدوین حدیث وسیع تر اور تفصیل طلب ہو جاتی ہے۔ احادیث کی روایت سے متعلق ہر صحابی ؓ کے کثیر شاگرد ہوئے ہیں، جنہوں نے اپنی سنی ہوئی احادیث قلم بند اور مدون کی ہیں۔

تابعین اور تدوین حدیث عموماً موضوعاتی ترتیب (احادیث کو مختلف عنوانات یا موضوعات کے مطابق الگ الگ بیان کرنا) نہیں ہے، اگرچہ ان میں سے چند ایک حضرات نے احادیث کو موضوعاتی عنوانات اور سرخیوں کے تحت بھی یکجا کیا ہے۔ موضوعات کی ترتیب کے مطابق حدیث کی کتاب ”الابواب“ مصنفہ امام شعبیؒ اس طرز کی پہلی کتاب سمجھی جاتی ہے۔ یہ کتاب مختلف ابواب میں منقسم تھی اور ہر باب میں ایک ہی موضوع سے متعلق احادیث یکجا تھیں۔ مثلاً زکوٰۃ، صلوٰۃ وغیرہ۔

مذکورہ بیان اس بات کا ثبوت ہے کہ عام ترتیب پر مدون ہونے والی حدیث کی اولین کتاب پہلی صدی ہجری میں ہی مرتب کی گئی تھی۔ ایک اور کتاب جو قرآن کریم کی تفسیر پر مبنی احادیث پر مشتمل تھی، حضرت حسن بصریؒ نے تصنیف فرمائی تھی، یہ بھی عمومی ترتیب کے مطابق ایک باقاعدہ کتاب تھی جو ایک مخصوص موضوع پر پہلی صدی ہجری میں لکھی گئی۔

عہد تابعین میں تدوین حدیث کا کام مشہور خلیفہ حضرت عمر بن عبدالعزیز ؓ نے سرکاری طور پر سنبھالا۔ آپؒ نے تمام گورنروں کو سرکاری حکم بھیجا کہ وہ اپنی ذاتی نگرانی میں صحابہ کرام ؓ اور ان کے شاگردوں میں سے ذی علم حضرات کو جمع کریں اور ان سے حاصل ہونے والی احادیث کو قلم بند کر لیں۔ (فتح الباری، ج۱، ص۱۷۳) یہ اسی سرکاری حکم کا نتیجہ تھا کہ احادیث کی کثیر کتب تیار ہو کر پورے ملک کے طول و عرض میں پھیل گئیں۔ ابن شہاب الزہریؒ بھی تدوین حدیث کے انہی ابتدائی معماروں میں سے ہیں، آپ نے کئی کتب تحریر فرمائی ہیں۔ اس دور کے تمام مسودات اور کتب بعد ازاں تحریر ہونے والی حدیث کی بڑی کتب میں

ضم ہو گئے۔ ان مسودات اور کتب کی ذاتی حیثیت و شناخت ان کی ضرورت نہ رہنے کی بناء پر زیادہ توجہ طلب نہ رہی، چنانچہ دوسری اور تیسری صدی ہجری میں تحریر ہونے والی ضخیم ترین کتب نے آہستہ آہستہ ان کی جگہ لے لی اور زیادہ تفصیلی، ہمہ گیر اور مبنی بر ضرورت ہونے کی وجوہات کے باعث وسیع پیمانے پر اس طرح معروف و مقبول ہوئیں کہ تابعین کی کتب ان کے پس منظر میں نمایاں نہ رہیں۔ پھر بھی ان کتب کے چند مسودات ابھی تک محفوظ رہے اور بعد کی کتب کا موازنہ و مقابلہ انہی محفوظ مسودات سے کیا گیا۔

عہد تابعین میں لکھی جانے والی ان کتب میں سے ایک صحیفہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کے شاگرد" ہمام بن منبہ" کا بھی ہے جس کا ذکر پہلے بھی ہو چکا ہے، یہ احادیث انہوں نے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے سنیں اور نقل کیں۔ اس کتاب کا نام "الصحیفۃ الصحیحہ" تھا۔ اس کتاب کا مکمل متن بھی " مسند امام احمدؒ" سے ملتا ہے۔ ١٣٧٣ھ میں اس کتاب کے دو دستی نسخے برلن اور دمشق کی لائبریریوں میں دریافت ہوئے اور ڈاکٹر حمید اللہ نے انہیں ایک تفصیلی تعارف کے ساتھ شائع کر دیا ہے۔ یہ تمام تحریریں اس بات کا بین ثبوت ہیں کہ تابعین کی کتب دیگر کتب میں شائع ہو کر بعد کی ضخیم کتب کا ایک حصہ بن گئی تھیں اور اس تدوین میں ان تمام احتیاطوں کو مدنظر رکھا گیا تھا جس سے ان کا معتبر ہونا برقرار رہے۔

تاریخ تدوین حدیث کے ابتدائی دور پر غور

اگر ہم تدوین حدیث کی تاریخ پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ جو لوگ احادیث رسول ﷺ پر اعتراض کرتے ہیں، انہیں اس بات کا علم نہیں کہ تدوین حدیث کا دور تیسری صدی تک قریب قریب ختم ہو چکا تھا۔ پہلی صدی تک آنحضرت ﷺ کو دیکھنے والے صحابہ ؓ خود موجود تھے اور جیسا کہ بیان ہو چکا ہے، آپ ﷺ کی احادیث کے بہت سے ذخیرے مختلف طور پر ان کے پاس محفوظ تھے۔ اگرچہ تحریری احادیث کا مجموعہ تو پہلے سے ہی شروع ہو گیا تھا مگر اس کے بعد دوسری صدی کے وسط میں تدوین حدیث کا کتابی شکل میں باضابطہ آغاز ہو گیا۔ اتنے قلیل عرصہ میں تمام ذخیرہ احادیث کا بیک حرکت قلم مشکوک ہو جانا بعید از قیاس ہے۔

اگر تدوین حدیث صحابہ و تابعین ؓ کے دور کے بعد شروع ہوتی تو حدیث کے ثبوت میں شبہ کرنا معقول ہوتا، لیکن جب احادیث کا سلسلہ خود آپ ﷺ کے زمانہ سے برابر متصل طور پر چلا آ رہا ہے تو اب اس میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ امام شافعیؒ نے اپنے رسالہ ' الأم ' میں اس پر مستقل ایک مقالہ لکھا ہے اور آنحضرت ﷺ کے زمانہ ہی کے واقعات سے خبر واحد (حدیث) کی حجیت، ثابت کی ہے جو اس بات کی واضح دلیل ہے۔ خود مخبر صادق ﷺ کے نزدیک بھی دین کے بارے میں ایک ثقہ اور صادق شخص کا قول کافی ہے۔

خبر واحد کی حجیت کے چند واقعات نیچے دیئے جا رہے ہیں

۱۔ تحویل قبلہ کے واقعہ کے بعد

جب آنحضرت ﷺ کا ایک قاصد اہل قبا کی طرف تحویل قبلہ کی خبر لے کر پہنچا تو وہ صبح کی نماز ادا کر رہے تھے۔ سب نے نماز کے اندر ہی اپنا رخ بیت المقدس سے ہٹا کر بیت اللہ کی طرف بدل دیا۔ اس سے ظاہر ہوا کہ صحابہ ؓ کے نزدیک دینی مسئلہ میں خبر واحد حجت تھی۔ اگر بالفرض ان کا یہ اقدام غلط ہوتا تو یقیناً آنحضرت ﷺ ان کو تنبیہ فرماتے کہ تم نے براہ راست میری ہدایت یا خبر متواترہ کا انتظار کیوں نہ کیا۔

۲۔ حرمت شراب

حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں حضرت ابو عبیدہ ؓ، حضرت ابو طلحہ ؓ حضرت ابی بن کعب ؓ کو شراب پلا رہا تھا کہ دفعتاً ایک شخص آیا اور اس نے خبر دی کہ شراب حرام ہو گئی ہے۔ یہ سن کر فوراً ابو طلحہ ؓ نے کہا، انس اٹھو اور شراب کے مٹکے توڑ ڈالو۔ میں اٹھا اور شراب کے برتن توڑ دیئے۔

ظاہر ہے کہ شراب پہلے شرعاً حلال تھی، لیکن یہاں صرف ایک شخص کے بیان پر اس کی حرمت کا یقین کر لیا گیا اور اس کے برتن توڑ ڈالے گئے۔ حاضرین میں سے کسی نے اتنا تامل بھی نہ کیا کہ آنحضرت ﷺ سے بالمشافہ جا کر پوچھ آتا اور نہ کسی نے یہ اعتراض کیا کہ قبل از تحقیق اس قدر شراب کو ضائع کیوں کیا گیا اور اسراف بے جا کیوں کیا۔

۳۔ حضور ﷺ کے عامل اور قاصد

جہاں جہاں گئے ہیں ان میں عدد کا کوئی لحاظ نہیں کیا، جیسے قیس ؓ بن عاصم، زبرقان بن بدر ؓ اور ابن زبیر ؓ کو اپنے اپنے قبائل کی طرف روانہ کیا۔ وفد بحرین کے ساتھ سعید بن العاص ؓ کو بھیجا اور معاذ بن جبل ؓ کو شاہ یمن کے بالمقابل بھیجا اور جنگ کے بغیر ان کو شریعت کی تعلیم دینے کا حکم دیا، لیکن کہیں سے یہ منقول نہیں کہ عامل یا قاصد کے ساتھ کسی نے فرد واحد ہونے کی وجہ سے ان تک پہنچنے والے احکام کو ناقابل اعتبار سمجھ کر انکار کیا ہو۔

علاوہ ازیں آپ ﷺ کے عاملوں اور قاصدوں کے پاس جب بھی آپ ﷺ کے خطوط پہنچے تو ہمیشہ انہوں نے فوراً ان کو نافذ کیا اور خواہ مخواہ کی شبہات کو کوئی راہ نہ دی، پھر آپ ﷺ کے بعد بھی آپ ﷺ کے خلفاء و علماء کا یہی دستور رہا حتیٰ کہ مسلمانوں میں ہمیشہ ایک ہی خلیفہ، ایک ہی امام، ایک ہی قاضی اور ایک ہی امیر ہونا ایک مسلم مسئلہ تھا، جس میں کوئی اختلاف نہ تھا۔

خبر واحد کو صحابہ کرام ؓ نے قبول کیا

صحابہ کرام ؓ کے دور میں جتنے واقعات خبر واحد سے متعلق تھے، ان سب کی تشریعی حیثیت کو صحابہ

کرام ؓ نے تسلیم کر کے ان پر عمل کیا اور ان احادیث کی حفاظت کی مگر افسوس ہے کہ ان ہی کو منکرین حدیث نے اس کے برعکس انکار حدیث کی دلیل گردانا ہے۔ سلف کے دور سے گزر کر جب آئمہ کے دور میں آئیں تو یہاں بھی ابی حاتم جیسے شخصوں کی کمی نہیں ہے جو بڑے بڑے محدثین پر بھی تنقید کر دیتے، پھر خود ہی ان کی جلالت قدر کی طرف نظر کر کے بعض اوقات رونے بھی لگتے تھے کہ ہم کیسی کیسی بڑی ہستیوں پر کلام کر جاتے ہیں کہیں ہم سے اس کی باز پرس نہ ہو۔

امام زہری ؒ جیسے جلیل القدر محدث نے بھی حدیث کا جمع کرنا شروع میں پسند نہ کیا۔ بالآخر یہی محدثین تھے، جن کی عمر کا محبوب ترین مشغلہ تدوین حدیث تھا۔ یہاں کسی جبر و قہر کا گمان کرنا ایک بدگمانی ہے یا یہ سمجھنا کہ تدوین حدیث سے حدیث کی تاریخ شروع ہوتی ہے، بالکل خلاف واقع ہے۔ تدوین سے پہلے بھی احادیث محفوظ تھیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ اب حفظ صدور کے ساتھ ساتھ اوراق میں بھی مدون ہو گئیں۔

تدوین حدیث کی ارتقائی شکل

تدوین حدیث تحفظ علم حدیث کی ایک ارتقائی شکل تھی، جس طرح موجودہ صورت قرآن کے جمع و ترتیب کی ارتقائی شکل ہے، پہلے وہ عموماً سینوں میں محفوظ تھا، پھر ان کو صفحات پر لکھا گیا۔ پھر صحف سے مصحف بنا، پھر غیر متشکل سے متشکل ہوا، رکوع اور سورتوں کے نشانات قائم کئے گئے۔ پھر مترجم ہوا، پھر اس کی مختلف تفاسیر اور فہرستیں مرتب ہوئیں۔ اسی طرح حدیث بھی پہلے منتشر طور پر محفوظ رہی، پھر زمانہ کے ارتقاء کے ساتھ ساتھ علم حدیث میں بھی ایک ارتقاء نمودار ہوا اور اس کو قلم بند کرنے کی ضرورت محسوس ہونے لگی، پہلے آثار اور مرفوع حدیثیں یکجا لکھی گئیں۔ اسی حال پر ایک اور زمانہ گزرا اور پھر دوسرا دور آیا تو مرفوع کو آثار سے جدا کر لیا گیا۔ اس کے بعد صحیح اور ضعیف کو جدا جدا لکھنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ یہ تمام صورتیں فطری ارتقاء کی بناء پر ظاہر ہونا ناگزیر تھیں۔ ہر ارتقائی حرکت پہلے پہل قابل اعتراض نظر آئی، آخر کار وہی متفقہ دستور العمل بن گئی۔ اسی بناء پر اکابر علماء اور اساتذہ علم شریعت نے علم حدیث کی تحصیل کے لیے اپنی زندگیاں وقف کر دیں۔ انہوں نے بارہا صرف ایک حدیث کی خاطر سینکڑوں میل کا سفر کیا۔ طلب حدیث میں کوئی چیز ان کی راہ میں رکاوٹ نہیں بنتی تھی، وہ اپنے شاگردوں سے بھی حدیث روایت کر لیتے تھے، انہوں نے احادیث کو اپنے سینوں میں اس کے بعد نوشتوں میں محفوظ کیا۔ ناقلینِ حدیث کو پرکھنے کے لیے علم اسماء الرجال ایجاد کیا گیا اور اس میدان میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیے، مگر حدیث کے ان عظیم کارکنوں کی صحیح قدر و قیمت کا اندازہ اسی وقت ہو سکتا ہے، جب ہمیں یہ معلوم ہو کہ علم حدیث کی دین میں کیا اہمیت ہے؟ اور اگر امت کے پاس آج احادیث کا یہ سرمایہ نہ ہوتا تو دین کی کیا شکل و صورت ہوتی؟

عہدِ صحابہ ؓ میں حضرت ابوبکر صدیق ؓ سے لے کر حضرت علی ؓ کے زمانہ خلافت تک ہر دور میں حلال وحرام، قتال، حج، جنابت، بیع، وراثت سے متعلق سینکڑوں مسائل میں جب کبھی کسی کو تردد ہوا تو ہمیشہ حدیثیں ہی پیش کی گئیں، جن سے حدیث کی حیثیت تشریعی ثابت ہوتی ہے۔ اس کے باوجود حدیث کا انکار آنکھوں میں خاک جھونکنا نہیں تو اور کیا ہے۔

تابعین کرام ؒ جنہوں نے براہ راست صحابہ ؓ سے علم حاصل کیا، بے وضو یا لیٹ کر حدیث سنانا مکروہ سمجھتے تھے۔ ضرار بن ابی مردہ ؒ، اعمش ؒ، قتادہ ؒ، جعفر بن محمد ؒ، امام مالک ؒ جیسے بڑے بڑے محدثین ادب واحترام حدیث کا حد درجہ خیال رکھتے تھے، اگر ان کے علم میں حدیث کی حیثیت محض تاریخی ہوتی تو یہ اتنا احترام نہ کرتے۔ درحقیقت حدیث کو محض تاریخ کے برابر سمجھنا اس کی سب سے بڑی توہین ہے اور اس کی نہیں بلکہ اس کے قائل (حضور نبی کریم ﷺ) کی توہین ہے (العیاذ باللہ)۔

ابن سیرین ؒ بیان کرتے ہیں کہ لوگ پہلے سند کے بارے میں پوچھا نہیں کرتے تھے۔ جب فتنہ کی گرم بازاری ہوئی تو لوگ کہنے لگے پہلے راویوں کا حال بتاؤ، چنانچہ اہل سنت (قائل سنت) کی روایت قبول کر لی جاتی اور بدعتی لوگوں کی روایت کو نظر انداز کر دیا جاتا۔

بیسواں باب

حفاظت حدیث

احادیث کی حفاظت کا اہتمام اس شدومد سے کیا گیا ہے جیسے کہ حفاظت قرآن کے کام کو خدا اور رسول مقبول ﷺ نے اپنے ذمہ کرم پر لیا۔ احادیث کی اہمیت یہ تھی کہ اس کے بغیر قرآن کا مکمل فہم ممکن نہ تھا کیونکہ احادیث رسول ﷺ میں قرآن پاک کی تشریح اور وضاحت کی گئی ہے۔ چنانچہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر قرآن کی حفاظت ضروری تھی تو حدیث کی حفاظت بھی نہایت ضروری تھی۔ ایک کے بغیر دوسرے کو سمجھنا ممکن نہ تھا۔ اس اہمیت کے پیش نظر رسول اکرم ﷺ نے اور صحابہ کرامؓ (ان کے بعد تابعینؒ اور تبع تابعینؒ) نے احادیث کی پوری احتیاط پر اپنی نظریں جمائے رکھیں۔ اس باب میں حفاظت حدیث کا جو اہتمام کیا گیا، اس کا مختصر سا خلاصہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ عوام کی بہت سی غلط فہمیوں کا ازالہ ہو سکے۔

حفاظت حدیث عشق رسول ﷺ کے سائے میں

صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کا عشق بھی حفاظت حدیث میں بڑا موثر عامل رہا ہے۔ عہد اول میں اسی عشق نے حضور ﷺ کی ایک ایک ادا کو علم و عمل کے پیمانوں میں محفوظ رکھا اور عقیدت و جذبات کے اس انداز نے بھی حفاظت حدیث میں ایک بھرپور کردار ادا کیا ہے۔ قرآن کریم نے حضور ﷺ کے بارے میں تعلیم دی تھی۔

"لِتُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ" (الفتح:۹)

(تاکہ تم ایمان لاؤ اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر اور اس رسول ﷺ کی تعظیم و توقیر کرو)

صحابہ کرامؓ تعظیم و توقیر کے اس حکم کی وجہ سے حضور ﷺ کے سامنے اپنی آواز دھیمی رکھتے، یہ دربار رسالت ﷺ کا اجلال و احترام تھا۔ ادھر سے تعظیم و توقیر تھی اور اُدھر سے رحمت و عطوفت کا ہاتھ ہر ایک کے لیے بڑھ رہا تھا۔ رحمۃ للعالمین کا دامن رحمت ہر سمت سایہ فگن تھا۔ ''فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ'' (یہ خدا کی مہربانی ہے کہ آپ ﷺ ان کے لیے نرم دل ہوئے) (آل عمران:۱۵۹)

یہ خدا کی شان کریمی ہے کہ اس نے صحابہؓ کے دلوں میں حضور ﷺ کی محبت پیدا کر دی اور اس جذبہ محبت نے نہ صرف حضور ﷺ کی پیروی امت کے لیے آسان کر دی بلکہ حضور ﷺ کا ہر عمل، عشق و

محبت کے اس سائے میں محفوظ ہونے لگا۔

یہ قاعدہ ہے جس سے محبت ہو انسان پھر اس کی اداؤں کی نقل میں بھی لذت محسوس کرتا ہے، کسی نے خوب کہا ہے:

"اِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ یُّحِبُّ یُطِیْعُ"

(محبت کرنے والا محبوب کے نقش پا پر چلتا ہے)

حضور ﷺ نے اس جذبہ محبت کو یوں جلا بخشی:

"لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْهِ مِنْ وَّالِدِهٖ وَوَلَدِهٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ"

(تم میں سے کوئی کامل مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ مجھ سے اپنے والدین، اولاد اور سارے لوگوں سے بڑھ کر محبت نہ کرے) [1]

حضور ﷺ نے اپنے کسی لمبے سفر کے دوران مختلف اوقات پر جو نماز پڑھی صحابہؓ نے ان مواضع و اماکن کو بھی اپنی یادوں میں محفوظ رکھا، حالانکہ نماز، نماز ہے وہ جہاں بھی ادا ہو لیکن خدام آقا ﷺ کے عشق و محبت میں اس قدر آگے جا چکے تھے کہ آپ ﷺ نے اگر کہیں اتفاقاً بھی پڑاؤ ڈالا تو اس جگہ کی یاد صحابہ کرامؓ کے دلوں سے کبھی بھی محو نہ ہو سکی۔ امام بخاریؒ نے الصحیح میں اس پر باب باندھا ہے:

"بَابُ الْمَسَاجِدِ الَّتِیْ عَلٰی طُرُقِ الْمَدِیْنَةِ وَالْمَوَاضِعُ الَّتِیْ صَلّٰی فِیْهَا النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلٰی وَآلِهٖ وَسَلَّمَ"

(یہ (مسجدیں) وہ سجدہ گاہیں ہیں جو مدینہ کی راہوں میں واقع تھیں اور یہ وہ مقامات ہیں جہاں اس دوران حضور ﷺ نماز پڑھتے تھے) [2]

موسیٰ بن عقبہؒ کہتے ہیں کہ انہوں نے جلیل القدر تابعی حضرت سالمؒ کو دوران سفر ان مقامات کو تلاش کرتے دیکھا جہاں آپ ﷺ نے نماز ادا کی اور بیان کرتے سنا کہ ان کے والد حضرت عبد اللہ بن عمرؓ بھی ان مقامات پر نماز پڑھتے تھے اور فرماتے تھے:

"اِنَّهٗ رَاَی النَّبِیَّ ﷺ یُصَلِّیْ فِیْ تِلْکَ الْاَمْکِنَةِ"

(انہوں نے نبی کریم ﷺ کو ان مقامات پر نماز پڑھتے دیکھا ہے) [3]

ان مقامات پر نماز کسی تخصیص کے لیے نہ تھی۔ حضور ﷺ ان مقامات پر اتفاقاً اترتے رہے، لیکن

---

[1] صحیح البخاری، حدیث ۱۴، جلد ۱، صفحہ ۱۴۔
[2] صحیح بخاری، حدیث ۴۶۹، جلد ۱، صفحہ ۱۸۳۔
[3] عمدۃ القاری، جلد ۴، صفحہ ۲۶۸۔

صحابہ ؓ کے جذبات محبت کو دیکھئے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی ان یادوں کو بھی تاریخ میں محفوظ کرلیا۔ یہاں تک کہ تابعین کبارؒ بھی ان راہوں میں اترنے لگے۔ اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث کی حفاظت میں عشق رسالت ﷺ نے بھی ایک بھرپور کردار ادا کیا ہے۔

حفظ حدیث میں صحابہ کرام ؓ کا شغف

صحابہ کرام ؓ حفظ حدیث کے کام میں ایسے منہمک ہوئے کہ سچ پوچھیے تو انہیں تن من کا ہوش نہ رہا۔ ان میں ایسے لوگ بھی تھے جو آستانہ نبوی ﷺ پر آئے تو بس اسی در کے ہو رہے، عمر گزار دی، دن رات خدمت نبوی ﷺ میں رہ کر حفظ حدیث کے علاوہ کوئی کام نہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے اس عظیم کام کو جس طرح سرانجام دیا، اس کی چند جھلکیاں ملاحظہ فرمائیں:

ا۔ حضرت ابوہریرہ ؓ

اگر ہم حضرت ابوہریرہ ؓ کی زندگی کو دیکھیں تو معلوم ہوگا کہ وہ یمن کے رہنے والے تھے۔ قبیلہ دوس سے ان کا تعلق تھا اور عین عالم شباب میں یعنی تیس سال کی عمر میں خیبر کے مقام پر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پھر بس آپ ﷺ ہی کے در کے ہو رہے۔ دن ہو یا رات، سردی ہو یا گرمی، سفر ہو یا حضر چوبیس گھنٹے خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہیں۔ آپ ؓ کا یہ شغل تھا کہ آپ ﷺ اپنی زبان مبارک سے جو ارشاد فرمائیں، اسے سنیں، جو کچھ آپ ﷺ کو کرتا ہوا دیکھیں، اس کا بغور مشاہدہ کریں اور پھر آپ ﷺ کے ان تمام اقوال و افعال کو ذہن میں محفوظ کرلیں۔ ان کی یہ حاضری اس وقت تک جاری رہی، جب تک نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف نہ لے گئے۔

نبی کریم ﷺ کے اقوال و افعال کی حفاظت میں حضرت ابوہریرہ ؓ کے شغف کا یہ عالم تھا کہ نہ بھوک کی پرواہ تھی نہ پیاس کا خیال، کئی کئی وقت فاقوں سے گزر جاتے، زمین پر ٹیک لگا کر، پیٹ سے پتھر باندھ کر اپنے آپ کو تھامے رہتے۔ ان کے خود اپنے الفاظ کچھ اس طرح ہیں:

> ’’اس خدا کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں کہ بھوک کی وجہ سے میں جگر تھام کر زمین سے سہارا لے لیتا اور اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیتا، کبھی کبھی بھوک اس قدر تنگ کرتی کہ چکرا کر گر پڑتا اور ایسے بے ہوش ہوتا کہ لوگ اس کو جنون کا اثر سمجھنے لگتے‘‘۔

ان سے کثرت سے احادیث روایت ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ انہوں نے دنیا کے ہر کام سے لاتعلق ہو کر حفاظت قرآن و حدیث کے کام ہی کو اپنا اوڑھنا بچھونا بنالیا تھا۔ بعض مرتبہ لوگوں کو ان کی کثرت روایت پر تعجب ہوتا تو فرمایا کرتے ’’تم لوگ خیال کرتے ہو کہ ابوہریرہ ؓ رسول اللہ ﷺ کی زیادہ حدیثیں بیان کیا کرتا ہے مگر

خدا کی قسم میں ایک غریب مسکین آدمی تھا رسول اللہ ﷺ کے پاس پیٹ کے بل پڑا رہتا حالانکہ مہاجرین بازاروں کے کاروبار میں مشغول رہتے اور انصار اپنے اموال (باغ اور کھیت وغیرہ) میں الجھے رہتے۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ

آپ ؓ کا بھی یہ عالم تھا کہ ہمہ وقت حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے، حتیٰ کہ آپ ﷺ حجرۂ مبارک میں تشریف فرما ہوتے تو وہاں بھی موجود ہوتے کیونکہ کم عمری کے سبب ان کو پردہ اٹھا کر حجرہ نبوی ﷺ میں بھی داخل ہونے اور آپ ﷺ کی تنہائی کی گفتگو سننے کی اجازت تھی۔ اسی لیے ان کو صاحب الاسرار یعنی رسول اللہ ﷺ کا رازدار کہا جاتا تھا۔ حضرت ابن مسعود ؓ کسی نہ کسی خدمت میں مصروف رہتے، کبھی بستر بچھا رہے ہیں، کبھی اٹھا کر رکھ رہے ہیں، کبھی ان کو آپ ﷺ کی مسواک مناسب جگہ پر رکھنے کی فکر ہے تو کبھی وضو کا پانی مقررہ وقت پر مہیا کرنے کا خیال ہے۔ اللہ کا رسول ﷺ سفر میں ہے اور یہ اللہ کا سپاہی مسلح ہو کر بطور گارڈ ساتھ ساتھ ہے۔ انہی مشاغل کی بناء پر ان کا خطاب ہی ''صاحب النعلین والسواک والوسادہ'' پڑ گیا تھا۔ یہ ہر وقت کی حاضری صرف اسی لیے تھی کہ نبی کریم ﷺ کی زبان مبارک سے جو کچھ سنیں اور جو کچھ آپ ﷺ کو کرتے ہوئے دیکھیں، ایک ایک لمحہ حیات نبوی ﷺ کو اپنے سینے میں محفوظ کر لیں۔ پھر خود بھی اس کے مطابق اپنی زندگی کو ڈھالیں اور دوسروں تک بھی ہدایت کے یہ خزانے من وعن پہنچا دیں۔

۳۔ حضرت انس ؓ

مسلسل نو دس سال آنحضرت ﷺ کی خانگی خدمت میں مصروف رہے۔ دس سال کی عمر تھی کہ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تھے، پھر آپ ﷺ کے رحلت فرمانے تک ہمہ وقت آپ ﷺ کی حضوری سے فیض یاب ہوتے رہے۔ آپ ؓ سے کچھ احادیث مروی ہیں۔

اُمہاتُ المؤمنین رضی اللہ تعالیٰ عنہن کی روایات

اس مقصد کے حصول کی لگن صرف مردوں تک ہی محدود نہ تھی بلکہ عورتوں کا بھی یہی حال تھا کہ اُمہات المومنین رضی اللہ تعالی عنہن میں سے کوئی نہ کوئی آپ ﷺ کی خلوت کی زندگی میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوتی تھیں اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی حفاظت کا فریضہ اسی طرح انجام دیتی تھیں جس طرح جلوت کی زندگی میں صحابہ ؓ انجام دے رہے تھے۔

نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام ؓ کا عالم ہی عجیب تھا۔ جس کسی کے بارے میں علم ہوتا کہ اس کے پاس رسول اللہ ﷺ کا کوئی قول یا فعل محفوظ ہے، ہزار جتن کر کے صحابہ ؓ اس کے پاس پہنچتے

اور جب تک وہ حدیث حاصل نہ کر لیتے، چین نہ آتا۔ ایک ایک حدیث کی خاطر مصر و شام جیسے دور دراز علاقوں کا بھی اگر سفر کرنا پڑتا تو اس سے بھی انہیں عذر نہ ہوتا۔ بعض اوقات کسی حدیث کے محض ایک حرف کی تصحیح کی خاطر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے طویل مسافت کے لیے رخت سفر باندھ لیا۔

غرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے تحصیل حدیث اور حفظ حدیث میں ہر وہ طریقہ اپنایا، جو اس کام میں ممد و معاون ثابت ہو سکتا تھا اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی ایسی حفاظت کی کہ اس کی نظیر تاریخ انسانی میں نہ اس سے پہلے تھی، نہ قیامت تک ممکن ہے۔

حفاظت حدیث میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کردار

تاریخ شاہد ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب کسی معاملہ میں فیصلہ کرنا مطلوب ہوتا تو کتاب اللہ کے بعد آنحضرت ﷺ کی سنت کو ہی تلاش کیا کرتے تھے، اگر وہ نہ مل سکتی تو اس کے بعد اپنی جانب سے جو سمجھ میں آتا، فیصلہ کرتے۔ اس کے بعد بھی اگر آپ ﷺ کی سنت ہاتھ آجاتی تو اسی کی اتباع کرتے اور اپنے قول سے رجوع کرتے کیونکہ صحابہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین رسول اکرم ﷺ کے دل و جان سے شیدا تھے اور آپ ﷺ کو اپنے والدین اور اولاد سے زیادہ چاہتے تھے۔ وہ حدیث نبوی ﷺ کی اہمیت سے واقف تھے اور جانتے تھے کہ حدیث پاک کتاب اللہ کے بعد دوسرا مآخذ ہے۔ وہ اس بات سے بھی آگاہ تھے کہ اللہ تعالیٰ نے حدیث کی پیروی کا حکم دیا ہے اور اس کی خلاف ورزی سے باز رکھا ہے۔ وہ اس حقیقت سے بھی آگاہ تھے کہ حدیث کے معاملہ میں افراط و تفریط سے کام لینے والا انسان بہت بدبخت ہوتا ہے اور جو شخص حدیث کو یاد کرتا اور اس پر عمل کرتا ہو وہ خوش نصیب آدمی ہے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ "اللہ تعالیٰ اس شخص کو خوش و خرم رکھے جس نے ہم سے کوئی بات سنی اور اسے بغیر کمی بیشی کے آگے پہنچا دیا۔ اس لئے کہ جن کو بات پہنچائی جاتی ہے ان میں سے بعض سننے والوں سے بھی زیادہ یاد رکھتے ہیں"۔[1]

مزید برآں دینی حمیت و غیرت کے پہلو بہ پہلو صحابہ رضی اللہ عنہم حد درجہ فطری استعداد سے بہرہ ور تھے۔ ان کی قوت حافظہ اور ذہانت و فطانت ضرب المثل کی حد تک مشہور تھی اور اسی ضمن میں وہ یگانہ روزگار تھے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نزدیک حضور علیہ السلام کی حیثیت آپ ﷺ کی حیات ظاہری اور باطنی دونوں میں ایک جیسی تھی۔ دونوں حالتوں میں وہ آپ ﷺ ہی کا فیصلہ تلاش کرتے تھے اور جب آپ ﷺ کا فیصلہ انہیں مل جاتا تھا تو دونوں حالتوں میں اس پر راضی ہو جانا اور اس کیخلاف اپنا اختیار باقی

---

[1] سنن ابی داؤد، حدیث ۳۶۶۰، جلد ۲، صفحہ ۳۴۶۔

نہ رکھنا بالکل یکساں سمجھتے تھے۔ ایک واقعہ بھی ایسا نہیں بتایا جا سکتا جہاں کسی صحابی ؓ نے آنحضرت ﷺ کا کسی معاملہ میں کوئی فیصلہ سنا ہو اور اس کے بعد ثبوت کے بعد پھر اس کیخلاف سوچنے کا گمان تک کیا ہو۔

حفاظت حدیث میں دیگر صحابہ ؓ کا کردار

درج ذیل عبارت میں چند صحابہ کرام ؓ کی حفاظت حدیث میں خدمت کا ذکر کیا جا رہا ہے:

۱۔ حضرت ابو سعید خدری ؓ

وہ صحابہ کرام ؓ جن کو حضور ﷺ کا قرب حاصل تھا، ان میں حضرت ابو سعد خدری ؓ کا نام روایت حدیث میں بڑا معروف ہے۔ ان کے بارے میں بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے ایک مرتبہ حدیث کے صرف ایک حرف کی درستی کے لیے باقاعدہ سفر اختیار کیا۔ اسی طرح دارمی میں ایک اور صحابی ؓ کے متعلق ہے کہ وہ اسی مقصد سے حضرت فضار بن عبداللہ ؓ کے پاس مصر پہنچے۔ فضار ؓ اس وقت اپنی اونٹنی کا چارہ تیار کر رہے تھے۔ ان کے خوش آمدید کہنے پر وہ صحابی ؓ بولے کہ میں آپ کی ملاقات کو نہیں آیا بلکہ میں نے اور تم نے رسول اللہ ﷺ سے ایک حدیث سنی تھی، میں یہ امید لے کر آیا ہوں کہ وہ تمہیں یاد ہوگی۔ حضرت ابو سعید خدری اپنے شاگردوں کو تاکید کرتے تھے "تَذَاكَرُوا الْحَدِيْثَ" (ابن سعد) "حدیث کا مذاکرہ کرتے رہو" بلکہ حضرت ابو سعید خدری ؓ تو یہاں تک فتویٰ دیتے کہ مَذَاكَرَةُ الْحَدِيْثِ اَفْضَلُ مِنْ قِرَاءَةِ الْقُرْآنِ (حدیث کا مذاکرہ قرآن پڑھنے سے بہتر ہے) [۱]

۲۔ حضرت ابو ایوب انصاری ؓ

تحقیق حدیث کے بارے میں ایک حیرت انگیز واقعہ حضرت ابو ایوب انصاری ؓ سے بھی منقول ہے۔ آپ ؓ اور حضرت عقبہ بن عامر ؓ نے ایک حدیث مسلمانوں کی عیب پوشی کے متعلق رسول اللہ ﷺ سے ایک ساتھ سنی تھی۔ حضرت ابو ایوب انصاری ؓ کو اتفاق سے اس حدیث کے الفاظ میں کچھ شبہ پیدا ہو گیا اور ضرورت ہوئی کہ حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے اس سلسلے میں استفسار کریں۔ معلوم ہوا کہ وہ تو مصر جا کر آباد ہو گئے ہیں۔ آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ حضرت ابو ایوب انصاری ؓ صرف ایک معمولی سا شک دور کرنے کی خاطر مدینہ سے مصر روانہ ہو جاتے ہیں اور اس سے زیادہ حیرت آپ کو یہ معلوم کر کے ہو گی کہ مصر پہنچ کر کھڑے کھڑے حضرت عقبہ بن عامر ؓ سے وہ حدیث سنتے ہیں اور سنتے ہی واپس سوار ہو کر عازم مدینہ ہو جاتے ہیں اور اپنی سواری کا کجاوہ تک بھی نہیں کھولتے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ کے الفاظ ہیں کہ حضرت ابو ایوب ؓ اپنی سواری کی طرف پلٹے، سوار ہوئے اور

---

[۱] تدریب الراوی، عبدالرحمٰن السیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جلد ۲، صفحہ ۱۵۲، مکتبۃ الریاض الحدیثۃ، بیروت۔

مدینہ کی طرف روانہ ہو گئے۔ کہاں تک بیان کیا جائے کہ صحابہ کرام ؓ نے حصول وحفاظت حدیث کی خاطر کیسے کیسے کارنامے انجام دیئے۔ حیرت ہوتی ہے یہ سن کر کہ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین جس طرح قرآن کو سبقاً سبقاً پڑھتے تھے بالکل اسی طرح وہ حدیث کو بھی پڑھتے تھے۔

صحابہ کرام ؓ میں دورۂ حدیث کی روش

صحابہ کرام ؓ اور دیگر آئمہ اسلام میں شروع سے ہی عادت تھی کہ وہ دورہ حدیث کو بہت اہمیت دیتے۔ وہ لوگ یہ سمجھتے تھے کہ جس طرح قرآن کو ایک مرتبہ حفظ کر لینا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ قرآن کریم کا دورہ کرنا بھی ایک ضروری امر ہے۔ اسی طرح خود رسول اللہ ﷺ کا دورۂ قرآن کرنا ثابت ہے، جیسا کہ احادیث میں وارد ہوا ہے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام ہر سال رمضان المبارک میں تمام قرآن شریف نبی کریم ﷺ کو سناتے اور بعض روایات میں آیا ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ سے سنتے تھے۔ قرآن پاک کا موجودہ دور کرنے کا طریقہ اسی روایت سے نکالا گیا ہے۔

اس کے علاوہ مسلم کی حدیث مبارک میں بھی ذکر آیا ہے کہ جو لوگ قرآن مجید کا دور کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان پر سکینہ (سکون) نازل فرماتے ہیں اور فرشتے ان کو چاروں طرف سے گھیر لیتے ہیں [1]

حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ وہ اپنے شاگردوں سے فرمایا کرتے تھے کہ حدیث کو بار بار دہراتے رہو اگر ایسا نہیں کرو گے تو تمہارا علم فرسودہ ہو کر مٹ جائیگا، چنانچہ ہر استاد اپنے شاگردوں کو احادیث کا دورہ کرنے کی تاکید کرتا اور حدیث کی تعلیم سے فارغ ہونے کے بعد بھی محدثین اپنی پڑھی ہوئی حدیثوں کو دوہرایا کرتے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ اگر کسی محدث کو سننے والے نہ ملتے تو وہ مکاتب حدیث میں جاتے اور چھوٹے بچوں کو جمع کر کے اپنی حدیثیں سناتے۔ ایسے لوگوں میں سے اسماعیل بن رجاء ؓ کا نام احادیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔

"تدریب الراوی" (ص ۱۸۰) میں اس قسم کا ذکر ملتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباس ؓ احادیث کا مذاکرہ کرتے رہنے کے فعل کو شب بیداری کی عبادت سے افضل قرار دیتے اور تاکید فرماتے "مُذَاکَرَۃُ الْعِلْمِ سَاعَۃً خَیْرٌ مِّنْ اِحْیَاءِ لَیْلَۃٍ" (یعنی ایک گھڑی علم کا مذاکرہ کرنا شب بیدار (ساری رات کی عبادت) سے زیادہ بہتر ہے) [2] ان حقائق سے معلوم ہوتا ہے کہ قرون اولیٰ میں علم نام ہی احادیث کی حفاظت اور روایت کرنے کا تھا بلکہ روایت میں اس طرح بھی آتا ہے کہ جب کوئی محدث بازار سے گزرتا تو ارد گرد کے علاقوں کے لوگ ان کے راستے میں جمع ہو جاتے اور ان کی تعظیم و توقیر میں اس قدر مبالغہ کرتے کہ سلاطین وقت محدثین کی اس قدر عزت افزائی دیکھ کر رشک کرتے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ محدثین کو عوام میں

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۲۷۰۰، جلد ۴، صفحہ ۲۰۷۴۔

[2] تدریب الراوی، جلد ۲، صفحہ ۱۵۲۔

وہ درجہ حاصل تھا کہ جو اس وقت کے سلاطین کو بھی میسر نہ تھا۔

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ لوگ اپنے بچوں کو حضرت ابو ہریرہ ؓ کے پاس بھیج دیتے۔ حضرت ابن سیرینؒ کو بھی بچپن کے زمانے سے ہی ان کے والد حضرت ابو ہریرہ ؓ کے پاس بھیج دیتے تھے۔[1] حضرت ابن عباس ؓ کے غلام عکرمہ ؓ اپنی تعلیمی سرگزشت لکھتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت ابن عباس ؓ میرے پاؤں میں بیڑیاں ڈال دیتے اور قرآن اور حدیث کی تعلیم دیتے۔

ترمذی میں ہے کہ حضرت اشقیاء اصحی ؓ مدینہ آئے تو دیکھا کہ ایک شخص کے گرد بھیڑ لگی ہوئی ہے۔ پوچھا یہ کون ہیں تو لوگوں نے کہا کہ ابو ہریرہ ؓ ہیں۔ اسی طرح حضرت جابر بن عبد اللہ ؓ کا درس حدیث مسجد نبوی ﷺ میں ہوتا تھا (احسن المحاضرہ)۔

حفاظت حدیث کے تین مرحلے ہیں

ا۔ سینہ نبوی ﷺ میں محفوظ کرنا

کچھ فقہاء کا یہ خیال ہے کہ احادیث کی حفاظت قرآن کی حفاظت کے ساتھ منسلک ہے اور سورۃ الحجر کی آیت نمبر ۹ اس کی تصدیق کرتی ہے۔

"اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ○" (الحجر: ۹)

(ہم نے ہی قرآن نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں)

اس آیت میں ذکر سے مراد اگرچہ قرآن مجید ہے لیکن قرآن میں الفاظ اور معانی کے مجموعے کا تصور موجود ہے کیونکہ الفاظ اور معانی ایک دوسرے سے اس طرح منسلک ہیں جس طرح روح جسم کے ساتھ وابستہ ہے۔ اس جگہ معانی سے مراد قرآن کی تفصیل اور تفسیر ہے، جس کو سنت نبوی ﷺ کہا جاتا ہے۔ اس اعتبار سے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ حدیث قرآن ہی کا بیان ہے۔ سورۃ القیامۃ کی درج ذیل آیات میں سنت رسول ﷺ کو قرآن کا کھلا بیان ہونے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے:

"اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ○○ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ○ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ○" (القیامۃ: ۱۷ تا ۱۹)

(ہمارے ذمہ ہے اس کو (سینہ مبارک میں) جمع کرنا اور اس کو پڑھانا پس جب ہم اسے پڑھیں آپ ﷺ اتباع کریں اس کے پڑھنے کا پھر ہمارے ذمے ہے اس کو کھول کر بیان کر دینا)

ضیاء القرآن میں مذکورہ بالا آیات کی تشریح میں لکھا ہے کہ منکرین حدیث کا یہ کہنا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اپنے مخصوص حالات اور معاشرتی تقاضوں کی روشنی میں جس طرح سمجھا ہے لوگوں کو بتا دیا

---

[1] طبقات ابن سعد، جلد ۷، صفحہ ۱۵۰۔

ہے اور اب چودہ صدیاں بیت چکنے کے بعد عصری تقاضے یکسر بدل گئے اور اس سائنسی دور میں اس تفسیر کی پابندی کسی قوم کی ترقی کے سامنے رکاوٹیں کھڑی کر دیتی ہے، یعنی اس وقت نعوذ باللہ بدلے ہوئے حالات کے مطابق قرآن کی تفصیل نئے رنگ میں پیش کرنا ضروری ہے۔ ان آیات پر غور کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ "ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَه" سے یہ مراد ہے کہ جو کلام حضور ﷺ پر نازل کیا گیا، اس کا یاد کرا دینا، اس کو آپ ﷺ کے سینہ پرنور میں جمع کر دینا ہمارا کام ہے اور اس کا بیان بھی ہمارے ذمہ ہے، یعنی قرآن کریم کے ارشادات کے مفہوم اور مدعا کو پوری طرح سمجھا دینا بھی ہمارے ذمہ ہے بلکہ ہم جو عالم الغیب والشہادۃ ہیں، ماضی، حال، مستقبل کے زمانوں اور ان کے ہر لحظہ بدلتے ہوئے تقاضوں کے خالق ہیں، ہم نے خود انہیں کھول کر آپ کو سکھا دیا ہے۔ جب قرآن اور قرآن کا بیان "مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ" ہیں دونوں کا اتباع ہر مومن پر لازم ہوگا تو کسی کو یہ اختیار نہیں کہ وہ ایک کتاب کو واجب العمل قرار دے اور دوسری کو ساقط العمل قرار دے۔ منکرین سنت نے "اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ" کی یہ تفصیل درج کی ہے کہ اس سے مراد تفسیر القرآن بالقرآن ہے، حالانکہ سنت کی روشنی کے بغیر، حج، نماز، زکوٰۃ وغیرہ کا صحیح علم ممکن نہیں۔ قرآن اور بیان القرآن کو "مُنَزَّلٌ مِّنَ اللّٰهِ" سمجھنے کے بغیر چارہ نہیں۔ بیان القرآن کو قرآن کے بغیر اور قرآن کو بیان القرآن کے بغیر سمجھنا ممکن نہیں ہے[۱]

۲۔ مذاکرات سے محفوظ کرنا

حفاظت حدیث کا دوسرا مصدر و ماخذ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی مذاکرے تھے۔ انہیں جب بھی کسی نئی حدیث کے بارے میں علم ہوتا وہ اسے بیان کر کے دوسروں تک پہنچاتے اور ایک دوسرے کو آگاہ کرتے رہتے تھے کہ انہوں نے آنحضرت ﷺ سے کیا سیکھا ہے۔ یہ طریقہ درحقیقت خود نبی کریم ﷺ کی چند خصوصی ہدایات کی تعمیل پر مبنی تھا۔ ان ارشادات میں سے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ "وَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ الْغَائِبَ" (وہ لوگ جو موجود ہیں (میری سنت) ان تک پہنچا دیں جو غیر حاضر ہیں) [۲]

۲۔ "بَلِّغُوْا عَنِّىْ وَلَوْ اٰيَةً"

(دوسروں تک میری باتیں پہنچاؤ خواہ وہ ایک جملہ ہی کیوں نہ ہو) [۳]

۳۔ "مَا اَفَادَ الْمُسْلِمُ اَخَاهُ فَائِدَةً اَحْسَنَ مِنْ حَدِيْثٍ حَسَنٍ بَلَغَهٗ فَبَلَّغَهٗ"

(کوئی مسلمان اپنے بھائی کو اس سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتا کہ خود کو حاصل ہونے والی ایک اچھی حدیث اسے پہنچا دے) [۴]

۴۔ "تَدَارُسُ الْعِلْمِ سَاعَةً مِّنَ اللَّيْلِ خَيْرٌ مِّنْ اِحْيَائِهَا"

---

[۱] تفسیر ضیاء القرآن، جلد ۵، صفحہ ۳۳۳۔

[۲] صحیح البخاری، حدیث ۱۰۵، جلد ۱، صفحہ ۵۱۔

[۳] صحیح بخاری، حدیث ۳۲۷۴، جلد ۳، صفحہ ۱۲۷۵۔

[۴] احیاء العلوم الدین، جلد ۱، صفحہ ۱۰۔

(رات کے وقت تدارس علم کا مختصر سا وقت بھی پوری رات کی عبادت سے بہتر ہے)[1]

۳۔ عمل کے ذریعے محفوظ کرنا

سنت کا علم محض کوئی نظریاتی علم نہیں تھا اور نہ ہی رسول اللہ ﷺ کی تعلیمات محض فلسفیانہ نوعیت کی تھیں بلکہ ان کا تعلق تو عملی زندگی سے تھا۔ آنحضرت ﷺ نے اپنی ذات اقدس کو محض نصائح اور مواعظ بیان کر دینے تک محدود نہیں رکھا تھا بلکہ اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کو عملاً تربیت دی تھی۔ صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین آنحضرت ﷺ کی سنت پر عمل کرنے کے اس قدر مشتاق تھے کہ انہوں نے آپ ﷺ کی ذاتی عادات اور پسند و ناپسند تک کو اپنا لینے کی بھرپور سعی کی ہے۔ حضور ﷺ کا عمل معاشرے کے رگ و ریشے میں خوشبو کی طرح بس چکا تھا اور زندگی کے ہر پہلو اور ہر معاملے میں اپنا وجود ثابت کر چکا تھا۔

۴۔ حفاظت حدیث بذریعہ کتابت

احادیث شریف کی حفاظت کا چوتھا راستہ کتابت حدیث تھا۔ اکثر صحابہ کرام ؓ ایسے ہیں، جنہوں نے آنحضرت ﷺ سے احادیث کی سماعت کے بعد انہیں تحریری طور پر محفوظ کر لیا تھا۔ کتابت حدیث پر ایک پورا باب اس کتاب میں لکھ دیا گیا ہے۔

احادیث پر جرح و تعدیل

کتابت و حفاظت حدیث پر چاروں صدیوں میں بہت کام ہوا، جس کی مختصر تفصیل پہلے بیان ہو چکی ہے۔ اس دوران کچھ مطلب پرست لوگوں اور منافقین نے اپنے پاس سے حدیثوں میں تحریف شروع کر دی جس سے ان کا مقصد اپنی شخصیت کو ابھارنا یا اسلام کو نقصان پہنچانا تھا، چنانچہ اس بات کو ضروری خیال کیا گیا کہ کسی منظم طریقہ پر اور قابل اعتماد چھان بین کے ذریعے احادیث کی جانچ پڑتال کی جائے، چنانچہ کسی حدیث کو قابل اعتماد ٹھہرانے سے پہلے ان احادیث کو بہت سے امتحانات میں سے گزارنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں ان علوم پر بہت سی کتب لکھی گئیں اور اس علم حدیث کو جرح و تعدیل کا نام دیا جانے لگا جس کا مختصر خاکہ نیچے دیا جا رہا ہے۔

(۱) ضروری تھا کہ احادیث کے راویوں کی چھان بین کی جائے۔ (۲) راویوں کی سند مسلسل اور متصل ہونے کی جانچ پڑتال کی جائے (۳) روایات کی سند اور متن کا متعلقہ دوسری روایتوں کے ساتھ موازنہ کیا جائے (۴) سند حدیث اور متن حدیث کا اسی موضوع پر دستیاب دوسرے مواد کی روشنی میں تجزیہ کرنا اور اس بات کا یقین کرنا کہ سند اور متن میں کوئی نقص تو نہیں اس حدیث کے مختلف راویوں کو جانچا جاتا ہے اور

---

[1] سنن الدارمی، حدیث ۶۱۴، جلد ۱، صفحہ ۱۵۷۔

روایت کے شواہد پر بھی غور کیا جاتا ہے، ان کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۔ راویوں کی چھان بین

کسی حدیث کے درست ہونے میں سے سب سے اولین جائزہ لینے کے قابل یہ بات ہے کہ راویوں کا قابل اعتبار ہونا ضروری ہے۔ یہ چھان بین دو مختلف زاویوں سے ہوتی ہے۔ اول تو اس راوی کی دیانت اور راست بازی کا یقین کیا جاتا ہے، دوسرا یہ جانچا جاتا ہے کہ اس کی قوت حافظہ کس معیار کی ہے؟

اس چھان بین کے لیے ایک علیحدہ سائنس تشکیل دی گئی ہے جس کا نام ''علم الرجال'' (افراد کا علم) ہے۔ اس علم کے ماہرین نے اپنی عمریں اسی بات کے لیے صرف کی ہیں کہ ہر ایسے فرد کی مکمل معلومات حاصل کی جائیں جس نے کسی حدیث کی روایت کی ہے۔ اس مقصد کے لیے وہ راوی کے گھر جایا کرتے اور اس کے ہمسایوں، شاگردوں اور احباب سے اس کی معلومات حاصل کرتے تا کہ کوئی عالم محض کسی راوی سے ذاتی تعلق کی بناء پر مرعوب نہ ہو سکے۔

۲۔ اتصال سند

یہ بات سب کے علم میں ہے کہ علم حدیث کی سائنس میں کوئی روایت اس وقت تک قبول نہیں کی جاتی جب تک نبی کریم ﷺ تک اس کی سند متصل پیش نہ کی جائے۔ اس سند اور سلسلے کا ہر راوی پہلے دیانت داری کے اس معیار پر پرکھا جاتا ہے جو اوپر ذکر کیا گیا، لیکن اگر کسی سند کے تمام راوی قابل اعتماد قرار پاتے ہوں تب بھی یہ ضروری نہیں کہ وہ حدیث مستند قرار دی جائے۔ یہ بھی اطمینان ہونا ضروری ہے کہ یہ سند مسلسل ہے اور اس کے درمیان کوئی راوی کم نہیں ہے۔ اگر یہ معلوم ہو جائے کہ کسی مرحلے کا کوئی راوی سند میں کم ہے اور کڑیاں باہم مربوط نہیں ہیں تو روایت غیر مستند قرار پاتی ہے۔ اتصال سند کو یقینی بنانے کے لیے ہر راوی کے بارے میں یہ تحقیق ضروری ہے کہ آیا تاریخی طور پر ایسا ممکن بھی ہے کہ وہ راوی اس شخص سے ملا ہو جس سے حدیث کی سماعت کا وہ دعویٰ کر رہا ہے۔

یہ چھان بین اور جانچ پڑتال بے شک بہت مشکل اور حساس نوعیت کی ہے، لیکن علم حدیث کے ماہرین نے اس مشکل ترین کام کو اس احسن اور درست طریقے سے انجام دیا ہے کہ انسان حیرت زدہ رہ جاتا ہے۔ ہر راوی کے بارے میں معلومات حاصل کرتے وقت ''محدثین کرام'' جہاں اس کی ذہانت اور قوت حافظہ پرکھتے ہیں، وہیں اس کے اساتذہ اور شاگردوں کے بارے میں بھی جائزہ لیا جاتا ہے، لہٰذا علم اسماء الرجال کی ہر کتاب میں راویوں کے شاگردوں اور اساتذہ کی فہرست بھی دستیاب ہوتی ہے، چنانچہ سند کے مسلسل ہونے کی دیکھ بھال کرتے وقت نہ صرف یہ کہ راوی کی تاریخ پیدائش اور تاریخ وفات دیکھی جاتی ہے

بلکہ اس کے اساتذہ اور شاگردوں کی فہرست کا بھی تنقیدی نقطہ نگاہ سے جائزہ لیا جاتا ہے۔ اسی پر بس نہیں بلکہ محدثین اکثر اوقات وقت کے اس دورانیے کا بھی تعین کرتے ہیں جس میں کسی راوی کے اپنے کسی مخصوص استاد سے ملنے کے امکانات تھے اور یہ کہ وہ حدیث کس زمانے میں سماعت کی گئی تھی۔ ان معلومات کی بنیاد پر کسی راوی کے قابل اعتماد ہونے کے بارے میں اہم نتائج اخذ کیے جاتے ہیں۔

مثال کے طور پر عبداللہ بن لہیعہ ﷫ مشہور مصری راویٔ حدیث ہیں۔ ان کے بارے میں یہ بات ثابت شدہ ہے کہ ان کی یادداشت کمزور ہوگئی تھی اور وہ عموماً اپنی تحریر شدہ احادیث میں سے روایت کیا کرتے تھے، چنانچہ بعض علماء نے یہ فیصلہ دیا ہے کہ ان کے اس حادثے سے قبل کی احادیث قابل اعتماد ہیں، جبکہ حادثے کے بعد کی مرویات قبول نہیں کی جاسکتیں۔ لہٰذا ان کے وہ شاگرد جنہوں نے حادثے سے قبل ان سے احادیث حاصل کی تھیں، قابل اعتماد قرار پائے اور ان کی روایات قابل قبول ہیں، جبکہ حادثے کے بعد کے شاگردوں پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ محدثین نے ان تمام شاگردوں کی فہرست کی چھان پھٹک کی ہے اور ان شاگردوں کے ناموں کی نشاندہی کردی ہے جو ابتدائی دور کے ہیں، مثال کے طور پر عبداللہ بن وہب وغیرہ اور اعلان کردیا ہے کہ ان کے علاوہ باقی تمام شاگرد دورِ آخر کے شاگرد سمجھے جائیں اور ان پر عبداللہ بن لہیعہ ﷫ کی روایات کے معاملے میں اعتماد نہ کیا جائے۔ خلاصہ یہ کہ چھان بین کی یہ دوسری قسم جو کہ جرح وتعدیل میں انتہائی اہم حیثیت کی مالک ہے، سند کے متصل ہونے اور سلسلے کے متواتر ہونے سے متعلق ہے۔

۳۔ دیگر روایات سے تقابل وموازنہ

حدیث کی جانچ پڑتال کے لیے تیسرا ٹیسٹ یہ ہے کہ اس کی متعلقہ روایت کا تقابل ان دوسری روایتوں سے کیا جائے جو ایک ہی استاد کے دوسرے شاگردوں نے روایت کی ہوں۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ بعض اوقات ایک ہی حدیث بہت سے راویوں سے مروی ہوتی ہیں۔ ایک ہی واقعہ یا قول سے متعلق ایسی تمام روایات اس حدیث کے ''طرق'' (راستے) کہلاتے ہیں۔ کسی حدیث کو پرکھتے وقت محدثین، اس حدیث کے تمام طرق کو مجموعی مطالعہ کرتے ہیں۔ اگر کسی روایت میں ایسا ہو کہ قابل اعتماد راویوں کی اکثریت حدیث کو ایک خاص طریقے پر روایت کررہی ہو لیکن ان میں سے ایک راوی اس طریقے سے روایت کررہا ہو کہ وہ مفہوماً دیگر احادیث سے مختلف ہو تو ایسی روایت کو ''شاذ'' (نادر الوقوع) کہا جاتا ہے۔ ایسی صورت میں راوی کے معتمد ہونے کے باوجود روایت کو ''صحیح'' حدیث کے طور پر قبول نہیں کیا جاتا اور اس کو اس وقت تک معتبر خیال نہیں کیا جاتا جب تک کسی داخلی یا خارجی بشارت کی بناء پر اس کی مزید تصدیق نہ ہو جائے۔

۴۔ حدیث کا عمومی تجزیہ

آخری اور بے حد اہم مرحلہ حدیث کے عمومی تجزیے کا ہوتا ہے، اس چھان بین میں اسی موضوع کے دیگر متعلقہ دستیاب شدہ مواد کی روشنی میں حدیث کی پرکھ ہوتی ہے۔ مختلف زاویوں سے حدیث کو جانچا جاتا ہے۔ آیا روایت کردہ واقعہ یا قول ممکن بھی ہے یا نہیں؟ کیا ثابت شدہ تاریخی واقعات حدیث پر منطبق ہوتے ہیں؟ کیا اس کے متن کا انتساب رسول اللہ ﷺ کی طرف کیا جا سکتا ہے؟ آیا ان کے راویوں کی سند اصل بھی ہے یا نہیں؟ وغیرہ وغیرہ۔

یہ ایک ایسا مشکل اور نازک تجزیہ ہوتا ہے جس میں کسی شخص کی کامیابی سے عہدہ برآ ہونے کے لیے متعلقہ تمام علوم پر مکمل دسترس، حدیث کا جامع علم اور علم حدیث کے جرح و تعدیل کے فن کی انتہائی مہارت درکار ہے۔

اگر اس تمام چھان بین کے بعد کسی ماہر حدیث کو حدیث کے معتبر ہونے میں کوئی قوی شک ہو جائے تو وہ نشان دہی کر دیتا ہے کہ سند حدیث یا متن حدیث میں فلاں ''نقص'' (علت) پایا جاتا ہے اور اس نوعیت کی علت یا نقص کی حامل کسی حدیث کو ''صحیح'' قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۵۔ علم اسماء الرجال

اس علم میں راویوں کے نام، حالات، پیدائش، وفات، اساتذہ، تلامذہ، لقب، حسب، سوانح عمری، قوم، وطن، جائے ولادت، جائے وفات، علم و فضل، دیانت و تقویٰ، ریاضت و عبادت پر غور طلب نکات بیان کیے جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ راویوں کی قوت حافظہ، ذکاوت، صحت اور مرض وغیرہ کو بھی شامل کیا جاتا ہے۔ حضرت عبداللہ، امام ابن کثیرؒ کے زہد و تقویٰ کی تعریف کیا کرتے تھے اور ساتھ ہی یہ بھی کہا کرتے تھے کہ ان سے حدیث روایت نہ کی جائے۔

اس فن میں راویان حدیث کی عظمت اور شان کے باوجود ان پر تنقید بھی کی جاتی ہے۔ کچھ ایسے اصول و قواعد و ضوابط اور صداقت کے معیار قائم کیے گئے ہیں جس کی مثال دنیا میں نہیں ملتی۔ مشہور محقق ڈاکٹر اسپنگر (Dr Spinger) نے ابن حجر عسقلانیؒ کی تصنیف ''اصابہ'' مطبوعہ کلکتہ ۱۹۵۳ء پر حاشیہ آرائی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ:

''کوئی قوم دنیا میں ایسی نہیں گزری اور نہ آج تک موجود ہے جس نے مسلمانوں کی طرح ''اسماء الرجال'' کا سا عظیم الشان فن ایجاد کیا ہو جس کی بدولت آج ہمیں پانچ لاکھ شخصیتوں کا حال گھر بیٹھے ہی مل سکتا ہے''۔

ڈاکٹر اسپنگر کے مذکورہ بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ انگریزوں نے انسائیکلوپیڈیا کا تصور مسلمانوں

کے اسی فن سے اخذ کیا ہے۔

اسماء الرجال کی چند مثالیں

مثالیں (۱) امام عبداللہ حاکمؒ کے سامنے ایک شخص نے حدیث بیان کی۔ آپ نے پوچھا تم نے یہ کس سے سنی، اس نے کہا عبد بن حمید سے فلاں سن میں سنی۔ امام نے اپنے شاگردوں سے کہا ان کی طرف دیکھو ان سے یہ حدیث عبد بن حمید نے اپنے مرنے کے سات سال بعد بیان کی۔

۲۔ خلیفہ کے دربار میں ایک دستاویز یہودیوں نے پیش کی جو رسول کریم ﷺ کی لکھائی ہوئی تھی۔ اس میں لکھا ہوا تھا کہ یہود خیبر کو جزیہ اور بیگار معاف ہے۔ یہ تحریر دکھا کر انہوں نے جزیہ کی معافی کا مطالبہ کیا اور حکومت کو بجز تسلیم کرنے کے کوئی چارہ نظر نہیں آیا۔ جب یہ دستاویز محدثین کے سامنے پیش ہوئی تو انہوں نے بتایا کہ یہ جعلی ہے اور مندرجہ ذیل وجوہات بیان کیں:

(۱) یہ کہ اس پر حضرت سعد بن معاذ ؓ کی گواہی ہے اور سعد بن معاذ ؓ غزوہ خندق کے بعد شہادت پا گئے تھے۔ غزوہ خیبر سے بہت پہلے، پھر اس پر ان کی شہادت کیسی؟

(۲) یہ کہ دستاویز پر کاتب کا نام معاویہ بن ابی سفیان ؓ ہے اور معاویہ ؓ اس وقت تک اسلام نہیں لائے تھے۔

(۳) یہ کہ اس وقت تک جزیہ کا حکم نازل ہی نہیں ہوا تھا، پھر اس جزیہ کے معاف ہونے کا ذکر کیسا؟

(۴) رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں بیگار کا رواج ہی نہیں تھا۔

(۵) جزیہ ان کو معاف ہوتا جو اسلام کے دوست ہوتے ہیں۔ خیبر والے اسلام کے سخت دشمن تھے، ان کو جزیہ کیوں معاف ہوتا اور بعد میں یہ دوست ہو گئے ہوتے تو یہ خارج البلاد کیوں کیے جاتے۔ روایت کی اس طرح تحقیق اور تنقید بغیر اسماء الرجال کے ممکن نہیں تھی۔

اس فن کی بنیاد قرآن کریم نے رکھی اور فرمایا کہ فاسقوں کی بات کی تحقیق کر لیا کرو۔

"یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْٓا" (الحجرات:٦)

(اے ایمان والو اگر لے آئے کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر تو اس کی خوب تحقیق کر لیا کرو)

اس فن میں سب سے پہلی تصنیف شیخ یحییٰ بن سعید القطانؒ المتوفی ۱۹۸ھ نے کی اور "طبقات" لکھی۔ بعد میں امام حنبلؒ (متوفی ۲۲۸ھ) اور علی بن المدینیؒ (المتوفی ۲۳۴ھ) نے فن جرح اور تعدیل میں حصہ لیا۔ اس کے بعد اوروں نے بھی کام کیا لیکن ابن عدیؒ (متوفی ۲۶۵ھ) کی "کامل ابن عدیؒ" نے بہت بلند مقام پایا ہے۔ علاوہ ازیں "تاریخ نیشاپور" مصنفہ حافظ ابونعیم اصفہانیؒ (م ۴۳۰ھ) اور خطیب کی "تاریخ

البغداد" قابل ذکر ہیں۔ احادیث کی چھان بین میں بڑے سے بڑے امام کے ساتھ رعایت نہیں کی گئی۔ آئمہ پر جرح کا مقصد توہین نہ تھا بلکہ احادیث کی صحت کو پرکھنے کے لیے یہ سب کچھ کیا گیا۔ امام شعبیؒ نے ایک شخص کی حدیث کو اس لیے ضعیف کہا کہ اس کو انہوں نے خچر دوڑاتے دیکھا تھا۔ یہ امر ان کے نزدیک معیوب تھا۔ ضعیف حافظہ حسد وعداوت والوں کی حدیثیں بھی قبول نہ کی گئیں، اسی طرح وہم، بیان کی غلطیاں، غلط فہمی کا شائبہ ہونا، سہواً کوئی خطا ہوگئی ہو (ناموں میں) راوی گناہ کبیر کرتا ہو، یا بدعتی ہو، حدیثیں بنانے والا ہو، عجیب عجیب قصے یا روایات بیان کرنے والے کی روایت بھی مردود ہے۔

اس فن میں راویوں کے درجے بیان کیے گئے۔ حدیث گھڑنے والوں کے ناموں کی فہرست تیار کی گئی اور جن لوگوں نے اعتراف کیا، ان کی احادیث رد کردی گئی۔

۳۔ خلیفہ ہارون رشید (م ۱۹۲ھ) کے حضور ایک شخص پیش کیا گیا کہ یہ حدیثیں وضع کرتا ہے۔ خلیفہ نے اس کے قتل کا حکم دیا۔ اس نے کہا کہ امیر المومنین مجھے آپ قتل کرا دینگے مگر ان حدیثوں کا آپ کیا کریں گے جو میں نے مشہور کردی ہیں۔ خلیفہ نے کہا تو عبداللہ بن مبارکؒ اور ابو اسحٰق فزاریؒ کو بھی جانتا ہے۔ وہ موضوعات کا ایک ایک حرف نکال کر پھینک دینگے۔

۴۔ (طبری کی جلد نہم میں لکھا ہے) کہ ابن ابی العوجاء عبدالکریم بہ ظاہر اً ایک متقی شخص تھا اور بہت دولت مند تھا، گورنر کوفہ محمد بن سلیمان ابن علیؒ کو معلوم ہوا کہ وہ حدیثیں وضع کرتا ہے تو اس نے عبدالکریم کو گرفتار کرلیا اور قتل کا حکم دیا، اس کی ظاہری پرہیزگاری اور دولت کی وجہ سے بہت سفارشیں آئیں۔ گورنر کو لاکھوں کی رشوت پیش کی گئی مگر اس نے سب کو رد کردیا۔ آخر خلیفہ سے ساز باز کر کے لوگوں نے حکم امتناعی جاری کروایا مگر گورنر نے پرواہ نہ کی اور اس کو قتل کروادیا۔ بوقت قتل اس نے اقرار کیا کہ اس نے ۴۰۰۰ احادیث وضع کی ہیں۔

۵۔ کچھ علماء ایسے بھی تھے کہ سلاطین وقت کی بھی پرواہ نہ کرتے تھے، خلیفہ ہشام بن عبدالمالک نے سلیمان بن بسار کے سامنے یہ آیت پڑھی:

"وَالَّذِیْ تَوَلّٰی کِبْرَهٗ مِنْهُمْ لَهٗ عَذَابٌ عَظِیْمٌ O" (النور:۱۱)

(جس نے اس الزام (یعنی افک میں پڑا) بڑا حصہ لیا اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔)

خلیفہ نے پوچھا اس سے کون مراد ہے؟ انہوں نے کہا عبداللہ بن ابی، خلیفہ نے کہا جھوٹ کہتے ہو۔ اس سے مراد حضرت علی ؓ ہیں (نعوذ باللہ) پھر امام زہریؒ آئے ان سے بھی یہی پوچھا، انہوں نے بھی یہی جواب دیا۔ خلیفہ نے کہا تم جھوٹ کہتے ہو۔ امام نے اس پر خلیفہ کو سخت جواب دیا۔ اس پر خلیفہ نے ہنس کر کہا ہم

نے اس بڈھے کو غصہ دیا (تہذیب التہذیب) ظالم گورنر حجاج بن یوسف نے کہا امام حسین ؓ رسول کریم ﷺ کی ذریت میں شامل نہ تھے۔ یحیٰ بن معمرؒ محدث نے کہا اے امیر تو جھوٹ کہتا ہے۔ حجاج نے کہا قرآن سے ثابت کرو ورنہ قتل کر دوں گا۔

انہوں نے یہ آیت پڑھی۔

”وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ط وَكَذٰلِكَ نَجْزِى الْمُحْسِنِيْنَ ○ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ط (الانعام: ۸۴، ۸۵)

اور ہم نے ان (ابراہیم ؑ) کو اسحاق اور یعقوب (بیٹا اور پوتا علیہما السلام) عطا کیے، ہم نے (ان) سب کو ہدایت سے نوازا اور ہم نے (ان سے) پہلے نوح (ؑ) کو (بھی) ہدایت سے نوازا تھا اور ان کی اولاد میں سے داؤد اور سلیمان اور ایوب اور یوسف اور موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام کو بھی ہدایت عطا فرمائی تھی)، اور ہم اسی طرح نیکو کاروں کو جزا دیا کرتے ہیں ○ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (علیہم السلام کو بھی ہدایت بخشی)۔

ارشاد الٰہی کے مطابق حضرت عیسیٰ ؑ ماں کے ذریعے سے نسل ابراہیم ؑ میں شامل ہیں اور اسی طرح ماں کے ذریعے حضرت حسین ؓ نسل رسول ﷺ میں شامل ہیں۔ حجاج شرمندہ ہوا اور کہا یہ سچ ہے مگر تم نے مجھے دربار کے سامنے جھٹلایا۔ یہ جرم قائم کر کے ان کو خراسان کی طرف جلاوطن کر دیا۔ اس طرح محدثین نے شاہی انعامات اور اعزازات رد کر دیئے تاکہ علم حدیث میں اثر انداز نہ ہوں۔

علم اسماء الرجال پر سینکڑوں کتابیں تحریر کی گئی ہیں جن میں سے چند ایک درج ذیل ہیں:

۱۔ تہذیب التہذیب، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

۲۔ لسان المیزان، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

۳۔ تعجیل المنفعہ ، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ

یہ تینوں کتابیں حافظ ابن حجر عسقلانی کی تصنیف شدہ ہیں جس سے یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صرف انہوں نے سترہ ہزار سے زائد راویان حدیث کا تعارف پیش کیا ہے اور یہ تنہا ایک عالم کی کاوش ہے، اس موضوع پر بے شمار دیگر حضرات کی کتب بھی دستیاب ہیں۔ درج ذیل جدول سے راویان حدیث کی اس بڑی تعداد کا اندازہ ہو سکے گا جو علم اسماء الرجال کی مشہور و معروف چند کتب میں (جن کے حوالے اکثر دیئے جاتے ہیں) مذکور ہیں۔

نام کتب	مصنف	ضخامت	راویوں کی تعداد
۱۔ التاریخ الکبیر	امام بخاریؒ	۹ جلدیں	۱۳۷۸۱
۲۔ الجرح والتعدیل	ابن ابی حاتمؒ	۹ جلدیں	۱۸۰۵۰
۳۔ تہذیب التہذیب	حافظ ابن حجرؒ	۱۲ جلدیں	۱۲۴۵۵
۴۔ میزان الاعتدال	ذہبیؒ	۴ جلدیں	۱۱۰۵۵
۵۔ لسان المیزان	ابن حجرؒ	۷ جلدیں	۵۹۹۱
۶۔ الثقات	عجلیؒ	۱ جلد	۲۱۱۶
۷۔ المغنی فی الضعفاء	ذہبیؒ	۲ جلدیں	۷۸۵۴

اس جدول کی آخری کتاب محض ان رایوں کے حالات پر مشتمل ہے جنہیں ضعیف قرار دیا گیا ہے۔ اسی طرح ابن ابی حاتمؒ، دارقطنی کی تصنیفات بھی موجود ہیں۔ اس کے برعکس ایسی کتب بھی لکھی گئیں جن میں محض معتمد راویوں کے حالات یکجا کیے گئے۔ ابن حبانؒ کی گیارہ جلدوں پر مشتمل (الثقات) اس کی ایک مثال ہے۔ بہرکیف اگر کوئی راوی غیر دیانت دار کمزور یادداشت کا مالک یا گمنام ٹھہرتا ہے تو اس کی روایات ناقابل اعتماد قرار پاتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ روایات کی ایک کثیر تعداد محض اسی بنیاد پر رد کر دی گئی ہے۔

احادیث کی تکمیل، ترتیب اور حفاظت کے علوم

حفاظت حدیث کے لیے محدثین کرام نے ۹۰ سے زیادہ علوم کی بنیاد رکھی جن پر اب تک ہزاروں کتابیں لکھی جا چکی ہیں۔ مندرجہ ذیل چند علوم کا ذکر کیا جانا قارئین کرام کی دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

(۱) علم اسماء الرجال اس علم کا تفصیلی تذکرہ پہلے گزر چکا ہے۔

(۲) علم مصطلح الحدیث واصول حدیث اس علم کی روشنی میں حدیث کی صحت وضعف کے قواعد وضوابط معلوم ہوتے ہیں۔

(۳) علم الدرایہ اس علم میں نفس حدیث کی جانچ ہوتی ہے۔

(۴) علم غریب الحدیث اس علم میں احادیث کے مشکل الفاظ کی لغوی تحقیق کی گئی ہے۔

(۵) علم تخریج الاحادیث اس علم کے ذریعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشہور کتب تفسیر، فقہ، تصوف اور عقائد میں جو روایات درج ہیں، ان کا اصل ماخذ کیا ہے۔

(۶) **علم طبقات الحدیث** اس علم کے ذریعے معلوم ہوتا ہے کہ حدیث کس درجہ کی ہے، اور اس کے راوی کس طبقہ کے ہیں۔

(۷) **علم الاحادیث الموضوعۃ** اس فن میں اہل علم نے مستقل کتابیں تصنیف کی ہیں، موضوع و من گھڑت روایات کو الگ چھانٹ دیا ہے۔

(۸) **علم الناسخ والمنسوخ** اس میں یہ بحث ہوتی ہے کہ کون سی حدیث ناسخ ہے اور کون سی منسوخ اور کیوں منسوخ ہے۔

(۹) **علم التوفیق بین الاحادیث** اس علم میں ظاہراً جن روایات میں تعارض اور ٹکراؤ معلوم ہوتا ہے، ان کی صحیح توجیہہ بیان کی گئی ہے۔

(۱۰) **علم اطراف الحدیث** اس علم کے ذریعہ معلوم ہو سکتا ہے کہ فلاں روایت کس کتاب میں ہے اور اس کے راوی کون کون سے ہیں؟ اس میں تمام روایات کا حوالہ مل جاتا ہے۔

(۱۱) **فقۃ الحدیث** اس علم میں احکام پر مشتمل احادیث کے اسرار اور حکمتیں بے نقاب کی گئی ہیں۔

(۱۲) **علم النظر فی الاسناد** اس علم میں حدیث کی سند پر بحث کی جاتی ہے۔

(۱۳) **علم کیفیۃ الروایہ** اس میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ راوی نے حدیث کو کس طرح روایت کیا اور اس کے درجات کیا ہیں۔

(۱۴) **علم الفاظ الحدیث** یہ دیکھا جاتا ہے کہ محدثین کی اصطلاحیں کیا ہیں اور جن الفاظ میں حدیث مروی ہے وہ الفاظ رسول ﷺ کے ہو سکتے ہیں یا کہ نہیں؟

(۱۵) **علم المؤتلف والمختلف** بعض صورتوں میں ایک ہی واقعہ ہوتا ہے مگر وہ دو شخصوں کے متعلق دو مختلف احکام ہوتے ہیں یا دو واقعات ہوتے ہیں مگر دونوں کے لیے ایک ہی طرح کی روایت ہوتی ہے۔ اس فن میں اس کی بحث ہوتی ہے۔

(۱۶) **علم طرق الاحادیث** بعض حدیثیں کئی کئی طریق سے مروی ہیں اور معنوی مناسبت کے اعتبار سے مصنفین ان کے ٹکڑے مختلف فصلوں میں لاتے ہیں، اس طرح کی حدیثیں صحیح بخاری میں بہت ہیں۔

(۱۷) **علم علل حدیث** یہ علم بہت غامض اور ادق ہے، اس میں وفیات، موالید، مساکن القاب واسماء ولقائے رواۃ پر عبور حاصل کرنے کے علاوہ ہر راوی کے الفاظ حدیث اور حدیثوں کا احاطہ ضروری ہے۔ حدیث کی تعلیل میں کم از کم تین مجموعی قوتوں کا کمال درکار ہے، حفظ، فہم اور معرفت۔

(۱۸) **علم تصحیف اسماء** ہم شکل ناموں کی تشریح کا علم

(۱۹) **علم الوحدان** قلیل الحدیث راویوں کا بیان

(۲۰) **علم اسباب** جس میں حدیث کا سبب بیان کیا گیا ہو، غرض کہ جس قدر علوم، علم حدیث کی خدمت کے لیے ایجاد ہوئے، ان کا شمار سو سے زیادہ ہے اور ہر علم پر علماء کی متعدد تصانیف ہیں۔ احادیث کی مذکورہ بالا جرح وتعدیلی کے مطالعہ سے معلوم ہوگا کہ علمائے اسلام نے احادیث کی کس طرح چھان بین کی ہے اور اگر اس کے باوجود منکرین حدیث مروجہ احادیث کی افادیت سے منکر رہیں تو یہ ان کی ہٹ دھرمی کے سوا اور کچھ نہیں۔

اکیسواں باب

تدوین، کتابت اور حفاظت حدیث ایک نظر میں

جو کچھ تدوین حدیث، کتابت حدیث اور حفاظت حدیث کے ابواب میں تفصیلاً بیان ہو چکا ہے، اس کا اجمالی خاکہ (خلاصے کے طور پر) اس باب میں سپرد قلم کیا جا رہا ہے تاکہ قارئین کرام اور خصوصاً وہ لوگ جو زیادہ تفصیل سے مطالعہ نہیں کرنا چاہتے۔ ایک سرسری نظر میں تیسری صدی تک کے اقدامات جو تحفظ حدیث کے سلسلے میں اٹھائے جا چکے ہیں آسانی سے مطالعہ کر سکیں۔ نیچے دیئے گئے بیان اور مختصر خلاصے سے ان لوگوں کی پریشانی دور ہو سکتی ہے جو یہ سمجھتے ہیں کہ احادیث کی باقاعدہ کتابت تو ۲۵۰ھ کے بعد ہوئی۔ یہاں ان لوگوں کے صحائف اور مجموعۂ احادیث کی تفصیل ہر صدی کے اعتبار سے (ان کے ناموں کے ساتھ ساتھ) شامل کر دی گئی ہے تاکہ یہ معلوم ہو سکے کہ حقیقتاً کتابت حدیث کا اہتمام حضور ﷺ کے زمانے سے ہی شروع کر دیا گیا تھا، جسے بعد میں آنے والے تابعین، تبع تابعین اور چند دیگر محدثین کبار نے پایہ تکمیل تک پہنچایا۔

عہد رسالت میں تدوین حدیث کا خلاصہ

کتابت حدیث اور تدوین حدیث میں ان بہت سے صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے نام شامل کیے جا چکے ہیں جو شروع سے ہی حضور ﷺ کی گفتگو کو لکھ لیا کرتے تھے۔ چند صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تدوین حدیث کے متعلق مستند واقعات بطور خلاصہ نیچے درج کئے جا رہے ہیں، جس سے واضح ہو جاتا ہے کہ منکرین حدیث کا یہ کہنا کہ احادیث کا کام ۲۵۰ ہجری کے بعد شروع ہوا، سراسر غلط ہے۔ اب آپ ملاحظہ فرمائیں کہ حدیثوں کو نقل کرنے کا کام بہت پہلے شروع ہو گیا تھا اور حقیقت یہ ہے کہ ۲۵۰ ہجری تک کتابت حدیث کا بیشتر کام مکمل ہو چکا تھا۔

الف۔ دور رسالت مآب ﷺ میں لکھی گئی احادیث

۱۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کی روایت ہے کہ میں رسول اللہ ﷺ کی ہر بات کو

لکھ لیتا تھا اور بعض لوگوں نے مجھے منع کیا اور کہا کہ حضور ﷺ سے سن کر ہر بات لکھ لیتے ہو، حالانکہ حضور ﷺ بھی ایک بشر ہیں۔ آپ ﷺ کبھی خوش ہوتے ہیں کبھی ناراض۔ یہ سن کر میں (عبداللہ بن عمروؓ) نے لکھنا چھوڑ دیا اور جب آپ ﷺ سے اس بابت ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "لکھا کرو۔ قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے سوا کچھ اور نہیں نکلتا "[1]

۲۔ حضرت عمرو بن اُمیہؓ کے بارے میں فتح الباری میں ابن حجر عسقلانیؒ نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمرو بن امیہؓ خود لکھتے ہیں کہ ابوہریرہؓ کے سامنے ایک حدیث مبارکہ پر گفتگو ہوئی تو وہ میرا ہاتھ پکڑ کر اپنے گھر لے گئے اور ہمیں احادیث کی کتابیں دکھائیں اور کہا کہ وہ حدیث میرے پاس لکھی ہوئی ہے، چنانچہ ان کے پاس احادیث کتب اور صحائف کی شکل میں محفوظ تھیں۔ ابن حجر عسقلانیؒ نے لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ حدیث کسی سے لکھوا لیتے ہونگے، یا حضور پرنور ﷺ کے بعد یہ مجموعہ تیار کیا ہوگا۔ ان مستند حوالوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاصؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت انسؓ اور حضرت عبداللہؓ بن عمرؓ سے احادیث کا جمع کرنا ثابت ہے۔ (اس کا تفصیلی ذکر دوسرے مقام پر گزر چکا ہے)

۳۔ حضرت ابوشاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ امام بخاریؒ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے جب مکہ میں خطبہ دیا تو ابوشاہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آکر عرض کی "اُکْتُبْ لِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْکَ وَسَلَّمَ" تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا "اُکْتُبُوْا لِاَبِیْ شَاہٍ" (ابو کے لیے لکھو) چنانچہ یہ خطبہ لکھ کر انہیں دے دیا گیا۔[2]

(ب) خلفائے راشدین اور جمع حدیث کا تحریری ذخیرہ

مندرجہ ذیل حوالے ظاہر کرتے ہیں کہ جمع حدیث سے کسی دور میں غفلت نہیں برتی گئی۔

۱۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پانچ سو (۵۰۰) احادیث کا مجموعہ تھا اور آپ خلیفہ اول تھے۔

۲۔ حضرت ابن عباسؓ نے حضور ﷺ کے غلام ابورافع رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے دریافت کر کے آپ ﷺ کی زندگی کے حالات لکھے (ابن سعد)

۳۔ حضرت علیؓ کے فتاویٰ کو ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے لکھا تھا۔

۴۔ حضرت عمرؓ کی یادداشتیں اور ان کے فیصلے آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے پوتے سالم بن عبداللہ بن عمرؓ سے حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے منگوائے (میور)۔

۵۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ نے حضرت عمرؓ کے فیصلے اور خطوط جمع کیے تھے۔

---

[1] فتح الباری، ابن حجر عسقلانی، متوفی ۸۵۲، جلد ۱، صفحہ ۲۰۷، دار المعرفہ، بیروت [2] بخاری، حدیث ۶۲۸۶، جلد ۶، صفحہ ۲۵۲۲۔

۶۔ حضرت عبداللہ ؓ بن عباس ؓ نے ایک مجموعہ مرتب کیا تھا۔

۷۔ امام حسن ؓ نے احادیث جمع کی تھیں۔

۸۔ حضرت ابی بن کعب ؓ نے بطور تفسیر ایک مجموعہ تیار کیا جس سے امام جریر طبریؒ اور حاکمؒ نے مستدرک میں کثرت سے اخذ کیا ہے اور حضرت امام احمد بن حنبلؒ نے بھی اس میں سے لیا ہے۔

۹۔ حضرت سمرۃ بن جندب ؓ نے اپنے بیٹوں کو خطوط میں احادیث لکھ کر بھیجیں۔

۱۰۔ ابن الخطاب عرف خیاط ؓ نے بیان کیا ہے کہ میں نے واثلہ بن اسقع ؓ صحابی کو دیکھا کہ لوگوں کو حدیث لکھ کر دے رہے تھے۔

۱۱۔ حضرت زید بن ثابت ؓ نے کتاب الفرائض مرتب کی۔

(ج) خلافت راشدہ کے بعد ۱۰۰ ہجری تک تدوین حدیث

خلفائے راشدین کے بعد حضرت امیر معاویہ ؓ نے حدیثوں کی صحت اور تحریر پر کچھ توجہ دی، ان کے بعد آنے والوں کو نشہ حکومت وعشرت کی وجہ سے امور دین سے دلچسپی نہ تھی، اسی وجہ سے درس وتالیف حدیث کا تمام بوجھ علماء امت نے اٹھایا، جوں جوں زمانہ گزرتا گیا، صحابہ کرام کم ہوتے چلے گئے، مگر تابعین میں ایسے فضلاء پیدا ہوگئے تھے جن سے صحابہ ؓ بھی مسائل دریافت کرتے تھے۔

۱۔ مرویات ابن عباس ؓ کے کئی مجموعے مرتب ہوئے۔

۲۔ امیر معاویہ ؓ نے مغیرہ بن شعبہ ؓ سے نماز کے بعد کی مسنون دعائیں لکھوائیں۔

۳۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ کا ذخیرہ ابو بردہ ؓ نے مرتب کیا۔

۴۔ سعید بن جبیرؒ تابعی نے تفسیر لکھی جو عطا بن دینار کے نام سے مشہور ہوئی۔

۵۔ مجموعہ ہمام ابن منبہ ؓ (شاگرد حضرت ابو ہریرہ ؓ) جس کے حوالے سے مسلمؒ اور دیگر محدثین نے روایتیں لکھیں ہیں۔

۶۔ ہمام ابن منبہ کی بداء الخلق سے متعلق تصنیف جس کا نام "کتاب المبداء" تھا ۸۰۰ھ تک موجود تھی۔

۷۔ بشیر بن نہیک ؓ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے سن کر لکھ لیتے اور ان کو دکھا دیتے۔

۸۔ مروان بن حکم ؓ نے زید بن ثابت ؓ کی احادیث لکھوائیں۔

۹۔ وھب تابعیؒ نے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کی مرویات لکھیں۔

۱۰۔ نافع تابعیؒ حضرت ابن عمر ؓ کے سامنے حدیثیں لکھتے تھے۔

۱۱۔ سلیمان بن قیسؒ نے حضرت جابرؓ کی روایات لکھیں۔

۱۲۔ ابانؒ نے حضرت انسؓ کی روایات لکھیں۔

۱۳۔ ابو بردہ عامرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ کی روایات جمع کیں۔ عروہ بن زبیرؓ نے آنحضرت ﷺ کے حالات میں دو کتابیں لکھیں۔ براء بن عازبؓ صحابی کی روایات لکھی جاتی تھیں۔

۱۴۔ خلیفہ عمر بن عبد العزیزؒ نے قاضی ابو بکر بن محمد بن عمر بن حزمؒ اور دیگر آئمہ کو حدیثیں جمع کرنے کا حکم دیا۔

۱۵۔ علی بن طلحہ ہاشمیؓ (شاگرد ابن عباسؓ) مجاہد تابعیؒ کی تفسیر، امام حسنؓ کی تفاسیر، عطاء بن ابی رباحؒ محمد بن کعب القرضیؒ، سعید بن دینارؒ، موسیٰ بن عقبہؓ ابن جریجؒ اور امام اعظمؒ کی تصانیف، معمر بن راشدؒ، ابن ابی ذہبؓ، امام سفیان ثوریؓ، (حدیثوں کے امیر المؤمنین) حماد بن سلمہؒ، سعد بن ابراہیمؓ، ہشام بن عمروؓ، محمد بن اسحاقؓ اور امام زفرؓ کی تصانیف کے علاوہ اور بہت سی تصانیف لکھی گئیں جو ۱۷۰ھ سے پہلے کی تصانیف ہیں۔

د۔ تابعینؒ کا شوق حدیث

تابعینؒ کو حدیث کا اس قدر شوق تھا کہ ابو سعید خدریؓ جب حدیثیں بیان کرتے تو لوگوں کی دیوار سامنے کھڑی ہو جاتی۔ ایک صحابیؓ تو ہجوم کی وجہ سے چھت پر کھڑے ہو کر حدیث بیان کرتے تھے۔

ابو درداءؓ، صحابی اور ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے پاس لوگ دور دراز سے صرف حدیث کے لیے آتے تھے اور کوفہ میں امام المحدثین سیدنا حضرت ابو ہریرہؓ کے آٹھ سو (۸۰۰) شاگرد تھے اور کوفہ میں ہزاروں صحابہ کرامؓ رہتے تھے۔

لوگ ایک حدیث کے لیے ہزاروں میل کا سفر کرتے اور ایک ایک حدیث کی تصحیح کرتے۔ امام زہریؒ بہت امیر تھے۔ آپ نے اپنا اکثر و بیشتر مال تلاش حدیث میں صرف کر دیا اور آخر کار گھر کا شہتیر بھی بیچنا پڑا۔ ابن مبارکؒ اور شیخ یحییٰ بن معینؒ نے لاکھوں درہم اور ابن رستمؒ نے ۳۰ لاکھ، عبد اللہؒ نے ۷۰ لاکھ اور علامہ ذہبیؒ نے ۱۵ لاکھ دینار خرچ کیے۔

ہ۔ حضرت ابو حنیفہؒ اور ان کے شاگردوں کی خدمت حدیث

احادیث امام ابو حنیفہؒ امام ابو حنیفہؒ سنہ ۸۰ھ میں پیدا ہوئے اور تابعین میں سے ہیں۔ انہوں نے

حضرت انس ؓ اور عبد اللہ بن ابی اوفی ؓ (متوفی ۹۵ھ یا سنہ ۸۷ھ) سے ملاقات کی تھی۔ ابن سعد نے طبقات میں کئی صحابہ کرام ؓ کی وفات امام صاحبؒ کے بعد ثابت کی ہے جو احادیث روایت کرتے ہیں۔ امام ابو یوسفؒ نے امام ابو حنیفہؒ سے اور علامہ جلال الدین سیوطیؒ نے اپنے رسالہ تبیض الصحیفۃ میں یہ حدیثیں بروایت امام اعظمؒ نقل کی ہیں کہ انہوں نے حضرت انس ؓ سے اور انہوں نے حضور ﷺ سے سنا ہے کہ:

۱۔ "طَلَبُ الْعِلْمِ فَرِیْضَۃٌ عَلٰی کُلِّ مُسْلِمٍ وَّ مُسْلِمَۃٍ"

(علم کا طلب کرنا ہر مسلمان (مرد و زن) پر فرض ہے)[1]

۲۔ "اَلدَّالُ عَلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ"

(اور بھلائی کی طرف بلانے والا اس بھلائی کرنے والے کی طرح ہے)[2]

۳۔ "اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اِغَاثَۃَ اللَّھْفَانِ"

(بے شک اللہ تعالیٰ پریشان حال کی مدد کو پسند کرتا ہے)[3]

مذکورہ محدثین کے علاوہ حضرت امام ابو حنیفہ ؓ سے روایت کرنے والے چند مزید محدثین کے نام نیچے دیے جا رہے ہیں۔

۱۔ **یحییٰ بن قاسمؒ** امام ابو حنیفہؒ اور وہ عبد اللہ بن ابی اوفی ؓ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور ﷺ سے سنا کہ:

"جس نے اللہ کی خاطر سنگِ خارا کے گڑھے جتنی بھی مسجد بنائی اللہ تعالیٰ اس کا جنت میں گھر بنائے گا"۔[4] امام صاحب کے شاگردوں نے کہا کہ امام صاحبؒ نے صحابہ ؓ کی ایک جماعت سے ملاقات کی ہے اور ان سے سماع حدیث بھی کیا ہے۔

۲۔ **ملا علی قاریؒ** امام محمد بن سماعؒ کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ امام صاحبؒ نے اپنی تصانیف میں ستر ہزار سے زائد احادیث بیان کی ہیں اور چالیس ہزار میں سے کتاب الآثار کا انتخاب کیا ہے اور امام موفق بن احمدؒ نے بھی کتاب الآثار کی چالیس ہزار احادیث کا تذکرہ کیا ہے۔

۱۔ منکرین حدیث کا اعتراض

---

[1] ابن ماجہ، حدیث ۲۲۴، جلد ۱، صفحہ ۸۔

[2] سنن ترمذی، حدیث ۲۶۷۰، جلد ۵، صفحہ ۴۱۔

[3] کنز العمال، جلد ۶، صفحہ ۱۵۴۔

[4] سنن ابن ماجہ، حدیث ۷۳۸، جلد ۱، صفحہ ۲۴۴۔

منکرین حدیث یہ بھی کہتے ہیں کہ اگر حدیثوں کو شمار کریں تو کروڑوں کے لگ بھگ ہوں گی اور اگر ان کو رسول اللہ ﷺ کے ایامِ رسالت پر تقسیم کریں تو یہ تعداد حضور ﷺ کی زندگی سے بڑھ جائیگی، منکرین حدیث کو شاید معلوم نہیں کہ یہ کثرت، نفس حدیث کی کثرت ہے۔ یعنی ایک حدیث کو سو مختلف طریق اور سندوں سے بیان کیا جائے تو محدثین کی اصطلاح میں سو (۱۰۰) احادیث کہیں گے مگر نفسِ حدیث تو ایک ہی رہے گی۔

نفس الحدیث کی تعداد

امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ نے سب سے زیادہ نفس حدیث کی تعداد بیان کی ہے۔ امام مسعود بن کدامؒ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت امام حنیفہؒ کے ساتھ حدیث کی تحصیل کی مگر وہ ہم سب پر غالب رہے اور زہد میں مشغول ہوئے تو وہ اس میں بھی سب سے بڑھ کر تھے اور فقہ میں ان کا مقام تو تم جانتے ہی ہو۔

قابل غور بات یہ ہے کہ امام ابو حنیفہؒ نے جو فتوے لکھے ہیں سب احادیث سے ثابت ہیں جس کا مطلب یہ ہوا کہ آپؒ سے کوئی حدیث اوجھل نہ تھی کیونکہ آپؒ نے احادیث کو اکٹھا کیا تھا اور ان پر اپنا حکم دیا۔[۱]

اگر احادیث کی تعداد پر نظر ڈالی جائے تو امام بخاریؒ کو ایک لاکھ صحیح احادیث یاد تھیں اور دو لاکھ صحیح احادیث کے علاوہ یاد تھیں۔ اس سے بھی مختلف طریق اور سندوں کی تعداد مراد ہے نہ کہ نفس الحدیث اس طرح اگر شمار کیا جائے تو کل نفس احادیث کی تعداد ۴۴۰۰ سے زائد نہیں۔

امام ابو حنیفہؒ شہنشاہِ حدیث تھے

بشیر بن موسیٰؒ اپنے استاد امام عبدالرحمٰن مغربیؒ سے روایت کرتے ہیں کہ امام مغربیؒ جب امام ابو حنیفہؒ سے روایت کرتے ہیں تو کہتے ہیں، ہم سے شہنشاہ حدیث نے یہ روایت بیان کی۔[۲]

امام عبدالوہاب شعرانیؒ کہتے ہیں کہ "اللہ کا مجھ پر احسان ہے کہ میں نے امام اعظمؒ کی مسانید ثلاثہ کا مطالعہ کیا تو میں نے دیکھا کہ امام اعظمؒ، ثقہ اور صادق تابعینؒ کے سوا کسی سے روایت نہیں کرتے، جن کے حق میں حضور ﷺ نے خیر القرون ہونے کی شہادت دی، مثلاً اسودؒ، علقمہؒ، عطاءؒ وغیرہ، یہ سب خیر القرون میں سے تھے۔ نفس الاحادیث جن کی کل تعداد چار ہزار چار سو (۴۴۰۰) ہے، ان میں سے چار ہزار (۴۰۰۰) احادیث امام اعظمؒ نے بیان فرمائی ہیں، جیسا کہ امام حسن بن زیادؒ نے مناقب موفق میں بیان فرمایا

---

[۱] مناقب امام ابو حنیفہ، جلد ۱، صفحہ ۲۷۔

[۲] تاریخ بغداد، جلد ۱۳، ص ۲۴۵۔

ہے۔ باقی چار سو (۴۰۰) احادیث احکام سے متعلق تھیں جو آپ کی نظر سے ضرور گزری ہونگیں مگر آپ نے بیان نہیں کیں۔

اس بات میں شک وشبہ نہیں کہ عکرمہ، مجاہد، مکحول اور حسن بصری وغیرہم امام اعظم” اور حضور اکرم ﷺ کے درمیان تمام راوی ثقہ، عدول اور مشہور اخیار ہیں، جن کی طرف کذب کی نسبت نہیں کی جاسکتی اور نہ ہی وہ کذاب ہیں۔

امام ابوحنیفہ” سے ہزاروں نے سمع حدیث کی

امام ابوحنیفہ” سے سماع حدیث کے لیے آنے والے ہزاروں کی تعداد میں تھے۔ ان میں سے چیدہ چیدہ کے نام یہ ہیں۔ حماد بن نعمان”، ابراہیم بن طہمان”، حمزہ بن حبیب”، امام زفر”، امام قاضی ابو یوسف”، عیسیٰ بن یونس”، وکیع”، یزید بن زریع”، اسد بن عمرو”، خارجہ بن مصعب”، محمد بن بشیر”، عبدالرزاق”، امام احمد بن حسن شیبانی”، مصعب بن مقدام”، ابوعبدالرحمٰن مقری”، ابونعیم”، ابوعاصم رحمھم اللہ تعالیٰ وغیرھم شامل ہیں۔

بخاری شریف کا مواد حقیقتاً امام ابوحنیفہ” کا مواد تھا

اس سے معلوم ہوا کہ امام بخاری” نے جو کام بخاری شریف میں لکھنے کا کیا وہ دراصل امام صاحب” کا مواد تھا اور ان کے شاگردوں کا صدقہ ہے۔ امام مکی” کے حوالوں کے علاوہ بخاری میں بہت سے حنفی شیوخ کا حوالہ ہے اور صحاح ستہ میں بھی امام صاحب” کے شاگردوں کا تعلق ہے۔

امام اعظم” نے جو شاگردوں کو املاء کرائیں، ان کا نام ”کتاب الآثار“ رکھا اور ان سب نسخوں میں کتاب الآثار بروایت امام محمد” کو سب سے زیادہ مقبولیت حاصل ہے۔

(و) حضرت عمر بن عبدالعزیز” کی جمع اور ترتیب احادیث

حضرت عمر بن عبدالعزیز” نے جمع وترتیب احادیث کا عظیم کام (۱) ابوبکر بن محمد بن عمرو بن حزام” (۲) قاسم بن محمد ابن ابی بکر” (۳) ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری” کے سپرد کیا۔ انہوں نے احادیث کو پہلی بار سند کے ساتھ لکھا۔ زہری” کے شاگرد یہ کام کرتے رہے، یہاں تک کہ دوسری صدی میں روایات (کتاب الآثار) میں پیش کر چکے تھے۔

ا۔ ابوبکر بن حزام” کی خدمات حدیث

حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ عدل نے ابوبکر بن حزام” کے نام یہ فرمان لکھ کر بھیجا:

”اُنْظُرْ مَا كَانَ مِنْ حَدِيْثِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاكْتُبْهُ فَاِنِّيْ خِفْتُ

دُرُوسِ الْعِلْمِ وَذِهَابِ الْعُلَمَآءِ"

(آنحضرت ﷺ کی احادیث تلاش کر کے قلم بند کرلو، کیونکہ مجھے آئندہ علم کم ہو جانے اور علماء کے اٹھ جانے کا اندیشہ ہے) [۱]

یہاں یہ بات بتانا ضروری معلوم ہوتی ہے کہ حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ خلیفہ عدل نے ابوبکر بن حزام ؒ کو اس کام کے لیے مقرر فرمایا تھا کہ وہ اس وقت مدینہ طیبہ میں ان کے نائب تھے اور ان کا علمی پایہ بھی اتنا بلند تھا کہ امام مالک ؒ ان کے حق میں فرماتے تھے:

"لَمْ يَكُنْ اَحَدٌ بِالْمَدِيْنَةِ عِنْدَهُ مِنْ عِلْمِ الْقَضَآءِ مَا كَانَ عِنْدَ اَبِىْ بَكْرِبْنِ حَزَامٍ"

(اس وقت مدینہ میں علم قضا کا عالم ابی بکر بن حزام" سے بڑھ کر کوئی اور شخص موجود نہ تھا) [۲]

علاوہ ازیں ان کے پاس آنحضرت ﷺ کے صدقات، دیات اور سنن کے کچھ احکام بھی دراثتاً موجود تھے۔

۲۔ امام زہری ؒ کی خدمات حدیث

ابوبکر محمد بن مسلم بن شہاب الزہری ؒ نقل کرتے ہیں:

"اَمَرَنَا عَبْدُ الْعَزِيْزِ بِجَمْعِ السُّنَنِ فَكَتَبْنَا هَادَ فْتَرًا فَبَعَثَ اِلٰى كُلِّ اَرْضٍ لَه عَلَيْهَا سُلْطَانُ دَفْتَرًا"

(ہمیں عمر بن عبد العزیز ؒ نے حدیث کے جمع کرنے کا حکم دیا، ہم نے ایک ایک کر کے اس کو لکھا، پھر انہوں نے قلمرو میں اس کا ایک ایک دفتر بھیج دیا) [۳]

ابن شہاب ؒ اپنے زمانے کے اتنے کثیر العلم شخص تھے کہ ان کے متعلق معمر ؒ ایک واقعہ نقل کرتے ہیں۔

"پہلے ہمارا خیال تھا کہ ہم نے زہری رضی اللہ عنہ کا بہت سا علم حاصل کرلیا ہے، جب ولید بن زید ؒ کے قتل کا واقعہ پیش آیا تو ہم نے دیکھا کہ ولید ؒ کے خزانے سے جانوروں پر لاد لاد کر کتابیں آرہی ہیں۔ ہم نے جب ان کے متعلق دریافت کیا تو لوگوں نے بیان کیا کہ یہ سب زہری ؒ کا علم ہے۔"

خزانہ حدیث پر ایک سرسری نظر

یوں تو جمع احادیث اور کتابت حدیث کا مکمل بیان پہلے گزر چکا ہے، تاہم قارئین کی سہولت کے لیے مختلف قرائن (صدیوں) کا سرسری خاکہ پیش کیا جا رہا ہے تا کہ یہ اندازہ ہو سکے کہ کون سی صدی میں کون

---

[۱] صحیح بخاری، حدیث ۱۰۰، جلد ۱، صفحہ ۴۹۔

[۲] المعرفۃ والتاریخ، یعقوب بن سفیان، متوفی ۲۷۷، جلد ۱، صفحہ ۳۶۰، دارالکتب العلمیہ، بیروت۔

[۳] جامع بیان العلم وفضلہ، یوسف بن عبد البر، متوفی ۴۶۳، جلد ۱، صفحہ ۷۶، کتب العلمیہ، بیروت۔

کون سی احادیث کا مجموعہ تیار ہو چکا تھا۔ اس سلسلے میں پہلی تین صدیوں کا نقشہ پیش کیا جا رہا ہے تاکہ منکرین حدیث کا یہ اعتراض دور ہو سکے کہ احادیث کی لکھائی کا کام ۲۵۰ صدی ہجری کے بعد ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے بھی تین قرنوں کا ذکر فرمایا ہے۔

ان تینوں کی تقسیم اس طرح ہے:

۱۔ قرن اول بعث رسول اللہ ﷺ سے ۱۱۰ھ تک، یہ عہد رسالت ﷺ وصحابہ ؓ ہے۔

۲۔ قرن دوئم ۱۱۱ھ سے ۱۷۰ھ تک یہ عہد تابعین کہلاتا ہے۔

۳۔ قرن سوئم ۱۷۱ھ سے ۲۲۰ھ تک یہ عہد تبع تابعین کہلاتا ہے۔ شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے قرنِ ثالث کی مدت ۲۶۰ھ تک لکھی ہے، چنانچہ عہدِ اختلافی ۲۲۱ھ سے ۲۶۱ھ کا عرصہ ہے۔ (بحوالہ، تاریخ الحدیث، ص ۳۵)

حدیث کی ابتداء اور تاریخ اس جگہ قرن اول تا قرن ثلاثہ میں لکھی جانے والی احادیث کے مجموعوں کا ذکر کیا جائے گا۔ اس دور میں خلفائے راشدین ؓ کا دور قرن اول میں شامل ہے، ان سب مجموعوں کا تفصیلی بیان پہلے گزر چکا ہے، یہاں پر صرف خلاصہ ہی بیان ہوگا۔

(الف) قرن اول

۱۔ ابتداء تو حضور ﷺ کے زمانے میں ہو چکی تھی۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ کے مرتب شدہ احادیث کے مجموعے کا نام "صادقہ" ہے۔

۳۔ حضرت زید بن ثابت ؓ کی "کتاب الفرائض" تھی۔

۴۔ حضرت ابن عباس ؓ نے حضور ﷺ کی سیرت لکھی۔

۵۔ قاضی ابوبکر ؓ کی احادیث عمرہ جو عمر بن عبدالعزیز ؓ کے فرمان پر لکھی گئیں۔

۶۔ امام سیوطی ؓ نے ابن حجرؒ کی شرح بخاری سے نقل کیا ہے کہ خلیفہ عمر بن عبدالعزیزؒ کے فرمان پر سب سے پہلی جمع حدیث کی کتاب امام زہری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے مرتب کی تھی۔

۷۔ امام شعبیؒ کا مجموعہ احادیث، انہوں نے اپنی کتاب کو ابواب وفصول پر جمع کیا۔

۸۔ صحیفہ ہمام بن منبہؒ کی نقل امام مسلمؒ نے کی ہے۔

۹۔ امام اعظمؒ اور سفیانؒ کی تصانیف تیار ہو چکی تھیں۔

۱۰۔ **قرن اول کی مشہور تصانیف** "صادقہ" عبد اللہ بن عمرو بن العاص ؓ کی تصنیف رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں مرتب ہوئی۔ اس میں ایک ہزار احادیث تھیں۔ دوسری صدی تک اس کا موجود ہونا ثابت ہے کیونکہ مجاہدؒ نے ان کے پڑپوتے عمرو بن شعیبؒ کے پاس یہ صحیفہ دیکھا تھا۔

۱۱۔ صحیفہ ہمام بن منبہؒ ہمام بن منبہؒ تابعی حضرت ابو ہریرہ ؓ کے شاگرد ہیں۔ ان کا یہ صحیفہ تیسری صدی ہجری کے وسط میں موجود تھا اور امام مسلمؒ نے اس کا حوالہ دیا۔

۱۲۔ موطا امام مالک امام مالک بن انسؒ کی تصنیف ۱۳۰ھ تک لکھی گئی۔ آپ کو ایک لاکھ احادیث مرتب کرنے کا شرف حاصل ہے اور انہوں نے ابوابِ فقہ پر یہ کتاب لکھی۔ اس کتاب میں احادیث صحیح اور مسند ہیں۔ احکام کے صحیح احوال انہوں نے شیخ ربیع رائیؒ سے، انہوں نے سعید بن میتبؒ سے انہوں نے عبداللہ بن عمر ؓ اور انہوں نے حضرت عمر ؓ سے حاصل کیے تھے۔ اس کی ستر شیوخ نے چھان بین کی، اس لیے اس کا نام موطا (چھان بین والا) ہوا۔

اس میں ایک ہزار چھ سو (۱۶۰۰) احادیث صحیح مسند ہیں۔ دو سو بائیس (۲۲۲) مرسل باقی موقوف اور ایک سو پچاسی (۱۸۵) اقوال تابعینؒ کے ہیں۔ تمام احادیث و آثار ایک ہزار ستائیس (۱۰۲۷) ہیں۔ موطا کو ام الصحیحین کہا جاتا ہے ابن عربیؒ موطا کو اصل اول اور بخاری کو اصل ثانی کہا ہے۔ امام مالکؒ سے موطا کو ایک ہزار (۱۰۰۰) آدمیوں نے روایت کیا ہے۔ ان مجتہدین میں سے امام شافعیؒ، امام محمدؒ، محدثین میں سے عبداللہ بن وہبؒ، یحیٰ بن یحیٰؒ، فقہاء میں سے ہشام بن عبداللہ بن قاسمؒ، صوفیاء میں سے ذوالنون مصریؒ اور خلفاء میں سے ہارون الرشید اور مامون الرشید رحمھم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ قرآن کے بعد آسمان کے نیچے مؤطا سے زیادہ کوئی کتاب صحیح نہیں۔ مؤطا کی تمام احادیث صحیح بخاری میں آ چکی ہیں۔ اس لیے اس کو صحاح ستہ میں شامل نہیں کیا گیا۔

(ب) i۔ کتب قرنِ ثانی

اس میں کثرت سے تصانیف اور تالیفات ہوئیں۔ حدیثوں کی جمع کو مسند کہتے ہیں۔ اس کے علاوہ صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہم اور تابعینؒ کے فتوے جمع ہوئے، امام موسیٰ کاظم بن جعفرؒ نے سب سے پہلا مسند جاری کیا۔ شیخ یحیٰ بن سعید القطانؒ نے اسماء الرجال تصنیف کی اور شیخ عبداللہ بن مبارکؒ نے اربعنات کی بنیاد اس حدیث پر رکھی، جو نیچے درج ہے۔

"مَنْ حَفِظَ عَلٰی اُمَّتِیْ اَرْبَعِیْنَ حَدِیْثاً بَعَثَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ فِیْ زُمْرَۃِ الْفُقَھَآءِ وَالْعُلَمَآءِ"

(میری امت میں سے جس شخص نے چالیس حدیثوں کو یاد کر لیا اللہ تعالیٰ قیامت کے دن علماء فقہاء کے ساتھ اس کو اٹھائے گا)[1]

---

[1] کنز العمال، حدیث ۲۹۱۸۳، جلد ۱۰، صفحہ ۹۷۔

ابوعبیدہ معمر بن المثنیؒ نے فن غریب الحدیث کی بنیاد قائم کی، یعنی نامانوس الفاظ کیوں آئے اور اس وقت کے محاورے میں اس کا کیا مطلب تھا، اکیلے امام محمدؒ نوسوننانوے (۹۹۹) تصانیف کے مالک تھے، اس زمانے کی اکثر تصانیف اب تک موجود ہیں۔

(ب) ii۔ قرن ثانی کی دیگر کتب

۱۔ کتاب الزُّھدِ وَالرُّقَاقِ شیخ عبداللہ بن مبارکؒ کی تصنیف ہے۔

۲۔ کتاب الدعا ابن ابی الدنیا (متوفی ۱۸۱ھ) کی تصنیف ہے۔

۳۔ کتاب الخراج امام ابو یوسفؒ کی تصنیف ہے، اس میں صرف ایک ہی عنوان ہے۔

۴۔ مؤطا امام محمدؒ کی تصنیف ہے۔

۵۔ کتاب الحج یہ بھی امام محمدؒ بن حسن شیبانی متوفی ۱۸۹ھ کی تصنیف ہے۔

۶۔ مسند ابی داؤد طیالسیؒ دو سو پچاس (۲۵۰) اصحاب کی روایتیں ہیں اور چالیس ہزار احادیث ہیں۔

(ج) قرن ثالث کی ابتدائی کتب

قرن ثالث میں مرتب کی جانے والی کتب کا مختصر بیان نیچے دیا جارہا ہے۔

۱۔ سنن سعید بن منصور۔ ابو عثمان بن منصور (متوفی ۲۲۹ھ) کی تصنیف ہے۔

۲۔ طبقات ابن سعد۔ اسماء الرجال میں مذکور ہے۔

۳۔ مسند ابن ابی شیبہ۔ ابوبکر ابن شیبہؒ کی تصنیف ہے۔ (التوفی ۲۳۵ھ)

۴۔ مسند امام احمد بن حنبلؒ۔ اس میں سات سو (۷۰۰) اصحاب کی روایات اور تیس ہزار (۳۰،۰۰۰) احادیث ہیں۔ یہ ساڑھے سات لاکھ احادیث میں سے انتخاب ہے۔ اس میں ۱۸ اسانید ہیں۔

۵۔ کتاب الام۔ امام شافعیؒ کی تصنیف ہے۔

۶۔ تاریخ مکہ۔ امام ابوالولید محمد بن عبدالکریم ازدقیؒ (التوفی ۲۲۳ھ) کی تصنیف ہے۔

۷۔ غریب الحدیث۔ ابو عبیدہ قاسم بن سلامؒ (التوفی ۲۲۵) نے لکھی۔

۸۔ مسند ابن ابی عمرو۔ ابو عبداللہ محمد بن یحیٰؒ (التوفی ۲۴۳) کی تصنیف ہے۔

۹۔ **صحیح بخاریؒ** یہ وہ کتاب ہے جس کی نظیر عالم اسلام میں نہیں جو اَصَحُّ الْکِتَابِ بَعْدَ کِتَابِ اللّٰہِ سمجھی جاتی ہے۔ امام محمد بن اسماعیل بخاریؒ کی تصنیف ہے، امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

''امام اسحٰق بن راہویہؒ نے ایک دن اپنے شاگردوں سے مخاطب ہو کر کہا کہ کاش کوئی صحیح حدیثوں کو

جمع کر دیتا۔ امام بخاریؒ نے خیال کیا کہ اگر یہ کام ان سے ہو جائے تو زہے نصیب۔ رات کو انہوں نے خواب میں دیکھا کہ حضور ﷺ تشریف فرما ہیں اور میں مکھیاں اڑا رہا ہوں، ایک عالم نے یہ تعبیر دی کہ خواب دیکھنے والا رسول کریم ﷺ سے جھوٹ کو دور کر دیگا۔ امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس خواب نے میری ہمت بڑھا دی، اور میں نے کام شروع کر دیا۔ مسجد حرام میں بیٹھ کر میں نے یہ تصنیف شروع کی۔ سولہ برس میں مسودہ تیار ہوا اور یہ کام مدینہ منورہ میں منبر اور قبر مبارک نبی کریم ﷺ کے درمیان بیٹھ کر کیا۔ امام بخاریؒ نے صحیح بخاری کو تین بار ترتیب دیا اور ہر دفعہ کچھ نہ کچھ تغیر کیا، جو کہ نسخوں کے اختلاف کا باعث بنا۔ بخاری شریف میں تمام حدیثیں وتعلیقات وشواہد ومتابعات ومکررات نو ہزار آٹھ سو بیاسی (۹۸۸۲) ہیں۔ مکررات کو نکال کر احادیث مرفوعہ دو ہزار چھ سو تریسٹھ (۲۶۶۳) ہیں۔ کل ابواب تین ہزار چار سو پچاس (۳۴۵۰) ہیں۔ اس کی اب تک لکھی گئی ۶۰ شرحیں ہیں۔ بخاری شریف میں احادیث بیان کرنے والے صحابہ کرامؓ کی تفصیل نیچے دی جا رہی ہے۔ اس جگہ یہ بیان کرنا بے جا نہ ہوگا کہ حدیث کا وہ علم جو ہمارے پاس موجود ہے تقریباً دس ہزار (۱۰۰۰۰) صحابہ کرامؓ سے حاصل کیا گیا ہے۔ تابعینؒ نے صرف ان ہی کی احادیث روایت نہیں کی ہیں بلکہ سب صحابہؓ کے حالات بھی اسماء الرجال میں بیان کر دیئے ہیں اور یہ بھی بتا دیا گیا ہے کہ کس صحابیؓ نے حضور ﷺ کی کتنی صحبت پائی ہے یا کب اور کہاں آپ ﷺ کو دیکھا ہے اور کن کن مواقع پر آپ ﷺ کی خدمت میں حاضری دی ہے۔ صحابہ کرامؓ جن سے روایات مروی ہیں اور جن کو امام بخاریؒ نے اپنی کتاب میں شامل کیا ہے، ان کی فہرست نیچے پیش کی جا رہی ہے۔ ان میں سے چار ایسے نام ہیں جن کو بخاری میں شامل نہیں کیا گیا۔

صحابہ کرامؓ سے مروی احادیث کی فہرست

نمبرشمار	اسمائے گرامی صحابہ کرامؓ	بخاری کی احادیث	کل مروی احادیث
۱۔	حضرت ابو ہریرہؓ	۴۴۶	۵۳۷۴
۲۔	حضرت ابن عمرؓ	۲۷۰	۱۶۳۰
۳۔	حضرت انسؓ	۲۶۸	۱۲۸۶
۴۔	حضرت عائشہؓ	۶۴	۲۲۱۰
۵۔	حضرت ابن عباسؓ	۲۱۷	۲۶۶۰
۶۔	حضرت عمر فاروقؓ	۶۰	۵۳۹
۷۔	حضرت علی المرتضیٰؓ	۴۹	۵۸۶

۸۔	حضرت ابوبکر صدیق ؓ	۲۲	۱۴۲
۹۔	حضرت عثمان غنی ؓ	۹	۱۴۶
۱۰۔	حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ؓ	۹	۷۰۰
۱۱۔	حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ	۹	۸۴۸
۱۲۔	حضرت جابر بن عبداللہ ؓ	۴	۱۵۴۰
۱۳۔	حضرت ابوسعید خدری ؓ	۲	۱۱۷۰
۱۴۔	دیگر صحابیات ؓ	۲	۷۴
۱۵۔	حضرت ابوسفیان ؓ	۲	۱

امام بخاریؒ نے مدلس کے شبہ پر ایک شخص کی دس ہزار احادیث ترک کر دیں۔ صحیح بخاری کی بے شمار شرحیں لکھیں گئیں، جن میں سے فتح الباری، حافظ ابن حجر عسقلانیؒ (م ۸۸۲ھ) کی بے مثال شرح ہے۔

شرائط امام بخاریؒ حسب ذیل ہیں

۱۔ حدیث متصل الاسناد ہو۔

۲۔ طول ملازمت، یعنی راوی اپنے شیخ کے پاس سال ہا سال رہا ہو۔

۳۔ راوی طبقہ اولیٰ کا مشہور ثقہ راوی ہو۔

۴۔ راوی سے مروی عنہ کی ملاقات ثابت ہو۔

۱۰۔ صحیح مسلم

امام مسلمؒ بن حجاج کی وفات قرنِ ثالث سے ایک سال بعد ہوئی یعنی سنہ ۲۶۱ھ میں چونکہ صحیح مسلم ان کی وفات سے پہلے شائع ہو چکی تھی اس لیے قرن ثانی میں ان کا شمار کیا جاتا ہے۔ بخاری کی طرح یہ بھی صحیح حدیثوں کا مجموعہ ہے، دونوں میں سے کون سی بہتر ہے، اس میں علماء کا اختلاف ہے، کچھ لوگ صحیح مسلم کو صحاح ستہ میں نمبر اول پر لاتے ہیں۔ کثرت رائے یہ ہے کہ بخاری کو ترجیح حاصل ہے، اس لیے اس کا دوسرا نمبر ہے، صحیح مسلم" تین لاکھ حدیثوں کا انتخاب ہے۔ امام صاحبؒ نے اس میں مکررات کو حذف کر دیا، طرق اور اسناد کو جمع کر دیا ہے، فقہ اور تراجم کے ابواب پر مرتب ہے اور سہل الماخذ ہے۔ صحیح مسلم میں اسی (۸۰) سے زیادہ احادیث ایسی ہیں جن کی سند میں امام مسلمؒ اور رسول کریم ﷺ کے درمیان صرف چار واسطے ہیں، یہ ان کی اعلیٰ سند ہے اس میں بعد از حذف مکررات چار ہزار (۴۰۰۰) حدیثیں ہیں، شروح اور حاشیوں کی تعداد تیس ہزار سے زائد ہے۔

جدت، ترتیب، شواہد حدیث اور متابعت حدیث کے اجماع کے لحاظ سے اس کو بخاری پر ضرور ترجیح ہے۔

شرائط مسلم یہ ہیں

۱۔ حدیث متصل الاسناد ہو۔

۲۔ تمام راوی ثقہ ہوں۔

۳۔ راوی ہم عصر ہوں۔

۴۔ راوی مشہور ہوں۔

۵۔ راوی ذوعلت نہ ہوں۔

متفق علیہ وہ احادیث جو صحیح بخاری" اور صحیح مسلم" دونوں میں لکھی گئی ہیں متفق علیہ کہلاتی ہیں۔

۴۔ کتب عہد اختلافی

۱۔ **سنن ابی ماجہ** امام ابن ماجہ" کی تصنیف ہے اور صحاح ستہ میں چھٹے نمبر پر ہے، اس میں ۲۲ کتابیں پندرہ سو (۱۵۰۰) ابواب اور چودہ ہزار (۱۴۰۰۰) حادیث ہیں۔

۲۔ **جامع ترمذی** امام ترمذی" کی تصنیف ہے، صحاح ستہ میں تیسرے نمبر کی کتاب ہے۔ اس کی بہت سی شروحات لکھی گئی ہیں۔ مصنف علیہ الرحمۃ کا اصل نام ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ الترمذی" ہے۔ ۱۹۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۲۷۹ھ میں وفات پائی، شافعی المذہب تھے۔

۳۔ **سنن ابوداؤد** امام ابوداؤد بجستانی" کی تصنیف ہے۔ صحاح ستہ میں نمبر چار پر ہے۔ اس میں چار ہزار آٹھ سو (۴۸۰۰) احادیث موجود ہیں۔

۴۔ **سنن دارمی** امام دارمی" کی تصنیف ہے، اس کی ترتیب صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر نہیں ابواب پر ہے۔ اس لیے سنن کہتے ہیں۔

۵۔ **سنن نسائی** امام ابوعبدالرحمٰن احمد" (م ۳۰۳ھ) کی تصنیف ہے۔ صحاح ستہ میں پانچویں نمبر پر ہے۔

۶۔ **ابن جریر طبری** امام ابن جریر طبری" (م ۳۱۰ھ) کی تصنیف ہے، مصر میں چھپی، حدیثوں کا کافی ذخیرہ ہے۔

ان کے علاوہ اس دور میں ابوالقاسم طبرانی" (م ۳۶۰) نے تین معجم تالیف کیے۔ ابوعبداللہ محمد بن عبد الحاکم" (م ۴۰۵) نے دیگر تصانیف کے علاوہ صحیحین پر مستدرک لکھی۔ احمد بن عبداللہ الاصفہانی (م ۴۳۰ھ) نے حلیۃ الاولیاء لکھی۔ ابوبکر احمد بن حسن البیہقی" (۴۵۸ھ) نے سنن کبریٰ لکھی۔ ابوالحسن علی بن عمرو دارقطنی" (م ۴۶۰ھ) نے بھی دیگر تصانیف کے علاوہ ایک سنن مرتب کی۔

۵۔ کتب قرون ثلاثہ کے بعد

قرون ثلاثہ کے بعد بہت سی کتب ہیں، مگر مشہور یہ ہیں۔

۱۔ سنن دار قطنی ابوالحسن علیؒ (م ۳۸۵ھ) کی تصنیف ہے۔

۲۔ مستدرک حاکم ابوعبداللہ محمد بن عبداللہ الحاکمؒ (م ۴۰۵) نے صحیحین سے جو احادیث باقی رہ گئیں وہ اس میں جمع کر دیں، ان کا دعویٰ ہے کہ اس میں تمام احادیث صحیح ہیں مگر علماء نے ثابت کیا ہے کہ اس میں کچھ ضعیف اور بعض موضوع بھی ہیں۔

۳۔ مشکوٰۃ المصابیح ولی الدین ابی عبداللہ محمد بن عبداللہ الخطیبؒ (م ۷۴۰ھ) کی تصنیف ہے، ۲۹ کتابیں، ۳۲۷ ابواب، ۱۰۳۸ فصلیں ہیں۔

۴۔ کنز العمال شیخ علی نخعی برہان پوریؒ (م ۹۷۷ھ) کی تصنیف ہے اور اس میں امام سیوطیؒ کی تمام حدیثوں کو جمع کر دیا گیا ہے، ابوالحسن بکریؒ کا قول ہے کہ سیوطیؒ کا تمام عالم پر احسان ہے اور نخعیؒ کا سیوطیؒ پر احسان ہے۔

صحاح ستہ میں شامل کتابیں مندرجہ ذیل ہیں

۱۔ الصحیح البخاری ۲۔ الصحیح المسلم ۳۔ جامع ترمذی ۴۔ سنن ابی داؤد ۵۔ سنن نسائی ۶۔ سنن ابن ماجہ

دور صحابہ سے امام بخاریؒ تک علم حدیث کی مسلسل تاریخ

اس کے بعد ان تابعینؒ کو دیکھئے جنہوں نے صحابہ کرام ؓ سے حدیث پاک کا علم حاصل کیا اور بعد کی نسلوں تک ان کو منتقل کیا۔ ان کی تعداد کا اندازہ اس سے کیا جا سکتا ہے کہ صرف طبقات ابن سعد میں چند مرکزی شہروں کے تابعین کے حالات ملتے ہیں، وہ حسب ذیل ہیں۔

مدینہ	۴۸۴	کوفہ	۴۱۳
مکہ	۱۳۱	بصرہ	۱۲۴

ان میں سے جن اکابر تابعین نے حدیث کے علم کو حاصل کرنے، محفوظ کرنے اور آگے پہنچانے کا سب سے بڑھ کر کام کیا ان کے نام حسب ذیل ہیں:

اسمائے تابعین	پیدائش	وفات
سعید بن المسیبؒ	۴۱ھ	۹۳ھ
حسن بصریؒ	۲۱ھ	۱۱۰ھ
ابن سیرینؒ	۳۳ھ	۱۱۰ھ
عروہ بن زبیرؒ	۲۲ھ	۹۴ھ انہوں نے سیرت جناب رسول اللہ ﷺ پر پہلی کتاب لکھی
علی بن حسینؒ (زین العابدین)	۳۶ھ	۹۴ھ
مجاہدؒ	۲۱ھ	۱۰۳ھ
قاسم بن محمد بن ابی بکرؓ	۳۷ھ	۱۰۶ھ
شریحؒ (حضرت عمر ؓ کے زمانے میں قاضی مقرر ہوئے)	......	۷۸ھ
مسروقؒ (حضرت ابو بکر ؓ کے زمانے میں مدینہ آئے)	......	۶۲ھ
اسود بن یزید ؓ	......	۷۵ھ
مکحولؒ		۱۱۸ھ
رجاء بن حیوۃؒ	......	۱۰۳ھ
ہمام بن منبہؒ	۴۰ھ	۱۳۱ھ
(انہوں نے احادیث) کا ایک مجموعہ مرتب کیا جو صحیفہ ہمام بن منبہ کے نام سے آج بھی موجود ہے اور شائع ہو چکا ہے)		
سالمؒ بن عبداللہ بن عمر ؓ	۱۰۶ھ	
نافع مولیٰ عبداللہ بن عمر ؓ		۱۱۷ھ
سعید بن جبیرؒ	۴۵ھ	۹۵ھ
سلیمان الاعمشؒ	۶۱ھ	۱۴۸ھ
ایوب السختیانیؒ	۶۶ھ	۱۳۱ھ
محمد بن المنکدرؒ	۵۴ھ	۱۳۱ھ

ابن شہاب زہریؒ	۵۰ھ	۱۱۴ھ (انہوں نے حدیث کا بہت بڑا تحریری ذخیرہ چھوڑا)
سلیمان بن یسارؒ	۳۴ھ	۱۰۷ھ
عکرمہؒ مولیٰ ابن عباس ؓ	۲۲ھ	۱۰۷ھ
عطاء بن ابی رباحؒ	۲۷ھ	۱۱۵ھ
قتادہ بن دعامہؒ	۶۱ھ	۱۰۷ھ
عامر الشعبیؒ	۱۷ھ	۱۰۴ھ
علقمہؒ (رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں جوان تھے مگر حضور ﷺ سے ملے نہیں)	......	۶۲ھ
ابراہیم النخعیؒ	۴۶ھ	۹۶ھ
یزید بن ابی حبیبؒ	۵۳ھ	۱۲۸ھ

ان حضرات کی تواریخ پیدائش اور وفات پر ایک نگاہ ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں نے صحابہ کرام ؓ کے عہد کا بہت بڑا حصہ دیکھا ہے، ان میں بیشتر وہ تھے، جنہوں نے صحابہ ؓ کے گھروں میں اور صحابیات رضی اللہ عنھن کی گودوں میں پرورش پائی ہے اور بعض وہ تھے جن کی عمر کسی نہ کسی صحابی ؓ کی خدمت میں بسر ہوئی ہے۔ ان کے حالات پڑھنے سے پتہ چلتا ہے کہ ان میں سے ایک ایک شخص نے بکثرت صحابہ ؓ سے مل کر نبی اکرم ﷺ کے حالات معلوم کیے ہیں اور آپ ﷺ کے ارشادات اور فیصلوں کے متعلق وسیع واقفیت بہم پہنچائی ہے۔ اسی وجہ سے روایت حدیث کا بہت بڑا ذخیرہ انہی لوگوں سے بعد کی نسلوں کو پہنچتا ہے۔ تاوقتیکہ کوئی شخص یہ فرض نہ کرے کہ نعوذ باللہ پہلی صدی ہجری کے تمام مسلمان منافق تھے۔ اس بات کا تصور تک نہیں کیا جا سکتا کہ ان لوگوں نے گھر بیٹھے حدیثیں گھڑی ہوں گی اور پھر بھی پوری امت نے انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا ہوگا اور ان کو اکابر علماء میں شمار کیا ہوگا۔

دوسری صدی ہجری کے مؤلفین حدیث

اس کے بعد اصاغر تابعین اور تبع تابعین کا وہ گروہ ہمارے سامنے آتا ہے جو ہزارہا کی تعداد میں تمام دنیائے اسلام میں پھیلا ہوا تھا۔ ان لوگوں نے بہت بڑے پیمانے پر تابعین سے احادیث لیں اور دور دراز کا سفر کر کے ایک ایک صحابی ؓ اور ان کے شاگردوں کا علم جمع کیا۔ ایسے تبع تابعین کی چند نمایاں شخصیتیں یہ ہیں:

اسمائے تبع تابعین	پیدائش	وفات
جعفرؒ بن محمد بن علی (جعفر صادقؒ)	۸۰ھ	۱۴۱ھ
ابوحنیفہؒ (النعمان) امام اعظمؒ	۸۰ھ	۱۵۰ھ
شعبۃ بن الحجاجؒ	۸۲ھ	۱۶۰ھ
لیث بن سعدؒ	۹۴ھ	۱۶۵ھ
ربیۃ الرائےؒ (استاد امام مالکؒ)	……	۱۳۶ھ
سعید بن عروبہؒ	……	۱۵۶ھ
مسعر بن کدامؒ	……	۱۵۵ھ
عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد بن ابی بکرؒ	……	۱۲۶ھ
سفیان ثوریؒ	۹۷ھ	۱۶۱ھ
حماد بن زیدؒ	۹۸ھ	۱۹۹ھ

یہی دور تھا جس میں حدیث کے مجموعے لکھنے اور مرتب کرنے کا کام باقاعدگی کے ساتھ شروع ہوا، اس زمانے میں جن لوگوں نے احادیث کے مجموعے مرتب کیے وہ حسب ذیل ہیں:

اسماء	پیدائش	وفات	
ربیع بن صبیح	……	۲۶۰ھ	انہوں نے ایک ایک فقہی عنوان پر الگ الگ رسائل مرتب کیے
سعید بن عروبہؒ	……	۱۵۶ھ	انہوں نے ایک ایک فقہی عنوان پر الگ الگ رسائل مرتب کیے
موسیٰ بن عقبہؒ	……	۱۴۱ھ	انہوں نے نبی اکرم ﷺ کے غزوات کی تاریخ مرتب کی
امام مالکؒ	۹۵ھ	۱۷۹ھ	احکام شرعی کے متعلق احادیث و آثار مرتب کیں اور آثار کو جمع کیا
ابن جریجؒ	۸۰ھ	۱۵۰ھ	احکام شرعی کے متعلق احادیث مرتب کیں اور آثار کو جمع کیا
امام اوزاعیؒ	۸۸ھ	۱۵۷ھ	احکام شرعی کے متعلق احادیث مرتب کیں اور آثار کو جمع کیا
سفیان ثوریؒ	۹۷ھ	۱۶۱ھ	احکام شرعی کے متعلق احادیث مرتب کیں اور آثار کو جمع کیا
حماد بن سلمہ بن دینارؒ	……	۱۶۷ھ	انہوں نے احکام شرعی کے متعلق احادیث و آثار کو جمع کیا
امام ابویوسفؒ	۱۱۳ھ	۱۸۲ھ	انہوں نے احکام شرعی کے متعلق احادیث و آثار کو جمع کیا
محمد بن اسحاقؒ	……	۱۵۱ھ	انہوں نے نبی ﷺ کی سیرت پاک مرتب کی اور صحابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تابعینؒ کے حالات جمع کیے

ابن سعدؒ	۱۲۸ھ	۲۳۰	انہوں نے نبی ﷺ کی سیرت پاک مرتب کی اور صحابہ ؓ اور تبع تابعین کے حالات جمع کیے
عبید اللہ بن موسیٰؒ	.	۲۱۳ھ	ایک ایک صحابی کی روایات الگ الگ جمع کیں
مسدد بن مرید البصریؒ	..	۲۲۸ھ	ایک ایک صحابی کی روایات الگ الگ جمع کیں
اسد بن موسیٰؒ	۱۳۲ھ	۲۱۲	ایک ایک صحابی کی روایات الگ الگ جمع کیں
نعیم بن حماد الخزاعیؒ	..	۲۲۸ھ	ایک ایک صحابی کی روایات الگ الگ جمع کیں
امام احمدؒ بن حنبلؒ	۱۶۴ھ	۲۴۱	ایک ایک صحابی کی روایات الگ الگ جمع کیں
اسحاق بن راہویہؒ	۱۶۰ھ	۲۳۸ھ	ایک ایک صحابی کی روایات الگ الگ جمع کیں
عثمان بن ابی شیبہؒ	۱۵۶ھ	۲۳۹ھ	ایک ایک صحابی کی روایات الگ الگ جمع کیں
ابوبکر بن شیبہؒ	۱۵۹ھ	۲۳۵ھ	انہوں نے فقہی ابواب اور صحابہ کرام ؓ کی جداگانہ مرویات دونوں کے لحاظ سے احادیث جمع کیں

ان میں سے امام مالکؒ، امام ابو یوسفؒ، امام محمد بن اسحاقؒ، ابن سعدؒ، امام احمد بن حنبلؒ اور ابوبکر بن ابی شیبہؒ کی کتابیں آج تک موجود ہیں اور شائع ہو چکی ہیں، نیز موسیٰ بن عقبہؒ کی کتاب المغازی کا ایک حصہ بھی شائع ہو چکا ہے اور جن حضرات کی کتابیں اب نہیں ملتیں وہ بھی درحقیقت ضائع نہیں ہوئی ہیں، بلکہ ان کا پورا مواد بخاری و مسلم اور ان کے ہم عصروں نے اور ان کے بعد آنے والوں نے اپنی کتابوں میں شامل کر لیا تھا۔ اس لیے لوگ ان سے بے نیاز ہوتے چلے گئے۔

امام بخاریؒ کے دور تک علم حدیث کی اس مسلسل تاریخ کو دیکھنے کے بعد کوئی شخص ان ارشادات کے متعلق منکرین حدیث کی طرح یہ کہنے کی بے وقوفی نہیں کر سکتا کہ ''احادیث نہ یاد کی گئیں نہ محفوظ کی گئیں بلکہ وہ ان لوگوں کے ذہنوں میں چھپی پڑی رہیں جو اتفاقاً کبھی دوسروں کے سامنے ان کا ذکر کر کے مر گئے، یہاں تک کہ ان کی وفات کے چند سو برس بعد ان کو جمع و مرتب کیا گیا اور یہ پہلی مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے تقریباً ایک سو برس بعد احادیث کو جمع کیا گیا مگر ان کا ریکارڈ اب تک محفوظ نہیں ہے۔

بائیسواں باب

اقسام اور اصطلاحات حدیث

اسلام ایک دین متین ہے جس کا تعلق اللہ تعالیٰ نے اپنے ساتھ بواسطہ نبوت استوار کیا ہے اور اس کے ماننے والوں کو حیات کی لازوال اقدار سے مالا مال کیا ہے اور ان اقدار کا منبع قرآن پاک اور احادیث رسول اللہ ﷺ کو بنایا ہے۔ قرآن ایک الہامی کتاب ہے اور اس سے پہلے بھی چند الہامی کتب اور صحائف اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہو چکے ہیں مگر یہ بات تمام مذاہب والے کھل کر تسلیم کرتے ہیں کہ علم حدیث کی نظیر کہیں نہیں ملتی۔

اسلام میں احادیث کا ذخیرہ علمی اپنی مثال آپ ہے اور اس کی اہمیت اور حقانیت پر قرآن مجید میں متعدد مقامات پر واضح ارشادات و توضیحات موجود ہیں۔ اسی وجہ سے ادلہ شرعیہ میں قرآن مجید کے بعد احادیث کا رفیع القدر اور جلیل القدر مقام آتا ہے یہ دونوں علوم (قرآن و حدیث) علوم ساز اور فنون انگیز موضوعات ہیں۔ علم حدیث پر مشتمل کتب کی تعداد ہزاروں سے بھی متجاوز ہے۔ صرف اصول حدیث سے متعلقہ علوم کی انواع واقسام پر دو سو سے زائد کتب ہیں۔ اسماء الرجال ایک قطعاً جدید علم ہے جس سے مستشرقین انگشت بدنداں ہیں۔ اسماء الرجال اور روایت و درایت کے سلسلہ میں محدثین عظام نے جو خدمات انجام دی ہیں، وہ تاریخ تدوین حدیث کے باب میں ایک سب سے اہم، معتبر اور قابل اعتبار پہلو ہے۔ علوم حدیث کی ان معجز نمائیوں اور اعلیٰ تحقیقی معیار کا اعتراف مستشرقین نے بھی اپنے تر اسلامی تعصبات کے باوجود کیا ہے۔

علوم الحدیث کا ایک اہم اور ضمنی موضوع اصطلاحات حدیث ہے۔ اصطلاحات حدیث بذات خود اس امر کی دلیل ہے کہ خبر اور راویوں پر جرح و تعدیل کے ضمن میں تنقید و تحقیق کا کتنا بڑا معیار محدثین کے پیش نظر رہا ہے۔ اس اعتبار سے اگر تاریخ کا علم حدیث سے موازنہ کریں تو اندازہ ہوتا ہے کہ تاریخی وقائع جن منابع (سرچشمے) سے تشکیل پاتے ہیں وہ تدوین حدیث کے مآخذ کے مقابلے میں کم تر نوعیت کے حامل ہیں۔

اصطلاحات حدیث پر گزشتہ ایک ہزار سال میں سینکڑوں کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں سے بہت سی کتابیں ابھی تک غیر مطبوع مخطوطات کی صورت میں دنیا کے مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں۔

زیر غور مضمون اصطلاحات حدیث کے سلسلے میں شائع ہونے والی کتب میں ایک جدید اضافہ کی شکل میں رونما ہونے والا مضمون ہے۔ اس مضمون میں اساسی تعریفات کے بعد خبر کی فنی نوعیت اور روایت کی مباحث میں جرح وتعدیل کے سلسلے میں درپیش اصطلاحات کی علمی تسہیل کردی گئی ہے اور یوں یہ تصنیف، تفہیم علم حدیث کا ایک معتبر ذریعہ بن گئی ہے۔ اب ہم اس بات پر غور کریں گے کہ افعال نبوی ﷺ کتنی انواع میں منقسم ہیں۔

تقسیم حدیث کا طائرانہ جائزہ

قارئین کے لیے یہ رائے پیش کی جارہی ہے کہ اقسام حدیث کا مفصل مطالعہ کرنے سے پہلے یہ بہتر ہے کہ آنے والے صفحے پر خاکے کو دیکھ کر اپنے ذہنوں میں ان تمام اقسام حدیث کا مطالعہ کرلیں جن کا ذکر تفصیل کے ساتھ اس کے بعد دیا جائیگا تاکہ قاری کو معلوم ہوسکے کہ احادیث کی کون کون سی اقسام کا ذکر کیا جارہا ہے۔ تفصیلات کو پڑھنے کے بعد اس خاکے کا مطالعہ دوبارہ کیا جائے تاکہ بات ذہن نشین ہوجائے۔

افعال نبوی ﷺ کی قسمیں

حضور اکرم ﷺ سے جو افعال صادر ہوئے، وہ تین قسم کے ہیں (۱) وہ افعال جو آپ ﷺ کے خصائص میں سے ہیں۔ ان میں سے کچھ آپ ﷺ کے لیے مباح ہیں، اور ہمارے لیے حرام ہیں (جیسے چار سے زیادہ بیویوں سے نکاح یا صوم وصال یعنی کئی رات دن بغیر افطار کے روزہ رکھے رہنا) اور کچھ حضور علیہ السلام کے لیے واجب ہیں اور امت کے لیے مباح ہیں، مثلاً تہجد کی نماز آپ ﷺ پر فرض تھی مگر امت کے لیے باعث اجر ہیں فرض نہیں۔

۲۔ وہ افعال جن کا تعلق حیات انسانی سے ہے، ان افعال کی پابندی امت پر فرض نہیں اور اگر وہ ایسا کریں تو مباح ہے، جیسے نشست وبرخاست، خورد ونوش اور چلنا پھرنا، مگر عشاق رسول ﷺ ان میں بھی حضور علیہ السلام کی اتباع کرتے ہیں۔

۳۔ وہ افعال جن کا مقصود احکام الٰہی کا بیان اور وضاحت کرنا ہے جن کا تعلق حقوق اللہ اور حقوق العباد سے ہے، ان افعال کی اتباع اور اطاعت امت پر فرض ہے اور یہی سنت تشریعی ہے۔

اقسام حدیث کا مطالعہ ایک نظر میں

قارئین کی سہولت کے لیے دو خاکے نیچے پیش کیے جا رہے ہیں جن کی مدد سے ایک نظر میں احادیث کی تمام قسموں کا احاطہ کیا جا سکتا ہے۔ ان خاکوں میں استعمال شدہ اصطلاحات کی تفصیل اسی باب میں آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

خاکہ نمبر ا

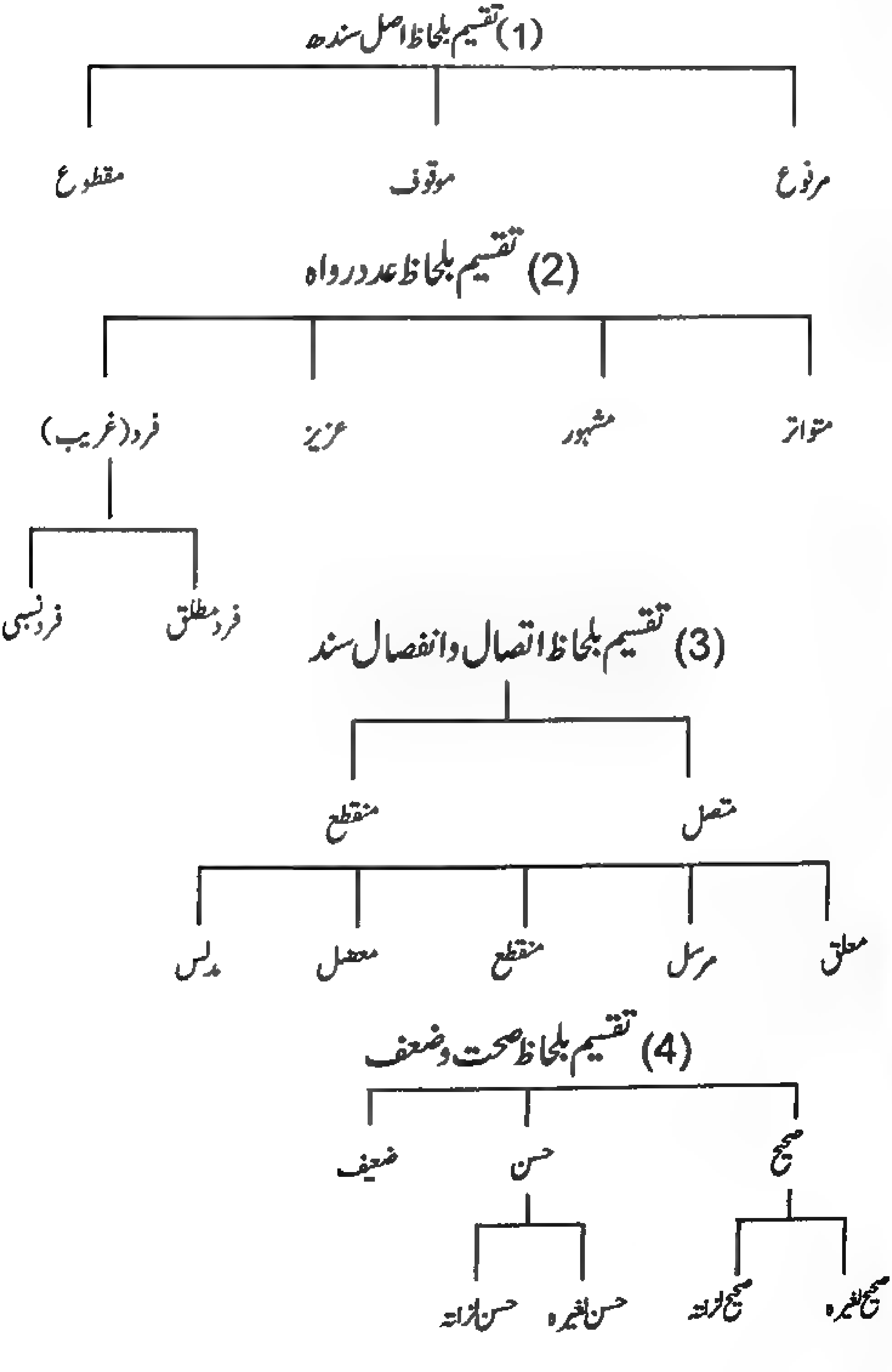
(1) تقسیم بلحاظ اصل سند
مرفوع
موقوف
مقطوع
(2) تقسیم بلحاظ عدد رواۃ
متواتر
مشہور
عزیز
فرد (غریب)
فرد مطلق
فرد نسبی
(3) تقسیم بلحاظ اتصال وانفصال سند
متصل
منقطع
معلق
مرسل
منقطع
معضل
مدلس
(4) تقسیم بلحاظ صحت وضعف
صحیح
حسن
ضعیف
صحیح لغیرہ
صحیح لذاتہ
حسن لغیرہ
حسن لذاتہ

تقسیم احادیث بلحاظ طعن یا اعتراض در عدالت

مذکورہ تقسیم احادیث کے بیان سے پہلے ان احادیث کا خاکہ پیش کیا جا رہا ہے جس میں کسی حدیث پر طعن یا اعتراض پایا جاتا ہو۔

خاکہ نمبر۲

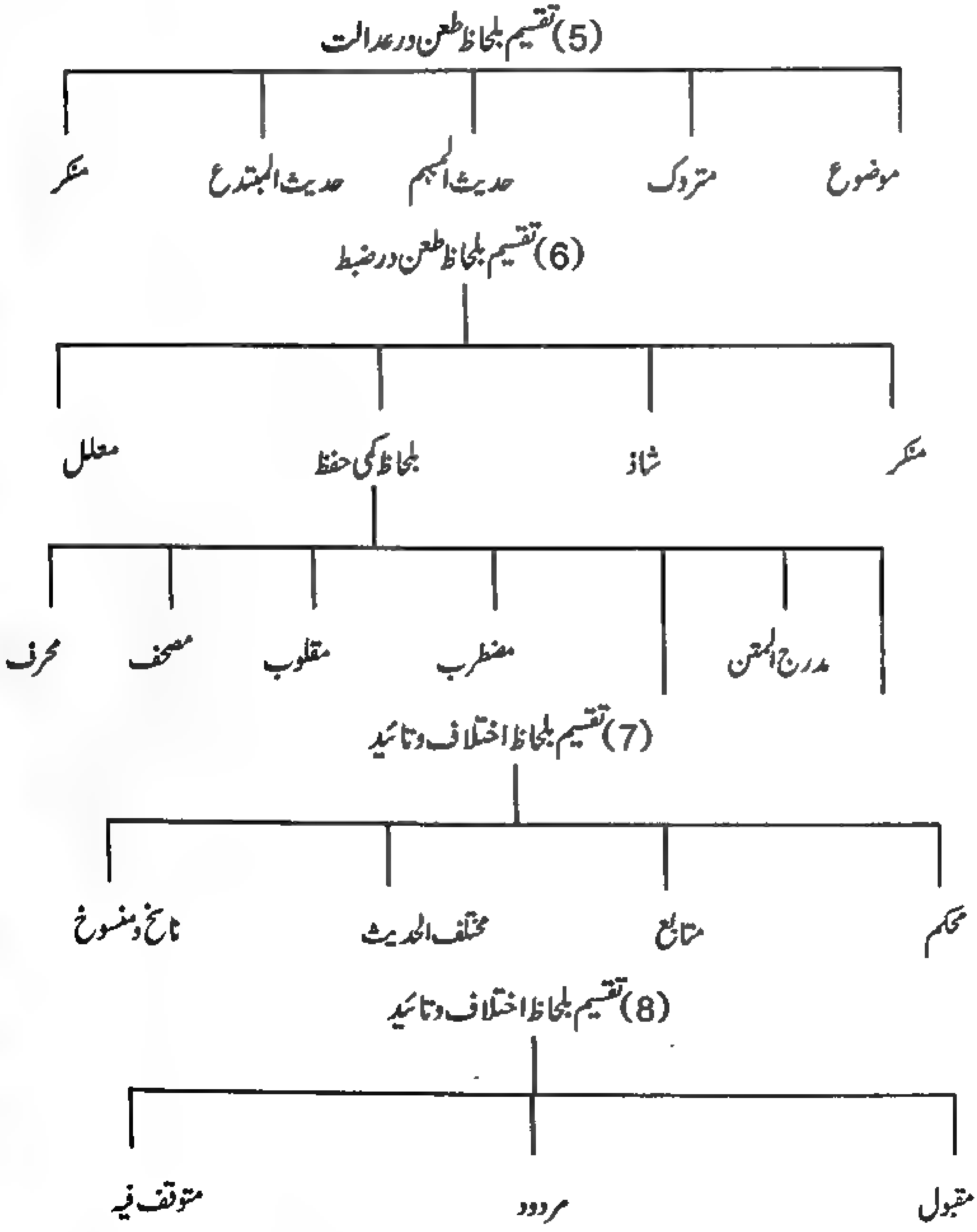
(5) تقسیم بلحاظ طعن در عدالت
موضوع
متروک
حدیث المبہم
حدیث المبتدع
منکر
(6) تقسیم بلحاظ طعن در ضبط
منکر
شاذ
بلحاظ کمی حفظ
معلل
مدرج المتن
مضطرب
مقلوب
مصحف
محرف
(7) تقسیم بلحاظ اختلاف وتائید
محکم
متابع
مختلف الحدیث
ناسخ ومنسوخ
(8) تقسیم بلحاظ اختلاف وتائید
مقبول
مردود
متوقف فیہ

ذیل میں ہم حدیث کی بعض مشہور اصطلاحات کو آسان سلیس اور عام فہم انداز میں بیان کرتے ہیں تا کہ عوام الناس میں سے معمولی پڑھے لکھے افراد بھی ان اصطلاحات سے واقفیت حاصل کر لیں، ان اصطلاحات کا سمجھنا فہم علم حدیث کے لیے اشد ضروری ہے۔

علم الاصطلاح وہ علم جس کے اصول وقواعد کے زریعے حدیث کی سند یا اس کے متن کے قبول ورد کرنے کے اعتبار سے حیثیت متعین ہو، اس علم کا موضوع سند ومتن پر قبولیت یا عدم قبولیت کی حیثیت سے بحث کرنا ہے۔ اس علم کا ثمرہ ونتیجہ یہ ہے کہ صحیح اور غلط میں حد امتیاز قائم ہو جاتی ہے۔

حدیث کسے کہتے ہیں؟ حدیث بمعنی جدید اور نیا کے ہے اور اس کی جمع احادیث خلاف ضابطہ آتی ہے۔ حضرت رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل اور تقریر کو حدیث کہتے ہیں۔ تقریر رسول ﷺ یہ ہے کہ کسی مسلمان نے رسول اکرم ﷺ کے سامنے کوئی کام کیا یا کوئی بات کہی تو آپ ﷺ نے جاننے کے باوجود اسے منع نہ فرمایا بلکہ خاموشی اختیار فرما کر اسے برقرار رکھا اور اس طرح اس کی تصویب وتثبیت فرمائی۔ حدیث، حدوث اور حدث پہلے بیان ہو چکے ہیں۔

خبر کی تعریف عربی میں خبر کو نباء کہتے ہیں۔ اس کی جمع انباء ہے، اس کے معنی میں حسب ذیل تین اقوال پیش کیے جاتے ہیں:

(۱) لفظ خبر حدیث کے مترادف ہے یعنی خبر اور حدیث دونوں معنی کے اعتبار سے ایک ہیں۔

(۲) مغائر ہے یعنی حدیث آپ ﷺ سے منسوب خبر کو اور خبر آپ ﷺ کے علاوہ کسی سے منسوب کو کہا جائیگا۔

(۳) حدیث کی نسبت عام ہے یعنی حدیث صرف اخبار نبی ﷺ کو کہا جائے گا جبکہ خبر عام ہے خواہ نبی کریم ﷺ سے منسوب ہو یا کسی اور سے۔

اثر کسے کہتے ہیں؟ کسی شے کے بقیہ حصہ کو اثر کہا جاتا ہے اور اس کے معنی میں دو قول ہیں:

(۱) حدیث کے مترادف ہے یعنی معنی کے اعتبار سے حدیث کے ساتھ ملحق ہے۔

(۲) حدیث سے مغائر (خلاف) ہے یعنی اثر ان اقوال وافعال کو کہا جائیگا، جو صحابہ ﷺ یا تابعینؒ سے منسوب ہوں۔

اسناد کے دو معنی ہیں (الف) حدیث کے سلسلہ سند کو قائل تک پہنچانا (ب) رواۃ کا وہ سلسلہ جو متن حدیث تک پہنچانے والا ہو، اس معنی کے اعتبار سے اسناد سند کے مترادف ہے۔

سند جس پر اعتماد کیا جائے اور سلسلہ رواۃ کو اس لیے سند کہا جاتا ہے کہ اس سے حدیث مستند ہوتی ہے اور قبول

روایت میں اسی پر اعتماد کیا جاتا ہے۔ رواۃ کے اس سلسلہ کو جو متن حدیث تک پہنچانے والا ہو، سند کہتے ہیں۔[1]

متن لغت میں متن کے معنی کسی چیز کو لٹکائے جانے یا زمین سے بلند ہونے کو کہتے ہیں اور اصطلاح میں جس کلام پر سند کی انتہا ہو اسے متن کہا جاتا ہے۔

مسند اسناد کا اسم مفعول ہے یعنی منسوب کیا ہوا اور اس کے تین معنی ہیں:

(۱) ہر وہ کتاب جس میں صحابہ کرام ؓ کی روایتیں علیحدہ علیحدہ منقول ہوں۔

(۲) وہ حدیث مرفوع جس کی سند متصل ہو۔

(۳) اس کو مصدر میمی بھی شمار کیا گیا ہے اور اس صورت میں یہ سند کے ہم معنی ہوگا۔

محدث وہ شخص ہوگا جو روایت اور درایت کے اعتبار سے علم حدیث کی خدمت میں مصروف ہو۔ کثیر روایت کا اسے علم ہو اور بہت سے راویوں کے حالات جانتا ہو۔

حافظ حافظ کے معنی میں دو قول ہیں (الف) حافظ محدث کا مترادف و ہم معنی ہے۔ (ب) یہ محدث سے اعلیٰ درجے کا ہے، اس حیثیت سے کہ ہر طبقہ میں وہ محدث سے زیادہ علم رکھتا ہو۔

حاکم حاکم وہ شخص ہے جو تمام احادیث کو احاطہ علم میں لے لے اور فقط چند احادیث اس کے علمی احاطے سے باہر ہوں۔

روایت حدیث یا اثر یا خبر بیان کرنے کو روایت کہا جاتا ہے۔

اصول درایت وہ قواعد جن سے نفس حدیث کی جانچ کی جاتی ہے۔

ثلاثیات وہ روایتیں جن میں راوی اور رسول اکرم ﷺ کے درمیان تین واسطے ہوں:

شیخین امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کو شیخین کہا جاتا ہے۔

امام جو حدیث، فقہ اور تمام علوم دینیہ میں صاحب کمال ہو۔

مجتہد جو قرآن اور حدیث سے مسائل کا استنباط کر سکتا ہو۔

سنت رسول کریم ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ کے قول و فعل کو کہتے ہیں، اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) عادی یعنی وہ افعال جو دنیوی مصلحت یا ذاتی ضروریات سے کیے گئے۔

(۲) عبادت یعنی وہ افعال جو بہ نیت ثواب کیے گئے۔

مؤکدہ جس فعل کو رسول اللہ ﷺ نے لازمی کیا ہو اور اس کی تاکید فرمائی ہو، اس کا تارک گناہ گار ہوگا۔

غیر مؤکدہ یا مستحب جس فعل کو رسول اللہ ﷺ نے کبھی کیا اور کبھی ترک کر دیا ہو، اس پر عمل کرنے

والے کو ثواب ملتا ہے اور اس کا چھوڑنے والا گناہ گار نہیں۔

طرق (سلسلہ روایت) یعنی ان لوگوں کا سلسلہ روایت جنہوں نے روایت کے الفاظ ایک دوسرے سے سنے۔

وضاع حدیثیں گھڑنے والے کو وضاع کہا جاتا ہے (خود ساختہ حدیثیں بیان کرنے والے کو وضاع کہا جاتا ہے)

مستدرک جو حدیثیں محدثین سے رہ گئی ہوں ان حدیثوں کے جمع کر دینے کو مستدرک کہا جاتا ہے۔

صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے بحالت ایمان رسول اللہ ﷺ کی (زیارت) کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو۔

تابعی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے بحالت ایمان کسی صحابی کی (زیارت) کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں اس کا انتقال ہوا ہو۔

تبع تابعی جس نے بحالت ایمان تابعیؒ سے ملاقات کی ہو اور ایمان ہی کی حالت میں انتقال ہوا ہو۔

متفق علیہ جس حدیث پر امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کا اتفاق ہو۔

قابل حجت احادیث جملہ احادیث مرفوعہ معتبرہ جو از روئے روایت و درایت صحیح ثابت ہوں وہ قابل حجت ہیں یعنی ان کے ذریعے احکام حلال و حرام بیع و نکاح و طلاق جیسے امور کے بارے میں دلیل پکڑ سکتے ہیں۔

حدیث ضعیف کا حکم محدثین اور فقہاء نے لکھا ہے کہ فضائل میں ضعیف حدیث پر عمل کرنا مستحب ہے، لیکن احکام حلال و حرام میں ان پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔

اصول روایت روایت کے اصول میں یہ دیکھا جاتا ہے کہ:

۱۔ راوی کس حد تک قابل اعتماد یا قابل تردید ہے، یہ ایک مستقل فن ہے جسے جرح و تعدیل کہتے ہیں۔

۲۔ حدیث کے کتنے طرق ہیں اور راویوں کی تعداد کیا ہے؟

۳۔ کیا حدیث صراحت سے حضور ﷺ تک پہنچتی ہے یا نہیں؟

۴۔ کیا حدیث کی سند متصل ہے؟

اصول درایت درایت کے چند اصول درج ذیل ہیں:

۱۔ روایت نص قرآنی کے خلاف نہ ہو، حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے سامنے جب حضرت عمرؓ اور ان کے صاحبزادے عبد اللہؓ کی یہ روایت بیان کی گئی کہ مردہ پر نوحہ کرنے سے اس پر عذاب ہوتا ہے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے قرآن حکیم کی اس آیت کے پیش نظر اس سے انکار کیا " لَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی " (کوئی جان کسی دوسری جان کا بوجھ نہیں اٹھائے گی) (سورۂ فاطر: ۱۸)

۲۔ روایت سنت متواتر کے خلاف نہ ہو۔

۳۔ روایت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اجماع قطعی کے مخالف نہ ہو۔

۴۔ روایت عقل سلیم کے منافی نہ ہو۔

۵۔ کوئی ایسا محسوس و مشہور واقعہ بیان ہو کہ جو وقوع میں آتا تو اس کی روایت کرنے والے متعدد آدمی ہوں اور اگر اس کا ایک ہی راوی ہو تو مقبول نہ ہوگی۔

۶۔ روایت شریعت کے مسلمہ اصولوں کے خلاف نہ ہو۔

۷۔ روایت صحیح اور مقبول حدیث کے منافی نہ ہو۔

۸۔ روایت قواعد عربیہ کیخلاف نہ ہو۔

۹۔ روایت ایسی نہ ہو کہ اس کے معانی رکیک (سست یا کمزور) ہوں یا شان نبوت کے منافی ہوں۔

سند کی انتہاء کے لحاظ سے تقسیم

کسی کی طرف منسوب کیے جانے کے اعتبار سے خبر کی چار قسمیں ہیں:

(۱) حدیث قدسی (۲) حدیث مرفوع (۳) حدیث موقوف (۴) حدیث مقطوع

حدیث قدسی قدسی، قدس سے منسوب ہے، بمعنی پاک و متبرک یعنی وہ روایت جسے حضور علیہ السلام نے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہو، قرآن اور حدیث قدسی میں متعدد فرق ہیں۔ بعض حسب ذیل ہیں:

۱۔ قرآن کریم کے الفاظ اور معانی دونوں اللہ تعالیٰ کی جانب سے نازل ہوتے ہیں اور حدیث قدسی میں معنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اور الفاظ آپ ﷺ کی طرف سے ہوتے ہیں۔

۲۔ قرآن کریم کی تلاوت محض عبادت ہے لیکن حدیث قدسی کی تلاوت محض عبادت نہیں۔

۳۔ قرآن کریم کے ثبوت میں تواتر شرط ہے جبکہ حدیث قدسی میں تواتر شرط نہیں۔ احادیث قدسیہ کی تعداد باقی احادیث کی بہ نسبت کم ہے۔ ان کی تعداد دو سو سے زائد ہے اور اس کی مثال حضور علیہ السلام کا یہ فرمان ہے جس کو آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کیا ہے ”اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر ظلم حرام کیا ہے اور تمہارے درمیان بھی اس کو حرام کیا ہے پس تم آپس میں ظلم نہ کرو“۔

(۲) مرفوع رفع سے اسم مفعول ہے جو وضع کی ضد ہے، اس کا نام مرفوع نبی کریم ﷺ کی رفعت شان کی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔

مرفوع ہر وہ روایت جو نبی کریم ﷺ کا قول، فعل یا تقریر نقل کرتی ہو، یعنی وہ حدیث ہے جس کی سند نبی کریم ﷺ تک پہنچے اور صحابی کہے کہ نبی کریم علیہ السلام نے فرمایا۔ اس تعریف کے لحاظ سے اس کی چار قسمیں ہیں:

(i) مرفوع قولی (ii) مرفوع فعلی (iii) مرفوع تقریری (iv) مرفوع وصفی

(i) مرفوع قولی کی مثال جیسے کوئی صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا کوئی اور راوی یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ..........

(ii) مرفوع فعلی کی مثال جیسے کوئی صحابی ؓ یا کوئی اور راوی یہ کہے کہ نبی کریم ﷺ نے ایسا کیا۔

(iii) مرفوع تقریری کی مثال جیسے کوئی صحابی یا کوئی اور راوی نبی کریم ﷺ کے سامنے کیے گئے کسی فعل کو نقل کرے اور اس پر آپ ﷺ کا انکار نقل نہ کرے۔

(iv) مرفوع وصفی کی مثال راوی آپ ﷺ کے کسی وصف کو بیان کرے۔ مثلاً یہ بیان کرے کہ آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ اخلاق والے ہیں۔

(۳) موقوف وقف کا اسم مفعول ہے، یعنی راوی حدیث نقل کرنے میں صحابی ؓ پر رک گیا اور سلسلہ سند کو آگے جاری نہیں رکھا، گویا ہر وہ روایت جو کسی ایک یا کئی صحابہ کی طرف منسوب ہو یا وہ روایات کسی صحابی ؓ سے جمع کی گئی ہوں خواہ وہ روایات قولی ہوں یا فعلی ہوں یا تقریری اور سند خواہ متصل ہو یا منقطع۔

(۴) مقطوع وہ حدیث ہے جس کی سند تابعی یا تابعی کے غیر تک پہنچے جیسے امام اعظمؒ فرمائیں کہ صحابی ؓ نے یہ فرمایا۔

راویوں کی تعداد کے لحاظ سے حدیث کی تقسیم

راویوں کی تعداد کے لحاظ سے حدیث مندرجہ ذیل اقسام پر مشتمل ہے:

(۱) خبر متواتر متواتر تواتر سے بنا ہے جو اسم فاعل ہے اور اس کے معنی مسلسل ہونے کے ہیں، مثلاً مسلسل بارش کو تواتر المطر کہتے ہیں۔ متواتر حدیث وہ ہوتی ہے جس کو نقل کرنے والے ہر زمانہ میں اتنی کثیر تعداد میں ہوں، جن کو جھوٹا کہنا ممکن نہ ہو۔ یا اتنے آدمی ہوں کہ ان کا جھوٹ پر جمع ہونا محال ہو۔

متواتر حدیث کے لیے حسب ذیل چار شرائط کا ہونا ضروری ہے:

(ا) آئمہ محدثین کا ایک راجح قول یہ ہے کہ اس حدیث کو کم از کم دس اشخاص ضرور روایت کریں۔

(ii) راویوں کی یہ کثرت تعداد تمام زمانوں میں پائی جاتی ہو۔

(iii) ان تمام راویوں کا جھوٹ پر متفق ہونا ممکن نہ ہو۔

(iv) یہ خبر کسی ایسے واقعہ سے متعلق ہو جو امر محسوس ہو یعنی راوی نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا ہو یا آپ ﷺ کا کوئی قول اپنے کانوں سے سنا ہو اور وہ کوئی عقلی اور نظریاتی خبر نہ ہو۔

متواتر حدیث کا حکم یہ ہے کہ یہ خبر راویوں کے احوال کی تفصیلات جانے بغیر ہی قابل قبول اور واجب العمل ہوتی ہے، جیسے قرآن کریم کے متعلق ہمیں یقین ہے کہ یہ خدا کا کلام ہے جو اس نے سرکار دو عالم ﷺ پر نازل فرمایا یا وہ احادیث شریفہ جو حضور علیہ السلام سے تواتراً ثابت ہیں۔

خبر متواتر کی دو قسمیں ہیں (الف) متواتر لفظی (ب) متواتر معنوی۔

جس روایت کے الفاظ و معانی دونوں متواتر ہوں اسے متواتر لفظی کہتے ہیں جیسے آپ ﷺ کا ارشاد "جس نے جان بوجھ کر میرے خلاف جھوٹ بولا وہ اپنا ٹھکانہ دوزخ میں بنالے"۔[1]

اس روایت کو ستر سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے نقل کیا ہے۔ جس روایت کے صرف معنی متواتر ہوں، اسے متواتر معنوی کہتے ہیں، مثلاً وہ احادیث جن میں نبی کریم ﷺ سے دعا کے دوران ہاتھ اٹھانا منقول ہے۔

احادیث متواترہ کی ایک کثیر تعداد احادیث کی کتب میں منقول ہے، مثلاً حدیث حوض، موزوں پر مسح کی احادیث، اور اسی طرح آپ ﷺ کا وہ فرمان جس میں آپ ﷺ نے فرمایا "اللہ پاک اس آدمی کو تر و تازہ و خوش و خرم رکھے جس نے میری بات سنی اس کو یاد رکھا اور دوسروں تک پہنچایا"۔[2]

(۲) خبر مشہور مشہور، شہر کا اسم مفعول اور کسی شے کے لیے اس وقت بولا جاتا ہے جبکہ اس کا ظہور و اعلان ہو چکا ہو اور اس خبر کو کہتے ہیں جس کو ہر طبقہ میں کم از کم تین راوی روایت کریں۔

خبر مشہور علم یقین کا فائدہ نہیں دیتی البتہ دل اس کی صداقت پر اور حضور علیہ السلام سے مروی ہونے کی وجہ سے بالکل مطمئن ہو جاتا ہے اور اس کی صحت کو تسلیم کرنے میں کوئی تذبذب نہیں پایا جاتا کیونکہ صحابہ کرام ﷺ کے متعلق ہمیں پورا وثوق ہے کہ وہ آپ ﷺ کی طرف جھوٹ منسوب نہیں کیا کرتے تھے۔ مستفیض، مشہور کے ہم معنی ہے۔

(۳) خبر عزیز جو چیز کم اور نادر الوجود ہو، اس کو عزیز کہتے ہیں۔ اس کو عزیز اس لیے کہا جاتا ہے کہ اس جیسی احادیث کم دستیاب ہیں یا اس بناء پر کہ دو سندوں کی وجہ سے اس میں قوت پیدا ہو جاتی ہے عزیز اس حدیث کو کہتے ہیں، جس کے راوی ہر زمانے میں دو سے کم کہیں نہ ہوں، جیسے حضور علیہ السلام کا فرمان ہے "تم میں سے کوئی مومن

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۲۲۹، جلد ۱، صفحہ ۴۳۴۔

[2] سنن ابی داؤد، حدیث ۶۶۰، جلد ۳، صفحہ ۳۲۲۔

نہیں ہوسکتا جب تک کہ میں اسے اس کی اولاد، والدین اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں"۔ [1]

(۴) **خبر غریب** غریب مفرد اور یکتا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی وہ مفرد جو اپنے اقارب سے دور ہو جائے اور خبر غریب ایسی روایت کو کہتے ہیں جس کو صرف ایک راوی نقل کرے، اس کی دو قسمیں ہیں (i) غریب المطلق یا فرد مطلق۔ اس روایت کو کہتے ہیں جس کی سند کے مدار میں غربت یا تفرد پایا جاتا ہو۔ جیسے حضور علیہ السلام کا فرمان "تمام اعمال کا دارومدار نیت پر ہوتا ہے"۔ (خبر واحد کی مختصر تفصیل آئندہ صفحات پر آرہی ہے) (ii) غریب النسبی یا فرد النسبی ایسی روایت ہے جس کی سند کے درمیان میں تفرد پایا جاتا ہو، جیسے یہ روایت "نبی کریم ﷺ جب مکہ میں داخل ہوئے تو آپ ﷺ کے سر مبارک پر خود تھا"۔ [2]

سند کے اتصال وانفصال کے لحاظ سے تقسیم

خبر واحد کی سقوط وعدم سقوط راوی کے اعتبار سے سات قسمیں ہیں:

(۱) متصل (۲) مسند (۳) منقطع (۴) معلق (۵) معضل (۶) مرسل (۷) مدلس

(۱) **متصل** وہ حدیث ہے جس میں مندرجہ ذیل شرائط موجود ہوں۔

(الف) سلسلہ سند کے دوران کوئی راوی نہ رہ گیا ہو (ب) کوئی راوی مجہول الحال نہ ہو (ج) ثابت ہو کہ ہر راوی نے اپنے شیخ یعنی استاد سے براہ راست سنا ہے۔

(۲) **مسند** وہ حدیث ہے کہ اس کی سند رسول خدا ﷺ تک متصل ہو۔

(۳) **منقطع** وہ حدیث ہے کہ اس کی سند متصل نہ ہو بلکہ کہیں نہ کہیں سے راوی گرا ہوا ہو۔

(۴) **معلق** وہ حدیث ہے جس کی سند کے شروع میں ایک راوی یا کثیر راوی گرے ہوئے ہوں۔

(۵) **معضل** وہ حدیث ہے جس کی سند کے درمیان میں سے کوئی راوی گرا ہوا ہو یا اس کی سند میں ایک سے زائد راوی پے در پے (مسلسل) گرے ہوئے ہوں۔

(۶) **مرسل** ارسل سے اسم مفعول ہے۔ جس کے معنی آزاد ہونا کے ہیں۔ یعنی مرسل سند اور راوی کی قید سے آزاد روایت ہے۔ اس کی تعریف یہ ہے کہ سند کے اخیر سے تابعی کے بعد راوی مذکور نہ ہوں۔ محدثین کے نزدیک اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی تابعی چھوٹا یا بڑا اصحابی ؓ کا نام لیے بغیر نبی کریم ﷺ سے منسوب کوئی قول، عمل یا تقریر نقل کرے۔ مثلاً امام مسلمؒ نے یہ روایت سے تخریج کی ہے "نبی کریم ﷺ نے مزابنہ سے منع فرمایا ہے (مزابنہ کچی فصل کا پکی فصل سے تبادلہ کرنا) مرسل بھی منقطع کی طرح روایت ضعیف اور مردود ہے

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۵، جلد ۱، صفحہ ۱۴۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۱۷۴۹، جلد ۲، صفحہ ۶۵۵۔

لیکن علماء محدثینؒ اور فقہاءؒ کے درمیان مرسل کے حکم اور اسے بطور دلیل قبول کرنے میں آراء کا اختلاف ہے کیونکہ عموماً راویؒ محذوف کے صحابی ؓ ہونے کا احتمال غالب ہے اور صحابہ ؓ تمام عادل ہیں ان کا مخفی ہونا روایت کی صحت پر اثر انداز نہیں ہوتا۔

صحابی رضی اللہ تعالی عنہ کا مرسل کوئی صحابی ؓ نبی کریم ﷺ سے کوئی ایسی روایت نقل کرے جس کے متعلق یقین ہو کہ کم عمری، قبول اسلام میں تاخیر یا بیان کردہ واقعہ کے وقت غیر حاضری کی بناء پر اس تک یہ روایت کسی صحابی کے واسطے سے پہنچی ہوگی لیکن وہ اس صحابی کا نام لیے بغیر نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں تو یہ روایت صحابی کی مرسل کہلائے گی جیسے عبداللہ بن عباس ؓ اور عبداللہ بن زبیر ؓ کی روایات۔ اگر تابعی اپنے ایسے ہمعصر سے ارسال کرتا ہے جس سے اس کی ملاقات ثابت نہیں تو اس کو مرسل خفی کہتے ہیں۔

صحیح اور مشہور قول کے مطابق جس کو آئمہ حدیث کی اکثریت نے اختیار کیا ہے، صحابی کی مرسل صحیح ہے اور اس سے استدلال جائز ہے کیونکہ اس بات کا امکان نہیں کہ صحابی کسی تابعیؒ سے روایت نقل کریں۔ اگر ایسی بات ہوتی ہے تو وہ اس کی صراحت کرتے ہیں لیکن جب وہ اس بات کی صراحت نہیں کرتے اور نبی کریم ﷺ سے منسوب کوئی روایت نقل کرتے ہیں تو ظاہر یہی ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی صحابی سے سنی ہوگی لیکن ان کا نام حذف کر دیا جو سند کی ثقاہت کے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔

(۷) مدلس تدلیس سے اسم مفعول ہے اور تدلیس خریدار سے سامان کے عیب چھپانے کو کہتے ہیں۔ حدیث مدلس میں کیونکہ مدلس حدیث کو عالم سے چھپانے کی کوشش کرتا ہے جس سے حدیث کا معاملہ تاریکی میں جانے لگتا ہے اس لیے اس حدیث کو مدلس کہا جاتا ہے۔ اس کی تعریف یوں ہے ''سند کے عیب کو چھپانا اور اس کے حسن کو ظاہر کرنا''۔

قوت وضعف کے اعتبار سے خبر احاد کی تقسیم

خبر احاد کی وہ اقسام جو سند میں راویوں کی تعداد کے اختلاف سے مختلف ہوتی ہیں، سند میں قوت و ضعف کی بنیاد پر دو قسموں میں منقسم ہیں۔

(۱) خبر مقبول جس خبر میں سچائی کا احتمال غالب ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو حجت ماننا اور اس پر عمل کرنا واجب ہے۔

(۲) خبر مردود جس خبر میں سچائی کا احتمال غالب نہ ہو اس کا حکم یہ ہے کہ اس کو حجت ماننا واجب ہے نہ اس پر عمل کرنا۔

خبر مقبول کی اقسام

بنیادی طور پر خبر مقبول کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) صحیح (۲) حسن

پھر ان میں سے ہر ایک کی دو قسمیں ہیں۔ لذاتہ اور لغیرہ۔ اس طرح خبر مقبول کی کل چار اقسام بن گئیں۔

(۱) صحیح لذاتہ (۲) حسن لذاتہ (۳) صحیح لغیرہ (۴) حسن لغیرہ

ا۔ خبر صحیح لذاتہ کی تعریف صحیح سقم کی ضد ہے۔ حقیقت میں یہ لفظ اجسام کی صورت کے لیے بولا جاتا ہے۔ حدیث یا دیگر معانی کی صحت کے لیے اس کا استعمال مجازی ہے۔ ایسی چیز جس کی سند از ابتداء تا انتہاء ایسے لوگوں سے متصلاً منقول ہو، جو عادل بھی ہوں اور ضابط بھی ہوں اور یہ خبر شذوذ (انتشار) اور علت سے خالی ہو۔ حدیث کے صحیح ہونے کے لیے حسب ذیل امور کا ہونا ضروری ہے۔

(الف) اتصال سند سند میں از ابتداء تا انتہاء ہر راوی اپنے شیخ سے بذات خود براہ راست مل کر روایت نقل کر رہا ہو۔

(ب) راوی کی عدالت سند کے تمام راوی اسلام، بلوغ، عقل کی صفات سے متصف ہوں اور یہ بھی ضروری ہے کہ وہ فاسق نہ ہوں اور عزت و شرافت کی روایات کو پامال کرنے والے نہ ہوں۔

(ج) راوی کا ضبط راوی روایت کو پورے حفظ و ضبط کے ساتھ بیان کرے۔ یہ اعتماد خواہ اسے حافظہ کی بناء پر ہو یا کسی نوشتہ کی بناء پر۔

(د) شاذ نہ ہونا روایت شاذ نہ ہو یعنی کوئی راوی اپنے سے زیادہ ثقہ راوی کی مخالفت نہ کر رہا ہو۔

(ھ) علت کا نہ ہونا حدیث میں کوئی علت نہ پائی جاتی ہو اور علت ایسی خفیہ خرابی کو کہتے ہیں جو روایت کی صحت کو متاثر کرتی ہے لیکن ظاہری عبارت اس علت سے خالی نظر آتی ہے۔

اس کی مثال نبی کریم ﷺ کا عمل جسے امام بخاریؒ نے نقل کیا ہے کہ حضور علیہ السلام نے مغرب کی نماز میں سورۃ الطور کی تلاوت فرمائی۔ یہ روایت خبر صحیح ہے۔ حکم آئمہ حدیث کے اجماع کے مطابق اس پر عمل واجب ہے۔ اصولیین اور فقہاء کی رائے کے مطابق خبر صحیح دلائل و مصادر شرعیہ میں سے ایک مصدر ہے، کسی مسلمان کے لیے اس کو ترک کرنے کی کوئی گنجائش نہیں۔

احادیث صحیحہ کی جو سب سے پہلی کتاب تالیف کی گئی ہے، وہ امام بخاریؒ کی جامع الصحیح ہے اور اس کے بعد امام مسلمؒ کی جامع الصحیح ہے، ان دونوں کو قرآن کے بعد صحیح ترین کتب مانا گیا ہے اور امت میں دونوں کتب قبولیت عامہ کا درجہ رکھتی ہیں۔ امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے جن صحیح احادیث کو تخریج نہیں کیا، ان کو صحیح

ابن خزیمہ، صحیح ابن حبان، مستدرک حاکم، سنن اربعہ، سنن دار قطنی اور بیہقی وغیرہ میں دیکھا جاسکتا ہے۔

(۲) صحیح لغیرہ کی تعریف وہ روایت جو دراصل حسن لذاتہ ہو لیکن اس جیسے کسی دوسرے طریق سے یا اس سے قوی تر طریق سے مروی ہو اس تائید کی بناء پر وہ صحیح لغیرہ کہلاتی ہے کیونکہ اس کی سند اپنی ذات کے اعتبار سے صحیح کے مرتبہ کی نہیں ہوتی لیکن دوسری سند کے ملنے سے اس میں صحت آجاتی ہے۔ صحیح لغیرہ کا مرتبہ حسن لذاتہ سے اعلیٰ ہے لیکن صحیح لذاتہ سے کم ہے جیسے امام ترمذیؒ کی یہ روایت کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر مجھے اپنی امت کی مشقت کا خیال نہ ہوتا تو میں ان کو ہر نماز میں مسواک کا حکم دیتا''۔[1]

۳۔ حسن لذاتہ کی تعریف آئمہ حدیث نے تعریف میں اختلاف کیا ہے لیکن سب سے زیادہ راجح تعریف علامہ ابن حجر عسقلانیؒ نے یوں کی ہے ''وہ تمام اخبار احاد جو نقل عدل، تام الضبط، اتصال سند، علت شذوذ سے مبرا ہوں وہ صحیح لذاتہ ہیں اور اگر ضبط (حافظہ) میں کوئی کمی آجائے تو وہ حسن لذاتہ ہوگی۔

دوسرے الفاظ میں ''جس کی سند نقل عدل کے ساتھ متصل ہو لیکن جس کے ضبط میں کچھ کمی پائی جاتی ہو اور جس میں علت وشذوذ نہ ہو''۔ روایت حسن لذاتہ قوت میں کمی کے باوجود استدلال کے اعتبار سے صحیح کے برابر ہے۔ تمام فقہاء اور اصولیین نے اس سے استدلال کیا ہے اور اس پر عمل بھی کیا ہے۔ جیسے حضور علیہ السلام کا فرمان ''جنت تلوار کے سائے تلے (کے نیچے) ہے''۔[2]

۴۔ حسن لغیرہ کی تعریف وہ ضعیف روایت جو متعدد طرق سے منقول ہو لیکن اس کا ضعف راوی کے فسق یا کذب کی وجہ سے نہ ہو، اس تعریف سے واضح ہوا کہ ضعیف روایت دو طریقوں میں سے کسی ایک کی بناء پر حسن کے مرتبہ تک پہنچ سکتی ہے:

(i) وہ روایت اس ضعیف سند کے علاوہ اس کے ہم مرتبہ یا اس سے قوی تر سند یا سندوں سے بھی مروی ہو۔

(ii) حدیث میں ضعف کا سبب راوی کا سوء حفظ ہو، اس کی سند میں انقطاع ہو یا کسی راوی کے بارے میں علم نہ ہوتا ہو۔

حسن لغیرہ کا مرتبہ حسن لذاتہ سے کم تر ہے، اگر ان دونوں میں تعارض ہو تو حسن لذاتہ کو ترجیح دی جائیگی۔

احادیث کی مزید اقسام

(i) حدیث ضعیف ایسی روایت جو حسن کی شرائط میں سے کسی شرط کے مفقود ہونے کی وجہ سے حسن کے

---

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۱۸۹، جلد ۲۲، صفحہ ۷۶۔

[2] صحیح البخاری، حدیث ۲۶۶۳، جلد ۳، صفحہ ۱۰۳۷۔

مرتبہ تک نہ پہنچ سکی ہو یعنی جو بھی روایت حسن کے مرتبہ سے کم ہو گی، وہ ضعیف ہے اور اس کی بہت سی قسمیں ہیں (۱) ضعیف (۲) ضعیف تر (۳) واہی (۴) موضوع جو ضعیف کا بدترین درجہ ہے۔

آئمہ حدیث کے نزدیک احادیث موضوعہ کے سوا تمام ضعیف احادیث کی ضعف و نقص اسناد کی صراحت کے بغیر روایت کیا جا سکتا ہے۔ بشرطیکہ (الف) روایت عقائد دینیہ جیسے صفات باری تعالیٰ سے متعلق نہ ہو (ب) احکام شرعیہ یعنی حلال و حرام کا بیان کرنے والی نہ ہو۔

(ii) موضوع وہ حدیث ہے جس کے راوی پر حدیث نبوی ﷺ میں جھوٹ بولنے کا طعن موجود ہو تو اس کی روایات کو موضوع کہا جاتا ہے۔ آئمہ حدیث کا اس بات پر اجماع ہے جب کسی راوی کو حدیث کے موضوع ہونے کا علم ہو جائے تو اس کے لیے روایت نقل کرنا کسی بھی حال میں حلال نہیں، الا یہ کہ وہ حدیث بیان کرنے کے بعد تصریح کر دے کہ یہ موضوع ہے کیونکہ آپ ﷺ کا فرمان ہے ''جو مجھ سے ایسی حدیث بیان کر دے جس کے بارے میں وہ سمجھتا ہو کہ وہ جھوٹ ہے تو وہ جھوٹوں میں سے ایک جھوٹا ہے''۔[1]

(iii) متروک جس کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس پر جھوٹ کا الزام لگایا گیا ہو۔ الزام کے دو اسباب ہیں (۱) جس راوی پر الزام لگایا گیا ہے، ایک سند کے سوا کسی اور سند سے روایت نقل نہ کر رہا ہو اور قواعد معلومہ کی مخالفت کرتا ہو۔ (۲) عام عادت میں اس کا جھوٹا ہونا معروف ہو اگرچہ حدیث کی نقل میں اس کا جھوٹا ہونا ثابت نہ ہو۔

(iv) شاذ وہ حدیث جس کا راوی ثقہ ہو مگر ایک ایسی جماعت کثیرہ کی مخالفت کرتا ہو جو اس سے زیادہ ثقہ ہو۔

(v) منکر کی تعریف علماء حدیث نے منکر کی دو مشہور تعریفیں کی ہیں (الف) ایسی روایت جس کی سند میں کوئی ایسا راوی ہو جس نے کسی بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہو یا غفلت سے کام لیا ہو یا اس کا فسق ظاہر ہو گیا ہو۔

(ب) ضعیف راوی ایسی روایت نقل کرے جس میں ثقہ کی مخالفت ہو۔ علامہ ابن حجرؒ نے اس تعریف کو راجح قرار دیا ہے۔ منکر انتہائی ضعیف روایات میں سے ہے۔ اسی بناء پر متروک کے بعد شدت ضعف میں منکر کا درجہ ہے۔

(vi) محفوظ اس حدیث کو کہتے ہیں جو شاذ کے مقابل ہو۔

معروف کسے کہتے ہیں کوئی ثقہ راوی کسی ضعیف راوی کے مخالف روایت نقل کرے اس تعریف کے اعتبار سے معروف منکر کے مقابل ہے۔

(vii) مُعَلَّل وہ روایت جس میں ایسی علت محسوس ہو جائے جو صحت روایت پر اثر انداز ہوتی ہو جبکہ

---

[1] الجامع الاخلاق الراوی، احمد بن علی البغدادی، حدیث ۱۲۹۰، جلد ۲، صفحہ ۹۹، مکتبۃ المعارف، الریاض۔

بظاہر وہ روایت اس علت سے پاک ہو، علت کے معنی یہ ہیں کہ ایسا مخفی اور معمولی سبب جو حدیث کی صحت میں عیب لگاتا ہو۔

(viii) **مضطرب** اضطراب سے اسم فاعل ہے یعنی کسی معاملہ میں خلل یا اس کے کسی نظام میں فساد پیدا ہو جانا۔ اس کی اصل اضطراب (موج) ہے جبکہ موجوں کی حرکت اور ضربیں زیادہ بڑھ جائیں اور ایسی روایت کو مضطرب کہا جاتا ہے جو اس قدر مختلف انداز و طرق سے مروی ہوتی ہے کہ ان کے درمیان تطبیق ممکن نہ ہو اور وہ تمام روایتیں قوت سند کے اعتبار سے برابر ہوں کہ کسی وجہ ترجیح کی بناء پر ان میں سے کسی ایک کو راجح قرار دینا ممکن نہ ہو۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) مضطرب السند (ب) مضطرب المتن

پہلی کی مثال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی حدیث "یا رسول اللہ ﷺ میں دیکھ رہا ہوں کہ آپ بوڑھے ہو گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا مجھے سورۂ ہود اور اس قسم کی دوسری سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے"۔ امام دارقطنی فرماتے ہیں کہ یہ روایت مضطرب السند ہے۔

مضطرب المتن کی مثال کے لیے امام ترمذیؒ نے ایک روایت نقل کی ہے کہ آپ ﷺ سے زکوٰۃ کے بارے میں پوچھا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا "مال میں زکوٰۃ کے علاوہ بھی حق ہے"۔[1] اس روایت کو ابن ماجہؒ نے انہی الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے۔

(ix) **مقلوب** وہ حدیث ہے جس میں بھول سے متن یا سند کے اندر تقدیم و تاخیر واقع ہو گئی ہو یعنی لفظ مقدم کو مؤخر اور مؤخر کو مقدم کیا گیا ہو یا بھول کر ایک راوی کی جگہ دوسرا راوی رکھا گیا ہو۔

(x) **مصحف** وہ حدیث ہے جس میں باوجود صورت خطی باقی رہنے کے نقطوں اور حرکات و سکنات کے تغیر کی وجہ سے تلفظ میں غلطی واقع ہو جائے۔

(xi) **مدرج** وہ حدیث ہے جس میں کسی جگہ راوی اپنا کلام درج کرے۔ اس کی دو قسمیں ہیں:

(الف) مدرج الاسناد (ب) مدرج المتن

(الف) **مدرج الاسناد** وہ حدیث ہے جس کے سلسلہ سند میں کوئی چیز بڑھا دی گئی ہو، مثلاً کسی راوی نے کوئی حدیث مختلف طرق سے سنی اور انہیں مخلوط کر کے ایک سند بنا دی۔

(ب) **مدرج المتن** وہ حدیث ہے جس کے متن میں کوئی الفاظ بڑھا دیئے گئے ہوں۔

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۶۶۰، جلد ۳، صفحہ ۴۸۔

(xii) مزید فی متصل الاسانید جب دو سندوں میں سے ایک میں راوی زیادہ ہو اور ترجیح کا قرینہ میسر ہو تو زائد راوی والی حدیث کو مزید فی متصل الاسانید کہتے ہیں۔

خبر مقبول کی قسمیں باعتبار عمل

عمل کے اعتبار سے خبر مقبول کی دو قسمیں ہیں (۱) معمول بہا (۲) غیر معمول بہا۔ ان دو قسموں کی بناء پر علوم حدیث کی مختلف انواع واقسام میں منقسم ہو جاتی ہیں (۱) محکم ومختلف الحدیث (۲) ناسخ ومنسوخ

ا۔ محکم ومختلف الحدیث ایسی حدیث مقبول جو اپنی جیسی کسی حدیث سے متعارض نہ ہو اس کو محکم کہتے ہیں۔ اکثر احادیث شریفہ اسی نوع کی ہیں۔ مجموعہ احادیث میں مختلف الاحادیث محکم احادیث کے مقابلہ میں بہت کم ہیں۔ مختلف الحدیث کی تعریف حسب ذیل ہے:

۲۔ مختلف الحدیث کی تعریف یہ ہے کہ ایسی مقبول حدیث جو اپنی جیسی کسی دوسری حدیث سے اختلاف کر رہی ہو لیکن ان دونوں کو جمع کرنا ممکن ہو یعنی وہ کوئی ایسی صحیح حدیث یا حسن حدیث ہو جو اپنے ہم مرتبہ کسی دوسری حدیث سے معنوی طور پر بظاہر متعارض نظر آتی ہو لیکن صاحبان علم اور فہم سلیم رکھنے والے حضرات کے لیے ممکن ہو کہ وہ ان کے مدلول میں اس طرح مطابقت پیدا کریں کہ جو قابل قبول بھی ہو اور اس ظاہری تضاد کو دور کرنے والی بھی ہو۔ اس کی مثال امام مسلمؒ کی یہ دو روایات ہیں (۱) ''امراض میں تعدیہ اور بد فالی نہیں ہے۔ (۲) مجذوم سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہیں۔ دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض معلوم ہو رہا ہے جس کو ختم کرنے کے لیے کہا جا سکتا ہے کہ عدوی (تعدیہ) منفی وغیر ثابت ہے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کوئی شے کسی دوسری شے کو بیمار نہیں کر سکتی۔ اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک ایسے شخص کو جس نے یہ عرض کیا کہ خارشی اونٹ کو صحت مند اونٹوں میں چھوڑ دیا جائے تو یہ بیماری دوسرے اونٹوں کو لگا دیتا ہے، فرمایا پہلے اونٹ کو بیماری کس نے لگائی ہے یعنی اللہ نے جس نے یہ مرض پہلے اونٹ میں پیدا کیا، اسی نے دوسرے اونٹ کو بھی س میں مبتلا کر دیا اور مذوم (کوڑھی) سے بچنے اور اس علاقہ سے نکلنے کا حکم دیا۔ دراصل اس کا سبب یہ ہے کہ جو شخص جذام کے مریض سے علیحدہ نہ ہو اس مرض میں مبتلا ہو جائے تو اس کا نظریہ ہوگا کہ مرض کے متعدی ہونے کی وجہ سے اس مرض میں مبتلا ہوا ہے اس کے بالمقابل اگر وہ شخص اس مقام سے جہاں یہ مرض وباء کی شکل میں پھیلا، نکل گیا اور پھر اس مرض میں مبتلا ہوا تو اس کو تقدیر الٰہی پر محمول کریگا۔

رفعِ تعارض کے فن کی اہمیت

احادیث میں رفع تعارض کا یہ فن علوم حدیث میں ایک اہم فن کی حیثیت رکھتا ہے۔ سارے علماء اس فن کے سیکھنے کے محتاج ہیں لیکن اس میں مہارت انہی آئمہ کے حصہ میں آئی ہے جو بیک وقت حدیث وفقہ

کے جامع ہیں، دقیق معانی کے بحرِ ذخار میں غوطہ زنی پر قادر ہیں اور اصول فقہ پر پوری دسترس رکھتے ہیں۔ ایسے آئمہ کے لیے شاذ و نادر ہی کوئی حدیث مشکل ہوتی ہے۔ دلائل کا یہ تعارض علماء کی جولانگاہ ہوتا ہے۔ اسی میدان میں ان کے کمالات، ان کی دِقّتِ فہم اور دلائل میں حسنِ انتخاب کا ملکہ کھل کر ظاہر ہوتا ہے لیکن یہی وہ میدان ہے جہاں علماء کے دستر خواں کے خوشہ چینوں کے قدم ڈگمگاتے ہیں اور غلطیاں ظاہر ہوتی ہیں۔

ناسخ و منسوخ لغوی اعتبار سے اس کے دو معنی ہیں (۱) ختم کر دینا جیسے سورج کی روشنی سائے کو ختم کر دیتی ہے، جبکہ سورج نصف النہار پر ہو یعنی لغوی اعتبار سے ناسخ منسوخ کو ختم کر دیتا ہے یا کسی دوسرے حکم کی طرف منتقل کر دیتا ہے۔ اس کی تعریف یہ کہ ”شارع کی جانب سے کسی نئے حکم کے ذریعے سے پرانے حکم کو ختم کر دیا جائے“۔

ناسخ اور منسوخ کی اہمیت ناسخ و منسوخ کی پہچان ایک بہت ہی اہم اور مشکل فن ہے۔ امام زہریؒ فرماتے ہیں حدیث میں ناسخ و منسوخ کی پہچان سے فقہاء مشکل میں گرفتار ہو گئے اور عاجز آ گئے ہیں۔ امام شافعیؒ اس فن میں کمال درجہ کی مہارت اور ید طولیٰ رکھتے ہیں۔ امام احمد بن حنبلؒ نے ابن دراۃ سے جو مصر سے آئے تھے، دریافت کیا ”تو نے امامِ شافعیؒ کی کتب دیکھی ہیں؟“ انہوں نے عرض کیا نہیں۔ آپؒ نے فرمایا امام شافعیؒ سے شرف تلمذ سے قبل مجمل و مفسر کی تمیز تھی نہ ناسخ اور منسوخ روایت کا علم ہوتا تھا۔

ناسخ اور منسوخ کی پہچان ناسخ و منسوخ کی پہچان حسب ذیل ذرائع میں سے کسی ایک ذریعہ سے ہو سکتی ہے:

(الف) نبی کریم ﷺ کی صراحت حضرت بریدہ ؓ کی روایت جسے امام مسلمؒ نے تخریج کیا ”میں نے تم کو قبور کی زیارت سے منع کیا تھا۔ اب حکم یہ ہے کہ قبرستان جایا کرو کیونکہ زیارتِ قبور آخرت کی یاد دلاتی ہے“۔

(ب) صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قول کے ذریعے حضرت جابر بن عبداللہ ؓ کا قول ہے کہ نبی کریم ﷺ کا آخری عمل آگ پر پکی ہوئی چیز کو کھا کر وضو نہ کرنا تھا۔

(ج) تاریخ کا علم کسی ایک حدیث کے متعلق قرائن سے واضح ہو جائے کہ یہ مؤخر ہے تو وہ ناسخ ہو گی، جیسے شداد بن اوس کی حدیث حجامت بنانے والا اور بنوانے والا روزہ نہ رکھے کو حضرت ابن عباس ؓ کی روایت کہ ”نبی کریم ﷺ نے حالتِ احرام میں حجامت بنوائی“ نے منسوخ کر دیا کیونکہ شداد کی بعض سندوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ زمانہ، فتح مکہ کا عمل نقل کر رہے ہیں، جبکہ ابن عباس ؓ حجۃ الوداع کا۔

(د) اجماع امت جیسے حدیث ”جو شراب پیئے اس کو کوڑے مارو اور جو چوتھی مرتبہ اعادہ کرے اسے قتل کر

دو"۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اجماع امت نے اس کے نسخ کی طرف دلالت کی ہے۔ اجماع اگر ناسخ و منسوخ نہیں ہو سکتا لیکن کسی ناسخ کی طرف راہنمائی تو اجماع کر سکتا ہے۔

نسخ کی صورتیں جیسا کہ نسخ کے معنی سے ظاہر ہوتا ہے کہ (۱) ازالہ یعنی زائل کرنا یا مٹانا (۲) تبدیل یعنی ایک چیز کو دوسری چیز کی جگہ رکھنا۔ قرآن مجید کی آیات کا نسخ انہی دو معنوں کے لحاظ سے ہوا ہے اور اس کی مندرجہ ذیل صورتیں ہیں:

(۱) آیت کا حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہوئے صحیح مسلم کتاب الصلوٰۃ میں حضرت انس ﷺ کی روایت درج ہے کہ بئر معونہ کے شہداء کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی تھی جسے ہم پڑھتے تھے لیکن پھر منسوخ ہو گئی۔ اسی طرح صحیح مسلم کتاب الزکوٰۃ میں یہ روایت ہے کہ سورۂ برأت کے برابر ایک سورت تھی جو اذہان (ذہنوں) سے محو کر دی گئی۔ احادیث شریفہ سے ثابت ہوتا ہے کہ اکثر منسوخ آیات کو اللہ تعالیٰ نے ذہنوں سے بیک وقت محو کرا دیا۔ اس کا ثبوت سورۂ بقرہ کی آیت ۱۰۶ سے بھی ملتا ہے جس میں ارشاد ہے:

"مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَآ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝"

(ہم جب کوئی آیت منسوخ کر دیتے ہیں یا اسے فراموش کرا دیتے ہیں (تو بہر صورت) اس سے بہتر یا ویسی ہی (کوئی اور آیت) لے آتے ہیں، کیا تم نہیں جانتے کہ اللہ ہر چیز پر (کامل) قدرت رکھتا ہے ۝

اس کا قطعی ثبوت سورۃ الاعلیٰ کی مندرجہ ذیل آیت سے ملتا ہے

سَنُقْرِئُكَ فَلَا تَنْسٰٓى ۝ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ ؕ اِنَّهٗ يَعْلَمُ الْجَهْرَ وَمَا يَخْفٰى ۝

(اے حبیب مکرم!) ہم آپ کو خود (ایسا) پڑھائیں گے کہ آپ (کبھی) نہیں بھولیں گے ۝ مگر جو اللہ چاہے، بے شک وہ جہر اور خفی (یعنی ظاہر و پوشیدہ اور بلند و آہستہ) سب باتوں کو جانتا ہے ۝) (الاعلیٰ: ۶۔۷)

اس آیت میں جس کلام کے بارے میں استثناء ہے، وہ ایسی آیات ہیں، جنہیں اللہ تعالیٰ نے ذہنوں سے فراموش کرا دیا۔

(۲) حکم منسوخ ہوا اور تلاوت باقی رہ گئی ایسی آیات کی تعداد بہت کم ہے۔ اس کی مثال یہ ہے کہ سورۂ توبہ آیت ۸۰ میں رسول اکرم ﷺ سے ارشاد ہے:

"اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ ؕ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ "

(آپ بخشش طلب کریں ان کے لیے یا نہ کریں اگر آپ بخشش طلب کریں ان کے لیے ستر بار جب بھی نہ

بخشے گا اللہ تعالیٰ انہیں) (توبہ: ۸۰)

یاد رہے کہ اولیائے عظام" کا یہ قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی ایسی کوئی دعا نہ تھی جس کو اللہ تعالیٰ نے قبول نہ کیا ہو، لیکن رئیس المنافقین کے سلسلے میں آپ ﷺ کو فرمایا جا رہا ہے کہ آپ ﷺ اس کے لیے دعا نہ مانگیں تا کہ ایسا نہ ہو کہ آپ ﷺ دعا کریں اور میں قبول نہ کروں۔ اسی لیے آپ ﷺ کو پہلے ہی سے آگاہ کر دیا کہ اس کے لیے دعا نہ مانگیں اور ان کی قبر پر بھی نہ کھڑے ہوں۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ نہ صرف آپ کی دعا معنی خیز بلکہ آپ ﷺ کا ان کی قبر پر کھڑا ہونا بھی برکت اور رحمت سے خالی نہیں۔ (اس سے یہ اندازہ نہ لگایا جائے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کی دعا کو رد کرنے کی دھمکی دی ہے) مذکورہ سورہ میں دعا کرنے سے منع کیا تھا لیکن سورہ توبہ کی آیت ۸۴ میں ارشاد ہوا "ان میں سے کوئی مر جائے تو اس پر ہرگز نماز نہ پڑھیں اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں"۔ اس کی ایک اور مثال سورۃ المجادلہ کی آیت النجوی ہے جو اس سے آگے کی آیت سے منسوخ ہے۔ اسی طرح آیتِ وصیت (البقرۃ: ۱۸۰) آیتِ میراث (النساء: ۱۲) سے منسوخ ہے۔

(۳) تلاوت منسوخ ہوئی اور حکم باقی رہا اس کی ایک مثال آیتِ رجم ہے۔

کعبہ کو قبلہ قرار دینے سے اللہ تعالیٰ کی منشاء یہ ہے کہ یہ معلوم ہو جائے کہ کون شخص اسلام پر ثابت قدم رہتا ہے اور کون پلٹ جاتا ہے۔

نسخ کا مسئلہ نہایت نازک ہے اور بعض لوگ فوراً بول اٹھتے ہیں کہ معاذ اللہ کیا اللہ تعالیٰ سے پہلے غلطی ہو گئی تھی جسے اس نے منسوخ کرنے کا نیا حکم دیا ہے۔ مکہ کے مشرکین نے بھی اس قسم کی طنز کی تھی جس کے جواب میں سورہ نحل کی آیت نمبر ۱۰۱ اور ۱۰۲ نازل ہوئیں جن کا ترجمہ حاضر خدمت ہے:

"جب ہم ایک آیت کے بدلے دوسری آیت لاتے ہیں اور اللہ جو نازل کرتا ہے اسے خوب جانتا ہے تو یہ لوگ (نبی ﷺ سے) کہتے ہیں کہ تو (معاذ اللہ) جھوٹ گھڑتا ہے۔ بلکہ ان (مشرکین) میں سے اکثر (آیت بدلنے کی حکمت کو) نہیں جانتے۔ (اے نبی ﷺ) آپ کہہ دیجئے کہ جبرائیل علیہ السلام نے قرآن کو آپ ﷺ کے دل پر آپ ﷺ کے رب کی طرف سے ٹھیک ٹھیک اتارا ہے تا کہ صاحب ایمان لوگ ثابت قدم ہوں اور ان کے لیے ہدایت اور بشارت ہو"۔

ان آیات میں بھی اس طرح خصوصیت سے اشارہ ہے کہ نسخ پر ایمان لانے اور پختہ رہنے سے دل کو قوت حاصل ہوتی ہے۔

نسخ سے مسلمان کو انکار نہیں ہو سکتا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے احکام میں تبدیلی کی ہے مثلاً پہلے بیت

المقدس کو قبلہ ٹھہرایا تھا پھر کعبہ کو قبلہ کر دیا۔ پہلے دو نمازیں فرض تھیں، پھر پانچ فرض ہوئیں۔ یہ تسلیم کر لینے کے بعد یہ کہنے کی گنجائش نہیں رہتی کہ قرآن میں نسخ کیوں مانا جائے۔ اگر یہود اور مشرکین کو نسخ پر اعتراض تھا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ انہیں تبدیلی احکام پر ہی بنیادی اعتراض تھا لیکن مسلمانوں کا موقف مختلف ہے۔

اسلام کی شریعت بتدریج قائم ہوئی، اس لیے احکام میں حسب ضرورت تبدیلی آتی رہی۔ اگر منسوخ شدہ عبارات قرآن حکیم میں بدستور موجود ہیں تو اس کی حکمت ضروری نہیں کہ ہم پر روشن ہو۔ اتنی حکمت ضرور نظر آتی ہے کہ اس سے اسلام کے ابتدائی معاشرہ کے طریق قیام اور قرآن کے اصولِ تدریج کی بعض نہایت اہم تاریخی کڑیاں حاصل ہوتی ہیں۔ کوئی تعجب نہیں کہ ان کڑیوں کو اللہ تعالیٰ نے تاریخی نقطۂ نظر سے محفوظ کر دیا ہے، کیونکہ قرآن حکیم تذکیر بایام اللہ کے ذریعے درس کو نتیجہ خیز کرتا ہے۔

اختلاف وتائید کی رو سے حدیث کی تقسیم

اختلاف وتائید کی رو سے حدیث کی مندرجہ ذیل قسمیں ہیں:

(۱) محکم وہ حدیث جس کا تصادم کسی دوسری حدیث سے نہ ہو۔

(۲) متابع اور شاہد وہ حدیث جو فرد نسبی کی تائید کرے، مُتَابِعْ کہلاتی ہے۔ جس حدیث کی متابعت کی جائے، اسے مُتَابِعْ کہتے ہیں۔ اگر متابعت طبقۂ اصحاب میں ہو تو تائیدی حدیث کو شاہد کہتے ہیں۔ بعض کے نزدیک شاہد و مُتَابِعْ میں فرق یہ ہے کہ مُتَابِعْ بِاللَّفْظ ہوتی ہے اور شاہد بالمعنیٰ۔ بعض اصحابِ علم شاہد و متابع کو ایک معنی میں لیتے ہیں۔

حدیث کی کتابوں میں متابعت وشواہد تلاش کر کے ان کا موازنہ و مقابلہ کرنا اور دیکھنا کہ کتنا حصہ درست ہے، اعتبار کہلاتا ہے۔

معنعن کے اعتبار سے تقسیم

خبر واحد کی صیغہ کے اعتبار سے دو قسمیں ہیں (۱) معنعن (۲) مسلسل

(۱) معنعن وہ حدیث ہے جس میں اخبرنی (اس نے مجھے خبر دی) اور حدثنی (اس نے مجھ سے بیان کیا) وغیرہ کے الفاظ نہیں ہوتے بلکہ سند کو عن فلان عن فلان (فلان کو فلاں سے اور اس کو فلاں سے پہنچی) کر کے غیر واضح الفاظ سے جوڑا جاتا ہے۔ اس قاعدۂ روایت کو عنعنہ کہتے ہیں۔ اس سے تعیین کے ساتھ معلوم نہیں ہوتا کہ حدیث روبرو سنی گئی یا کسی ایسے راوی کے واسطے سے پہنچی ہے جس کا نام سند میں محذوف ہے۔

(۲) مسلسل وہ حدیث ہے جس کی سند میں صیغۂ اداء کے یا راویوں کے صفات یا حالات ایک ہی طرح

کے ہوں۔

(۳) بیان صیغۂ اداء محدثین حدیث کو اداء کرتے وقت مندرجہ ذیل الفاظ میں سے اکثر ایک لفظ استعمال کیا کرتے ہیں۔ حدثنی، اخبرنی، انبانی، حدثنا، اخبرنا، انبانا، قرات، قال لی فلان، ذکرنی فلان، روی فلان، کتب فلان۔

(۴) ازالۂ اوصاف

بار ہا جب ہم کسی آیت پر نگاہ ڈالتے ہیں تو اس کا ایک خاص مفہوم حاصل ہوتا ہے، لیکن جب اس موضوع پر ہم کسی دوسری آیت کو بھی سامنے لاتے ہیں تو یہ مفہوم بالکل بدل جاتا ہے۔ اسے بھی نسخ کہتے ہیں، اس کی متعدد صورتیں ہیں جن میں ایک عام صورت یہ ہے کہ ایک آیت دوسری آیت کے خاص کو عام یا اس کے مطلق کو مقید کر دیتی ہے، اس کو تفسیر، تاویل یا بیان بھی کہہ سکتے ہیں۔ بیان سے یہاں مراد وضاحت ہے، یہ نسخ آیت ہی سے نہیں سنت سے بھی ہوتا ہے۔ یہ نسخ نہایت اہم ہے کیونکہ ایک آیت دوسری آیت کے دائرۂ حکم کو وقتی کر دیتی ہے یا اس کے نئے معنی قرار دیتی ہے، یعنی اس کا ظاہری مفہوم کچھ ہوتا ہے لیکن دوسری آیت کی روشنی میں اس کا باطنی مفہوم ابھر آتا ہے اور وہی صحیح ہوتا ہے۔ مثلاً:

(الف) سورۃ انفال میں اِن یَّکُنْ مِّنکُمْ عِشْرُوْنَ صَابِرُوْنَ یَغْلِبُوْا مِائَتَیْنِ (یعنی اگر ہوں تم سے بیس آدمی صبر کرنے والے تو غالب آئیں گے دو سو پر) (الانفال: ۶۵) والی آیت اور اس کے بعد کی آیت ایک دوسرے کے لیے ناسخ و منسوخ ہیں۔ اگر ساز و سامان کی کمی نہ ہو تو میدانِ جہاد میں کم از کم دس گنا زیادہ دشمن کا ڈٹ کر مقابلہ کرنا چاہیے اور اگر ساز و سامان وغیرہ کی قلت ہو تو دو گنا تک لشکر کا جم کر سامنا کیا جائے، اس سے فرار کی قطعاً اجازت نہیں۔

(ب) شراب کی حرمت تدریجاً نازل ہوئی ہے، اس بارے میں وقتاً فوقتاً مختلف آیات نازل ہوئیں، ہر آیت نے اپنے سے سابقہ آیت کے نئے معنی قائم کر کے اسے منسوخ کر دیا، یہی حال وراثت کی آیت کا بھی ہے۔

جب یہ آیت نازل ہوئی "وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ" (الآیۃ) یعنی جو لوگ (روزے کو) بہت مشکل سے ادا کر سکیں تو ان کے ذمے فدیہ ہے (ایک مسکین کا کھانا) (البقرہ: ۱۸۴) تو جس کا جی چاہتا تھا، روزہ رکھتا ورنہ فدیہ دے دیتا تھا، لیکن جب اس کے بعد کی آیت اتری تو اس کا حکم صرف ان مریضوں یا بوڑھوں کے لیے رہ گیا جن کو صحت کی بحالی کی کوئی امید نہ ہو۔ (شیخ قانی)

نسخ کی حکمت

نسخ میں کئی حکمتیں مضمر ہیں، ان میں سے ایک بندوں کا امتحان لینا مقصود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بعض احکام محض آزمائشی طور پر نازل فرمائے ہیں، مثلاً حالتِ احرام میں شکار کرنے سے منع فرمادیا ہے۔ تحویلِ قبلہ والی آیت میں بتایا گیا ہے کہ بیت المقدس کی بجائے کعبۃ اللہ کو قبلہ بنایا جائے۔

حدثنی و اخبرنی میں فرق

متقدّمین کے نزدیک یہ دونوں لفظ مترادف ہیں اور متاخرین کے نزدیک یہ فرق ہے کہ اگر استاد پڑھے اور شاگرد سنتے رہیں تو شاگرد کے تنہا ہونے کی صورت میں حدثنی اور بہت سے ہونے کی صورت میں حدثنا کہا جاتا ہے اور اگر شاگرد پڑھے اور استاد سنتا رہے تو شاگرد کے اکیلا ہونے کی صورت میں اخبرنی اور بہت سے ہونے کی صورت میں اخبرنا کہا جاتا ہے۔

جرح وتعدیل کا بیان

محدثین جب کسی راوی کی توثیق وتعدیل بیان کرتے ہیں تو کئی طرح کے الفاظ استعمال کیا کرتے ہیں۔ بعض توثیق میں اعلیٰ ہیں اور بعض متوسط اور بعض ادنیٰ۔ جرح میں بھی بعض اعلیٰ ہیں اور بعض متوسط اور بعض ادنیٰ۔ ذیل میں ان سب الفاظ کو اعلیٰ سے ادنیٰ تک بہ ترتیب معتبر ذکر کیا جاتا ہے۔

الفاظِ تعدیل: ثبت حجة، ثبت حافظ، ثقة متقن، ثقة ثبت، ثقة صدوق، لاباس به، ليس به باس، جيّد الحديث، صالح الحديث، شيخ وسط، شيخ حسن الحديث، صدوق انشاء الله وغيرها.

الفاظِ جرح: دَجّالٌ، كَذّابٌ، وَضّاعٌ، يَضَعُ الْحَدِيْثَ، مُتّهمٌ بالكذِب، متفق على تركه، مَتْرُوْكٌ، ليس بثقةٍ، سكتوا عنه، ذاهب الحديث، فيه نظر، ليس بشئي، ضعيف جدا، ضعفوه، ليس بالقوى وغيرهم.

تقسیم جرح وتعدیل

دونوں دو قسم پر ہیں (۱) مبہم (۲) مُفسَّر۔

جرح وتعدیل مبہم وہ ہے جس میں کوئی سبب جرح وتعدیل کا راوی میں مذکور نہ ہو۔ جرح وتعدیل مُفسَّر وہ ہے جس میں کوئی سبب جرح وتعدیل کا راوی میں مذکور ہو۔ بالاتفاق یہ دونوں مقبول ہیں، البتہ جرح مبہم وتعدیل مبہم کے لیے صحیح قول یہ ہے کہ جرح مبہم بالکل مقبول نہیں تعدیل مبہم مقبول ہے۔ جمہور محدثین اور

فقہاء حنفیہ کا یہی مذہب ہے۔

شروطِ قبولیتِ جرح وتعدیل

جرح مُفَسَّر وتعدیل مُفَسَّر کے مقبول ہونے کے واسطے مشترکہ شروط یہ ہیں کہ جرح کنندہ وتعدیل کنندہ میں مندرجہ ذیل امور پائے جانے ضروری ہیں۔ علم، تقویٰ، ورع، صدق، عدمِ تعصب، معرفتِ اسبابِ جرح وتعدیل اور خاص جرح مفسر کے مقبول ہونے کے واسطے زائد شرائط یہ ہے کہ جرح کنندہ غیر متعصب ہونے کے علاوہ متعنت (ضدی) اور متشدد بھی نہ ہو۔

بیانِ کتبِ حدیث کتب حدیث میں مختلف اعتبار سے مشہور دو تقسیمیں ہیں۔

پہلی تقسیم حدیث کی کتابیں وضع وترتیب مسائل کے اعتبار سے نو قسم پر ہیں:

(i) جامع (ii) سنن (iii) مسند (iv) معجم (v) جزء (vi) مفرد (vii) غریب (viii) مستخرج (ix) مستدرک (x) رسالہ (xi) اربعین

(i) جامع وہ کتاب ہے جس میں تفسیر قرآن پاک، عقائد، آداب، احکامِ فقہ، مناقب، سیر (سوانح) فتن (ظاہر ہونے والے فتنے) اعلاماتِ قیامت اور مناقب (صفات حضور علیہ السلام صحابہ وتابعین) ہر قسم کے مسائل کی احادیث مندرج ہوں، جیسے بخاری وترمذی۔ کما قیل۔

سیر آداب و تفسیر و عقائد
فتن احکام و اشراط و مناقب

(ii) سنن وہ کتاب ہے جس میں احکام کی احادیث ابوابِ فقہ کی ترتیب کے موافق بیان ہوں، جیسے سنن ابی داؤد، سنن نسائی وسنن ابن ماجہ۔

(iii) مسند وہ کتاب ہے جس میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ترتیب رتبی یا ترتیب حروف تہجی یا تقدم وتاخر اسلامی کے لحاظ سے احادیث مذکور ہوں۔ یعنی ایک صحابی رضی اللہ عنہ سے جتنی حدیثیں مروی ہیں، وہ اس صحابی کے نام کے تحت لکھ دی جاتی ہیں، جیسے مسند احمد بن حنبل۔

(iv) معجم جس کتاب میں ترتیب شیوخ سے احادیث لائی جائیں یعنی ایک محدث کی احادیث لکھنے کے بعد اس کے شیخ (استاذ) سے مروی روایات اور اس کے بعد اس کے استاذ اور پھر اس کے استاذ سے لے کر آخری صحابی تک مروی احادیث لکھی جائیں، جیسے معجم طبرانی۔

(v) جزء وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک مسئلہ کی احادیث یکجا جمع ہوں، جیسے جزء القراۃ وجزء رفع

الیدین للبخاریؒ وجزء القراۃ للبیہقیؒ۔

(vi) مفرد وہ کتاب ہے جس میں صرف ایک شخص کی کل مرویات ذکر ہوں۔

(vii) غریب وہ کتاب ہے جس میں ایک محدّث کے متفردات جو کسی شیخ سے ہیں، مذکور ہوں۔

مستخرج وہ کتاب ہے جس میں دوسری کتاب کی حدیثوں کی زائد سندوں کا استخراج کیا گیا ہو۔ جیسے مستخرج ابوعوانہ۔

مستدرک وہ کتاب ہے جس میں دوسری کتاب کی شروط کے موافق اس کی رہی ہوئی حدیثوں کو پورا کر دیا گیا ہو۔ جیسے مستدرک حاکم۔

رسالہ جس میں کسی خاص موضوع کی احادیث ہوں۔

اربعین چالیس احادیث کے مجموعہ کو کہتے ہیں۔

دوسری تقسیم

کتب حدیث مقبول وغیر مقبول ہونے کے اعتبار سے پانچ قسم پر ہیں:

۱۔ وہ کتابیں ہیں جن میں سب حدیثیں صحیح ہوں۔ جیسے موطا امام مالک، صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحیح ابنِ حبان، صحیح حاکم، صحیح ابنِ خزیمہ، صحیح ابنِ عوانہ، صحیح ابنِ سکن۔

۲۔ وہ کتابیں ہیں جن میں احادیث صحیح وحسن وضعیف ہر طرح کی ہیں مگر سب قابل احتجاج ہیں کیونکہ ان میں جو حدیثیں ضعیف ہیں، وہ بھی حسن کے قریب ہیں جیسے سنن ابوداؤد، جامع ترمذی، سنن نسائی، مسند احمد۔

۳۔ اس قسم میں وہ کتابیں ہیں جن میں حسن، صالح، منکر، ہر نوع کی حدیثیں ہوں۔ جیسے سنن ابنِ ماجہ، مسند طیالسی، زیادات ابنِ احمد بن حنبل، مسند عبدالرزاق، مسند سعید بن منصور، مصنّف ابنِ بکر بن ابی شیبہ، طبرانی کی معجم کبیر، معجم صغیر، معجم اوسط، سنن دار قطنی، غرائب دار قطنی، سنن بیہقی وغیرہ شامل ہیں۔

۴۔ یہ وہ کتابیں ہیں جن میں سب حدیثیں ضعیف ہیں۔ الا ماشاء اللہ جیسے نوادر الاصول حکیم ترمذی، تاریخ الخلفاء، تاریخ ابن نجار، مسند الفردوس، دیلمی کی کتاب الضعفاء، عقیلی کی کامل ابنِ عدی، تاریخ خطیب بغدادی، تاریخ ابنِ عساکر۔

۵۔ وہ کتابیں ہیں جن سے موضوع حدیثیں معلوم ہوتی ہیں جیسے موضوعات ابنِ جوزی، موضوعات شیخ محمد طاہر نہروانی وغیرہ۔

صحاح ستہ

حدیث کی تمام کتابوں میں سے جنہیں سب سے زیادہ صحیح تسلیم کیا گیا ہے، وہ صحاح ستہ یعنی صحیح حدیث کی چھ کتابیں (۱) صحیح بخاری (۲) صحیح مسلم (۳) جامع ترمذی (۴) سنن ابو داؤد (۵) سنن نسائی (۶) سننِ ابن ماجہ یہ چھ کتابیں قرن ثالث میں مدوّن کی گئیں اور علم حدیث میں سب سے زیادہ مستند اور صحیح سمجھی جاتی ہیں۔ دینی ادب میں ان کو بہت بلند مقام حاصل ہے اور انہیں سنّتِ رسول ﷺ کا مستند ذخیرہ تسلیم کیا گیا ہے۔ ان کا مختصر تعارف حسب ذیل ہے: جن کا کچھ ذکر گزشتہ باب میں بھی گزر چکا ہے۔

(۱) صحیح بخاری یہ امام ابوعبداللہ محمد بن اسماعیل بخاریؒ (۱۹۴ھ تا ۲۵۶ھ) کی تالیف ہے۔ حضرت امام بخاریؒ کے والد بخارا کے ایک امیر تاجر تھے۔ امام بخاریؒ کم سنی میں یتیم ہو گئے۔ والدہ نے پرورش کی۔ آپ نے بے مثال حافظہ پایا۔ تھوڑی ہی مدت میں متداول علوم میں کمال حاصل کیا۔ طلب حدیث میں آپؒ نے حجاز، عراق، خراسان، شام اور مصر وغیرہ کے سفر کیے۔ آپ کو تقریباً چھ لاکھ احادیث یاد تھیں۔ ان کو چھانٹ کر ایک مجموعۂ حدیث مرتب کیا جس کا نام مختصر الجامع الصحیح ہے، لیکن عموماً صحیح بخاری کے نام سے معروف ہے۔ اہل اسلام کلام اللہ کے بعد اسے صحیح ترین کتاب کا درجہ دیتے ہیں۔ طبقات کتب حدیث کے پہلے طبقے سے تعلق رکھتی ہے جسے امام بخاریؒ نے مسجد نبوی میں حضور ﷺ کے منبر شریف اور قبرِ انور کے درمیان بیٹھ کر تحریر کیا۔ ہر حدیث لکھنے سے پہلے غسل فرماتے، دو رکعت نفل ادا کرتے، استخارہ فرماتے پھر حدیث کو قلم بند کرتے۔ اس طرح سولہ سال کی مدت میں آپ نے چھ لاکھ احادیث کے عظیم مجموعہ کو کانٹ چھانٹ کر بڑی سخت محنت اور کڑی شرائط کے تحت احادیث کا یہ مجموعہ تیار کیا۔ اس کتاب کو مرتب کرنے میں آپ نے انتہائی احتیاط سے کام لیا۔ پوری تحقیق و تنقید کے بعد بمطابق حوالہ مقدمہ فتح الباری نو ہزار بیاسی (۹۰۸۲) احادیث جمع کیں۔ تصنیف کے بعد آپ نے ایک جماعت محدثین کے سامنے بنظرِ استصواب پیش کیا، سب نے اسے پسند کیا۔ صحیح بخاری کے عنوانات ایک خاص طریقے سے مرتب کیے گئے ہیں۔ ہر باب کا آغاز قرآنی آیات سے شروع ہوتا ہے اور ان سے فقہی احکام کے استنباط میں اتنی سہولت ہے کہ علماء کا مقولہ ہے کہ جو شخص فقیہ بننا چاہے، وہ صحیح بخاری کا مطالعہ کرے۔ صحاح ستہ میں اس کتاب کو پہلا درجہ حاصل ہے۔

امام بخاریؒ سے قبل حدیث ان چار جداگانہ فنون میں مدوّن تھی۔ فقہ، تفسیر، سیرت اور زہد۔ حضرت امام نے ان سب فنون کو الگ الگ ابواب کی ترتیب سے ایک کتاب میں اکٹھا کیا۔ احادیث کے انتخاب میں امام بخاریؒ کے سامنے مندرجہ ذیل شروط تھیں۔ (۱) سند متصل ہو (۲) راوی اور مروی عنہ کی ملاقات ثابت

ہو (۳) راوی ثقاہت میں مسلّم ہوں (۴) راوی مشہور ہوں (۵) راوی ذُوعلت نہ ہوں۔

(۲) صحیح مسلم اس کتاب کے مؤلف امام مسلمؒ بن حجاج نیشاپوری ہیں۔ آپ ۲۰۲ یا ۲۰۶ھ میں نیشاپور میں پیدا ہوئے۔ ۲۶۱ھ میں وفات پائی۔

صحاح ستہ میں اس کتاب کو صحیح بخاری کے بعد دوسرا درجہ حاصل ہے۔ کتب احادیث کے طبقۂ اول میں اس کا شمار ہوتا ہے۔

اس کتاب کی تصنیف و تالیف میں امام مسلمؒ نے حد درجہ کاوش اور عرق ریزی سے کام لیا، تین لاکھ احادیث میں سے بارہ ہزار کا انتخاب کر کے صحیح مسلم کو مرتب کیا، اس لیے انہیں بجا طور پر اپنی تصنیف پر فخر تھا۔ آپ نے اس کتاب کو مرتب کرنے کی غرض سے کئی ایک ممالک اسلامیہ کا سفر کیا۔ آپ نے اپنی اس کتاب میں صرف مشہور احادیث جمع کرنے کا اہتمام کیا ہے، نیز یہ بھی خیال رکھا کہ راوی نہ صرف عادل ہی ہو بلکہ شہادت کی تمام شرائط بھی پوری کرتا ہو۔

امام مسلمؒ نے اس کتاب کو مرتب کرتے وقت یہ خاص خیال رکھا کہ ایک حدیث صرف ایک ہی جگہ لائی جائے اور وہیں اس کے تمام طرق و اسانید کو جمع کر دیا جائے۔ تقریباً پندرہ سال کی مدت میں یہ کتاب مکمل ہوئی۔ آپ نے رُواۃ حدیث کے تین طبقے مقرر کیے اور اپنی اس تصنیف میں انہوں نے یہ شرط رکھی کہ وہی حدیث شامل کریں گے جس کے راوی پہلے طبقے سے تعلق رکھتے ہوں۔ اگر ضرورت پڑی تو دوسرے طبقے کے راویوں کو بھی جگہ دے دی جائے گی۔ تیسرے طبقے کے سلسلہ میں وضاحت کر دی کہ ان کی روایت کو ہرگز داخلِ کتاب نہ کریں گے۔ صحیح مسلم سے استفادہ آسان ہے، اس لیے کہ ایک باب سے متعلق احادیث ایک ہی جگہ مل جاتی ہے۔ آپؒ حدیثوں میں صحابہؓ اور تابعینؒ کے اقوال نہیں نقل کرتے، ان کا کہنا تھا کہ آگے چل کر اقوالِ صحابہ اور اقوالِ رسول ﷺ خلط ملط ہو جائیں گے۔ یہ ایسی خوبیاں ہیں جنہوں نے صحیح مسلم کو بڑی اہمیت و خصوصیت عطاء فرمائی۔

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ کا درجہ فنِ حدیث میں اس قدر رفیع ہے کہ حدیث کے سلسلے میں جہاں شیخین کا ذکر ہو، وہاں مراد یہی دو امام ہوتے ہیں۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم صحیحین کہلاتی ہیں۔ ہر وہ حدیث جو مسلم و بخاری کے مجموعوں میں مشترک ہو، اسے متفق علیہ کہتے ہیں ایسی حدیث شک و شبہ سے بالاتر ہوتی ہے۔

بخاری و مسلم دونوں ہم پلہ ہیں۔ ان میں اصحیت (زیادہ صحیح ہونے) کا پہلو ڈھونڈنا مشکل ہے۔ امام بخاریؒ کے نزدیک قبولِ حدیث کے لیے راوی اور مروی عنہ کی طویل ہم نشینی لازمی ہے، اس لیے وہ زیادہ

سندوں کی ضرورت نہیں سمجھتے۔ امام مسلم کے نزدیک دونوں کی ملاقات کا امکان ہی کافی ہے، اس لیے تائیداً وہ کثرت سے سندات لاتے ہیں۔ ترتیب کے لحاظ سے صحیح مسلم فائق ہے۔ شیخین کی شروط کامل ترین سمجھی جاتی ہیں۔ بعد کے جامع محدثین جب بھی ان شرطوں کے بموجب کوئی حدیث لائے تو فخر سے سر اونچا کیا ہے۔

صحیحین کی ایک بنیادی خوبی یہ ہے کہ ان میں صرف وہی احادیث پائی جاتی ہیں جن کی صحت پر خوب غور و خوص ہوا۔ کسی ایسے راوی کی حدیث نہیں لائے جس کی ثقاہت مسلّم نہ تھی۔ صحاح کی دیگر کتابوں میں اس درجہ کا اہتمام نہیں۔

(۳) سنن ابی داؤد یہ کتاب ابوداؤد سلیمان بن الاشعث السجستانیؒ کی تصنیف ہے۔ آپ نے عراق، خراسان، شام، مصر اور حجاز کا سفر کیا۔ سینکڑوں آئمہ محدثین مثلاً امام احمد بن حنبلؒ، عثمان بن ابی شیبہؒ جیسے بلند پایہ حضرات سے استفادہ کیا۔ آپ نے پانچ لاکھ احادیث جمع کیں جن میں سے اپنی کتاب میں ۴۸۰۰ احادیث لکھیں۔ یہ کتاب علماء میں بڑی مقبول ہوئی۔ اس میں ابوداؤد نے رواۃ اور مرویات پر بڑی اچھی طرح سے تبصرہ کیا ہے۔ اس کتاب میں زیادہ تر ایسی احادیث جمع کی ہیں جن کا تعلق احکامِ دین سے ہے۔ اسی لیے علماء کا قول ہے کہ جس شخص کو احادیثِ احکام کا مطالعہ کرنا ہو، اسے سنن ابی داؤد کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ آپ نے اس کتاب کو مکمل کر کے اپنے شیخ امام احمد بن حنبلؒ کے سامنے پیش کیا، انہوں نے اسے بڑا پسند کیا اور اس کتاب کی مدح میں ابوطاہر نے ایک قصیدہ لکھا۔

شاہ عبدالعزیز اپنی کتاب بستان المحدثین میں فرماتے ہیں: ''ابن عربی گفتہ است کہ شخصے را کہ علم کتاب اللہ و سنن ابی داود حاصل شود او ادین کافی شد'' (ابن عربیؒ نے کہا ہے کہ جس شخص کو کتاب اللہ کا علم اور سنن ابی داؤد کا علم حاصل ہو گیا اس کو کافی دین حاصل ہو گیا)۔

ابوداؤدؒ اپنی کتاب کے متعلق خود فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی اس کتاب میں صحیح اور صحیح سے مشابہ اور اس کے قریب قریب جو حدیثیں تھیں درج کی ہیں اور جن میں زیادہ کمزوری تھی ان کے کمزور ہونے کا اشارہ کر دیا ہے۔

(۴) جامع ترمذی حدیث کی یہ کتاب ابوعیسیٰ ترمذیؒ کی تصنیف ہے۔ کتب حدیث کے طبقات میں اس کا شمار دوسرے طبقے میں ہوتا ہے۔ امام ترمذیؒ نے خراسان، حجاز اور عراق کے محدثین سے استفادہ کر کے اس کتاب کو لکھنا شروع کیا۔ یہ کتاب حدیثِ حسن کے لیے اساس کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس میں مندرجہ ذیل

اقسام حدیث پائی جاتی ہیں:

(i) ایسی احادیث جن کی صحت قطعی و حتمی ہو۔

(ii) ایسی احادیث جو نسائی اور ابوداؤد کی شرط کے مطابق ہوں۔

(iii) وہ احادیث جن کی علت خود امام ترمذی نے بیان کردی ہے۔

(iv) ایسی احادیث جن پر فقہاء نے عمل کیا ہے۔

جامع ترمذی کی حسب ذیل خصوصیات ہیں:

(i) ہر حدیث کے راوی کا نام درج کیا ہے تا کہ صحتِ حدیث معلوم ہو سکے۔

(ii) ایسی احادیث جن میں مختلف مسائل کا بیان ہو ان میں علماء کا اختلاف بھی بیان کردیا ہے۔

(iii) ہر راوی کی شخصیت و دیانت کا بھی ذکر کیا ہے تا کہ اس کے ضبط و عدل کا اندازہ ہو سکے۔

(۵) سنن ابن ماجہ القزوینیؒ یہ کتاب حافظ ابو عبداللہ محمد بن قزوینی جو ابنِ ماجہ کے عرف سے مشہور ہیں کی تصنیف ہے۔ متقدمین نے ابنِ ماجہ کی سنن کو صحاح ستہ میں شمار نہیں کیا، ان کے نزدیک صحاح خمسہ مشہور تھیں۔ سب سے پہلے حافظ ابوالفضل بن طاہر المقدسی نے ابنِ ماجہ کو فقہی استنباط کے لیے مفید جان کر صحاح ستہ میں شامل کیا اور صحاح کی تعداد خمسہ سے ستہ ہوگئی لیکن ابنِ ماجہ نے بعض ایسے راویوں کی احادیث بھی درج کردی ہیں جن پر جھوٹ اور احادیث کے سرقہ کا الزام ہے، لہٰذا بعض محدثین نے سنن دارمی کو اس پر مقدم کیا ہے۔ سنن ابنِ ماجہ میں ۳۲ کتابیں ۱۵۰۰ ابواب اور ۶۰۰۰ احادیث ہیں۔

خصوصیات ابنِ ماجہ اس کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس کی ترتیب فقہی ابواب کے مطابق نہایت حسن و خوبی کے ساتھ دی گئی ہے۔ اس کتاب کے متعلق محدث ابوزرعہ ” فرماتے ہیں کہ سنن ابنِ ماجہ میں ضعیف اور موضوع روایات بھی موجود ہیں، مگر ان کی تعداد ۳۰ سے زائد نہ ہوگی۔ کتاب میں موضوع احادیث کے اندراج کے متعلق شبہ ہے کہ آپ کے کسی مخالف نے بعد میں درج کردی ہیں، اس لیے کہ ابنِ ماجہ کی وسعت علمیت اور دیانت داری مسلم ہے۔

(۶) سنن امام نسائی امام نسائی نے پہلے ایک کتاب ”السنن الکبریٰ“ لکھی جو صحیح اور معلول ہر قسم کی احادیث پر مشتمل تھی۔ پھر اس کا اختصار کرکے ”السنن الصغریٰ“ اور المجتبیٰ لکھی اور یہی سنن نسائی کے نام سے مشہور ہوئی۔ امام نسائیؒ نے اس کی تمام احادیث کو صحیح بتایا ہے لیکن بعض روایات سند کے لحاظ سے معلول اور متن کے لحاظ سے صحیح ہیں۔

یہ کتاب صحیحین کے بعد بلحاظ صحت آتی ہے۔ سنن کی کتابوں میں سے اس میں ضعیف اور مجروح راوی قلیل تر ہیں اور اس کی شرط ابوداؤدؒ اور ترمذیؒ سے شدید تر ہیں: کیونکہ نسائیؒ ان دونوں سے زیادہ راویوں کی چھان پھٹک کرتے ہیں۔ بعض مشہور محدثین نے المجتبیٰ کی شرحیں لکھی ہیں۔

تیئسواں باب

فتنہ انکارِ حدیث

اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو دینِ فطرت پر پیدا فرمایا اور آپ ﷺ کی زندگی کو ہر پہلو سے کامل اور اکمل ہونے کا شرف عطاء فرمایا، اس کے بعد آپ ﷺ کی زندگی کو آنے والی نسلوں کے لیے اس طرح محفوظ فرمایا کہ آپ ﷺ کی گزری ہوئی زندگی کو اللہ تعالیٰ نے اُسوہ حَسنہ قرار دیا اور ہر مسلمان کو حکم دیا کہ وہ آپ کی اس زندگی کی پیروی کرے، مگر یہ بدقسمتی کی بات ہے کہ کچھ لوگ اپنے آپ ہی اس بلند پایہ ''قصرِ اسلام'' کو ڈھانے پر تل گئے ہیں اور اس کے برعکس سنتِ رسول اللہ ﷺ کے اس منصب و مقام کی احیاء کی خاطر علماءِ سلف اس سے اس قدر آشنا رہے کہ انہوں نے اس کی حفاظت و صیانت کا حق ادا کیا۔ علمِ حدیث کو سینوں اور سفینوں میں جگہ دی۔ انہوں نے زندگی کے امور و افعال میں حدیث نبوی ﷺ کو حکم دیا۔ اس کو مضبوطی سے تھاما اور اس کی راہ پر رواں دواں رہے۔ ہر عہد کے علماء عملاً حدیثِ رسول ﷺ کی اِتباع کرتے رہے۔ کچھ آگے چل کر جب مسلمانوں میں ضعفِ ایمان اور سستی نمودار ہوئی تو اکابرینِ اسلام کے چند نااہل جانشینوں نے حدیثِ رسول ﷺ کو قابلِ اعتناء نہ سمجھا اور اس کی حفاظت سے قاصر رہے اور نتیجتاً حدیثِ نبوی ﷺ کے فہم اور ادراک سے بہرہ ور نہ ہو سکے۔

فتنہ انکارِ حدیث کا آغاز کب ہوا؟

جب سے مسلمانوں کا اقتدار زوال پذیر ہوا اور اس کی جگہ یورپ نے لے لی اور مسلمانوں کے ذہنوں میں لادینیت چھا گئی تو نو تعلیم یافتہ طبقہ نے تقلیدِ مغرب کے شوق میں آ کر ہر اس چیز کو رد کرنا ضروری سمجھا جو کسی بھی طرح تعلیم مغرب سے متصادم ہو۔ اس گروہ کے سرکردہ لیڈر ترکی میں گوک الپ، مصر میں طٰہٰ حسین اور ہندوستان میں سر سید احمد خان تھے۔ انہوں نے کھل کر حجیتِ حدیث سے انکار تو نہیں مگر ہر اس

حدیث سے انکار کیا جو مغربی افکار سے متصادم تھی، خواہ اس کی سند کتنی ہی قوی کیوں نہ ہو۔ مگر جہاں مقصد کے مطابق حدیث ملی، اسے لے لیا، اگرچہ وہ ضعیف ہی کیوں نہ ہو اور کبھی کبھی دبے الفاظ میں یہ بھی کہنے لگے کہ اس زمانے میں حدیث کی حجت نہیں ہونی چاہیے۔ اس فتنۂ انکارِ حدیث کے موجودہ دور کے لیڈر ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری اور ان کا ٹولہ سنّت کو برائے نام تسلیم تو کرتے ہیں مگر اس کی تشریح غلط انداز میں کرتے ہیں اور حالاتِ زمانہ کے مطابق سنّت میں ترمیم و تنسیخ کو نہ صرف جائز بلکہ جزوِ سنّت سمجھتے ہیں یہ لوگ خلفائے راشدین اور آئمہ مجتہدین کو اس مذموم اندازِ فکر کا ہمنوا ثابت کرنے کی ناکام کوشش بھی کرتے ہیں۔ مقام سنت میں ہے کہ فتنۂ انکارِ حدیث کا آغاز دوسری صدی ہجری میں خوارج کے ظہور سے ہوا، جسے معتزلہ کے دور میں خاصی تقویت پہنچی مگر آئمہ راسخین اور علماء دین نے اپنی علمی اور روحانی قوتوں سے اسے ردّ کیا۔

امام شافعیؒ نے اپنی کتاب (''الرسالہ'' اور ''کتاب الام'') میں اس کا ردِّ بلیغ کیا ہے، اس فتنہ نے تیرہویں صدی میں پھر سر اٹھایا لیکن اب اس کا مرکز عراق اور مصر کی بجائے ہندوستان کی سرزمین بنی جہاں سب سے پہلے سر سید احمد خان اور مولوی چراغ علی نے اس کی ابتداء کی پھر مولوی عبداللہ چکڑالوی نے اس کا بیڑا اٹھایا۔ بعد میں مولوی احمد دین امرتسری نے اس کی قیادت کی، پھر اسلم جیراج پوری اس فتنے کو لے کر آگے بڑھا جبکہ بعد میں اس کی قیادت اس کے شاگرد غلام احمد پرویز نے سنبھالی۔ جس نے اس فتنہ کو گمراہی کی آخری حد تک پہنچا دیا۔ اب چند سال سے ڈاکٹر فضل الرحمٰن انصاری اس فتنے کو ہوا دے رہے ہیں۔ یہ لوگ حدیث کو ظنی تصور کرتے ہیں اور ان میں سے اکثر تو قرآن مجید کیخلاف بھی سمجھتے ہیں۔ ان کا یہ قول راقم الحروف نے پرویز کے ایک بہت بڑے ساتھی سراج الحق سے خود سنا ہے جو صحیح بخاری کو (نعوذ باللہ) نالی میں پھینکنے کے قابل کہتے تھے، حالانکہ آئمہ کرام نے قرآن کے بعد اگر کسی کتاب کو شرفِ اوّلیت بخشا ہے تو وہ بخاری شریف ہی ہے۔ وہ مثنوی مولانا رومی'' کو بھی اس زمرہ میں شمار کرتے تھے۔

انکارِ حدیث کا یہ فتنہ مسلمانوں کے لیے مارِ آستین ہے، کبھی خوب کھل کر سامنے آتے ہیں اور بڑے زور و شور سے افتراقِ امت کا فریضہ انجام دیتے ہیں اور کبھی کسی مصلحت کی بناء پر دوست نما دشمن بن کر اسلام کی جڑیں کاٹنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ ان کی اس معنی خیز خاموشی سے مسلمان یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اب یہ فتنہ ختم ہو گیا جبکہ درحقیقت ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ یہ فتنہ آج بھی خوب پھیلایا جا رہا ہے۔

صحابہ کرامؓ کی قوتِ حافظہ

چونکہ حدیثِ نبوی ﷺ ہم تک قوتِ حافظہ کی بنیاد پر پہنچی ہے، اس لیے منکرینِ حدیث حفظ کو کمزور ترین ذریعہ ثابت کرنے کے لیے بھی ایڑی چوٹی کا زور لگاتے ہیں اور واسطۂ حفظ کو سب سے زیادہ

ناقابلِ اعتماد خیال کرتے ہیں۔ ان سے کوئی پوچھے کہ کیا واقعی انسان کی قوتِ حافظہ قابلِ اعتبار نہیں؟ یہ امر مسلّمہ ہے کہ انسان کی قوتِ بینائی پر اعتماد کیا جا سکتا ہے، قوتِ شنوائی بھروسے کے قابل ہے، دیکھنے میں آنکھوں پر یقین ہے، سننے میں کان قابلِ اعتبار ہیں، سونگھنے میں ناک پر بھروسہ ہے، چکھنے میں زبانیں سچی ہیں تو ساری بدگمانیاں قوتِ حافظہ کے حصے میں کیوں آ گئی ہیں۔ انسان کی قوتِ حافظہ کے بارے میں کم از کم اُمتِ مسلمہ کا تو تجربہ و مشاہدہ یہ ہے کہ دیگر انسانی قوتوں کے مقابلے میں اس کو برتری حاصل ہے۔ بطورِ دلیل دیکھئے کہ ایک سات آٹھ سال کا بچہ قرآن حکیم جیسی ضخیم اور مشکل ترین کتاب کو اس کے تمام لوازمات کے ساتھ حرف بحرف حفظ کر لیتا ہے اور غلطی کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔ جب ایک بچہ میں قوتِ حافظہ کے تمام کمالات و لوازمات بدرجہ اتم پائے جا سکتے ہیں تو اہلِ علم کے حافظے بدگمانیوں کے ترکش کا شکار کیوں ہیں۔ یہ تمام اشکالات منکرین کے خود ساختہ ہیں ورنہ حفظ کرنے والوں نے تو سرکار ﷺ کی ایک ایک ادا کو من و عن یاد کر رکھا ہے اور ایسا کیوں نہ ہو جبکہ قوتِ حافظہ بھی عطیۂ مصطفیٰ ﷺ ہے۔ صحابہ کرام ؓ کے حافظہ کا اندازہ درج ذیل روایات سے ملاحظہ فرمائیں:

(i) حضرت ابوہریرہ ؓ کی ایک روایت میں ہے کہ آپ ؓ نے جب سرکار ﷺ کی بارگاہ میں تنگیٔ داماں کی شکایت کی تو فرمایا چادر پھیلاؤ، جب چادر پھیلائی تو تین مرتبہ دستانِ نبوت ﷺ سے اس میں کچھ ڈالا گیا، جس کو دیکھنے سے ظاہری آنکھ قاصر رہی۔ فرمایا اب چادر سینے سے لگاؤ تو حضرت ابوہریرہ ؓ فرماتے ہیں کہ اس کے بعد مجھے کبھی ایک لفظ بھی نہ بھولا (اس کی تفصیل آگے آئے گی) ۔[1]

(ii) حضرت عبداللہ بن عباس ؓ آپ ؓ کا حال دیکھئے کہ ایک دفعہ عرب کا مشہور شاعر عمر بن ابی ربیعہ ؓ اپنے قصیدے کے ستر اشعار سنا کر چل دیا تو اس کے جانے کے بعد آپ ؓ نے اسی مجلس میں اسی ترتیب سے وہ ستر اشعار برجستہ سنا دیئے۔

(iii) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حال یہ ہے کہ ایک شاعر کے سوسو اشعار برجستہ سنا ڈالتی تھیں۔ حفظِ حدیث کے سلسلے میں تو دراصل قوتِ حافظہ کے جتنے حیرت انگیز مظاہر تاریخ کے اوراق میں ثابت ہیں اور وہ سب حضور ﷺ کے زندہ معجزے ہیں اور ایسا اس لیے تھا کہ خود حضور ﷺ نے فرمایا "اللہ تر و تازہ رکھے اس بندے کو جس نے میری بات سنی، یاد کی اور دوسروں تک پہنچائی"۔ [2]

منکرینِ حدیث کے متعلق حضرت عمر ؓ کا انتباہ

ایسے ہی بے توفیق لوگوں کے بارے میں حضرت عمر ؓ نے آج سے چودہ سو سال پہلے مسلمانوں کو

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۱۹، جلد ۱، صفحہ ۵۶۔

[2] سنن ابی داؤد، حدیث ۳۶۶۰، جلد ۲، صفحہ ۳۴۶۔

ان کی چال بازیوں سے آگاہ کرتے ہوئے فرمایا تھا ”عقل کی اتباع کرنے والے حدیث رسول اللہ ﷺ کے دشمن ہوا کرتے ہیں۔ حدیثیں یاد کرنے کی انہیں توفیق نہیں ہوتی اور جب ان سے سوال کیا جاتا ہے تو یہ کہتے ہوئے شرماتے ہیں کہ ہمیں علم نہیں۔ اس لئے اپنی رائے سے جواب دیتے ہیں اور احادیث کا عقل سے موازنہ کرتے ہیں، لہٰذا تم اپنے آپ کو ان سے بچاؤ“۔

وہ منکرینِ حدیث جو قرآن کو ہی مانتے ہیں

منافقینِ اسلام نے اسلام کو اس قدر نقصان پہنچایا ہے جو کافروں کے ذریعے نہ پہنچ سکا۔ یہ لوگ کافروں سے بھی زیادہ خطرناک تھے۔ ان کا بڑا حربہ یہ تھا کہ وہ مسلمانوں میں فرقے بازی اور باہمی منافرت پیدا کریں۔ آج بھی دشمنانِ اسلام ان منافقین کو معاوضہ ادا کر کے مسلمانوں میں انتشار پھیلا رہے ہیں اور اب یہ انتشار کی خدمت منافقین سے نہیں بلکہ اپنے مسلمانوں سے لی جا رہی ہے اور اس بات کے باقاعدہ ثبوت (رسالہ ٹائمز میں) موجود ہیں کہ امریکہ کی ایک خفیہ ایجنسی پاکستان کی ایک جماعت کو دنیا کے دیگر ملکوں کی نسبت سب سے زیادہ امداد دے رہی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان منافقین کی جماعت کی پہلے ہی نشاندہی کر دی تھی جیسا کہ نیچے دی گئی حدیث کے ترجمے سے ظاہر ہے۔

”حضور ﷺ نے فرمایا کہ بعض ایسے بھی پیدا ہوں گے جو مال و دولت کے نشے میں مغرور ہوں گے، ان کے سامنے اگر حدیث بیان کی جائے گی تو حدیث کا انکار کریں گے اور کہیں گے کہ ہم تو صرف قرآن کو ماننے والے ہیں“۔[1]

قرآن کریم کی آیات سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ان کی روح کو سمجھا جائے، چنانچہ فرمایا گیا:

”وَالَّذِيْنَ اِذَا ذُكِّرُوْا بِاٰيٰتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَخِرُّوْا عَلَيْهَا صُمًّا وَّعُمْيَانًا۝“

(اور (یہ) وہ لوگ ہیں کہ جب انہیں ان کے رب کی آیتوں کے ذریعے نصیحت کی جاتی ہے تو ان پر بہرے اور اندھے ہو کر نہیں گر پڑتے (بلکہ غور و فکر بھی کرتے ہیں) (الفرقان: ۷۳)

فرقہ خارجیہ اور چند دیگر فرقوں کی عادت ہے کہ وہ قرآن کی آیات کو بے سمجھے فتویٰ لگا دیتے ہیں۔ خارجی فرقہ کا ایک عجب واقعہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے زمانے میں پیش آیا کہ جب آپ رضی اللہ عنہ نے جنگ صفین میں جنگ کو اس شرط پر بند کر دیا کہ خلافت کے متعلق جو فیصلہ ثالث کر دیں گے، وہ مان لیا جائے گا، مگر وہ لوگ جو حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خاطر لڑ رہے تھے اور یہ نعرہ لگا رہے تھے کہ خلافت صرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۲۶۶۳، جلد ۳، صفحہ ۱۳۳۔

حق ہے، وہ حضرت علیؓ کے اس فیصلے سے جھلا گئے اور بارہ ہزار کی تعداد میں آپ سے الگ ہو گئے۔ ان کا دعویٰ تھا کہ حضرت امیر معاویہؓ ثالثی مان کر دائرہ اسلام سے خارج ہو گئے اور کہنے لگے کہ جو بھی اس فیصلے کو مانتا ہے، وہ بھی کافر اور واجب القتل ہے۔ یہ تمام لوگ خارجی کہلائے۔

ان لوگوں نے حضرت امیر معاویہؓ کی زندگی میں ہی عبداللہ بن وہب کی بیعت کر کے انہیں اپنا امیر المومنین مان لیا اور اپنی فقہ بھی الگ بنالی۔ ان کا یہ فیصلہ سورۃ الانعام کی آیت ۱۱۴ کے غلط معنی سمجھنے پر مبنی تھا یعنی "اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِىْ حَكَمًا" (کیا تلاش کرتے ہو اللہ کے سوا اور کوئی منصف) جبکہ درج ذیل آیات میں حکم مقرر کرنا جائز ہے۔

"وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ"

(اور اگر تمہیں ان دونوں کے درمیان مخالفت کا اندیشہ ہو تو تم ایک منصف مرد کے خاندان سے اور ایک منصف عورت کے خاندان سے مقرر کر لو) (سورہ النساء: ۳۵)

ضد اور ہٹ دھرمی کے مارے ہوئے خارجی لوگوں نے حضرت علیؓ کی تفسیر کو ماننے سے انکار کر دیا اور ہمیشہ کے لئے خائب اور خاسر قرار دیے گئے۔

مذکورہ بیان سے یہ بات واضح طور پر سامنے آتی ہے کہ قرآن کریم کی آیات کا صحیح فہم راسخین فی العلم کو ہے یا احادیث پر مبنی دلائل کو دیکھنے کے بعد حاصل ہو سکتا ہے۔ قرآن کو سمجھنا ضروری اور اس کے نفاذ پر اندھوں کی طرح گرنے سے منع کیا گیا ہے۔

انکارِ حدیث کی اصل وجہ

منکرینِ حدیث کے انکارِ حدیث کی اصل وجہ کوئی علمی مغالطہ نہیں ہے کہ اس کے دور ہونے کے بعد ان کو شرحِ صدر ہونے لگے اور وہ اپنی غلطی سے حق کی طرف رجوع کرنے لگیں۔ اگر یہ بات ہوتی تو ان کی غلط فہمی دور ہو جاتی کیونکہ علماء حق شرحِ صدر کا کافی سامان مہیا کر چکے ہیں۔ دراصل دین کی پابندی ان کے نفس کی قوتِ برداشت سے باہر ہے۔ احادیث نبویہ ﷺ اور سنّتِ محمدیہ ﷺ قدم قدم پر شہواتِ نفس میں مزاحم ہوتی ہیں۔ احادیث کو مانیں تو آزادی جاتی ہے جبکہ ان کا نفسِ خبیثہ یورپ کے بے حیا تہذیب اور بے لگام تمدن پر فریفتہ ہے۔ یہی فرینگی انہیں انبیاء و مرسلین کے تہذیب و تمدن سے متنفر اور بیزار کیے ہوئے ہے، اس لیے منکرینِ حدیث نے حدیث کا انکار کر دیا جو خود ساختہ آزادی کی راہ میں اصل سدِّ راہ تھی۔ مسلمان کہلانے کے لیے قرآن کریم کا اقرار تو کر لیا ورنہ قرآن کے منکر بھی قرار دیے جاتے۔ قرآن کریم ایک اصولی

اور قانونی کتاب ہے جو ایک دستورِ اساسی ہونے کی وجہ سے اصول اور کلیات پر مشتمل ہے۔ جن میں اختصار کی بنا پر تاویل کی گنجائش نکل آتی ہے جبکہ احادیث نبویہ ﷺ ان اصول وکلیات کی شرح اور تفصیل ہیں۔ ان میں تاویل کی گنجائش نہیں ہوتی، اب یہ بے توفیق لوگ سوائے انکارِ حدیث کے اور کر بھی کیا سکتے ہیں۔ دیگر فتنوں کی طرح فتنہ انکارِ حدیث کی خبر دیتے ہوئے نبی غیب دان ﷺ نے آج سے چودہ سو سال قبل ہی فرما دیا تھا کہ ایسے لوگ بھی پیدا ہوں گے جو قرآن کے سوا کسی چیز کو تسلیم نہیں کریں گے اور اس حدیث کا متن پہلے ہی بیان ہو چکا ہے۔

مذکورہ بیان سے ظاہر ہے کہ نبی کریم علیہ السلام کی یہ پیشین گوئی کس طرح حرف بحرف منکرین پر صادق آتی ہے۔ حدیث کا انکار اس لیے نہیں کہ وہ علمی بنیادوں پر اسے حق سمجھتے ہیں بلکہ اس لیے ہے کہ جس قسم کی آزاد زندگی وہ گزارنا چاہتے ہیں، احادیث کا ذخیرہ ان کو ایسا کرنے سے منع کرتا ہے۔ چونکہ احادیث قرآن کی ایک ایک آیت کے معانی ومفہوم کو متعین کر دیتی ہیں، اس لیے ان پر عمل کرنا منکرین کے لیے محال ہو جاتا۔ ان کی آزاد طبیعت کا تقاضا ہے کہ قرآنی آیات کی من مانی تاویلیں کی جائیں جبکہ یہ ناممکن تھا۔ لہٰذا اب ان کے لیے سوائے اس کے اور کوئی چارہ نہیں کہ احادیث سے پیچھا چھڑایا جائے۔

راقم الحروف نے مذکورہ منکرینِ حدیث (پرویزی گروپ) کو یہ بات کھلم کھلا کہتے سنا ہے کہ گانا بجانا، بینڈ باجا اور بیاہ شادیوں کی رونقوں کو مُلّا نے حرام قرار دیا ہے جبکہ ان تمام تفریحات سے اسلام نے منع نہیں کیا۔ یہ لوگ تو علامہ اقبالؒ کے ان اشعار کو جو انہوں نے خانقاہی ملاؤں کے خلاف لکھے ہیں، بطور سند پیش کرتے ہیں، حالانکہ آپ کا اشارہ غیر شرعی خانقاہوں کی طرف تھا۔

لاہور کے ایک سرغنہ منکرِ حدیث خود بیان کرتے ہیں کہ انہیں ایک شخص ملنے آیا تو جب اسے معلوم ہوا کہ انہوں نے داڑھی کی سُنّت ادا نہیں کی تو وہ ان پر لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّۃَ پڑھ کر واپس چلا گیا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ حدیثوں کو اس لیے نہیں مانتے تھے کہ شریعت پر عمل کرنا ان کے لیے مشکل تھا۔ اس واقعہ کے بعد انہوں نے مختصر سی داڑھی بھی رکھ لی۔

فتنہ انکارِ حدیث کا آغاز

تقریباً پہلی صدی ہجری تک صحیح احادیث کو بلا تمثیل متفقہ طور پر حجت یعنی دلیلِ شرعی سمجھا جاتا تھا۔ بعد میں فرقہ معتزلہ (جن کے دماغوں پر عقل کا غلبہ تھا اور جو حشر ونشر، رؤیت باری تعالیٰ، صراط ومیزان، جنت

وجہنم کو نہیں مانتے تھے) نے اس فتنے کا آغاز کیا اور قرآن میں مندرجہ بالا حقیقتوں (رؤیت، جنت وجہنم وغیرہ) سے متعلق احادیث کو قابلِ تسلیم نہ سمجھا۔ اخبار متواترہ کے سوا جملہ احادیث کا انکار کیا حتیٰ کہ قرآنی آیات میں سے بھی اپنے مزاج کے مطابق تاویلیں کر ڈالیں۔ حافظ ابنِ حزمؒ فرماتے ہیں کہ:

''اہلِ سنّت، خوارج، شیعہ، قدریہ تمام فرقے آنحضرت ﷺ کی ان احادیث کو جو ثقہ راویوں سے منقول ہوں برابر قابلِ حجت سمجھتے رہے یہاں تک کہ پہلی صدی کے بعد متکلمین معتزلہ آئے اور انہوں نے اس اجماعِ امت کے خلاف اپنی رائے کو قائم کیا''۔[1]

تمام امت کا اس بات پر اتفاق ہے کہ قرآن کریم ایک جامع اور کامل کتاب ہے، مگر کسی کے ذہن میں یہ مفہوم نہیں ہوگا کہ یہ تعلیم و توضیح کا محتاج نہیں۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے واسطہ کے بغیر کتاب اللہ سمجھی نہیں جاسکتی، حتیٰ کہ رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا بڑا مقصد قرآن کریم کی تلاوت و تعلیم ہی فرمایا گیا ہے، ارشاد ہوتا ہے:

''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ ۚ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ۝''

(بے شک اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا کہ ان میں انہی میں سے (عظمت والا) رسول ﷺ بھیجا جو ان پر اس کی آیتیں پڑھتا اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اگرچہ وہ لوگ اس سے پہلے کھلی گمراہی میں تھے) (آل عمران:۱۶۴)

مومنین پر اللہ تبارک و تعالیٰ کا سب سے بڑا احسان یہ ہے کہ اس نے اپنی راہ کی تلاش ان کے ذمہ نہیں ڈالی بلکہ ان میں اپنا ایک رسول ﷺ بھیج دیا اور اپنی کتاب نازل فرمائی، پھر اس کتاب کی مراد سمجھنے کا بار بھی ان کے کمزور دماغوں پر نہیں ڈالا بلکہ دنیا کا سب سے بڑا معلم ﷺ انکو تعلیم دینے کے لیے بھیج دیا۔ اس نے پڑھایا، سمجھایا اور اگر انہیں کوئی شبہ پڑا تو نہایت سہولت سے اسے حل بھی کر دیا۔ اس طرح ان کی ہدایت کا راستہ بہت مختصر کر دیا، جس پر چل کر وہ جنت کے مستحق بن گئے۔ اگر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی توضیحات کے بغیر قرآن کی مراد صرف عقول کے حوالے کر دی جاتی تو نا معلوم آج شریعت کا کیا حال ہوتا۔ دنیوی علوم میں سے کچھ علم ایسے ہیں جو عملی تجربہ کے بغیر محض پڑھنے سے سمجھ میں نہیں آتے جیسے آج کل علوم سائنس وغیرہ۔ قابل غور بات یہ ہے کہ جب دنیوی علوم تجربہ اور نقشے کے بغیر سمجھ میں نہیں آتے تو پھر ربانی علوم کی دقتیں اور معاملات و عبادات کی نزاکتیں اپنے انواع و اقسام کے اختلاف کے ساتھ کسی ربانی معلم کی تعلیم اور اس کے صحیح نقشے کو دیکھے بغیر کیسے سمجھا جاسکتا ہے لہٰذا

---

[1] الاحکام، جلد ۱ صفحہ ۱۱۴۔

مشیتِ ایزدی کے مطابق رسول اللہ ﷺ کو صرف تبلیغِ وحی کے لیے نہیں بھیجا بلکہ ان کو مجسّم نقشۂ عمل بنایا۔ اس لیے ہر عمل میں ان کی اطاعت لازم ہے۔ حضور علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ:

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ" (بے شک رسول اللہ ﷺ (کی زندگی) تمہاری راہنمائی کے لیے بہترین نمونہ ہے) (الاحزاب:۲۱)

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ﷺ کی ذات کو صرف کسی خاص شعبۂ زندگی کا نمونہ نہیں بنایا، بلکہ جو کچھ قرآن میں کہا گیا وہ سب یہاں رکھ دیا گیا، جیسا کہ ایک شخص نے جب سیدہ عائشہ صدیقہ مطہرہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ آپ ﷺ کے اخلاق کیا تھے تو آپ رضی اللہ عنہا نے جواباً فرمایا کہ یہ قرآن ہی آپ ﷺ کا خُلق تھا۔ [1] خُلق میں اقوال اور افعال داخل ہیں، گویا ایک طرف قرآن تھا، دوسری طرف یہ جامع اُسوہ حسنہ موجود تھا۔ تیسری چیز احادیث رسول ﷺ تھی۔ یہ بھی قرآن ہی کی ایک شکل تھی مگر وہ مجمل تھا یہ مفصل ہے۔ مختصر یہ کہ یہ تینوں اجمال و تفصیل کے لحاظ سے قرآن کی جدا جدا شکلیں تھیں، مگر بلحاظ اصل و حقیقت یہ ایک ہی قرآن تھا۔ قرآن حکیم کو شانِ جامعیت کے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ اس کی جامعیت کا یہ مفہوم ہرگز نہیں کہ اس کے بعد اب تفصیل و تشریح میں جانے کی ضرورت نہیں رہی۔ نہ کسی معلّم و مُفسّر کی بلکہ اس کا آسان مفہوم یہ ہے کہ وہ خدا شناسی اور آدابِ عبدیت کے تمام اصولوں پر حاوی ہے، ان جملہ اصول (عقائد، تمدّن، معیشت اور حرام و حلال) کی وضاحت اور تفصیلات سے انسان احادیث کے ذریعہ ہی مطلع ہوتا ہے، لہٰذا معلوم ہوا کہ احادیثِ نبویہ ﷺ قرآن کی جامعیت کا بہت بڑا ثبوت ہیں، نہ کہ اس کی مخالفت۔ امام شاطبیؒ الموافقات میں فرماتے ہیں۔

"لَيْسَ فِي السُّنَّةِ اِلَّا وَاَصْلُهٗ فِي الْقُرْاٰنِ"

(حدیث میں کوئی حکم ایسا نہیں جس کی اصل قرآن میں نہ ہو۔) [2]

علمِ حدیث قرآن کے باطن اور رسول ﷺ کے روشن سینے سے ملتا ہے

قرآن اور حدیث کے علوم الگ الگ نوعیت رکھتے ہیں، اسی لیے قرآن مجید میں کھلے لفظوں میں یہ کہا گیا ہے کہ رسول اللہ تمہیں یہ دونوں علوم سکھاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ علم حدیث وہ علم ہے جو رسول اللہ ﷺ نے سکھایا اور یہ وہ علم ہے جس کا سیکھنا محض احادیث سے ہی ممکن ہے۔ اگر احادیث کو رد کر دیا جائے تو مسلمان اس دوسرے علم سے قطعاً محروم رہ جاتے ہیں اور اس طرح حدیث کا انکار قرآن کی درج ذیل آیت کے آخری

---

[1] المعجم الاوسط، حدیث ۷۲، جلد ۱، صفحہ ۳۰۔ [2] الموافقات، ابراہیم بن موسیٰ، متوفی ۷۹۰، جلد ۴، صفحہ ۲۸، دار المعرفہ، بیروت۔

حصے کا انکار ہے۔

"كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَيُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ○"

(اسی طرح ہم نے تمہارے اندر تمہیں میں سے (اپنا) رسول بھیجا جو تم پر ہماری آیتیں تلاوت فرماتا ہے اور تمہیں (نفساً و قلباً) پاک صاف کرتا ہے اور تمہیں کتاب کی تعلیم دیتا ہے اور حکمت و دانائی سکھاتا ہے اور تمہیں وہ (اسرارِ معرفت و حقیقت) سکھاتا ہے جو تم نہ جانتے تھے) (البقرہ:۱۵۱)

قاضی ثناء اللہ" فرماتے ہیں "يُعَلِّمُكُمْ" کا لفظ دو مرتبہ آیا ہے اور دوسری بار جو لفظ کہا گیا ہے، یہ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ وہ علم جو کتاب و حکمت کے علاوہ اور الگ نوعیت رکھتا ہے، غالباً اس سے مراد علم لدُنی ہے، جو قرآن کے باطن اور نبی اکرم ﷺ کے روشن سینے سے حاصل ہوتا ہے، اور اس کا حصول بوجہٗ تعلیم نہیں بلکہ انعکاس ہے، یعنی قرآن اور نبوت کی کرنیں دل کے آئینے پر منعکس ہوں اور اولیاء کاملین جو انوارِ نبوت کے صحیح وارث ہوتے ہیں وہ اپنے مریدین باصفا پر اسی قسم کے علوم و معارف کا القاء اور فیضان فرماتے ہیں۔ اس کے بعد معارف کے حاصل کرنے کا طریقہ اور ذریعہ کے متعلق فرمایا کہ یہ ذکر سے حاصل ہوتا ہے"۔

منکرینِ حدیث کے اعتراضات کا جواب

منکرینِ حدیث نے احادیث کو رد کرنے کے لیے جو اعتراض کیے ہیں، وہ بس ایسے ہی ہیں کہ جن کے متعلق یہ کہہ سکتے ہیں کہ وہ تمام اعتراضات "اعتراض برائے اعتراض" کی نوعیت رکھتے ہیں اور حقیقتاً ان میں کوئی وزن نہیں۔ معمولی سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان بھی ان کے اعتراضات کی تہہ تک آسانی سے پہنچ سکتا ہے۔ اس سلسلے میں جوابات دیئے جا رہے ہیں اُن کو بغیر کسی مشکل کے سمجھا جا سکتا ہے۔ جس شخص نے اس کتاب کا مکمل مطالعہ کر لیا ہے، اسے یہ معلوم ہو سکے گا کہ ان اعتراضات کا جواب کتاب کے مختلف ابواب میں پہلے سے ہی موجود ہے لیکن اتمام حجت کے لیے یہاں اس بات میں بھی اختصار کے ساتھ ان کے اعتراضات کا جواب دیا جا رہا ہے۔

منکرینِ حدیث حضرت ابوہریرہ ؓ کی احادیث پر سخت اعتراض کرتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ کے درمیان ان کی احادیث کو مانا نہیں جاتا تھا حالانکہ ان کو جمع احادیث میں جو مقام حاصل ہے، وہ شاید کسی اور صحابی کو نہ تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی" نے مکتوبات شریف میں لکھا ہے کہ اگر ہم ان کی احادیث کا انکار کریں تو نصف احکام شریعہ کا انکار ہوگا۔ اس سلسلے میں ضروری ہے کہ حضرت ابوہریرہ ؓ کا مقام معلوم کیا جائے،

ذیل کے مضمون میں مذکورہ حقیقت کا مطالعہ فرمائیں۔

اگر احادیث ابو ہریرہ ؓ کا انکار کیا جائے تو نصف احکامِ شریعہ کا انکار ہوگا

حضرت مجدد الف ثانی رحمتہ اللہ علیہ کا مقام ائمہؒ اسلام میں نہایت بلندیوں پر فائز ہے کیونکہ آپؒ عالم دین بھی تھے اور آپ کا شمار مشائخ کبار میں بھی کیا جاتا ہے، لہٰذا آپؒ کے ارشادات کا وزن اس قدر زیادہ ہے کہ کوئی شخص انکار کی جرأت نہیں کر سکتا۔ تحفظِ حدیث کے بارے میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی خدمات کو فراموش نہیں کیا جا سکتا۔ آپ کی خدمات تحفظِ حدیث کے بارے میں حضرت مجدد الف ثانیؒ کے تاثرات حسب ذیل الفاظ میں بیان کئے جا رہے ہیں۔

"قرآن و احادیث صحابہ ؓ کی تبلیغ کے ذریعے ہم تک پہنچے ہیں۔ بعض لوگ حضرت ابو ہریرہ ؓ کو طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں جب صحابہ کرام ؓ ہی معاذ اللہ مطعون ٹھہرے تو جو دین ان کے ذریعے ہم تک پہنچا ہے وہ بھی نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذَالِکَ مطعون اور نا قابلِ اعتماد ہوگا۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ کے مطعون ہونے سے نصف احکام شریعہ مطعون ٹھہرتے ہیں کیونکہ علمائے مجتہدین نے فرمایا ہے کہ احکام سے متعلق جو تین ہزار احادیث وارد ہیں یعنی تین ہزار احکام شریعہ جو سُنّتِ نبوی ﷺ سے ثابت ہوئے ہیں، ان تین ہزار میں سے پندرہ سو (۱۵۰۰) حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایات سے ثابت ہوئے ہیں۔ پس ابو ہریرہ ؓ میں طعن، نصف احکام شریعہ میں طعن ہے اور حضرت امام بخاری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت کرنے والے آٹھ سو صحابہ ؓ اور تابعینؒ ہیں جن میں سے ابنِ عباس ؓ، ابنِ عمر ؓ، جابر ابن عبداللہ ؓ اور انس بن مالک ؓ بھی ان سے روایت کرنے والوں میں سے ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ ؓ پر طعن کے بارے میں جو حدیث حضرت علی ؓ سے یہ لوگ نقل کرتے ہیں سراسر جھوٹ، بہتان اور تہمت ہے، جیسا کہ علماء نے اس کی تحقیق کی ہے"۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہ ؓ کے فہم، علم اور حافظہ کے متعلق حضرت مجدد الف ثانیؒ درج ذیل حدیث نقل کرتے ہیں۔

"حضرت ابو ہریرہ ؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی ایک مجلس شریف میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ نے فرمایا تم میں سے کون ہے جو اپنی چادر بچھائے تا کہ میں اس میں اپنی گفتگو (علم) ڈال دوں تو وہ اسے اپنے ساتھ چمٹا لے، پھر اسے کبھی نہ چھوڑے، (تو میں نے چادر بچھا دی جو میرے اوپر تھی) حضور ﷺ نے اپنا کلام مبارک (علم) اس پر بہا دیا، پھر میں نے اسے اپنے سینے سے لگایا، اس کے بعد میں کوئی چیز نہیں بھولا"۔[1] حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے حفاظت حدیث کے کام کے لیے اپنے آپ

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۱۹، جلد ۱، صفحہ ۵۶۔

کو وقف کر دیا تھا، ان سے کثیر احادیث کے مروی ہونے کی وجہ بھی یہی ہے کہ انہوں نے دنیا کے ہر کام سے لا تعلق ہو کر حفاظتِ قرآن وحدیث کے کام ہی کو اپنا اوڑھنا، بچھونا بنا لیا تھا۔ خود فرماتے ہیں کہ جو کچھ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے اس کے یاد کرنے اور سمجھنے سے زیادہ مجھے کوئی چیز پسند نہ تھی۔ ایک روایت میں فرماتے ہیں:

"حَزَاْتُ اللَّیْلَ ثَلاَثَةَاَجْزَآءٍ ثُلُثٌ اُصَلِّیْ وَ ثُلُثٌ اَنَامُ وَ ثُلُثٌ اَذْکُرُ فِیْهِ حَدِیْثَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ"

(میں نے اپنی رات تین حصوں میں تقسیم کر رکھی ہے، ایک تہائی رات میں نماز پڑھتا ہوں، ایک تہائی میں سوتا ہوں اور باقی ایک تہائی رات میں رسول اللہ ﷺ کی احادیث یاد کرتا ہوں)

بعض اوقات لوگوں کو ان کی کثرت روایت پر تعجب ہوتا تو فرمایا کرتے "تم لوگ خیال کرتے ہو کہ ابو ہریرہؓ رسول اللہ ﷺ کی زیادہ حدیثیں بیان کیا کرتا ہے، مگر خدا کی قسم میں ایک غریب مسکین آدمی تھا۔ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پیٹ کے بل پڑا رہتا حالانکہ مہاجرین بازاروں کے کاروبار میں مشغول رہتے اور انصار اپنے اموال، باغ اور کھیت وغیرہ میں الجھے رہتے۔"

انکارِ حدیث، ابطالِ دین کے مترادف ہے

زیرِ غور موضوع پر باب میں (گزشتہ عنوان کے تحت) حضرت مجدد الف ثانیؒ کے مکتوبات سے مکمل راہنمائی حاصل ہو جاتی ہے۔ حدیثِ نبوی ﷺ سے قطع نظر کرنے کا یہ لازمی نتیجہ ہے کہ حدیث کا انکار کر کے قرآن کی تفسیر، تفسیر نہیں بلکہ تحریف بن جائے گی اور ہر شخص اپنی سوچ کے مطابق قرآن حکیم کی تاویلات متعین کرنے لگے گا اور پھر اس پر اصرار کرے گا کہ جو کچھ اس نے سمجھا ہے وہی درست ہے۔ اس طرح تو دین ایک کھیل بن جائے گا، جو چاہے کھیلے۔ اسلام کے موجودہ فرقے قرآن کی اس من مانی تفسیر کرنے کا نتیجہ ہے۔

اس طرح کی ایک ناکام کوشش منکرینِ حدیث کے امام شیخ عبداللہ چکڑالوی نے اپنی تصنیف "بُرْهَانُ الْفُرْقَانْ عَلیَ الصَّلٰوةِ الْقُرْآنْ" میں کی ہے۔ وہ مذموم کوشش یہ تھی کہ حدیث کی مدد کے بغیر نماز کے تفصیلی احکام متعین کیے جائیں۔ مگر باوجود ہزار کوشش کے وہ بری طرح ناکام ہوئے مثلاً نماز میں تسبیحات کی بجائے مختلف آیاتِ قرآنی تجویز کیں، ثناء کی جگہ اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ پڑھنے کی ٹھانی مگر بیچارے یہ نہ بتا سکے کہ ان آیات کا تعین قرآن کی کس آیت سے کیا ہے۔ پھر نمازوں کی تعداد کے معاملے میں شیخ صاحب کو تو خیر سے قرآن سے پانچ نمازیں مل ہی گئیں، مگر ان کے شاگردوں کو صرف دو ہی نمازیں مل سکیں۔ مزید یہ کہ شیخ صاحب کو تو قرآن سے رکعاتِ نماز کی تعداد ۲، ۳، ۴ ملیں مگر شاگردوں کو صرف ۲ نظر آئیں، پھر حد یہ کہ خود شیخ صاحب آذان کے منکر ہی نہیں بلکہ آذان کو کفر و شرک بھی گردانتے تھے، لیکن ان کے خلیفہ

حشمت علی نے شیخ کی مخالفت کی جسارت کرتے ہوئے معروف آذان سے ہٹ کر اپنی طرف سے چند آیات قرآنیہ کو ترتیب دیا اور کہا کہ آذان تو یہ ہے کہ مگر ہائے افسوس کہ وہ بھی یہ ثابت کرنے سے قاصر ہی رہے کہ انہوں نے یہ تعین قرآن کی کس آیت سے کیا ہے۔ عین ممکن ہے کہ کل کو شیخ حشمت علی کے خلیفہ اٹھیں اور آذان کے لیے کسی دوسری آیت کا انتخاب کر لیں اور اپنی مرضی کی ترتیب دے کر ایک نئی آذان ایجاد کر لیں۔ حدیث سے قطعِ نظر کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ قرآن حکیم کے صرف الفاظ کی تفسیر کرنے کے چکر میں نہ استاد استاد رہا نہ شاگرد شاگرد رہا۔

ع (آگے آگے دیکھئے ہوتا ہے کیا)

انکارِ حدیث اور حلال وحرام کی تمیز

اس بات میں کوئی شبہ نہیں کہ منکرینِ حدیث جہالت کے اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں ان کو اتنا بھی احساس نہیں کہ حدیث کو درمیان سے نکال دیا جائے تو دین کا وجود ہی اپنی اصلی حالت پر قائم نہیں رہتا۔ حدیث کو ماخذِ دین نہ مانا جائے تو نہ معتقدات اپنی جگہ برقرار رہتے ہیں، نہ عبادات اور نہ معاملات۔ دین کا سارا نظام تلپٹ (کھنڈرات کا ڈھیر) ہو کر رہ جاتا ہے اور پھر اغراض کے بندوں کے ہاتھوں دین کا ایسا حلیہ بگڑتا ہے کہ اکثر حالات میں حرام وحلال تک کی تمیز باقی نہیں رہ سکتی۔ ہم نہیں سمجھتے کہ منکرینِ حدیث اپنی ہٹ دھرمی میں اس قدر بے حس ہوں گے کہ اتنی بات بھی نہ سمجھیں۔ یہ امر واقعی ہے کہ ماخذِ دین ہونے کی حیثیت سے اگر حدیث کا انکار کر دیا جائے تو بیشتر حالات میں حلال وحرام خلط ملط ہو کر رہ جائیں گے۔ اس سلسلے میں بخوفِ طوالت صرف دو مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہے، جو حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ذرا بتائیں کہ دین اسلام میں پھوپھی، بھتیجی یا خالہ بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنا حلال ہے یا حرام؟ ہر کوئی کہے گا ایک بیوی کے ہوتے ہوئے اگر کوئی شخص دوسرا نکاح کرنا چاہتا ہے تو وہ موجودہ بیوی کی بھتیجی یا بھانجی کو اپنے نکاح میں نہیں لا سکتا کیونکہ ایسا کرنا حرام ہے، مگر منکرینِ حدیث سے اگر پوچھیے تو وہ یقیناً حلت کا ہی فتویٰ دیں گے، کیونکہ قرآن میں تو کوئی ایسی آیت ہے نہیں جس میں مذکورہ دو خواتین کا ایک نکاح میں رکھنے کی حرمت بیان کی گئی ہو۔

۲۔ شیر، ریچھ، بھیڑیا، خنزیر، باز، شکرا وغیرہ شریعتِ مطہرہ میں حرام ہیں مگر منکرینِ حدیث تو ان کی حلت کا ہی فیصلہ دیں گے کیونکہ قرآن پاک کے قاعدہ حلت وحرمت "وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ" (یعنی اللہ تعالیٰ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال کرتا ہے اور گندی چیزیں حرام کرتا ہے) (اعراف: ۱۵۷) سے تو وہ ان کی حلت وحرمت جاننے سے یقیناً نا آشنا رہیں گے۔ البتہ حدیث شریف

راہنمائی فرمائے گی کہ ’’ذِیْ نَابٍ مِنَ السَّبَاعِ وَذِیْ مِخْلَبٍ مِنَ الطُّیُوْرِ‘‘ (کہ کچلیاں رکھنے والے درندے اور پنجوں والے شکاری پرندے حرام ہیں) [1] لیکن منکرین کہاں سے ان کی تفصیل معلوم کریں گے یا حرام ہی کو مفید غذا خیال کریں گے۔ فَاعْتَبِرُوْا یٰٓاُولِی الْاَبْصَارِ۔

ع ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

لُبِّ لُباب تفصیل مذکورہ کا یہ ہے کہ یہ بات عقل و شعور سے بہت نیچے ہے کہ حدیث کے بغیر قرآن اور دین کو سمجھا جا سکتا ہے اور یہ بات بعید از قیاس بھی ہے، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام کی صحیح تعلیم قرآن و حدیث کی باہمی توفیق و تطبیق سے ہی معلوم ہو سکتی ہے اور یہ دونوں مل کر ہی سرچشمۂ ہدایت ہیں۔ انکارِ حدیث کرنے والے صراطِ مستقیم سے بہت دور جا گرے ہیں۔

خبرِ واحد کی حجیت (بالادستی)

منکرینِ حدیث احادیث کو مشکوک ظاہر کرنے کے لیے اور اس کی حجیت کو پامال کرنے کے لیے عموماً خبرِ متواتر اور خبرِ واحد کو غلط شکل میں پیش کرتے ہیں اور بالخصوص خبرِ واحد کی صحت کو شکوک و شبہات کا نشانہ بناتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے غلط دلائل کی بناء پر سیدھے سادھے مسلمانوں کو افادیتِ حدیث سے متنفر اور بدظن کر دیتے ہیں حالانکہ آئمہ اسلام کے نزدیک صحیح بخاری کو قرآن مجید کے بعد سب سے زیادہ معتبر تصوّر کیا جاتا ہے۔ ایسے احوال کے پیشِ نظر مناسب ہوگا کہ خبرِ واحد اور خبرِ متواتر کے متعلق کچھ تفصیل بیان کی جائے تا کہ شکوک و شبہات کا ازالہ ہو سکے۔ اس بات کو جان لینا چاہیے کہ جو باتیں نبی کریم ﷺ سے ہم تک پہنچتی ہیں ان کو حسبِ ذیل دو ابواب میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ وہ ہیں متواتر اور آحاد۔

(I) خبرِ متواتر وہ احادیث جن کو اس قدر اشخاص بیان کریں کہ ان کا جھوٹ پر مجتمع ہونا محال ہو، متواتر احادیث کی دو اقسام ہیں۔

(i) تواترِ فعلی یہ وہ سنّت ہے جس پر لوگوں نے ہمہ گیر تعداد میں عمل کیا ہو۔ مثلاً نماز، روزہ وغیرہ۔

(ii) تواترِ قولی یہ حضور ﷺ کے وہ ارشادات ہیں جو تواتر سے ثابت ہوں۔ تواترِ قولی کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک تواترِ لفظی جس میں لفظ محفوظ ہیں اور دوسری تواترِ معنوی جس میں قول معنی یا مطلب محفوظ ہو۔ جملہ تواترات کی دو قسمیں ہیں۔ ایک تواترِ سکوتی جس پر کسی نے انکار نہیں کیا اور دوسرے تواترِ غیر سکوتی یعنی لوگوں نے اس پر عمل بھی کیا۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۳۹۳۴، جلد ۳، صفحہ ۱۵۳۴۔

خبرِ متواتر کا حکم آپ ﷺ کا وہ بیان جو تین سے زائد راویوں کے ذریعے ہم تک پہنچا ہو، اس سے حاصل شدہ علم قطعی اور یقینی ہوتا ہے۔ خبرِ متواتر سے تعلق رکھنے والی احادیث کی تعداد خبرِ واحد کے مقابلہ میں بہت کم ہے اور معترضینِ احادیث زیادہ تر اخبارِ آحاد (خبرِ واحد کی حدیثوں) پر اعتراض کرتے ہیں چنانچہ اخبارِ آحاد کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا جا رہا ہے۔

۲۔ خبرِ واحد وہ روایات جو متواتر نہ ہوں اور کبھی کبھی عمل میں آئی ہوں، اس سے حاصل شدہ علم ظنِ غالب کے درجے پر ہوتا ہے۔ اختلاف اس بات پر ہے کہ خبرِ واحد کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ جمہور کے نزدیک خبرِ واحد اگر سچے اور ثقہ راوی سے مروی ہو تو وہ معتبر اور قابلِ قبول اور واجب العمل ہے مگر اس کے برعکس منکرینِ حدیث کا یہ کہنا ہے کہ چونکہ یہ علم ظنی نوعیت سے تعلق رکھتا ہے اور ظنیت میں خطاء و نسیان کا احتمال ہر وقت باقی رہتا ہے اس لئے اس سے قائم کردہ استدلال درست نہیں ہوسکتا۔ خبر واحد کی ظنیت کے پیشِ نظر تمام کی تمام احادیث کے مجموعے کو ظنی سمجھنے کے بعد رد کر دینے کے لائق سمجھتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ جو بات ثابت شدہ نہیں وہ لائقِ اتباع نہیں۔

اصولی غلطی

منکرینِ حدیث کا یہ کہنا اصولی طور پر غلط ہے کہ جو چیز ثابت شدہ نہ ہو وہ قابلِ اتباع نہیں۔ انسان اکثر و بیشتر معاملات میں صرف اس تحقیق پر اعتماد کرنے کے لیے مجبور ہے جس سے ظنِ غالب حاصل ہوتا ہے اگر وہ اس تحقیق میں شک کرے اور علم یقین کے بغیر ہر بات ماننے سے انکار کر دے تو وہ دنیا کے کام کا نہ رہے۔ ہماری زندگی کے بیشتر معاملات ایسے ہیں جن میں ہم اخبارِ آحاد یعنی ایک دو راویوں کی دی ہوئی خبروں کو تسلیم کر لیتے ہیں اور انہی پر اپنے فیصلوں اور اپنے علم و عمل کا مدار رکھتے ہیں۔ دنیا کے تقریباً تمام کاروبار اخبارِ آحاد پر چل رہے ہیں۔ تجارت کا سارا نظام انہی کی بنیاد پر قائم ہے، مثلاً بہت سی چیزیں ہم کو تار اور اخبارات کے ذریعے سے ملتی ہیں۔

اسی طرح سرکاری و غیر سرکاری دفاتر کے تمام معاملات، رسل و رسائل، نامہ و پیام، تار اور ٹیلیفون کا تمام تر مدار خبرِ واحد پر ہی ہے۔ دفاتر کے تمام پیغامات کا راوی ایک بے چارہ بے علم چپڑاسی ہی تو ہوتا ہے۔ ہماری زندگی کے معاملات میں سب سے زیادہ اہم اور نازک معاملہ عدالت کا ہے۔ عدالتوں میں خالص اور ٹھوس عقلی دلائل پر احکام کی بنیاد رکھی جاتی ہے۔ قاضی یا جج کے سامنے جتنے مقدمات پیش ہوتے ہیں ان کے ثبوت کے لیے اکثر و بیشتر معاملات میں صرف اخبارِ آحاد ہی پیش ہوتی ہیں جنہیں وہ جرح و تعدیل، قرائن و

آثار اور قیاسِ عقلی کی کسوٹی پر رکھ کر سچ اور جھوٹ کے امکانی پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو راجح قرار دیتا ہے اور اسی پر اپنے فیصلے کی بنیاد رکھتا ہے۔

سورۂ بقرہ کی آیت ۱۴۶ میں فرمایا گیا ہے کہ اہل کتاب نبی اکرم ﷺ کو ایسا پہچانتے ہیں جیسے آدمی اپنے بیٹوں کو پہچانتا ہے "یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ" (وہ پہچانتے ہیں انہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)۔ تفاسیر میں اس آیت کی وضاحت میں لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ نے علماء یہود میں سے عبداللہ بن سلامؓ سے دریافت کیا، کہ آیت یعرفونہ میں جو معرفت بیان کی گئی ہے اس کی کیا شان ہے۔ اس نے کہا اے عمرؓ! میں نے حضور ﷺ کو دیکھا تو بلا تردد پہچان لیا۔ میرا حضور ﷺ کو پہچاننا اپنے بیٹوں کو پہچاننے سے بدرجہا زیادہ اتم و اکمل ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا یہ کیسے؟ اس نے کہا کہ حضور ﷺ کے اوصاف ہماری کتاب میں بیان کئے گئے ہیں۔ بیٹے کی طرف سے ایسا یقین کس طرح ہو، عورتوں کا حال ایسا قطعی کس طرح معلوم ہو سکتا ہے۔ حضرت عمرؓ نے ان کا سر چوم لیا۔ قرآن کی اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ کسی شخص کے بیٹے کے متعلق ظن کی تصدیق کرنا کوئی مشکل بات نہیں کیونکہ بیٹے کی شکل وصورت اور دیگر عادات باپ کی شکل وصورت اور عادات سے مماثل ہوتی ہیں۔ ان تمام باتوں سے ظن یقین میں تبدیل ہو جاتا ہے اسی طرح حدیثِ ظنی کے شکوک کو بعض علوم کی مدد سے دور کیا جا سکتا ہے۔

خبرِ واحد کی حجیت اور قرآن کریم

اگر ہم قرآن کریم کا بغور مطالعہ کریں تو معلوم ہوگا کہ تمام انبیاء کرام جو اللہ تعالیٰ کے احکام لے کر اپنی امتوں کی طرف آئے، ان کی حیثیت بھی خبر واحد کی طرح تھی۔ موسیٰ ؑ کو ایک شخص نے اطلاع دی کہ آپ کے ہاتھوں سے ایک قبطی مارا گیا ہے اس پر فرعون نے آپ ؑ کو قتل کرنے کا حکم دیا ہے، چنانچہ آپ واحد کی خبر پر یقین کرتے ہوئے مصر کو چھوڑ کر مدین کی طرف چلے گئے اور وہاں پر شعیب ؑ کی بیٹی نے اپنے والد کی طرف سے موسیٰ ؑ کو اپنے گھر بلانے کا پیغام دیا تو موسیٰ ؑ ان کی بیٹی کی بات پر ان کے گھر چلے گئے۔

اس بات کا پہلے ذکر ہو چکا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ایک قاصد کی خبر پر مسجد قباء میں ادا کی جانے والی نماز فجر کے دوران سب نے اپنا رخ بیت المقدس سے ہٹا کر بیت اللہ کی طرف کر دیا۔ یہ روایت بھی گزر چکی ہے کہ جب شراب کی حرمت کا حکم نازل ہوا تو ایک شخص کی اطلاع پر حضرت ابو عبیدہؓ، حضرت طلحہؓ اور ابی بن حاطبؓ نے شراب کے مٹکے توڑ ڈالے۔ یہ سب خبرِ واحد کی مثالیں ہیں۔ حجۃ الوداع پر حضور ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ جو حاضر ہے وہ غائب تک ہمارے خطبہ کے احکام پہنچا دے[1]

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۶۵۲، جلد ۲، صفحہ ۷۱۶۔

چنانچہ یہ پیغام بھی خبرِ واحد کی حیثیت سے پہنچایا گیا۔ نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد آپ ﷺ کی جائے تدفین پر حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ انبیاء کرام اپنے جائے وفات پر ہی دفن کیے جاتے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ کی خبرِ واحد پر حجرۂ نبوی ﷺ میں دفن کیا گیا۔

حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے تین دن سے اٹھا ہوا خلافت کا مسئلہ حضور ﷺ کی حدیث "اَلْاَئِمَّةُ مِنَ الْقُرَیْشِ"[1] (خلفاء قریش میں سے ہوں گے) سے حل فرمایا۔ آپ کی یہ حدیث خبرِ واحد ہی کی ایک قسم تھی۔ اس خبرِ واحد کی تصدیق حضرت ابو بکر صدیق ؓ نے سورۂ توبہ کی آیت ۱۰۰ سے کی جس میں مہاجرین کو انصار پر سبقت کا ذکر کیا ہے۔ "وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ" (التوبہ ۱۰۰)

مذکورہ بالا دلائل کے علاوہ امام شافعیؒ اپنی کتاب "الرسالۃ" میں اخبارِ آحاد کی حجیت کے اثبات میں ایک طویل مقالہ تحریر فرماتے ہیں۔ اس میں مدینہ شریف، مکہ معظمہ، بصرہ، کوفہ اور شام میں متعدد اصحاب ؓ کے نام لکھے گئے ہیں جو اخبار احاد کو باہم نقل و روایت کرتے ہیں اور ان کو قبول کرتے تھے۔ یہ لوگ ان کی ان اخبارِ احاد پر فتویٰ دیتے اور بلا نزاع وجدال اس کو حجت قرار دیتے۔ حضرت امام شافعیؒ نے یہ بھی فرمایا کہ انہیں ایک بھی نام ایسا معلوم نہیں جس کے بارے میں کہا جا سکے کہ وہ خبرِ واحد کو حجت تسلیم نہ کرتا تھا۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ خبرِ واحد ہمیشہ سے دین میں حجت تھی اور ہمیشہ رہے گی۔

منکرینِ حدیث بہت جید محدّثین کا انکار کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتے

اپنے لیے آسانی کا راستہ نکالنے والے منکرینِ حدیث نے احادیث رسول ﷺ کا ہی انکار نہیں کیا بلکہ ان کو اس بات کا خیال تک نہیں آیا کہ ایسے جلیل القدر محدثین کو رد کر دینے کا عمل ان کے زہرِ قاتل کا کام کرے گا۔ ایک حدیث کے مطابق علماء امت محمدیہ ﷺ کی شان یہ ہے کہ وہ بنی اسرائیل کے نبیوں کی ہم نشینی کا مقام رکھتے ہیں۔ ایسے علماء محدثین کا انکار ایسے ہی ہے جیسے انبیاء علیہم السلام بنی اسرائیل کا انکار کر دیا جائے۔ اس مکروہ حرکت کی سزا یہ ملی ہے کہ تمام مسلمانوں کے نزدیک انکارِ حدیث کا عمل عالم اسلام میں ایک فتنہ کی حیثیت کا حامل سمجھا جانے لگا ہے۔ مسلمانوں کی یہ بدبختی ہے کہ ان میں سے ایک جماعت ہر اس شخص کی تقلید کرنے لگتی ہے جو کہ نیا مسلک پیش کرے، چنانچہ ایسے پیر بھی موجود ہیں جو شریعت کا انکار کرتے ہیں اور نماز و روزہ جیسے اہم فرائض سے عملاً اور مسلکاً انکار کرتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے پنجابی مسلمان کے لیے فرمایا:

مذہب میں بہت تازہ پسند اس کی طبیعت
کر لے کہیں منزل تو گزرتا ہے بہت جلد

---

[1] معجم ابی یعلی، احمد بن علی ابی یعلی، متوفی ۳۰۷ھ، حدیث ۱۵۸، جلد ۱، صفحہ ۱۲۵، ادارۃ العلوم الاثریہ، بیروت۔

تحقیق کی بازی ہو تو شرکت نہیں کرتا
ہو کھیل مریدی کا تو ہرتا ہے بہت جلد
تاویل کا پھندا کوئی صیاد لگا دے
یہ شاخِ نشیمن سے اترتا ہے بہت جلد

راقم الحروف کا خیال ہے کہ اگر کوئی شخص لادینیت اور فسق و فجور پر مبنی ایک لایعنی فرقہ بنا ڈالے تو اس کے ماننے والے ہزاروں افراد اس کے ساتھ ہو لیں گے۔ علامہ فرماتے ہیں:

ہے کس کی یہ جرأت کہ مسلمان کو ٹوکے
حریّتِ افکار کی نعمت ہے خداداد
چاہے تو کرے کعبے کو آتش کدۂ فارس
چاہے تو کرے اس میں فرنگی صنم آباد!
قرآن کو بازیچۂ تاویل بنا کر
چاہے تو خود اک تازہ شریعت کرے ایجاد
ہے مملکتِ ہند میں اک طرفہ تماشا
اسلام ہے محبوس، مسلمان ہے آزاد

مذکورہ اشعار میں علامہ نے یہ فرمایا کہ مسلمانوں میں بہت سے لوگ اس قدر آزاد ہو چکے ہیں کہ وہ خود اسلام کو جدھر چاہیں موڑنے، توڑنے اور جوڑنے کا حقدار سمجھتے ہیں۔ ایسے کم ظرف لوگ جنیدؒ و بایزیدؒ، امام غزالیؒ اور مجدد الف ثانیؒ جیسی ہستیوں کو ہیچ سمجھتے ہیں۔ کیا یہ بے شرمی کی انتہا نہیں۔

اس جگہ ایک مختصری فہرست ان حضرات علماء کرام کی دی جا رہی ہے جنہوں نے ہر دور میں الگ الگ موضوعات اور عنوانات پر حدیث کی کتابیں تحریر فرمائیں ہیں، ان مصنفین میں سے

(۱) عبد الرزاقؒ متوفی سنہ ۲۱۱ھ صنعان کے تھے (۲) ابنِ مبارکؒ (م سنہ ۱۸۱ھ) خراسان کے (۳) ابویعلیٰؒ (م سنہ ۳۰۷ھ) موصل کے (۴) ابنِ عمرؒ (م ۲۴۳ھ) عدن کے (۵) ابراہیم بن اسماعیلؒ (م سنہ ۳۸۰ھ) طوس کے (۶) طبرانی (م سنہ ۳۶۰ھ) طبران کے (۷) ابن سکینؒ (م سنہ ۳۵۳ھ) بغداد کے (۸) قاسمؒ (م سنہ ۳۴۰ھ) اندلس کے تھے اور (۹) امام اوزاعیؒ سندھ کے تھے مگر اتنے بڑے امام ہو گزرے ہیں کہ صحاح ستہ (بخاری، مسلم، ابوداؤد، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ) کے راوی ہیں اور امام مکحولؒ سندھ کے تھے انہوں نے سترہ صحابہ کرام رضی ﷺ سے حدیث حاصل کی یعنی بہت ہی جلد علمِ حدیث باقاعدہ

طور پر عرب کی حدود سے نکل کر ایشیاء کے دوسرے مقامات پر پہنچ چکا تھا اور فقط پہنچا ہی نہیں بلکہ ان میں ایسے علماء بھی پیدا ہو چکے تھے جنہوں نے علمِ حدیث کو فنی اور علمی لحاظ سے کتابی شکل میں مدوّن کیا جو آج تک موجود ہے۔

سُنّتِ رسول اللہ ﷺ اسلامی قانون کا دوسرا سرچشمہ ہے۔ آنحضرت ﷺ نے پیغمبرانہ حیثیت میں جو کچھ ارشاد فرمایا یا عمل مبارک کیا وہ امت کے لیے واجب العمل ہے۔ سنت کی حاکمیت کی بنیاد وحی الٰہی ہے، لہٰذا پیغمبر کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہی کی ایک صورت ہے۔ امت کے لیے نبی کریم ﷺ کا ہر قول اور ہر فعل ایک مستقل اور علیحدہ حیثیت سے واجب التعمیل اور واجب الاطاعت تسلیم کیا گیا ہے گویا قرآن پر اس وقت تک پورا عمل ممکن ہی نہیں جب تک ہم حدیثِ رسول ﷺ کو بھی قانون خداوندی کا ایک حصہ نہ مان لیں۔ منکرینِ حدیث اگر آج احادیث کو ناقابلِ اعتبار اور مشکوک سمجھتے ہیں تو اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ پہلے تمام محدثین کو غلطی پر تصور کرتے ہیں اور اپنے آپ کو ان سے زیادہ لائق اور فائق سمجھتے ہیں۔

خدّام اور محافظینِ حدیث

ان علمائے کرام کے اسمائے گرامی نیچے دیے جا رہے ہیں جنہوں نے مختلف ادوار میں الگ الگ موضوعات اور عنوانات پر حدیث کی کتابیں تصنیف فرمائیں ہیں۔

نمبر شمار	نام	سن وفات	نمبر شمار	نام	سن وفات
۱	عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ	۶۵ھ	۲	عمر بن عبدالرحمٰن ”	۱۰۳ھ
۳	امام محمد بن اسحاق	۱۰۵ھ	۴	قاسم بن محمد بن ابی بکر ”	۱۰۶ھ
۵	امام زہری ”	۱۱۴ھ	۶	امام مکحول ”	۱۱۸ھ
۷	امام حمیدی ”	۲۱۶ھ	۸	امام شریک ”	۱۴۰ھ
۹	امام ابن جریج القرشی ”	۱۵۰ھ	۱۰	نعمان بن ثابت امام اعظم ابوحنیفہ ”	۱۵۰ھ
۱۱	امام ابن اسحاق ”	۱۵۱ھ	۱۲	امام معمر ”	۱۵۳ھ
۱۳	امام سعید بن ابی عروبہ عدوی ”	۱۵۶ھ	۱۴	امام اوزاعی ”	۱۵۷ھ
۱۵	امام شعبہ بن الحجاج ”	۱۶۰ھ	۱۶	امام سفیان ثوری ”	۱۶۱ھ
۱۷	امام حماد بن سلمہ ”	۱۶۷ھ	۱۸	امام لیث بن سعد ”	۱۵۷ھ
۱۹	امام مالک بن انس ”	۱۷۹ھ	۲۰	امام عبداللہ بن مبارک ”	۱۸۱ھ
۲۱	امام ہشیم ”	۱۸۳ھ	۲۲	امام جریر بن عبد الحمید ”	۱۸۸ھ

۲۳	امام ولید بن مسلمؒ	۱۹۵ھ	۲۴	محمد بن ادریس امام شافعیؒ	۲۰۴ھ
۲۵	امام جارودؒ	۲۰۷ھ	۲۶	عبدالرزاق بن ہمام الصنعانیؒ	۲۱۱ھ
۲۷	امام عبداللہ بن موسیٰؒ	۲۱۳ھ	۲۸	امام علی بن المدینیؒ	۲۳۴ھ
۲۹	امام ابن ابی شیبہؒ	۲۲۳ھ	۳۰	امام سعید بن منصورؒ	۲۳۵ھ
۳۱	امام ابن ماجہؒ	۲۲۷ھ	۳۲	امام اسحاق بن راہویہؒ	۲۳۸ھ
۳۳	امام قاسم بن اصبغؒ	۲۴۰ھ	۳۴	امام احمد بن حنبلؒ	۲۴۱ھ
۳۵	امام ابن ابی عمرؒ	۲۴۳ھ	۳۶	امام عبد بن حمیدؒ	۲۴۹ھ
۳۷	امام محمد بن اسماعیل البخاریؒ	۲۵۶	۳۸	امام ابن سنجرؒ	۲۵۸ھ
۳۹	امام سلطان بن احمد طبرانیؒ	۲۶۰	۴۰	امام ربیع بن صبیحؒ	۲۶۰ھ
۴۱	امام ہیثمؒ	۲۶۱ھ	۴۲	امام مسلم بن حجاجؒ	۲۶۲ھ
۴۳	امام یعقوب بن شبیہؒ	۲۷۲ھ	۴۴	امام محمد بن مہدیؒ	۲۷۵ھ
۴۵	امام قرطبیؒ	۲۷۶ھ	۴۶	امام احمد بن حازمؒ	۲۷۶ھ
۴۷	محمد بن عیسیٰ امام ترمذیؒ	۲۷۹ھ	۴۸	امام دارمیؒ	۲۸۰ھ
۴۹	امام ابراہیم بن اسمٰعیلؒ	۲۸۰ھ	۵۰	امام ابواسامہؒ	۲۸۲ھ
۵۱	امام ابراہیم عسکریؒ	۲۸۳	۵۲	امام ابوعاصمؒ	۲۸۷ھ
۵۳	امام ابوبکر بزازؒ	۲۹۲ھ	۵۴	امام عثمان بن ابی شبیہؒ	۲۹۳ھ
۵۵	امام نسفیؒ	۲۹۵	۵۶	امام ابراہیم بن یوسفؒ	۳۰۱ھ
۵۷	امام نسائیؒ	۳۰۳ھ	۵۸	حسن بن سفیانؒ	۳۰۳ھ
۵۹	امام احمد بن شعیبؒ	۳۰۳ھ	۶۰	امام ابویعلیٰؒ	۳۰۷ھ
۶۱	امام محمد بن جریر طبریؒ	۳۱۰ھ	۶۲	امام طحاویؒ	۳۲۱ھ
۶۳	امام بخاریؒ مصنف مسند کبیر	۳۲۸ھ	۶۴	امام ابن سکینؒ	۳۵۳ھ
۶۵	امام ابونصر رازیؒ	۳۵۵ھ	۶۶	محمد بن نصر دوزیؒ	۳۹۴ھ
۶۷	ؒ امام قزوینیؒ	۳۹۹ھ	۶۸	امام محمد بن حمدؒ	۴۰۲ھ
۶۹	امام خوارزمیؒ	۴۲۵ھ	۷۰	امام دارقطنیؒ	۴۶۰ھ
۷۱	محمد بن علی بن حجر عسقلانیؒ	۸۵۲ھ			

منکرینِ حدیث کا پہلا اعتراض

احادیث کی تحریر تیسری صدی ہجری کے دوران وجود میں آئی، لہٰذا ان کی درستی اور صحت کا کیا اعتبار ہو سکتا ہے۔ ایسی سنت جس کی حفاظت کا یقین نہ ہو، اس کے متعلق یہ کیسے کہا جا سکتا ہے کہ یہ وہی سنت ہے جو حضور اکرم ﷺ کے زمانے کے ساتھ مخصوص ہے۔ اس کے علاوہ ہر زمانے میں ان کے تغیر و تبدل کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا۔

پہلے اعتراض کا جواب

منکرینِ حدیث کا یہ اعتراض قطعاً غلط ہے کہ احادیث کی تحریری صورت تیسری صدی میں مرتب ہوئی، اس سلسلے میں کتابت وحفاظتِ حدیث اور تدوینِ حدیث کے ابواب میں تفصیلاً بیان کیا جا چکا ہے کہ احادیث کی کتابت حضور ﷺ کے زمانے میں ہی شروع ہو گئی تھی اور ان تمام تحریروں کے نام مستند حوالوں کے ساتھ بیان کیے جا چکے ہیں، جو پہلی صدی سے تیسری صدی ہجری تک لکھی گئیں۔

اعتراض کا دوسرا حصہ کہ سنت کا کیا اعتبار ہے کہ وہ سنن صرف حضور ﷺ کے زمانے کے ساتھ مخصوص تھیں اور نعوذ باللہ ہر زمانے کے لحاظ سے ان میں تغیر و تبدل بھی کیا جا سکتا ہے۔ اس کے متعلق صرف یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی سنت میں تبدیلی ممکن نہیں جیسا کہ فرمایا گیا کہ ''وَلَنْ تَجِدَ لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيْلًا o'' (یعنی تم اللہ کی سنت میں تبدیلی نہ پاؤ گے) (سورہ الفتح: ۲۳) تو رسول اللہ ﷺ کی سنت میں تبدیلی کا امکان کس طرح ممکن ہو سکتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی اطاعت کو اپنی اطاعت فرمایا ہے ''وَمَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ'' (یعنی جس نے رسول ﷺ کی اطاعت کی تو اس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی) (النساء: ۸۵) اللہ تعالیٰ کا درج ذیل حکم ہر زمانے کے لیے ہے نہ کہ صرف رسول اللہ ﷺ کے زمانے کے لیے تو پھر رسول اللہ ﷺ کی اطاعت (جو سنت رسول ﷺ ہے) ہر آنے والے زمانے کے لیے ہے، کیونکہ قرآن کی رو سے حضور ﷺ تمام عالم کے لیے رسول بنا کر بھیجے گئے اور آپ کے بعد اور کوئی شریعت نہیں آئے گی۔

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ"

(اے ایمان والو! اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ کی) (النساء: ۵۹)

معترضین کو معلوم ہونا چاہیے کہ سنتِ رسول ﷺ کو تبدیل کرنا کسی انسان کے اختیار میں نہیں دیا گیا ہے، البتہ چند ان باتوں میں اجتہاد کی گنجائش ہے جن کے متعلق نہ تو قرآن میں کوئی حکم ہے اور نہ ہی کسی مستند حدیث سے ان کا حل موجود ہو۔ اجتہاد وہاں ہو گا جہاں ظاہر شریعت خاموش ہے۔ اجتہاد کا مطلب یہ نہیں کہ جو چیزیں سنتِ مصطفوی ﷺ میں منع کی گئی ہیں ان کو تبدیل کر کے خلاف سنت کوئی اور حکم لگایا جائے۔

راگ رنگ، سینما، شطرنج، ناچ اور گانے کی محفلوں کا جواز ہرگز تلاش نہیں کیا جا سکتا کیونکہ یہ تمام باتیں حرام یا مکروہ تحریمی میں شامل ہیں۔ افسوس کی بات ہے کہ منکرین حدیث نے ایسی بہت سی باتوں کو جائز قرار دیا ہے جن کی اسلام میں ممانعت ہے۔ منکرینِ حدیث کہتے ہیں کہ راگ رنگ کے قسم کی رسمیں مُلّا نے حرام کی ہیں۔

منکرینِ حدیث کو شاید اس بات کا احساس نہیں کہ قرآن نے ہر چیز کے متعلق اجمالاً ذکر کیا ہے اور احادیث میں اس کی تفصیل بیان کی گئی ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں آپس میں منسلک ہیں کیونکہ ایک کا دوسری سے ٹکراؤ نہیں۔ ماموراتِ اسلام اور حرام وحلال کے واضح احکامات قرآن میں کلیت کی حیثیت سے موجود ہیں اور احادیث میں ان کی جزئیات ہیں۔ قرآن کے احکام قیامت تک قابلِ اتباع ہیں اور جزئیات بھی (کُل کا حصہ ہونے کے اعتبار سے) قیامت تک کے لیے قابلِ اتباع ہیں۔ اگر یہ کہا جائے کہ یہ جزئیات قرآن میں کیوں شامل نہیں کی گئیں تو یہ سمجھ لینا ضروری ہے کہ قرآن میں ان جزئیات کی وضاحت ضروری نہ تھی البتہ "اَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ" کی کلیت کے ضمن میں سب جزئیات کا حکم بھی قرآن سے ثابت ہوتا ہے۔ رسول ﷺ کی اطاعت کو سوائے حدیث کے اور کون سی چیز واضح کر سکے گی۔

عبارتُ النّص اور سنت وغیرہ میں اجتہاد کی اجازت نہیں حضرت مجدد الف ثانیؒ (مکتوب نمبر ۵۵ حصہ ہفتم دفتر دوم) میں فرماتے ہیں' جان لینا چاہیے کہ اجتہادی احکام میں (کسی امتی کا کسی خاموش مسئلے پر) اختلاف ممکن ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ امتی اجتہاد کے درجے کو پہنچ چکا ہو اور وہ احکام کو جو عبارتُ النّص اور اشارۃُ النّص اور دلالۃُ النّص سے ثابت ہوں اور اسی طرح وہ جو سنتِ رسول ﷺ سے ثابت ہوں ان میں کسی کو مخالفت کی گنجائش نہیں بلکہ تمام امت پر ان کی اتباع لازم ہے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ مذکورہ احکام (جو عبارتُ النّص، اشارۃُ النّص، دلالۃُ النّص اور سنتِ رسول اللہ ﷺ سے ثابت ہوں) میں اجتہاد کی اجازت نہیں، ان کی ہر حالت میں پیروی اور اتباع لازم ہے مگر منکرینِ حدیث بڑی بڑی باتوں میں سُنّت اور نص کی مخالفت کر لیتے ہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی جب آسمان سے زمین پر قیامت کے قریب دینِ محمدی ﷺ کے احیاء کے لیے آئیں گے تو شرعی فیصلے فقہ حنفی (کتاب وسُنّت) کے مطابق فرمائیں گے یعنی خدا تعالیٰ کے ایک جلیل القدر نبی، حضرت امام ابو حنیفہؒ کے اجتہاد واستنباط کی صداقت پر مہر تصدیق و توثیق ثبت کریں گے۔ اس بیان سے امام ابو حنیفہؒ کی بیان کی گئی احادیث اور ان کی فقہ (جو ان احادیث پر مبنی ہے) تمام آئمہ اسلام کے لیے قابلِ قبول ہیں مگر منکرینِ حدیث کو ان کی لکھی ہوئی حدیثیں قبول نہیں۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ مذکورہ بالا مکتوب میں لکھتے ہیں کہ امام ابو حنیفہؒ سُنّتِ رسول ﷺ کی

پیروی میں سب سے بڑھ چڑھ کر ہیں اور مرسل احادیث کی پیروی بھی مسند احادیث کی طرح کرتے ہیں اور صحابیؓ کے قول کو بھی اپنی رائے پر مقدم رکھتے ہیں۔ آپؒ نے فرمایا کہ احکامِ شریعت کے اثبات میں اصل چیز کتاب و سنت ہے۔

دوسرا اعتراض

حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے پوری شدت کے ساتھ حدیث کو قلم بند کرنے سے روک دیا تھا جیسا کہ حضرت ابوسعید خدریؓ کی روایت موجود ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مجھ سے سوائے قرآن کے اور کچھ نہ لکھو اگر کسی نے قرآن کے سوا لکھا ہو تو اسے مٹا دے۔[1] لہٰذا روایات کا سلسلہ قرآن کے خلاف عجمی سازش ہے اور اس کا نتیجہ یہ ہے کہ حدیث کو تاریخی درجہ بھی حاصل نہیں (طلوع اسلام، ص ۱۷)

دوسرے اعتراض کا جواب کتابتِ حدیث اور تدوینِ حدیث کے باب میں اس بات کی وضاحت کی جا چکی ہے کہ اگرچہ آپ ﷺ نے کچھ عرصہ کے لیے کتابتِ حدیث پر پابندی عائد فرمائی لیکن بعد میں اسے ختم کر دیا اور لکھنے کا حکم دیا (مکمل تفصیل کے لیے مذکورہ ابواب کا مطالعہ کریں)

اس بات پر اعتراض کی احادیث کا لکھنا قرآن کے خلاف عجمی سازش ہے، تو اس سلسلے میں یہ جان لینا ضروری ہے کہ اہل یہود اور نصاریٰ نے تو قرآن میں بھی تحریف کرنے کی انتہائی کوشش کی ہے لیکن وہ قرآن میں ایک زیر یا زبر کی تحریف کرنے میں بھی کامیاب نہ ہو سکے۔ یہ غور کرنے کا مقام ہے کہ جس قوم کے افراد نے قرآن کو سینوں میں محفوظ کیا ہو ایسی قوم حدیث کی حفاظت کے لیے کیسے نا اہل ثابت ہو سکتی ہے۔ حفظِ قرآن کی طرح حفظِ حدیث کا سلسلہ آج تک جاری ہے۔ اگر حدیث قابلِ قبول نہیں تو قرآن کا ہمیں ان ہی کے ہاتھوں پہنچنا کیسے ممکن ہوا؟ اگر منکرینِ حدیث یہ کہیں کہ قرآن کی حفاظت تو اللہ تعالیٰ نے بمطابق "اِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْن" (یعنی ہم ہی قرآن کی حفاظت کریں گے۔) (الحجر: ۹) یعنی اس کی حفاظت ہم نے اپنے ذمہ کرم پر لی ہے تو ان کو یہ بھی ماننے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے کہ حدیث بھی چونکہ وحی الٰہی ہے، بمطابق "وَمَا یَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰی" (یعنی حضور ﷺ اپنی مرضی سے بات نہیں کرتے) (النجم: ۳۔۴) اس لیے اس کی حفاظت بھی قرآن کی حفاظت کی طرح اللہ تعالیٰ کے ذمۂ کرم پر ہونا لازمی ہے۔

صحیح بخاری کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوب نمبر ۳۶ دفتر دوم حصہ اول میں فرماتے ہیں کہ صحیح بخاری جو کتاب اللہ کے بعد صحیح ترین کتاب ہے اور شیعہ بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں...... آپ حضرت علیؓ اور امیر معاویہؓ کے طعن کے متعلق فرماتے ہیں کہ اگر امام بخاریؒ کو ان دونوں میں سے کسی کی روایت میں طعن کا شائبہ بھی ہوتا تو حضرت امام بخاریؒ ہرگز ان کی روایات کو اپنی کتاب

---

[1] صحیح مسلم حدیث، ۳۰۰۴، جلد ۴، صفحہ ۲۲۹۸۔

میں درج نہ کرتے۔ اسی طرح سلف میں جو احادیث کے ناقد گزرے ہیں کسی نے بھی اس وجہ سے روایت حدیث میں فرق نہیں کیا (یعنی جو حق تھا وہی لکھا ہے) اور نہ مخالفتِ امیر ص کو منشاءِ طعن بنایا ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ جو احادیث امام بخاریؒ اور دیگر آئمہ اسلام کے ہاتھوں سے ہم تک پہنچی ہیں ان کی صحت میں رائی برابر انحراف کا شائبہ نہیں (اگر حضرت مجددؒ کو ذرا بھی شائبہ نہیں تو منکرین کو شک کیوں ہونے لگا)

تیسرا اعتراض

اگر واقعی اسلامی شریعت کا ماخذ اور سرچشمہ حدیث ہوتی تو کیوں نہ آنحضرت ﷺ اپنی زندگی میں اسے کتابی شکل میں مدوّن و مرتب فرماتے، چونکہ آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا تو یہ حجت تو ہے مگر چونکہ ہم تک باوثوق ذرائع سے نہیں پہنچی اسی لئے ظنی ہونے کی وجہ سے قابل اعتماد نہیں۔ (طلوع اسلام ص ۲۹ جون ۱۹۵۰ء)

تیسرے اعتراض کا جواب اس کتاب کے "تدوینِ حدیث اور کتابتِ حدیث" کے ابواب میں اس بات پر تفصیلاً گفتگو کی گئی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چند جید صحابہ کرامؓ نے احادیث کی کتابت کا کام شروع کر دیا تھا۔ اس کے بعد احادیث کے جو تحریری نسخے معرض وجود میں آئے ان کی ایک بہت بڑی تعداد کا ذکر اس کتاب کے مذکورہ بالا ابواب (پہلی صدی سے تیسری صدی کے زمانے تک احادیث کے باب میں کیا جا چکا ہے) ان ابواب میں اس بات کا بھی ذکر ہوا ہے کہ حضور ﷺ نے کچھ لوگوں کو اپنے احکام (جو حدیث کی ہی ایک صورت ہیں) لکھوا کر بھیجے۔ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں تو قرآن کی بھی باقاعدہ کتابت نہیں ہوئی اور اس کام کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے زمانے سے لے کر حضرت عثمان غنیؓ کے زمانے میں پایہ تکمیل تک پہنچایا گیا۔ اس اعتبار سے حدیث کی باقاعدہ کتابت آپ ﷺ کے زمانے میں کیسے کی جا سکتی تھی (جبکہ قرآن کی تحریر بھی کاغذوں یا چمڑوں کی شکل میں ہوئی تھی)۔

اللہ کا شکر ہے کہ معترض نے حدیث کو حجت تو تسلیم کیا ہے جس میں حدیث کی دلیل اور بالادستی پائی جاتی ہے لیکن اس کے ساتھ ہی ساتھ یہ بھی کہا کہ احادیث باوثوق ذرائع سے ہم تک نہیں پہنچیں۔ یہ دونوں باتیں متضاد ہیں۔ چند اوراق پہلے یہ بیان ہو چکا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے امام بخاریؒ کو اتنی بڑی ہستی قرار دیا ہے کہ ان سے حدیثوں یا روایتوں کے غلط بیان کرنے کا اندیشہ تک نہیں کیا جا سکتا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا ہے کہ امام صاحب موصوف کی صحیح بخاری کو قرآن کے بعد صحیح ترین کتاب ہونے کا درجہ حاصل ہے۔ اگر منکرینِ حدیث اس کتاب کو پھر بھی صحیح تسلیم نہیں کرتے تو ان کی اس سے زیادہ اور کیا بدقسمتی ہو سکتی ہے؟

معلوم ہونا چاہیے کہ معترضین نے احادیث کو "ظنی" ہونے کی وجہ سے قابلِ اعتماد نہیں سمجھا حالانکہ

ان کو شاید اس بات کا علم نہیں کہ ''ظن'' کئی قسم پر ہوتا ہے ایک ظن تو وہ ہوتا ہے جو بلا دلیل ہو اور محض تخمین اور گمان پر مبنی ہو۔ اس قسم کا ظن نا قابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ ظن کی دوسری قسم شواہد اور قرائن (اشاریہ، عندیہ یا دلیل) پر مبنی ہوتی ہے۔ اس قسم کو ظنِ غالب کہتے ہیں اور اگر اس میں شواہد درست ہوں تو قابلِ اعتبار ہوتا ہے۔ ظن کی تیسری قسم میں علمِ یقین، نظری اور استدلالی دلائل یا برہان سے قطعی طور پر حاصل ہوتا ہے۔ ایسے ظن میں صحیح علم حاصل ہو جاتا ہے۔ کچھ علماء نے عربی کی لغات میں لکھا ہے کہ کسی چیز کی علامت کو دیکھ کر نتیجہ اخذ کرنے کو ظن کہتے ہیں مگر جب علامات بہت کمزور ہوں تو نتیجہ وہم کہلائے گا۔ جب ظن علم و یقین کے درجے پر ہو تو قرآن میں اس کے بعد اِنَّ یا اَنَّ استعمال کیا جاتا ہے جیسے فرمایا:

''اَلَّذِیْنَ یَظُنُّوْنَ اَنَّھُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّھِمْ''

(جو لوگ یقین کیے ہوئے ہیں کہ ان کو اپنے پروردگار کے روبرو حاضر ہونا ہے۔) (البقرہ: ۴۶)

لیکن جب ظن کمزور ہو تو اس میں صرف اَنْ آتا ہے مثلاً ''فَظَنَّ اَنْ لَّنْ نَّقْدِرَ عَلَیْہِ'' (پس ذوالنون علیہ السلام نے) خیال کیا کہ ہم اس پر قابو نہ پا سکیں گے۔ (الانبیاء: ۸۷)

قرآن میں اس ظن سے منع کیا ہے جس میں محض تخمین و گمان ہو۔ احادیث کا سلسلہ محض تخمین اور گمان سے نہیں ہے بلکہ احادیث کو ظن کے بمعنی ثانیہ (یعنی ظن غالب) یا بمعنی ثالث (یعنی علم یقینی) کے لحاظ سے ظن کہا جاتا ہے اور اس نوعیت کا ظن یقین کے معنوں میں مندرج ہے، جیسا کہ سورۃ البقرہ کی مذکورہ آیت نمبر ۴۶ میں ظن کے معنی یقین کے لیے گئے ہیں ان کو یقین تھا کہ وہ اللہ کے روبرو حاضر ہوں گے۔ منکرینِ حدیث اگر احادیث کو ظنی کہیں تو بھی یہ بات نہیں بنتی۔

شریعتِ مطہرہ میں ظنِ غالب کو یقین کا حکم دے کر واجب الاتباع قرار دیا ہے۔ شرعی یقین کے لیے ثقہ عادل کی شہادت ایک سے تین شہادتوں تک کافی سمجھی جاتی ہے، ایسی احادیث کو یقینی خیال کیا جاتا ہے۔ جن احادیث میں سقم موجود ہو اس کو مردود گردانا جاتا ہے۔ یہاں احادیث وضع کرنے والے ایک شخص کا واقعہ پیش کیا جا رہا ہے۔ جس سے معلوم ہوگا کہ احادیث کے لیے پوری چھان بین کی جاتی ہے۔ مزید برآں تدوینِ حدیث میں احادیث کی پرکھ کا طریقہ ملاحظہ کریں تو معلوم ہوگا کہ ہر حدیث کا جرح و تعدیل، اسماء الرجال، وغیرہ بہت سے قواعد سے پرکھنے کے بعد فیصلہ کیا جاتا ہے۔

وضعِ حدیث کرنے والے کی گرفت کا ایک دلچسپ واقعہ

طبری جلد نہم میں ہے کہ ابن ابی العوجہ عبدالکریم ظاہراً متقی اور بہت دولت مند شخص تھا۔ گورنر کوفہ محمد بن سلیمان ابن علی کو معلوم ہوا کہ وہ حدیثیں وضع کرتا ہے تو اس نے عبدالکریم کو گرفتار کر لیا اور اس کے قتل کا حکم

دے دیا۔ اس کی ظاہری پرہیز گاری اور دولت کی وجہ سے بہت سفارشیں آئیں۔ گورنر کو لاکھوں کی رشوت پیش کی گئی مگر اس نے سب کو رد کر دیا۔ آخر خلیفۂ وقت سے ساز باز کر کے لوگوں نے عبدالکریم کو قتل نہ کرنے کے متعلق حکم امتناعی جاری کروا دیا، مگر گورنر نے اس حکم امتناعی کی بھی پروا نہ کی اور اس کو قتل کروا دیا، بوقتِ قتل اس نے اقرار کیا کہ اس نے چار ہزار احادیث وضع کی ہیں۔

اسی طرح ایک اور واقعہ خلیفہ ہارون الرشید کے زمانے میں درپیش ہوا اور خلیفہ نے اسے قتل کرنے کا حکم دیا۔ حدیثوں کو وضع کرنے والے نے قتل سے پہلے کہا کہ امیر المومنین مجھے آپ قتل کروا دیں گے مگر ان چار ہزار حدیثوں کا آپ کیا کریں گے جو میں نے مشہور کر دی ہیں۔ خلیفہ نے کہا تم عبداللہ ابن مبارکؒ اور اسحاق فزاریؒ کو بھی جانتے ہو وہ تمہاری موضوعات کا ایک ایک حرف اس طرح نکال کر پھینک دیں گے جس طرح مکھن سے بال نکال کر پھینک دیا جاتا ہے۔ (التدریب الراوی)

منکرینِ حدیث (اپنی ہٹ دھرمی کے باعث) احادیث کی اس قدر جانچ پڑتال ہونے کے بعد بھی شک وشبہ کا اظہار کرتے ہیں تو ان کی یہ ہٹ دھرمی ان کی بدبختی کے سوا اور کچھ نہیں۔

چوتھا اعتراض

اگر فروعات میں خبر واحد موجب عمل ہے تو اصول وعقائد میں بھی اسے موجب عمل ہونا چاہیے حالانکہ اس پر فریقین کا اجماع منعقد ہو چکا ہے کہ عقائد میں خبرِ واحد پر عمل نہیں کیا جا سکتا۔ بنا بریں جب عقائد میں خبرِ واحد پر عمل کرنا درست نہیں تو فروعات میں بھی جائز نہیں۔

چوتھے اعتراض کا جواب فرع اور اصول کی حیثیت میں فرق ہونے کے باعث دونوں کو ایک ہی میزان اور قانون پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ طبعاً دین کے اصول تو دین کی بنیاد ہوتے ہیں، اگر ان کی حیثیت ظنی اعتبار سے قبول کی جائے تو دین کی بنیاد ہی ظنی امور پر قائم ہو جائے گی جبکہ فرع کے سلسلے میں ظنیت اس لیے ہے کہ اس کا درجہ اصول وعقائد کی طرح نہیں بلکہ اس سے کم ہے۔ غور کا مقام ہے کہ فرائض کے لیے تو قرآن یا دلیل قطعی اور نص کا پایا جانا لازمی ہے مگر واجباتِ اعتقادی کے لیے کسی دلیل ظنی سے بھی اس کا وجوب ثابت ہونا کافی سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح واجب عملی کے لئے غالب ظن کی ضرورت ہوتی ہے اور اس کے بغیر عبادت ناقص رہتی ہے مگر ادا ہو جاتی ہے، اس سے ثابت ہوا کہ فرع کے سلسلے میں ظنیات کی گنجائش ہوتی ہے اور خبر واحد میں یہ قابلِ قبول ہے۔

پانچواں اعتراض

اگر خبرِ واحد حجت ہوتی تو آپ ﷺ صرف ذوالیدین ؓ کے کہنے پر نماز درست فرما لیتے۔ دوسرے صحابہ کرام ؓ سے پوچھنا اس بات کی دلیل ہے کہ آپ کے نزدیک خبرِ واحد موجبِ عمل نہ تھی۔

پانچویں اعتراض کا جواب زیرِ غور واقعہ رسول اللہ ﷺ کا ہے کہ ایک روز نمازِ عصر میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیا اور کسی نے اس پر اعتراض نہ کیا۔ جب ایک صحابی ؓ، جن کا نام ذوالیدین ؓ تھا، نے کمی کے متعلق دریافت کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا عصر کی نماز کم ہو گئی ہے یا آپ ﷺ بھول گئے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہ تو نماز کم ہوئی اور نہ میں بھولا ہوں۔ اس کے بعد جب آپ ﷺ نے شیخین ؓ سے دریافت فرمایا کہ آپ ﷺ نے دو رکعت نماز ادا فرمائی ہے تو ان کی شہادت پر نمازِ عصر دہرائی گئی۔

محدثین نے اس واقعہ کا جواب یوں دیا ہے کہ ذوالیدین ؓ کی بات کو تسلیم کرنے پر آپ ﷺ کو اس لیے تامل تھا کہ شاید انہیں وہم ہو گیا ہو، باقی صحابہ ؓ نے از خود یہ بات اس لیے نہیں کی کہ شاید وہ حضور ﷺ پر اعتراض کرنا بے ادبی سمجھتے ہوں اور جب باقی سب خاموش رہے تو یقیناً ذوالیدین ؓ کی بات پر آپ ﷺ کو وہم اور گمان ہوا، لہٰذا سب سے پوچھنے کی ضرورت پڑی۔ اس حقیقت میں کسی کو کلام نہیں کہ خبرِ واحد میں اگر وہم کی کوئی علامت پائی جائے تو اس میں توقف لازمی ہے۔ جرح و تعدیلِ حدیث کا صرف یہی مقصد ہوتا ہے کہ حدیث میں کوئی سقم نہ پایا جائے۔ اگر سقم نہ ہو تو اس پر اعتراض کرنا ہٹ دھرمی کے سوا اور کیا ہے۔

چھٹا اعتراض

احادیثِ نبوی ﷺ کا موجودہ ذخیرہ قابلِ اعتراض ہے کیونکہ اس میں موضوع احادیث بہت کثرت سے شامل ہیں، اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ امام بخاریؒ کے زمانے میں چھ لاکھ احادیث رائج تھیں۔ جن میں سے امام بخاریؒ نے صرف نو ہزار صحیح احادیث کو منتخب کیا۔

چھٹے اعتراض کا جواب معترض نے اس بات کا اعتراف کیا ہے کہ امام بخاریؒ نے جن احادیث کو صحیح تسلیم کیا، ان کی تعداد نو ہزار ہے، افسوس ہے کہ معترضین ان صحیح احادیث کی ایک بڑی تعداد کو تسلیم نہیں کرتے۔ معترضین کی یہ منطق سمجھ سے بالاتر ہے کہ وہ چھوڑی ہوئی احادیث کے وجود کو تسلیم کرنے کے ساتھ ساتھ باقی تمام احادیث پر اعتماد نہیں کرتے۔ اگر چند احادیث غلط ہوں تو کیا سب احادیث سے انکار کیا جا سکتا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ جس وقت سے جعلی یا موضوع احادیث کا سلسلہ شروع ہوا، اسی وقت سے محدثین اور آئمہ مجتہدین نے اپنی تمام کوششیں اس بات پر مرکوز کر دیں کہ موضوعات کا یہ ذخیرہ کسی راہ سے بھی احادیث کے

معتبر اور قابلِ اعتماد ذخیروں میں نفوذ نہ کر پائے۔

حضراتِ محدّثین نے باقاعدہ قواعد وضوابط بنائے۔ جھوٹے اور سچے راویوں کی پہچان کے لیے "علم اسماء الرجال" ایجاد کیا، کھرے کھوٹے میں تمیز کے لیے علم جرح وتعدیل مدوّن کیا، پھر ایک ایک حدیث کو جانچا اور ایک ایک راوی کو پرکھا، موضوعات کو الگ کر دیا اور معتبرات کو علیحدہ نکال لیا۔ ہر روایت کی سند متعین کی اور ہر راوی کا نام، پتہ اور حال سب کچھ منضبط کر دیا، اس قدر تنقیحات کے بعد بھی اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ صحیح وغیر صحیح احادیث آپس میں خلط ملط ہیں تو اس پر اس کے سوا کیا کہا جاسکتا ہے کہ وہ روز روشن میں سورج کے وجود سے انکار کر رہا ہے۔

محدثینِ کرام کی بدولت ایک ایک واضع حدیث کا نام آج ہمیں معلوم ہے، کوئی حدیث ایسی نہیں جو موضوع ہو اور ہمارے علم میں آنے سے رہ گئی ہو۔ ہم جانتے ہیں کہ سلیمان بن عمرو النخعی، وہب العاص، ابوداؤد نخعی وغیرہ یہ سب وضاعینِ حدیث تھے۔ محدّثین کرام نے صرف وضاعین کے ناموں کا ہی انکشاف کرنے پر اکتفاف نہیں کیا بلکہ وہ ہمیں ان تمام وضع کردہ احادیث کی نشاندہی بھی کر گئے تو پھر منکرینِ حدیث کا انکار کیسا؟

وضع وتدلیسِ حدیث (حدیثیں گھڑنا)

قرنِ اول کے آخر میں کچھ حدیثوں میں تدلیس کا کام شروع ہوا مگر شاگردوں نے صحابہ کرام ؓ کا طرزِ عمل دیکھ لیا تھا۔ اس لیے حدیث گھڑنے والوں کی قلعی کھل گئی۔ اگرچہ علماء کو اس میں مشکلات کا سامنا ہوا مگر مقبولانِ خدا نے ہر مشکل کو حل کر کے چھوڑا۔

وجوہاتِ تدلیس تدلیس کے اسباب درج ذیل تھے

۱۔ صحابہ ؓ کے بعد لوگوں کو رسول اللہ ﷺ کے اقوال وافعال معلوم کرنے کا شوق اس قدر تھا کہ جہاں بھی کوئی حدیث جاننے والا ملتا، اس کو لوگ سر آنکھوں پر بٹھاتے۔ محدثین کی ایسی قدر و منزلت تھی کہ سلاطین و امراء بھی ان پر رشک کرتے تھے۔ جن لوگوں کے سر میں حُبِّ جاہ کا سودا تھا، وہ لوگوں کو اپنی طرف راغب کرنے کے لیے حدیثیں گھڑنے لگے، اصل حدیثوں میں تصرف کر کے جدّت سے بیان کرنے لگے۔

۲۔ مخالفینِ اسلام نے دین میں تفرقہ ڈالنے اور بھٹکانے کے لیے حدیثیں بنائیں۔

۳۔ جب فرقے بازی اسلام میں آگئی تو اپنے اپنے خیالات کے مطابق حدیثیں گھڑی گئیں۔

امام بخاریؒ کی حدیثوں کا مجموعہ طرق اور اسانید کے لحاظ سے تھا، نہ کہ نفسِ حدیث کے اعتبار سے

منکرینِ حدیث کا یہ بھی اعتراض ہے کہ امام بخاریؒ کے زمانے میں چھ لاکھ حدیثیں رائج تھیں،

جن میں سے امام صاحب نے صرف نو ہزار کو صحیح احادیث کی حیثیت سے منتخب کیا تھا۔ یہ بات کہنے سے ان کا تاثر یہ ہے کہ باقی پانچ لاکھ اکانوے ہزار احادیث غلط تھیں۔

امام بخاریؒ کے زمانے میں رائج چھ لاکھ حدیثیں جن کی بات ہو رہی ہے وہ طرق اور اسانید کے لحاظ سے تھیں، نہ کہ نفسِ حدیث کے اعتبار سے اس قدر زیادہ تھیں (عام آدمی کو یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ ایک نفسِ حدیث کے اعتبار سے ان کی تعداد ساڑھے چار ہزار سے بہت کم ہو گی۔ مقدمہ فتح الباری کے مطابق تمام احادیث جو بخاری شریف میں شامل ہوئیں، ان کی تعداد ۹۰۸۲ ہے)

حقیقتِ حال کو منکرینِ حدیث نے اس طرح پیچیدہ کر کے پیش کیا ہے کہ ایک سیدھا سادھا مسلمان یہ سمجھے گا کہ احادیث کی بہت بڑی تعداد غلط تھی۔ یہ معلوم ہو جانا چاہیے کہ امام بخاریؒ نے اگر کوئی واقعہ بہت سی سندوں کے ذریعے ان تک پہنچایا تو محض جو جو سندیں ان کی عائد کردہ شرائط پر پوری اترتی تھیں، صرف ان کو امام صاحب نے اپنے مجموعے میں شامل کیا اور جو سندیں ان کے معیار پر پوری نہ اترتی تھیں ان کو انہوں نے بخاری شریف میں شامل نہیں کیا۔ آپؒ نے کبھی یہ نہیں کہا کہ جو روایتیں انہوں نے چھوڑ دی ہیں وہ غلط ہونے کی وجہ سے شامل نہیں کی گئیں (تہذیب النبوی، جلد ۱، صفحہ ۴۴)۔

ساتواں اعتراض

منکرینِ حدیث یہ کہتے ہیں کہ بعض احادیث خلافِ عقل و درایت ہیں لیکن اس کے باوجود انہیں محدثین کے ہاں صحت کا درجہ حاصل ہے۔

ساتویں اعتراض کا جواب جن محدثین نے ایسی احادیث کو درست قرار دیا، وہ سمجھتے تھے کہ یہ احادیث بعض اوقات اور حالات کے مطابق درست ہیں۔ کئی احادیث آنے والے زمانے کے حالات کے مطابق تھیں، جو منکرینِ حدیث کے قرینِ عقل نہیں۔ وہ حقیقتاً کسی خاص اصول یا کسی خاص وجہ سے قابلِ قبول ہو سکتی ہیں کیونکہ کئی باتیں اگرچہ درست ہوں، عام فہم آدمی قبول نہیں کرتا۔ بڑے آدمی ہی بڑی باتوں کو پہچان سکتے ہیں۔ کم علم معترضین کی دماغی سطح سے ایسی باتیں بلند اور ارفع بھی ہو سکتی ہیں۔

ایک حدیث شریف میں حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ لوگوں کے دماغ کے مطابق گفتگو کرو[1]۔ میاں محمد بخشؒ نے بھی فرمایا ہے:

خاصاں دی گل عاماں اگے نہیں مناسب کرنی
مٹھی کھیر پکا محمد کتیاں اگے دھرنی

---

[1] کنز العمال، حدیث ۲۹۲۸۲، جلد ۱۰، صفحہ ۱۰۵۔

اس بات کو اگر واضح کرنا ہو تو مثال کے بغیر سمجھ نہیں آسکتی، لہٰذا اس کی ایک مثال یہ ہے کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ نے ایک روایت میں بیان کیا ہے کہ وہ ان باتوں کو جو رسول اللہ ﷺ نے ہم سے بیان کی ہیں، اگر عام لوگوں کو بتا دیں تو وہ ہمارا گلہ کاٹ دیں۔[1]

آٹھواں اعتراض

بعض احادیث عریاں مضامین پر مشتمل ہیں، اس لیے وہ قابل حجت نہیں۔

آٹھویں اعتراض کا جواب منکرینِ حدیث کا یہ اعتراض کہ احادیث میں عریانی کے تاثرات پائے جاتے ہیں، ان کی کج فہمی پر دلالت کرتا ہے۔ حدیثوں میں عریاں بیانی کے متعلق یہ بات قابلِ غور ہے کہ جن امور کو رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام ؓ اور آئمہ امت ؒ کے ذریعے آنے والی نسلوں کی راہنمائی کے لیے ضروری سمجھا اور ان پر روایات بیان کی گئیں۔ ایسی روایات منکرینِ حدیث اس حد تک عریاں قرار دیتے ہیں کہ جس کی لپک تو ائد اور بے حیائی کی حدوں کو چھو رہی ہے۔

منکرینِ حدیث نے اُن امور کو عریانی کا لبادہ پہنایا ہے، جن باتوں کا قرآن مجید میں بیان کرنا اللہ تعالیٰ نے نامناسب خیال نہیں کیا اور نہ ہی محمد رسول اللہ ﷺ نے ان کو منع فرمایا۔ چند ایسی باتیں جو انسان کی ازدواجی زندگی سے تعلق رکھتی ہیں، ان کے متعلق راہنما اصولوں کو بیان کرنا قرآن اور حدیث نے ضروری خیال کیا ہے چنانچہ مباشرت، طہارت اور انسانوں کو نفسیاتی خواہشات کے احترام کرنے سے متعلق جس قدر امور ضروری خیال کیے، ان سب کو بیان کرنا ضروریاتِ اسلام کا اہم حصہ ہیں۔ اگر ان معاملات کو تفصیل سے بیان کیا جائے تو یہ بیان کافی طوالت کا متقاضی ہے۔ فقہی کتابوں اور شرعی وضاحتوں کی کتب میں، پردے کے مسائل بالغ مردوں اور عورتوں کے لیے عموماً دیکھنے میں آتے ہیں۔ ایسی باتوں کا ضروری ہونا نیچے بیان کیا جا رہا ہے۔

جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا ہے، پردے کے مسائل ہر مرد اور عورت کی زندگی کا لازمی جزو ہیں۔ اگر ایسے امور میں راہنمائی نہ کی جائے تو امت کے افراد کا غلط راہ پر چل نکلنا کوئی عجیب بات نہیں۔ حضرت عمر ؓ نے ان ایام میں اپنی زوجہ سے مباشرت کی جبکہ رمضان کی راتوں کو مباشرت کی اجازت نہ تھی اور رات بھر وہ اس غلطی پر نادم رہے بلکہ اپنے جسم کو زمین پر پٹختے رہے۔ دوسرے روز حضرت عمر ؓ نے یہ واقعہ نبی کریم ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ اگرچہ یہ واقعہ پردے کے مسائل میں سے تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے حضرت عمر ؓ کے اس عمل کو بیان کرتے وقت قیامت تک آنے والی پوری مسلمان قوم کے لیے رمضان المبارک کی راتوں میں اپنی بیویوں سے مباشرت کی اجازت عام دے دی۔ "أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ ط" (روزوں کی

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۲۰، جلد ۱، صفحہ ۵۶۔

راتوں میں اپنی عورتوں کے پاس جانا تمہارے لیے حلال ہوا) (البقرہ:۱۸۷) عورتوں سے متعلق اس آیت کی تفسیر مفسرین کرامؒ نے قرآن کے حاشیوں پر لکھی ہے۔

مولانا رومؒ نے اپنی مثنوی میں چند ایسی روایات نقل کی ہیں جو دیکھنے میں عریاں نظر آتی ہیں لیکن مولاناؒ کے کلام میں ایک بہت بڑی خوبی یہ ہے کہ وہ چند مثالیں دے کر بہت بڑے بڑے نکات کا آسان حل پیش کر دیتے ہیں۔ ایسی مثالوں کے پیش نظر بہت پیچیدہ مسائل بھی دلچسپ انداز میں ذہن نشین ہو جاتے ہیں، مثال کے طور پر مولانا رومیؒ لکھتے ہیں کسی شخص نے مجنوں کو ایک صحرا میں نہایت غمگین کیفیت میں بیٹھے ہوئے دیکھا کہ وہ زمین کو کاغذ کے طور پر استعمال کر رہا ہے اور اس پر کچھ تحریر کر رہا ہے اور ایسے معلوم ہوتا تھا کہ شاید مجنوں کوئی خط لکھ رہا ہے۔ مگر جب مجنوں سے اس نے پوچھا کہ یہ خط کس کو لکھ رہا ہے تو اس نے جواب دیا کہ میں اپنی محبوبہ لیلیٰ کے نام کو لکھنے کی مشق کر رہا ہوں اور جب میں اس کا نام لکھتا ہوں تو میرے دل کو تسلی ہوتی اور سکون حاصل ہوتا ہے۔ مگر اس کے بعد مولانا قرآن کی اس آیت کا حوالہ دے کر ثابت کرتے ہیں کہ اس طرح جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہو تو اللہ کے ذکر سے اس کے دل کو اطمینان حاصل ہوتا ہے۔ ''اَلَا بِذِكۡرِ اللّٰهِ تَطۡمَئِنُّ الۡقُلُوۡبُ ٥'' (سورۃ الرعد:۲۸) شاید مرزا غالب نے اسی نقطے کے پیش نظر کہا تھا:

ہر چند ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے ساغر و مینا کے بغیر

مغربی ممالک نے مسلمانوں کے بہت سے اصولوں کو نقل کرنے کی کوشش کی اور اس کے لیے انہوں نے جنسیات کے مضمون کو کالجوں میں تعلیم دینے کا اہتمام کیا ہے۔ پاکستان میں بھی اس بات کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے کہ نوجوانوں کی شادیوں سے کچھ پہلے اگر انہیں مناسب باتوں سے آگاہ کیا جائے تو میاں بیوی میں ناچاقی پیدا نہیں ہوگی۔ مناسب تعلیم نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے گھرانے اجڑ گئے ہیں، یہی وجہ ہے چند جنسی معاملات میں ہدایات دینا قرآن اور حدیث میں ضروری سمجھا جاتا ہے۔ حیرت اس بات کی ہے کہ بعض معترضین کے بیٹے اور بیٹیاں (جن کا نام لینا راقم الحروف اس جگہ مناسب نہیں سمجھتا) نہایت پراگندہ اور فحش لٹریچر کا مطالعہ کرنے سے گریز نہیں کرتے اور ان کا یہ فعل اس بات کی گواہی دیتا ہے کہ وہ ان ناولوں اور لٹریچروں کو برا نہیں سمجھتے لیکن اگر کوئی کھلی بات حدیث میں آجاتی ہے تو اس سے نفرت کرتے ہیں۔ غالباً یہ اس لیے ہے کہ ان کو حدیث کے نام سے ہی چڑ اور دشمنی ہے۔ منکرینِ حدیث کی نفرت کا کوئی جواز نہیں جب کہ احادیث کی حجت کی ضمانت دینے میں محدثین کرام نے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ (منکرینِ حدیث میں سے ایک اہم شخصیت نے بخاری شریف اور مثنوی مولانا روم کے متعلق ایسے شرمناک الفاظ استعمال کیے ہیں،

جن کا اس کتاب میں لکھنا زیب نہیں دیتا۔ یہ ان کی بے ادبی بدقسمتی اور محرومی کا بہت بڑا ثبوت ہے) ایسے اعتراضات امام غزالیؒ، جنیدؒ و بایزیدؒ جیسی ہستیوں نے ہرگز نہیں کیے۔

نواں اعتراض

صحیح احادیث کے ذخیرہ میں بعض روایات ایسے دعاوں پر مشتمل ہیں جو تجربے کی کسوٹی پر پورے نہیں اترتے اور ظاہر ہے کہ نبی ﷺ کے دعوے کبھی غلط نہیں ہوتے، بنا بریں یہی سمجھا جائے گا کہ نبی کریم ﷺ کی طرف سے تمام دعوؤں کی نسبت غلط ہے۔

نویں اعتراض کا جواب اس اعتراض کی منکرین یہ مثال پیش کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ ۱۰۰ سال کے بعد دنیا ختم ہو جائے گی[1] حالانکہ اس سے آپ ﷺ کی مراد یہ تھی کہ جو لوگ آج زندہ ہیں، وہ سو سال کے بعد نہیں رہیں گے۔ آپ ﷺ کی یہ بات درست ثابت ہوئی کہ آپ ﷺ کے زمانے کے آخری فوت ہونے والے صحابی ابو طفیل واثلہ رضی اللہ عنہ کی وفات ۱۰۰ ہجری میں ہوئی اور ان کی عمر ۱۰۰ سال تھی اور یہ بات ۱۱۰ھ میں ہوئی، لہٰذا بالکل سچ ثابت ہوئی ایسے دعوؤں کو غلط اور خلاف عقل کہنا بالکل بے انصافی اور حضور ﷺ کی شان میں گستاخی ہے۔

اگر معترضین "سیرت رسول عربی ﷺ" مصنفہ نور بخش توکلیؒ کا مطالعہ کریں تو ان کو ایسی لاتعداد روایتیں نظر آئیں گی جن سے معلوم ہوگا کہ جو جو باتیں آپ ﷺ نے فرمائیں، وہ سچ ہو کر رہیں۔ جس کے لیے آپ ﷺ نے جو کچھ کہا وہ حرف بہ حرف درست تھا۔ کسی نے سچ کہا ہے:

تمہارے کہنے پہ سب کی نجات ہو کے رہی
تمہارے منہ سے جو نکلی وہ بات ہو کے رہی

مذکورہ بالا واقعات کے علاوہ بزرگانِ امت کے بہت سے ایسے واقعات منقول ہیں، جس میں انہوں نے تین سو سال قبل جن واقعات کی بات کی اور جن کا کسی کو علم ہی نہ تھا، وہ بالکل درست ثابت ہوئے۔ مثلاً حضرت بایزید بسطامیؒ نے حضرت ابوالحسنؒ کے خصائل اور ان کی پیدائش کے واقعات تین سو سال قبل بیان کیے اور ایسا ہی ہوا۔

حضرت شرف الدینؒ نے دنیا کے جنگوں کے مفصل حالات ۲۵۰ سال قبل بیان کر دیے تھے۔ افسوس ہے کہ منکرینِ حدیث کو تو روحانی قوتوں کا بھی کچھ اندازہ نہیں ہے تو وہ ان باتوں کا کس طرح جائزہ لے سکتے ہیں، جو بالکل سچ ثابت ہوئیں۔ علامہ اقبالؒ نے ایسے لوگوں کے لیے حسب ذیل حقیقت واضح کی ہے۔

---

[1] مصنف عبدالرزاق، جلد ۱۱، صفحہ ۳۹۵۔

نظر نہیں ہے تو میرے حلقۂ سخن میں نہ بیٹھ
کہ نکتہ ہائے خودی ہیں مثال تیغِ اصیل

دسواں اعتراض

بعض صحیح احادیث باہم متعارض ہیں، لہٰذا ساقط الاعتبار ہونے کی وجہ سے قابلِ قبول نہیں۔

دسویں اعتراض کا جواب منکرینِ حدیث کا یہ اعتراض کہ بعض صحیح احادیث متعارض ہیں اس لیے ساقط الاعتبار ہوئیں۔ یہ اعتراض بھی ان کی کم علمی کا غماز ہے کیونکہ جن لوگوں کی احادیث کے پورے ذخیرہ پر نظر ہے، وہ جانتے ہیں کہ احادیث کے درمیان اتفاق بہت زیادہ اور اختلاف بہت کم ہے۔ جہاں تک احادیث اور واقعات کا تعلق ہے تو ان میں اگرچہ ایک بہت ہی قلیل تعداد ایسی حدیثوں کی ضرور ملتی ہے جو باہم متعارض تو نہیں البتہ باہم مختلف دکھائی دیتی ہیں، لیکن ان کا باہمی تعارض واختلاف بھی صرف ظاہری نظر میں محسوس ہوتا ہے، جو غور وفکر کے بعد دور ہو جاتا ہے۔

معترضین کے اکثر اعتراضات ان کی کم نظری، کم علمی اور کوتاہ بینی کے باعث ہیں۔ اعتراض برائے اعتراض ہو تو اس میں کوئی خوبی نہیں۔ وہ نہیں جانتے کہ احادیثِ صفات وفضائل میں کوئی تعارض نہیں۔ اسی طرح احادیثِ اخلاق اور رقاق (غلامی) احادیثِ معجزات، احادیثِ جنت اور جہنم کی ننانوے فیصد روایات میں کوئی تعارض نہیں۔ احادیث کے واقعات میں کچھ تعارض روایت کے انفرادی بیان کے الفاظ میں ممکن ہوتا ہے، لیکن معانی کے اعتبار سے کوئی فرق نہیں ہوتا مگر ناواقف شخص اس فرق کو اختلاف سمجھتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ تقدیم وتاخیرِ زمانی کے باعث رسول اللہ ﷺ کے اعمال میں جس نے جو دیکھا، بیان کر دیا مگر دونوں احادیث درست ہوتی ہیں۔ لہٰذا یہ اختلاف زمانی کہلایا جاتا ہے مثلاً اوائلِ ایام میں وتر کی نماز نہ تھی اور بعد میں وتر واجب قرار دیے گئے چنانچہ جس نے جو دیکھا، اس نے وہی روایت بیان کر دی۔ اسی قسم کا اختلاف رفع یدین میں بھی نظر آتا ہے لیکن اہل عقل وعلم (علمِ حدیث پر عبور رکھنے والے) اس تقدیم وتاخیر زمانی کو معلوم کر لیتے ہیں اور اس کی بنیاد پر پہلی حدیث کو منسوخ اور بعد والی حدیث کو ناسخ قرار دیتے ہیں لیکن منکرین اس اختلاف پر واویلا کرنے لگتے ہیں۔

یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ احکام کے مطابق بہت سے اعمال اور افعال دفعتاً لاگو نہیں ہوئے۔ کبھی نماز کی دو رکعتیں تھیں اور بعد میں چار ہو گئیں۔ کبھی وتر کے احکام جاری نہ ہوئے تھے اور جن لوگوں کو بعد میں علم ہوا، انہوں نے ان احکام پر عمل شروع کر دیا۔ اس اختلاف کو تعارض یا تناقص کا درجہ دینا غلط ہوگا۔ ایسی متعارض احادیث کی تعداد غیر متعارض کے مقابلہ میں ہزارواں حصہ بھی نہیں ہوگی۔ چند احادیث کے تعارض پر تمام

احادیث کا انکار کرنا کم علمی اور کم عقلی پر دلالت کرتا ہے۔

متعارض احادیث کو علم التوفیق (جو کتابت حدیث کے باب میں بیان کیا جا چکا ہے) کے ذریعے پرکھنے کے بعد تعارض کو رفع کر دیا جاتا ہے۔ کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ وہ صحیح احادیث بھی بظاہر متعارض نظر آتی ہیں، مثلاً رفعِ یدین کا مسئلہ جو امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کے درمیان ایک مباحثہ پر مشتمل ہے۔ قارئین کے لیے خلاصے کے طور پر نیچے بیان کیا جا رہا ہے۔ اس کے مطالعہ سے معلوم ہو سکے گا کہ ایسے مسائل کا حل علماء نے کس طریقے سے تیار کیا ہے، لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ حدیثوں کا تعارض علماء کے فیصلوں پر دور کر دیا جاتا ہے۔

مثال ملاحظہ فرمائیں:

امام ابوحنیفہؒ اور امام اوزاعیؒ کا مباحثہ یہ مباحثہ تو کافی طویل ہے مگر اختصار کے طور پر اتنا کہہ دینا کافی ہے کہ حضرت امام ابوحنیفہؒ سے امام اوزاعیؒ نے (جو حج کے موقع پر ایک ہی جگہ تشریف فرما تھے) پوچھا کہ آپ رفعِ یدین کیوں نہیں کرتے۔ اس پر امام اوزاعیؒ نے چند صحیح احادیث بیان فرمائیں، جن سے رفعِ یدین کرنے کا فعل ثابت تھا۔ پھر اس کے بعد امام ابوحنیفہؒ نے بھی ایک حدیث بیان فرمائی اور آپؒ نے فرمایا کہ میرے پاس اس حدیث سے قوی تر حدیث موجود ہے۔ اس میں تھا۔

حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ عَلْقَمَةَ وَالْاَسْوَدُ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ ؓ جبکہ امام اوزاعیؒ نے حَدَّثَنِيْ الزُّهْرِيُّ عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ کا حوالہ دیا۔

امام اوزاعیؒ نے امام ابوحنیفہؒ کی مذکورہ حدیث سننے کے بعد فرمایا کہ آپ کی پیش کردہ صحیح حدیث اور میری پیش کردہ صحیح حدیث میں کیا فوقیت ہے، جس کی وجہ سے آپ نے اس کو قبول کیا اور میری حدیث کو چھوڑ دیا۔ امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا، اس لیے کہ حمادؒ زہریؒ سے زیادہ عالم اور فقیہہ ہیں اور ابراہیمؒ سے بڑھ کر عالم اور فقیہ ہیں جبکہ علقمہؒ سالمؒ کے والد عبداللہؓ سے علم میں کم نہیں۔ عبداللہ ابن مسعودؓ فقیہ ہیں اور حضور ﷺ کی صحبت میں حضرت ابن عمرؓ سے کہیں بڑھ چڑھ کر ہیں کیونکہ وہ بچپن سے ہی حضور ﷺ کے ساتھ رہے۔ آپؒ نے فرمایا، چونکہ ہماری حدیث کے راوی تمہاری حدیث کے راویوں سے علم و فضل میں زیادہ ہیں لہٰذا ہماری پیش کردہ حدیث بہت قوی اور قابل قبول ہے، اس پر امام اوزاعیؒ خاموش ہو گئے۔ ایسی گفتگو سے اختلاف کا ازالہ ہو جاتا ہے۔

گیارہواں اعتراض

سب سے زیادہ احادیث حضرت ابوہریرہؓ سے مروی ہیں اور ان کا حال یہ ہے کہ خود صحابہؓ کے درمیان ان کو ناقابل اعتماد تصور کیا جاتا تھا (لہٰذا ان کی احادیث قابلِ اعتماد نہیں)۔

گیارہویں اعتراض کا جواب

حضرت ابو ہریرہ ؓ رسول اللہ ﷺ کے مقرب صحابہ ؓ میں سے تھے۔ آپ کے اور دیگر صحابہ ؓ کے مابین جو علمی تنازعات کا ذکر ہمیں مختلف کتب میں ملتا ہے، اس کی حقیقت بس اتنی ہے کہ وہ محض ایک علمی تبادلۂ افکار تھا جو فہم وادراکِ حدیث کی خاطر صحابہ ؓ اور حضرت ابو ہریرہ ؓ کے درمیان وقتاً فوقتاً پیا ہوا۔ اس کو ان کی تردید وتکذیب پر محمول کرنا سراسر کم علمی اور جہالت ہے۔ اس سلسلے میں سب سے بڑی سوچنے کی بات یہ ہے کہ صحابہ ؓ اگر حضرت ابو ہریرہ ؓ کی مرویات کو شک وشبہ کی نگاہ سے دیکھتے ہوتے تو ان کی اس بات کی اجازت کیونکر دے سکتے تھے کہ وہ کھلم کھلا آپ ﷺ کی احادیث روایت کرنے کا سلسلہ جاری رکھیں۔ وہ ان سب کے سامنے روایات حدیث کا مشغلہ ایسے جاری رکھے ہوئے ہیں کہ صحابہ ؓ میں سب سے زیادہ روایت کرنے والے شمار کیے جاتے ہیں۔ اس بات کا یہ ثبوت ہے کہ صحابہ کرام ؓ کے درمیان حضرت ابو ہریرہ ؓ کو روایتِ حدیث میں معتمد خیال کیا جاتا تھا۔ حضرت مجدد الف ثانی ؒ کے مکتوب شریف کا حوالہ اسی باب میں گزر چکا ہے، جس میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی تعدادِ حدیث اور صحتِ حدیث کا ذکر ہے۔ مذکورہ تفاصیل کے مقابلہ میں منکرینِ حدیث کے اعتراض کی کوئی اہمیت نہیں۔

حضرت عبد اللہ بن عمر ؓ نے ایک موقع پر فرمایا: اے ابو ہریرہ ؓ آپ ہم سے زیادہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر رہنے والے اور ہم سب سے زیادہ احادیث کو یاد کرنے والے ہیں۔ حضرت عمر ؓ کا قول ہے کہ ابو ہریرہ ؓ کو ہم سے بڑھ کر رسول اللہ ﷺ کی صحبت ورفاقت کا شرف حاصل تھا اور وہ ہم سے بڑے حافظِ حدیث تھے۔ اسی طرح ابی ابن کعب ؓ فرماتے تھے کہ ابو ہریرہ ؓ رسول اللہ ﷺ سے ایسی باتیں بھی پوچھنے کی جرات کر لیتے جو ہم نہیں کر سکتے تھے۔ منکرینِ حدیث کے علاوہ اہل تشیع بھی اس بات کو ہوا دیتے ہیں کہ حضرت ابو ہریرہ ؓ تو رسول اللہ ﷺ کے ساتھ بہت قلیل عرصہ کے لیے رہے تو وہ اس قلیل عرصے میں کتنی احادیث بیان کر سکیں گے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ شرعی امور میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی احادیث کی تعداد تمام احادیث کا نصف حصہ ہے۔ تمام محدثین نے ان کی احادیث کو قبول کیا ہے۔

بارہواں اعتراض

امام ابو حنیفہ ؒ نے مسائل فقہی کے استنباط کے لیے صرف ۱۷ یا ۱۸ حدیثوں پر اعتماد کیا ہے اور تمام احکام ومسائل کی بنیاد قرآن کریم پر رکھی (اس پر معترضین کی مراد یہ ہے کہ ۱۷ یا ۱۸ حدیثوں کے علاوہ باقی تمام احادیث ناقابل اعتماد ہیں)

بارہویں اعتراض کا جواب

یہ اعتراض ہی دراصل ایک غلط مفروضے پر مبنی ہے۔ امام ابو حنیفہ ؒ نے اگرچہ دیگر محدثین کی طرح

حدیثِ نبوی ﷺ کی تدریس کے لیے کوئی حلقہ درس قائم نہیں کیا اور نہ ہی امام مالکؒ کی طرح حدیث کی کوئی کتاب مرتب کی، تاہم آپ کے تلامذہ نے آپ کی روایت کردہ احادیث کو کتب و مسانید میں جمع کیا ہے۔ ان کتب و مسانید کی تعداد سترہ کے قریب ہے۔ ان میں سے امام ابوحنیفہؒ کے سب سے بڑے شاگرد امام ابو یوسفؒ کی مرتب کردہ ''کتاب الآثار'' میں ہی ایک ہزار سے زیادہ احادیث امام ابوحنیفہؒ کی روایت کردہ موجود ہیں۔ اس کے علاوہ روایاتِ ابوحنیفہؒ پر مشتمل کتب بھی مشہور ہیں، جن کو محمود خوارزمیؒ نے ایک ضخیم کتاب میں یکجا کر دیا اور اسے ''جامع مسانید الامام الاعظم'' کے نام سے موسوم کیا۔ سوال یہ ہے کہ اگر امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صرف سترہ یا اٹھارہ حدیثیں قابل اعتماد تھیں تو پھر یہ ہزاروں کی تعداد میں کون سی احادیث روایت کرتے رہے۔ اب رہی یہ بات کہ اگر بکثرتِ احادیث امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک صحیح تھیں تو انہوں نے مسائل و احکام فقہی کے استنباط کے لیے صرف سترہ یا اٹھارہ حدیثوں پر کیوں اکتفا کیا لہٰذا یہ بات بھی قطعاً غلط اور خلاف واقعہ اور مبنی بر کذب ہے۔

سوچنے کی یہ بات ہے کہ سب موافق و مخالف اس پر متفق ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ ایک مجتہد امام تھے، پھر یہ کیسے مان لیا جائے کہ ایک شخص جو مسندِ اجتہاد پر فائز ہو جاتا ہے اور امتِ مسلمہ اس کو مجتہد تسلیم کر لیتی ہے تو کیا یہ صرف سترہ یا اٹھارہ احادیث کو مدارِ احکام بنائے ہوئے تھے۔ امام ابوحنیفہؒ سے جو مسائل مروی ہیں، ان کی تعداد کم از کم تراسی (۸۳) ہزار بتائی جاتی ہے، بعض روایات کے مطابق ان کی تعداد لاکھوں تک پہنچتی ہے۔ اس قدر کثیر مسائل صرف سترہ (۱۷) یا اٹھاراں (۱۸) احادیث پر مبنی ہونا کسی عاقل انسان کا دماغ تسلیم نہیں کر سکتا۔

امام اعظمؒ کا مسلک

حدیث سے استناد کے معاملے میں امام ابوحنیفہؒ کا جو مسلک تھا، اسے خود انہی کے الفاظ میں سنئے: ''جو بات رسول اللہ ﷺ سے مروی ہو، وہ سر آنکھوں پر، میرے ماں باپ آپ ﷺ پر فدا ہوں۔ ہم آپ ﷺ کی مخالفت نہیں کر سکتے۔ جو بات صحابہ ؓ سے منقول ہو، ہم اس میں سے اپنا پسندیدہ قول چن لیتے ہیں یعنی اگر حدیث درست ہوئی تو مان لیا ورنہ انکار کر دیا اور جو بات صحابہ ؓ کے علاوہ دوسروں سے منقول ہو تو ہم بھی آدمی ہیں اور وہ بھی آدمی ہیں[1]

امام ابوحنیفہؒ کا ایک اور قول خطیب بغدادی نے نقل کیا ہے جو کہ حسب ذیل ہے، فرماتے ہیں:

''مجھے جب کوئی حکم خدا کی کتاب میں مل جاتا ہے تو میں اسی کو تھام لیتا ہوں اور جب اس میں نہیں ملتا تو رسول اللہ ﷺ کی سُنت اور آپ ﷺ کے ان صحیح آثار کو لیتا ہوں جو ثقہ لوگوں کے ہاں ثقہ لوگوں کے واسطے

---

[1] اصول الاحکام، جلد ۶، صفحہ ۱۳۵۔

سے معروف ہیں۔ پھر جب نہ کتاب اللہ میں حکم ملتا ہے نہ سنتِ رسول اللہ ﷺ میں تو میں اصحابِ رسول ﷺ کے اقوال (اجماع صحابہ ؓ) کی پیروی کرتا ہوں اور ان کے اختلاف کی صورت میں جس صحابی کا قول چاہتا ہوں، قبول کر لیتا ہوں اور جس کا چاہتا ہوں چھوڑ دیتا ہوں، مگر سب اقوال سے باہر جا کر کسی کا قول نہیں لیتا۔ رہے دوسرے لوگ تو جس طرح اجتہاد کا حق انہیں ہے، مجھے بھی ہے"۔[1] ان اقوال کی موجودگی میں جو شخص یہ کہتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ حدیث سے بے نیاز ہو کر مسائل فقہی کا محض قیاس کی بنیاد پر استنباط کیا کرتے تھے، وہ امام صاحب پر افترا پردازی کرتا ہے۔

منکرینِ حدیث کا تیرھواں اعتراض

منکرینِ حدیث یہ اعتراض بھی کرتے ہیں کہ بے شمار جھوٹی احادیث گھڑ کر صحیح احادیث میں ملا دی گئی ہیں، جن کی پہچان ممکن نہیں اس لیے اب کسی حدیث کے بارے میں بھی یقینی طور پر نہیں کہا جا سکتا کہ یہ صحیح ہے یا موضوع، اس لیے کوئی حدیث بھی حجت نہیں رہی اور اس سے دینی احکامات ثابت کرنا درست نہیں۔

تیرھویں اعتراض کا جواب معترضین کا یہ اعتراض سراسر غلط اور بے معنی ہے۔ اگر یہ حقیقت ہوتی کہ اکثر احادیث موضوع ہوں تو اتنے بڑے بڑے محدثین علمِ احادیث کو از خود ترک کر دیتے لیکن اس کے برعکس آپ محدثین کا نام ہی اگر لے ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ آج کے منکرینِ حدیث کی حیثیت ان کے سامنے پرکاہ (تنکے) کے برابر بھی نہیں ہے۔ اس اعتراض کا جواب منکرینِ احادیث کے چھٹے اعتراض کے جواب میں دیا جا چکا ہے، وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اس کتاب میں تدوینِ حدیث، کتابتِ حدیث اور دیگر ابواب میں ان تمام اعتراضات کا ازالہ کیا گیا ہے۔

اس کے ساتھ الحمدللہ، منکرینِ حدیث کے ان تمام اعتراضات کا جواب مکمل ہو گیا جن کا ہم نے حوالہ دیا تھا۔

منکرینِ حدیث نے مختلف حدیثوں پر بھی نکتہ چینی کی ہے جس کا جواب حضرت پیر کرم شاہ صاحبؒ نے اپنی کتاب "سنتِ خیر الانام" میں دے دیا ہے۔ جو حضرات تفصیل کے خواہاں ہوں وہ مذکورہ کتاب کا مطالعہ فرمائیں۔

المختصر منکرینِ حدیث کے جوابات کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ یہ لوگ جان بوجھ کر احادیث کی مخالفت پر اس لیے کمر بستہ ہیں کہ یہ سنتِ رسول اللہ ﷺ کی پابندی سے خود کو آزاد رکھنا چاہتے ہیں۔ اگر ان کے مروجہ طریقوں کو بیان کیا جائے تو یہ بات سامنے آ جاتی ہے کہ یہ لوگ ایک نہایت آسان دین کی بنیاد رکھنا چاہتے ہیں۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ اگر حدیث قابل اعتبار نہ ہوتی تو اسلام کے بڑے بڑے محدثین مثلاً امام بخاریؒ، امام مسلمؒ، امام حنبلؒ، امام شافعیؒ، امام غزالیؒ اور دیگر تمام محدثین جن

---

[1] تاریخ بغداد، جلد ۳، صفحہ ۳۶۸۔

کا ذکر اس کتاب میں "تدوین، کتابت اور حفاظتِ حدیث" کے باب میں گزر چکا ہے، وہ سب کے سب حدیث کی مخالفت میں کچھ تو کہتے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ ان تمام محدثین نے تحقیق شدہ حدیثوں کو اپنی تصانیف میں کماحقہ مقام دیا ہے۔ امام غزالی" نے تو اپنی تمام تصانیف میں قارئین کے لیے بے شمار احادیث نقل فرمائیں ہیں۔ ان تمام محدثین کی کتب اور تحریرات سے قارئین بخوبی اندازہ کر سکتے ہیں کہ منکرینِ حدیث نے تمام جید علماء اور مشائخ کے خلاف ایک الگ راستہ اختیار کیا ہے اور ان منکرینِ حدیث کی حیثیت اور مقام بڑے بڑے علماء اور مشائخ کے مقابلے میں جو کچھ ہے وہ سب پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ ایسا ہی سمجھ لیں کہ اگر چوہے شیر کی دم کے ساتھ کھیلتے رہیں تو شیر کی حیثیت پر کیا اثر رونما ہو سکتا ہے۔

چوبیسواں باب

احیائے سُنّت

احیائے سُنّت ہی بقا و دوامِ اسلام کی اہم ترین ضرورت ہے۔ جہاں سُنّتِ رسول اللہ ﷺ کا اہتمام نہیں کیا جاتا وہاں دینِ اسلام کو پس پشت ڈالنے کا ارادہ پایا جاتا ہے۔ اس کتاب کی تحریر کا مقصد ہی صرف یہ ہے کہ عوام الناس کو سُنّتِ رسول اللہ ﷺ کے معنوں، اہمیت، افادیت اور علمی حیثیت سے آگاہ کر دیا جائے کیونکہ جب سنت کے علم سے آگہی حاصل ہو جائے تو پھر احکام سُنّت پر عمل کرنے کی کیفیت کا پایا جانا بالعموم نظر آتا ہے۔

افسوس اس بات پر ہے کہ دشمنانِ اسلام کے تند و تیز حربوں نے لوگوں کو دینِ اسلام سے ناآشنا اور ذوقِ عمل سے کورا کر دیا ہے۔ یہ وقت جس میں ہم موجود ہیں، اس کی کیفیت راقم الحروف کی کتاب ''سرمایۂ ملّت'' میں اُمّتِ مسلمہ کے چراغ کے حصے میں ''تصویرِ درد'' کے عنوان سے پیش کی جا چکی ہے۔ اس مضمون کا یہاں پر دہرانا ضروری نہیں لہٰذا اس کتاب سے رجوع کیا جائے۔ یہاں مختصراً اتنا بیان کر دینا کافی ہے کہ عامۃُ المسلمین صرف برائے نام مسلمان ہیں اور اب یہ مسلمان فقط مال و دولت کی تلاش میں مصروف ہیں۔ مال و دولت کی ہوس جہاں پائی جائے گی وہاں لازمی طور پر بے دینی، الحاد، فسق و فجور اور بے چینیوں اور بے قراریوں کے علاوہ اور بہت سی بیماریوں کا پایا جانا یقینی امر ہوگا۔

مسلمانوں کی موجودہ بے چینی، بے بسی اور اخلاقی و دینی گراوٹ کی وجہ صرف یہی ہے کہ وہ ایسے حالات میں گرفتار ہو گئے ہیں کہ اب ان کے لیے سامانِ تعیش کی خواہش اور فسق و فجور کی محفلوں کو چھوڑنے کا امکان بعید از قیاس ہو چکا ہے۔ نفسانی آرزوؤں کی طلب انسان میں کوٹ کوٹ کر بھر دی گئی ہے۔ اب ایسے لوگوں کو، جو ایک بار نفسانی خواہشات کی آگ میں جھلس چکے ہوں، راہ راست پر لانا اتنا ہی مشکل ہے کہ شاید جوئے شیر کا لانا اس کام سے کچھ زیادہ آسان ہوگا۔ مُصلحینِ اسلام کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی قوتوں اور

روحانی تصرفات سے نوازا ہے، لیکن ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ طائفہ بھی انتہائی مشکلات کا سامنا ہے۔

انسان کی ہٹ دھرمی کی مثال مولانا رومیؒ نے یوں دی ہے کہ آج کا انسان گدھے سے بھی بدتر نظر آتا ہے کیونکہ گدھا جب کسی دلدل میں پھنس جائے تو وہ اس دلدل سے نکلنے کے لیے ہاتھ پاؤں مارتا ہے مگر انسان جب اخلاقی دلدل میں پھنس جاتا ہے تو اس حالت میں خوشی اور مسرت کا اظہار کرتا ہے اور اس سے باہر نکلنے کی کبھی فکر نہیں کرتا۔ اس جگہ پر کسی فحش حرکت کا بیان کرنا اخلاق و آداب کے خلاف ہوگا مگر صرف اتنا کہہ دینا ہی کافی ہوگا کہ راقم الحروف کے دفتر میں کسی شخص کو بدعملی کی انتہائی سخت سزا دی گئی۔ اس بدعملی پر اس کو تمام دفتر کے سامنے بے عزت کیا گیا مگر وہ شخص دوسرے دن ہی اسی جرم میں پھر سے گرفتار کرلیا گیا، اس سے ثابت ہوا کہ انسان اخلاقی دلدل سے نکلنا پسند ہی نہیں کرتا۔ بلکہ وہاں ڈیرے جما لیتا ہے۔

جس قوم کا یہ حال ہو کہ اس کے افراد کی اصلاح کے امکانات نہایت تاریک ہو چکے ہوں تو ایسے لوگوں کی اخلاقی تبدیلی کا علاج سوائے کسی پیغمبر یا مجددؒ کی مدد کے ممکن نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کو اس طرح ڈھارس بندھائی ہے کہ اگر تم اس قوم کی بدحالی کو سنوارنے کی کوشش کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہارے کاموں میں مددگار بن جائے گا جیسا کہ فرمایا ''یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ ''۔ اس آیت کی تشریح آئندہ صفحات پر کردی گئی ہے اور اس آیت کا سہارا لے کر ہم لوگ اگر اللہ تعالیٰ کے بندوں کی اصلاح پر تل جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی مدد ہمارے شامل حال نہ ہو۔ اس مدد کو حاصل کرنے کے کچھ لوازمات ہیں، اگر وہ لوازمات مہیا کر دیے جائیں تو راقم الحروف اس بات کی ضمانت دیتا ہے کہ چند ہی سالوں میں پورے عالمِ اسلام میں انقلاب رونما ہوسکتا ہے۔ ان شرائطِ اصلاح میں سے ایک یہ ہے کہ حکومت اس کام میں دلچسپی لے کیونکہ قوم کو دینی معیار پر لانے کے بغیر قومی ترقی ممکن نہیں (افسوس ہے اس تبلیغی مشن کو جاری کرنے کا طریقہ راقم الحروف کی کتاب ''نشانِ منزل'' کے آخری حصہ ''اُمّتِ مسلمہ کی اصلاح کی طرف مثبت اقدام' میں دے دیا گیا ہے مگر کسی نے اس طرف توجہ نہیں دی۔ وزیراعظم کے نام دیئے گئے راقم الحروف کے خط کے ایک حصے کا عکس چند صفحات بعد دیا جا رہا ہے جس سے معلوم ہو سکے گا کہ قومی اصلاح کے لئے مالی اخراجات کوئی زیادہ نوعیت کے حامل نہیں)۔

اس جگہ راقم الحروف کے دعوتی کارڈ کا بھی عکس نیچے دیا جا رہا ہے جس سے معاملہ کے آسان ہونے کی مزید وضاحت ہو جاتی ہے۔ اگر ان سطور کی روشنی میں کام کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ عوام الناس صحیح راستے پر گامزن نہ ہو جائیں۔ دعوت نامے کی نقل حسب ذیل ہیں:

باسمہ تعالیٰ

ادارہ تبلیغ وترویج اسلام
ای ا/ے توسیع ذوالفقار سٹریٹ
کیولری گراؤنڈ، لاہور چھاؤنی
فون:۔ 6666631
6665475

دعوت نامہ

یہ حقیقت کسی سے مخفی نہیں کہ مسلمانوں کی دینِ اسلام سے دوری اور مادی دنیا کی طرف رغبت دشمنانِ اسلام کے منظم منصوبے کے تحت وجود میں آئی۔ یہ بات بھی مشاہدے میں آتی ہے کہ گزشتہ کئی صدیوں سے ملّتِ اسلامیہ کی بھاری اکثریت اسلام سے اس طرح روگردانی اختیار کر چکی ہے کہ اب ان کی زندگیوں میں نہ صرف علومِ دین سے محرومی نظر آتی ہے بلکہ ارکانِ اسلام کی افادیت اور برکات سے مکمل لاعلمی کی کیفیت کا اظہار بھی پایا جاتا ہے۔ مسلمانوں کی دین اسلام سے لاتعلقی مسلمانوں کے عالمی تنزل کا باعث ثابت ہوئی ہے۔

ان حالات میں قوم کو مذکورہ بحران سے نکالنے کے لیے مسلمانوں کی تنظیمِ نو وقت کی ضرورت بن جاتی ہے۔

مسلمانوں کو مادہ پرستی کے جنون سے نکالنے کے لیے تمام دانشوروں، عالموں، اہلِ فکر اور مقتدر حضرات پر یہ فرض عائد ہوتا ہے کہ مسلمانوں کو دین اسلام سے روشناس کرایا جائے اور ان میں اسلامی ذوق و شوق اور جوش و خروش پیدا کیا جائے۔ مسلمانوں میں اسلامی جذبہ اور روایتی ولولہ پیدا کرنے کی غرض سے اس فقیر نے گزشتہ چند سالوں کے تجربے سے یہ اخذ کیا ہے کہ اگر مسلمانوں کو دینِ اسلام کی خوبیوں اور اس کے فوائد کو جدید، سائنٹیفک اور دلچسپ انداز میں واضح کیا جائے تو وہ حیرت انگیز طور پر اس کا اثر قبول کر لیتے ہیں اور رشد و ہدایت کی راہ پر چلنے کے لیے بے قرار ہو جاتے ہیں۔

علامہ اقبالؒ نے اس حقیقت کو بیان کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ۔

نہیں ہے نا امید اقبالؔ اپنی کشتِ ویراں سے
ذرا نم ہو تو یہ مٹی بہت زرخیز ہے ساقی

مذکورہ بالا بنیادی معلومات کو لوگوں تک پہنچانے کے لیے اس درویش نے یہ طریقہ اختیار کیا ہے کہ کچھ لوگوں کو گروہوں کی شکل میں تین دنوں کے لیے (سوا گھنٹہ روزانہ) جمع کیا جاتا ہے اور ان تین دنوں میں بہت دلچسپ انداز سے ضروریات اسلام کے اہم پہلوؤں پر درس دیئے جاتے ہیں۔ یہ درس اس قدر نتیجہ خیز

ثابت ہوتے ہیں کہ سامعین دل وجان سے اسلام کے پیروکار اور شیدائی بن جاتے ہیں۔ اس کے علاوہ اس فقیر کے غریب خانے پر ہفتہ وار مجالسِ ذکر اور معلوماتی درسوں کا بھی انتظام کیا جاتا ہے، جو ہر جمعۃ المبارک کے روز مغرب تا عشاء جاری رہتا ہے۔

یہ التماس آپ کی خدمت میں اس امید سے ارسال کی جارہی ہے کہ آپ ہماری ان کوششوں میں شرکت فرما کر مطلوبہ قومی اصلاح کو ایک نتیجہ خیز مرحلے تک پہنچانے میں مددگار بن سکیں۔ اس قومی اصلاح کے کام میں آپ سے طویل وقت اور مالی امداد طلب نہیں کی جائے گی۔ ہمارے لیے یہ بات نہایت خوشگوار ہوگی کہ آپ اپنی مادی ضروریات کو پورا کرنے والے اوقات میں سے کچھ وقت اس قومی مہم کے لیے پس انداز فرمائیں اور اس اہم ترین ضرورت کی تکمیل کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی خوشنودیوں اور انعامات کے مستحق ہو جائیں۔ اس میں شک نہیں کہ اس دنیا کی قلیل زندگی آخرت کی زندگی کے مقابلے میں ایک سانس سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی کیونکہ سُورۃ الحج کی آیت ۴۷ کے مطابق اس دنیا کا ایک ہزار سال آخرت کے ایک دن کے مانند ہے۔ دیکھیے کون اللہ تعالیٰ کی عطاؤں، نعمتوں اور برکات کا مستحق بنتا ہے۔

الداعی الی الخیر
عبداللطیف خان نقشبندی
ڈائریکٹر (ر) محکمہ موسمیات لاہور

قومی مسئلہ کا حل

احیائے سنت کے زمرہ میں جو چیزیں مثبت اور مددگار ثابت ہو سکتی ہیں، انہیں درج ذیل مضامین میں نہایت اختصار کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ اگر حکومت ان امور کی طرف توجہ دینے کے قابل نہ ہو اور یہ آواز ان تک نہ پہنچ سکے تو قارئین میں سے چند درد مند اصحاب ہی کسی حد تک اپنی جدوجہد اور تعاون پیش کریں۔ یہ مسئلہ کوئی ایسا نہیں کہ حل نہ ہو سکے۔

حضرت مجدد رحمۃ اللہ علیہ کے فرمان کے مطابق سب سے اعلیٰ کمال احیائے سنت کی خدمت ہے

مسلمانوں کا شاندار ماضی اور موجودہ تنزل کی کیفیات کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں۔ ایک وہ زمانہ تھا کہ تمام دنیا کی طاقتیں مسلمانوں کے چٹانوں سے زیادہ مضبوط اور مستحکم عروج کے ارتقاء سے اچھی طرح روشناس تھیں اور آج یہ ملت جس کسمپرسی کے حالات سے گزر رہی ہے وہ بھی اکنافِ عالم میں روزِ روشن کی طرح واضح ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات شریف (مکتوب نمبر ۵۷، حصہ ہفتم، دفتر دوم، اور

مکتوب ۱۹۳ حصہ سوم، دفتر اول) میں فرمایا ہے" آج اسلام بہت غریب (کمزور) ہو رہا ہے۔ آج جو شخص اس کی خاطر ایک پیسہ خرچ کرے گا تو اللہ تعالیٰ اس کو کروڑوں روپوں کے بدلے قبول کرے گا۔ دین کی تقویت تو ہر وقت بہتر اور زیبا ہے، مگر اس وقت میں اس کا اجر خاص ہے۔ اس زمانے کے متعلق پیغمبرِ اسلام ﷺ نے صحابہ کرام ؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ تمہارے بعد ایسے لوگ آئیں گے کہ اس زمانے میں اگر وہ اوامر و نواہی (احکامات اور ممنوعات) میں سے دسویں حصے کو بجالائیں گے تو نجات پا جائیں گے۔

حضرت مجددؒ نے یہ بھی فرمایا ہے" آج کوئی کمال اور دعوت بھی تبلیغی درجے کو نہیں پہنچ سکتی۔ اللہ تعالیٰ کو اپنے بندوں میں سے سب سے زیادہ پیارے وہ بندے ہیں جو بندوں کی نگاہوں میں اللہ تعالیٰ کو اور اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں بندوں کو محبوب کر دیں، وہ دعوت دینے والے مبلغ لوگ ہیں، کل قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ان کی سیاہی کو شہداء فی سبیل اللہ کے خون سے وزن کریں گے اور اس سیاہی کا وزن شہیدوں کے خون سے بڑھ جائے گا۔ دعوت اور تبلیغ کے مختلف مدارج ہیں اور داعی و مبلغ مختلف درجے رکھتے ہیں، علماء ظاہری تبلیغ سے مخصوص ہیں اور صوفیاء باطن کا اہتمام رکھتے ہیں، مگر جو عالم دین بھی ہے اور صوفی بھی وہ" کبریت احمر" ہے، ظاہری اور باطنی تبلیغ کے لائق ہے، پیغمبر ﷺ کا نائب اور وارث ہے"۔ چنانچہ مسلمانوں کی موجودہ حالت کے پیش نظر ہر مسلمان کے لیے واجب ہے کہ وہ ملتِ اسلامیہ کی درستی کے لیے سچے دل سے کمر بستہ رہے اور کٹ حجتیوں سے کام نہ لے۔ آج اس ملت نے ہم سے مطالبہ کیا ہے کہ ہم اپنی اصلاح بھی کرتے رہیں اور اس کے ساتھ مسلمانوں کی اصلاح کے لیے یا تو انفرادی کوششیں شروع کریں یا تبلیغی تنظیموں کا ساتھ دیں۔ اپنے مال اور طاقت کو حسب توفیق صرف کریں جو لوگ مالی استطاعت نہیں رکھتے، ان کا اس کارِ خیر میں وقت دینا بھی کوئی کم سعادت نہیں!

عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد سُنّتِ رسول ﷺ عصا کی حیثیت رکھتی ہے

(آج وہی ملک برتر ہے جس کو ٹیکنالوجی حاصل ہے) (مصنف کا روزنامہ جنگ میں چھپنے والا مضمون)

رسول اکرم ﷺ کے ظہور سے قبل عرب ممالک کے احوال اور اس دور کے واقعات تاریخ کی کتابوں میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کیے گئے ہیں۔ عرب قوم اپنی تمام فطری صلاحیتوں کے باوجود اس وقت اخلاقی، سیاسی، مذہبی اور دینوی اعتبار سے دنیا کی بدترین قوم تصور کی جاتی تھی۔ ان کا تمدن قبائلی، جاگیرداری، بادشاہی روایتی اور توہماتی خطوط پر استوار تھا۔ ان بیماریوں میں سب سے نمایاں چیز غریب کا استحصال تھا جس سے اس دور کا معاشرتی ڈھانچہ تنزل کا شکار تھا۔ معاشرے میں باہمی اعتبار و محبت اور جوش کی از حد کمی تھی، لیکن آپ ﷺ کے آنے کے بعد عرب معاشرے نے یک لخت تبدیلی اختیار کی اور صحیح معنوں میں

ایک آفاقی بین الاقوامی، عوامی و جمہوری، عقلی، استدلالی اور ایجادی دور کا آغاز ہوا۔ اس بے حال اور بدترین قوم کو آپ ﷺ کے ہاتھوں نے ایسی قوم میں تبدیل کر دیا، جس کو اللہ تعالیٰ نے خَیرُ الْاُمَم کا لقب دیا اور اب یہ ایسی قوم تھی جو ایک طرف دنیا سے بے نیاز تھی اور دوسری طرف دنیا پر حکمرانی کرتی تھی۔ ایک طرف خدا ترسی اور خدا پرستی میں اپنی مثال آپ تھی جبکہ دوسری طرف تمام دنیا کے ممالک میں مساوی ترقی اور جدید علوم کے لحاظ سے پیش پیش تھی۔ انہوں نے ایک نئی طرزِ حکومت کی بنیاد رکھی جس کا اصول ''اَلْحُکْمُ لِلّٰہِ وَالْمُلْکُ لِلّٰہِ'' تھا۔ اس دور کی ترقیاتی عروج کی ایجادات، تمدنی اور تہذیبی کارناموں کی بنیاد آنحضرت ﷺ کی ذات اور ان کے لائے ہوئے زرّیں اصولوں کی مرہونِ منت تھی۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد بھی علم و فن اور ایجادات کے کارنامے مکمل کر دنیائے عالم کے سامنے آئے۔ حضور ﷺ نے زمانہ جاہلیت کے عربوں کی کایا اس طرح پلٹی کہ وہ زمین کی پستیوں سے نکل کر آسمان کی بلندیوں تک پہنچ گئے۔

پا گئی آسودگی کوئے محبت میں وہ خاک
مدتوں آوارہ جو حکمت کے صحراؤں میں تھی

ہماری قوم کی ترقی صرف اطاعت و محبت رسول ﷺ میں ہے

مسلمانوں کے عروج کا بنیادی سبب ان کا دینِ اسلام سے وابستہ ہونا تھا۔ تاہم اگر ہم اسلامی جذبے میں کارفرما عناصر پر غور کریں تو یہ معلوم ہوگا کہ اسلام نے درج ذیل چند اصولی عقائد کو مسلمانوں پر پیش کیا اور جب بھی مسلمانوں میں عروج آیا تو ان ہی عقائد سے پختہ وابستگی کے سبب آیا۔

۱۔ اسلام نے ''اَطِیْعُوا اللّٰہَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ وَاُولِی الْاَمْرِ مِنْکُمْ'' (اطاعت کرو اللہ کی اور اطاعت کرو رسول ﷺ اور حاکموں کی جو تم میں سے ہوں) (النساء: ۵۹) کا جو حکم دیا ہے اس میں دینی اور دنیاوی ترقیوں کے راز پوشیدہ ہیں یہ اس جذبۂ اطاعت کا ہی اثر تھا کہ مسلمانوں نے خدا اور رسول ﷺ کے حکم پر کبھی بڑی سے بڑی قربانی دینے سے بھی گریز نہ کیا اور وہ موت پر تو اس طرح جھپٹتے تھے جس طرح شیر بکری پر جھپٹتا ہے۔

۲۔ کسی قوم میں انقلاب پیدا کرنے کے لیے اعلیٰ طبقے کے لوگ اگر تعاون کریں تو اوسط اور نچلے طبقے کے لوگ بھی ساتھ ہو جاتے ہیں۔ اہل عرب نے آپ ﷺ کے ساتھ اس طرح تعاون کیا کہ جوق در جوق لوگ اسلام میں شامل ہونے لگے اور اس کی بنیادیں آپ ﷺ کی محبت، اطاعت، تربیت اور یقین محکم پر استوار تھیں۔ یہی صفات مسلمانوں کے ایمان کے لیے بنیادی حیثیت رکھتی ہیں۔ ایسی قوم تنظیم، اطاعت (ڈسپلن) اور اتحاد جیسی صفات سے متصف ہوتی ہے اور یہی صفات کامیابی کی ضامن ہوتی ہیں۔

۳۔ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور عیدین وغیرہ کی عبادات کا مقصد بھی مسلمانوں میں باہمی ربط پیدا کرنا ہے جس سے ان میں محبت بڑھے۔ نیز ان سے ایک دوسرے سے تعاون اور تمام ممالک اور اقوام کو ایک مرکز کے ساتھ مل کر حکومت قائم کرنے کا سبق ملتا ہے۔ یہی مرکزیت مسلمانوں کی طاقت تھی اور دشمنانِ اسلام نے سب سے پہلے اس مرکزیت اور ذوقِ عبادات کو ہی نشانہ بنایا جن کی وجہ سے مسلمانوں میں مرکزیت قائم تھی تا کہ مسلمانوں کا باہمی ربط منقطع ہو جائے اور مسلمانوں کی قوت منتشر ہو جائے۔ اسلام نے مسلمانوں کو ملک، وطن، قوم، نسل اور دیگر ذاتی مفادات کی قید و بند سے نکالا اور انہیں آزادرہ کر زندگی بسر کرنے کا سبق دیا۔ وہ کسی قوم کے خدمت گزار اور کسی نسل و وطن کے نمائندے نہ تھے اور نہ ہی کسی قوم یا ملک کی حکمرانی کا اہل سمجھتے تھے۔ وہ صرف حکومتِ الٰہی اور عبودیت میں سب کو برابر کا حصہ دار سمجھے تھے۔ وطن اور قوم کا امتیاز ان کے لیے کوئی اعزاز نہ تھا۔

۴۔ مسلمانوں کا امیر ان کے دنیاوی امور اور دینی امور میں حرفِ آخر کی حیثیت رکھتا ہے مگر اس کی شرط یہ ہے کہ وہ شریعت کا پابند ہو اور اس کا حکم قرآن اور احکامِ رسول ﷺ کے خلاف نہ ہو۔ امیر کے لیے ضروری ہے کہ اس کا حکم حاکمانہ تسلط کے لیے نہ ہو اور حاکمیت کی بجائے خادمیت پر یقین رکھتا ہو۔ حضرت عمرؓ کو صحابہؓ میں سے ایک نے بلا دریغ خطبۂ عام میں یہ بات کہہ ڈالی تھی کہ اے عمرؓ اگر تم نے اطاعتِ خداوندی کے خلاف کام کیا تو یاد رکھو کہ اس چھڑی میں تو کوئی خم ہو سکتا ہے لیکن ہم تمہیں اس چھڑی سے بھی زیادہ سیدھا کر سکتے ہیں۔

۵۔ تخلیقی اور تحقیقی تدبر نے ملتِ اسلامیہ کے عروج میں ایک اہم کردار ادا کیا۔ مسلمانوں کو قرآن نے کائنات کی ہر چیز پر غور و خوض کرنے اور کائنات کو مسخر کرنے کا حکم دیا ہے اور ساتھ ہی اپنے حقائق کے تحفظ پر زور دیا ہے۔ چنانچہ پیغمبرِ خدا ﷺ نے اور بعد میں ان کے جانشینوں نے قوم کو روحانی تعلیم کے علاوہ دنیاوی نفسیاتی، معاشی اور دیگر علوم مثلاً دفاع، حرب، طب، زراعت اور صنعت وغیرہ کی تعلیم اس انداز سے دی کہ ہر مسلمان اپنے فرائض کو بہترین اسلوب کے ساتھ ادا کرتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ مسلمانوں نے دنیا میں بھی تمام ممالک کی راہنمائی کی، یہاں تک کہ فلکیات، سائنس، ریاضی، کیمیا اور دیگر شعبہ جات میں اس اعلیٰ معیار کی تحقیق کی بنیاد ڈالی کہ رہتی دنیا تک ان کا نام صفِ اول کے سائنس دانوں میں شمار کیا جاتا رہے گا، مگر اس کے برعکس آج کا مسلمان نہ صرف ان اوصاف سے محروم ہے بلکہ وہ تمام اسلامی اور دیگر نفع رساں علوم سے نابلد اور ناآشنا ہے۔ آج ان کی نظر میں کامیاب زندگی محض دولتِ دنیا اور عیش و عشرت کے سامان کو سمیٹ لینے پر انحصار کرتی ہے۔

سرورِ کونین ﷺ کا ارشاد ہے کہ میری امت پر زوال نہیں آئے گا اور اگر آئے گا تو دو باتوں سے، ایک مال کی محبت اور دوسری موت سے خوف۔[1] ایک اور حدیث میں ہے کہ جب میری امت دنیا کو بڑی شے سمجھنے لگے گی تو اسلام کی ہیبت اور وقعت ان کے دل سے نکل جائے گی اور جب امر بالمعروف اور نہی عن المنکر چھوڑ بیٹھے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب آپس میں گالی گلوچ اختیار کرے گی تو اللہ جل شانہ کی نظروں سے گر جائے گی۔[2] خلفائے اربعہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم کے زمانے میں حدودِ اسلامیہ دور دور تک پھیل گئی تھیں اور کچھ دیر بعد ہی مشرق میں ایران، مغرب میں سپین، شمال میں ترکی اور جنوب میں افریقہ تک جا پہنچیں۔ مسلمانوں کی یہ سلطنت بعد میں سمرقند، تاشقند، ہندوستان اور انڈونیشیا تک بھی جا پہنچی مگر مسلمانوں میں جذبہ اسلام میں کمی وبیشی کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ اس کی حدود بدلتی گئیں اور پھر ایک وقت ایسا بھی آیا کہ سوائے چند ایک چھوٹی چھوٹی ریاستوں کے تمام دنیا میں مسلمان اپنی سلطنتوں کو ضائع کر بیٹھے۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا۔

دیکھ کر تجھ کو افق پر ہم لٹاتے تھے گہر
اے تہی ساغر ہماری آج ناداری بھی دیکھ

۶۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب مسلمانوں کی کیفیتِ ایمان اور کردار مطلوبہ معیار سے گر گئے تو ان کے اقتدار کی عمارت بھی دھڑام سے نیچے آ گری اور ملتِ اسلامیہ کے زوال کی سب سے بڑی وجہ بھی یہی تھی۔

قرونِ اُولیٰ کے مسلمان اگرچہ متمول تھے مگر مال ان کے ہاتھوں میں رہا اور دل پر مال کی بہتات کا قطعاً کوئی اثر نہ تھا، یعنی فخر، غرور، تکبر، عیش پرستی کے اثرات کسی قوم میں اسی وقت ہوتے ہیں جب ان کا مال بجائے ان کے ہاتھوں کے ان کے دل میں آ جائے۔ اگرچہ معاشی خوشحالی ایک نعمت ہے لیکن ذرائع کا وافر ہونا اور پھر اس کا غلط استعمال اکثر برائیوں کی جڑ ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ:

"وَاِذَآ اَنْعَمْنَا عَلَى الْاِنْسَانِ اَعْرَضَ وَنَاٰ بِجَانِبِهٖ" (بنی اسرائیل:۸۳)

(اور جب ہم کوئی انعام انسان پر فرماتے ہیں تو وہ (بجائے شکر کے)

(منہ پھیر لیتا ہے اور پہلو تہی کرتا ہے)

حضور اکرم ﷺ کا فرمان ہے کہ مجھے اپنی امت کے لیے مشقت اور فاقہ کی اتنی فکر نہیں جتنی کہ

---

[1] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۲۲۳۵، جلد ۵، صفحہ ۲۲۸۔ [2] المستدرک علی الصحیحین، حدیث ۷۶۵۷، جلد ۳، صفحہ ۳۲۲۔

دولت دل کے کم ہونے کی فکر ہے۔[1] افراط مال سے تن آسانی اور بے عملی جیسے تباہ کن امراض کا پیدا ہونا ایک لازمی امر ہوتا ہے اور یہی سبب آج ہماری بدحالی اور بے عملی کا ہے۔

آں چناں زار از تن آسانی شدی
در جہاں ننگِ مسلمانی شدی

۷۔ نااتفاقی اور ضعف اتحاد، ملّتِ اسلامیہ کی خستہ حالی میں ایک اہم کردار ادا کرتی رہی ہے۔ ایک ملّت (ایک گروہ) جو ایک ہی مقصد کے لیے پیدا کی گئی تھی کئی فرقوں اور گروہوں میں بٹ گئیں۔ مخالفین نے اس عنصر کو خوب استعمال کیا اور مسلمانوں میں باہمی تعصب اور نفرت میں مزید اضافہ پیدا کیا، جس نے مسلمانوں کی ترقی میں ایک بہت بڑی رکاوٹ پیدا کر دی۔ آج اگر ہم اپنے معاشرے پر نظر ڈالیں تو یہی بیماری نمایاں نظر آئے گی جو معاشرے کو تباہی کی طرف لے جا رہی ہے۔

۸۔ ملّتِ اسلامیہ کے زوال کی ایک اور وجہ ان کا تقدیر کو غلط معنوں پر محمول کرنا ہے۔ مسلمان یہ سمجھتے ہیں کہ عظیم مقاصد کا حصول بغیر کوشش کے بھی مل جاتا ہے اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمان تجارت و تعلیم اور علم و فن سے ہاتھ دھو بیٹھے، حالانکہ یہ تمام خوبیاں ان کے اجداد کی وراثت تھی۔

اسلام نے قدیم دنیا پر اپنی علمی سیادت کا سکہ جما دیا تھا اور دنیا کی عقلیت اور ثقافت یعنی کلچر پر چھا گیا تھا، حتیٰ کہ یورپ میں علم و فن کی ترقی مسلمانوں کی تحقیق و تالیف کی مرہونِ منت تھی، لیکن افسوس کہ مسلمان باہمی اتحاد و یکجہتی کے فقدان سے اپنی یہ خوبی برقرار نہ رکھ سکا اور علم و فن کا جو تاج اس نے پہن رکھا تھا اہلِ یورپ نے اُس سے زبردستی چھین لیا۔

۹۔ اہلِ یورپ نے جب اپنی تہذیب اور تمدن کا پرچار شروع کیا تو اس کے اثرات نے مسلمانوں کی تہذیب و تمدن پر گہرا اثر ڈالا۔ مغرب کی تقلید کو دیکھ کر چند مسلمان ممالک اس نتیجہ پر پہنچے کہ جب ہم یورپی ممالک کی تقلید نہیں کر سکیں گے، ہم ان کا مقابلہ نہیں کر سکتے۔ مگر افسوس ہے کہ انہوں نے اس بات کو محسوس نہ کیا کہ جب کوئی قوم علم و فن کو خیرباد کہہ دے تو ترقی کس طرح ممکن ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر کام کے لیے روحانی اور مادی اسباب مہیا کرنے کا حکم دیا ہے جو قوم روحانی اعمال کو چھوڑ دے اور اس کے علاوہ مادی اسباب کو بھی ترک کر دے تو وہ اس قوم کے مقابل نہیں آ سکتی جو محض مادی اسباب کو تھامے ہوئے ہو۔

۱۰۔ مسلمانوں میں انتہا پسندی کو اپنانے کی بھی ایک سازش وجود میں لائی گئی۔ کچھ خفیہ طاقتوں نے ایسے اسباق کو دین کی تعلیم میں شامل کر دیا جس سے ان کو یہ تاثر دیا گیا کہ دنیا ملعون ہے اور دنیا کو حاصل کرنے کی

---

[1] المستدرک علی الصحیحین، حدیث ۷۹۲۹، جلد ۴، صفحہ ۳۶۳۔

کوشش کرنا دین کے منافی ہے، چنانچہ ایک ایسی ہوا چلی کہ لوگ دنیا سے متنفر ہو گئے۔ آج ہم اپنے معاشرے میں بہت سے ایسے لوگ دیکھتے ہیں جو دنیاداری کو پس پشت ڈال چکے ہیں اور ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئے ہیں جس سے ملّتِ اسلامیہ کو مجموعی طور پر ایک نقصان ہو رہا ہے، جو اس کی ترقی میں ایک اہم رکاوٹ بن گیا ہے۔

۱۱۔ فنونِ جدیدہ میں ترقی یافتہ قومیں باقی تمام اقوام پر غلبہ حاصل کر لیتی ہیں مگر اس کے ساتھ ساتھ قومی جذبے کے ارتقائی منازل پر فائز ہونا بھی ضروری ہے۔ ہر دور میں سائنس اور ٹیکنالوجی کا ایک معیار قائم رہا ہے جو ممالک ان علوم میں تحقیقی کمال حاصل کر لیتے ہیں وہ اپنے حلیف ممالک پر برتری حاصل کر لیتے ہیں۔ جن ممالک کے سلاطین اس طرف توجہ نہیں دیتے اور اپنے فن کاروں کی قدر نہیں کرتے تو ان کے ملک فنی میدان میں پیچھے رہ جاتے ہیں اور دوسرے ممالک سے مات کھا جاتے ہیں۔ مسلمانوں نے جب فنی مہارت کی طرف توجہ نہ دی اور ساتھ ہی قومی جذبے میں کمی واقع ہوگئی تو زوال کی طرف بڑھنے لگے۔ علامہ اقبالؒ نے یہ جو فرمایا کہ ”عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد“۔ یعنی جب تک عصا کی طاقت ہاتھ میں نہ ہو تو کلیمی جیسی طاقت بھی ادھوری رہ جاتی ہے۔ اس سے یہی مراد ہے کہ جو قوم فنی میدان میں اپنی برتری اور قوت کو تسلیم کروانے کی اہل نہیں وہ قوم جلد تباہ کر دی جائے گی۔ ایسے لوگ جو رشوت ستانی چور بازاری اور غلط ذرائع سے مال کمانے میں مصروف رہتے ہیں، وہ نہ صرف پوری قوم کے حق کو غصب کرتے ہیں بلکہ اس میں طرح طرح کی بدکرداریاں اور اخلاقی بیماریاں پیدا کر دیتے ہیں۔ ان مفاد پرستوں کی وجہ سے مقدس پیشے بھی اب کاروباری اڈے بن جانے کی صورت اختیار کر چکے ہیں اور یہ لوگ اپنی قوم کو تباہی کی طرف دھکیل کر لے جاتے ہیں۔

تاریخ شاہد ہے کہ اس دنیا کی تعمیر وہی کر سکتا ہے جس نے انسانیت کے لیے دنیا میں بیت الحرام بنایا تھا اور جس نے پوری دنیا پر یہ ثابت کر دیا تھا کہ صرف وہ لوگ اللہ کی طرف سے عطا کردہ بارِ امانت کو اٹھانے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ آج وہ وقت ہے کہ بانی بیت الحرام اور حامل پیامِ اسلام عالمی قیادت کے لیے پھر سے میدان میں آئے اور مغرب کے پیدا کردہ فساد کو اصلاح سے، بگاڑ کو بناؤ سے اور تخریب کو تعمیر سے بدل دے اور قواعدِ ابراہیمی علیہ السلام اور سنّتِ محمدی ﷺ کے نقشے کے مطابق دنیا کی تعمیرِ نو کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اس امت کو ہی پورے عالم کا امین بنایا ہے۔ اس دنیا کی باگ ڈور صرف وہی قوم سنبھال سکتی ہے جو خدا کے قوانین کو اس کی زمین پر نافذ کر سکے اور اس کے احکامات کی خود بھی پابند ہو۔ جس قوم میں یہ اہلیت نہیں تو وہ زندہ رہنے کے قابل نہیں۔ ملّتِ اسلامیہ کی تعمیر کے لیے جو نسخہ قرآن نے تجویز فرمایا ہے، وہ یہ ہے کہ مسلمان اسلام میں پورے کے پورے داخل ہو جائیں۔ جیسا کہ ارشادِ باری تعالیٰ ہے ”اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃً“ (یعنی اسلام

میں پورے پورے داخل ہو جاؤ) (البقرہ:۲۰۸) اور اسلامی ضابطوں اور قوانین کو اپنانے کے لیے کوئی فرد گریز نہ کرے۔ یہ بات قابل غور ہے کہ ایک تخمینے کے مطابق اس وقت پورے عالم اسلام میں مسلمانوں میں محض پانچ سے سات فیصد افراد باقاعدگی سے نماز روزے کے پابند ہیں اور اگر سو فیصد اسی معیار پر آ جائیں تو اس میں کوئی شک نہیں کہ مسلمان کو پھر وہی شان و شوکت عطاء ہو جائے جو قرونِ اولیٰ میں مسلمانوں کو عطاء ہوئی تھی۔

ہو گیا اللہ کے بندوں سے خالی کیوں حرم؟

اس مضمون کا عنوان علامہ اقبالؒ کے شعر کا ایک مصرع ہے۔ آپ نے مسلمانوں کی موجودہ حالت پر غور کرنے کے بعد مسلمانوں کو یہ سوچنے اور سمجھنے کی دعوت دی ہے کہ مسلمانوں کی موجودہ ابتری کی کیا وجہ ہے۔ آپؒ نے فرمایا کہ اے مسلمانوں تم خود غور کرو۔

اے مسلمان اپنے دل سے پوچھ مُلا سے نہ پوچھ
ہو گیا اللہ کے بندوں سے خالی کیوں حرم؟

حرم سے مراد اللہ کی وہ تمام زمین ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے اُمتِ رسول ﷺ کے لیے عبادت یا سجدہ گاہ بنا دیا ہے جبکہ آپ ﷺ کی بعثت سے پہلے صرف عبادت گاہوں میں ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت کی جاتی تھی۔ اس پوری دنیا میں مسلمان کیوں بدنام اور زوال پذیر ہو گئے ہیں؟ یہ مسئلہ تو اس قدر گہرا ہے کہ اس بات پر گفتگو کرنا اس مختصر تحریر میں ممکن نہیں۔ مسلمانوں کے زوال کے اسباب پر بہت سی کتب میں تفصیلی جائزہ لیا جا چکا ہے اور غور کرنے سے مسلمانوں کے زوال کی بہت سی وجوہات نظر آئیں گی جن پر ایک تحقیقی مقالہ لکھنے کی ضرورت ہے۔ اگر اس بات پر اس پہلو سے غور کریں کہ رسول اللہ ﷺ نے عرب کی گری پڑی قوم کو کس طرح سنبھالا دیا تو بات زیادہ آسانی سے واضح ہو جائے گی اور ہم ان مسلمانوں کی ان تمام بری عادتوں اور خصلتوں کو بیان کرنے سے محفوظ ہو سکتے ہیں جو مسلمانوں کے زوال کا باعث بنیں۔

اگر ہم اس بات پر غور کریں جیسا کہ آخری جملے میں بیان ہوا ہے تو تمام گفتگو کا نچوڑ صرف ایک بات میں یعنی اتباعِ رسول ﷺ کی شکل میں سامنے آ جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے مسلمانوں کو اپنی سنت پر عمل کرنے کا حکم دیا اور اللہ تعالیٰ نے بھی اس بات کی یوں تصدیق کی ہے کہ

"لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُو اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ۝" (الاحزاب:۲۱)

(بے شک تمہاری راہنمائی کے لیے رسول (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ یہ نمونہ اس کے

لیے ہے کہ جو اللہ تعالیٰ سے ملنے اور قیامت کے آنے پر امید رکھتا ہے اور کثرت سے اللہ کو یاد کرتا ہے)

اس تمام گفتگو کا ماحاصل یہ ہے کہ مسلمان کو ایسی زندگی گزارنے سے گریز کرنا چاہیے جس میں بے دینی کا عنصر پایا جائے۔ ایسی زندگی گزارنے کے لیے کم از کم اس بات کا خیال رکھا جائے کہ نماز و روزہ کی پابندی کی جائے اور دیگر ارکان مثلاً زکوٰۃ اور حج پر، استطاعت کے مطابق، عمل کیا جائے۔ صرف اس قدر اہتمام کرنے (اور حرام کاموں کے ترک کرنے) کے ساتھ سنّتِ رسول ﷺ پر عمل کی ابتداء ہو جاتی ہے اور اگر کوئی ذرا اگلے درجات حاصل کرنا چاہے تو ہر کام میں اپنے آپ کو حضور ﷺ کی سنّتِ میں ڈھال دے۔ یہ کام کوئی اتنا مشکل نہیں جسے کوئی شخص دنیاوی کاروبار کے ساتھ مکمل نہ کر سکتا ہو۔

کوئی قوم کہ جس میں نظم وضبط اور اخلاقی پابندیاں مفقود ہو جائیں تو وہ قوم زیادہ دیر تک زندہ نہیں رہ سکتی۔ ہر مسلمان کے لیے ضروری ہے کہ وہ دنیاوی معیار (خصوصاً سائنس اور ٹیکنالوجی) کو باقی قوموں کے مطابق برقرار رکھے اور اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی کو اتباعِ سنّت کے مذکورہ معیار پر لے آئے۔ یہی قوموں کی فلاح کا راز ہے، جسے مسلمانوں نے آج اپنے ہاتھ سے کھو دیا اور اللہ کا یہ حرم اللہ کے بندوں سے خالی ہو گیا۔ نیچے اس خط کا عکس پیش کیا جا رہا ہے جو راقم الحروف نے وزیر اعظم پاکستان کے نام بھیجا۔ تاکہ وہ اصلاحِ عوام میں ہمارا ہاتھ بٹائیں۔

ادارہ تبلیغ و ترویج اسلام، لاہور

عبداللطیف خان نقشبندی
ڈائریکٹر (ریٹائرڈ) محکمہ موسمیات لاہور
ای۔۱/۱۷ اے ون ذوالفقار سٹریٹ
کیولری گراؤنڈ لاہور کینٹ

مورخہ ۱۴ دسمبر ۱۹۹۰ء

بخدمت جناب وزیر اعظم پاکستان، اسلام آباد

عوام کی دینی اصلاح کا پُر اثر طریقہ

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ آپ کی تقرری پر مبارک باد پیش کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ آپ انشاء اللہ ملک کی اس صورت میں خدمات انجام دیں گے جس کی اسے ضرورت ہے۔ بندہ حال ہی میں محکمہ موسمیات سے بحیثیت ڈائریکٹر ریٹائر ہوا ہے اور پاکستان کے تعمیر کرنے والے ان چند مسلم لیگیوں سے متعلق

ہے جو متحدہ ہندوستان میں سیاسی قیدیوں کی حیثیت سے کچھ عرصہ گزار چکے ہیں۔

فقیر عرصہ ۳۵ سال سے (بغیر چندہ اور فنڈز کے) پاکستانی عوام کی اصلاح کے لیے کوشاں ہے اور اب تک ہزاروں پاکستانیوں کی اصلاح کر چکا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فقیر کو یہ صلاحیت عطا کی ہے کہ چند گھنٹوں میں دیئے جانے والے اسباق سے مسلمانوں کی بھاری جماعت کو دین اسلام کے اہم احکامات کا پابند بنا دیتا ہے۔ اس سلسلے میں پانچ دنوں کے لیے ڈیڑھ گھنٹہ روزانہ درج ذیل عنوان پر وعظ کیا جاتا ہے اور یہ درس اس قدر پُر اثر ہوتے ہیں کہ لوگوں کے ذہنوں کو بدل دیتے ہیں۔ اگر یہ کام ملکی سطح پر کیا جائے تو وسیع تر نتائج ثابت ہو سکتے ہیں۔

۱۔ نقطہ آغاز: کائنات کی تخلیق کا مقصد کیا ہے، یہ تخلیق کیسے اور کن مراحل میں ہوئی؟

۲۔ ایمان باللہ: کیا واقعی کوئی خدا موجود ہے اور اگر ہے تو ایک مسلمان نافرمانی کیوں کرتا ہے؟ خدا کی ذات پر استدلال اور ایسے ایمان کا قائم کرنا جس سے نافرمانی متصور نہ ہو اس کے مرض کا علاج ہے۔

۳۔ ابلیس کی طاقت: ابلیس کا مقابلہ ایک مسلمان کیسے کر سکتا ہے؟ (آسان طریقے)

۴۔ تفہیم اسلام: اسلام کے پانچوں ارکان پر دلچسپ معلومات بہم پہنچانا (اور شوق پیدا کرنا)۔

۵۔ اسلام دشمن عناصر: سے آگاہی اور ان کی مدافعت کے آسان طریقے، جس میں نماز اور روزے کی پابندی کرنے کے طریقے بھی شامل ہیں۔

۶۔ باعمل مسلمان: بننے کے چند سہل نکات جن کو ذہن میں رکھنے سے اسلام کی پابندی ہو جائے۔

مجھے یقین ہے کہ آپ عوام میں اسلام کو رائج کرنے کے خواہش مند ہیں اور اگر آپ میری (بے غرض) خدمات کو حاصل کریں تو انشاء اللہ چھ ماہ میں پورے ملک میں حیرت انگیز اسلامی انقلاب سب کے سامنے آ جائے گا، اس سکیم پر خرچہ بھی بہت کم ہو گا۔ اگر مجھے دس منٹ کا وقت دیا جائے تو پروگرام کی وضاحت ہو سکتی ہے۔

دعا گو

عبداللطیف خان نقشبندی

ہمارا طریقہ کار یوں ہو گا کہ لاہور میں کسی جگہ پر ایک ہزار ۱۰۰۰ کے لگ بھگ افراد ملت کو بذریعہ اخباری علان جمع کیا جائے گا اور چار یا پانچ دنوں کے لیے روزانہ سوا گھنٹے کا درس دیا جائے گا۔ کورس میں شامل ہونے والوں کے ناموں کا پہلے سے ہی اندراج کیا جائے گا اور یہ درس جدید اور سائنٹیفک علوم پر مبنی، نہایت

دلچسپ انداز میں دیئے جاتے ہیں جسے سننے والوں کے قلوب حیرت انگیز طور پر اثر قبول کر لیتے ہیں اور رشد و ہدایت کی راہ پر چلنے کے لیے بے قرار ہو جاتے ہیں کیونکہ اس سے پہلے اسلام کو اس انداز سے ان پر بیان ہی نہیں کیا گیا۔ یہ سلسلہ پاکستان کے دیگر شہروں میں بھی رائج کیا جا سکتا ہے۔ نیز ٹی وی پر بھی ان درسوں سے ملتا جلتا سلسلہ شروع کیا جا سکتا ہے۔ یہ طریقہ سہل اور زود اثر ہے جس کو بہت کامیاب پایا گیا ہے۔

نوٹ:۔ یہ خط پانچ بار محمد نواز شریف کو ارسال کیا گیا مگر وصولگی کی اطلاع سے بھی محروم رہا ہوں۔ اس سکیم کی ضروریات صرف ایک لیکچر ہال اور دو تین علماء کی تنخواہ ہے جسے ایک عام سیٹھ بھی برداشت کر سکتا ہے۔

اُمتِ محمدیہ ﷺ اس لیے خیر الامم ہے کہ وہ بھلائی کا حکم تمام زمانے بھر کو دیتی ہے

تمام نبیوں میں سے رسول اکرم ﷺ کا مقام اعلیٰ اور ارفع ہے اور اسی لحاظ سے آپ ﷺ کی امت بھی تمام امتوں سے بہتر ہے۔ حضور ﷺ کی تمام انبیاء پر برتری کسی ایک وجہ سے نہیں بلکہ آپ ﷺ کی ذاتِ جمیلہ اس قدر کمالات اور جمالات کی حامل ہے کہ جس کے لیے صرف یہی کہا جا سکتا ہے "بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر"۔ اس کے علاوہ اُمتِ محمدیہ ﷺ کو صرف ایک یہ فخر ہی کافی ہے کہ اس کو ایسے رسول ﷺ کی امت ہونے کا شرف حاصل ہے کہ جس کی کوئی مثال یا نظیر عالم امکان سے بعید ہے۔ اس شرف کے بعد اللہ تعالیٰ نے اس امت کا ایک اور شرف بھی بیان فرمایا ہے کہ وہ پوری دنیا کے لیے "امر بالمعروف اور نہی عن المنکر" (بھلائی کا حکم دینے اور برائی سے روکنے) جیسے بلند مرتبت امر کا تاج پہنے ہوئے ہے، یہی شرف اس کو خیرُ الامم کی بزرگی کے مقام پر لا کھڑا کرتا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ" (تم بہتر ہو ان تمام امتوں سے جو لوگوں میں ظاہر ہوئیں (کیونکہ) تم بھلائی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو۔) (آل عمران: ۱۱۰)

اسی سورہ آل عمران کی آیت نمبر ۱۰۴ میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

"وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ٥" (اور تم میں سے ایک ایسا گروہ ہونا چاہیے کہ وہ بھلائی کی طرف بلائیں نیکی کا حکم دیں اور برائی سے منع کریں اور یہی لوگ مراد کو پہنچنے والے ہیں)

ایک اور حدیث میں بیان ہے کہ جب مسلمان یہ کام (امر المعروف اور نہی عن المنکر) چھوڑ دیں گے تو وہ بہت جلد تباہ ہو جائیں گے۔[1] آج یہ حالت پہنچ چکی ہے کہ ہر کوئی (اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ) مال سمیٹنے اور عیاشی کی زندگی بسر کرنے پر تلا ہوا ہے اور کسی کو یہ پرواہ نہیں کہ کوئی قوم کے افراد کو راہ راست پر لانے کی کوشش

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۱۸۰۳، باب ۲۳۱۔

کرے جو ایک قومی ضرورت ہے۔ اس مسئلہ کی تفصیل اگلے بیانات میں آ رہی ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک طویل حدیث کا یہ مفہوم ہے کہ ایک ایسا وقت آئے گا جس میں اپنا ایمان بچا کر رکھنا بھی مشکل ہوگا اور صرف وہی شخص ایمان بچا سکے گا جو لومڑی کی طرح زمین کے اندر چھپ جائے گا۔ اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرمائے گا اور تمہیں ثابت قدم بنا دے گا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا حکم یوں آتا ہے۔

"یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ یَنْصُرْكُمْ وَ یُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ۝" (محمد:۷)

(اے ایمان والو! اگر تم (دین) خدا کی مدد کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری مدد کرے گا اور تمہارے قدم جما دے گا)

اس آیہ مبارکہ کی تفصیل راقم الحروف نے ایک کتابچہ کی شکل میں جاری کی ہے اور اس کا وہ حصہ جو علم کے ذریعے اسلام کو زندہ کرنے سے متعلق ہے، چند صفحات کے بعد ملاحظہ فرمائیں۔

اسلام کے کمزور ہونے کی ابتداء ترکِ سُنّت سے ہوگی

ایک حدیث شریف میں (جیسا کہ اوپر بیان ہوا) ہے کہ لوگ احکام الٰہی سے اس قدر دور ہو جائیں گے کہ صرف وہی لوگ ایمان کو بچا سکیں گے جو لومڑی کی طرح خود کو کسی پہاڑ یا زمین کے بل میں چھپا سکیں گے۔ قیامت کے نزدیک تو کسی شخص کو بس کلمہ توحید ہی آتا ہوگا۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوگا کہ لوگ خدا اور رسول ﷺ کے احکام کی اتباع میں لاپرواہی کرتے چلے جائیں گے۔ جان لینا چاہیے کہ ایسے لوگ جو خدائے تبارک وتعالیٰ کے احکام سے روگردانی کرتے چلے جائیں گے ان پر ترقی کے دروازے بند کر دیئے جائیں گے اور وہ زوال پذیر ہوتے جائیں گے۔ ایک حدیث میں آیا ہے کہ سب سے پہلے سنت رسول ﷺ پر عمل اٹھ جائے گا۔

"اَوَّلُ ذِهَابُ الدِّیْنِ تَرْكُ السُّنَّةِ"

(دینِ اسلام کے چلے جانے کی ابتداء ترک سنت سے ہوگی)[1]

سُنّتِ رسول ﷺ پر عمل اُٹھ جانے کے بعد نماز کا رکن لوگوں میں سے اٹھا لیا جائے گا۔ جو لوگ سیرت محمدیہ ﷺ یعنی سُنّتِ مبارکہ کو تھامے رہیں گے ان کے لیے اس دنیا میں بھی ترقی اور عزت ہے اور آخرت میں اللہ تعالیٰ کے انعامات کی سند موجود ہے۔

---

[1] سنن الدارمی، جلد۱، حدیث ۹۷، صفحہ ۵۸۔

"خَیْرُ الْهَدْیِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ"

(سب سے بہتر سیرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی سیرت ہے)[1]

ترکِ سُنّت کی مذکورہ حدیث کا مطلب یہ ہے کہ لوگ خدا آشنا اور رسول ﷺ آشنا نہیں ہوں گے وہ انسانیت کے درجے سے گرتے چلے جائیں گے اور جو خدا کی نظروں سے گر گیا وہ چند روزہ مال و متاع کا مالک تو بن سکتا ہے مگر جلد ہی خدائی عتاب اور تنزل کے عذاب میں گرفتار ہو جائے گا۔ فرعون نے حکومت کا سہارا لے کر اللہ تعالیٰ کے پیغمبر سے انحراف کیا تو سمندر کی لہروں نے اس کا استقبال کیا اور اس کی لاش آج بھی تازیانۂ عبرت بن کر لندن کے عجائب گھر میں محفوظ ہے۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے۔

جس نے سُنّت سے محبت کی، اس نے حضور ﷺ سے محبت کی، اور وہ جنت میں آپ ﷺ کے ساتھ ہوگا

قرآن مجید میں آیا ہے کہ جس نے ایک جان کو زندہ کرنے کا کام کیا، اس نے گویا تمام لوگوں کو زندہ کرنے کا کام کیا؟ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"وَمَنْ اَحْیَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًا" (المائدہ:۳۲)

(اور جس نے ایک جان کو زندہ کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا)

انبیاء علیہم السلام کا یہی فریضہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے باغیوں کو اللہ تعالیٰ کے سامنے جھکا دیں، اس کا فرمانبردار بنا دیں، لوگوں کی اصلاح کرنا ہی قرآن و حدیث کا منشا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بعد (جب کہ کوئی نبی نہیں آئے گا) اولیائے کرام لوگوں کی اصلاح اور ہدایت کا منصب ادا کرنے پر فائز کیے گئے ہیں کیونکہ وہ ایک حدیث کے مطابق انبیاء کے وراث ہیں۔[2]

ایک حدیث کے مطابق جو لوگ حضور ﷺ کی محبت رکھتے ہیں وہ لازمی طور پر سُنّتِ رسول ﷺ کے بھی پابند ہوتے ہیں۔ جیسا کہ حدیث شریف میں ہے:

"مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ كَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ"

(جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا)[3]

سنت کے بیان میں ہی اوپر حدیث بھی بیان ہو چکی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ 'اَلْمَرْءُ

---

[1] سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۵، جلد ۱، صفحہ ۱۷۔

[2] سنن الترمذی، حدیث ۲۶۸۲، جلد ۵، صفحہ ۴۸۔

[3] سنن الترمذی، حدیث ۲۶۷۸، جلد ۵، صفحہ ۴۶۔

مَعَ مَنْ اَحَبَّ اِلَیْہِ "[1] یعنی جو لوگ محبت کرتے ہیں ان کا حال یہ ہوتا ہے کہ ہر وقت ہی اپنے محب کے ساتھ رہتے ہیں۔

دل میں تو، ذہن میں تو، ذکر میں تو، فکر میں تو
بجز تیرے اور خیالات میں کون آتا ہے

مسلمان کے لیے اپنے ظاہر اور باطن کا درست کرنا واجب ہے

قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اپنے ظاہر اور باطن کی درستی کرو۔

"قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِّ"

(آپ فرمائیے بے شک حرام کر دیا ہے میرے رب نے سب بے حیائیوں کو جو ظاہر ہیں ان سے اور جو پوشیدہ ہیں اور حرام کر دیا ہے گناہ کو اور سرکشی کو بغیر حق کے) (الاعراف:۳۳)

مذکورہ بالا آیات میں کسی ایک برائی سے منع نہیں کیا بلکہ ہر قسم کی قولی اور فعلی برائیوں کے نزدیک بھی پھٹکنے سے منع کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ تمام وہ چیزیں جو دل میں گناہوں کی تحریک پیدا کرتی ہیں، مثلاً فحش گانے، ننگی تصویریں اور غلیظ لٹریچر، سب سے دور رہنے کا حکم دیا جا رہا ہے اور اس حکم کو اس قدر وسیع کر دیا ہے کہ فواحش کا ارتکاب ظاہر اور باطن جلوت و خلوت میں ممنوع فرمایا۔ حلت و حرمت میں انسانی خواہش کو کوئی دخل نہیں۔ حلال وہ ہے جسے اللہ تعالیٰ حلال فرما دیتا ہے اور حرام وہ ہے جسے وہ حرام قرار دے۔ فواحش میں زنا، چوری اور دوسرے قسم کے گناہ شامل ہیں اور اس کے علاوہ، شراب، ظلم میں تجاوز کرنا، شرک اور اللہ تعالیٰ کی طرف جھوٹی باتوں کو منسوب کرنا بھی شامل ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ جب تم کسی صوفی کو دیکھو کہ وہ اپنے ظاہر کو درست کرنے میں بڑا اہتمام کرتا ہے تو سمجھ لو کہ اس کا باطن خراب ہے بلکہ تصوف تو ذکر کرنے اور سن کر وجد میں آنے اور اتباع سنت پر عمل پیرا ہونے کا نام ہے۔ راقم الحروف کی تصنیف "اسلام اور روحانیت" میں تصوف کی بہت مفصل تفسیر دی گئی ہے۔ سنتِ رسول اللہ ﷺ میں اسی ظاہری اور باطنی پاکیزگی کا اہتمام ہے۔ روحانیت میں ظاہر اور باطن دونوں کی پاکیزگی درکار ہے۔

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۲۶۳۹، جلد ۴، صفحہ ۲۰۳۲۔

اولیائے کرام رحمهمُ الله مردہ دلوں کو زندہ کرتے ہیں

جو لوگ خدا اور رسول ﷺ کے احکام کو ادا کرنے سے لاتعلق ہیں حقیقتاً وہ لوگ مردہ دل اور مردوں کی طرح زندگی گزار رہے ہیں۔ ہماری تصنیف "سرمایۂ ملّت" میں ایسے مردہ دل لوگوں کا کافی تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے اور ایسے مردہ دلوں کا علاج بھی موثر طریقے سے لوگوں کے سامنے پیش کیا گیا ہے، جس میں علامہ اقبالؒ کا فلسفہ بھی خوبصورت اشعار کی صورت میں موجود ہے۔ یہاں اس بات کو ظاہر کیا جا رہا ہے کہ مولانا رومیؒ کے درج ذیل شعر کے مطابق اولیائے کرامؒ اپنے وقتوں کے اسرافیل ہیں کیونکہ جس طرح حضرت اسرافیل ؑ صور پھونک کر مردوں کو زندہ کر دیں گے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے اولیائے کرام رحمہم اللہ کو یہ طاقت دے رکھی ہے کہ وہ مردہ دلوں کو زندہ کر سکیں۔ ان کی صحبت اس زمانے میں (جبکہ انبیائے کرام ؑ موجود نہیں) غنیمت ہے۔

اسرافیلِ وقت اند ایں اولیاء
مردہ را ذیشاں حیات و نما

(اولیائے کرام اپنے وقت کے اسرافیل ؑ ہوتے ہیں، ان کی بدولت مردوں کو زندگی اور نشو و نما ملتی ہے)

علامہ اقبالؒ نے اپنے کلام میں فرمایا ہے کہ مسلمان کو اللہ تعالیٰ نے اسرافیلی طاقت عطا کی ہے اور تو اس طاقت سے کیوں محروم ہے۔ آپؒ نے اپنے اشعار میں دی گئی تعلیم کو بھی کافی سمجھا ہے فرماتے ہیں کہ اس تاریک دور میں اگر اس کا مطالعہ کیا جائے تو تمہاری اصلاح کے لیے کافی ہے۔

مرا سبوچہ غنیمت ہے اس زمانے میں
کہ خانقاہ میں خالی ہیں صوفیوں کے کدو

اِتباعِ سُنّت سے مسلمان خدا کا محبوب بن جاتا ہے

اس کتاب کے "اِتباعِ سُنّت" اور اطاعتِ سُنّت" کے ابواب میں قرآن مجید کی اس آیت کی تشریح کی جا چکی ہے جس میں فرمایا گیا ہے "فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللهُ" (یعنی میری پیروی کرو تب اللہ تمہیں (اپنا) محبوب بنا لے گا) (آل عمران:۳۱)

غور کا مقام ہے لوگ تو اللہ تعالیٰ کی خوشنودی چاہتے ہیں لیکن اگر کوئی نبی ﷺ کی اتباع کا ذمہ اپنے اوپر لے لیتا ہے تو چہ جائے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرے، اللہ تعالیٰ ایسے پابندِ سُنّت کو اپنا محبوب بنا لیتا ہے۔

کی محمد ﷺ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا، لوح و قلم تیرے ہیں

یاد رکھیں، یہ حقیقت ہے کہ جس سے رسول ﷺ راضی ہوئے تو سمجھیں کہ خدا راضی ہو گیا اور جس

نے آپ ﷺ کو ناراض کر دیا اور ایسے شخص کو سنت سے دور دیکھ کر اگر آپ ﷺ نے فرما دیا (معاذ اللہ) لَیْسَ مِنْ اُمَّتِیْ یعنی یہ شخص ترکِ سنت کے باعث میری امت میں سے نہیں تو اس کا کیا حشر ہو گا؟ انسان کا فائدہ اسی بات میں ہے کہ دنیا کے کاموں میں بھی محنت کرے اور سنت کی اِتباع بھی کرے تو اس کی دنیا میں برکت ہو گی اور آخرت بھی درست ہو جائے گی۔

اگر تم نے اپنے نبی ﷺ کی سنت چھوڑ دی تو گمراہ ہو جاؤ گے

حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا قول ہے، فرماتے ہیں کہ نماز جماعت سے ادا کرنا حضور ﷺ کی سُنت ہے اور اگر تم آپ ﷺ کی سُنت چھوڑ دو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے۔

"لَوْ تَرَكْتُمْ سُنَّةَ نَبِيِّكُمْ لَضَلَلْتُمْ"[1]

(اگر تم لوگوں نے اپنے (نبی ﷺ) کی سُنت چھوڑ دی تو گمراہ ہو جاؤ گے۔)

مسلمانوں کی اس وقت یہ حالت ہے کہ وہ نہ تو دین کے رہے نہ دنیا کے، آج شاید ہی چند لوگ دنیا میں موجود ہوں جو سُنت کی اِتباع میں کوشاں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وہ امداد جو سُنت کی اتباع کرنے پر مقرر ہے، اس سے مسلمان محروم ہو کر ساری دنیا میں بدنام ہو چکے ہیں۔

ایک حدیث شریف میں ہے کہ حضرت موسیٰ ؑ بھی اگر اس امت میں آئیں تو بھی ان کو حضور ﷺ کی شریعت کی اِتباع کے بغیر چارہ نہیں۔[2] ایک اور روایت میں ہے کہ جب حضرت عمر ؓ حضور ﷺ کے سامنے تورات کا صفحہ پڑھنے لگے تو حضور ﷺ کا چہرہ مبارک متغیر ہو گیا اور آپ ﷺ نے وہ الفاظ فرمائے جو نیچے دی گئی حدیث میں موجود ہیں۔

"لَوْ كَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِيْ"[2]

(اگر حضرت موسیٰ ؑ موجود ہوتے تو ان کے لیے میری اِتباع کے بغیر چارہ نہ تھا)

جسے حضور ﷺ سے محبت ہے اسے سنّت سے محبت ہونا لازمی ہے

یہ بات قابلِ یقین نہیں کہ زید سے محبت ہو اور وہ بکر سے رات دن تعلق استوار کرتا رہے۔ ایک شخص نے عرض کی میں آپ ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تیرے اس دعویٰ کی کیا حقیقت ہے؟ کیا تو اس کو گوارہ کرے گا کہ میں تمہاری غیر موجودگی میں تمہارے گھر جاؤں اور جتنا مال و اسباب چاہوں اٹھا کر لے آؤں؟ آپ ﷺ کے فرمانے کا مطلب یہ تھا کہ جس سے محبت ہو اس میں "میں اور تو" کچھ حقیقت

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۶۵، جلد ۱، صفحہ ۴۵۳۔

[2] فتح الباری، جلد ۱۳، صفحہ ۵۲۵۔

نہیں رکھتا، ایک کا مال دوسرے کی ملکیت ہوتا ہے اور وہ ایک دوسرے پر جان نثار کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے، ایسے لوگ اپنے محبوب پر مال لٹاتے میں خوشی محسوس کرتے ہیں۔

راقم الحروف کی کتاب "نشانِ منزل" میں ابتلاء یا آزمائش کا باب پڑھنے کے لائق ہے۔ اس میں مسلمان بندے پر جب مصائب نازل ہوں تو اس کی کیفیت اور حقیقت بیان کی گئی ہے۔ یہ مضمون بہت سی کتابوں کا خلاصہ ہے، لہٰذا یہ کہا جاسکتا ہے کہ ابتلاء پر اس قدر طویل و عریض مضمون شاید ہی کسی کتاب میں نظر آئے۔ اس کتاب میں یہ بھی لکھا ہے کہ مسلمان اگر کسی مصیبت سے دوچار ہوتا ہے تو وہ اس پر بھی خوشی محسوس کرتا ہے کیونکہ محبوب کی طرف سے جو بلا (مصیبت) آئے تو وہ بھی محبوب کی طرف سے ہوتی ہے۔ لیلیٰ کے کتے سے مجنوں کا اس قدر پیار فقط اسی لیے تھا کہ وہ لیلیٰ کا کتا تھا۔ جب کسی بزرگ کو کوئی تکلیف نہ پہنچے تو وہ پریشان ہو جاتے تھے کہ شاید اللہ تعالیٰ ان سے ناراض ہے۔ اللہ تعالیٰ کے پیارے بندے جب کسی مصیبت سے دوچار ہوتے ہیں تو اپنی جیب سے وہ کاغذ نکال کر پڑھتے ہیں جس پر قرآن مجید کی حسب ذیل آیت لکھی ہوتی اور اسے پڑھ کر رقص کرتے۔

"وَاصْبِرْ لِحُكْمِ رَبِّكَ فَاِنَّكَ بِاَعْيُنِنَا" (الطّور:۴۸)

(آپ ﷺ صبر فرمایئے اپنے رب کے حکم پر، پس بلاشبہ آپ ﷺ ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں)

حضرت معروف کرخیؒ کا قول ہے کہ جو اپنے مولیٰ کی ضرب سے لذّت حاصل نہیں کرتا تو وہ اس کا سچا غلام نہیں اور عبودیت کے دعویٰ میں سچا نہیں، چنانچہ جو لوگ حضور ﷺ کی محبت کا دعویٰ تو کرتے ہیں اور رات دن ٹی وی، راگ رنگ اور فحش محفلوں میں مست رہتے ہیں تو ان کا خدا کی محبت کا دعویٰ سراسر غلط ہے۔ انہیں تو خود کو مسلمان کہتے ہوئے بھی شرم آنی چاہیے۔

مسلمانوں میں داڑھی کی سنّت ایک مشکل مسئلہ ہے

عشق رسول اللہ کا دعویٰ کرنے والے تو بہت سے لوگ نظر آئیں گے لیکن ان سے یہ پوچھا جائے کہ ایک سکھ مذہب سے تعلق رکھنے والا شخص اگر گرونانک کی تقلید میں داڑھی اور سر کے بال بھی بڑھا کر سپرنٹنڈنٹ پولیس یا وزیر کے عہدے پر کام کرتے ہوئے داڑھی اور سر کے بالوں کو بڑھانے سے نہیں ڈرتا تو ہمارا یہ عاشق رسول ﷺ داڑھی سے کیوں شرم محسوس کرتا ہے۔ داڑھی پر بات چل نکلی ہے تو یہ بات بھی لکھ دینا ضروری ہے کہ ہمارے ہاں کا ایک چڑا سی بھی داڑھی (جو سُنّت مؤکدہ کی حیثیت رکھتی ہے اور کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کی بھی سُنّت ہے) کی سُنّت ادا کرنے میں شرم محسوس کرتا ہے۔ آپ کو کئی ایسے بوڑھے، لاغر اور بدشکل انسان نظر آئیں گے جو بالکل قبر کے کنارے پہنچ چکے ہیں (اور اب کسی عورت کو داڑھی مونڈوا کر

دھوکا دینے کے قابل بھی نہیں ہیں) وہ بھی اس سنّت سے محروم ہیں، شاید انہیں کوئی ایسا شخص نہیں مل سکا جو انہیں سمجھانے کے قابل ہوتا۔

راقم الحروف نے عین شباب کے عالم میں داڑھی کی سنت کو اپنایا کیونکہ جب داڑھی مونڈتا تھا، تو اس وقت اپنا عشق رسول ﷺ اور سکھ کے عشق اور گرونانک کی بات ہر روز یاد آتی تھی۔ ہمارا ضمیر ملامت سننے کی تاب نہ لاتا اور آخر ایک دن فیصلہ کرنا ہی پڑا کہ اس سنّت سے گریز اب ممکن نہیں (اگرچہ اس وقت بھی راقم الحروف اچھا خاصا افسر تھا) کچھ رکاوٹیں ضرور پیش آئیں لیکن خود بخود ہی تمام معاملات حل ہو گئے۔ ان دنوں ایک دوست نے راقم الحروف سے کہا ”یار تم تو بہت معقول انسان تھے! تمہیں کیا ہو گیا؟“ جواب دیا کہ میرے خیال کے مطابق معقولیت تو اب ہی نمودار ہوئی ہے“ اس شخص نے جواب دیا کہ میں نے آج تک کوئی شخص ایسا نہیں دیکھا جو معقول بھی ہو اور داڑھی بھی رکھتا ہو۔ راقم الحروف نے اس کو یہ جواب دیا کہ میں نے کم از کم ایک شخص ضرور دیکھا ہے جس نے داڑھی بھی رکھی تھی اور نہایت معقول بھی تھا اور وہ شخص تمہارا مرحوم باپ ہے۔ یہ بات سن کر بیچارہ اپنا سا منہ لے کر رہ گیا۔

داڑھی کے سلسلے میں یہ کہہ دینا ضروری ہے اور وہ یہ کہ داڑھی میں اسلام نہیں (ورنہ بہت سے لوگ داڑھیاں رکھتے ہیں مگر عمل میں صفر ہیں) بلکہ یہ کہنا درست ہے کہ اسلام میں داڑھی ہے اور اس کی عزت واحترام کرنا اسلام کا تقاضا ہے۔ یہاں ایک بات اور بھی یاد آتی ہے۔ راقم الحروف کے مرید جو ایک بہت اعلیٰ افسر بھی تھے، شروع میں داڑھی نہیں رکھتے تھے اور ان کے والد جو اس وقت ۲۱ گریڈ کے افسر تھے، کہنے لگے آپ اپنے مرید کو داڑھی رکھنے سے منع کریں کیونکہ اگر اس نے داڑھی رکھ لی تو دفتر میں کام ٹھیک نہیں چلا سکے گا۔ راقم الحروف نے جواب میں یہ کہا ”ایسا کفریہ کلمہ میں نہیں کہہ سکتا۔ اس مرید نے حج کے دوران داڑھی رکھ لی تو گھر والوں نے یہ کہہ کر منڈوا دی کہ ابھی اس کا وقت نہیں ہے“۔ کچھ لوگ یہ بھی کہتے ہیں کہ قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ نے داڑھی نہیں رکھی۔ قائداعظمؒ کو تو اللہ نے اس کام کے لیے پیدا کیا کہ انگریز سے ٹکر لے اور آپ اس ماحول میں پلے کہ آپ کو دین کا علم نہ تھا۔ آپ نے رفتہ رفتہ دین پر عمل شروع کر دیا تھا۔ ہوسکتا ہے کہ اگر چند دن اور زندہ رہتے تو معاملہ داڑھی تک بھی پہنچ جاتا۔ علامہ اقبالؒ نے قوم کو اس بلندی پر لا کھڑا کیا جس کا اجر اتنا بڑا ہو سکتا ہے کہ شاید داڑھی نہ رکھنے کی گرفت کے مقابلہ میں زیادہ وزن رکھتا ہو۔ اس کی مثال نیچے دی جا رہی ہے۔

علامہ مشرقی کے انگلینڈ میں تعلیم کے دوران ایک واقعہ رونما ہوا۔ وہ واقعہ یہ ہے کہ ایم ایس سی کے ریاضی کے پرچے میں انہوں نے ایک ایسا مسئلہ حل کر دیا جو پورے انگلینڈ میں کسی نے ہاتھ لگانے کی بھی جرأت نہ کی اور نہ ہی اسے حل کیا۔ علامہ مشرقی نے وہ مسئلہ حل کر لیا اور لکھ دیا کہ یہ سوال مشکل تھا سو حل ہو گیا

باقی سوالات تو بہت آسان ہیں۔ کہتے ہیں کہ علامہ مشرقی کو ممتحن نے ۱۰۰ میں سے ۱۰۰ نمبر دیے۔ ایک ہی عمل کا مختلف النوع اجر ملنا ایک حدیث سے بھی ثابت ہے کہ ایک شخص ایک عمل کرتا ہے اور اس کو اس کام کا اجر ایک رائی کے دانے کے برابر ملتا ہے اور دوسرا شخص بھی اسی عمل کو کرتا ہے اور اس کو اس کام کا اجر احد کے پہاڑ جتنا ملتا ہے، یعنی اگر ہم احد پہاڑ جتنا سونا بھی اللہ کی راہ میں خرچ کر دیں تو صحابہ کرام کے ایک یا آدھا سیر خرچ کرنے کے ثواب کے برابر بھی نہیں پہنچ سکتے۔ [1] یہ فرق لوگوں کی دماغی کیفیت کے مطابق ہے۔ اسی طرح کئی لوگوں کی پچاس نمازوں سے ایک ہی نماز کا ثواب ملتا ہے، جب کہ مسجد الحرام میں ایک نماز لاکھ نمازوں کے برابر ہوتی ہے۔ اس بات سے اس امر کا جواز نہیں بنتا ہے کہ داڑھی کے علاوہ کوئی اور بڑا کام کر دو تو داڑھی کی ضرورت نہیں رہتی بلکہ یہ کہ ایک طرف تو علامہ اقبالؒ نے قوم کی اصلاح کا اور پاکستان کی آزادی کا اتنا بڑا کام کیا جس کی وجہ سے قیامت تک آنے والے بے شمار مسلمان عورتوں اور مردوں کی عزت کو تحفظ ملا (جن کی بلندی کا اندازہ لگانا ہر شخص کے بس کی بات نہیں) اور دوسری طرف یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اسلام کی ایک سنت یعنی داڑھی نہ رکھنے کے عمل کی سزا ان کے اعمال میں شمار کی گئی ہو گی۔ سلطان باہوؒ نے فرمایا کہ اعمال کا انحصار انسانوں کی زندگی کے مجموعی اعمال پر ہو گا نہ کہ محض ایک یا دو اعمال پر۔ صرف داڑھی رکھ لینا اور نماز روزہ کا اہتمام نہ کرنا داڑھی کی توہین ہے۔

جے رب نہاتیاں دھوتیاں ملدا، ملدا ڈڈواں مچھیاں ہو
جے رب ملدا مون منایاں ملدا بھیڈاں سسیاں ہو
جے رب جتیاں ستیاں ملدا، ملدا ڈانڈیاں خصیاں ہو
رب انہاں نوں ملدا باہوؒ، نیتاں جنہیاں دیاں اچھیاں ہو

یہ کہا جا سکتا ہے مجذوب جو عشق الٰہی میں سرمست ہو اور کھانے پینے کو بھی بھول گیا ہو اس کے لیے شریعت نماز کا مواخذہ نہیں کرتی کیونکہ وہ مشاہدۂ جمال الٰہی میں غرق ہے لیکن ذی ہوش کے لیے شریعت کا لحاظ واجب ہے۔ عام مسلمان تو وہ کچھ کرنے کی جرأت بھی نہیں کرتا جو ایک حقیقی مجذوب کر سکتا ہے۔ مصنوعی مجذوب تو بہت ملتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو حقیقی مجذوبوں کے ساتھ نہ ملایا جائے اور نہ ہی قائداعظمؒ اور علامہ اقبالؒ کے معاملات عام لوگوں کے معیار پر اترتے ہیں۔ بشرطیکہ معترض کی نیت درست ہو۔ سوائے چند لوگوں کے پوری قوم اور پوری دنیا ان دونوں خدمت گزاروں کی اس قدر عزت و احترام کرتی ہے کہ جو ہر ایک خدمت گزار کو نصیب نہیں ہوتی۔ پوری قوم اور عالم اسلام جو دونوں کی خدمات کو یاد کر کے بابائے قوم اور حکیم الامت

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۳۴۷۰، جلد ۳، صفحہ ۱۳۴۳۔

کا خطاب دیتے ہیں یہ کوئی معمولی بات نہیں۔

اس جگہ اس حقیقت کو واضح کرنے کی ضرورت ہے کہ ہر مسلمان کے لیے نہ صرف داڑھی کی سنت کو زندہ کرنا ضروری ہے بلکہ اس کے علاوہ دوسری سنتوں کا اجراء بھی بہت اہمیت کا حامل ہے۔ یاد رہے کہ کچھ باتیں فائدے کے اعتبار سے کہی جاتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے ہی اس شعر کو لیں ؎

کافر بیدار دل پیش صنم
بہ ز دیندارے کہ خفت اندر حرم

(ایک بیدار دل کافر جو بت کی پوجا کرتا ہے، اس مومن سے بہتر ہے کہ جو حرم میں سو رہا ہے) (ج۔ن:۳۹)

حضرات صوفیاء میں سے ایک صوفی کا قول رسالہ قشیریہ میں ہے کہ کثیر اعمال والے کے مقابلہ میں ایک بیدار دل والے انسان کا درجہ زیادہ ہے۔ اسی طرح حضرت مجدد الف ثانیؒ نے لکھا ہے کہ "سایۂ پیر بہ از ذکرِ حق" یعنی پیر کا سایہ ذکرِ حق سے بہتر ہے یعنی یہ بہتری فائدے کے اعتبار سے ہے نہ یہ کہ صحبت ذکرِ حق سے بہتر ہے۔ ان باتوں کو کسی شیخ کی گفتگو سے حاصل کریں۔

کسی مردہ سنت کو زندہ کرنا سو شہیدوں سے افضل ہے

سنت کو زندہ کرنا دو طریقوں سے ہو سکتا ہے ایک تو یہ کہ اس سنت پر عمل کرنا جو تمام لوگوں میں ترک ہو چکی ہو۔ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ لوگوں کے دلوں کو اعمالِ سنت کی طرف بذریعہ تبلیغ راغب کرے۔ مؤخر الذکر طریقہ سب سے زیادہ افضل اور اعلیٰ ہے۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

صحبتِ پیرِ روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بہ جیب ایک کلیم سر بکف

احادیث میں آیا ہے کہ جو فقیہ دین کو زندہ کرتا ہے۔ وہ شیطان پر ایک سو (اور کئی روایات میں ہزار یا ایک لاکھ) عابدوں سے بھاری ہے۔[1]

اگر کسی نے سُنّت کو زندہ کیا تو اسے اس سنت پر عمل کرنے والوں کے برابر ثواب ملے گا

ایک حدیث شریف میں حضور کا فرمان ہے کہ جس نے کسی مردہ سنت کو زندہ کیا تو اس کو اس سنت پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کے برابر ثواب ملے گا۔[2]

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۲۶۸۱، جلد ۵، صفحہ ۴۸۔ [2] سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۱۰، جلد ۱، صفحہ ۷۶۔

”مَنْ اَحْیَا سُنَّۃً مِّنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِیْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَہٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِھَا“[۲]

(جس نے میرے بعد میری کسی چھوڑ دی گئی سنت کو زندہ کیا، اس کو اس پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کے برابر ثواب ملے گا)

مذکورہ حدیث قرآن کی اس آیت کے مطابق ہے جس میں فرمایا گیا ہے کہ جس نے ایک جان کا احیاء کیا، تو گویا اس نے سب لوگوں کا احیاء کیا:

”وَمَنْ اَحْیَاھَا فَکَاَنَّمَآ اَحْیَا النَّاسَ جَمِیْعًاط“

(جس نے ایک جان کو زندہ کیا تو گویا اس نے تمام انسانوں کو زندہ کیا) (المائدہ:۳۲)

ایک دوسری حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ ”اَلدَّالُ اِلَی الْخَیْرِ کَفَاعِلِہٖ“ (یعنی نیکی کی طرف بلانے والا اس کے کرنے والے کی طرح ہوتا ہے) [۱]۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں ایک حدیث کا ذکر کیا ہے جس میں فرمانِ مصطفیٰ ﷺ ہے کہ جس نے نیک عمل کا کوئی نیا کام ایجاد کیا تو اس کو اس عمل پر کام کرنے والے تمام لوگوں کا اجر بھی ملے گا۔ اسی طرح یہ بھی ایک حدیث ہے کہ برے کام کو ایجاد کرنے والے پر اس برے کام پر عمل کرنے والے تمام لوگوں کے گناہ کا بوجھ رہے گا۔ [۲]

رسول اللہ ﷺ کا یہ ارشاد ہر شخص کے لیے ہے کہ میرا پیغام سب کو پہنچا دو

حضور ﷺ کا ارشاد ہے کہ جو کوئی میری بات سنے تو وہ دوسروں تک پہنچا دے بے شک ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔

”بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً“

(میری طرف سے پہنچا دو اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔) [۳]

ایک حدیث شریف میں ہے کہ جس نے علم اس نیت سے سیکھا کہ وہ دین کی اشاعت کرے گا تو اگر وہ علم حاصل کرنے سے پہلے فوت ہو جائے تو اس کے درجے اور انبیائے کرام کے درجے کے درمیان صرف ایک درجے کا ہی فرق ہوگا۔ [۴] اور حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا:

”نَضَّرَ اللّٰہُ عَبْدًا سَمِعَ مَقَالَتِیْ فَوَعَاھَا ثُمَّ بَلَّغَھَا عَنِّیْ“ [۵]

---

[۱] سنن ترمذی، حدیث ۲۶۷۰، جلد۵، صفحہ۴۱۔

[۲] صحیح مسلم، حدیث ۱۰۱۷، جلد۴، صفحہ۲۰۵۹۔

[۳] صحیح بخاری، حدیث ۳۲۷۴، جلد۳، صفحہ۱۲۷۵۔

[۴] جامع بیان العلم، جلد۱، صفحہ۴۶۔

[۵] سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۳۶، جلد۱، صفحہ۸۶۔

(اللہ تعالیٰ اس بندے کو خوش رکھے جو میری ایک بات سن کر اس کو محفوظ رکھے پھر اسے دوسروں تک پہنچا دے)

اس سلسلے میں اس مضمون کے بعد آنے والے مضمون میں اشاعتِ دین کے متعلق کافی معلومات فراہم کردی گئی ہیں۔

تبلیغ کے واسطہ سے اسلام کو زندہ کرو

(تبلیغ یہ ہے کہ علم سیکھو اور اس کو مسلمانوں میں پھیلاؤ)

علمِ تبلیغکی برکات ۔ ہماری بھاری اکثریت افراطِ مال میں اپنی فلاح تصور کرتی ہے۔ مگر اپنی انتہائی سادگی کے باعث وہ اپنے پیغمبر علیہ السلام کی اس حدیث پر نظر نہیں رکھتی کہ علم حاصل کرنے والے کو اللہ تعالیٰ علم بھی عطا فرماتا ہے اور اس کی بدولت ان کو مال وزر اور حکومت بھی عطا فرما دیتا ہے۔ حضرت ابن عباس ص فرماتے ہیں کہ حضرت سلیمان D کو اللہ تعالیٰ نے اختیار دیا کہ علم، حکومت اور مال میں سے ایک چیز کو پسند کرلیں۔ حضرت سلیمان D نے علم کو پسند کیا تو اس کی برکت سے آپ کو مال اور حکومت بھی عطا فرمادی گئی۔ مشہور ہے کہ آپ D کی سلطنت کی وسعت مشرق سے مغرب تک تھی۔ آج بھی آپ خدا کی اس سنت میں کوئی تبدیلی نہیں پائیں گے، یعنی جو لوگ آج بھی دین کا علم سیکھتے ہیں تو اُن کو مال اور حکومت بھی عطا کی جاتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے کہ اللہ کے دین کی طرف لوگوں کو بلانے والے قیامت کے دن سب سے زیادہ سربلند ہوں گے۔ [۱] رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن تین گروہ شفاعت کریں گے پہلے انبیاء پھر علماء اور پھر شہداء۔ [۲] اس بیان سے پہلے بھی یہ حدیث گزر چکی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص علم حاصل کر رہا ہو، اس لیے کہ وہ علم سے اسلام کو زندہ کرے گا لیکن اسی اثناء میں اسے موت آجائے تو اس کے درمیان اور انبیاء علیہم السلام کے درمیان صرف ایک درجے کا فرق ہوگا یعنی دین کے علم کو پھیلانے والوں کا درجہ انبیاء علیہم السلام کے درجے سے ایک درجہ کم ہوگا۔ (اس کو کنز العمال میں روایت کیا ہے) ایک حدیث میں ہے کہ علم سیکھنے والوں کی اصل شان قیامت کے روز ہی نظر آئے گی)۔ [۳]

حضرت گیسودرازؒ نے فرمایا کہ جن لوگوں کو خدمتِ ارشاد (یعنی رشد و ہدایت پھیلانے کی خدمت) سپرد ہوتی ہے ان کی نجات ضرور ہوگی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے علم پھیلانے کی زبردست مثال قائم کی چنانچہ ایک صحابی رضی اللہ عنہ ایمان لانے کے بعد جب اپنی بستی میں واپس جاتا تو پورے علاقے کی تقدیر

---

[۱] حلیۃ الاولیاء، جلد ۷، صفحہ ۲۵۵۔

[۲] سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۳۱۳، جلد ۲، صفحہ ۱۴۴۳۔

[۳] کنز العمال، حدیث ۲۸۷۷۱، جلد ۱۰، صفحہ ۶۵۔

بدل دیتا۔ آج بھی اگر ہم اسی طرح علم کو پھیلانے کی کوشش میں مصروف ہو جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ اسلام کی روشنی سے ہر گھر منور نہ ہو جائے۔ صحابہ کرامؓ کے زمانے میں اسلام کو عروج ان کی اجتماعی کوششوں کی وجہ سے رونما ہوا اور ان کی بلندئ درجات کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ اگرچہ بعض لوگ حضرت امیر معاویہؓ کو ہدف ملامت بناتے ہیں۔ حضرت امیر معاویہؓ تو ایک اعلیٰ مرتبہ صحابی ہیں ایک عام صحابی کا مرتبہ اس قدر بلند ہے کہ ان کے جہاد پر جاتے ہوئے گھوڑوں کے ٹاپوں سے اٹھنے والا گرد وغبار اگر میرے دامن پر پڑ جائے تو مجھے اپنے جنتی ہونے کا یقین ہو جائے۔

قرآن وحدیث میں تبلیغ کی حیثیت حضرت نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے کہ جس معاشرے میں باہمی خیر کے قیام اور شر کے مٹانے کی سعی نہیں ہوتی وہ بالآخر ہلاک ہو جاتا ہے۔[1] ترمذی کی ایک حدیث شریف میں رسول اکرم حضرت محمد ﷺ کا ارشاد ہے کہ قسم ہے اس کی جس کے قبضے میں میری جان ہے تمہیں نیکی کی ہدایت کرنا ہوگی اور برائی سے روکنا ہوگا ورنہ عین ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ تم پر عذاب بھیج دے پھر تم اس کو پکارو گے تو تمہیں جواب نہ آئے گا۔[2] آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میری امت دنیا کو بڑی شے سمجھنے لگے گی تو اسلام کی وقعت اس کے دل سے نکل جائے گی، جب نہی عن المنکر چھوڑ دے گی تو وحی کی برکات سے محروم ہو جائے گی اور جب گالی گلوچ پر اتر آئے گی تو خدا کی نظر سے گر جائے گی، [3] چنانچہ آج جو بھی اصلاحی کام میں حصہ لیتا ہے اس کی خدمت کو بھی اللہ تعالیٰ اپنی ذاتی خدمت تصور کرتا ہے، جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ○ "

(اے ایمان والو! اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ تمہاری مدد فرمائے گا اور (جہاد میں) تمہیں ثابت قائم رکھے گا) (محمد: ۷)۔

اس آیت میں جو بات قطعی دلیل کے ساتھ ثابت ہوئی ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ مسلمانوں کی اصلاح میں منسلک ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان کی مدد پر آمادہ رہتا ہے۔ اگر آپ بھی اس کے دین کی مدد کرتے رہیں گے تو اللہ تعالیٰ آپ کی مدد کرتا رہے گا۔ یاد رہے کہ خدمتِ دین وہ شخص بھی کرتا ہے جو کسی خدمت گزار عالم یا

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۲۵۴۰، جلد ۲، صفحہ ۹۵۴۔

[2] سنن الترمذی، حدیث ۲۱۶۹، جلد ۴، صفحہ ۴۶۸۔

[3] سنن ابن ماجہ، حدیث ۴۰۱۲، جلد ۱، صفحہ ۲۹۰۔

صوفی کی معیت میں تھوڑا سا وقت ہی صرف کر دیتا ہے، لہٰذا خدمتِ ارشاد کے اختیار کرنے پر یعنی لوگوں کی اصلاح کرنے سے اللہ تعالیٰ آپ کی ہر مشکل حل کرنے کا وعدہ فرماتا ہے اور اگر کوئی اس کام کو اختیار کرنے میں تردد سے کام لیتا ہے تو وہ قرآن کی اس نص کا عملی طور پر انکار کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں متعدد مقامات پر اس خدمت ارشاد کی ضرورت کو لوگوں پر پیش کیا اور فرمایا:

۱۔ "وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ" يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝"

(اور تم میں سے ایسے لوگوں کی ایک جماعت ضرور ہونی چاہیے جو لوگوں کو نیکی کی طرف بلائیں اور بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں، اور وہی لوگ بامراد ہیں ۝) (آل عمران:۱۰۴)

۲۔ "كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ "

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کی ہدایت اور بھلائی کے لیے ظاہر کی گئی ہو تم حکم دیتے ہو نیکی کا اور روکتے ہو برائی سے) (آل عمران:۱۱۰)

۳۔ "اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ"

(اپنے رب کی راہ کی طرف بلاؤ پکی تدبیر اور اچھی نصیحت سے، اور ان سے اس طریقے سے بحث کرو جو سب سے بہترین ہو) (النحل:۱۲۵)

۴۔ "وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِىْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ"

(اس سے زیادہ کس کی بات اچھی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیکی کرے اور کہے کہ میں مسلمان ہوں) (حٰم السجدہ:۳۳)

علماء انبیاء کے جانشین ہیں درج بالا آیات سے معلوم ہوا کہ عوام کی اصلاح خدا کی نظر میں اس قدر بلند مقام رکھتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی اصلاح کی تکمیل کے لیے اپنی بہترین مخلوق یعنی انبیاء علیہم السلام کو اس مہم کے لیے تعینات فرمایا۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ انبیاء کا سلسلہ منقطع ہو گیا لیکن لوگوں کی اصلاح کا کام علماء کے سپرد کر دیا گیا اور فرمایا کہ یہ علماء انبیاء کے اصلاحی کام کے وارث ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی حدیث "اَلْعُلَمَآءُ وَرَثَةُ الْاَنْبِيَآءِ"[1] بھی اسی طرف اشارہ کرتی ہے۔ احادیث میں ہے کہ شیطان پر ایک فقیہ سو عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔ کچھ روایات میں ایک مبلغ فقیہ کا ایک ہزار یا ایک لاکھ عابدوں سے زیادہ افضل ہونا بھی وارد ہے۔ [2]

علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۲۶۸۲، جلد ۵، صفحہ ۴۸۔

[2] سنن الترمذی، حدیث ۲۶۸۱، جلد ۵، صفحہ ۴۸۔

صحبت پیر روم سے مجھ پہ ہوا یہ راز فاش
لاکھ حکیم سر بجیب ایک کلیم سر بکف

علم کی شان حضرت حسن بصریؒ کی روایت ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا کہ میرے جانشینوں پر اللہ کی رحمت ہو اور جب دریافت کیا گیا کہ آپ ﷺ کے جانشین کون ہیں؟ تو فرمایا کہ جو میری سنت سے محبت رکھتے ہیں اور بندگان خدا کو تعلیم دیتے ہیں[1] حضرت ابراہیم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی نازل ہوئی کہ میں علیم ہوں اور ہر صاحب علم سے محبت رکھتا ہوں۔ ایک روایت میں ہے کہ علم دل سے جہالت کے بے بصری کو اس طرح دور کر دیتا ہے جس طرح چاند اندھیرے کو۔[2]

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ جس جگہ قرآن کی تعلیم اور مذاکرہ ہو وہاں انوارِ خداوندی نازل ہوتے رہتے ہیں اور فرشتے ان کو گھیرے میں لے لیتے ہیں۔[3] ایک حدیث میں ہے کہ جنہوں نے علم حاصل کیا اور دنیاوی طور پر کچھ حاصل نہ کیا ایسے عالم کے لیے فرشتے، زمین کے مویشی، فضاء کے پرندے، پانی کی مچھلیاں اور کراماً کاتبین تک خدا کے حضور دعا کرتے ہیں۔ جو علم حاصل کرنے کی کوشش کے باوجود حاصل نہ کر سکا، اس کے لیے ایک حصہ ثواب ہے اور جو حاصل کرے اس کے لیے دو حصے اجر ہے۔[4]

علم والوں کی علامت یہ بیان کی جاتی ہے کہ اگرچہ اس پر علم کا اثر ظاہر نہ ہوا اور نہ ہی پتہ چلے کہ یہ عالم ہے تو بھی اس کے خشوع خضوع، تواضع مسکینیت سے معلوم ہو جائے گا کہ یہ عالم ہے کیونکہ خشوع و خضوع انبیاء کا لباس ہے اور صدیقین و علماء کی نشانی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اپنے معاملات میں ان سے مشورہ کرو جو اللہ سے ڈرتے ہیں یعنی علماء سے۔

احادیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک بلندیٔ مراتب اور رفع درجات کا ذریعہ ایمان اور علم ہے خواہ ایک ایماندار شخص محض نادار اور مفلس ہی کیوں نہ ہو کافر رئیس سے اس کا درجہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں بہت بلند ہے۔

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں۔

قطرۂ آب از وضوء قنبرےؓ
خوب تر از خون ناب قیصرے

---

[1] کنز العمال، حدیث ۲۹۳۸۲، جلد ۱۰، صفحہ ۱۱۳۔
[2] تفسیر الکبیر، جلد ۱۷، صفحہ ۷۲۔
[3] سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۲۵، جلد ۱، صفحہ ۸۲۔
[4] صحیح ابن حبان، حدیث ۸۸، جلد ۱ صفحہ ۲۸۹۔

(حضرت علیؓ کے غلام قنبرؓ کے وضو کا ایک قطرہ روم کے شہنشاہ قیصر کے خون سے زیادہ عزت والا ہے)(ا۔د:۱۶۴)

علم کے بارے صوفیاء کے نظریات صوفیائے کرام نے علم کے متعلق جی کھول کر لکھا ہے جس کو طوالت کے خوف سے بیان نہیں کیا جا سکتا، البتہ چند ایک بزرگوں کے قول نقل کیے جا رہے ہیں۔ اس سلسلے میں جلد طبع ہونے والی ہماری تصنیف "سرمایۂ ملت" ملاحظہ فرمائیں۔

حضرت علیؓ نے فرمایا کہ علم حاکم ہے اور مال محکوم ہے، مالدار چل بستے ہیں مگر علم والے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔

رَضِینَا قِسۡمَةُ الۡجَبَّارِ فِینَا لَنَا عِلۡمٌ وَ لِلۡجُهَّالِ مَالٌ

" خدائے جبار نے جو بانٹ کی ہے اس پر ہم راضی ہیں۔ ہمارے لیے علم ہے اور جاہلوں کے لیے دولت"

فَاِنَّ الۡمَالَ یَفۡنِیۡ عَنۡقَرِیۡبٌ فَاِنَّ الۡعِلۡمَ بَاقٍ لَایَزَالُ

بیشک مال تو عنقریب فنا ہونے والا ہے اور علم باقی رہنے والا ہے کبھی زوال پذیر نہ ہوگا۔[1]

حضرت ابن عباسؓ نے آیت "یَرۡفَعِ اللّٰهُ الَّذِیۡنَ اٰمَنُوۡا مِنۡكُمۡ وَالَّذِیۡنَ اُوۡتُوا الۡعِلۡمَ دَرَجٰتٍ" (اللہ تعالیٰ اونچے کرے گا درجات ان لوگوں کے جو تم میں سے ایمان لائے اور علم رکھتے ہیں)(مجادلہ:۱۱) کی تشریح میں فرمایا کہ (عام) اہل ایمان پر علماء کو سات سو درجات حاصل ہیں اور ہر دو درجوں کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ ہے۔

حضرت جعفر بن صادقؓ فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اصل کمال تَفَقُّہ فِی الدِّیۡنِ میں ہے کہ مصیبت میں ثابت قدم رہیں اور معیشت میں درست رہیں۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں جو اللہ تعالیٰ سے نہ ڈرے وہ عالموں میں سے نہیں (کیونکہ قرآن میں ہے کہ علماء ہی اللہ سے ڈرتے ہیں)۔

سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرو ورنہ علم تم سے نکل کر غیروں میں چلا جائے گا اور تم ذلیل ہو کر رہ جاؤ گے (آج یہی معاملہ مسلمانوں کے ساتھ پیش آ رہا ہے) علم دنیا میں بھی عزت ہے اور آخرت میں بھی۔

خلیفہ عبدالمالکؒ اپنے بیٹوں کو فرماتے کہ اگر تم مالدار ہو تو علم تمہارا جمال ہے اور اگر غریب رہے تو علم تمہارے لیے دولت ثابت ہوگا۔

حاتم اصمؒ نے کہا میں نے چار علوم حاصل کیے ہیں اور اب میں تمام علوم سے آزاد ہوں۔ ایک یہ کہ میرا رزق مقرر ہے، دوسرے یہ کہ میرے اوپر اللہ کے جو حقوق عائد ہوتے ہیں وہ میرے سوا کوئی دوسرا ادا نہیں کر سکتا،

---

[1] مرقاۃ المفاتیح، جلد ۱۱، صفحہ ۳۵۸۔

تیسرے یہ کہ میری موت میری طالب ہے جس سے فرار ممکن نہیں اور میں اس کے لیے تیار ہوں اور چوتھا یہ کہ خدا مجھے ہر وقت دیکھتا ہے اور میں ایسے فعل سے شرم کرتا ہوں جس سے کل قیامت کے دن شرمندہ ہونا پڑے۔

حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں کہ علم ایک حرف ہے جو دونوں جہانوں میں تیرے لیے کافی ہے اور وہ حرف اللہ کا نام لینا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں اَلْعِلْمُ نُکْتَۃٌ وَکَثْرَتُھَا لِلْجُھَّالِ (اصل علم ایک نقطہ ہے اور اس کی کثرت جاہلوں کے لیے ہے)[1]

اسلام کی حالتِ غربت میں مدد کرو حضور ﷺ نے خود اپنی زندگی لوگوں کی اصلاح میں صرف فرمائی اور حکم دیا بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ اٰیَۃً (یعنی میری طرف سے لوگوں تک پہنچا دو اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو) [2]

حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ آج اسلام بہت غریب ہو رہا ہے آج جو شخص اس کی خاطر ایک پیسہ خرچ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو کروڑوں روپوں کے بدلے قبول فرمائے گا۔ اس وقت دین کو تقویت دینے کا اجر زیادہ ہے۔ آج کوئی کمال، دعوت اور تبلیغ کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ ایک حدیث میں رسول ﷺ کا ارشاد ہے کہ ایک ایسا الحاد کا وقت آئے گا کہ جو میری ایک سنت کو ادا کرے گا اس کو سو شہیدوں کا ثواب ہو گا۔[3] حضرت مجدد الف ثانیؒ فرماتے ہیں کہ اب یہ وہی وقت ہے، کہا جاتا ہے کہ موجودہ وقت میں بلاؤں پر صبر اور نعمتوں پر شکر کرنا ایک عظیم الشان انقلاب پیدا کر دیتا ہے اور جو لوگ اس کے علاوہ عوام کی اصلاح میں لگے رہتے ہیں تو ایسے لوگوں کے لیے کائنات کی تسخیر آسان ہو جاتی ہے۔ جب بندہ اللہ تعالیٰ سے محبت کرتا ہے تو اس کو اللہ تعالیٰ آزمائش کی غرض سے مصیبتوں میں مبتلا کرتا ہے لیکن ان بلاؤں پر اس کو انعام بھی ملتا ہے کیونکہ اگر صبر کرے تو اللہ تعالیٰ اسے پسندیدہ بنا دیتا ہے اور اگر راضی رہے تو برگزیدہ بنا دیتا ہے، بشرطیکہ لوگوں کی اصلاح میں بھی حصہ لیتا رہے۔

آخر میں قارئین سے استدعا ہے کہ وہ کچھ نہ کچھ دینی تعلیم ضرور حاصل کریں اور ہفتے میں دو تین گھنٹے ہی اہل اللہ کے ساتھ گزاریں تا کہ ان کی تبلیغی محافل میں شمولیت کے باعث وہ بھی اسلام کے زندہ کرنے والوں میں شامل ہو جائیں۔ یہ وقت آپ کی مدد کا تقاضا کرتا ہے۔ آپ کی ذرا سی توجہ بہت معنی خیز نتائج برآمد کر سکتی ہے۔ (وَبِاللّٰہِ التَّوْفِیْقُ)

---

[1] معارج القدس، محمد بن محمد الغزالی، متوفی ۵۰۵ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۰۹، دار الآفاق الجدیدہ، بیروت۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۳۲۷۴، جلد ۳، صفحہ ۱۲۷۵۔

[3] مشکوۃ المصابیح، حدیث ۱۷۶، جلد ۱، صفحہ ۶۲۔

اولیائے کرامؒ کی نگاہوں سے بھی تبلیغ ہوتی ہے

حضرت مجدد الف ثانیؒ مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ میں نے طریقت میں جو کچھ حاصل کیا ہے وہ ان مشائخ کی نگاہِ التفات کا نتیجہ ہے جن کے ذریعے میں نے ارادت میں قدم رکھا ہے اور ان کی ایک نگاہ سے میں نے وہ کچھ سیکھا ہے جو لوگوں کو چالیس دنوں کی چلہ کشی میں بھی میسر نہیں آسکتا اور ان کی گفتگو سے وہ کچھ پایا ہے جو دوسرے برسوں میں بھی حاصل نہ کر سکے (راقم الحروف کی کتاب ''تشکیل بیعت'' کے صفحہ ۷۰ سے ۹۱ تک مطالعہ فرمائیں)

روایات میں ہے کہ ایک عالم فاضل شخص حضرت مجددؒ کی زیارت کے لیے آئے مگر کچھ عرصہ آپؒ کی مجلس میں بیٹھنے کے باوجود وہ آپؒ کے کلام سے مستفیض نہ ہو سکے کیونکہ اس دوران حضرت خاموشی کے ساتھ ہی بیٹھے رہے۔ آخر وہ شخص آپؒ کی بارگاہ سے باہر آ کر لوگوں سے کہنے لگا کہ ہم تو آپؒ کے کلام سے مستفیض ہونے کے لیے آئے تھے مگر آپؒ نے کوئی کلام ہی نہیں فرمایا۔ جب یہ بات حضرت مجدد الف ثانیؒ تک پہنچی تو آپؒ نے فرمایا ''جس کو ہماری خاموشی سے کچھ حاصل نہ ہو سکا وہ ہمارے کلام سے بھی استفادہ نہیں کر سکے گا''۔ آپ کے کلام سے مراد یہ تھی کہ اولیائے کرام کی خاموشی بھی گفتگو سے کم نہیں۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا:

ع خموشی گفتگو ہے بے زبانی ہے زبان میری

طریقت کے اصولوں میں ایک اصول یہ بھی شامل ہے کہ جب کوئی شخص اولیائے کرام کی مجلس میں جائے تو کوئی کلام نہ کرے حتیٰ کہ وظائف اور درود شریف بھی نہ پڑھے۔ اولیاء کرام کا فرمان ہے کہ ''پیر کی مجلس فائدے کے اعتبار سے ذکرِ حق سے بہتر ہے۔'' (سایۂ پیر بہ از ذکرِ حق) اس میں راز یہ ہے کہ شیخ کے بدن سے ایسی شعاعیں نکلتی ہیں جن سے مریدوں کو فیض ملتا ہے اور ان کے وہ کام درست ہو جاتے ہیں جو عبادات اور وظائف سے بھی حل نہیں ہو سکتے، کیونکہ شیخ کے وسیلے سے مرید کا تعلق عالمِ ملکوت سے ہو جاتا ہے۔

احیائے سُنّت احادیثِ پاک کی روشنی میں

احیائے سنت سے متعلقہ بہت سی احادیث مبارکہ مطالعہ میں آتی ہیں۔ ایسی احادیث میں سے چند مشہور احادیث یہاں پر یکجا کی جا رہی ہیں تا کہ ان کا بروقت مطالعہ کیا جا سکے۔ ان میں سے کچھ احادیث مضامین کے اعتبار سے مختلف مقامات پر بیان ہو چکی ہیں لیکن حدیثوں کے یکجا کرنے کی غرض سے چند احادیث کی عبارتیں یہاں دہرا دی گئی ہیں، ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ "لَوْكَانَ مُوْسٰى حَيًّا مَاوَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ"

(اگر حضرت موسیٰ ؑ موجود ہوتے تو ان کے لیے میری پیروی کے بغیر چارہ نہ ہوتا)[۱]

۲۔ "وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ لَوْ بَدَالَكُمْ مُوْسٰى فَاتَّبَعْتُمُوْهُ تَرَكْتُمُوْنِیْ لَضَلَلْتُمْ عَنْ سَوَآءِ السَّبِيْلِ"

(قسم اس ذات کی جس کے قبضہ قدرت میں محمد مصطفیٰ ﷺ کی جان ہے اگر موسیٰ ؑ تمہارے سامنے تشریف لے آتے اور تم ان کی پیروی کر کے مجھے چھوڑ دیتے تو سیدھے راستے سے بھٹک جاتے)[۲]

۳۔ "عَلَيْكُمْ بِسُنَّتِیْ"

(زندگی کے نشیب و فراز میں) میری سنت پر عمل کرنا لازم کرلو)[۳]

۴۔ "مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِیْ فَلَيْسَ مِنِّیْ"

(جس نے میری سنت سے روگردانی کی اس کا مجھ سے کچھ تعلق نہیں)[۴]

۵۔ "مَنْ تَمَسَّكَ بِسُنَّتِیْ عِنْدَ فَسَادِ اُمَّتِیْ فَلَهٗ اَجْرُ مِائَةِ شَهِيْدٍ"

(فساد امت کے وقت جو شخص میری سنت پر عمل کرے گا۔ اسے سو شہیدوں کا ثواب عطاء ہوگا)[۵]

۶۔ "اَوَّلُ ذِهَابِ الدِّيْنِ تَرْكُ السُّنَّةِ"

(دین اسلام کے مٹنے کی ابتداء ترک سنت سے ہوگی)[۶]

۷۔ "خَيْرُ الْهَدْيِ هَدْیُ مُحَمَّدٍ"

(سب سے بہتر سیرت محمد ﷺ کی سیرت ہے)[۷]

۸۔ "مَنْ اَحَبَّ سُنَّتِیْ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ وَمَنْ اَحَبَّنِیْ كَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّةِ"[۸]

(جس نے میری سنت سے محبت کی اس نے مجھ سے محبت کی اور جس نے مجھ سے محبت کی وہ جنت میں میرے ساتھ ہوگا)

۹۔ "مَنْ اَحْيَا سُنَّةً مِّنْ سُنَّتِیْ قَدْ اُمِيْتَتْ بَعْدِیْ فَاِنَّ لَهٗ مِنَ الْاَجْرِ مِثْلَ اُجُوْرِ مَنْ عَمِلَ بِهَا"

(جس نے میرے بعد میری کسی مٹی ہوئی سنت کو زندہ کیا اسے اس پر عمل کرنے والے سب لوگوں کے برابر

---

[۱] اضواء البیان، جلد ۱، صفحہ ۳۸۶۔ [۲] سنن الدارمی، جلد ۱، صفحہ ۱۵۶۔ [۳] اضواء البیان، جلد ۷، صفحہ ۲۵۹۔

[۴] سنن نسائی، جلد ۳، صفحہ ۲۶۴۔ [۵] مشکوٰۃ المصابیح، جلد ۱، صفحہ ۶۲۔ [۶] سنن الدارمی، جلد ۱، صفحہ ۵۸۔

[۷] صحیح مسلم، حدیث ۸۶۷، جلد ۲، صفحہ ۵۹۲۔ [۸] الترمذی ح ۲۶۷۸، جلد ۵، صفحہ ۴۶۔ [۹] مشکوٰۃ، ح ۱۶۸، جلد ۱، صفحہ ۶۲۔

ثواب ملے گا۔)[۹]

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اگر کوئی شخص بہت بڑا دینی درجہ حاصل کرنا چاہے تو اسے احیائے سنت میں مصروف ہونا چاہیے کیونکہ مٹی ہوئی سنتوں پر عمل کرنے سے (۱۰۰) سو شہید کا ثواب ملتا ہے۔[۱] سنتوں پر عمل کرنے والا اللہ تعالیٰ کا محبوب بندہ ہو جاتا ہے۔ اس سے آسمانوں کے فرشتے پیار کرتے ہیں، زمین والے قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں، عوام و خواص میں مقبول ہو جاتا ہے۔ سنتوں پر عمل کرنے کی بدولت رسولِ اکرم ﷺ کی سچی محبت اور سچا عشق نصیب ہو جاتا ہے جو دنیا اور عقبیٰ کی سب نعمتوں سے اعلیٰ نعمت ہے، جس میں کامیاب ہونے سے اسے دنیا و آخرت کی سعادتیں نصیب ہوتی ہیں۔ حضرت ابو درداء سے متعلق حضرت جبرائیل ؑ نے حضور ﷺ کو بتایا کہ یہ زمین کی نسبت آسمان پر فرشتوں میں زیادہ پہچانے جاتے ہیں کیونکہ یہ سورہ اخلاص کی بہت زیادہ تلاوت کرتے ہیں۔

چند اہم سنتوں کا مختصر تذکرہ

انسانی اخلاق و کردار، جسمانی و معاشرتی اصول اور چند دیگر معاملات پر حضور ﷺ کے ارشاد عوام کی معلومات کے لیے نیچے بیان کیے جا رہے ہیں تاکہ ان سنتوں کا احیاء قائم ہو سکے ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ چغل خوری بدترین خصلت حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے کہ جو لوگ چغلیاں کرکے دوستوں میں جدائی ڈالیں اور پاک دامن بندوں پر تہمت لگا کر انہیں پریشان کریں وہ بدترین بندے ہیں۔[۲]

۲۔ سلام و مصافحہ سنت ہے مشکوٰۃ شریف میں روایت ہے کہ حضور ﷺ نے لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی عبادت پر راغب کرنا، بندگانِ خدا کو کھانا کھلانے کے ساتھ سلام و مصافحہ کو خوب پھیلانے کی بھی تاکید فرمائی جو سلامتی کے ساتھ جنت میں پہنچنے کا ذریعہ ہے۔[۳] (جامع ترمذی بروایتِ حضرت عبداللہ بن عمرو ؓ بن العاص) اور صحیح مسلم شریف میں حضرت ابو ہریرہ ؓ کی روایات سے پتہ چلتا ہے کہ سلام باہمی محبت و یگانت کا ذریعہ ہے، یہی وجہ ہے کہ سلام کو خوب پھیلانے کی تاکید آئی ہے۔

۳۔ اکل حلال سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہ ؓ سے روایت ہے کہ حضور علیہ السلام نے رزقِ حلال کمانے والے کو سب سے بہتر قرار دیا[۴] اور شعب الایمان بیہقی میں ہے کہ اپنے اہل و عیال کی روزی اور آرام و آسائش اور اپنے پڑوسیوں کے ساتھ احسان و حسن سلوک کی غرض سے دولتِ حلال کمانے والے کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح روشن اور چمکتا ہوگا۔

---

[۱] مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۱۷۶، جلد۱، صفحہ ۶۲۔
[۲] تحفۃ الاحوذی، جلد۶، صفحہ ۱۲۵۔
[۳] مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۳۸۲۲، جلد۲، صفحہ ۱۱۲۳۔
[۴] شرح سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۱۳۸، جلد۱، صفحہ ۱۵۵۔

۴۔ صدقات اور عاجزی سے عزت بڑھتی ہے حضرت ابو ہریرہ ؓ سے حدیث پاک مروی ہے کہ صدقہ سے مال میں کمی نہیں آتی۔[۱] اسی طرح فرمایا گیا کہ قصور معاف کر دینا عزت میں اضافے کا باعث ہے اور یہ بھی فرمایا گیا کہ خاکساری کا رویہ اختیار کرنے سے اللہ تعالیٰ بندے کو رفعت اور بالاتری بخشتا ہے۔[۲]

قربانی سب سے زیادہ محبوب عمل ہے جامع ترمذی میں حضرت عائشہ ؓ کی روایت کے مطابق عیدالاضحیٰ کے دن قربانی کا عمل اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ محبوب ہے اور قربانی کے خون کا قطرہ گرنے سے پہلے یہ عمل مقبول بارگاہِ الٰہی ہو جاتا ہے۔[۳]

قرض معاف نہیں ہوتا صحیح مسلم میں حضرت عبداللہ ؓ سے روایت ہے کہ شہید کے تمام گناہ بخش دیئے جائیں گے مگر قرض معاف نہیں کیا جائے گا اور حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ جو شخص قرض واپس نہ کرنے کی نیت سے لے تو اللہ تعالیٰ اس کے مال کو تلف اور ضائع کر دیتا ہے۔ حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ مقروض سے کسی قسم کا فائدہ، ہدیہ، تحفہ قبول نہیں کرنا چاہیے۔[۴]

مزدوری جلد ادا کرنا سنت ہے حضرت عبداللہ بن عمر ؓ سے روایت ہے کہ رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ مزدور کو اس کا پسینہ خشک ہونے سے پہلے مزدوری دے دو۔[۵]

جھوٹی گواہی شرک کے برابر ہے ایک حدیث پاک میں حضور علیہ السلام نے جھوٹی گواہی کو شرک باللہ کے برابر قرار دیا ہے۔[۶]

سچی بات کہہ دینے کا حکم حضرت ابوذر ؓ کی روایت کے مطابق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ سچی بات کہہ گزرو اگرچہ لوگوں کو کڑوی لگے اور حضرت زید بن خالد ؓ کی روایت میں ہے کہ گواہی کی بابت دریافت کرنے سے پہلے گواہی ادا کرنے والا بہترین گواہ ہے۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں بروایت حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ یہ مروی ہے کہ ہمیشہ سچ بولنے والے کو اللہ کے یہاں صدیق لکھ دیا جاتا ہے اور جھوٹ بولنے والے کو کذاب لکھ دیا جاتا ہے۔[۷]

---

[۱] کنز العمال، حدیث ۱۵۷۶۳، جلد ۶، صفحہ ۱۲۶۔

[۲] صحیح مسلم، حدیث ۲۵۸۸، جلد ۴، صفحہ ۲۰۰۱۔

[۳] سنن الترمذی، حدیث ۲۰۲۹، جلد ۴، صفحہ ۳۷۶۔

[۴] جواہر العقود، جلد ۱، صفحہ ۱۱۲۔

[۵] سنن ابن ماجہ، حدیث ۲۴۴۳، جلد ۴، صفحہ ۴۲۳۔

[۶] صحیح بخاری، حدیث ۵۶۳۲، جلد ۵، صفحہ ۲۲۳۰۔

[۷] صحیح مسلم، حدیث ۲۶۰۷، جلد ۴، صفحہ ۲۰۱۳۔

اچھا طریقہ ایجاد کرنا باعثِ اجر صحیح مسلم میں حدیث پاک ہے کہ جس نے اسلام میں اچھا طریقہ قائم کیا اور لوگوں نے اس پر عمل کیا تو سب لوگوں کے برابر اس شخص کو اجر ملے گا اور عمل کرنے والوں کے ثواب میں بھی کمی نہ ہوگی۔ اگر کسی نے برا طریقہ ایجاد کیا اور لوگوں نے عمل کیا تو اس کے ذمہ سب لوگوں کا وبال بھی لکھ دیا جاتا ہے۔ [1]

تبلیغ صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نیک راہ کی طرف بلانے والے کو ان لوگوں کے اجر کے برابر ثواب بھی ملے گا جو اس کے کہنے پر ہدایت کی پیروی کریں گے۔ [2]

وعظ و نصیحت میں ناغہ سنت ہے حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہم لوگوں کو ناغہ دے کر نصیحت فرماتے تھے تاکہ ہم لوگ اکتا نہ جائیں۔ [3]

ذخیرہ اندوزی باعثِ لعنت سنن ابن ماجہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غلہ کو گرانی کے خیال سے روکنے اور بند کر کے رکھنے والے تاجر کو ملعون قرار دیا۔

غصب باعثِ نار ہے صحیح مسلم میں حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معمولی سی چیز پیلو کی لکڑی کو غصب کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ اس کے لیے دوزخ واجب اور جنت حرام ہے۔ [4]

رشوت باعثِ لعنت ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے لعنت کی ہے اس پر جو رشوت دے اور اس پر جو حاکم ہو کر رشوت لے۔ [5]

قیامت کے دن سب سے پہلے خون کا فیصلہ ہوگا حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کے دن سب سے پہلے خون کے معاملات کا فیصلہ کیا جائے گا۔ [6]

غصہ پر قابو پانا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے غصہ کے وقت اپنے آپ پر قابو رکھنے والے کو شہ زور اور پہلوان قرار دیا ہے۔ [7]

خفیہ دشمنی رکھنے والے کی بخشش نہیں ہوتی صحیح مسلم کی ایک روایت کے مطابق ہر پیر اور جمعرات کو

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۱۰۱۷، جلد ۲، صفحہ ۷۰۵۔

[2] صحیح ابن حبان، حدیث ۳۳۰۸، جلد ۸، صفحہ ۱۰۱۔

[3] صحیح بخاری، حدیث ۷۰، جلد ۱، صفحہ ۳۹۔

[4] صحیح مسلم، حدیث ۱۳۷، جلد ۱، صفحہ ۱۲۳۔

[5] صحیح ابن حبان، حدیث ۵۰۷۶، جلد ۱۱، صفحہ ۴۶۷۔

[6] صحیح بخاری، حدیث ۶۴۷۱، جلد ۶، صفحہ ۲۵۱۷۔

[7] صحیح بخاری، حدیث ۵۷۶۳، جلد ۵، صفحہ ۲۲۶۷۔

جنت کے دروازے کھولے جاتے ہیں اور ہر اس شخص کو بخشا جاتا ہے جو کسی چیز کو اللہ کا شریک نہیں بناتا البتہ جو اپنے مسلمان بھائی سے اندرونی دشمنی رکھے اس کو نہیں بخشا جاتا۔

خودکشی منع ہے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص خود اپنا گلا گھونٹ کر خودکشی کرے گا وہ دوزخ میں بھی اپنا گلا گھونٹے گا اور جو خود اپنے آپ کو چھریاں وغیرہ مار کر خودکشی کرے گا وہ اسی طرح دوزخ میں اپنے آپ کو چھریاں مارے گا۔[1]

موت کی آرزو نہیں کرنی چاہیے حضور علیہ السلام نے موت کی آرزو سے منع فرمایا ہے۔ اگر نیکوکار ہے تو ممکن ہے کہ اس کے اعمالِ صالح میں زیادتی ہو جائے اور اگر بدکار ہے تو ممکن ہے کہ وہ آئندہ اللہ کو خوش کر سکے۔[2]

ابتلاء و آزمائش پر صبر مسندِ احمد سنن ابوداؤد میں ایک روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد گرامی ہے کہ بندۂ مومن کا طے شدہ بلند مقام عطا فرمانے کے لیے اللہ تعالیٰ بندے کو کسی جسمانی، مالی اور اولاد کی طرف سے کسی صدمہ اور پریشانی میں مبتلا کر دیتا ہے پھر اس کو صبر کی توفیق دے دیتا ہے اور اس کی وجہ سے اسے بلند مقام پر پہنچا دیا جاتا ہے۔ ابتلا پر ہماری کتاب ''نشانِ منزل'' پڑھیں۔

آدابِ معاشرت صحیح مسلم میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے مطابق حضور علیہ السلام نے بائیں ہاتھ سے کھانے، صرف ایک پاؤں میں جوتی پہن کر چلنے، ایک ہی چادر کو اپنے اوپر لپیٹ کر اپنے آپ کو بند کرنے اور ایک ہی کپڑے میں اس طرح بیٹھنے سے منع فرمایا کہ اس کا ستر کھلے۔[3] اسی طرح حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ جو کوئی اپنا کپڑا تکبر اور فخر کے طور پر لٹکا دے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھے گا۔[4]

نشہ کرنے والا جنت میں شرابِ طہور سے محروم رہے گا صحیح مسلم میں حدیث پاک ہے کہ ہر نشہ آور چیز حرام ہے اور جو کوئی اس حال میں مرے کہ شراب پیتا ہے اور توبہ بھی نہ کی ہو تو وہ آخرت میں جنت کی شرابِ طہور سے محروم رہے گا۔[5]

مساجد بنانے کا حکم حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے محلوں میں مسجدیں بنانے کا حکم دیا اور یہ بھی حکم دیا کہ ان کی صفائی کا اور خوشبو کے استعمال کا اہتمام کیا جائے۔[6]

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۱۰۹، جلد ۱، صفحہ ۱۰۳۔ [2] صحیح بخاری، حدیث ۵۳۴۹، جلد ۵، صفحہ ۲۱۴۷۔

[3] علل الحدیث، عبدالرحمٰن بن محمد، متوفی ۳۲۷ھ، حدیث ۲۳۱۵، جلد ۲، صفحہ ۳۰۰، دارالمعرفۃ، بیروت۔

[4] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۱۷۲۳۵، جلد ۴، صفحہ ۱۳۳۔ [5] صحیح مسلم، حدیث ۲۰۰۲، جلد ۳، صفحہ ۱۵۸۷۔

[6] سنن نسائی، حدیث ۶۸۸، جلد ۲، صفحہ ۳۸۔

پیر اور شوال کے نفلی روزے صحیح مسلم میں ہے کہ پیر کے روز حضور علیہ السلام کی ولادت ہوئی اور اسی روز قرآن نازل ہونا شروع ہوا، لہٰذا پیر کا روزہ باعث اجر و ثواب ہے اور حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق رمضان کے روزوں کے بعد شوال کے چھ روزوں کا ثواب ہمیشہ روزہ رکھنے کے برابر ہے۔

عمل تبلیغ سے بشر کی تقدیر بدل دی جاتی ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے اپنی زندگی کا ایک ایک لمحہ عوام کی اصلاح میں صرف کر دیا۔ عوام کی اصلاح کرنا پیغمبروں کے فریضے میں شامل ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شب و روز اسی فریضے کو ادا کرنے میں مصروف رہے۔ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور علیہ السلام نے حاضرین کو مخاطب کر کے فرمایا ''اَلَا فَلْیُبَلِّغِ الشَّاھِدُ الْغَائِبَ'' (دیکھو! جو لوگ موجود ہیں وہ ان لوگوں کو جو موجود نہیں ہیں، پہنچا دیں)۔[1] اس کی تبلیغ کرتے رہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اس فرمان کا مقصد یہ تھا کہ ہر شخص کے علم میں دینی احکامات کا پیغام پہنچ سکے۔

اسلام دین قیم ہے جس نے عالم بشریت کی تقدیر بدل دی اس کی تبلیغ ایک اہم ترین فریضہ ہے۔ اگر اس ملت میں ایسے افراد نہ ہوں جو اس پیغام رحمت کو دنیا کے گوشہ گوشہ تک پہنچانے کے لیے اپنے آپ کو وقف کر دیں تو یہ عالمگیر پیغام ہدایت چند ملکوں میں محدود ہو کر رہ جائے گا اور یہ اس پیغام سے بھی ناانصافی ہوگی اور ان قوموں پر بھی ظلم ہوگا جو گھپ اندھیروں میں بھٹک رہی ہیں اور جن کی زندگی کی تاریک رات کسی روشن چراغ کے لیے ترس رہی ہے۔ نیز وہ قوم اور ملک جس نے اس دین کو قبول کر لیا ہے اس کے آئینہ دل پر بھی غفلت کی گرد پڑ سکتی ہے، ان کی گرمیٔ عمل بھی سستی کا شکار ہو سکتی ہے اور اردگرد کے گمراہ کن تاثرات سے بھی وہ متاثر ہو سکتے ہیں۔ اگر ایسی ہستیاں نہ ہوں جن کا کام ہی اسلام کے حکیمانہ انداز سے لوگوں کو خوابِ غفلت سے بیدار کرنا ہے اور ان کے گرمیٔ عمل کو باقی رکھنا اور خارجی اور اجنبی تاثرات و تحریکات سے ان کے دل و دماغ کو محفوظ رکھنا ہو تو بہت سی گمراہیاں خود اس قوم کے اُن افراد کی راہ کو روک سکتی ہیں جو اس دین کے علمبردار ہیں۔ یہ دونوں کام یعنی ملتِ اسلامیہ کو شاہراہِ اسلام پر ثابت قدم رکھنا اور غیر مسلم اقوام تک یہ پیغام رشد و ہدایت پہنچانا جتنے اہم اور ضروری ہیں اتنے ہی مشکل اور پیچیدہ بھی ہیں۔ اس لیے ایک ایسی جماعت تیار کرنا ملت کا اجتماعی فریضہ ہے جس کا علم و عمل، ظاہر و باطن، سیرت و کردار رسول اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مظہرِ کامل ہو۔ ان میں علومِ اسلامیہ میں مہارتِ تامہ کے ساتھ ساتھ سیرت کی پاکیزگی، کردار کی پختگی اور ظاہر و باطن کی یکسانیت

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۴۰۴۴، جلد ۳، صفحہ ۱۵۶۳۔

پیدا کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ اس کے لیے جس بڑی سے بڑی مالی قربانی، ایمانی فراست، قلبی بصیرت اور روحانی تربیت کی ضرورت ہے وہ مکمل ہونی چاہیے۔ اگر ملت کے یہ چند افراد اپنے اس اہم ترین فریضہ کو ادا نہ کریں گے تو وہ اللہ تعالیٰ کی جناب میں اپنی اس کوتاہی کے لیے جواب دہ ہوں گے۔

تاریخ شاہد ہے کہ جب تک ایسے افراد تیار ہوتے رہے، گلشن اسلام میں فصل بہار رہی۔ جب تک مدارس اسلامیہ غزالیؒ، رازیؒ، سعدیؒ اور بیضاویؒ اور کچھ خانقاہیں جو رومیؒ، ہجویریؒ، اجمیریؒ، زکریاؒ ملتانی، شیخ سرہندیؒ جیسی فخرِ روزگار ہستیاں تیار کرتی رہیں تو کفر کے ظلمت کدے اسلام کے نور سے روشن ہوتے رہے اور حق کی قوت باطل کے قلعوں کو مسخر کرتی رہیں، لیکن اب؟ ”رویم ببیں حالم مپرس“ (یعنی میرا چہرہ دیکھ لو اور میرا حال نہ پوچھو)۔ میرے چہرے پر میری حرماں نصیبیوں کی داستان کا ہر حرف کنندہ ہے۔

پڑوسی کو برائی سے نہ روکنا خیانت ہے حضرت امام احمد بن حنبلؒ ایک حدیث نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ قیامت کے دن ایک شخص اپنے پڑوسی کے خلاف بارگاہِ خداوندی میں دعویٰ کرے گا کہ یا اللہ! دنیا میں یہ میرا پڑوسی تھا اور اس نے میرے ساتھ خیانت کی۔ دوسرا شخص عرض کرے گا کہ اے اللہ! تیری عزت اور تیرے جلال کی قسم میں نے نہ کبھی اس کے مال میں خیانت کی اور نہ اس کے اہل میں۔ مدعی (دعویٰ کرنے والا) عرض کرے گا کہ یہ تو ٹھیک ہے کہ اس نے میرے مال اور اہل کے بارے میں کوئی خیانت نہیں کی لیکن یہ مجھے گناہوں اور برائیوں میں مبتلا دیکھتا رہا تھا مگر پھر بھی مجھے سمجھانے کی کوشش نہیں کرتا تھا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام مزید فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ اسی جرم کی سزا میں اس مدعا علیہ کے لیے دوزخ کا فیصلہ سنا دے گا۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اجر حضرت سیدنا ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ حضرت سیدنا ابوبکر صدیق ؓ نے عرض کیا ”یارسول اللہ ﷺ کیا مشرکین سے جنگ کے بغیر بھی جہاد ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا ہاں، اے ابوبکر ؓ اللہ تعالیٰ کے ایسے مجاہدین بھی زمین پر ہیں جو کہ ان شہداء سے افضل ہیں اور جو زندہ ہیں، انہیں روزی ملتی ہے یہ زمین پر چل رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کے ساتھ آسمان کے فرشتوں کے سامنے فخر فرماتا ہے، ان کے لیے جنت سجائی جاتی ہے“۔ حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے عرض کیا یارسول اللہ ﷺ وہ کون ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا ”نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے“۔ اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت کرنے والے اور اللہ تعالیٰ کی خاطر دشمنی کرنے والے“ پھر ارشاد فرمایا ”اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے کہ وہ بندہ بلند ترین مکان میں ہوگا جو شہداء کے مکانات سے بلند ہوگا، ہر مکان

کے تین سو دروازے ہوں گے، یاقوت اور سبز زمرد کے ہر دروازے پر روشنی ہوگی، ایسا آدمی تین لاکھ حوروں سے نکاح کرے گا جو انتہائی پاک باز اور خوبصورت ہوں گی۔ جب بھی وہ کسی ایک کی طرف دیکھے گا تو وہ کہے گی ''آپ نے فلاں دن اللہ تعالیٰ کا ذکر کیا اور آپ نے اس طرح نیکی کا حکم دیا اور برائی سے منع کیا'' الغرض جب بھی کسی حور کی طرف دیکھے گا تو وہ نیکی کا حکم کرنے اور برائی سے روکنے کی وجہ سے اس کا ایک اعلیٰ مقام بتائے گی''۔[1]

حضرت سیدنا کعب الاحبار رضی اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ جنت الفردوس خاص اس شخص کے لیے ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرے۔

برائی کو کم از کم برا جانو حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ تم میں سے جو شخص بری بات دیکھے اسے اپنے ہاتھ سے بدل دے اور اگر اس کی استطاعت نہ ہو تو زبان سے بدل دے اور اس کی بھی استطاعت نہ ہو تو دل سے یعنی اسے دل میں برا جانے اور یہ کمزور ایمان والا ہے۔[2] محدثین کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) اس حدیث مبارکہ کی شرح اس طرح بیان فرماتے ہیں کہ امراء اور حکام قوت کے ساتھ برائیوں کو روکیں۔ علماء کرام زبان سے نیکیوں کا پرچار کریں اور برائیوں سے باز رہنے کی لوگوں کو تلقین کریں اور عوام الناس کم از کم دل میں برائی کو برا ضرور جانیں۔

گناہوں سے نہ روکنے والے بھی عذاب میں گرفتار ہو سکتے ہیں ''جس قوم میں گناہ ہوتے ہوں اور نیک لوگ بدلنے پر قادر ہوتے ہوئے بھی ان کی حالت کو نہ بدلیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ سب پر عذاب بھیجے''۔[3] حضرت ابوالدرداء ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا تم نیکی کا حکم کرو، ورنہ تم پر کسی ظالم بادشاہ کو مسلط کر دیا جائے گا، جو تمہارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرے گا اور تمہارے نیک لوگ دعا کریں گے مگر ان کی دعائیں قبول نہیں ہوں گی، وہ معافی مانگیں گے مگر ان کو معافی نہیں ملے گی۔[4]

حضور علیہ السلام نے فرمایا: ''اگر لوگ بری بات دیکھیں اور اس کو نہ بدلیں تو قریب ہے کہ اللہ تعالیٰ ان پر ایسا عذاب بھیجے گا جو سب کو گھیر لے گا۔

ایک حدیث شریف میں وارد ہے کہ بنی اسرائیل نے جب گناہ کئے ان کے علماء نے منع کیا مگر وہ باز نہ آئے پھر علماء ان کی مجلسوں میں بیٹھنے لگے اور ان کے ساتھ کھانے پینے لگے۔ اللہ جلّ جلالہٗ نے علماء کے دل بھی ان جیسے کر دیئے اور حضرت داؤد اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام کی زبان سے

---

[1] مکاشفۃ القلوب، جلد ۱، صفحہ ۲۷۔

[2] صحیح مسلم حدیث ۴۹، جلد ۱، صفحہ ۶۹۔

[3] کنز العمال، حدیث ۵۵۱۷، جلد ۳، صفحہ ۳۱۔

[4] کنز العمال، حدیث ۵۳۵، جلد ۳، صفحہ ۳۱۔

ان پر لعنت کی۔ یہ اس وجہ سے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا اللہ جل جلالہ کی قسم! تم یا تو اچھی بات کا حکم کرو گے اور بری بات سے روکو گے اور حق پر ٹھہراؤ گے یا اللہ تعالیٰ تم سب کے دل ایک طرح کر دے گا، پھر تم سب پر لعنت کر دے گا جس طرح ان سب پر لعنت کی۔ (ابوداؤد)

قوم کے افراد کی اصلاح کرنا کس کے ذمہ پر ہے؟

یہ مسئلہ کہ مسلمانوں کی اصلاح کرنا کن لوگوں کی ذمہ داری ہے، یہ ایک بہت قابلِ تشویش اور خطرناک معاملہ ہے۔ اللہ والوں کے دل اس بات پر سخت پریشان ہیں کہ وہ کس کو اور کس طرح یہ فریضہ ادا کریں، کیونکہ عوام صرف ایک بات سے اپنے دلوں کو باندھ چکے ہیں اور وہ ہے عیاشی یا لذت پرستی۔ وہ کسی کی ندا اور صدا کو سننا گوارہ نہیں کرتے۔ بعض اوقات تو حضرت نوح علیہ السلام کے احوال (جو سورۂ نوح میں بیان ہیں) کی طرف خیال منتقل ہو جاتا ہے کہ آپ علیہ السلام نے بہت جدوجہد کی مگر اوسطاً ہر ۱۰۰ سال کے عرصے میں صرف، ایک شخص ہی مسلمان ہوا (ساڑھے نوسو سال میں ۸۵ لوگوں کا اسلام قبول کرنا بہت حیران کن بات ہے) ایسے بھی انبیاء گذر چکے ہیں جن کی زندگی بھر کی تبلیغ سے صرف دو، تین یا صرف ایک ہی شخص مسلمان ہوا۔ آج بھی تقریباً یہی افسوسناک صورت حال ہوتی ہے۔

باقی رہا یہ مسئلہ کہ تبلیغ کا فریضہ کون بخوبی ادا کر سکتا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء و مرسلین علیہم السلام کو اس کام کے لیے تعینات فرمایا لیکن اب تو نبوت کے خاتمے پر محض اولیاء اللہ کے ذمے یہ کام آ چکا ہے مگر گروہ مخالفین نے اولیائے کرام کے خلاف ناقابلِ بیان مخالفت شروع کر دی ہے۔ راقم الحروف نے خود لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ میں پیروں سے سخت نفرت کرتا ہوں۔ کچھ اولیائے کرام اچھا خاصا کام کر رہے ہیں لیکن اس کے باوجود ملکی افراد ان کی طرف توجہ نہیں دے رہے چنانچہ ۹۵ فیصد کے لگ بھگ لوگ ان سے دور رہنے کے باعث اصلاح سے محروم ہیں۔ مخالفینِ اسلام بہت سی رقوم خرچ کرنے کے بعد اولیائے کرامؒ کے خلاف نفرت پیدا کرنے کے قابل ہو گئے ہیں۔

جو قومی حالات دیکھنے میں آتے ہیں اس کے مطابق راقم الحروف یہ حل پیش کرتا ہے کہ اولیاء کرام اپنا عمل تبلیغ زیادہ موثر اور تیز رفتاری سے جاری رکھیں لیکن اس کا بہتر اور موثر طریقہ یہ ہے کہ قوم کے اعلیٰ طبقے کے لوگ، بااختیار افسران اور امراء اس تبلیغ میں خود کو پیش کریں۔ اس کے ثبوت میں ایک بات کہی جا سکتی ہے کہ عصا نہ ہو تو کلیمی ہے کارِ بے بنیاد۔ عصا سے مراد یہ ہے کہ کلیمی قوت کو ہمیشہ عصا کی ضرورت رہتی ہے۔ ایسے لوگ جو پاکستان گورنمنٹ کے بڑے افسر ہیں ان کی زبانوں میں اپنے عہدوں کا دبدبہ عصا کی حیثیت

رکھتا ہے اور ایسے مال دار حضرات کے ہاتھوں میں مال کی یافت بھی عوام پر مؤثر دباؤ ڈال سکتی ہے، چنانچہ یہ افسران اور روٴسا اپنی حیثیت میں جو بھی بات کرتے ہیں وہ اپنی بات کا اثر رکھتے ہیں بشرطیکہ وہ خود بھی کسی بزرگ ہستی سے کم وبیش تربیتِ تبلیغ حاصل کر سکیں۔

مذکورہ بالا حقیقت کے پیش نظر حضرت مجدد الف ثانیؒ نے مکتوبات میں یہ فرمایا ہے کہ ایک بڑے شخص کی اصلاح تو اصلاحِ کثیر کے برابر ہے، اتنے بڑے افسر یا رئیس کا کسی کو ایک جملہ کہہ دینا عام شخص کے ہزار جملوں سے زیادہ بااثر ثابت ہوتا ہے۔ راقم الحروف ہمیشہ بڑے بڑے لوگوں سے اس بات کو تاکیداً کہہ دیتا ہے کہ یہ کام ہے کہ اسے ہم اور آپ جیسے آدمی اگر اپنے ذمہ پر لیں تو یہ عام لوگوں سے زیادہ مؤثر ہو سکتا ہے۔ افسوس ہے ابھی تک سوائے چند لوگوں کے مذکورہ گروہ کے لوگوں نے خاطر خواہ رجحان ظاہر نہیں کیا۔ خدا کرے کہ ایسے کچھ لوگ اگر ہمارے ساتھ شریک ہو جائیں تو چند ہی سالوں میں قوم کی بہتری رونما ہو سکتی ہے۔ دیکھیں کون اس میدان میں آتا ہے۔

پچیسواں باب

محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اس سے پہلے کہ محبتِ رسول اللہ ﷺ پر کچھ بیان قلمبند کیا جائے، قارئین پر یہ بات عیاں کر دینا ضروری ہے کہ راقم الحروف نے ایک مفصل کتاب ''عقل وعشق اور فلسفہ خودی'' کے عنوان سے تحریر کی ہے (جو انشاء اللہ جلد زیورِ طباعت سے آراستہ ہونے والی ہے) اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہو سکے گا کہ عشق کیا اور عشقِ رسول ﷺ کی کیفیات کیا ہوتی ہیں۔

حضرت سید ابوالحسن علی بن عثمان ہجویریؒ فرماتے ہیں کہ محبت کے لفظ کا استعمال علماء کے طبقہ میں چند معانی پر ہوتا ہے۔ ایک بمعنی ارادہ جو محبوب کی طرف ہو، جس سے سکونِ نفس اور آرزوئے دل یا ہوائے نفسانی کا میلان، انس اور تعلق پیدا کیا جائے۔ یہ محبت عامۃ الخلوق میں ایک دوسرے اَبنائے جنس میں دیکھنے میں آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی محبت اس قسم کی محبت اور روابط سے برتر اور بالاتر ہے اور اس دوسری قسم کی محبت بمعنی احساس ہے جو بندے پر منجانب اللہ وارد ہوتی ہے اور اس سے بندہ برگزیدہ کر دیا جاتا ہے جس کی بدولت وہ کمالِ ولایت حاصل کرتا ہے اور گوناں گوں کرامتوں سے تخصیص حاصل کر لیتا ہے۔ تیسری قسم کی محبت بمعنی ثنائے جمیل ہے جو کسی بندے کی طرف منسوب ہو۔ قرآن کی حسبِ ذیل آیت کا مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اور رسول اللہ ﷺ کی محبت حقیقتاً ایک ہی محبت کے دو نام ہیں۔ جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہوتی ہے، اسے رسول اللہ ﷺ سے محبت کا ہونا امرِ واجب ہے۔ جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ'' (آل عمران:۳۱)

(آپ ﷺ فرمائیے (انہیں کہ) اگر تم واقعی محبت کرتے ہو اللہ تعالیٰ سے تو میری پیروی کرو (تب) محبت

فرمانے لگے گا تم سے اللہ۔)

محبت زندہ دلوں میں ہوا کرتی ہے اور زندہ دل وہ لوگ ہیں جن کے نفس اپنی خواہشات سے مر چکے ہیں۔ محبت اہلِ ایمان کے دلوں کی زندگی ہے اور روح کی غذا ہے۔ احوالِ محبت میں مقامِ رضا افضل ترین مقام ہے۔ حضرت بایزید بسطامیؒ فرماتے ہیں کہ اپنی طرف سے جتنا زیادہ کیا جائے اسے کم تصور کرنے اوز محبوب کی طرف سے کتنا ہی کم ہو اسے بہت جاننے کا نام محبت ہے۔ سچی محبت والا اپنی ہر چیز کو محبوب پر نچھاور کر دے تو وہ بھی کم سمجھتا ہے۔ جیسا کہ فرمایا:

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ○ (آل عمران:۹۲)

''یعنی تم (محبت میں) درجہ بھلائی تک ہرگز نہیں پہنچ سکتے، جب تک اللہ کے راستے میں وہ نہ خرچ کر دو جو تمہیں سب سے زیادہ عزیز ہو''۔

عشاق یہ سمجھتے ہیں کہ محبوب کے لیے اپنی ہر چیز کو قربان کر دیا جائے تا آنکہ اپنے لیے کچھ بھی باقی نہ رہے۔ اپنا سب کچھ فنا کر دے تاکہ دل میں غیر کی محبت رہنے کی جگہ ہی باقی نہ رہے۔ غرضیکہ محبت ایسی چیز کی جانب دل کے میلان کا نام ہے جو محبوب کے موافق ہو اور انسان اپنے ظاہری حواس کے ذریعے اس سے لذت و ذوق حاصل کرے جس طرح خوبصورت تصویریں، اچھی آوازیں، لذیز کھانے اور خوشبودار چیزوں سے محبت رکھتا ہے، اسی طرح حواسِ باطنیہ یعنی عقل و دل کے ادراک سے ان چیزوں سے محبت کرنا جو افعالِ حسنہ سے متعلق ہوں، محبت ہی کے میدان میں شامل ہوگا۔ مثلاً علماء و صالحین کی محبت وغیرہ۔

حضرت معین الدین چشتیؒ فرماتے ہیں کہ جب دل ماسوا اللہ سے خالی ہو جائے، یہاں تک کہ مال و دولت اور ہر شے سے خالی ہو جائے تو ایسے دل پر لطفِ حق کا نزول شروع ہوتا ہے۔ مواہب لدنیہ میں منقول ہے کہ اہلِ معرفت کے نزدیک محبت ایک کیفیت ہے جس کا بیان کرنا ناممکن ہے اور اس وقت تک معلوم نہیں ہو سکتی جب تک بطریق وجدان انسان پر وارد نہ ہو۔ اس کے معنی جھکنے اور کسی ایسی چیز کی طرف مائل ہونے کے ہیں جو اسے مرغوب ہو۔ کچھ عارف لوگ کہتے ہیں کہ تمام احوال میں محبوب کی موافقت کا نام محبت ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ محبت محبوب کی خوبیوں میں فنا ہو جانے میں ہے اور یہ بات اس وقت تک حاصل نہیں ہوتی جب تک کہ خود کو اس میں فنا نہ کر دیا جائے اور اس سے مکمل طور پر محبت نہ ہو جائے۔

کچھ واقعات ایسے نظر آتے ہیں جن میں کسی شخص کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اور اس کے مقابلے میں رسول اللہ ﷺ کی محبت سے اپنے آپ کو معذور سمجھتے ہیں (جیسا کہ حضرت رابعہ بصریؒ کا قول ہے) رسالہ قشیریہ میں ہے کہ حضرت ابو سعید خرازؒ کو رسول اللہ ﷺ سے اس قدر محبت تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کی محبت سے اپنے

آپ کو معذور سمجھتے تھے لیکن رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ سے محبت رکھتا ہے۔ بلاشبہ وہی مجھ سے محبت رکھتا ہے، جیسا کہ آپ ﷺ کا قول ہے" یَامُبَارَکُ مَنْ اَحَبَّ اللّٰہ فَقَدْ اَحَبَّنِیْ " (یعنی مبارک ہے وہ شخص جو اللہ سے محبت کرتا ہے پس اس نے مجھ سے محبت کی)[1] آپ ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ خدا کی محبت اور میری محبت ایک ہے اور یہ دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ بربنائے غلبۂ سکر اور حقیقتِ حال پر اطلاع میں عدم تمیز کی وجہ سے بظاہر نظر بصیرت پر جاتی ہے اور یہی اِتباعِ محبوب کا سبب ہے اس سلسلے میں حضرت امام حسن ؓ کا قول "محبتِ رسول ایمان کی شرطِ اولین ہے" کے موضوع میں بیان کیا جا چکا ہے۔

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ایسا شخص جو اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوا سے نشانہ طعن و لعنت نہ بناؤ۔ جیسا کہ آپ ﷺ نے فرمایا" لَا تَلْعَنُوْہُ فَاِنَّہٗ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ "[2] اصل محبت اس میلان اور کشش کا نام ہے جو کسی کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ ہو اگرچہ متابعت میں کسی قسم کی خطا و غلطی سرزد ہو جائے اِس سلسلے میں پروفیسر یوسف سلیم چشتی کی روایت یاد آتی ہے کہ علامہ اقبالؒ کی مجلس میں اِتباعِ رسول ﷺ اور عشقِ رسول ﷺ پر بحث ہو رہی تھی۔ ایک گروہ کا یہ خیال تھا کہ جسے رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے تو اس میں اِتباعِ رسول ﷺ کا پایا جانا لازمی ہے، خالی عشقِ رسول ﷺ کا دعویٰ بے معنی ہوتا ہے۔ اس پر علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ قرآن و حدیث کی رو سے اِتباع کا فریضہ اگرچہ بہت اہم اور ضروری ہے، لیکن عشقِ رسول ﷺ کا درجہ اس سے بہت بلند ہے (کیونکہ عشق میں آدابِ اتباع ایک لازمی جزو ہے) علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ اگرچہ غازی علم الدین شہیدؒ اِتباعِ شریعت میں بلند مقام نہیں رکھتے تھے لیکن عشقِ رسول ﷺ نے ان کو ایسا مقام عطا کر دیا جو صرف عشقِ رسول ﷺ کا ہی خاصہ تھا۔ کہتے ہیں کہ پھانسی سے ایک روز پہلے غازی علم الدینؒ شہید کو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی اور آپ ﷺ نے فرمایا" علم الدین" تم آتے کیوں نہیں ہو، میں چار دن سے تمہارا انتظار کر رہا ہو"۔ یہ مقام اُن کو عشقِ رسول ﷺ کی وجہ سے حاصل ہوا۔

عشقِ رسول ﷺ کا خیال دل میں آجائے تو مضامین کا سمندر ٹھاٹھیں مارنا شروع کر دیتا ہے۔ یہ بیان اس قدر طوالت طلب ہے کہ اس کا تکملہ اس باب میں ممکن نہیں۔ یہاں پر صرف اس قدر بیان کرنا ضروری ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی اِتباع اسی وقت ممکن ہے جب دل میں محبتِ رسول ﷺ موجزن ہو۔ صحابہ کرام ؓ کو رسول اللہ ﷺ سے انتہائی درجہ کی محبت لاحق تھی، یہی وجہ ہے کہ وہ آپ ﷺ کے ہر عمل کے شیدا اور ہر فرمان پر جان دینے سے بھی گریز نہ کرتے تھے۔ اس قسم کی اِتباع محبتِ رسول ﷺ کے بغیر ممکن نہیں۔ اس

---

[1] لسان المیزان، ابن حجر عسقلانی، حدیث ۳۲۸، جلد ۶، صفحہ ۱۲۳، مؤسسۃ الاعلمی، بیروت۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۶۳۹۸، جلد ۶، صفحہ ۲۴۸۹۔

سلسلے میں راقم الحروف کی قریب الاشاعت کتاب ''عقل و عشق اور علامہ اقبالؒ کا فلسفہ خودی'' کا مطالعہ کافی سودمند ہوگا۔

اُمتِ مُسلمہ کا اثاثہ عشقِ رسول ﷺ ہے

ایک حدیث شریف کی رو سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ کوئی شخص اس وقت تک مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ رسول اکرم ﷺ کی ذات کے ساتھ خود اپنے آپ، اپنے والدین، بہن بھائی اور ہر چیز سے زیادہ محبت نہ کرتا ہو۔[1] عاشقانِ رسول ﷺ تو آپ ﷺ کے ساتھ والہانہ محبت کرتے ہیں۔ علامہ اقبالؒ کے دل میں حضور ﷺ کے ساتھ انتہائی درجہ کی محبت موجود تھی۔ اِس اعتبار سے آپؒ کا مقام بلند ترین عاشقان رسول ﷺ میں شمار کیا جاتا ہے۔ آپؒ کے اس عشق کی جھلک آپؒ کے اشعار میں نظر آتی ہے۔ عشقِ رسول ﷺ وہ دولت ہے جو پوری کائنات میں سوائے انبیاء، مخصوص اولیاء، امت محمدیہ ﷺ کے اور کسی کے حصے میں نہیں آئی۔ اس بات کی دلیل یہ ہے کہ اگرچہ سورہ سبا میں یہ واضح طور پر فرمایا گیا ہے کہ آپ ﷺ پوری کائنات کے لیے بھیجے گئے ہیں مگر اس کا فائدہ صرف مومنوں کو ہوا ہے۔

" وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا "

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر) (سبا:۲۸)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی بعثت کا احسان صرف مومنوں پر ہی فرمایا ہے جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

" لَقَدْ مَنَّ اللهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا "

(یقیناً اللہ تعالیٰ نے بہت بڑا احسان کیا مومنوں پر جب اس نے بھیجا ان میں ایک رسول) (آل عمران:۱۶۴)

اس امت پر یہ احسانِ عظیم اس لیے جتایا گیا ہے کہ اس امت کے اشخاص ہی وہ خوش قسمت لوگ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کے سب سے پیارے نبی ﷺ کو تسلیم کیا اور ان سے محبت کرنے کا شرف حاصل کیا۔ وہ لوگ نہایت بلند مقام رکھتے ہیں اور اولیاء کبار میں شمار ہوتے ہیں جو آپ ﷺ کی ذات مبارکہ سے والہانہ محبت رکھتے ہیں۔ افسوس کا مقام ہے کہ اس اُمت کے اکثر لوگوں نے اس بیش بہا دولت کی قدر نہ کی اور اس کو پہچاننے سے ہی انکار کر دیا کیونکہ آپ ﷺ کے چیدہ چیدہ فرامین سے روگردانی آپ ﷺ کے احکام سے عملی انکار ہے۔ اگر اُمتِ مسلمہ خدا کے اس محبوب کی محبت کا ادنیٰ حق بھی ادا کرتی تو اس کو اس ذلت کا سامنا نہ کرنا پڑتا جس ذلت سے وہ آج ہمکنار ہے۔ اگر یہ لوگ آپ ﷺ سے محبت کرنا سیکھ لیتے تو ان کے لیے دنیا اور آخرت کے خزانوں کے منہ کھول دیے جاتے۔ عشقِ رسول ﷺ کوئی ایسی پیچیدہ بات نہیں

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۱۵، جلد ۱، صفحہ ۱۲۔

ہے جو عام انسانوں کے بس سے باہر ہو۔ اس کی ضروریات صرف ارکانِ اسلام (نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج) کی پابندی کرنا ہے جس میں اہم ترین نماز کا رکن ہے اور نماز کے لیے دن بھر میں آدھا گھنٹہ درکار ہوتا ہے۔ حضور ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کی پہچان کے لیے کسی عاشق کی صحبت اختیار کرنا ضروری ہے۔ عاشق کی پہچان یہ ہے کہ جب کوئی پیار کی بات کی جائے تو اس کی آنکھیں فوراً نم آلود ہو جائیں اور حضور ﷺ کی مدح کی جائے تو ناراض نہ ہو بلکہ روحانی مسرت محسوس کرے۔ مدحتِ رسول ﷺ حسان بن ثابت ؓ و صحابہ کرام ؓ اور اولیائے کرام کا شعار رہا ہے۔ اس میں جو تنگ دل ہے وہ ان کے طریقوں کے خلاف ہے اور حضور اکرم ﷺ کے عشق کی نعمت سے محروم ہے۔ (خواہ وہ خود کو کتنا ہی بڑا مومن، عبادت گزار اور موحد تصور کرتا ہو)

عشق آں را مسلم است اے جاں
کو نہد سر بر آستانۂ دوست

(اے عزیز! عشق پر وہ سچا اترتا ہے جو آستانہ دوست پر سرِ تسلیم رکھ دیتا ہے)

عشق رسول ﷺ ایک ایسا موضوع ہے جو ایک مختصر مضمون میں بیان نہیں ہو سکتا، البتہ اہلِ عشق کے لیے چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں تا کہ اہلِ عشق اس سے روحانی اور وجدانی مسرت حاصل کریں۔ اس جگہ گفتگو کا سلسلہ علامہ اقبالؒ سے منسلک ہے اور یہاں یہ بیان کر دینا ضروری ہے کہ علامہ کے زیادہ تر اشعار آپ کے آخری ایام میں لکھے گئے تھے، چنانچہ وہ عام شاعری کی حدود سے نکل کر حکمت اور عشق کے سدرۃ المنتہٰی تک پہنچ گئے تھے۔ اگر آپؒ کو حضور ﷺ سے عشق نہ ہوتا تو آپؒ کے کلام کی مقبولیت کی نوعیت ان کے موجودہ مقام تک نہ پہنچ سکتی تھی۔ مسلمانوں کے لیے یہ ضروری ہے کہ وہ بھی اس نعمت سے استفادہ کریں تا کہ انعاماتِ باری تعالیٰ کے حق دار بن سکیں۔ علامہ اقبالؒ کے ان نعتیہ اشعار میں انتہائی محبت جھلکتی ہے۔

وہ دانائے سُبل، ختم الرُسل، مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا
نگاہِ عشق و مستی میں وہی اوّل وہی آخر
وہی قرآں وہی فرقاں وہی یٰسین وہی طٰہٰ

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ یا رسول اللہ ﷺ آپ ہر چیز کی اصل ہیں کیونکہ یہ کائنات آپ ﷺ کے نور سے ہی پیدا ہوئی ہے۔ میرا دین و ایمان اور عبادت کی اساس آپ ﷺ ہی ہیں۔

لوح بھی تو، قلم بھی تو، تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب میرا سجود بھی حجاب

رُوئے تو ایمانِ من قرآنِ من　　جلوہ داری دریغ از جانِ من

(آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ہی میرا ایمان ہے اور قرآن ہے، مجھے ایک جلوہ دکھانے میں بھی حضور ﷺ کو تامل ہے)(ج۔ن:۸)

علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں کہ کائنات کی تخلیق عشق پر ہوئی ہے اور عشق کا ظہور حضور ﷺ کے سینہ مبارک سے ہی سب کو حاصل ہوا ہے۔ (خَلَقَ اللّٰهُ الْخَلْقَ مِنْ نُوْرِیْ) فرماتے ہیں کہ میں جبرئیل ؑ کے متعلق اتنا جانتا ہوں کہ وہ بھی آپ ﷺ کے نورانی آئینے کا ایک پرتو ہیں۔ فرماتے ہیں کہ تمام کائنات کو جو کچھ ملا ہے وہ آپ ﷺ ہی کے صدقے میں اور آپ ﷺ کے قدموں کے طفیل ہے۔

علامہ اقبالؒ کی شاعری میں اثاثۂ عشق رسول ﷺ کی جھلک واضح ہوتی ہے۔، یہی جذبہ عشق ومحبت صحابہ کرام ؓ میں موجود تھا، جس کی وجہ سے ان شیدایانِ رسول ﷺ نے بھی جان کا نذرانہ پیش کرنے سے دریغ نہیں کیا۔ اسی محبت کے دم سے ان کی زندگیاں عمل سے لبریز اور خلوص سے بھرپور تھیں۔ ان کی نظر میں دنیا اور آخرت کی حقیقتیں پوری طرح آشکار تھیں اور اس دنیا کے عوض صحابہ کرام ؓ نے آخرت کو کبھی قربان نہیں کیا۔ حضرت عمر ؓ اپنی خلافت کی زندگی میں دنیا کی سب سے بڑی شخصیت کے مالک تھے، لیکن سادگی کا یہ عالم تھا کہ اس دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کی ملکیت میں صرف ایک جامہ جو آپ ؓ کے زیب تن تھا، ایک کھجور کی چٹائی اور چند مٹی کے برتن سے زیادہ اور کچھ نہ تھا۔ جس قوم کے سردار کا یہ حال ہو تو پھر قیصر و کسریٰ کی حکومتیں ان کے سامنے لرزہ براندام کیوں نہ ہوں۔ یہ سب عشق نبی ﷺ کا عملی اظہار ہے۔

حضرت جنید بغدادیؒ کے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میرا خاوند مجھ پر سوت لانا چاہتا ہے۔ انہوں نے کہا اگر چار بیویاں نہ ہوں تو نکاح کر سکتا ہے۔ وہ بولی اگر اجنبی عورت کو دیکھنا جائز ہوتا تو میں اپنا چہرہ کھول کر آپ کو دکھاتی تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ جس کے پاس میرے جیسی بیوی ہو، اس کو دوسری سے نکاح زیب نہیں دیتا۔ اس پر جنیدؒ کو غش آ گیا اور گر پڑے۔ جب ہوش آیا تو ان سے اس کا سبب پوچھا گیا تو فرمایا کہ حق سبحانہ کا ارشاد ہے کہ ''اگر دنیا میں میری طرف نظر کرنا کسی کو روا ہوتا تو میں اسے اپنے چہرے سے پردہ اٹھا کر دکھا دیتا تو اسے معلوم ہو جاتا کہ جس کے لیے میرے جیسا محبوب ہو، اس کو ہرگز زیبا نہیں کہ اس کے دل میں غیر کو گنجائش ہو۔ اس عورت نے بھی وہی بات کہی۔ (نزھۃ المجالس)

محبتِ رسول ﷺ ایمان کی شرطِ اوّلین ہے

یوں تو نباتات اور حیوانات وغیرہ میں بھی باہمی محبت اور کشش کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے انسانوں کو باہمی ربط اور محبت کا ایک نہایت بلند مرتبت شرف عطاء فرمایا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ تمام دنیا کو رشتۂ محبت میں پیوست کرنے کو پسند فرماتا ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ اخوّت، بھائی چارہ اور شدید محبت کو پسند کرتا ہے۔ محبت کے سلسلے میں قرآن میں بہت سی آیات مطالعہ میں آتی ہیں۔ ان سب کا یہاں تذکرہ کرنا کتاب کے احاطہ سے باہر ہے۔ محبت کی اگرچہ بہت سی قسمیں نظر آتی ہیں، لیکن حقیقتاً اللہ سے محبت تمام محبتوں کی جامع ہے۔ اس سلسلے میں حضرت امام حسنؓ کا ایک خوبصورت واقعہ نیچے پیش کیا جارہا ہے۔

حضرت غوث علی شاہ قلندر پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ حضرت حسنؓ ابھی ۱۲ سال کے تھے کہ آپؓ نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ آپ کے دل میں کس کی محبت ہے؟ آپؓ نے فرمایا تمہاری۔ پھر پوچھا کہ بھائی حسینؓ کی، فرمایا، ان کی بھی۔ پھر پوچھا اماں جان کی، فرمایا ہاں ان کی بھی۔ پھر پوچھا نانا جان کی، فرمایا ہاں ان ﷺ کی بھی پھر پوچھا اللہ تعالیٰ کی، فرمایا ہاں ان کی بھی۔ اس پر حضرت حسنؓ کہنے لگے ”ابا جان کیا آپؓ کا دل ہے یا مسافر خانہ“ ”حضرت علیؓ نے ان کو سینے سے لگالیا اور فرمایا تم سچ کہتے ہو۔ محبت ایک ہی کی رہے گی (یعنی تمام محبتیں اللہ تعالیٰ کی محبت کی مختلف قسمیں ہیں) آپؓ نے حضرت حسنؓ کو بہت سی نصیحتیں فرمائیں اور ان میں سے ایک یہ تھی کہ بیٹا اس جہاں میں بے مقصد اور بے فکر زندگی گزرے تو اگلے جہاں میں مقصود یعنی اللہ نہ ملے گا۔ حضرت علیؓ کا فرمان اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ اگر کسی اور چیز سے محبت ہے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اس نے اللہ تعالیٰ کی محبت کا حق ادا نہیں کیا۔ اس روایت سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ جس کو اللہ تعالیٰ سے محبت ہے اسے ان تمام چیزوں سے بھی محبت ہے جن سے محبت کرنے کا ارشاد احکامِ ربانی میں پایا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں بھی فرمایا گیا۔

”وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ“

(اور ایمان والے اللہ کے ساتھ زیادہ محبت رکھنے والے ہیں) (البقرہ: ۱۶۵)

سورۃ المائدہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ اگر کوئی قوم نافرمانی کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ ایسے لوگ لے آئے گا جو اللہ تعالیٰ سے محبت کریں گے اور اللہ ان سے محبت کرے گا۔

”فَسَوْفَ يَاْتِي اللّٰهُ بِقَوْمٍ يُّحِبُّهُمْ وَيُحِبُّوْنَهٗ“

(اللہ تعالیٰ عنقریب ایک ایسی قوم لے آئے گا جن سے اللہ تعالیٰ محبت کرتا ہے اور وہ محبت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ سے) (المائدہ: ۵۴)

جناب سرور کائنات ﷺ نے اسی محبت کو شرط حلاوت ایمان فرمایا ہے۔

" لَا یُؤْمِنُ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی یَکُوْنَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِمَّا سِوَاھُمَا۔ "

(تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں ہوگا جب تک اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو سب چیزوں سے عزیز اور پیارا نہ جانے۔)[۱]

ایک اور حدیث میں اسی طرح فرمان نبوی ﷺ ہے۔

" لَا یُؤْمِنُ اَحَدُ کُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ "

(تم میں سے کوئی ایمان والا نہیں ہوگا جب تک وہ مجھ کو اپنے والد، بیٹے اور تمام لوگوں سے پیارا اور عزیز نہ بنا لے)[۲]

اور خود اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں یوں ارشاد فرماتے ہیں:

" قُلْ اِنْ کَانَ اٰبَآؤُکُمْ وَاَبْنَآؤُکُمْ وَاِخْوَانُکُمْ وَاَزْوَاجُکُمْ وَعَشِیْرَتُکُمْ وَاَمْوَالُ نِ اقْتَرَفْتُمُوْھَا وَتِجَارَۃٌ تَخْشَوْنَ کَسَادَھَا وَمَسٰکِنُ تَرْضَوْنَھَآ اَحَبَّ اِلَیْکُمْ مِّنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ وَجِھَادٍ فِیْ سَبِیْلِہٖ فَتَرَبَّصُوْا حَتّٰی یَاْتِیَ اللّٰہُ بِاَمْرِہٖ "

(آپ ﷺ فرمایئے اگر تمہارے باپ اور تمہارے بیٹے اور تمہارے بھائی اور تمہاری بیویاں اور تمہارا کنبہ اور وہ مال جو تم نے کمائے ہیں اور وہ کاروبار اندیشہ کرتے ہو جس کے خسارے کا اور وہ مکانات جن کو تم پسند کرتے ہو زیادہ پیارے ہوں تمہیں اللہ تعالیٰ سے اور اس کے رسول ﷺ سے اور اس کی راہ میں جہاد کرنے سے تو انتظار کرو یہاں تک کہ لے آئے اللہ تعالیٰ اپنا حکم) (التوبۃ: ۲۴)

رسول خدا ﷺ، دیگر انبیاء، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم، اولیاء عظامؒ اور علماء کی محبت بھی اللہ تعالیٰ کی محبت میں داخل ہے اور اللہ تعالیٰ کی محبت رسول خدا ﷺ کی اتباع اور محبت پر منحصر ہے۔ رسول خدا ﷺ کی محبت کا مدار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور دیگر اولیاء و علماء کی محبت پر ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

" قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ "

(آپ ﷺ فرمایئے اگر تم محبت کرتے ہو اللہ سے تو میری پیروی کرو، محبت فرمانے لگے گا تم سے اللہ۔) (آل عمران: ۳۱)

اور آنحضرت ﷺ اپنی دعا میں یوں ملتجی ہوا کرتے تھے۔

" اَللّٰھُمَّ ارْزُقْنِیْ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یَّنْفَعُنِیْ حُبُّہٗ عِنْدَکَ "

(اے اللہ تو مجھے اپنی محبت دے اور اس شخص کی محبت دے جس کی محبت تیرے نزدیک مجھے نفع دے) [۳]

[۱] صحیح بخاری، حدیث ۱۶، جلد ۱، صفحہ ۱۴۔ [۲] صحیح بخاری، حدیث ۱۵، جلد ۱، صفحہ ۱۴۔

[۳] سنن الترمذی، حدیث ۳۴۹۱، جلد ۵، صفحہ ۵۲۳۔

ایک روایت میں ترمذی اور مستدرک حاکم میں اس طرح آیا ہے۔

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُکَ حُبَّکَ وَحُبَّ مَنْ یُّحِبُّکَ وَالْعَمَلَ الَّذِیْ یُبَلِّغُنِیْ اِلٰی حُبِّکَ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْ حُبَّکَ اَحَبَّ اِلَیَّ مِنْ نَّفْسِیْ وَاَھْلِیْ وَمِنَ الْمَآءِ الْبَارِدِ"

(یااللہ میں تجھ سے تیری محبت کا سوال کرتا ہوں اور اس کی محبت کا جو تجھ کو دوست رکھتا ہے اور ایسے عمل کا جو مجھ کو تیری محبت تک پہنچا دے۔ یااللہ تو اپنی محبت کو میرے واسطے زیادہ عزیز و پیارا بنا دے، میری جان، میرے اہل و عیال اور ٹھنڈے پانی سے)[1]

سری سقطی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں، قیامت کے روز جن پر محبت الٰہی غالب ہوگی ان کو ان کے انبیاء کے نام سے پکاریں گے، مثلاً ارشاد ہوگا کہ اے اُمّتِ موسیٰ ؑ، اے اُمّتِ عیسیٰ ؑ، اے اُمّتِ محمدی ﷺ مگر اولیاء اللہ کو یوں ارشاد ہوگا "اے اولیاء اللہ خدائے پاک کی طرف چلو" اسی وقت ان کے دل مارے خوشی کے پھٹنے کے قریب ہوں گے۔ جس وقت اللہ کریم کو دیکھیں گے تو اپنی جان کو قربان کریں گے اور پھر ان کو یوں ارشاد ہوگا کہ بلا حساب جنت میں جاؤ اور پھر ارشاد ہوگا کہ اب تم راضی ہو، پھر وہ عرض کریں گے یااللہ ہم کو کیا ہے کہ ہم راضی نہ ہوں۔ اس وقت انبیاء اور اولیاء اور شہداء کے سوا اور لوگوں کی یہ حالت ہوگی کہ ہر ایک پسینے میں غرق ہوگا اور شرمندہ ہوگا۔ پھر ان کو یوں ارشاد ہوگا کہ اب جاؤ ان لوگوں میں سے جنہوں نے تم سے محبت کی ہو یا تمہاری خدمت کی ہو یا احسان کیا ہو، یا جس کو تمہارا جی چاہے جنت میں اپنے ساتھ لے جاؤ۔ پھر اولیاء ایسا ہی کریں گے۔

صحابہ کرام ؓ اور عشق رسول ﷺ

رسول اللہ ﷺ سے عشق و محبت مومن کا گراں بہا سرمایہ ہے اور کسی مومن کا دل اس سے خالی نہیں ہو سکتا کیونکہ وہ محبت معبود حقیقی کے قرب اور اس کی ذات و صفات کے صحیح تصور کا واحد ذریعہ ہے۔ صحابہ کرام ؓ بڑے خوش قسمت تھے کہ یہ سرمایہ سب سے زیادہ ان کے حصے میں آیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ سورۂ واقعہ آیت نمبر ۱۳، ۱۴ میں فرمایا کہ مقربینِ خدا کی کثرت پہلے لوگوں (یعنی صحابہ ؓ) میں زیادہ ہوگی۔ یہ مقربین بعد کے زمانے میں بھی ہوں گے اور یہ اعلیٰ قسم کے لوگ ختم نہیں ہو جائیں گے۔ ان کے سامنے حضور ﷺ کی وہ مبارک صورت بھی تھی جس کے ایک ایک نقش اور خدوخال میں جمالِ سیرت کی جھلک دکھائی دیتی تھی اور حسنِ سیرت کی جلوہ آرائی بھی آئی۔ حضور ﷺ کی نشست و برخاست، اندازِ گفتگو، صدق و امانت، اپنے بیگانے سے بے پناہ ہمدردی، شدائد و مصائب میں غیر معمولی تحمل، یہ سب کچھ کمالِ انسانیت کا ایک خوبصورت پیکر تھا

---

[1] سنن الترمذی، حدیث ۳۴۹۰، جلد ۵، صفحہ ۵۲۲۔

جو اپنی ہر ادا کی دل کشی کے ساتھ شب و روز دعوت الی اللہ کا فریضہ انجام دیتا رہا اور لوگ بن بلائے بھی اس حسن کی کرشمہ سازیوں کی طرف کھچے چلے آتے رہے۔ غرض عشق رسول ﷺ کے بہترین نمونے ہمیں صحابہ کرام ؓ کی زندگی میں ملتے ہیں جن کے دل اس محبت سے لبریز تھے، اور اس عشق کا اظہار ان کے مختلف اعمال سے جھلکتا ہوا نظر آتا تھا۔

صحابہ کرام ؓ رسول اللہ ﷺ کے اخلاق و کردار اور آپ ﷺ کے فرمان کی اطاعت میں بڑی سے بڑی تکلیف برداشت کر لیتے تھے، بلکہ اس میں راحت محسوس کرتے تھے اور اموال و املاک تو در کنار اپنی جان تک سے بے نیاز ہو جاتے تھے۔ صحابہ ؓ جب بھی آپ ﷺ سے مخاطب ہوتے تو یہ ضرور کہتے کہ آپ ﷺ پر میرے ماں باپ قربان۔ رسول اللہ ﷺ کا اپنا فرمان بھی ہے کہ تم میں سے کوئی کامل ایماندار نہیں ہو سکتا جب تک میں اس کے لیے اس کی اولاد، ماں باپ اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں، چنانچہ صحابہ کرام ؓ کی تمام تر زندگیاں اس بات پر شاہد ہیں کہ انہیں حضور ﷺ کی ذات اقدس ہر چیز سے زیادہ محبوب تھی، مثلاً قریش مکہ نے حضرت خبیب ؓ کو چند روز قید و بند میں بھوکا پیاسا رکھنے کے بعد صلیب کے نیچے لے جا کر کھڑا کیا اور کہا اب بھی اسلام سے دست بردار ہو جاؤ تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ انہوں نے جواب دیا اگر اسلام کی دولت پاس نہ رہی تو جان کو بچا کر کیا کروں گا۔ سولی پر چڑھنے سے پہلے انہوں نے دو رکعت نماز پڑھنے کی مہلت مانگی۔ مہلت مل گئی تو نماز ادا کی۔ اس کے بعد انہیں سولی پر چڑھایا گیا اور ایک شقی القلب نے ان کے جگر کو چھیدا اور پوچھا کہو اب بھی یہ پسند نہ کرو گے کہ میری جگہ محمد ﷺ پھنس جائیں اور میں چھوٹ جاؤں۔ حضرت خبیب رضی اللہ تعالیٰ نے پر جوش لہجے میں کہا "خدا جانتا ہے میں تو یہ بھی پسند نہیں کرتا کہ میری جان بچ جائے اور اس کے عوض رسول اللہ ﷺ کے پاؤں میں ایک کانٹا بھی چبھے"۔ ان کے ساتھ حضرت زید رضی اللہ تعالیٰ بھی گرفتار ہو کر آئے تھے ان سے بھی یہی سلوک ہوا انہوں نے بھی جواب دیا اور سولی پر چڑھا دیئے گئے۔

جس سے عشق ہو، اس کی رضا جوئی آدمی کی عادت ثانیہ بن جاتی ہے، چنانچہ صحابہ کرام ؓ ہر کام میں حضور ﷺ کے منشاو پسند کو ملحوظ رکھتے تھے اور حضور ﷺ کی ناراضگی سے بے حد گھبراتے تھے۔ مثلاً حضرت سعد ؓ بہت سیاہ فام تھے۔ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ اسلام کے جانثاروں میں شمار ہونے لگے۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان کی جانثاری سے خوش ہو کر فرمایا، سعد شادی کیوں نہیں کرتے؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھ کالے کلوٹے اور بدصورت کو لڑکی دینا کون پسند کرے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جاؤ قبیلہ ثقیف کے سردار سے جا کر کہو کہ مجھے رسول اللہ ﷺ نے بھیجا ہے اور کہا ہے کہ مجھ سے اپنی بیٹی کا نکاح کر دو۔ سعد ؓ نے

جا کر پیغام پہنچایا۔ سرداران کی صورت دیکھ کر بہت برہم ہوا کہ اپنی خوبصورت بیٹی کا نکاح اس شخص سے کر دوں۔ سعد ؓ مایوس ہو کر واپس جانے لگے تو پردے کی اوٹ سے آواز آئی، جانے والے ذرا ٹھہر جا۔ وہ ٹھہر گئے پھر آواز آئی کیا رسول اللہ ﷺ نے تجھے میرے ساتھ نکاح کرنے کو بھیجا ہے؟ اگر یہ واقعی حضور ﷺ کا ارشاد ہے تو بسروچشم قبول ہے۔ اس کے بعد اس سعادت مند بیٹی نے باپ کو سمجھایا کہ انہوں نے بہت برا کیا کہ رسول اللہ ﷺ کے پیغام پر ناک منہ چڑھائی اور حضور ﷺ کے حکم کی تعمیل سے انکار کیا۔ اسلام تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی خوشنودی کے لیے سب کچھ قربان کرنے کا نام ہے۔ بہتر ہے آپ حضور ﷺ کی بارگاہ میں جا کر اپنے کیے کی معافی مانگیں۔ بیٹی کی باتوں سے باپ کے دل پر بڑا اثر ہوا اور بات سمجھ میں آ گئی کہ واقعی مجھ سے غلطی ہوئی چنانچہ فوراً حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور معذرت چاہی۔ حضور ﷺ نے تسلی دی اور بالآخر سعد ؓ کی شادی عرب کے اسی معزز سردار کی بیٹی سے ہو گئی۔

عشق بعض مرتبہ دیوانگی کی شکل اختیار کر لیتا ہے، چنانچہ صحابہ کرام ؓ کی زندگیوں کا مطالعہ کیا جائے تو جہاں رسول اللہ ﷺ سے عشق و محبت اور آپ ﷺ کی اطاعت کا سوال سامنے آتا ہے، وہاں دیکھنے والوں کو وہ دیوانے نظر آتے ہیں اور ان کے جنونِ عشق کی کارفرمائیاں عقل کو محوِ حیرت کر دیتی ہیں، لیکن اس دیوانگی نے اُس مقام تک پہنچا دیا جہاں مدعیانِ فرزانگی کی رسائی نہیں ہو سکتی اور ان پر دیوانگی کا اطلاق بیگانہ ہوش و خرد ہونے سے عبارت نہ تھی، بلکہ تقلید و اِتباع رسول ﷺ کی علامت و ذریعہ تھی، مثلاً جب عروہ بن مسعود ؓ بارگاہِ نبوت ﷺ سے ہو کر اپنی قوم کی طرف گئے تو انہوں نے جو پیغام اپنی قوم کو دیا اس کی تفصیل آئندہ صفحات پر ملاحظہ فرمائیں۔

صحابہ کرام ؓ کے عشقِ رسول ﷺ کے متعلق چند خوبصورت روایات

صحابہ کرام ؓ کو رسول اللہ ﷺ سے اس قدر عشق تھا کہ آج اگر ہم میں سے کوئی ان کے معاملات اور طریقۂ عشق کو دیکھ لے تو یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتا کہ وہ حضور ﷺ پر شیدا تھے اور حضور ﷺ کی محبت میں جنون کی حد تک لگاؤ رکھتے تھے۔ اسی طرح اگر صحابہ کرام ؓ میں سے کوئی اس زمانے کے مسلمانوں کو دیکھ لے تو وہ بھی سمجھے گا کہ یہ لوگ مسلمان ہی نہیں۔ کفارِ مکہ نے عروہ بن مسعود ؓ کو جب کہ ابھی وہ مسلمان نہ ہوئے تھے، بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں بھیجا تا کہ وہ مسلمانوں کے حالات کا جائزہ لے کر اہلِ مکہ کو مطلع کریں تو عروہ بن مسعود ؓ نے جو کچھ دیکھا اس کی تفصیل اگلے صفحات میں دی جا رہی ہے، صحابہ کرام ؓ کے عشق و محبت کا آنکھوں دیکھا حال جو اس نے بیان کیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہ کرام ؓ سے بڑھ کر کسی قوم نے کسی بادشاہ یا سیاسی راہنما کے ساتھ بھی اس قدر عزت و احترام روا نہ رکھا تھا جتنا صحابہ کرام ؓ کے دلوں

میں رسول اللہ ﷺ کے لیے موجود تھا۔

درج ذیل روایات کے مطالعہ کے بعد قارئین کو صحابہ کرام ؓ کی رسول اللہ ﷺ سے محبت کا کچھ اندازہ ہو سکے گا۔ یہ ایک مُسلَمہ حقیقت ہے کہ جو قوم اپنے مذہبی راہنما سے شدید محبت رکھتی ہے، وہ قوم اپنے راہنما کے فیوضات حاصل کرنے کی بھی اہلیت رکھتی ہے۔ اس حقیقت کا اندازہ اس بات سے ہو سکتا ہے کہ ایک ہی مرشد کے لاکھوں مریدوں میں سے چند ایک مرید ہی انتہائی کمالات کو پہنچتے ہیں اور کمالات کی بلندیوں کو چھونے والے صرف وہی مریدان باصفا ہوتے ہیں جن کو اپنے شیخ سے والہانہ محبت ہو اور اس سے ربط کامل حاصل ہو۔ باقی مرید اپنے شیخ سے چونکہ مناسب نسبت قائم کرنے سے قاصر رہتے ہیں اس لیے کسی قابل ذکر مقام پر نہیں پہنچ سکتے۔ یہی وجہ ہے کہ تمام صحابہ کرام ؓ ولایت کے درجہ علیا تک پہنچ چکے تھے اور وہ سب کے سب حضور ﷺ سے شدید محبت رکھتے تھے۔ ان صحابہ کرام ؓ میں سے چند ایسی ہستیاں بھی تھیں جن کو حضرت صدیق ؓ اور حضرت عمر ؓ جیسے درجات حاصل تھے اور ان کی محبت کا مرتبہ بھی عام صحابہ کرام ؓ سے زیادہ بلند و ارفع تھا۔

راقم الحروف کا یہ خیال ہے کہ صحابہ کرام ؓ کو حضور ﷺ کے قرب کے باعث رفع حجابات کا شرف حاصل تھا، اس لیے انہوں نے منصہ شہود تک رسائی حاصل کر لی تھی۔ جن لوگوں کا ایمان درجہ شہود تک پہنچ جائے تو ان کے لیے شک و شبہ کا احتمال باقی نہیں رہتا اور ان کو حضور ﷺ کی ہر بات پر اس قدر یقین تھا گویا کہ مغیبات ان کے لیے کوئی ڈھکی چھپی بات نہ تھی اور ان کے لیے غیب کی چیزیں شہود کا درجہ رکھتی تھیں۔ جب یہ حالت ہو جائے تو پھر ایسے لوگ نہ تو حالات کی سختی سے ڈرتے ہیں اور نہ ہی موت ان کے لیے کوئی بڑی بات معلوم ہوتی ہے۔ حضرت موسیٰ ؑ کے ساتھ مقابلہ کرنے والے جادوگروں نے جب موسیٰ ؑ کی نبوت اور اللہ تعالیٰ کی الوہیت کو تسلیم کر لیا تو انہوں نے اللہ تعالیٰ کے آگے سجدے میں سر رکھ دیا اور اس سجدے کے دوران اللہ تعالیٰ نے ان کو جنت اور دوزخ کا مشاہدہ کرا دیا۔ ان تمام مغیبات کو دیکھنے کے بعد وہ فرعون کی ہر سزا کو قبول کرنے کے لیے تیار ہو گئے اور اسلام کو قبول کرنے سے انکار نہیں کیا۔

درج ذیل روایات میں موجودہ زمانے کے مسلمانوں کے لیے اسباق موجود ہیں، اگر آج کے مسلمانوں کو یہ ایمان نصیب ہو جائے تو کوئی وجہ نہیں کہ یہ مسلمان بھی صحابہ کرام ؓ کی طرح تمام دنیا پر اپنے کمالات کو نہ منوا سکیں اور عشق رسول ﷺ ان کو پہلے کی طرح عروج پر نہ لے جائے۔

صحابہ کرام ؓ کی محبت رسول اللہ ﷺ کی چند مثالیں

اس جگہ چند ان روایات کو بیان کیا جا رہا ہے جن میں صحابہ کرام ؓ کے دلوں میں عشق رسول ﷺ کی بے مثل کرنیں اٹھتی ہوئی نظر آتی ہیں اور ان روایات سے اس بات کا اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان صحابہ کرام ؓ

کو حضور ﷺ سے کس قدر گہری محبت حاصل ہونے کا شرف میسر تھا۔ اسی قسم کی دیگر روایات مستند کتب میں فراوانی کے ساتھ دیکھنے میں آتی ہیں، لیکن یہاں صرف چند روایات نمونے کے طور پر پیش کی جا رہی ہیں۔

حضرت ابو ہریرہ ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا "میری امت میں مجھ سے زیادہ محبت کرنے والے وہ لوگ ہیں جو بعد میں آنے والے ہیں۔ ان میں ہر ایک مجھے محبوب جانے گا اور یہ کہے گا کہ کاش مجھے ایک نظر جمالِ مبارک پر ڈالنے کا موقع ملتا اور اس کے مقابلے میں مجھ سے میرا تمام مال و منال لے لیا جاتا اور مجھے دیدار حاصل ہو جاتا۔[1] حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ حضور ﷺ نے فرمایا:

"مَنْ اَحَبَّنِیْ کَانَ مَعِیَ فِی الْجَنَّۃِ"

(یعنی جو مجھ سے محبت رکھتا ہے وہ جنت میں میرے ساتھ ہو گا)[2]

بعض حدیثوں میں کَانَ فِیْ دَرَجَتِیْ بھی آیا ہے یعنی وہ میرے درجے میں ہو گا اس سے مراد جنت میں وہ مقام ہے جہاں سے جمالِ مبارک کا دیدار ہو سکے گا اور حجاب دور ہوں گے، اگرچہ فاصلے میں دوری ہی کیوں نہ ہو، یہی درجہ معیت کا ہے ورنہ معیتِ قلبی تو ہر وقت اور ہر جگہ ہو سکتی ہے۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے امام حسن ؓ و امام حسین رضوان اللہ علیہما کے ہاتھوں کو پکڑ کر فرمایا کہ جو ان دونوں اور ان دونوں کے ماں باپ کو دوست رکھتا ہو تو روزِ قیامت میرے ساتھ میرے درجے میں ہو گا۔[3] (اس سے مراد انتہائی قرب ہے)

اس عشق کی ایک مثال یہ ہے کہ عروہ بن مسعود ؓ کو قومِ کفار نے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں بھیجا وہ جب لوٹ کر اپنی قوم میں گیا تو کہنے لگا "بارہا میں قیصر و کسریٰ کے محلوں میں گیا ہوں، مگر میں نے محمد ﷺ کی شان کا کوئی بادشاہ نہیں دیکھا اور لوگوں کے عشق و محبت کا یہ حال ہے کہ جب آپ ﷺ تھوکتے ہیں تو حضور ﷺ کے لعابِ دہن شوق سے اپنے منہ پر ملتے ہیں، جب آپ ﷺ وضو کرتے ہیں تو مستعمل پانی حاصل کرنے کے لیے اس طرح ٹوٹ پڑتے ہیں جیسے ابھی ان میں جنگ ہو گی۔ جب آپ ﷺ باتیں کرتے ہیں، تو اس طرح ساکت و صامت ہو کر سنتے ہیں کہ جیسے وہ تن بے حس ہیں اور ان میں کوئی ہوش ہی نہیں۔ جب آپ ﷺ کوئی حکم دیتے ہیں تو اس کی تعمیل میں بھی سبقت کا حال قابلِ دید ہوتا ہے۔[4]

ایک روایت میں ہے کہ ایک صحابی بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور کہا، یا رسول اللہ ﷺ آپ ﷺ میرے نزدیک اہل و عیال اور مال و جان سے زیادہ محبوب ہیں۔ جب آپ ﷺ کی یاد مجھے ستاتی

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۲۸۳۲، جلد ۴، صفحہ ۲۱۷۸۔

[2] ترمذی حدیث ۲۶۷۸، جلد ۵، صفحہ ۴۶۔

[3] سنن الترمذی، حدیث ۳۷۳۳، جلد ۵، صفحہ ۶۴۱۔

[4] صحیح بخاری، حدیث ۵۱، جلد ۲، صفحہ ۹۷۶۔

ہے تو صبر نہیں آتا، جب تک کہ حاضر ہو کر آپ ﷺ کے جمالِ مبارک کو دیکھ نہ لوں اور جب اپنی موت کو اور آپ ﷺ کی رحلت فرمانے کو یاد کرتا ہوں اور یہ سوچتا ہوں کہ جب آپ ﷺ جنت میں داخل ہوں گے اور آپ ﷺ کو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ بہت اعلیٰ مقام میں داخل کیا جائے گا تو میں اگر جنت میں داخل ہو گیا تو میری جگہ آپ ﷺ کے درجہ عالیہ سے کہیں نیچے ہو گی تو وہاں حضور ﷺ کی زیارت کیسے نصیب ہو گی۔ اس پر حق تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔[۱]

”وَمَنْ يُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَالصِّدِّيْقِيْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِيْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيْقًا ؀“ (النساء: ٦٩)

(اور جو اطاعت کرتے ہیں اللہ کی اور (اس کے) رسول ﷺ کی تو ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین اور کیا ہی اچھے ہیں یہ ساتھی)

اس کے بعد حضور ﷺ نے اس ؓ کو بلایا اور یہ آیت سنا کر مژدہ دیا۔

بعض مفسرین نے یہ قصہ حضور ﷺ کے غلام حضرت ثوبان ؓ کے بارے میں لکھا ہے کہ ان کو حضور پر نور ﷺ سے بہت سخت محبت تھی۔ جب ان ؓ سے صبر نہ ہوا تو وہ حضور ﷺ کے پاس اس حالت میں آئے کہ ان کا رنگ وروپ اڑا ہوا تھا، حالت شکستہ و پراگندہ تھی، چہرے سے اندوہ و غم نمایاں تھا، اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ یہ کیسا حلیہ بنا رکھا ہے؟ تمہارا رنگ ہی فق ہے۔ عرض کیا ”یا رسول اللہ ﷺ نہ تو مجھے کوئی بیماری ہے اور نہ ہی کوئی درد وغیرہ ہے بجز اس کے کہ جب میں آپ ﷺ کے جمالِ جہاں آرا کو نہیں دیکھتا تو متوحش اور پریشان ہو جاتا ہوں اور شدید وحشت طاری ہو جاتی ہے اور جب تک میں حاضر ہو کر جمالِ جہاں تاب سے فیض یاب نہیں ہو جاتا سکون نہیں پاتا اور کہا:

”اس سے پہلے میں آخرت کے بارے میں سوچ رہا تھا اور ڈر رہا تھا کہ میں وہاں آپ ﷺ کی کہاں زیارت کر سکوں گا۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کو تو انبیاء علیہم السلام کے بھی اوپر اعلیٰ مقام پر لے جایا جائے گا اور میں اگر جنت میں داخل کیا بھی گیا تو میری جگہ آپ ﷺ کے درجہ عالیہ سے کہیں نیچے ہو گی۔ اگر جنت میں داخل نہ ہوا تو حضور ﷺ کو کہیں بھی نہ دیکھ سکوں گا“۔[۲] اس پر یہ آیت نازل ہوئی اور بعض تفسیروں میں یہ قصہ تمام صحابہ کرام ؓ کے متعلق بھی مذکورہ ہے۔

ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک شخص بارگاہ نبوی ﷺ میں ایسے بیٹھا ہوا تھا کہ اس ؓ کی نظریں

---

[۱] مجمع الزوائد، حدیث ۱۰۹۳۷، جلد ۷، صفحہ ۶۳۔

[۲] تفسیر قرطبی، جلد ۵، صفحہ ۲۷۱۔

مسلسل آپ ﷺ کے چہرہ پُرانوار پر جمی ہوئی تھیں اور ادھر ادھر نظر اٹھاتا ہی نہ تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا تیرا کیا حال ہے؟ اس نے کہا میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان ہوں یا رسول اللہ ﷺ! میں آپ ﷺ کے جمالِ مبارک سے بہرہ مند ہو رہا ہے اور آپ ﷺ کے دیدار سے لذتِ ذوق حاصل کر رہا ہوں، البتہ مجھے یہ غم ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے روز مجھے یہ دیدار نصیب فرمائے گا یا نہیں۔ اس پر سورۃ النساء کی آیت نمبر ۶۹ نازل ہوئی جس کا بیان اوپر ہو چکا ہے۔

حضرت انس ؓ سے مروی ہے کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ تم نے قیامت کے لیے کتنی تیاری کر رکھی ہے۔ اس نے کہا میں نے قیامت کے لیے نماز، روزہ اور صدقہ وغیرہ میں اعمال کی کثرت تو نہیں کی البتہ خدا اور اس کے رسول ﷺ کو دوست رکھتا ہوں۔ حضور ﷺ نے فرمایا اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ یعنی تو اس کے ساتھ ہوگا جس سے تو محبت رکھتا ہے[1] عشقِ رسول اللہ ﷺ میں حضرت عمر فاروق ؓ کی مبینہ دو دعائیں ہوتی تھیں۔

"اَللّٰهُمَّ ارْزُقْنِیْ شَهَادَةً فِیْ سَبِیْلِکَ وَاجْعَلْ مَوْتِیْ فِیْ بَلَدِ حَبِیْبِکَ وَرَسُوْلِکَ"۔

(اے اللہ تعالیٰ تو مجھے اپنے راستے میں شہادت کی موت عطا فرما اور مجھے اپنے دوست اور رسول اللہ ﷺ کے شہر میں موت دے)[2]

مثنوی مولانا رومیؒ میں ایک حکایت لکھی ہے فرماتے ہیں کہ مجنوں نے لیلیٰ کی گلی کے کتے کو دیکھا تو اس کے پاؤں کو بوسہ دیا اور پیار کیا۔ خلق نے کہا اے پاگل! یہ کیا کر رہا ہے۔ مجنوں نے جواب میں کہا۔

آن سگے کو گشت در کویش مقیم
خاکپائش بہ ز شیرانِ عظیم

(میرے نزدیک جو کتا لیلیٰ کی گلی میں مقیم ہے اس کے پاؤں کی خاک بڑے بڑے شیروں سے بہتر ہے)

آن سگے کہ باشد اندر کوئے او
من بہ شیراں کے دھم یک موئے او

(وہ کتا جو لیلیٰ کی گلی میں رہتا ہے میں شیروں کے عوض بھی اس کے ایک بال کو نہیں دے سکتا ہوں)

گر ز صورت بگزرید اے دوستاں
جنت است و گلستاں در گلستاں

---

[1] صحیح البخاری حدیث ۵۸۱۹، جلد ۳، صفحہ ۲۰۳۲۔

[2] صحیح البخاری، حدیث ۱۷۹۱، جلد ۲، صفحہ ۶۶۸۔

(اگر تم صورت سے آگے گزر جاؤ تو تمہیں دنیا میں بھی جنت نظر آئے گی)

اے لوگو! اگر صورت پرستی سے تم آگے عبور کر جاؤ اور ان صورتوں کے خالق سے رابطہ قائم کر لو، کہ خالق ہی حسن کا اصل سر چشمہ و مرکز ہے تو دنیا ہی سے تمہیں جنت کا لطف شروع ہو جائے گا اور ہر طرف گلستاں گلستاں نظر آئے گا۔

حضرت صفوان بن قدامہ ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کی طرف ہجرت کی اور بارگاہِ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ ﷺ مجھے اپنا دستِ مبارک دیں تا کہ میں آپ ﷺ کی بیعت کروں حضور ﷺ نے اپنا دست مبارک مجھے دیا اور میں نے کہا "یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اُحِبُّکَ. قَالَ اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ اَحَبَّ اِلَیْهِ" (یعنی یا رسول اللہ ﷺ میں آپ کو محبوب رکھتا ہوں، فرمایا آدمی جس سے محبت رکھتا ہے اسی کے ساتھ ہوگا)[1]

زید بن اسلمؒ سے مروی ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر ؓ لوگوں کی دیکھ بھال کے لیے رات کو خفیہ گشت کر رہے تھے تو دیکھا کہ ایک گھر میں چراغ جل رہا ہے اور ایک عورت اُون بُن رہی ہے اور عشق مصطفیٰ ﷺ میں محو ہو کر یہ اشعار پڑھ رہی تھی:

علی محمد صلاۃ الابرار صلی علیہ الطیبون الاخیار
قد کنت قواما بکا بالاسحار یا لیت شعری والمنایا اطوار
حل تجمعنی و حبیبی الدار

اس پر حضرت عمر فاروق ؓ بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ اپنے ان کلمات کو دوبارہ کہو، تو اس عورت نے غمگین آواز میں پھر ان کلمات کو دہرایا تو حضرت عمر فاروق ؓ بھی زار و قطار رونے لگے[2]

حضرت زید بن عبد اللہ انصاری ؓ کے بارے میں یہ روایت آئی ہے کہ وہ اپنے باغ میں کام کر رہے تھے کہ ان کے بیٹے نے رسول اللہ ﷺ کے وصال کی خبر دی، وہ روتے ہوئے دعا کرنے لگے کہ اے خدایا! میری آنکھوں کی روشنی لے لے تا کہ میں اپنے محبوب ﷺ کے بعد کسی کو نہ دیکھ سکوں چنانچہ ان کی بصارت جاتی رہی۔ [3]

محبتِ رسول ﷺ میں چند شعراء کے نذرانے

اسلام ایک ایسا مذہب ہے جس میں پیغمبرِ اسلام کی اس قدر توقیر کی جاتی ہے جس کی مثال کسی

---

[1] صحیح بخاری، حدیث ۵۸۱۸، جلد ۴، صفحہ ۲۰۳۲۔ [2] کنز العمال، حدیث ۳۵۷۶۲، جلد ۱۲، صفحہ ۲۵۲۔

[3] صحیح بخاری، حدیث ۵۳۳، جلد ۱، صفحہ ۱۸۸۔

مذہب میں نہیں ملتی۔ یہاں تک کہ شعراء نے مدحتِ رسول کے واسطے ایک ایسا طرزِ کلام ایجاد کیا ہے جس کو نعت رسول کا نام دیا گیا ہے اور اس میں سوائے پیغمبرِ اسلام کی توقیر اور تعریف کے اور کوئی چیز شامل نہیں کی جاتی۔ جس شاعر نے رسول اللہ ﷺ کی تعریف میں کچھ کلام نہیں لکھا اس کو شعرائے اسلام شاعر ہی تصور نہیں کرتے۔ مشائخ اور شعرائے اسلام کا یہ خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ کا کلام پاک یعنی قرآن مجید بھی حضور ﷺ کی تعریف میں ایک نعت کے سوا کچھ نہیں۔ تمام شعراء نے جی کھول کر آپ ﷺ کی شان بیان کرنے کی کوشش کی ہے لیکن ابھی تک ان کی تشنگی دور نہیں ہوگی۔

عشق رسول ﷺ میں بہت سے اشعار لکھے گئے جن کا اس کتاب میں احاطہ کرنا مشکل ہے۔ اس جگہ چند اشعار پیش کیے جا رہے ہیں۔ علامہ اقبالؒ ارمغان حجاز میں اس انداز سے فرماتے ہیں جیسے کہ وہ روضہ رسول اللہ ﷺ پر پہنچ چکے ہیں۔

بیا اے ہم نفس باہم بنالیم
من و تو کشتۂ شانِ جمالیم

(اے دوست! آ ہم مل کر آنسو بہائیں کیونکہ میں اور تو حضور ﷺ کی شانِ جمال کے مارے ہوئے ہیں) (ا۔ح:۲۹)

دو حرفے بر مرادِ دل بگوئیم
بپائے خواجہ چشماں را بمالیم

(اپنے دل کی مراد کے مطابق دو حرفی مراد پیش کریں اور اپنے آقا ﷺ کے قدمانِ مبارک پر اپنی آنکھیں ملیں) (ا۔ح:۲۹)

علامہ اقبالؒ بال جبریل میں "ذوق وشوق" کے عنوان سے حضور ﷺ کی شان میں مدح سرا ہیں۔ ان اشعار کی پوری ترجمانی کرنا یہاں ممکن نہیں کیونکہ یہ اشعار اس قدر وسیع المطالب ہیں کہ ان کی تشریح کے لیے تقریباً ایک سو صفحات کی ضخامت درکار ہوگی۔

لوح بھی تو، قلم بھی تو تیرا وجود الکتاب
گنبدِ آبگینہ رنگ تیرے محیط میں حباب
عالمِ آب و خاک میں، تیرے ظہور سے فروغ
ذرۂ ریگ کو دیا تو نے طلوعِ آفتاب
شوکتِ سنجر و سلیم تیرے جلال کی نمود
فقرِ جنیدؒ و بایزیدؒ ترا جمالِ بے نقاب
شوق ترا اگر نہ ہو، میری نماز کا امام

میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب
تری نگاہِ ناز سے، دونوں مراد پا گئے
عقل غیاب و جستجو، عشق، حضور و اضطراب

معرکہ از سرِ نبی ؐ گیرد نصیب
ہم بہ جبرئیل امیں گردد قریب

(جس کو سرِ نبی ﷺ کا کچھ حصہ ملتا ہے تو وہ جبرائیل امیں علیہ السلام کی طرح مقرب بن جاتا ہے)

قلندر بو علی ؒ ہستم بنامِ دوست سرمستم
دل اندر عشقِ اُو بستم، نمی دانم کجا رفتم

(میں بوعلی قلندر ہوں اور اپنے دوست کے نام سے سرمست ہوں، میں نے اپنے دل کو اس کے عشق میں باندھ دیا ہے۔ نہیں جانتا کہ میں کہاں جارہا ہوں)

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ
وَاحْکُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحًا فِیْهِ وَاحْتَکِمِ

(نہ کہو جو نصاریٰ نے اپنے نبی ﷺ کے متعلق کہا اور حکم لگاؤ جو شرف وعزت وعظمت ثابت کرسکتے ہوں)

فَاِنَّ فَضْلَ رَسُوْلِ اللّٰهِ لَیْسَ لَهٗ
حَدٌّ فَیُعْرِبُ عَنْهُ نَاطِقٌ بِفَمِ

(کیونکہ آپ ﷺ کے فضل وشرف کی کوئی حد نہیں، جس کو کوئی بھی صاحب زبان اپنی زبان سے ظاہر کرسکے)

اِنَّ مِنْ مُعْجِزَاتِکَ الْعِجْزُ عَنْ وَصْفِکَ
اِذْ لَا یَحُدُّهٗ اِلَّا حِصَاعًا

(آپ ﷺ کے معجزات میں سے ایک معجزہ یہ بھی ہے کہ خلق آپ ﷺ کی کماحقہ تعریف کرنے سے عاجز ہے، کیونکہ یہ اوصاف گنتی میں نہیں آسکتے)

وَکَیْفَ یَسْتَوْعِبُ الْکَلَامُ سَنَایَاکَ
وَهَلْ تُنْزَحُ الْبِحَارَ الدِّلَاءُ

(انسانی کلام کو کیا مجال کہ جو تیری تعریف کرسکیں اور کیا ڈول سے سمندر خالی کیے جاسکتے ہیں)

مولانا جامیؒ اور مولانا عطارؒ نے بھی ایسے بہت سے اشعار قلمبند کیے ہیں جس میں حضور ﷺ کے

عشق کا سمندر ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ مولانا عطار فرماتے ہیں۔

آں کہ آمد نہ فلک معراجِ اُو
انبیاء و اولیا محتاجِ اُو

(آپ ﷺ کی ذات وہ ہے جس کو کئی آسمانوں کی معراج حاصل ہوئی انبیاء اور اولیاء جس کے محتاج ہیں)

شد وجودش رحمتہ للعالمین
مسجد او شد ہمہ روئے زمین

(آپ ﷺ کا وجود مبارک تمام عالموں کے لیے رحمت ہے اور تمام روئے زمین آپ ﷺ کے لیے مسجد بنادی گئی)

حضرت جنید بغدادیؒ سے روایت ہے کہ آپ نے خدا تعالیٰ سے عرض کیا کہ اگر جہنم آپ کی اطاعت نہ کرتی تو آپ کیا کرتے، ارشاد ہوا کہ میں اپنی نہایت بڑی آگ یعنی آتشِ محبت جس کو میں نے اپنے دوستوں کے دلوں میں روشن کر رکھا ہے، اس پر مسلط کر دیتا۔ مشائخ عظام نے سورۂ فاطر کی آیت نمبر ۳۲ کی تشریح میں فرمایا ہے کہ عام لوگ تو جنت کے مشتاق ہیں مگر کچھ لوگ ایسے ہیں جن کا مولا تعالیٰ مشتاق ہے اور وہ اللہ سے عشق کرنے والے ہیں اور ایسا کیوں نہ ہو، اللہ بھی ان سے محبت کرتا ہے۔ وہ آیت حسب ذیل ہے:

"فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ ۚ وَمِنْهُمْ مُّقْتَصِدٌ ۚ وَمِنْهُمْ سَابِقٌۢ بِالْخَيْرٰتِ بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ"

(پس بعض ان میں سے اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں اور بعض درمیانہ رو ہیں اور بعض سبقت لے جانے والے ہیں نیکیوں میں اللہ کی توفیق سے) (فاطر: ۳۲)

مذکورہ آیت کے ذیل میں لکھا ہے کہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ سے مراد وہ ہیں جو دنیا کے لیے عبادت کرتے ہیں۔ مُقْتَصِدٌ وہ ہیں جو آخرت کے لیے عبادت کرتے ہیں اور تیسرے اللہ کے لیے کرتے ہیں۔ بعض نے لکھا ہے کہ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهٖ وہ ہے جو جنت کا مشتاق ہے اور مُقْتَصِدٌ وہ ہے جس کی طرف جنت مشتاق ہو اور سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ وہ ہے جن کا مولا خود مشتاق ہے۔

رسول اللہ ﷺ کے تبرکات کے ساتھ عقیدت اور محبت

جس کسی کو کسی سے محبت ہو تو اسے اپنے محبوب کی ہر شے سے محبت ہوتی ہے۔ صحابہ کرام ؓ کو رسول اللہ ﷺ سے شدید محبت تھی چنانچہ ان کو ہر اس چیز سے عقیدت تھی جس کا کسی نہ کسی طرح آپ ﷺ سے تعلق رہا ہو۔ حنانہ کھجور کے درخت کا تنا تھا جس کے ساتھ حضور ﷺ ٹیک لگا کر خطبہ جمعہ دیا کرتے تھے، لیکن جب لکڑی کا ممبر استعمال ہونے لگا تو یہ جدائی حنانہ کو برداشت نہ تھی اس لیے وہ آپ ﷺ کی جدائی میں بچوں کی

---

[۱] صحیح بخاری، حدیث ۱۹۸۹، جلد ۲، صفحہ ۳۲۸۔

طرح رونے لگا۔[1] مولانا رومیؒ نے اس کا ذکر مثنوی میں کیا ہے۔

صحابہ کرامؓ کو بھی حضور ﷺ کی ان تمام اشیاء سے محبت جنہیں حضور ﷺ کے استعمال میں رہنے کا شرف حاصل تھا، بلکہ ایک صحابیؓ کا وہ دستر خوان جس سے آپ ﷺ نے ایک بار ہاتھ پونچھا تھا اس کو حضور ﷺ سے نسبت ہونے کی وجہ سے یہ شرف ملا کہ جب اسے گرم تنور میں پھینک دیا جاتا تو وہ صاف ہو جاتا لیکن تنور کی آگ اسے نقصان نہ پہنچا سکتی تھی۔ جس چیز کو حضور ﷺ سے نسبت ہو جائے تو اس کا یہ حال ہوتا ہے۔

قاضی عیاضؒ شفاء شریف میں فرماتے ہیں کہ وہ تمام چیزیں جن کو حضور ﷺ سے کوئی نسبت یا تعلق رہا ہو یا اس کو آپ ﷺ کے کسی عضو نے چھوا ہو تو ان سب کا اکرام کرنا حضور ﷺ کا اکرام اور تعظیم کرنے میں داخل ہے۔ بہت سی مستند روایات میں ہے کہ حضور ﷺ کے تبرکات مقدسہ لوگوں نے بڑی احتیاط سے رکھے اور گراں قیمت دے کر خریدے۔

حضرت خالد بن ولیدؓ کی ٹوپی جنگ یرموک میں گم ہو گئی۔ آپؓ نے مڑ کر سخت حملہ کیا جس سے بہت سے مسلمان شہید ہو گئے آخر جب ٹوپی مل گئی تو لوگوں نے سبب پوچھا تو فرمایا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز عمرہ فرمایا تو جب آپ ﷺ نے سر منڈوایا تو لوگ موئے مبارک لینے دوڑے۔ میں نے بھی آپ ﷺ کی پیشانی مبارک کے بال لے کر اس ٹوپی میں رکھ لیے، جس لڑائی میں بھی یہ ٹوپی میرے پاس ہوئی تو مجھے فتح نصیب ہوئی۔ مجھے یہ خوف تھا کہ یہ ٹوپی کفار کے ہاتھ نہ لگ جائے اور مجھ سے اس کی برکت چلی نہ جائے۔[1]

حضرت عثمان غنیؓ کے ہاتھ سے وہ انگوٹھی جو حضور ﷺ کے پاس تھی اور جو درجہ بدرجہ حضرت ابو بکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ سے ہوتی ہوئی حضرت عثمان ذوالنورینؓ کے پاس آئی تھی "چاہ اریس" میں گر گئی۔ تین دن سخت تلاش کرنے کے باوجود نہ ملی، چنانچہ اس فتنے کا آغاز ہوا جس کا انجام حضرت عثمان غنیؓ کی شہادت پر ہوا۔[2]

حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ کی وفات کا وقت آیا تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کے کچھ بال اور ناخن مبارک منگوائے اور وصیت کی کہ یہ میرے کفن میں رکھ دیے جائیں چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔

حضرت خداش بن ابی خداش مکیؒ کے پاس حضور ﷺ کا ایک پیالہ تھا۔ حضرت عمر فاروقؓ جب

---

[1] عمدۃ القاری، جلد ۱۰۔ صفحہ ۶۳۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۵۵۳۵، جلد ۵، صفحہ ۳۴۷۔

ان کے پاس جاتے تو ان سے وہی پیالہ طلب فرماتے اور اس میں آبِ زمزم بھی بھر کر پیتے اور اپنے منہ پر چھینٹے مارتے۔ (اصابہ ترجمہ خداش)

حدیث شریف میں ہے کہ ایک ایسا پیالہ حضرت انس ؓ کے پاس تھا جو لکڑی کا تھا، جس میں حضرت انس ؓ نے بار بار رسول اللہ ﷺ کو پانی پلایا تھا۔ اس میں لوہے کا حلقہ تھا۔ حضرت انس ؓ نے چاہا کہ اس کو چاندی کے حلقہ سے بدل دیں، حضرت طلحہ ؓ نے فرمایا جس چیز کو رسول اللہ ﷺ نے بنایا ہوا سے تبدیل نہ کرنا چاہیے ۱

صحیح حدیث میں ہے کہ حضرت اسماء بنت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا جُبّہ مبارک، جسے آپ ﷺ پہننا پسند کرتے تھے ہمارے پاس تھا ہم اس کو دھو کر بغرضِ شفاء بیماروں کو دیا کرتے تھے۔ حضرت ابوایوب ؓ اور ابوعبداللہ ؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا لحاف تھا، اور جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ خلیفہ بنے تو انہوں نے منگوایا اور اپنے چہرے کو اس سے ملنے لگے ۲ حضرت کعب بن زبیر ؓ نے ایمان لانے کے بعد جب قصیدہ حضور ﷺ کی شان میں پڑھا تو آپ ﷺ نے ان کو اپنی چادر اوڑھائی، حافظ ابن حجرؒ نے بروایت حضرت سعید بن مسیب ؓ نقل کیا ہے کہ یہ وہی چادر ہے جسے خلفاء کبار ؓ بروزِ عید پہنا کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کی تلوار ذوالفقار خلیفہ ہارون الرشید کے پاس تھی۔

حضرت عمر فاروق ؓ نے حضرت عباس ؓ سے کہا کہ تمہارا اسلام لانا مجھے اپنے باپ خطاب کے اسلام لانے سے زیادہ محبوب ہے، اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے نزدیک تمہارا اسلام لانا زیادہ محبوب ہے۔ ۳

مروی ہے کہ ایک عورت ام المؤمنین سیدہ عائشہ صدیقہ طیبہ وطاہرہ رضی اللہ عنہما کے پاس آئی اور قبرِ انور کو دیکھ کر التجا کی کہ میرے لیے قبر مبارک ﷺ کا دروازہ کھول دیں تو اتنا روئی کہ جاں بحق ہوگئی۔ ۴

صحابہ کرام ؓ کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے متعلق شدّتِ محبت کے احساسات

صحابہ کرام ؓ کو اپنی جانوں کی نسبت رسول اللہ ﷺ سے زیادہ محبت تھی۔ وہ یہ نہیں چاہتے تھے کہ

---

[۱] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۱۲۹۷۱، جلد ۳، صفحہ ۱۸۷۔

[۲] مشکوٰۃ المصابیح، حدیث ۴۳۵۲، جلد ۲، صفحہ ۱۲۴۴۔

[۳] مجمع الزوائد، جلد ۹، صفحہ ۲۶۸۔

[۴] الزھد لابن حنبل، جلد ۱، صفحہ ۳۶۹۔

آپ ﷺ کے پاؤں میں کانٹا بھی چبھ جائے۔ صحابہ کرام ؓ اپنی نسبت رسول اللہ ﷺ کی خوشی کا زیادہ احساس کرتے تھے اور اپنے مال و جان اور اولاد سے بڑھ کر آپ ﷺ کا خیال رکھتے تھے۔ صحابہ کرام ؓ اپنے لیے بڑی سے بڑی مصیبت کو برداشت کرنے کے خواہاں تھے اور یہ نہ چاہتے تھے کہ حضور ﷺ کو رائی برابر بھی تکلیف پہنچے۔ [۱] ایسی چند روایات نیچے پیش کی جارہی ہیں۔

حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ میرے لیے رسول اللہ ﷺ اپنے اموال، اولاد، ماں باپ اور پیاسے کو ٹھنڈے پانی سے زیادہ محبوب تھے۔ [۲]

حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما کے ہاتھوں کو پکڑ کر فرمایا کہ جو ان دونوں اور ان دونوں کے ماں باپ کو دوست رکھتا ہے تو روزِ قیامت میرے ساتھ میرے درجے میں ہوگا (مراد انتہائی قرب ہے)۔ [۳]

ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوا اور کہا۔

"یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ میرے نزدیک اہل و عیال اور مال و جان سے زیادہ محبوب ہیں جب آپ ﷺ کی یاد ستاتی ہے تو صبر نہیں آتا جب تک حاضر ہو کر آپ ﷺ کے جمال مبارک کو نہ دیکھ لوں میں اپنی موت کو اور آپ ﷺ کی رحلت فرمانے کو یاد کرتا ہوں تو البتہ مجھے یہ غم ہے کہ حق تعالیٰ قیامت کے روز مجھے یہ دیدار نصیب فرمائے گا یا نہیں"۔ [۴]

صحابہ کرام ؓ کے دلوں میں رسول اللہ ﷺ کی محبت کی کیفیات

محبت آداب سکھاتی ہے۔ جہاں محبت ہو وہاں ادب و احترام پایا جانا لازم و ملزوم ہے۔ ویسے بھی کہا جاتا ہے کہ "بے ادب بے مراد"۔ صحابہ کرام ؓ نے تادیبِ نفس کے ذریعے اپنے آپ کو روحانیت کی بلندیوں تک پہنچا دیا۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ تمام اولیاء کرامؒ جب حضور ﷺ کے روضہ مبارک پر حاضری دیتے ہیں تو آج بھی آپ ﷺ کا اسی طرح ادب اور احترام کرتے ہیں جس طرح اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے ادب کے لیے قرآن مجید میں متعدد جگہ پر ذکر فرمایا۔ ارمغانِ حجاز میں علامہ اقبال نے عزت بخاری کا شعر حضور رسالت مآب ﷺ کے عنوان سے حسب ذیل الفاظ میں نقل کیا ہے اور یہ لکھا ہے کہ جنیدؒ و بایزیدؒ حضور ﷺ کے روضے پر ادب کی وجہ سے اونچا سانس بھی نہیں لیتے تھے۔

ادب گاہیست زیرِ آسماں از عرش نازک تر

---

[۱] دلائل النبوۃ، جلد ۳، صفحہ ۳۶۲۔

[۲] الشفاء شریف، جلد ۲، صفحہ ۱۹۔

[۳] سنن الترمذی، حدیث ۳۷۳۳، جلد ۵، صفحہ ۶۴۱۔

[۴] مجمع الزوائد، حدیث ۱۰۹۳۷، جلد ۷، صفحہ ۶۳۔

نفس گم کردہ می آید جنیدؒ و بایزیدؒ ایں جا

(آسمان کے نیچے ایسی ادب گاہ جو عرش سے بھی زیادہ نازک ہے، حضور ﷺ کی قبر مبارک ہے جہاں جنیدؒ و بایزیدؒ جیسے لوگ بھی سانس روک کر آتے تھے)۔ (ا۔ ح: ۸۵)

روایات میں آیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی روحِ مبارکہ کو وصال کے بعد جب اوپر لے گئے تو یہ حکم ہوا کہ آپ ﷺ کی روح مبارک کو اس مقام پر لے جایا جائے جو اُن کی شایانِ شان ہو لیکن جب عرشِ عظیم پر کوئی ایسی جگہ نظر نہ آئی تو یہ فیصلہ ہوا کہ آپ ﷺ کی روح مبارک کو آپ ﷺ کے جسد مبارک میں ہی لوٹا دیا جائے کیوں کہ پوری کائنات میں اس سے بہتر کوئی جگہ نہیں (کیونکہ قبر مبارک عرش سے بھی اعلیٰ ہے)۔ سیرت کی کتابوں (بالخصوص تاریخ مدینہ مرتبہ مولوی عبدالحق محدث دہلویؒ) میں اس بات کا ذکر ہے کہ تمام صوفیائے کرام کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زمین کا وہ حصہ جس کے ساتھ حضور ﷺ کا جسد مبارک مس ہو رہا ہے، درجے کے اعتبار سے عرشِ عظیم سے بلند تر مرتبہ رکھتا ہے۔

خلیفہ ابو جعفر منصور عباسیؒ نے حضرت امام مالکؒ سے مسجد نبوی ﷺ میں مناظرہ کیا۔ اثناء مناظرہ خلیفہ نے آواز بلند کی تو امام صاحبؒ نے فرمایا کہ اس مسجد میں آواز بلند مت کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ" (اپنی آوازوں کو نبی ﷺ کی آواز سے بلند مت کریں) (الحجرات: ۲) اور آنحضرت ﷺ کا احترام وفات شریف کے بعد بھی ویسا ہی ہے، یہ سن کر خلیفہ دھیما ہو گیا۔ پھر پوچھا اے امامؒ میں اثناء دعا اپنا منہ قبلہ کی جانب رکھوں یا روضہ مبارک کی جانب، آپ نے فرمایا کہ تم رسول اللہ ﷺ کی طرف سے منہ کیوں پھیرتے ہو حالانکہ وہ روز قیامت تمہارے وسیلہ ہیں اور تمہارے باپ آدم ؑ کے وسیلہ ہیں، تم ان ﷺ ہی کی طرف منہ کرو اور ان کے وسیلہ سے دعا مانگو۔[1]

امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ میں امام جعفر صادقؒ، عبدالرحمٰن بن قاسم بن محمد ابن ابی بکر ؓ، عامر بن عبداللہ بن زبیرؒ، صفوان بن سلیم ؒ اور امام محمد بن مسلمؒ زہری رحمھم اللہ علیھم اجمعین سے ملا کرتا تھا، میں نے ان کا حال دیکھا کہ جب رسول اللہ ﷺ کا ذکر آ جاتا تو ان کا رنگ زرد ہو جاتا اور شوق زیارت میں روتے اور بعض تو بے خود ہو جایا کرتے۔

امام مالکؒ نے اپنی تمام عمر مدینہ شریف میں بسر کی اور بپاسِ ادب مدینہ شریف کے حرم کی حد میں بول و براز نہیں کیا۔ ایک شخص نے کہا کہ مدینہ طیبہ کی مٹی خراب ہے، امام مالکؒ نے فتویٰ دیا کہ اسے تیس درے لگائے جائیں اور قید رکھا جائے اور فرمایا کہ ایسا شخص اسی لائق ہے کہ اس کی گردن ماردی جائے۔

---

[1] الشفاء شریف، جلد ۱، صفحہ ۵۲۰۔

زید بن اسلم ؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ حضرت عمر فاروق ؓ اور دیگر صحابہ کرام ؓ کے ساتھ ۶ ھ میں عمرے کے ارادے سے نکلے تو حدیبیہ کے مقام پر حضرت عثمان ؓ کو روانہ کیا تا کہ مکہ کے قریش کو علم ہو جائے کہ ہم جنگ کے لیے نہیں آ رہے، کیونکہ اہل قریش ڈر گئے تھے کہ شاید آپ ﷺ جنگ کے لیے آ رہے ہیں۔ افواہ مشہور ہوئی کہ کفار نے حضرت عثمان ؓ کو قتل کر دیا ہے، چنانچہ آپ ﷺ نے جنگ کے لیے صحابہ کرام ؓ سے بیعت لی اور حضرت عثمان ؓ کی بیعت رسول اللہ ﷺ نے اپنے ہاتھ پر لی جو بیعت رضوان کے نام سے مشہور ہے۔ جب حضرت عثمان ؓ واپس تشریف لائے تو لوگوں نے کہا کہ آپ ؓ خوش نصیب ہیں کہ بیت اللہ کا طواف کر لیا۔ آپ ؓ نے جواب دیا کہ تم نے میرے متعلق گمان بد کیا۔ اس ذات کی قسم ہے جس کے ہاتھ میں میری جان ہے اگر میں وہاں ایک سال ٹھہرا رہتا اور حضور ﷺ حدیبیہ میں ہوتے تو میں آپ ﷺ کے بغیر طواف نہ کرتا حالانکہ قریش نے مجھے کہا تھا کہ طواف کر لو مگر میں نے انکار کر دیا۔ [۱] منقول ہے کہ حضرت عثمان ؓ نے جب سے رسول اللہ ﷺ سے بیعت کی تو اپنا دایاں ہاتھ کبھی اپنی شرمگاہ پر نہ رکھا۔ حضرت ابوایوب انصاری ؓ کے مکان کی نچلی منزل میں حضور ﷺ نے مدینہ شریف ہجرت کرنے کے بعد قیام فرمایا۔ حضرت ابوایوب انصاری ؓ نے اس خیال سے کہ حضور ﷺ نیچے ہیں کہیں بے ادبی نہ ہو آپ ؓ نے اس جگہ سے ہٹ کر ایک جانب رات گزاری اور دوسرے روز نچلے حصے میں آ گئے اور آنحضرت ﷺ کو اوپر والے حصے میں لے گئے۔ [۲]

حضرت ابواسحٰق یحییٰ ؒ (م ۳۵۲ ھ) فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ کے وصال کے بعد صحابۂ کرام ؓ جب آپ ﷺ کا ذکر کرتے تو خشوع اور انکساری کرتے اور ان کے بدن کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے اور وہ حضور ﷺ کے اشتیاقِ زیارت میں رویا کرتے۔

ایک روایت میں ہے کہ جب حضرت بلال ؓ کے انتقال کا وقت آیا تو ان کی بیوی گریہ وزاری کرنے لگیں اور ایک روایت میں ہے کہ غم وافسوس کرنے لگیں۔ اس پر حضرت بلال ؓ نے ان سے کہا کہ کتنی خوشی اور مسرت کا مقام ہے کہ میں کل صبح اپنے آقا و مولا سیدِ عالم ﷺ اور ان کے اصحاب واحباب ؓ سے ملاقات کروں گا اور تم گریہ وزاری کر رہی ہو۔ [۳] اسی طرح حضور ﷺ کے وصال کے وقت حضرت فاطمۃ الزہراء رضی اللہ عنہا رونے لگیں۔ پھر حضور ﷺ نے ان کے کان میں کچھ کہا تو وہ ہنسنے اور خوش ہونے لگیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا تھا کہ اے فاطمہ (رضی اللہ عنہا) تو غم نہ کر، سب سے پہلے مجھ سے تو ہی آن ملے گی۔ اس

---

[۱] سنن البیہقی الکبریٰ، حدیث ۱۸۵۸۸، جلد ۹، صفحہ ۲۲۱۔

[۲] صحیح مسلم، حدیث ۲۰۵۳، جلد ۳، صفحہ ۱۶۲۳۔

[۳] سیر اعلام النبلاء، جلد ۱، صفحہ ۳۵۹۔

[۴] صحیح بخاری، حدیث ۵۹۲۸، جلد ۵، صفحہ ۲۳۱۷۔

پر وہ خوش ہوئیں، چنانچہ آپ رضی اللہ عنہا کا وصال حضور پر نور ﷺ کے وصال سے صرف چھ ماہ بعد ہوا۔ ۳

عبیدہ بن خالد بن معدان رضی اللہ عنہا سے منقول ہے وہ کہتی ہیں کہ خالد ؓ جب بھی گھر میں سونے کے لیے لیٹتے تو رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحاب و مہاجرین اور انصار سے شوقِ ملاقات کا اظہار کرتے اور ان کا نام لے لے کر یاد کرتے اور کہتے کہ وہ ہماری اصل نسل ہیں ان کی طرف میرا دل کھینچ رہا ہے اور ان سے ملاقات کی تمنا طویل ہو رہی ہے۔ اے خدا میری جان جلد قبض فرما۔ پھر وہ روتے اور آہ و زاری کرتے رہتے اور یہی کلمات ان کی زبان پر جاری رہتے یہاں تک کہ نیند غلبہ کر لیتی اور سو جاتے۔

شرح صحیح بخاری میں حضرت سائب بن یزید ؓ کا بیان ہے کہ میں مسجد نبوی ﷺ میں لیٹا ہوا تھا کہ ایک شخص نے مجھے کنکری ماری میں نے دیکھا کہ حضرت عمر ؓ مجھے بلا رہے ہیں کہ ان دو شخصوں کو بلاؤ۔ جب ان سے پوچھا تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو تو انہوں نے جواب دیا کہ ہم طائف کے رہنے والے ہیں۔ آپ ؓ نے فرمایا، کہ اگر تم اس شہر کے رہنے والے ہوتے تو تمہیں درے لگاتا کیا تم رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں آوازیں بلند کرتے ہو؟ ۱

حضرت ابوبکر صدیق ؓ حضور اکرم ﷺ سے عرض کرتے تھے کہ قسم ہے اس خدا کی جس نے آپ ﷺ کو حق کے ساتھ بھیجا ہے، یقیناً ابو طالب ؓ کا اسلام لانا میری آنکھوں کو زیادہ ٹھنڈک اور روشنی پہنچاتا بہ نسبت ان کے کہ ابو قحافہ ؓ جو میرے والد ہیں، اس لیے کہ ابو طالب ؓ کے اسلام لانے سے آپ ﷺ کی آنکھوں کو ٹھنڈک ہوئی۔ ۲

ابن اسحاقؒ سے مروی ہے، کہ غزوہ احد کے دن ایک انصاری عورت جس کے بیٹے، باپ، بھائی اور شوہر رسول اللہ ﷺ کی معیت میں سب شہید ہو گئے اور اس کو بتایا گیا کہ یہ تیرے شوہر، باپ اور بھائی کی لاشیں ہیں مگر اس نے ان کی طرف التفات نہ کیا اور پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ کا کیا حال ہے۔ لوگوں نے کہا خیریت سے ہیں تو اس نے کہا الحمد للہ میں انہی کو محبوب رکھتی ہوں۔ مجھے بتاؤ کہ وہ کہاں تشریف فرما ہیں تا کہ میں ان کی زیارت کروں۔ جب اس نے حضور ﷺ کو دیکھا تو کہنے لگی، ''کُلُّ مُصِیْبَةٍ بَعْدَکَ جَلَلٌ'' (یعنی اگر آپ ﷺ سلامت ہیں تو ہر مصیبت آسان ہے اور کسی کے مرنے کا غم نہیں۔ کسی نے کہا ہے) ۳

از جمالِ تو کعبہ شد قبلہ
قبل ازیں ورنہ بود بت خانہ

---

۱ صحیح بخاری، حدیث ۳۵۸۲، جلد ۱، صفحہ ۱۷۹۔

۲ تاریخ دمشق و مدینہ، جلد ۱، صفحہ ۳۲۷۔

۳ الشفاء شریف، حدیث ۱۲۱۵، جلد ۱، صفحہ ۳۹۷۔

(آپ ﷺ کے جمال سے کعبہ قبلہ بنا ورنہ آپ ﷺ کے آنے سے قبل یہ بت خانہ تھا) ۱

جب اہلِ مکہ حضرت زید بن دشنہ ؓ کو حرم سے شہید کرنے نکلے تو سفیان ؓ بن حرب (جو کفارِ مکہ سے تھے) اور ابھی اسلام نہیں لائے تھے، کہنے لگے اے زید ؓ! میں تمہیں قسم دیتا ہوں کہ بتاؤ تم دل سے یہ چاہتے ہو کہ اس وقت تمہاری جگہ محمد (ﷺ) قتل کیے جاتے اور تم اپنے اہل وعیال میں رہتے اس پر زید ؓ نے فرمایا۔ ''مجھے خدا کی قسم ہے، اس وقت بھی حضور ﷺ سے محبت ہے اور میں دل سے چاہتا ہوں کہ وہ سلامت رہیں اور میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ ان کے دستِ مبارک میں کانٹا بھی چبھے اور میں اپنے گھر میں خوش رہوں'' ابو سفیان ؓ نے کہا میں نے کسی شخص کو ایسی محبت رکھنے والا نہیں دیکھا جتنا کہ اصحابِ محمد، حضور ﷺ سے وارفتگی اور محبت رکھتے ہیں''[۱]

حضرت فخر الدین رازیؒ اور نسفیؒ نے بیان کیا ہے کہ ایک یہودی کا نزع کا وقت تھا اور ایک عارف نے اسے کہا مسلمان ہو جا، تجھے جنت ملے گی، کہنے لگا مجھے اس کی حاجت نہیں۔ کہا مسلمان ہو جا تجھے دوزخ سے نجات ملے گی، کہنے لگا میں اس کی بھی پرواہ نہیں کرتا، انہوں نے کہا مسلمان ہو جا تجھے خدائے کریم کا دیدار نصیب ہو گا۔ اس پر وہ مسلمان ہو گیا اور اس کی روح بھی پرواز کر گئی، کسی نے خواب میں اس سے پوچھا کہ خداوند تعالیٰ نے تیرے ساتھ کیا سلوک کیا، کہنے لگا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے اپنے سامنے کھڑا کر کے کہا تو میرے لقاء کے شوق سے مسلمان ہوا ہے؟ میں نے عرض کیا ہاں! جواب میں ارشاد ہوا کہ تجھے میری لقاء اور رضا دونوں نصیب ہوں گی۔ حضرت عبدالرحمٰن بن سعد ؓ کا بیان ہے کہ ایک دفعہ حضرت ابن عمر ؓ کا پاؤں سن ہو گیا۔ ایک شخص نے آپ ؓ سے کہا کہ آپ کے نزدیک جو سب لوگوں سے زیادہ محبوب ہو اسے یاد کیجئے۔ یہ سن کر آپ ؓ نے کہا ''یا محمد ﷺ'' تو آپ کا پاؤں اچھا ہو گیا''[۲]

حضرت ثمامہ ؓ بن اثال یمامی جو اہل یمامہ کے سردار تھے ایمان لا کر کہنے لگے۔

''اے محمد ﷺ! خدا کی قسم میرے نزدیک روئے زمین پر کوئی چہرہ آپ ﷺ کے چہرے سے زیادہ مبغوض نہ تھا، آج وہی چہرہ مجھے سب چیزوں سے زیادہ محبوب ہے، اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی دین آپ ﷺ کے دین سے زیادہ مبغوض نہ تھا، اب وہی دین میرے نزدیک سب دینوں سے زیادہ محبوب ہے۔ اللہ کی قسم میرے نزدیک کوئی شہر آپ ﷺ کے شہر سے زیادہ مبغوض نہ تھا، اب وہی شہر میرے نزدیک سب شہروں سے زیادہ محبوب ہے۔[۳]

---

[۱] البدایۃ والنھایۃ، جلد۴، صفحہ ۶۵۔

[۲] صحیح البخاری، حدیث ۹۶۴، جلد۱، صفحہ ۳۳۵۔

[۳] صحیح البخاری، حدیث ۳۱۱۴، جلد۴، صفحہ ۱۵۸۹۔

حضور ﷺ کے وصال پر صحابہ کرام ؓ کی کیفیتِ فراق

۱۔ حضور نبی کریم ﷺ کے وصال کے بعد تمام صحابہ ؓ بالعموم مغموم رہتے، حتیٰ کہ بعض نے مسکرانا ہی ترک کر دیا۔ حضرت ابو جعفر ؓ سیدہ عالم حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں بیان کرتے ہیں:

"مَارَاَیْتُ فَاطِمَۃَ ضَاحِکَۃً بَعْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ"

(میں نے آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد کبھی بھی حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو مسکراتے نہیں دیکھا)[1]

۲۔ حضرت علی ؓ سے مروی ہے کہ جب حضرت فاطمہ ؓ آقائے دو جہاں ﷺ کے مزار اقدس پر ہوتیں تو آپ ؓ کی کیفیت اس طرح ہوتی کہ قبر انور کی مٹی مبارک اٹھا کر آنکھوں پر لگاتیں اور حضور ﷺ کی یاد میں رو رو کر یہ اشعار پڑھتیں۔

"مَاذَا مَنْ شَمَّ تُرْبَۃَ اَحْمَدُ، اَنْ لَّا یَشَمَّ مَدَی الزَّمَانِ غَوَالِیاً
صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبُ لَوْ اَنَّھَا، صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْنَ لَیَا لِیاً"

ترجمہ: (جس شخص نے آپ ﷺ کے مزار مبارک کی خاک کو سونگھ لیا، اسے زندگی میں کسی دوسری خوشبو کی ضرورت نہیں۔ آپ ﷺ کے وصال کی وجہ سے مجھ پر جتنے عظیم مصائب آئے ہیں اگر وہ دنوں پر اترتے تو راتوں میں بدل جاتے[2] امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ جب رسالت مآب ﷺ کی تدفین ہو چکی تو سیدہ عالم حضرت فاطمۃ الزہرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے تدفین کرنے والے صحابہ ؓ میں سے حضرت انس ؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا:

"یَا اَنَسُ اَطَابَتْ اَنْفُسُکُمْ اَنْ دَفَنْتُمْ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِی التُّرَابِ وَرَجَعْتُمْ"

(اے انس! تمہارے دلوں نے آپ ﷺ کی تدفین کو کس طرح گوارا کر لیا اور تم واپس لوٹ آئے)[3]

حضرت حماد ؓ سے منقول ہے کہ جب مذکورہ روایت حضرت انس ؓ کے شاگرد (مشہور تابعی) حضرت ثابت البنانی ؓ بیان کرتے تو حضرت انس بہت روتے:

"بَکٰی حَتّٰی تَخْتَلِفَ اَضْلاَعَتُہٗ"

(تو وہ اتنا روتے کہ ان کی پسلیاں اپنی جگہ سے ہل جایا کرتی تھیں)[4]

۴۔ "شیخ عبد الحق محدث دہلویؒ آپ ﷺ کے وصال مبارک کے بعد فراق کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے

---

[1] المعجم الکبیر، حدیث ۹۹۵، جلد ۲۲، صفحہ ۳۹۹۔

[2] مرقاۃ المصابیح، جلد ۱۱، صفحہ ۱۰۸۔

[3] الزھد لابن حنبل، جلد ۱، صفحہ ۱۶۔

[4] الجواب الکافی محمد بن ابی بکر الزرعی، متوفی ۷۵۱ھ، جلد ۱، صفحہ ۱۸۔

ہیں:

> ''آنحضرت ﷺ کے وصال کے بعد آپ ﷺ کی اونٹنی نے مرتے دم تک نہ کچھ کھایا نہ پیا۔ آپ ﷺ کے وصال کے بعد جو عجیب کیفیات رونما ہوئیں ان میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جس دراز گوش پر آپ ﷺ سواری فرماتے تھے وہ آپ ﷺ کے فراق میں اتنا پریشان ہوا کہ اس نے ایک کنویں میں چھلانگ لگا دی اور اپنی زندگی ختم کر لی''۔[1]

۵۔ امام آلوسیؒ نقل کرتے ہیں کہ صحابہ کرام ؓ کو جب حضور ﷺ کی یاد تڑپاتی تو وہ آپ ﷺ کے دیدار فرحت آثار کے لیے نکل کھڑے ہوتے اور آپ ﷺ کو مبارک حجروں میں تلاش کرتے۔ اُمھَاتُ الْمؤمِنِین رَضِیَ اللّٰہُ عَنْھُنَّ سے عرض کرتے کہ ہمیں آپ ﷺ کے دیدار کے بغیر چین نہیں آ رہا، چنانچہ بعض اوقات حضرت میمونہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سرکار ﷺ کے زیر استعمال رہنے والا آئینہ لے آتیں۔ جب صحابہ کرام ؓ اس آئینے کو دیکھتے تو بجائے اپنے کو دیکھنے کے اس میں حضور ﷺ کی تصویر دکھائی دیتی۔[2]

۶۔ حضرت قاسم بن محمد ؓ فرماتے ہیں۔ حضور ﷺ کے صحابہ ؓ میں سے ایک صحابی ؓ کی بینائی جاتی رہی لوگ ان کی عیادت کے لیے گئے۔ جب ان کی بینائی ختم ہونے پر افسوس کا اظہار کرنے لگے تو انہوں نے کہا ''میں ان آنکھوں کو فقط اس لیے پسند کرتا تھا کہ ان کے ذریعہ مجھے نبی کریم ﷺ کا دیدار نصیب ہوتا تھا۔ اب چونکہ آپ ﷺ کا وصال ہو گیا ہے اس لیے اگر مجھے ہرن کی آنکھیں بھی مل جائیں تو خوشی نہ ہو گی''[3] یہ صحابہ کرام ؓ کی کیفیات عشق و مستی کے چند نمونے ہیں جو آج بالعموم مسلمانوں کی نگاہوں سے اوجھل ہیں۔ آج کی مادیت زدہ تبلیغ ان احوال کے تذکروں سے عملاً گریزاں ہے۔ اسلامی فکر کے بعض علمبردار علماء و مصنفین اپنے بیان کو ان محبت بھرے حوالوں سے بچا بچا کر چل رہے ہیں لیکن بعض انتہاء پسند علماء تو عشق و محبت رسول ﷺ کے ان تذکروں کو معاذ اللہ ''مذہبی افیون'' تک کہنے لگے ہیں اور طعنے کے طور پر کہتے ہیں کہ یہ عاشق رسول ﷺ ہیں۔

عید میلاد النبی ﷺ عشقِ رسول ﷺ کا ایک اظہار ہے

یہ آج کی بات نہیں کہ پاکستان میں عید میلاد النبی ﷺ منایا جانے لگا ہے بلکہ عرب شریف اور دیگر ممالک میں اکابرینِ اسلام بھی اپنے وقت میں اسی خوشی کو منایا کرتے تھے اور اس کی دلالت پر سینکڑوں حوالہ جات موجود ہیں، جن کا اس جگہ بیان کرنا مقصود نہیں۔ امام بخاریؒ، امام قسطلانیؒ، ابنِ تیمیہؒ، ابوذرعہ عراقیؒ، امام ابنِ حجرؒ، مُلّا علی قاریؒ، امام نصیر الدینؒ، امام کتانیؒ، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ، شاہ ولی اللہ محدثؒ

---

[1] البدایۃ والنہایۃ، جلد ۶، صفحہ ۱۵۱۔

[2] روح المعانی، جلد ۱، صفحہ ۸۷۔

[3] دلائل النبوۃ، جلد ۳، صفحہ ۳۶۲۔

نے جشنِ میلاد کی تائید فرمائی ہے۔ ابنِ جوزیؒ، شاہ عبدالرحیمؒ، مولانا عبدالحق لکھنویؒ، حاجی امداداللہ مہاجر مکیؒ، مفتی مظہرؒ اور شیخ قطب الحنفیؒ کے علاوہ دیگر بہت سے علماء نے جشنِ میلاد کی تفاصیل قلمبند فرمائی ہیں۔

سورۂ یونس آیت ۵۸ میں فرمانِ الٰہی ہے۔ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ط (یعنی آپ ﷺ فرمادیں کہ اللہ کے فضل اور رحمت پر خوشی منائیں) اگرچہ کتاب اللہ بھی نعمت اور رحمت ہے اور رسول اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ بھی اللہ کا فضل اور عالمین کے لیے رحمت ہے تو پھر ان کی آمد پر خوشی منانا عین فرمانِ الٰہی کے مطابق ہے۔ آپ ﷺ کی ذات مبارکہ وہ نعمت اور رحمت ہے جس کا اللہ تعالیٰ نے اپنی طرف سے مومنوں پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ (آل عمران:۱۶۴) فرما کر اپنے احسان کا تذکرہ قرآن میں بیان فرمایا۔ یہاں صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ عید میلادالنبی ﷺ منانا اس لیے بھی ضروری ہے کہ تاقیامت ہم آنے والی نسلوں کے سینوں کو حضور ﷺ کے عشق سے گرم کرتے رہیں، ورنہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی محبت ذہنوں سے مٹتی چلی جائے۔ قرآن میں شعائراللہ کی تعظیم کا حکم ہے اور جب طواف، سعی صفا و مروہ اور رمی جمار وغیرہ شعائراللہ کی یاد کو حج کے ایام میں تازہ رکھنے کا حکم ہے تو رسول اللہ ﷺ کی ولادت کو نظرانداز کرنا عاشقوں کے لیے کیسے ممکن ہوسکتا ہے، جبکہ اکابرینِ اسلام نے اس کی تائید فرمائی ہے، جس کے حوالے اوپر بیان ہوئے ہیں۔ علامہ اقبالؒ فرماتے ہیں:

گاهے گاهے باز خواں ایں قصهٔ پارینه را
تازه خواهی داشتن گر داغ هائے سینه را

(اگر ان پرانے داغوں کو تازہ رکھنا چاہتے ہو تو اپنے اسلاف کے پرانے قصوں کو دہراتے رہو)

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت، صورت اور آپ ﷺ کی ذات مبارکہ کا بیان وہی لوگ کرتے ہیں جن کو آپ ﷺ سے عشق اور محبت ہو۔ جتنا ولولہ ذکر ہوگا عشق بھی اتنا ہی ہوگا، جیسا کہ فرمایا '' مَنْ اَحَبَّ شَيْئًا فَاَكْثَرَ ذِكْرَهٗ '' (جس کو کسی سے محبت ہو تو وہ اکثر اس کا ذکر کرتا ہے)[1] حضور نبی معظم ﷺ نے خود فرمایا کہ '' مَنْ اَحَبَّنِيْ كَانَ مَعِيَ فِي الْجَنَّةِ '' یعنی جو مجھ سے محبت کرے گا وہ جنت میں (بھی) میرے ساتھ ہو گا۔[2] جو بھی حضور ﷺ کا جب اور جہاں ذکر کرے گا، آپ ﷺ اس کو دیکھتے ہیں جیسے ایک حدیث شریف میں ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اگر کوئی مسجد سے صفائی کی غرض سے ایک تنکا بھی نکال کر باہر پھینکتا ہے تو اس کا یہ عمل بھی میرے سامنے پیش کیا جاتا ہے''[3] تو کیا وہ مجالس جن میں آپ ﷺ کی ثناء اور مدحت بہت پیارے انداز میں کی جائے اور آپ ﷺ کی محبت میں لوگ جھوم رہے ہوں، چہروں پر محبتِ رسول ﷺ کے

---

[1] شعب الایمان، حدیث ۵۰۱، جلد ۱، صفحہ ۳۸۸۔

[2] کنزالعمال، حدیث ۹۳۳، جلد ۱، صفحہ ۱۰۵۔

[3] سنن الترمذی، حدیث ۲۹۱۶، جلد ۵، صفحہ ۱۷۸۔

آثار دیوانوں کی طرح ظاہر ہو رہے ہوں اور ساتھ ہی اس مجلس پر انوارِ ربّی نچھاور کئے جا رہے ہوں تو وہ ذات پاک ﷺ جو تمام عالموں کے لیے رحمت بنائی گئی ہے دیکھ نہ رہی ہوگی۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے:

ہر کجا ہنگامۂ عالم بود
رحمۃ للعالمینے ہم بود

(یعنی جہاں عالموں کا ہنگامہ ہے، رحمۃ اللعالمین ﷺ بھی وہاں موجود ہوتے ہیں) (ج۔ن:۱۲۶)

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ حضور ﷺ سے محبت، جس انداز میں، جب بھی، جہاں بھی، ہو مقبول بارگاہِ ایزدی اور مرغوب بارگاہِ رسالت ﷺ ہوتی ہے اور چونکہ میلاد النبی ﷺ میں اسی محبت کا سب سے زیادہ اظہار ہوتا ہے، اس لیے اس کی مقبولیت کا سبب وہ مجالس ہی نہیں بلکہ ان مجالس میں رونما ہونے والی محبت ہی اصل بات ہے۔ اس باب میں اسی مناسبت سے ہم محبت اور عشق پر روشنی ڈالیں گے اور اس پر غور کریں گے کہ محبت اور عشق پر اسلام نے دین کی بنیاد کیوں رکھی اور یہ کیوں فرمایا کہ "وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰہِ ط" (جو لوگ ایمان لائے اللہ سے شدید محبت رکھتے ہیں) (البقرۃ:۱۶۵)

اسلام کی بنیاد ہی عشق اور محبتِ رسول ﷺ پر ہے

اگر اسلام کا بغور مطالعہ کیا جائے تو اسلام کی اصل محبت اور عشق ہی پر استوار ہے یہ اس لیے کہ محبت اور عشق مصارف زندگی میں آگے بڑھنے کے جذبے کا نام ہے، عشق میں خود پسندی، خودنمائی اور خود گیری بھی ہے اور دوسروں کی زندگی بہتر بنانے کا تصور بھی شامل ہے۔ مشائخ کبارؒ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کائنات کی بنیاد بھی عشق پر رکھی۔ اس کے ہر ہر ذرہ سے عشق ٹپکتا ہے، کائنات کے اجسام محبت سے منسلک اپنے اپنے فرائض کی انجام دہی میں رواں دواں ہیں، بلکہ مشائخ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ خود حضور ﷺ کی پیدائش اور ظہور بھی محبتِ الٰہی کے تحت ہوا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے حضور ﷺ کو اپنے نور سے پیدا فرمایا اور یہ نور محمدی ﷺ آئینہ سے زیادہ صاف اور شفاف ہونے کے باعث اللہ تعالیٰ کی تمام صفات کا مظہر بنا۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنی ہی صفات اس آئینے میں دیکھیں تو اس دن سے ہی اس نور پر عاشق ہو گیا، چنانچہ اس طرح یہ عشق خدا سے شروع ہوا، محمد ﷺ کے نور کے واسطے سے تمام کائنات کو نصیب ہوا۔ اس عشق سے لطف اندوز ہونے والے سب سے پہلے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تھے جو خیارِ امت کہلائے اور پھر ہم لوگوں کو سینہ بہ سینہ منتقل ہوا۔

علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ عشق کی ابتداء حضور رسالت مآب ﷺ کے آفتاب عالی مرتبت سے ہوئی ہے۔

می ندانی عشق و مستی از کجاست؟
ایں شعاعِ آفتابِ مصطفیٰ ست
زندہ تا سوزِ او در جانِ تست
ایں نگاہ دارندۂ ایمانِ تست

(تو نہیں جانتا کہ عشق و مستی کہاں سے چلی؟ یہ آفتابِ رسالت مآب ﷺ کی شعاع ہے۔ تم اس وقت تک زندہ رہ سکتے ہو جب تک اس شعاع کی گرمی تمہارے اندر ہے اور یہی گرمی تمہارے ایمان کی محافظ بھی ہے) (پ۔ چ:٦٨)

رسول اکرم ﷺ نے فرمایا کہ "عَدَمُ الْاِیْمَانِ عَلٰی مَنْ لَّمْ یُحِبَّہُ ھٰذِہِ الْمُحَبَّۃ" (یعنی جسے محبت نہیں اس کے لیے ایمان بھی نہیں۔)[1] ایک اور مقام پر فرمایا کہ "لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی اَکُوْنَ اَحَبَّ اِلَیْہِ مِنْ وَّالِدِہٖ وَوَلَدِہٖ وَالنَّاسِ اَجْمَعِیْنَ" (یعنی تم میں سے کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے زیادہ محبوب نہ ہو جاؤں۔)[2] حضور ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا ہے اَلْحُبُّ اَسَاسِیْ (محبت میری بنیاد ہے)۔[3] چنانچہ علماء اسلام نے محبت کو ہی اصل ایمان تصور کیا ہے۔ علامہ اقبالؒ نے یہاں تک فرمایا کہ:

اگر ہو عشق تو ہے کفر بھی مسلمانی
نہ ہو تو مردِ مسلماں بھی کافر و زندیق

علامہ اقبالؒ اور دیگر صوفی شعراء نے عشقِ الٰہی کو اپنے کلام کا موضوع بنایا ہے۔ یاد رہے کہ جب ہم عشقِ الٰہی کی بات کرتے ہیں تو اس سے یہ مراد نہیں کہ یہ عشق صرف اللہ تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے بلکہ اس محبت میں رسول خدا ﷺ، اہل بیتؓ، صحابہ کرامؓ، جملہ اولیائے کرامؒ اور مومنین بھی شامل ہیں۔ اس بات کو حضرت علیؓ نے بہت خوبی سے واضح کیا ہے، جبکہ ایک روز حضرت حسنؓ سے (بہ روایتِ حضرت غوث علی قلندر پانی پتیؒ) حضرت علیؓ سے دریافت فرمایا کہ آپؓ کے دل میں کس کی محبت ہے؟ فرمایا تمہاری، پھر پوچھا کہ بھائی حسینؓ کی؟ فرمایا ان کی بھی، پھر پوچھا اماں جان کی؟ فرمایا ان کی بھی، پھر پوچھا نانا جان ﷺ کی؟ فرمایا ہاں ان کی بھی۔ پھر پوچھا اللہ تعالیٰ کی؟ فرمایا ان کی بھی، اس پر حضرت حسنؓ کہنے لگے کہ ابا جان! آپؓ کا دل ہے یا مسافر خانہ، حضرت علیؓ نے ان کو سینے سے لگا لیا اور فرمایا، ہاں تم سچ کہتے ہو، محبت تو سب سے ہے مگر محبت ایک (اللہ) کی ہی کہلائے گی، یعنی سب کے ساتھ محبت اگر ہے تو وہ اللہ کے لیے ہے اور قرآن پاک کا ارشاد بھی اس طرف ہے کہ جب فرمایا: "قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ" (فرما دو! اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو تو اللہ تمہیں محبوب بنا لے گا) (آل عمران:٣١) یعنی رسول اللہ ﷺ کی محبت اللہ کی محبت میں شمار ہوتی ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ نے خود

---

[1] صحیح مسلم حدیث، جلد ۱، صفحہ ٦٦۔

[2] صحیح بخاری، حدیث ۱۵، جلد ۱، صفحہ ۱۴۔

[3] الفوائد المجموعہ، حدیث ۲۴، جلد ۱، صفحہ ۳۲۷۔

اس کی تاکید فرمائی ہے کہ (میرے رسول ﷺ کی تعظیم وتوقیر کرو) (الفتح:۹) ”وَتُعَزِّرُوْهُ وَتُوَقِّرُوْهُ “ اور یہ بھی فرمایا ”لَا تَرْفَعُوْا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ “ (نبی ﷺ کی آواز سے اپنی آواز کو بلند نہ کرو) (الحجرات:۲) تو یہ ادب بھی اسی محبت کے لوازمات میں سے ہے۔ اس کی تصدیق ”مَنْ يُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ “ (جس نے حضور ﷺ کی اطاعت کی اس نے خدا کی اطاعت کی) (النساء:۸۰) سے بھی ہوتی ہے، گویا محبت الٰہی میں سب شریک کیے گئے ہیں کوئی زیادہ حصہ رکھتا ہے کوئی کم اور یہ محبت سب کے لیے جامع حیثیت رکھتی ہے۔

حضرات مشائخ کا قول ہے کہ اپنی خوبیوں کی بناء پر عشق ایک ایسی قوت ہے کہ یہ تمام انسانی امراض کی دوا بلکہ افلاطون اور جالینوس کی طرح ایک حکیم ہے۔ جہاں عقل راہنمائی نہ کر سکے وہاں عشق مکمل راہبری کرتا ہے۔ عشق ہو تو ہر حال میں اپنے مطلوب کو حاصل کرنے میں مدد ملتی ہے۔ عشق کے لیے کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہوتی۔ عشق کے سامنے دن ہو یا رات، سختی ہو یا نرمی، گرمی ہو یا سردی، نزدیک ہو یا دور، سمندر ہو یا خشکی سب لَاشَیْء کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس کے آگے مشکل و آسان، اچھے و برے، کوہ و دشت، نام و ننگ، امیری و غریبی، ساماں و بے سروسامانی، دیر و حرم اور سال و ماہ سب یکساں ہیں۔ وہ مطلوب کے حصول کے لیے ہر وقت، ہر حال اور ہر مقام میں مستعد اور شعلہ زن رہتا ہے۔ اسی لیے اس کو دین کی اساس فرمایا گیا۔

می نہ داند عشق ماہ و سال را
دیر و زود و نزد و دور و راہ را
(عشق ماہ و سال نزدیک و دور جلد اور دیر کو نہیں جانتا) (ج۔ن:۲۲)

زور عشق از باد و خاك و آب نیست
قوتش از سختئ اعصاب نیست
عشق را از تیغ و خنجر باك نیست
اصلِ عشق از آب و باد و خاك نیست

(عشق کی قوت عناصرِ بدن یعنی ہوا، خاک اور پانی سے نہیں اور نہ ہی اس کی قوت سختی اعصاب سے ہے، عشق کو تیغ اور خنجر سے کوئی خطرہ نہیں کیونکہ اس کی اصل (عناصر) آب و باد و خاک سے نہیں) (ا۔ر:۱۸)

حضرت یحیٰی بن معاذ ؒ فرماتے ہیں کہ خدا کے نزدیک محبت کا ایک ذرہ بغیر محبت کے ۷۰ سالہ عبادت سے بھی زیادہ پسندیدہ ہے۔ منقول ہے کہ ایک ابدال کو ایک صدیق کی دعا سے محبت کے ایک ذرہ میں

سے کچھ عطا کیا گیا تو اس کی حالت مجنونوں سی ہوگئی تو اس صدیق نے اس محبت کے کچھ گھٹانے کے لیے خدا سے دعا کی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جس وقت یہ ابدال محبت کے ایک ذرہ کے لیے دعا مانگ رہا تھا اس وقت ایک لاکھ اشخاص بھی یہی دعا مانگ رہے تھے تو میں نے تمہاری دعا کو قبول کرتے ہوئے ایک ذرہ اپنی محبت کا ان سب کو دیا مگر یہ برداشت نہ کر سکے۔ پھر اس صدیق نے کہا کہ الٰہی اس کی محبت کو لاکھویں حصے سے بھی کم فرما دے چنانچہ جب اس کا بھی ہزارواں حصہ دیا گیا تو وہ ابدال اعتدال میں آ گیا، ایسا ہی محبت کا کچھ حصہ اولیائے کرام بھی جسے چاہے عطائے کر دیتے ہیں اور اسکو عام لوگ برداشت نہیں کر پاتے۔

حضرت ابنِ عربیؒ فرماتے ہیں کہ خدا کی قسم مجھے خدا نے محبت سے وہ کچھ عطاء فرمایا ہے کہ اگر اس کا تھوڑا سا حصہ آسمانوں اور زمینوں پر ڈال دیا جائے تو وہ پگھل کر بہہ جائیں، مگر مجھے اللہ نے اس محبت کو برداشت کرنے کی قوت دی ہے اس بارے میں مشائخ کا کلام بہت طویل ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا کہ یہ عشق بزرگوں سے حاصل کیا جائے۔

دیں نہ گردد پختہ بے آداب عشق
دیں بگیر از صحبتِ اربابِ عشق

(دین آدابِ عشق کے بغیر پختہ نہیں ہوتا اسے اہلِ عشق سے حاصل کرو) (ج۔ن: ۱۱۲)

ضمیرِ پاک و نگاہِ بلند و مستیِ شوق
نہ مال و دولتِ قاروں نہ فکرِ افلاطون
علاج آتشِ رومی کے سوز میں ہے ترا
تری خرد پہ ہے غالب فرنگیوں کا فسوں
جمالِ عشق و مستی نے نوازی
جلالِ عشق و مستی بے نیازی
کمالِ عشق و مستی ظرفِ حیدرؓ
زوالِ عشق و مستی حرفِ رازیؒ

(ان اشعار سے یہ مراد ہے کہ استدلال میں وہ کمال نہیں جو عشق کی مستی میں پایا جاتا ہے)

محبت وعشق پر مشائخ کے اقوال

مشائخ کبار نے محبت اور عشق پر جو لکھا ہے، اس جگہ اس کا احاطہ کرنا مشکل ہے، البتہ مختصراً چند

مشائخ کے کچھ اقوال پیش کیے جا رہے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ **شیخ عبدالقادر جیلانیؒ** فرماتے ہیں کہ محبت خدا کا عطیہ ہے جو بطور تحفہ عنایت ہوتا ہے۔ اس میں بندے کا کچھ اختیار نہیں۔

۲۔ **خواجہ حسن بصریؒ** فرماتے ہیں کہ جس نے حق کو پہچانا وہ اس کا ہو گیا اور جس نے دنیا کو پہچانا وہ اس کا دشمن ہو گیا۔

۳۔ **حضرت بایزید بُسطامیؒ** فرماتے ہیں کہ اپنی طرف سے جتنا بھی زیادہ کیا جائے اسے کم تصور کرنا اور محبوب کی طرف سے کم کو بھی زیادہ سمجھنے کا نام محبت ہے۔ ایک جگہ فرمایا کہ محبت دنیا و مافیہا سے دل نہ لگانا ہے۔ خالی دل میں ہی لطف کا نزول ہوتا ہے عشق اگر کافر کے دل میں پیدا ہو جائے تو اس کا کفر راستے کی رکاوٹ نہ بنے گا۔

عشق را با کافر و مومن نہ باشد احتیاج
ایں سخن بر مسجد و بت خانہ می باید نوشت

(یعنی عشق کو کافر اور مومن ہونے کی حاجت نہیں۔ یہ بات مسجد و بت خانہ پر لکھ دینی چاہیے)

۴۔ **سہل تستریؒ** فرماتے ہیں کہ عشق یہ ہے کہ تو عبادت سے ہم آغوش ہو جائے اور اس کی مخالفت سے روگرداں ہو جائے۔

عاشقی چیست؟ بگو بندۂ جاناں بودن
دل بہ دست دیگرے دادن حیراں بودن

(عاشق کیا ہے؟ کہہ دو کہ محبوب کا بندہ بننا اور اپنا دل دوسرے کو دینا اور حیران ہونا ہے)

۵۔ **حضرت سری سقطیؒ** نے فرمایا کہ قیامت کے روز ہر شخص کو اس کے پیغمبر کے نام کی نسبت سے پکارا جائے گا، مگر اللہ کے دوستوں کو کہا جائے گا "اے خدا کے دوستو! آؤ اپنے خدا کے نزدیک چلے آؤ! اے میرے بندو! مجھے تم سے محبت ہے کیونکہ تم مجھ سے محبت رکھتے ہو"۔

۶۔ **حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ** نے فرمایا جس نے حق تعالیٰ کی دوستی کا مزہ چکھ لیا وہ دنیا کی دوستی سے بیزار اور مخلوق سے کنارہ کش ہوا۔

۷۔ **حضرت جنید بغدادیؒ** نے فرمایا کہ محبوب کی صفت کو اپنانا محبت ہے یہاں تک کہ اپنے محبوب کے ذکر کے سوا اس کے دل میں کچھ بھی نہ رہے، محبت وہ ہے جو اپنی ذات سے گزر جائے۔ اللہ کی یاد میں لگا رہے،

اگر بولے تو خدا سے، اگر حرکت کرے تو خدا کے حکم پر، اگر ٹھہرے تو خدا کے لیے، پس وہ خدا کے ساتھ خدا ہی کے لیے اور خدا ہی کی معیت میں رہے۔

۸۔ حضرت شبلیؒ فرماتے ہیں کہ عاشق اگر خاموش ہو جائے تو ہلاک ہو جائے گا اور عارف اگر خاموش نہیں رہے گا تو ہلاک ہو جائے گا۔

۹۔ حضرت جنیدؒ نے خدا سے ایک روز عرض کی کہ الٰہی! اگر جہنم آپ کی اطاعت نہ کرتی تو آپ کیا کرتے؟ فرمایا کہ میں اپنی نہایت بڑی آگ جس کو میں نے اپنے دوستوں کے دلوں میں روشن کیا (یعنی محبت) اس پر مسلط کر دیتا۔

۱۰۔ حضرت ابوالدرداؓ فرمایا کرتے تھے کہ عاشقوں کے دل خدا کی طرف ایسے اڑے رہتے ہیں کہ چمکتی ہوئی بجلی بھی انہیں نہیں پا سکتی۔ کسی نے خوب کہا ہے ۔

نظر کی جولانیاں نہ پوچھو
نظر حقیقت میں وہ نظر ہے
اٹھے تو بجلی پناہ مانگے
گرے تو خانہ خراب کر دے

۱۱۔ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ نے بہت سے مکاشفات قلمبند کیے ہیں، ان میں سے ایک یہ ہے کہ ایک دن خدا نے دنیا سے فرمایا کہ دیکھ میرے دوست تجھ سے روگرداں ہیں، تو دنیا بولی کہ ان پر بلائیں نازل فرما کر دیکھ۔ جب ایسا کیا تو وہ صبر کرتے رہے۔ پھر دنیا نے کہا کہ ان لوگوں نے تو مجھے اپنی سانسوں سے جلا دیا ہے۔ جب ان پر جنت کی پیش کش کی گئی تو اس سے انہوں نے منہ موڑ لیا۔ اس پر جنت نے کہا الٰہی! اگر یہ مجھ سے راضی نہیں تو نہ سہی، میں ان سے راضی ہوں۔!

۱۲۔ حضرت ابن مسروقؒ نے فرمایا کہ میں نے جب سمنونؒ کو محبت پر گفتگو کرتے سنا تو مسجد کی قندیلیں ٹوٹ گئیں۔

۱۳۔ حضرت علامہ اقبالؒ نے اس عشق اور محبت پر بہت کچھ لکھا ہے۔ فرماتے ہیں کہ عرفان کائنات اور ذات باری تعالیٰ کی پہچان عقل کے بس کی بات نہیں۔

۱۴۔ جرمن فلاسفر نطشے جو نیم مجذوب تھا کہتا تھا کہ تعلیم اس وقت صحیح ہے جب وجدان (عشق) کو بیدار کیا جائے اور زندگی کو اس کا سوز دروں بخش دیا جائے۔

۱۵۔ حضرت رابعہ بصریؒ نے اللہ تعالیٰ سے عرض کی کہ اے خدایا اگر میں تیری عبادت جہنم کے خوف سے کرتی ہوں تو بے شک مجھے جہنم میں ڈال دے اور اگر جنت کی خواہش کرتی ہوں تو بے شک مجھے جنت سے کنارہ کش کر دے، لیکن اگر میں تیری محبت اور رضا کے لیے عبادت کرتی ہوں تو پھر مجھے اپنے دیدار سے محروم نہ رکھ۔

۱۶۔ حضرت ذوالنون مصریؒ فرمایا کرتے تھے کہ محبت کا ذکر عام نہ کیا کرو کہیں لوگ اس محبت کا دعویٰ نہ کر بیٹھیں کیونکہ محبت صرف پرہیز گاروں کے لیے ہے۔

۱۷۔ حضرت داوٗد علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ نے وحی فرمائی کہ جو مجھ سے محبت کرے تو میں اس کا محبوب ہوں، جو مجھے پسند کرے تو میں اسے پسند کرتا ہوں، جو میری اطاعت کرے تو میں اس کی بات مانتا ہوں، اپنے دوستوں کے خمیر میں نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خمیر سے بنائے ہیں اور اپنے نور سے اپنے مشتاقین کے دلوں کو روشن کیا ہے اور ان کو اپنے جلال کی نعمت دی ہے۔

۱۸۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر وحی ہوئی کہ جب میں کسی بندے کے دل کی طرف دیکھتا ہوں اور اس میں دنیا اور آخرت کی محبت نہیں پاتا تو میں اس کے دل کو اپنی محبت سے بھر دیتا ہوں۔ حضرت بایزیدؒ فرماتے ہیں کہ عشق الٰہی خدا کی محبت کے سوا ہر چیز کو جلا دیتا ہے۔ (اَلْعِشْقُ نَارٌ یُحْرِقُ مَا سِوَ اللّٰہ)

در دل عاشق چو عشق آتش فروخت
ہرچہ جز معشوق بود آنرا بسوخت
مومن از عشق است و عشق از مومن است
عشق را ناممکن ما ممکن است
عشق با نان جیں خیبر کشاد
عشق در اندام مہ چاکے نہاد

ترجمہ: (جب عاشق کے دل میں عشق آگ جلا دیتا ہے تو ماسوا محبوب کے ہر چیز کو جلا دیتا ہے۔ عشق مومن سے ہے اور مومن عشق سے ہے اس دنیا کے ناممکنات، عشق سے ممکن ہو جاتے ہیں۔ عشق والے جو کی روٹی کھا کر بھی خیبر کو اکھاڑ دیتے ہیں اور چاند کے بدن کو چاک کر دیتے ہیں) (ج۔ن:۲۲)

ان کمالات کی وجہ سے جو عشق میں پائے جاتے ہیں خدائے عزوجل کو عاشق کا ہر فعل باقی سب افعال سے زیادہ محبوب ہوتا ہے۔

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ نے ایک بار خواب میں ایک فرشتے کو دیکھا جو خدا کے دوستوں کے نام لکھ

رہا تھا۔ آپؑ نے دریافت فرمایا کہ کیا اس میں میرا نام بھی ہے تو اس نے نفی میں جواب دیا۔ آپؑ نے فرشتے سے فرمایا کہ جب تم سب کے نام لکھ چکو تو اس کے نیچے یہ لکھ دینا کہ ابراہیمؑ خدا کے دوستوں سے محبت کرتا ہے۔ اسی وقت خدا کا حکم ہوا کہ ابراہیمؑ کا نام سب ناموں سے اوپر لکھ دیا جائے۔ (یہ محبت کی کرامت تھی)

حضرت یوسف علیہ السلام کا جب زلیخا سے نکاح ہو گیا تو اس نے حضرت کی طرف بالکل التفات نہ کیا۔ جب یوسف علیہ السلام نے دریافت کیا تو کہنے لگیں ''جس نے خدا کی محبت پائی ہو وہ اس کے غیر کو کس طرح پا سکتا ہے۔ اہلِ محبت تو خدا کے سوا کسی سے وابستگی نہیں پاتے''۔

محبت ہر کسی کے بس کی بات نہیں

قرآن میں ہے کہ غیب کے خزانوں کی کنجیاں اللہ کے پاس ہیں۔ جس کو سوائے اللہ کے کوئی نہیں جانتا۔ ''وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ'' (الانعام:۵۹) اس سے مراد علم غیب کی کنجیاں نہیں، بلکہ مفسرین فرماتے ہیں کہ اس سے مراد مومنوں کے دلوں کی کنجیاں ہیں اور ان کنجیوں کو اس نے کسی کے سپرد نہیں کیا، کیونکہ دلوں کو خدا کی محبت کے لیے وقف کر دیا گیا ہے۔ نفسوں کو خریدنے کا ذکر قرآن میں ہے، مگر دلوں کو خریدنے کا ذکر نہیں ہے۔ یہ اس لیے کہ وقف املاک خریدی نہیں جا سکتی۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایک زبان پیدا کی تا کہ اس سے ایک خدا کا ذکر ہو اور ایک ہی دل پیدا فرمایا تا کہ ایک دل میں ایک خدا کی محبت کا راز مخفی رہے چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے شکم میں دو دل نہیں بنائے (الاحزاب: آیت ۴) ''مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ مِّنْ قَلْبَيْنِ فِيْ جَوْفِهٖ'' جو لوگ دل کو خواہشات سے آلودہ کرتے ہیں ان کی عقلیں خدا سے حجاب میں رہتی ہیں۔ انسان کو یہ زیب نہیں دیتا کہ وہ خدا کا بندہ ہو اور دل کو خواہشات کا غلام بنائے رکھے۔

حضرت جنید بغدادیؒ فرماتے ہیں کہ میرے پاس ایک عورت آئی اور کہنے لگی کہ میرا خاوند مجھ پر سوکن لانا چاہتا ہے میں نے کہا کہ اگر چار نہیں تو وہ نکاح کر سکتا ہے۔ وہ بولی کہ اگر اجنبی مرد کو اپنا چہرہ دکھانا جائز ہوتا تو میں آپ کو اپنا چہرہ دکھاتی کہ جس کے پاس میرے جیسی بیوی ہو اس کے لیے کسی دوسری عورت سے نکاح کرنا زیبا نہیں۔ یہ سن کر جنیدؒ غش کھا کر گر گئے جب ہوش آیا تو اس کا سبب ان سے پوچھا گیا۔ آپ نے فرمایا ''حق سبحانہ کا ارشاد ہے کہ اگر دنیا میں میری طرف نظر کرنا روا ہوتا تو میں اپنے چہرے سے پردہ اٹھا کر اسے دکھا تا کہ جس کے لیے میرے جیسا (خدا) ہو تو اس کے لیے ہرگز زیبا نہیں کہ اس کے دل میں غیر کی گنجائش ہو''۔

جب یہ دل خدا نے اپنے رہنے کے لیے بنایا تو اس میں خیانت درست نہیں۔

افسوس ہے کہ آج لوگ خود کو رسول اللہ ﷺ کا عاشق تو سمجھتے ہیں مگر پورے کا پورا دل دنیا کی محبت سے بھرا رہتا ہے۔ بیچاروں کو نماز کے لیے بھی چند منٹ نکالنا مشکل کام نظر آتا ہے۔ حضرت سری سقطیؒ فرماتے

ہیں کہ میں نے خواب میں اللہ تعالیٰ کو فرماتے سنا کہ میں نے جب خلق کو پیدا کیا تو سب میری محبت کے دعویدار ہو گئے، لیکن جب میں نے دنیا کو پیدا کیا تو مخلوق کے نو حصے دنیا میں مشغول ہو گئے اور باقی کا نواں حصہ جنت کی طلب میں لگ گیا۔ باقیوں کو ہم نے بلاؤں میں مبتلا کیا تو اس کا نواں حصہ بلاؤں سے بچنے میں مصروف ہو گیا۔ باقی لوگ جو قلیل تعداد میں بچے یہ وہ لوگ تھے جو مجھ سے محبت کرنے والے تھے۔ یہ وہ لوگ تھے جو کسی سمت بھی راغب نہ ہوئے۔ اللہ سے محبت کرنے والے قیامت کے دن سوائے اللہ کے دیدار کے کسی سے راضی نہ ہوں گے۔ خدا ہم سب کو اپنی محبت اور اپنے حبیب پاک ﷺ کی محبت سے سرشار فرمائے۔ آمین ! یارب العالمین۔

مندرجہ بالا گفتگو سے یہ بات ذہن نشین ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت ہر عبادت اور اطاعت سے بدر جہا بہتر ہے مگر جس کی زندگی میں اطاعت اور ادب نہیں اس کا دعویٰ محبت سوائے دھوکہ دہی کے اور کچھ نہیں۔ یہ محبت اسی کی قسمت میں آتی ہے جو اس کی خواہش کرے اور پھر طلب بھی کرے اور یہ طلب کی دولت خوش قسمت لوگوں کو ہی میسر آتی ہے۔ ہر پتھر سنگِ مرمر یا حجرِ اسود نہیں ہوتا۔ جو اپنے دلوں کو خدا کی محبت کے لیے کھول لیتے ہیں ان کے مقدر میں یہ محبت کی نعمت بارانِ رحمت کی طرح برستی ہے۔ علامہ ؒ فرماتے ہیں۔

بے جراتِ رندانہ ہر عشق ہے روباہی
بازو ہے قوی جس کا وہ عشق یداللّٰہی
جو سختی منزل کو سامانِ سفر سمجھے
اے وائے تن آسانی! ناپید ہے وہ راہی
نگاہِ شوق میسر نہیں اگر تجھ کو
ترا وجود ہے قلب و نظر کی رسوائی

دیں سراپا سوختن اندر طلب
انتہایش عشق و آغازش ادب
مردِ کار افتاد باید عشق را
مردم آزادہ باید عشق را

(دین صرف یہ ہے کہ تو خود کو طلب میں جلا دے، اس کی انتہا عشق ہے اور ابتداء ادب ہے۔ عشق کے لیے ایسا شخص درکار ہے جو کام میں الجھا نہ رہے، کاروبار میں بھی ہو تو آزاد رہے) (ج۔ن:۲۰۵)

رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ کرامؓ کو ایسا ہی عشق عطا فرمایا اور وہ دین اور دنیا کے امور میں ایسی یادیں چھوڑ گئے کہ تا قیامت ان کی نظیر نہ مل سکے۔ جب حضور ﷺ وضو فرماتے تو وضو کے پانی کو اپنے

جسم پر ملنے کے لیے دوڑتے اور آپ ﷺ کے لعاب مبارک کو منہ پر ملتے۔ جب آپ ﷺ بات کرتے تو اس طرح ساکت ہو کر سنتے کہ جیسے وہ تنِ بے حس ہیں اور جب آپ ﷺ کوئی حکم فرماتے تو اس کی تعمیل میں سبقت لے جانے کا عالم قابلِ دید ہوتا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں بھی حضور ﷺ سے اور آپ ﷺ کے لائے ہوئے دین سے ایسی ہی والہانہ محبت عطاء فرمائے جو صحابہ کرام ؓ میں پائی جاتی تھی۔ (آمین) اس میں شک نہیں کہ انہیں لوگوں نے محبت میں خون دے دینے کی رسم ڈالی۔ خدا ان پر رحمت کرے! (آمین)

بنا کردند رسمِ خوش به خاك و خون غلطیدن
خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاك طینت را

(خاک و خون میں ملنے کی اچھی رسم کی بنیاد ان لوگوں نے رکھی، خدا ان پاک طینت عاشقوں پر رحمتیں نازل کرے)

حضور ﷺ کا وجود مسلمانوں پر احسانِ عظیم ہے اور میلاد اس نعمت کی خوشی ہے

اللہ تعالیٰ نے جب سرورِ کائنات اور فخرِ موجودات ﷺ کو اسود اور احمر کی طرف مبعوث فرمایا تو اس کا ذکر قرآن حکیم میں اس انداز سے فرمایا جس کو پڑھ کر اہلِ بصیرت بخوبی یہ بات سمجھ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک آپ ﷺ کی بے مثال ذات کو اس قدر رفعت اور قدر و منزلت حاصل ہے کہ اس نے اپنے اس محبوب ترین بندے کو دنیا میں بھیجنے کے عمل کو اہل ایمان کے لیے ایک بہت عظیم احسان تصور کیا ہے۔ عشقِ سروری ﷺ میں معمور لوگ آج بھی درج ذیل آیت کے طرزِ بیان کو پڑھ کر لذت اور کیفیتِ سرور میں ایک عجیب وجد محسوس کرتے ہیں۔ سورۂ آل عمران کی آیت ۱۶۴ میں فرمان باری تعالیٰ کا اردو ترجمہ نیچے دیا جا رہا ہے کہ:

''بے شک اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان ہے مومنوں پر کہ ان میں سے ایک رسول ﷺ کو بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھتا ہے اور انہیں پاک کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت سکھاتا ہے اور وہ ضرور اس سے پہلے گمراہی میں تھے''۔

قرآن پاک کی مندرجہ بالا آیت میں مومنوں پر یہ احسانِ عظیم فرمایا ہے کہ ان میں ایک رسول ﷺ کو بھیجا جو ان پر اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے اور ان کا تزکیہ بھی کرتا ہے۔ اس آیت میں قابل غور بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کو تمام کائنات کے لیے بھیجا ہے مگر احسان صرف مومنوں کے لیے جتایا جا رہا ہے۔ درج ذیل آیات اس بات کی تصدیق کرتی ہیں کہ حضور ﷺ کو جملہ مخلوقات کے لیے مبعوث فرمایا گیا ہے:

"وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا کَآفَّۃً لِّلنَّاسِ بَشِیْرًا وَّنَذِیْرًا o"

(اور نہیں بھیجا ہم نے آپ ﷺ کو مگر تمام انسانوں کی طرف بشیر اور نذیر بنا کر) (سبا:۲۸)

ایک حدیث شریف میں یہ بات بھی ظاہر ہوتی ہے کہ آپ ﷺ کی رسالت عامہ ہے جس میں جن و انس سب شامل ہیں بلکہ فرشتے اور دیگر مخلوقات بھی آپ ﷺ کے امتی ہیں۔ سورہ فرقان آیت ۲۵ میں ہے کہ "بڑی برکت والا ہے کہ جس نے قرآن اپنے بندہ پر اتارا تاکہ وہ سارے جہان کو ڈر سنائے" علماء کا اس بات پر مکمل اتفاق ہے کہ لفظ عالمَ ماسوائے اللہ کے ہر چیز کا احاطہ کرتا ہے۔ ملائکہ کو اس عالمَ سے خارج کرنے کی کوئی دلیل نہیں، جیسا کہ مسلم شریف میں ہے:

"میں بھیجا گیا ہوں تمام مخلوقات کی طرف"[1]

مذکورہ آیت کے الفاظ "لَقَدْ مَنَّ اللّٰہُ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ" (آل عمران:۱۶۴) سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ کہ گو آپ ﷺ تمام عالم یعنی سرخ و سفید کی طرف بھیجے گئے ہیں، مگر اللہ تعالیٰ نے اس رسول ﷺ کو بھیجنے کا احسان صرف مومنوں پر کیا ہے یہاں احسان کی جگہ لفظ مَنَّ اللّٰہُ استعمال ہوا ہے جو احسان سے بڑھ کر ہے چنانچہ اس کے معنی ہیں کہ ہم نے تم پر احسانِ عظیم فرمایا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ مومنوں کو یہ کیوں کہا جا رہا ہے کہ تم پر احسان کیا۔ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ حضور ﷺ کی ذات میں اتنی خوبیاں رکھ دی گئیں جو ہماری اصلاح کے لیے کافی ہیں اور جب ہم نے ان کو اپنا لیا تو گویا اللہ نے ہمیں عشقِ رسول ﷺ اور محبت رسول ﷺ کا تحفہ عطاء فرما دیا اور اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو اسی محبت اور عشق کا احسان جتاتے ہیں۔ ذرا غور کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ جس جگہ کے لیے اللہ تعالیٰ رب العالمین ہیں اسی جگہ کے لیے حضور ﷺ رحمۃ للعالمین ہیں۔ حضرت ابنِ عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا ہے کہ حضور پاک ﷺ کا رحمت ہونا عام ہے، ایمان والوں کے لیے بھی اور کافروں کے لیے بھی۔ جو ایمان نہ لایا اس کے لیے بھی آپ ﷺ دنیا میں رحمت ہیں کیونکہ آپ ﷺ کی بدولت کافروں پر تاخیرِ عذاب ہوئی، مسخ اور استیصال کے عذاب ہٹا دیئے گئے۔

تفسیر روح البیان میں ہے کہ آپ ﷺ کو رحمتِ تامہ، کاملہ، عاملہ، شاملہ، جامعہ، جمیعہ، تمام جہانوں کے لیے بھیجا گیا خواہ عالم ارواح ہو یا عالم اجسام، ذوی العقول ہوں یا غیر ذوی العقول

آپ ﷺ کی بعثت سے انسان کا پیدائشی جہل، قلتِ فہم اور گمراہی دور ہوئی اور انسان کو اس کی عقل اور بینائی عطاء کی گئی۔ ذرا گہری نظر سے دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ حسبِ ذیل نعمتوں کی طرف اشارہ کیا جا رہا ہے:

انسان کا اپنی پیدائش میں جہل، عدمِ درایت، قلتِ فہم اور نقصانِ عقل رکھتا ہے۔ قرآن پاک کی

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۵۲۳، جلد۱، صفحہ ۳۷۱۔

درج ذیل آیات میں فرمایا گیا ہے:

"وَكُنْتُمْ عَلٰى شَفَا حُفْرَةٍ مِّنَ النَّارِ فَاَنْقَذَكُمْ مِّنْهَا ط" (آل عمران: ۱۰۳)

(اور تم کھڑے تھے دوزخ کے گڑھے کے کنارے پر تو اس نے بچالیا تمہیں اس میں گرنے سے۔)

جو عظمتیں اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو عطاء فرمائیں پوری کائنات میں کسی کو نصیب نہیں ہوئیں۔

آپ ﷺ کا ارشاد ہے کہ مجھے پانچ ایسی چیزیں عطاء کی گئی ہیں جو مجھ سے پہلے کسی نبی کو عطا نہیں کی گئیں۔

آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ:

۱۔ ایک ماہ کی مسافت کے رعب سے میری مدد کی گئی۔

۲۔ تمام زمین میرے لیے مسجد بنائی گئی جہاں میرے امتی کو نماز کا وقت ہو پڑھ لے۔

۳۔ میرے لیے غنیمتیں حلال کی گئیں جو مجھ سے پہلے کسی پر حلال نہ تھیں۔

۴۔ مجھے مرتبہ شفاعت عطاء کیا گیا۔

۵۔ انبیاء خاص اپنی قوم کی طرف مبعوث ہوتے تھے اور میں سپید و سیاہ کی طرف مبعوث فرمایا گیا ہوں[1]

ان آیات اور احادیث کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو تمام کائنات کے لیے ہدایت اور راہ دکھانے والا نبی مرسل ﷺ اور ہادی بنا کر بھیجا بلکہ ذرا اور غور کریں تو معلوم ہو گا کہ آپ کے متعلق مزید یہ فرمایا گیا ہے کہ:

"وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ o" (انبیاء: ۱۰۷)

(ہم نے تمہیں نہ بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر۔)

حضرت صدیق اکبر ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے محمد ﷺ کو اللہ کے احسان سے پہچانا اور اپنے رب تعالیٰ کو محمد ﷺ کی شان سے پہچانا آپ ؓ مزید فرماتے ہیں کہ میں نے دیکھا کہ حضور پاک ﷺ انگلی کا اشارہ فرماتے ہیں تو چاند کے دو ٹکڑے ہو جاتے ہیں۔ آپ ﷺ جب اشارہ کرتے ہیں تو سورج پلٹ آتا ہے، درخت آپ ﷺ کو سجدہ کرتے ہیں، کنکر آپ ﷺ کی مٹھی میں کلمہ پڑھتے ہیں تو میں سمجھ گیا کہ محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ فرماتے ہیں کہ جب وحی نازل ہوتی تو میں مافوق الادراک چیزیں دیکھتا اور جو باتیں آپ بیان فرماتے تو ان سے میں سمجھ گیا کہ کوئی رب بھی ہے۔ تیسری دلیل یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ہدایت تو تمام عالم کے لیے ہے لیکن جو لوگ ایمان لے آئے وہ حضور ﷺ کی شفقت، محبت، انعامات، فیوض و برکات کے حقدار ہوں گے، لہٰذا یہ احسان صرف مومنوں کے لیے ٹھہرا۔ چوتھی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو مومنوں پر ان کی جان سے بھی زیادہ قریب کر دیا ہے جس سے ان کو بے شمار فوائد حاصل

ہوتے ہیں۔ جیسا کہ قرآن میں وارد ہے:

"اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِہِمْ وَاَزْوَاجُہٗٓ اُمَّہٰتُہُمْ ؕ" (الاحزاب:۶)

(نبی مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں اور آپ کی بیویاں ان کی مائیں ہیں۔)

حدیث شریف میں ہے حضور ﷺ نے فرمایا کہ میں ہر مومن کے لیے دنیا اور آخرت میں زیادہ قریب ہوں لہٰذا اللہ تعالیٰ اس بات کا احسان جتاتے ہیں[۱] مسلم شریف کی حدیث میں ہے کہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ کی روایت کے مطابق آپ ﷺ نے فرمایا میری اور میری امت کی حالت اس شخص کی طرح ہے جس نے آگ جلائی ہو اور مختلف جانور اور پروانے اس پر گرنے کے لیے دوڑتے چلے آ رہے ہیں اس طرح میں تمہیں کمروں سے پکڑ رہا ہوں اور تم اس پر گرنے کا اصرار کر رہے ہیں[۲]

بخاری شریف میں ہے کوئی ایسا مومن نہیں جس کا میں دنیا اور آخرت میں والی نہیں اور اگر تم چاہتے ہو تو یہ آیت پڑھو "اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ" فرمایا کہ تم میں سے جو فوت ہو جائے اور اپنے پیچھے مال چھوڑ جائے تو اس کا وارث میرے پاس آئے، میں اس کا والی ہوں۔ آپ ﷺ نے ایسا ہی فرمایا ہے کہ تم میں سے اگر کوئی قرضہ چھوڑ جائے تو میرے پاس آؤ میں اس کا والی ہوں۔[۳]

مولانا رومؒ نے اس مفہوم کو اس طرح ادا فرمایا ہے:

راست فرمود است آں بحرِ کرم
من شمارا از شما مشفق ترم

(کرم بخشیوں کے سمندر (محمد ﷺ) نے درست فرمایا ہے کہ میں تم پر تم سے زیادہ کرم فرما ہوں)

اوپر لکھے گئے مضامین سے اسلام میں عشق رسول ﷺ کا مقام واضح ہو جاتا ہے۔

---

[۱] مسند احمد بن حنبل، حدیث ۸۳۹۹، جلد ۲، صفحہ ۵۸۔
[۲] صحیح مسلم، حدیث ۲۲۸۴، جلد ۴، صفحہ ۱۷۸۹۔
[۳] صحیح بخاری، حدیث ۲۲۶۹، جلد ۲، صفحہ ۸۳۵۔

چھبیسواں باب

سُنّتِ نبوی ﷺ جدید سائنس کی رو سے

(سائنس اسلام کی تصدیق کرتی ہے)

آج سائنس کی جدید تحقیقات نے اسلام کی صداقت اور حقانیت کے لیے اس قدر ثبوت فراہم کر دیئے ہیں کہ اب کسی کو اسلام کی سچائی میں اگر کوئی شک وشبہ کی گنجائش نظر آتی ہے تو وہ شخص مذہبی تعصبات کی بیماریوں میں مبتلا ہے اور اسلام کی مخالفت میں ہٹ دھرمی سے کام لے رہا ہے۔ اگر سورج کی روشنی کو بھی کوئی دلیلِ سحر نہ تسلیم کرے تو وہ شخص یا تو اندھا ہے یا کم از کم عقل کا اندھا ہے۔ سائنس نے اس زمانے میں اسلام کے ہر عمل کو دینِ فطرت کے عین مطابق اور اس کے ایمانیات کو نوشتۂ الٰہی ثابت کر دیا ہے۔

اسلامی دور کے ماقبل اور بالخصوص رسول اللہ ﷺ کی بعثت کے وقت دنیا کے لوگ ایسے مفروضات میں الجھے ہوئے تھے جن کو اسلام نے اپنے الٰہیاتی نظریات سے بالکل غلط ثابت کر دیا۔ یہ وہ زمانہ تھا جب لوگ سائنس کی روشنی سے محروم تھے، مگر اسلام نے ان کو ایک سائنٹیفک راستہ اسلامی آئین اور قوانین کے ذریعے دکھایا اور بہت سے حقائق سے پردہ اٹھایا۔ اسلام نے ثابت کیا کہ پودوں میں جان ہوتی ہے، وہ کھاتے پیتے، بڑھتے، پھلتے، پھولتے اور افزائشِ نسل کرتے ہیں۔ پودوں کی دنیا میں عملِ تنفس اور نر و ماد، کا پایا جانا اسلامی علوم سے ثابت ہوا۔ مولانا رومیؒ نے تجدیدِ امثالی (جسم کے خلیات کا ہر روز بگڑ جانا اور ان کی جگہ ہر روز نئے خلیات کے پیدا ہونے) کا نظریہ پیش کیا۔ اس کی تفصیل نیچے دی جا رہی ہے۔

نباتات کے چند وہ حقائق جن کو اسلام نے افشاء کیا

تخلیقِ کائنات کا مقصد کیا ہے اور یہ تخلیق کیسے وجود میں آئی، انسان کا نصب العین کیا ہے اور عبادات انسان کو کس درجے پر پہنچاتی ہے، یہ تمام تصورات اسلام کے ذریعے ہی مخلوق تک پہنچے۔ بارش کے نازل ہونے کے اسباب، فوائد، نباتات کا زمین سے نکلنا، درختوں کی حفاظت کا حکم دینا، نباتات کو قومی دولت تصور کرنا، جنگ میں فصلوں کا ضائع نہ کرنا، درختوں کو بڑھانا نیک اعمال میں شامل ہونا، یہ سب اسلام کی

تعلیمات ہیں۔ رفاہ عامہ کے لیے درختوں کا بطور صدقہ جاریہ لگانا اور درختوں کے اگانے کو عبادت تصور کرنا، درختوں کا بلکہ ہر شے کا ذکر اور عبادت کرنا "كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهُ وَتَسْبِيحَهُ ط" (ہر چیز کو اپنی تسبیح کا علم ہے۔) (النور:۴۱) اسلامی تصورات کا ہی نتیجہ ہے۔

قدرت نے مختلف طریقوں سے پودوں کی حفاظت کی ہے اور مختلف پودوں میں حفاظتی انتظامات کا موجود ہونا سائنس نے اب ثابت کر دیا ہے اور پودوں میں عجیب و غریب اعمال ہوتے رہنے کی وضاحت کی ہے جو یہ ثابت کرتی ہے کہ پودے انسانی زندگی سے ملتی جلتی زندگی رکھتے ہیں۔

اسلام نے قوانینِ بقاء واصلاح بیان کیے

نباتات اور حیوانات کے بہت سے قوانین مثلاً پودوں اور جانوروں کی نسل کی افزائش اور تعداد بڑھانے کے عمل کو قرآن اور حدیث نے بیان کیا ہے۔ ضیاء القرآن میں سورۃ الرعد کی آیت نمبر ۱۷ کی تفسیر میں فرمایا گیا:

"وَأَمَّا مَا يَنفَعُ النَّاسَ فَيَمْكُثُ فِي الْأَرْضِ ط" (الرعد:۱۷)

(جو چیز انسانوں کے لیے نفع بخش ہے تو وہ زمین پر باقی رہتی ہے۔)

قرآن نے چودہ صدیاں پہلے تنازع للبقاء (Struggle for Existence) اور بقاء واصلح کے قانون (Survival of The Fittest) کو واضح طور پر بیان کر دیا کہ اس دنیا میں وہی چیز باقی رہے گی جو مفید اور نفع بخش ہوگی اور جب کوئی چیز اپنی افادیت کھو بیٹھتی ہے تو اس کو اٹھا کر باہر پھینک دیا جاتا ہے۔ قرآن نے یہ بھی بتایا کہ نظریاتِ زندگی جب تک مفید نتائج پیدا کرتے ہیں تو وہ زندہ سلامت رہتے ہیں اور جب وہ افادیت کھو دیتے ہیں تو انہیں بھلا دیا جاتا ہے۔ قوموں کے عروج وزوال کے لیے بھی یہی معیار ہے کہ جب تک کوئی قوم اپنی تعمیری صلاحیتوں، پسندیدہ اخلاق اور منفعت بخش اعمال سے متصف رہتی ہے تو اس کا پرچم لہراتا رہتا ہے لیکن جس وقت اس کی ذہنی قوتیں بانجھ ہو جاتی ہیں تو قوموں کے اخلاق گر جاتے ہیں اور ان کا طریقہ کار راہ راست سے بھٹک جاتا ہے تو تاجِ حکمرانی ان کے سر سے اتار لیا جاتا ہے۔

اسلام نے قوموں کے عروج وزوال کے قوانین واضح کیے

اگر ہم قوموں کی ترقی اور ادبار (لوٹنا یعنی تنزل) کا مطالعہ کریں یا افراد کے عروج وزوال کا جائزہ لیں تو ایک ہی اصول ہر جگہ کارگر نظر آتا ہے۔ ہر قوم کو زندہ رہنے کی قیمت ادا کرنا پڑتی ہے اور اپنی عزت و ناموس کے لیے قربانی دینا ہوتی ہے۔ اس عزت کو محفوظ کرنے کے لیے محنت بھی ضروری ہوتی ہے۔ اسی طرح اگر افراد ترقی کی راہوں پر چلنا چاہتے ہیں تو جب تک وہ راستہ اختیار نہیں کرتے جو قدرت نے اس منزل

تک پہنچنے کے لیے مقرر کیا ہے، ترقی حاصل نہیں ہو سکتی۔ ترقی کے خواب دیکھنے والوں کو چاہیے کہ وہ اپنے وجود کو نفع بخش بنائیں، دکھی دلوں کا سکون بنیں اور ایسے کام کریں کہ منزل خود ان تک پہنچ جائے۔ جب تک مِلّتِ اسلامیہ نے اپنی ذمہ داریوں کو سنبھالے رکھا تو خیر الامم کا تاج ان کے سر پر روشن رہا اور وہ جہاں بھی گئے وہاں فتح یاب ہوئے۔

محمد بن قاسمؒ جیسے ایک اٹھارہ سال کے نوجوان نے لوگوں کو ظلم و ستم سے بذریعہ طاقت باز رکھا۔ مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ ان کے عالموں نے تحقیق اور اجتہاد کے بل بوتے پر نئی نئی ایجادات کو دنیا میں آشکار کیا ۔ ان کے طبیب امراضِ جسمانی میں دنیا میں سب سے سبقت لے گئے۔ ان کے صوفیوں نے خود کو روحانی دنیا میں بلند مقامات پر جا کھڑا کیا۔ جب تک اس قوم کا وجود خیر و برکت کا سرچشمہ رہا تو اس کی پیش قدمی کی ہر کوشش کامیاب رہی۔ جب اس قوم کی صلاحیتیں سہل انگاری کا شکار ہو گئیں، ان کا نشترِ تحقیق کند ہوا، جذبۂ اجتہاد ٹھنڈا ہو گیا، اس کے جذبے سرد ہو گئے اور اس کے نوجوانوں کو شمشیر و سناں سے نفرت ہو گئی اور طاؤس و رباب سے پیار ہو گیا تو پھر "اَمَّا الزَّبَدُ فَیَذْھَبُ جُفَآءً" (پس بیکار جھاگ تو رائیگاں چلا جاتا ہے۔) (الرعد:۱۳) کے اصول کے مطابق انہیں تخت و تاج سے دستبردار ہونا پڑا اور ان کی جگہ محنت اور جنگجو قوموں نے تخت و تاج پر قبضہ کر لیا۔ الحمراء کی دیواروں کے سایوں میں ان کے بوڑھے اور بچوں کو بیدردی سے قتل کر دیا گیا۔ شاہی محلوں میں مسلمان شہزادیوں کی عصمتیں لوٹی گئیں اور انہیں اندلس کی سرزمین سے جہاں انہوں نے نو سو سال حکومت کی تھی، نکلنا پڑا۔

عزت و احترام کی قبائیں جو سپین کے مسلمانوں کے آباؤ اجداد نے بہت محنت سے حاصل کی تھیں، وہ انہیں اپنے ہاتھوں سے اتار کر دشمنوں کو دینا پڑیں۔ قرآن نے اس حقیقت کو بیان کیا ہے کہ یہ اللہ تعالیٰ کا قانونِ بقا اٹل ہے۔ اس میں کسی کا لحاظ نہیں کیا جاتا اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم نے اپنی حالت نہ بدلی تو اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت نہیں بدلتا جب تک اسے خود اپنی حالت بدلنے کا خیال نہ ہو۔ "اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِھِمْ" (الرعد:۱۱) (اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا جب تک وہ اپنی حالت خود نہ بدلیں۔)

پورا قرآن اٹھا کر دیکھیں، قوموں کے نشیب و فراز کے راز اور انسانوں کی بہتری اور تباہی کی راہوں کو واضح کر کے دکھایا گیا ہے اور ایسا اندازِ بیان کسی اور مذہبی کتاب میں بھی نہیں ملے گا۔ یہود و نصاریٰ نے اسلام کی ان تعلیمات پر تعجب کا اظہار کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے بارے میں مغربی مورخین نے لکھا ہے" وہ ایک ایسے فوجی جرنیل تھے کہ اگر ایک عمرؓ اور ہوتے تو پوری دنیا پر اسلام چھا جاتا"۔

قرآن اور ماڈرن سائنس

بائبل، قرآن اور جدید سائنس کے مصنف ڈاکٹر ماریس بوکیل، ایک مشہور فرانسیسی سائنس دان، سرجن اور اسکالر ہے، جس کو فرعون کی ممی (محفوظ شدہ لاش) کو درست کرنے کا اہم کام سونپا گیا تھا۔ جب اسے قرآن کے ان حوالہ جات کا علم ہوا جس میں اللہ تعالیٰ نے فرعون کی لاش کو انسانوں کی عبرت کے لیے محفوظ کرنا ظاہر کیا ہے تو اس نے عربی زبان سیکھی اور پھر قرآن کا بغور مطالعہ کیا۔ اس مطالعہ کے بعد اس نے ایک کتاب لکھی جس میں اس نے قرآن کی وہ تمام باتیں لکھیں جسے جدید سائنس نے کئی سو سالوں کے بعد دریافت کیا اور یہ حقائق پہلی الہامی کتابوں میں قطعاً موجود نہیں تھے۔

اس کا خیال ہے کہ بائبل میں لکھے ہوئے واقعات ناقابلِ قبول ہیں جبکہ قرآن میں فزیالوجی، تولیدِ انسان، انسان کی ابتداء، تخلیقِ کائنات، طوفانِ نوح، بنی اسرائیل کی صحرائے سینا میں ہجرت، کائنات کی تخلیق سے پہلے صرف دھوئیں کا ہونا، کائنات کا چھ ادوار میں بنایا جانا، چاند، سورج اور ستاروں یعنی فلکیات کا بیان موجود ہونا، اجرامِ فلکی کا اپنے مدار میں گھومنے کا ذکر، کواکب کا خود روشن نہ ہونا بلکہ روشنی کو منعکس کرنا، نجم سے مراد وہ ستارہ لینا جو جلتا ہے اور خود کو ختم کرتا ہے، سورج کے لیے روشنی اور گرمی کا پہنچانا اور چاند کی ٹھنڈی روشنی کا انعکاس ہونا (جبکہ بائبل ان دونوں کو چمکنے والے اجسام کہتی ہے) کائنات کا پھیلاؤ، خلا کی تسخیر خدائی طاقت سے ممکن ہونا (مثلاً چاند وغیرہ پر پہنچنا) کائنات میں پانی کا مختلف حالتوں سے گزرنا (Water cycle) سورج اور چاند وغیرہ کا اپنے مدار میں اپنی حرکت سے گھومنا، زمین کی سطحوں کا بچھونا ہونا اور پہاڑوں کا میخوں کی طرح لپٹے ہوئے ہونا، حیوانات اور نباتات میں افزائش نسل، ہر شے کی زندگی کی ابتداء پانی سے ہونا ''وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ٥ "(اور ہم نے پانی سے پیدا فرمائی ہر زندہ چیز، کیا وہ اب بھی ایمان نہیں لاتے) (الانبیاء: ۳۰) پودوں کا نر اور مادہ ہونا ''اَزْوَاجًا مِّنْ نَّبَاتٍ شَتّٰى ٥" (یعنی ہم نے نکالے شکمِ زمین میں سے جوڑے گونا گوں نباتات کے۔) (طٰہٰ: ۵۳) پودوں میں جنسی امتیازات کا ہونا ''وَمِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ جَعَلَ فِيْهَا زَوْجَيْنِ اثْنَيْنِ" (اور ہر قسم کے پھلوں سے دو دو کے جوڑے بنا دیئے۔) (الرعد: ۳) مادۂ تولیدگی کی معمولی سی مقدار کا تخم ریزی کے لیے کافی ہونا ''سُلٰلَةٍ مِّنْ طِيْنٍ ٥" (یعنی انسانوں کو بنایا مٹی کے جوہرِ منویہ سے) (المومنون: ۱۲) تخم ریزی کے بعد عورت کے بیضاء کا رحم میں قرار پکڑنا قرآن کے لفظ عَلَق سے واضح ہونا، ماں کے پیٹ میں بچے کا مختلف مراحل مثلاً عَلَقَةٌ (خون کا لوتھڑا)، مُضْغَةٌ (گوشت کی بوٹی) عِظٰمًا (ہڈیاں) لَحْمًا (ہڈیوں پر گوشت چڑھانا) خَلْقًا اٰخَرَ روح پھونک کر دوسری مخلوق بنانا) کا بیان موجود ہونا، اس کے بعد بچے میں سننے، دیکھنے اور سونگھنے والے اعضاء پیدا

ونا" وَجَعَلَ لَكُمُ السَّمْعَ وَالْاَبْصَارَ وَالْاَفْئِدَةَ" (اور بنادئے تمہارے لیے کان، آنکھ اور دل) (السجدہ:۹) طوفانِ نوح کا تاریخی آثار سے ثابت ہونا اور موجودہ تحقیقات کا اس کے مطابق ثابت ہونا، موسیٰ علیہ السلام کا فرعون سے مقابلہ (صحرائے سینا کی طرف ہجرت) اور فرعون کی موت کا آثارِ قدیمہ سے صحیح ثابت ہونا قرآن کی صداقت کے لیے بہت مضبوط دلائل ہیں۔ ڈاکٹر بوکیل نے درج بالا نکات کے علاوہ دیگر نکات کو واضح کیا اور لکھا ہے کہ قرآن نے ان تمام باتوں کو اس وقت بیان کیا جب دنیا میں کسی کو بھی ان کا علم نہ تھا اور موجودہ تحقیقات نے ان تمام باتوں کی سچائی کو ظاہر کر دیا ہے۔ یہ قرآن کی حقانیت پر واضح دلائل ہیں اور خدا کے ہونے کے ثبوت مہیا کرتے ہیں۔ (دیکھیے قرآن بائبل اینڈ سائنس از ڈاکٹر ماریس بوکیل جو ایک کتاب کی صورت میں ہے)۔

ہر شے کے جوڑے ہونا

سورۃ الذّاریات کی آیت نمبر ۴۹ "وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا زَوْجَيْنِ" میں اس بات کا ذکر ہے کہ خدا نے ہر چیز کے جوڑے بنائے ہیں، چنانچہ آج سائنس دانوں نے خود اس حقیقت کی تصدیق کر دی ہے۔ قرآن نے فرمایا "رَبُّ الْمَشْرِقَيْنِ وَرَبُّ الْمَغْرِبَيْنِ ٥" (یعنی خدا دو مشرقوں اور دو مغربوں کا رب ہے) (الرحمٰن:۱۷) اس آیت کا تقاضا تھا کہ زمین کا بھی جوڑا ہوتا کہ دو مشرق اور دو مغرب بھی ہو سکیں، چنانچہ ڈاکٹر عبدالسلام نے تحقیق کے بعد لکھا ہے کہ کائنات کا بھی جوڑا ہے۔ ایک منفی کائنات (ive۔) بھی موجود ہے جو مثبت کائنات کی مخالف سمت میں ہے اور درمیانی پلان سے برابر فاصلے پر موجود ہے۔ منفی کائنات والی زمین مادی زمین جیسی نہیں بلکہ عالمِ امر سے متعلق ہے۔ مسلمان صوفیاء نے عالمِ ناسوت، ملکوت، جبروت، لاہوت، ہاہوت، ھُو اور عالم امر و عالم خلق کا آج سے چودہ سو سال پہلے بھی ذکر کیا تھا جس کو سائنس دانوں نے آج اپنی تحقیق کے بعد ثابت کر دیا ہے۔ دو مشرق اور دو مغرب کے متعلق پروفیسر عبدالسلام کا نظریہ ہے کہ مثبت کائنات کے علاوہ ایک ویسی ہی منفی یعنی امری کائنات بھی موجود ہے جو غیر مادی قسم سے تعلق رکھتی ہے، لہٰذا دو مشرق اور دو مغرب ثابت ہو گئے۔ یہ تمام باتیں قرآن کی حقانیت کو ثابت کرتی ہیں۔

سائنس اور اسلام میں اس قدر گہرا تعلق ہے کہ اس پر بہت سی اعلیٰ معیار کی کتب لکھی جا چکی ہیں اور ابھی تک اپنے مضمون کے اعتبار سے یہ تحریر تکمیل کی محتاج ہے۔ اس موضوع پر جتنا بھی لکھا جائے تو احساسِ تشنگی ختم نہیں ہو سکتا، لہٰذا اسی پر اکتفا کیا جا رہا ہے۔ حال ہی میں حکیم محمد طارق محمود چغتائی صاحب نے ایک کتاب "سنتِ نبوی ﷺ اور جدید سائنس" کے عنوان سے شائع کی ہے جس میں انہوں نے ایک مسلمان کی روزمرہ

---

[1] صحیح مسلم، حدیث ۲۲۰۳، جلد ۳، صفحہ ۱۱۲۹۔

زندگی میں کیے جانے والے اعمال کی حقیقت کو (یعنی سُنّتِ نبوی ﷺ کو) عین سائنس کے مطابق ہونا ثابت کیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کا کوئی فعل ایسا نہیں کہ جس میں بے انتہاء حکمتیں پوشیدہ نہ ہوں۔ سُنّتِ نبوی ﷺ کا عین سائنس کے تقاضوں کے مطابق ہونا اس لیے بھی یقینی ہے کہ سُنّتِ رسول ﷺ مُنَزَّل مِنَ اللّٰہِ ہے اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ سائنس اور فطرتی اصولوں کا خالق ہے اور سنتِ رسول اللہ ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے مقرر کیے گئے قوانین ہیں۔ سُنّتِ رسول ﷺ کا کوئی عمل ایسا نہیں جس میں سینکڑوں حکمتیں پوشیدہ نہ ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کے اسوۂ حسنہ کو اپنانے کا حکم دیا کیونکہ آپ ﷺ کے اُسوہ سے بہتر کوئی اور طریقہ متصور نہیں۔

اس باب میں مذکورہ بالا کتاب کا نہایت مختصر خاکہ پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے تا کہ قارئین کو سُنّت کے اس پہلو سے بھی کچھ معلومات حاصل ہو سکیں۔ جن احباب کو زیادہ تفصیلات کی ضرورت ہے وہ مذکورہ کتاب کے علاوہ قرآن اور سائنس کے متعلق دیگر کتب کا مطالعہ کر سکتے ہیں۔ درج ذیل مضامین میں افعالِ سُنّت کو سائنس کے مطابق ہونے کے واضح دلائل دیئے گئے ہیں۔

افعالِ سُنّت سائنس کی روشنی میں

مسواک

انسان دن میں متعدد بار کھانا کھاتا ہے اور جو بھی وہ کھاتا ہے اس کے اثرات کافی دیر تک منہ میں رہتے ہیں۔ کھانے پینے کی اشیاء کے ذرات کچھ دیر تک اگر منہ میں اور دانتوں میں پھنسے رہیں تو کیمیاوی اجزاء کے عمل سے وہ کھانے کے ذرات گل سڑ جاتے ہیں اور ایک وقت ایسا بھی آتا ہے کہ وہ گلے سڑے ذرات زہر کا اثر پیدا کر لیتے ہیں، جو انسان کی زندگی کے لیے مہلک ثابت ہوتے ہیں۔ مزید برآں ان ذرات کا دیر تک منہ میں رہنے کی وجہ سے انسان کے منہ میں تعفّن پیدا ہو جاتا ہے، ایسا تعفّن پاس بیٹھے لوگوں کی نفرت کا باعث بن جاتا ہے۔ اس کے علاوہ اگر منہ میں تعفّن ہو تو فرشتوں کو بھی تکلیف ہوتی ہے اور نماز میں خشوع و خضوع پیدا نہیں ہوتا، یہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ کے نزدیک مکروہات میں شامل ہیں۔

مندرجہ بالا مضرِ صحت اور تعفّن کے آثار کو دور کرنے کے لیے اسلام نے مسواک کی سخت تاکید کی ہے اور یہ عمل نہایت پسندیدہ سُنّتوں میں شامل کیا گیا ہے۔ طبیبوں کی رائے ہے کہ مسواک کرتے رہنے سے پیٹ کی ستر بیماریوں کا علاج ہوتا ہے۔ جن میں سے دل کی جھلی میں پیپ پڑ جانا، ٹانسلز کا ہونا، دل کا بڑھنا (Enlargement of Heart) دماغ کا کند ہونا، بصارت اور امراضِ چشم کا پیدا ہونا، دائمی نزلہ

۱۔ السیرۃ الحلبیہ، علی بن برھان الحلبی، متوفی ۱۰۴۴ھ، جلد ۳، صفحہ ۲۹۹، دار المعرفۃ، بیروت۔

اور بلغم کے امراض کا پیدا ہونا قابلِ ذکر ہیں۔ یہ تمام امراض پیلو، کیر، نیم یا کیکر کی مسواک کرنے سے انسان کے نزدیک نہیں آتے۔

راقم الحروف کے ایک دوست نے بتایا کہ اس کی بہن کو دل کے بڑھنے کا مرض لاحق ہو گیا اور طویل علاج کے بعد وہ اپنی بہن کو ہومیو پیتھک ڈاکٹر کے پاس لے گئے۔ اس ڈاکٹر نے بہت محنت کے بعد مرض کو تلاش کر لیا اور کہا کہ آپ لوگ دل کا علاج کرواتے ہیں مگر دانتوں کا علاج نہیں کرواتے۔ جب دانتوں کا علاج کیا گیا تو دل کی بیماری رفع ہو گئی۔ یہ ہے مسواک کی کرامت۔

وضو

وضو طہارت کا ایک ایسا اسلامی امتیازی عمل ہے جو کسی بھی مذہب میں نہیں پایا جاتا۔ یہ ایک ایسا عمل ہے جس سے بدن کے وہ حصے صاف کیے جاتے ہیں، جن کے ذریعے امراض کے جراثیم جسم میں داخل ہوتے ہیں اور یہی جراثیم امراض کے پھیلنے اور پھولنے کا ذریعہ بنتے ہیں اور وضو کرنے کا طریقہ امراض کو کنٹرول کرنے کا طریقہ ہے۔ وہ اعمال جو وضو میں شامل ہیں، درج ذیل ہیں:

(۱) ہاتھوں کا دھونا (۲) کلی کرنا (۳) ناک میں پانی ڈالنا (۴) چہرہ دھونا (۵) مسح کرنا (۶) (سر، کان اور گردن کا) (۷) پاؤں ٹخنوں سمیت دھونا

وہ امراض جو وضو کرنے سے ختم ہو جاتے ہیں حسب ذیل ہیں:

جلد کا رنگ بدلنا اور اس کی بیماریاں، گرمی دانے، ایگزیما، جلدی سوزش، پھپھوندی کی بیماریاں، دانتوں اور مسوڑھوں کی بیماریاں، ایڈز (ایڈز کی ابتدائی علامات میں منہ کے زخم بھی شامل ہیں) بلڈ پریشر سے متعلق شرعی حکم ہے کہ جب غصہ ہو تو وضو کر لو طبی حکم بھی یہی ہے کہ جب بلڈ پریشر ہو تو وضو کر لو۔ اب ان دونوں احکامات کو ملائیں تو تحقیق کی نئی راہ کھلتی ہے، غصے میں، بلڈ پریشر ہائی ہوتا ہے تو ان دونوں امراض کا علاج وضو ہے۔ بار بار آنکھوں پر چھینٹے مارنے سے ایٹمی تابش کا اثر ختم ہو جاتا ہے۔

نماز

نماز دراصل ایسا نظام ہے، جو انسان کو اپنی روح سے قریب کر دیتا ہے۔ جب کوئی آدمی اپنی روح کو جان لیتا ہے تو اس کے سامنے یہ بات آ جاتی ہے کہ خود اللہ تعالیٰ اس کی راہنمائی کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اور رسول اللہ ﷺ کے فرامین کے مطابق نماز ہمارے تمام دکھوں کا علاج ہے۔ (دیکھیے ہماری تصنیف "حسنِ نماز")

نماز اور جسمانی صحت

نماز کے دوران انسان اپنی مختلف حالتیں بدلتا ہے، کبھی قیام، رکوع، سجود اور کبھی تشہد کی حالت میں ہوتا ہے، جس سے انسان کے بیرونی اور اندرونی اعضاء حرکت کرتے ہیں اور اس طرح تمام قسم کے گلینڈز کی نشو ونما ہوتی ہے جو انسان کی صحت کا سبب ہیں۔ نماز سے مندرجہ ذیل بیماریاں ختم ہو جاتی ہیں۔

(۱) دماغی امراض (۲) اعصابی امراض (۳) نفسیاتی امراض (۴) دل کے امراض (۵) جوڑوں کے امراض (۶) یورک ایسڈ سے پیدا ہونے والے امراض (۷) معدے اور السر کی شکایات (۸) شوگر اور اس کے مابعد اثرات (۹) آنکھوں اور گلے کے امراض (۱۰) حافظے کی کمزوری

غیر مسلم ڈاکٹر رابرٹ سمتھ کا تجزیہ

مشہور سرجن بلکہ سرجری کے باوا آدم کا قول ہے کہ ہم نے عملِ تطہیر اسلام سے سیکھا ہے۔

حضور ﷺ کا فرمان ہے، ''لِكُلِّ دَآءٍ دَوَاءٌ''[۱] یعنی اللہ تعالیٰ نے ہر مرض کے لیے شفاء عطا فرمائی ہے۔ بہت سی بیماریاں ایسی ہیں جن کا ابھی تک علاج دریافت نہیں ہوا یعنی سرطان اور ایڈز لیکن مندرجہ بالا حدیث کے آئینے میں یہ بات وثوق سے کہی جا سکتی ہے کہ یہ بیماریاں بھی لا علاج نہیں، لہٰذا نفسیاتی بیماریوں کا بہترین علاج سکونِ قلب میں مضمر ہے، جو ذکرِ الٰہی اور نماز کے ذریعہ ممکن ہے۔

نماز تہجد

آج کے سائنس دانوں نے اس بات کو تسلیم کیا ہے کہ تہجد کی نماز سے مندرجہ ذیل فوائد حاصل ہوتے ہیں:

(۱) بے سکونی اور نیند کی کمی کا علاج ہے۔
(۲) دِل کے امراض کے لیے تریاقِ اعظم ہے۔
(۳) اعصابی کھچاؤ اور جکڑاؤ کے لیے مفید ہے۔
(۴) دماغی امراض خاص طور پر پاگل پن کی خطرناک کیفیت کے لیے آخری علاج ہے۔
(۵) نگاہوں میں خاص طور پر جن کی نگاہ میں دو چیزیں نظر آتی ہوں ان کا علاج ہے۔
(۶) انسانی جسم میں نشاط، فرحت اور غیر معمولی طاقت پیدا ہوتی ہے جو اسے سارا دن ہشاش بشاش رکھتی ہے۔

حوالہ جات

(۱) ڈاکٹر ڈارون اور اس کے نظریات (۲) تصوراتِ دین (۳) دینی زندگی، جلد اوّل

کھانا

کھانا جسم کی اہم ضرورت ہے، اگر یہی کھانا حفظانِ صحت کے اصولوں کے مطابق کھایا جائے تو

---

[۱] اللآلی المصنوعۃ، جلال الدین السیوطی، متوفی ۹۱۱ھ، جلد ۲، صفحہ ۲۱۴، دار الکتب علمیہ، بیروت۔

صحت اور تندرستی ہوگی لیکن اگر اللہ تعالیٰ کا حکم اور رسول اللہ ﷺ کا طریقہ سمجھ کر کھایا جائے تو سُنّت اور سائنس کے مطابق بھی ہو جائے گا اور صحت و تندرستی بھی ملے گی۔ حضور ﷺ کی حدیث ہے ”ہم ایسی قوم ہیں کہ جب تک بھوک نہ لگے کھانا نہیں کھاتے اور جب کھائیں تو پیٹ بھر کر نہیں کھاتے۔ (اسی لیے بیمار نہیں ہوتے)[1]

جدید سائنس

جدید سائنس اس وقت بار بار اس بات پر زور دے رہی ہے کہ کم کھائیں تو زیادہ دیر زندہ رہیں گے اور بار بار لوگوں کو اس کے فوائد بتائے جاتے ہیں۔ زیادہ کھانے سے جو امراض پھیلتے ہیں، ان کی لسٹ رچرڈ بارڈر نے ترتیب دی ہے۔

(۱) دماغی امراض (۲) آنکھوں کے امراض (۳) زبان اور گلے کے امراض (۴) سینے اور پھیپھڑوں کے امراض (۵) دل اور والوز کے امراض (۶) جگر اور پتے کے امراض (۷) شوگر (۸) ہائی بلڈ پریشر (۹) دماغی رگ کا پھٹنا (۱۰) فالج اور لقوہ (۱۱) نفسیاتی امراض (۱۲) ڈیپریشن (۱۳) جسم کے نچلے حصہ کا سن ہونا۔

(بحوالہ ”سن“ ویکلی سویڈن)

پیٹ کے تین حصے اور جدید سائنس

حضور اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ تہائی پیٹ کھانے کے لیے، تہائی پانی کے لیے اور تہائی سانس کے لیے رکھو (مذاق العارفین) امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ کم کھانے کی عادت آہستہ آہستہ پیدا کرنی چاہیے، جو شخص زیادہ کھانے کا عادی ہو، وہ دفعتاً کم کرے گا تو اس سے تحمل نہ ہوگا، ضعف ہوگا اور مشقت بھی بڑھ جائے گی (احیاء العلوم)

ایک فلسفی کے سامنے جب نبی کریم ﷺ کا یہی فرمان سنایا گیا تو کہنے لگا، میں نے اس سے بہتر اور مضبوط بات آج تک نہیں سنی، ڈاکٹر بلن کیور آف اٹلی کا یہ کہنا ہے کہ بیٹھ کر کھاؤ، کم کھاؤ کیونکہ کھڑا ہونا نفسیاتی امراض پیدا کرتا ہے اور ایک مرض ایسی پیدا ہوتی ہے جس میں آدمی کو اپنوں کی پہچان ختم ہو جاتی ہے۔

کھانے کے درمیان خوشی کی باتیں

اسلامی احکامات کے مطابق کھانے کے درمیان افسردگی اور ناگواری کی باتیں نہیں کرنی چاہئیں۔ مشہور یورپین ڈاکٹر کیفن ایکسرے کے ماہر ہیں، وہ اپنے تجربے میں لکھتے ہیں کہ ایکسرے کے ذریعے میں نے معدے، جگر اور آنتوں کے مختلف حالتوں کا معائنہ کیا۔ میرا مشاہدہ ہے کہ رنج و غم اور غصے کی حالت میں ہاضمے کے جملہ اعضاء پر کچھ ایسا عصابی اثر پڑتا ہے کہ وہ بے حس ہو جاتے ہیں۔ خوشی، مسرت اور شادمانی کا اثر ایسا پڑتا ہے کہ معدے کے عضلات اور

اعصاب مسلسل طاقت ور ہوتے ہیں۔

ڈاکٹر کرنل چوپڑا اور اسلامی تعلیمات

ڈاکٹر چوپڑا مشہور سائنس دان ہے۔ اس نے لکھا ہے کہ میں نے مسلسل تحقیقات کے بعد اپنی تحقیق کو عام کیا کہ کھانے کے بعد پانی پینا معدے کے عضلات کو ڈھیلا کرتا ہے اور معدے کی اندرونی جھلی کی ورم کا باعث بنتا ہے۔ معدے میں الکلی (ALKALI) کی کمی کا باعث بنتا ہے۔ بعض اوقات یہی پانی معدے کے امراض کی وجہ سے دل کے امراض کا باعث بن جاتا ہے۔ سُنّتِ مبارکہ کے مطابق کھانے کے آخر میں پانی پینا منع کیا گیا ہے۔

قیلولہ سُنّت ہے

شمائل ترمذی میں ہے کہ نبی کریم ﷺ دوپہر کے وقت کھانے کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اس سنت پر عمل کرتے۔

ماہرِ نفسیات جیا لک آسٹن لکھتا ہے کہ اگر میرے اختیار میں ہوتا تو تمام کارخانے، فیکٹریاں، بازار اور دفاتر بند کر کے سب کو قیلولہ کراتا، کیونکہ ایسا کرنے سے ہمارے پاس مریضوں کی تعداد کم ہو جاتی ہے۔ مخلوق بے خوابی اور نفسیاتی امراض سے کُلّی طور پر بچ جاتی ہے۔

پانی، سُنّتِ نبوی ﷺ اور جدید سائنس

پانی اہم ضروریاتِ زندگی میں سے ہے۔ سنت سمجھ کر پانی پئیں، ثواب بھی ہوگا اور ضرورت بھی پوری ہوگی۔ پانی کو آہستہ اور دیکھ کر پینا سنت ہے۔ پانی کافی مقدار میں پینے سے انسان بہت سی بیماریوں سے (مثلاً بلڈ پریشر) سے محفوظ رہتا ہے۔

کھانے کی احتیاطیں اور جدید سائنس

حضورِ اقدس ﷺ نے کھانے کی بے شمار احتیاطیں فرمائی ہیں، جو مندرجہ ذیل ہیں:

حضورِ اقدس ﷺ دودھ اور مچھلی کو ہرگز جمع نہ فرماتے اور نہ ہی دودھ اور کسی تُرش شے کو جمع فرماتے اور نہ ہی دو گرم غذائیں، نہ دو جلاب آور، نہ دو چکنے والی غذائیں اور نہ ہی دو ایسی غذائیں جمع فرماتے جو ایک ہی خلط میں حل ہو جانے والی ہوتیں اور نہ ہی دو مختلف چیزیں، جیسے ایک قبض کرنے والی اور دوسری جلاب آور، یونہی ایک زود ہضم اور ایک دیر سے ہضم ہونے والی اور نہ ہی ایک بھنی ہوئی اور دوسری (پانی ڈال کر) پکی ہوئی اور نہ ہی ایک تازہ اور ایک باسی جمع فرما کر تناول فرماتے تھے۔ اسی طرح آپ ﷺ نہ تو گرم

کھانا تناول فرماتے اور نہ رات کا پکا ہوا باسی کھانا دوسرے روز تناول فرماتے اور نہ ہی ایسا کھانا تناول فرماتے جس سے بو آتی ہو اور نہ ہی چٹ پٹے کھانے جیسے چٹنیاں وغیرہ۔

تیز گرم کھانے سے منع

حضور اقدس ﷺ نے تیز گرم کھانے میں بے برکتی فرمائی ہے۔ تیز گرم کھانا منہ کے چھالے، معدے میں ورم اور سوزش کا ذریعہ بن سکتا ہے اور، بہت گرم کھانا کھانے سے گلے میں نقص آ جاتا ہے، جیسے گلے آنا اور گرم گرم کھانے کے ساتھ ٹھنڈا پانی بھی پی لیا جائے تو دانتوں اور معدہ میں نقص پیدا ہو جاتا ہے، لیکن اگر کھانے کے جوش کو ٹھنڈا کر لیا جائے تو انسان ان امراض سے بچ جاتا ہے۔

دودھ اور مچھلی جمع نہ کرنا

حضور اقدس ﷺ نے دودھ اور مچھلی کو اکٹھا کھانے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے نقصان اور ضرر کا اندیشہ ہے۔ تجربے میں یہ بات آئی ہے کہ برص، ہر دودھ اور مچھلی سے نہیں ہوتی۔ یہ صرف مچھلی کھا کر بکری کے دودھ پینے سے ہو جاتی ہے۔ سانپ کی شکل کی مچھلی سے پھلبہری ہو جاتی ہے۔

چٹ پٹے کھانوں سے منع

ان غذاؤں کی وجہ سے السر، معدے کی تیزابیت، بدہضمی اور بواسیر پیدا ہو رہی ہیں، اسلام نے سادہ غذا دی ہے، جس میں مزہ بھی ہے اور صحت بھی۔

مٹی کھانے سے منع

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا جو شخص مٹی کھاتا ہے، تو گویا خودکشی کرتا ہے۔ لے

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ مٹی نہ کھایا کرو، اس میں تین بڑے نقصانات ہیں۔ ۱۔ ہمیشہ بیمار۔ ۲۔ پیٹ کا خراب ہونا۔ ۳۔ رنگ کا زرد ہو جانا۔

چار فائدے اور جدید سائنس

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ چار چیزوں کو چار وجوہ کی بنا پر برا مت جانو۔

۱۔ آشوب چشم کو برا مت سمجھو، کیونکہ وہ نابینائی کی جڑ کاٹتی ہے۔

۲۔ زکام کو برا مت سمجھو، وہ جذام کی جڑ کو قطع کرتا ہے۔

۳۔ کھانسی کو برا مت کہو، وہ فالج کی جڑ کی قاطع ہے۔

۴۔ دول (ایک پھوڑے کا نام) کو برا مت جانو کیونکہ وہ برص کی جڑ کو کاٹتا ہے۔

ناک اور کانوں کے بالوں کی احتیاط

آپ ﷺ نے فرمایا جو بال ناک اور کان کے اندر ہوتے ہیں وہ جزام سے امن کا باعث ہیں۔ ان کے اکھاڑنے سے مرضِ آکلہ (یعنی ناک میں زخم) پیدا ہوتے ہیں، زخموں کے باعث جراثیم پورے جسم میں سرایت کر جاتے ہیں اور امراض کے پھیلنے کے خطرات بڑھ جاتے ہیں۔

پانی پینے کے آداب

۱۔ کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع فرمایا گیا ہے۔ کیونکہ اس سے استسقاء Oedema معدہ اور جگر میں بیماریاں اور پاؤں پر ورم ہونے کا امکان رہتا ہے۔ اس ورم سے جسم کے تمام حصوں پر ورم ہو سکتا ہے۔

۲۔ تین سانسوں میں پانی پینے کا حکم احادیث میں آیا ہے ورنہ تنفس میں رکاوٹ دماغ کے پردوں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ معدے میں اگر زیادہ مقدار میں پانی چلا جائے تو کیفیت میں پھیلاؤ ہوتا ہے، جس سے دل اور پھیپھڑوں اور جگر کو نقصان ہو سکتا ہے اور اگر یہ بائیں طرف ہو تو تلی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

۳۔ کھلے برتن میں پانی پینا چاہیے کیونکہ آپ ﷺ ہمیشہ پیالے میں پانی نوش فرمایا کرتے تھے۔ مشہور ریاضی دان فیثا غورث کا مقولہ تھا کہ پانی کھلے برتن میں، جوتا چمڑے کا اور آٹا جو کا ہونا چاہیے، اگر یہ تینوں چیزیں مجھے مل جائیں تو میں آسمانوں کا حساب لگا سکتا ہوں۔

۴۔ احادیث میں پیالے میں سانس لینے سے بھی منع فرمایا گیا ہے ورنہ خطرہ ہے کہ پانی سانس اور ناک کی نالی میں چلا جائے اور سانس کی گھٹن کا باعث بنے جو دماغ اور ناک کے پردوں میں ورم کا باعث بن سکتا ہے۔

۵۔ آپ ﷺ ہمیشہ شیریں (قدرتی میٹھا پانی) اور سرد پانی نوش فرماتے تھے کیونکہ ایسے پانی میں سلفر اور آیوڈین کی مقدار پائی جاتی ہے جو صحت مندانہ اجزاء ہوتے ہیں۔ ایک ماہر جیالوجسٹ کی تحقیق کے مطابق جہاں کھجور کے درخت زیادہ ہوں، وہاں کا پانی میٹھا ہوگا۔

نیند اور اس کے آداب

۱۔ آپ ﷺ دائیں جانب رُو بہ قبلہ ہو کر آرام فرماتے تھے (کیونکہ بائیں طرف لیٹنے سے دل کے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔ معدہ اور آنتوں کا بوجھ دل پر پڑتا ہے جس کی وجہ سے دوران خون اور دل کی حرکات میں کمی پیدا ہو جاتی ہے۔

جدید تحقیق سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ دائیں طرف سونا دل اور معدے کے امراض سے بچاتا ہے، حتیٰ کہ بے ہوشی اور مسلسل بے ہوشی سے بھی محفوظ رکھتا ہے۔

۲۔ بغیر منڈیر کی چھت پر سونے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ گرنے کے امکانات بہت زیادہ ہوتے ہیں۔

۳۔ اوندھے منہ لیٹنے سے بھی منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اس طرح تمام اعضاء ہضم اور اعضاء رئیسہ اوندھے اور بے ترتیب ہو جاتے ہیں جس سے دماغ پر اثر پڑتا ہے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اوندھے منہ لیٹنا احمقوں کا طریقہ ہے۔

۴۔ زیادہ سونے سے منع فرمایا گیا ہے کیونکہ اس سے بدن میں سستی اور کسل مندی پیدا ہو جاتی ہے۔ مرگی، اِختناق الرحم یا ہسٹریا اور بے خوابی کے مرض میں اضافہ ہوتا ہے۔ زیادہ سونے سے آنکھوں کے امراض اور بدخوابی کا مرض پیدا ہوتا ہے۔

۵۔ عشاء سے قبل بھی سونے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے۔ عشاء سے قبل سونے سے انسان طرح طرح کے امراض میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

۶۔ حضور ﷺ ہمیشہ سونے سے قبل وضو فرمایا کرتے تھے کیونکہ وضو اعضاء کو تعدیل میں لاتا ہے اور بے خوابی، بے سکونی اور ڈپریشن کا فوری علاج ہے۔

۷۔ آپ ﷺ نے سونے سے قبل بستر کو جھاڑنے کی اس لیے ہدایت فرمائی ہے تاکہ کسی قسم کے حشرات الارض مثلاً کیڑا، سانپ اور بچھو وغیرہ نقصان نہ دے سکیں۔

۸۔ اٹھنے کے فوراً بعد ہاتھ دھونے کا آپ ﷺ نے حکم دیا ہے کیونکہ سوتے ہوئے ہاتھ نامعلوم کہاں کہاں لگتے رہتے ہیں اور ان پر طرح طرح کے جراثیم لگے رہتے ہیں۔ اب اگر وہی جراثیم آلودہ ہاتھ پانی وغیرہ میں ڈالے جائیں گے تو پانی بھی آلودہ ہو جائے گا۔

۹۔ احادیث میں سونے سے قبل چراغ بجھانے کی ہدایت اس لیے ہے کہ رات کو ضرر اور نقصان پہنچانے والی چیزوں (کیڑے، مکوڑے، بچھو، چوہے وغیرہ) سے امن ہو جاتا ہے۔ آج کے دور میں بلب بجھانا اس لیے ضروری ہے کہ اس سے نیند سکون سے آئے گی اور آنکھوں پر اس کے برے اثرات نہیں پڑیں گے۔

سفید لباس

حضور اکرم ﷺ سفید لباس کو اس لیے پسند فرماتے تھے کہ یہ ہر قسم کے سخت موسمی تغیرات کا مقابلہ کرتا ہے اور سفید لباس گرم نہیں ہوتا، سفید لباس کینسر سے بچاؤ کا بہترین تریاق ہے اور جلدی گلینڈز کے ورم، پسینے کے مسامات کا بند ہونا، پھپھوند کے امراض جیسی خطرناک اور تکلیف دہ بیماریاں نہیں ہوں گی۔

موٹا لباس

حضور اکرم ﷺ تمام صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین اور اولیاء کرام رحمہم اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین یہی لباس زیب تن فرماتے تھے۔

سبز لباس

سفید لباس تو آپ ﷺ کو محبوب تھا ہی، مگر رنگین میں، سبز لباس زیب تن فرمانا زیادہ پسند تھا کیونکہ سبز لباس جسم کے بے شمار امراض کے لیے بے حد مفید ہے۔ معدے کے السر، معدے کی پرانی تیزابیت، اعصابی اور دماغی کھچاؤ، ڈپریشن، ہائی بلڈ پریشر اور جلدی امراض سے بچاؤ کا باعث بنتا ہے۔

سرخ لباس

نبی کریم ﷺ نے سرخ لباس کو مردوں کے لیے ناپسند فرمایا ہے کیونکہ سرخی مردوں کے ہارمونز کے نظام کے لیے بہت نقصان دہ ہے، اس سے جسم کے ہارمونز پر منفی اثر پڑتا ہے۔ ہائی بلڈ پریشر، جنسی ہیجان، جلدی امراض، غدود، ورم اور کمر کے بالائی عضلات کا کھچاؤ جیسے امراض پیدا ہوتے ہیں۔

ریشمی لباس

ریشم کا لباس مردوں کے لیے پہننا حرام ہے کیونکہ یہ گرم مائل بہ خشک ہے۔

لباس کی صفائی

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مومن کی تمام خوبیوں میں لباس کا ستھرا رکھنا اور کم پر راضی ہونا شامل ہے۔ آپ ﷺ میلے اور گندے کپڑوں کو مکروہ اور ناپسند جانتے تھے۔ لباس کی صفائی کا تعلق انسان کی پوری زندگی سے متعلق ہے۔ اگر انسان میلے اور گندے کپڑوں کے ساتھ لوگوں کے پاس جائے گا تو معاشرے میں کوئی بھی شخص اس کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھے گا اور مزید یہ کہ گندے لباس کی وجہ سے قسم قسم کی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں۔

حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ مسلمان کی مثال بکری کے بچہ کی سی ہے، جسے ایک مٹھی پرانی کھجور، ایک مٹھی ستو اور ایک گھونٹ پانی کافی ہے۔

فاقہ اور جدید سائنس

فاقہ علاج ہے "اپنے مریضوں کا علاج فاقے سے کرو"۔ یہ الفاظ علماء حدیث نے اکثر بیان کیے ہیں۔ شوگر، دل کے امراض، معدے کے امراض، دماغی امراض، ان کے علاوہ دیگر امراض جن کا تعلق غذائی بدپرہیزی سے ہے، کا علاج فاقے سے ہو جاتا ہے۔ جدید سائنس اب فاقے کے فوائد کی طرف مائل ہو رہی ہے جبکہ حضور اکرم ﷺ کی زندگی، صحابہ کرام ؓ، اہل بیت ؓ اور اولیاء کرامؒ کی زندگی فاقے سے لبریز ہے۔

عبد الواحد بن زید ؒ قسم کھا کر فرماتے ہیں ، اللہ تعالیٰ کسی شخص کی صفائی بغیر بھوکا رہنے کے نہیں کرتے۔ اس کی وجہ سے بزرگ پانی پر چلا کرتے ہیں اور اس کو طَیُّ الْاَرْضِ حاصل ہو جاتا ہے (طَیُّ الْاَرْضِ بزرگوں کی ایک خاص رفتار کا نام ہے، جس کی وجہ سے چند قدموں میں ہزاروں میل طے کر لیتے ہیں)۔

حضرت سلمان فارسی ؓ سے کسی نے عرض کیا کہ زمین کے خزانے تو آپ ؓ کے قبضہ میں ہیں، پھر بھی آپ ؓ بھوکے رہتے ہیں، فرمایا کہ مجھے یہ ڈر ہے کہ خود پیٹ بھر لینے سے کہیں بھوکوں کو نہ بھول جاؤں اور بھوکے پیاسے رہنے سے قیامت کے دن کی بھوک اور پیاس بھی یاد رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا خوف بھی پیدا ہو جاتا ہے۔

پروفیسر براؤن اور اسلامی دنیا

پروفیسر براؤن نے اپنی کتاب میں لکھا ہے کہ حارث بن کلاہ الثقفی ؓ نامی ایک حکیم حضور ﷺ کے زمانے میں آیا لیکن اس کے پاس کوئی مریض نہ آیا۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ ﷺ سے شکایت کی۔ فرمایا کہ یہ اس وقت کھانا کھاتے ہیں جب تیز بھوک لگتی ہے اور بھوک ابھی باقی ہوتی ہے تو کھانا چھوڑ دیتے ہیں۔

”جو“ اور جدید سائنس

عہد رسالت ﷺ میں عام طور پر ”جو“ کی روٹی کھائی جاتی تھی۔ اس روٹی کی طاقت اور قوت صحابہ کرام ؓ نے پورے عالم میں دین کے ڈنکے بجائے۔ علامہ اقبال ؒ نے اسی ”جو“ کے بارے میں شعر کہا تھا۔

ہے جہاں میں نانِ شعیر پر مدار قوتِ حیدری

جدید تحقیقات کے مطابق یہ مقوی غذا ہے۔ قبض اور پیچش کو ختم کر کے تسکین دیتی ہے۔ اگر دودھ میں پکا کر دیں تو اعلیٰ درجہ کا مقوی ہے۔

حاجت ضروریہ اور اس کے آداب

قضائے حاجت انسانی طبعی ضروریات میں سے ہے اس لیے حضور نبی کریم ﷺ نے اس کے آداب مقرر فرمائے ہیں۔

ا۔ حاجت کے لیے دور نکل جانا آپ ﷺ بہت دور نکل جاتے، کیونکہ چلنے سے آنتوں کی حرکات تیز ہو جاتی ہیں جس کی وجہ سے حاجت تسلی بخش ہوتی ہے۔

۲۔ کچی زمین کا انتخاب آپ ﷺ حاجت کے لیے کچی (نرم) زمین کا انتخاب فرماتے تھے۔ لیول پاول نے اصولِ صحت میں لکھا ہے کہ انسانیت کی بقا مٹی سے ہے اور فنا بھی مٹی میں ہے۔ جب سے ہم نے سخت زمین (فلش وغیرہ) استعمال کرنا شروع کیا ہے، اس وقت سے مردوں میں جنسی کمزوری اور پتھری کا رجحان بڑھ گیا ہے اور اس کے اثرات پیشاب کے غدود پر پڑتے ہیں۔

۳۔ کھڑے ہو کر پیشاب کرنا کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے آپ ﷺ نے منع فرمایا ہے کیونکہ کھڑے ہو کر پیشاب کرنے سے اس کے چھینٹے بدن اور لباس کو آلودہ کر دیتے ہیں اور اس سے غدہ قلامیہ (Prostaite) پر برا اثر پڑتا ہے اور وہ متورم ہو کر بڑھ جاتا ہے جس سے پیشاب کا بند ہو جانا، پیشاب کا قطرہ قطرہ آنا، تکلیف سے آنا اور دھار کا پتلا ہونا جیسے امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

۴۔ غسل خانے میں پیشاب کرنے سے منع کرنا احادیث میں اس کی اس لیے ممانعت فرمائی گئی ہے کہ اس سے بے شمار وسوسے پیدا ہوتے ہیں۔ شہوتِ نفسانیہ کی زیادتی ہوتی ہے اور انسان نفسیاتی امراض کا شکار ہونے کے ساتھ ساتھ گردے میں پتھری پیدا ہو جاتی ہے۔

۵۔ بل اور سوراخ میں پیشاب کرنے سے منع حضور نبی کریم ﷺ نے اس سے اس لیے منع فرمایا کہ اگر زہریلے جانور کے بل میں پیشاب کیا گیا تو اس جانور سے نقصان پہنچنے کا خطرہ ہوتا ہے۔ کلر زدہ زمینوں میں تیزاب اور شورہ کے مادے جمع ہو جاتے ہیں۔ ان میں پیشاب کرنے سے زہریلے بخارات اٹھ کر جسم انسانی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں۔

۶۔ طہارت کے لیے بایاں ہاتھ استعمال کرنا دائیں ہاتھ سے مثبت شعاعیں اور بائیں ہاتھ سے منفی شعاعیں نکلتی ہیں۔ دائیں ہاتھ کے استعمال سے جسم کا شعاعی نظام بگڑ جائے گا اور اس کے اثرات دماغ اور حرام مغز پر زیادہ پڑیں گے۔

نگاہوں کی حفاظت اور جدید سائنس

حضورِ اقدس ﷺ کا فرمان ہے کہ جو شخص اپنی نظروں کی حفاظت کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ایسا ایمان عطا فرمائے گا جس کی حلاوت وہ دل میں محسوس کرے گا۔

ڈاکٹر نکلسن ڈیوز کہتا ہے کہ نگاہیں جس جگہ جاتی ہیں، وہیں جمتی ہیں۔ پھر ان کا اچھا اور برا اثر اعصاب، دماغ اور ہارمونز پر پڑتا ہے۔

نگاہوں کی حفاظت نہ کرنے سے انسان ایسے ڈپریشن، بے چینی اور مایوسی کا شکار ہوتا ہے، جس کا

علاج ناممکن ہے کیونکہ نگاہیں انسان کے خیالات اور جذبات کو منتشر کرتی ہیں اور یہ انتشار اس کی گھریلو زندگی پر زیادہ اثر انداز ہوتا ہے۔

والدین کی اطاعت اور جدید سائنس

والدین کی نگاہیں اگر پاکیزہ ہوں تو ان کا اولاد پر بہت گہرا اثر پڑتا ہے اور اولاد میں اسمٰعیل علیہ السلام جیسا کردار پیدا ہوتا ہے۔ یہ مضمون بہت طویل ہے۔ جس کی گنجائش اس جگہ نہیں ہے۔ ڈاکٹر نکلسن کی رپورٹ کے مطابق والدین جوں جوں بوڑھے ہوتے جاتے ہیں، ان کی محبت بڑھتی رہتی ہے اور والدین کی محبت بھری نگاہوں میں ایک روشنی کا پیڑ بن کر اولاد کے حق میں صحت اور تندرستی کا باعث بنتا ہے۔ والدین اگر قریب ہوں تو ان کی محبت بھری نگاہیں جسم اور اعصاب کی تقویت اور لچک کا باعث بنتی ہیں۔ والدین کا لمس ذہنی عوارضات کو ختم کرتا ہے، نفسیاتی الجھن کو دور کرتا ہے اور جسم غیر فانی ہو جاتا ہے۔

قرآن مجید میں ہے ”اور تمہارے رب نے یہ فیصلہ کر دیا ہے کہ تم اس کے علاوہ کسی اور کی عبادت نہ کرو اور اپنے والدین کے ساتھ حسن سلوک کا مظاہرہ کرو“۔ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ سے پوچھا یا رسول اللہ ﷺ ماں باپ کا اولاد پر کیا حق ہے۔ فرمایا ماں باپ ہی تمہارے لیے جنت ہیں اور ماں باپ ہی دوزخ ہیں۔ اس موضوع پر بہت سی احادیث ملتی ہیں۔

شراب اور جدید سائنس

شراب یا الکحل سے انسانی جسم پر کیا مضر اثرات پڑتے ہیں:

۱۔ شراب کا نظامِ انہضام پر اثر

اس کا سب سے پہلا برا اثر منہ سے شروع ہوتا ہے۔ عام طور پر منہ کے اندر ایک خاص قسم کا زندہ مادہ ہوتا ہے جو ایک لعاب کی صورت میں ہوتا ہے، مگر چونکہ شراب کی وجہ سے اس مادے کی قوت بتدریج کم ہوتی جاتی ہے، اس کا نتیجہ مسوڑھوں میں زخم اور سوجن کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے، چنانچہ شرابی لوگوں کے دانت بہت تیزی سے خراب ہو جاتے ہیں۔ منہ کے بعد گلے اور خوراک کی نالی پر بھی برا اثر پڑتا ہے، جس سے جلن ہوتی ہے اور ان اعضاء میں سرطان (کینسر) شراب کی وجہ سے ہی ہو جاتا ہے۔

۲۔ شراب کا دورانِ خون پر اثر

دوران خون پر شراب کا اثر دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک بالواسطہ جگر پر اور دوسرا بلاواسطہ دل کی نالیوں پر۔ اس کے بعد جگر میں ضعف اور خرابی پیدا ہو جاتی ہے جس کے نتیجے میں خون لے جانے والی نسیں سخت ہو

جاتی ہیں اور اس سے بلڈ پریشر کا عارضہ لاحق ہو جاتا ہے۔ دل کے عارضے کے لیے شراب کا ایک قطرہ ایسا ہے جیسے جان کے لیے زہر۔

۳۔ شراب کا اعصابی نظام پر اثر

شراب اعصابی نظام کو بری طرح نقصان پہنچاتی ہے، جس سے کئی اقسام کی بیماریاں شروع ہو جاتی ہیں، جیسے رعشہ طاری ہونا، ہاتھ پاؤں کا شل ہو جانا اور دماغ ماؤف ہو جانا وغیرہ۔

۴۔ شراب کا معاشرتی نفسیات پر اثر

ا۔ شرابیوں میں زود رنجش اور غصہ کا فوری حملہ، ان کے معاشرے میں لاتعداد تنازعات میں الجھائے رکھتا ہے۔

۲۔ لاتعداد متواتر طلاقیں معاشرے کی بنیادی ڈھانچوں کو ہلا کر رکھ دیتی ہیں۔

۳۔ مختلف قسم کے کام کرنے والے مزدوروں اور کاریگروں پر شراب کی وجہ سے بے دلی اور کاہلی کا غلبہ ہو جاتا ہے۔ اس طرح ان کی کارکردگی اور مہارت پر برا اثر پڑتا ہے۔ انسانوں میں باہمی ہمدردی ختم ہو جاتی ہے۔

ختنہ اور سائنس

ختنہ یا سُنّت مسلمانوں کی علامت ہے۔ ڈاکٹر واچر نے لکھا ہے کہ مختون شرمگاہ والے سرطان سے بچ جاتے ہیں اور وہ غیر ضروری شہوانی خیالات کے انتشار سے بچ جاتے ہیں۔ اگر ختنے نہ کیے جائیں تو پیشاب کی بندش، گردے کی پتھری، خطرناک بیماریوں کے جراثیم گھونگھٹ میں پھنس کر اگزیما، خارش، الرجی کے امراض پیدا کر سکتے ہیں۔ آتشک، سوزاک اور خطرناک الرجی جیسے امراض غیر مختون مریضوں میں اکثر پائے جاتے ہیں۔ آٹھ روز کے اندر ختنہ مفید رہتا ہے، کیونکہ اس سے زخم کے خراب ہونے کے امکانات کم ہوتے ہیں۔

لاٹھی اور جدید سائنس

حضور اقدس ﷺ کے ہاتھ میں عصا ہوتا تھا۔ ماہرینِ اطباء کے نزدیک چونکہ عصاء دائیں ہاتھ میں ہوتا ہے، اس لیے وہ ہاتھ مضبوط ہوتا ہے۔ بس اس سے اس میں غیر معمولی طاقت اور قوت آ جائے گی۔ لاٹھی تمام انبیاء علیہم السلام کی سُنّت ہے۔ اس ضمن میں حضرت موسیٰ ؑ کا عصاء مشہور ہے۔ اس لیے دائیں ہاتھ کی طاقت، قوت اور مضبوطی عصاء میں مضمر ہے۔

کبھی کبھار ننگے پاؤں چلنے کا حکم

حضور اکرم ﷺ نے کبھی کبھار ننگے پاؤں چلنے کا حکم دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جوتا ہر وقت بند ہوتا ہے اور یہ بے شمار امراض کا باعث بن سکتا ہے۔ خاص طور پر اچھوتی امراض کے جراثیم جوتے کی تنگی اور گھٹن کی وجہ سے اندر ہی اندر پھیلتے رہتے ہیں۔ پاؤں زمین پر رکھنے سے ان کو ہوا لگتی ہے جو پھپھوند نما جراثیم وارس کو ختم کرتی ہے۔ اکثر ماہرین حفظانِ صحت اس بات پر زور دیتے ہیں کہ روزانہ صبح سویرے مٹی اور گھاس پر ننگے پاؤں چلا کریں۔ دماغی کمزوری، خشکی اور اعصابی تناؤ سے بچ جاؤ گے۔

گالی اور جدید سائنس

اسلام نے جگہ جگہ گالی اور دشنام بازی سے منع فرمایا ہے۔ یورپ کا ایک مشہور دانشور لیڈ بیٹر کہتا ہے کہ "ہر لفظ ایتھر (عالم ملکوت) میں ایک خاص شکل اختیار کر لیتا ہے۔ مثلاً "نفرت" اس قدر بھیانک تصور میں بدل جاتا ہے کہ ایک مرتبہ میں نے یہ صورت دیکھ لی اور اس کے بعد مجھے یہ لفظ استعمال کرنے کی بھی جرات نہ ہوئی"۔

ہر لفظ ایک یونٹ یا ایٹم ہے، جسے اندرونی جذبات کی بجلیاں برقانی (Charge) کرتی ہیں اور اس کے اثرات اس عالم خدکی اور عالم لطیف (کاسمک یا آسٹرل ورلڈ) دونوں میں نمودار ہوتے ہیں۔ اس موضوع پر ایک پورا باب ہماری تصنیف "حسنِ نماز" میں شامل کیا گیا ہے۔

مسکراہٹ اور جدید سائنس

خلوص اور محبت ایک روشنی ہے جو سینے میں ہوتی ہے۔ مسکراہٹ اس روشنی اور لہروں کا حصہ ہے۔ مسکراہٹ سے مثبت لہریں کاسمک ورلڈ میں انقلاب برپا کر دیتی ہیں اور یہی لہریں دوسرے کے دل اور سینہ میں ٹھنڈک کا باعث بن جاتی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ مسکرا کر ملنا بھی صدقہ ہے۔ یہ دراصل محبت اور الفت کو بڑھانے کا خاص انداز ہے۔

شیو کے نقصانات میڈیکل کی روشنی میں

ڈاڑھی رکھنا سنت ہے اور سنت سے اجتناب دراصل صحت سے اجتناب ہے۔ ذیل میں سائنسی لحاظ سے شیو کے نقصانات بیان کیے جا رہے ہیں۔

(۱) جلدی امراض (۲) چہرے کے مہاسے (۳) چہرے کی جلد کی خشکی (۴) کیل اور چھائیاں (۵) عام پھوڑے پھنسیاں (۶) اگزیما (۷) الرجی (۸) وقت کا ضیاع (۹) جسم کی کمزوری ہونا۔

اسی طرح غدہ نخامیہ پر برے اثرات پڑتے ہیں اور پھر اس گلینڈ کی وجہ سے اعصابی اور جنسی نظام

بہت متاثر ہوتے ہیں۔ شیو کرنے والا سنتِ نبوی ﷺ کو نالی میں پھینک دیتا ہے۔

زنا، اُمُّ الأمراض ہے

اسلام دین فطرت ہے۔ شادی اور نکاح دراصل انسانی جذبات اور خواہشات کی تکمیل ہیں۔ اسلام نے نگاہوں کی حفاظت، روزہ برائے ضبطِ نفس اور شرم گاہ کی حفاظت کے احکام جاری فرمائے ہیں جن کا مقصد زنا سے بچنا ہے اور زنا حرام ہے۔

فواحش کی کثرت کی وجہ سے امراضِ خبیثہ سوزاک اور آتشک جیسی موذی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں اور لوگ طرح طرح کے مصائب و آلام میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ اس سے طلاق اور تفریق کے واقعات بڑھنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اس فعلِ بد کی اللہ اور اس کے حبیب ﷺ نے سخت وعید فرمائی ہے اور اس فعل بد کے مرتکب افراد معاشرے کی نظروں میں گر جاتے ہیں اور ذلت و رسوائی کے عمیق گڑھوں میں جا گرتے ہیں۔ عورت کا فطری جذبہ مادری فنا ہو جاتا ہے۔ منع حمل، اسقاطِ حمل اور قتلِ اطفال جیسے کبیرہ گناہ اسی فعلِ بد کی بدولت پیدا ہوتے ہیں۔

ایامِ حیض اور نفاس میں ترکِ جماع

جدید سائنسی تحقیق کے مطابق ایامِ حیض اور نفاس میں نکلنے والا خون انتہائی زہریلا، تیزابی اور متعفن ہوتا ہے اور کیونکہ یہ عورت کے جسم کا حصہ نہیں اس لیے اس کا نکلنا بھی ضروری ہے۔ ایامِ حیض اور نفاس میں جماع کرنے سے مندرجہ ذیل امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

(۱) آتشک اور سوزاک (۲) نار فارسی، سیٹا اور رائٹر کی بیماری (۳) پیشاب کی جلن، رکاوٹ پیشاب کے غدود کا ورم اور سوزش، پتھری کے امراض، ایام میں رکاوٹ، شرم گاہ میں خارش اور رحم کا ورم وغیرہ۔ یہ تمام امراض اس وقت پیدا ہوتے ہیں جب انسان فطری قوانین کو توڑ کر خواہشِ نفس کی طرف گامزن ہوتا ہے۔

کلف دار کاٹن اور جدید سائنس

حضور اقدس ﷺ نے ہمیشہ سوتی لباس زیب تن فرمایا لیکن فیشن کی دنیا نے اس سوتی لباس کی افادیت کو بگاڑ دیا ہے۔ کلف لگا لباس اکڑ جانے کی وجہ سے جسم کو اکڑا کر متکبر بنا دیتا ہے اور انسان بے شمار اعصابی امراض کا شکار ہو جاتا ہے۔ اس سے جلد پر رگڑ پہنچتی ہے اور طرح طرح کے جلدی امراض جنم لیتے ہیں اور ہوا کا گزر نہ ہونے کی وجہ سے پسینہ خشک نہیں ہوتا۔ مزید یہ کہ کپڑا پسینہ جذب نہیں کرتا۔ پسینہ کی وجہ سے سٹارچ یا کلف کا مواد بدن کو لگا رہتا ہے اور جلد پہ چپکا رہتا ہے جس سے جلدی مسام بند ہونے سے پھپھوند کا خطرہ لاحق رہتا

ہے۔

بریزیئر کا خطرناک استعمال

حسنِ نسواں کے لیے پستانوں کو بہت اہمیت حاصل ہے اور ان کو تحفظ اور حسن فراہم کرنے کے لیے فیشن نے بریزیئر کا استعمال کرنا سکھایا ہے۔ بریزیئر کے میٹریل کے بغور مطالعہ سے بہت سے نقصانات واضح ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضور ﷺ کے زمانے میں اس کا استعمال نہیں تھا۔

ناخن پالش اور جدید سائنس

ناخن پالش کے استعمال سے ہاتھوں پر دانے، خارش اور پیپ دار پھنسیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو اکثر سرخ رنگ ہونے کی وجہ سے اشتعال، غصہ اور بلڈ پریشر ہائی ہو جانے کا سبب بنتی ہیں۔ ناخن کے مسامات بند اور کیمیکل بہت سے امراض کا باعث بنتے ہیں۔ خاص طور پر اس کا ہارمونز سسٹم پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ جس سے خطرناک زنانہ امراض پیدا ہوتے ہیں۔ پالش کی موجودگی میں وضو نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ ناخن تر نہیں ہوتے۔

میک اپ اور جدید سائنس

جتنا میک اپ حسنِ نسواں کے لیے نقصان کا باعث بنا ہے، شاید ہی کسی چیز سے اتنا نقصان پہنچا ہو۔ میک اپ کرنے سے درج ذیل نقصانات ہو رہے ہیں:

(۱) چہرے کے مہاسے (۲) لیس دار تھیلی نما مہاسے (۳) کیل دار چھائیاں (۴) ناک پر داتوں کا بگاڑ (۵) عام پھوڑے اور پھنسیاں (۶) پھپھوند سے پیدا ہونے والے امراض

اسلام نے خواتین کے لیے گھر میں آرائش حسن (صرف اپنے خاوند کے لیے کرنے سے منع نہیں فرمایا لیکن اس کے لیے مصنوعی اور زہریلی ادویات میک اپ کی شکل میں نقصان دہ ہیں)۔

اونچی ایڑی کے جوتے

بعض عورتوں کو اونچی ایڑی کے سینڈل اور جوتے پہننے کا شوق ہوتا ہے حالانکہ ان سے پاؤں اور ٹانگ کی باریک رگیں سوج جاتی ہیں اور ہڈیوں میں درد ہونے لگتا ہے اور مستقل تھکن رہتی ہے۔ دورانِ خون میں رکاوٹ اور کمر میں درد ہوتا ہے۔ ان میں پاؤں فطری حالت میں نہیں رہتے۔ چلنے میں خاصا تکلف کرنا پڑتا ہے جس سے دباؤ اور تناؤ کی کیفیت پیدا ہو سکتی ہے۔ اسلام میں ہموار تلوں کا حکم ہے۔

جوتے اور موزے جھاڑنا

احادیث میں جوتے اور موزے جھاڑ کر پہننے کا حکم آیا ہے کیونکہ بعض اوقات کوئی زہریلا جانور گھس جاتا ہے۔ اگر بغیر جھاڑے اس کو استعمال کیا تو وہ ڈس سکتا ہے جس سے زندگی کو خطرہ لاحق ہو سکتا ہے۔

مزید یہ کہ نگاہ جوتے کی طرف جانے سے جوتے کی اندرونی کیفیت کا اندازہ ہو جائے گا کیونکہ بعض متعفن جوتے پاؤں کو بدبودار کرنے کے ساتھ ساتھ خراب بھی کر دیتے ہیں۔ بدبو اگر زیادہ ہو جائے تو کئی ایک جلدی اور الرجی کی بیماریاں شروع ہو جاتی ہیں۔

نعلین نبوی ﷺ اور جدید سائنس

حضور اقدس ﷺ ہمیشہ چمڑے کا جوتا استعمال فرماتے تھے۔ اس کے بہت بڑے فوائد ہیں۔

نیوٹن مشہور سائنس دان جب دماغی دباؤ اور ڈپریشن کا شکار ہوا تو اس نے فوراً جوتے کی طرف نگاہ کی۔

وہ ہر ہفتے نیا جوتا بدلتا۔ آخر اسے ایک جوتے نے سکون دیا تو وہ ہمیشہ اسی (چمڑے کے) جوتے کو استعمال کرتا۔

جرمن کے ماہرین نے انکشاف کیا ہے ”جوتا بہتر تو دماغ بہتر، جوتا سخت تو دماغ سخت، جوتا نرم تو دماغ نرم، ہمیشہ چمڑے کا جوتا استعمال کرنا چاہیے۔ زیادہ بند اور تنگ جوتے سے بچنے والا امراض سے بچ جاتا ہے۔ کینوس کے جوتے بچوں کے لیے نقصان دہ ہو سکتے ہیں کیونکہ ان جوتوں کے اندر پیروں کو رگڑ زیادہ لگتی ہے۔ ربڑ سول میں کھچاؤ زیادہ ہوتا ہے اور یہ اندر سے چپ چپا بھی ہوتا ہے جس کی وجہ سے ربڑ سول زمین کی سطح سے چپک جاتا ہے۔ اسی وجہ سے بچوں کے موزے کھولنے کے بعد پسینے سے گیلے ہو جاتے ہیں۔ دونوں پیروں میں دو لاکھ مسام اور غدود ہوتے ہیں جو دن میں تقریباً آدھا پنٹ رطوبت خارج کرتے ہیں جو نقصان دہ، سوزش اور احتراق کا باعث بنتی ہے۔ کینوس کے جوتوں سے پیر کا درجہ حرارت ۱۲۵ درجہ فارن ہائیٹ تک پہنچ جاتا ہے“۔

پیدل چلنا اور سائنس

حضور اقدس ﷺ پیدل چلا کرتے تھے اس لیے یہ سنت ہے۔ اسی میں صحت ہے۔ زیادہ بیماریوں کا واحد سبب بے عمل زندگی، جس کے اندر پاؤں کی حرکت کم اور ایڑی کی حرکت زیادہ ہے۔ پیدل چلنا بہت سے امراض کا خاتمہ کرتا ہے، مثلاً تبخیر گیس، دائمی گیس سے نجات، دل کے تمام امراض، بواسیر اور موٹاپے کا بہترین علاج ہے۔

آنکھوں میں سرمہ ڈالنا اور جدید سائنس

جہاں سرمہ سنتِ نبوی ﷺ ہے، وہاں اس کے مندرجہ ذیل فوائد ہیں۔

۱۔ سرمہ اعلیٰ درجہ کا دافع تعفن (یعنی Antiseptic) ہے۔

۲۔ اس سے سورج کی تیز شعاعیں آنکھوں کی پتلی کو نقصان نہیں پہنچا سکتیں۔

۳۔ سرمہ سے آنکھوں کے اوپر پھنسی لیڈ انفیکشن سکہ اور ککرے بالکل نہیں ہوتے۔

۴۔ آشوبِ چشم کے مریض کے لیے سرمہ بہت مفید ہے، آنکھوں کے زخم، خراش اور سوزش کے لیے سرمہ بہت مفید ہے۔ یہ ہر طرح کے اچھوتی جراثیم ختم کر دیتا ہے اور پتلی کے Optic pressure کو کم کرتا ہے اور سفید موتیہ سے بچاتا ہے۔

حفاظتِ بصارت

حضور علیہ السلام نے بصارت کی حفاظت کے لیے فرمایا جب سونے لگو تو سرمہ لگایا کرو۔ سرمہ اثمد کا لگایا کرو کیونکہ اس سے بال پیدا ہوتے ہیں اور آنکھوں کی روشنی زیادہ ہوتی ہے۔ لکھنے، پڑھنے اور باریک کام کرنے والوں کیلیے سرمہ ازبس ضروری ہے۔ آنکھوں کی تھکاوٹ اور ضعف دور ہو جاتا ہے۔ معمولی سرمہ خوب کھرل کیا ہوا مفید ہے۔

عورتوں اور مردوں کا آنسو بہانا

حالیہ تحقیق کے مطابق آنسو کے فائدے بھی ہیں اور نقصان بھی۔ اگر جذبات، غصہ، ضد، انتقام اور خون کے آنسو بہائے جائیں تو وہ آنسو قطعاً نقصان دہ ہیں۔ اگر محبت، الفت، خوفِ خدا اور ہمدردی کے آنسو بہائے جائیں تو وہ آنسو فائدہ مند ہیں۔

مونچھیں ترشوانا

حضور علیہ السلام کا فرمان ہے، مونچھیں ترشواؤ اور داڑھی بڑھاؤ۔

ایک پرتگالی سائنس دان کہتا ہے "انسانی ہونٹوں میں بڑے حساس اور تیز گلینڈز ہوتے ہیں جن کا بالواسطہ دماغ سے تعلق ہے اور یہی گلینڈز مرد اور عورت کے انفرادی تعلق میں رجحان بڑھاتے ہیں۔ اوپر کے ہونٹ کے گلینڈز میں ایسے ہارمونز پیدا ہوتے ہیں جن کے لیے بیرونی اثرات اور پانی بہت ضروری ہے جو مونچھیں نہ ہونے سے مل سکتا ہے کیونکہ اگر ان گلینڈز کو پانی اور ہوا نہ لگے تو اس سے دائمی نزلہ، مسوڑھوں کا ورم اور اعصابی کھچاؤ جیسی بیماریاں پیدا ہو جاتی ہیں"۔

وظائف اور اذکار کے سائنسی اثرات

ایک اچھا بول دل کی تسکین اور محبت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک برا بول نفرت اور کراہت کا ذریعہ بن جاتا ہے۔ بعض وظائف انسان کو ایسی طاقت اور قوت عطا کر دیتے ہیں کہ انسان مافوق الفطرت بن جاتا ہے۔

ڈاکٹر لیول پاول کہتا ہے کہ "قرآن صرف الفاظ کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک خاص انرجی اور طاقت کا پیٹرن ہے۔ یہ طاقت جہاں پڑھنے والے کے اندر منتقل ہوتی ہے، وہاں وہی طاقت پاس بیٹھنے والے لوگوں کو

بھی گھیر لیتی ہے"۔

دل کا دورہ اور دمہ

ان امراض سے بچنے کے لیے قرآن پاک کی یہ آیت صبح وشام تین مرتبہ پڑھ کر مریض اپنے اوپر پھونک لے "قَدْ جَآءَتْکُمْ مَّوْعِظَۃٌ مِّنْ رَّبِّکُمْ وَشِفَآءٌ لِّمَا فِی الصُّدُوْرِ" (یونس:۵۷) (یعنی تمہارے رب کی طرف سے ہدایت کا سرچشمہ آیا ہے جو سینے کے اندر کے مسائل کے لیے شفا ہے۔)

روغنِ زیتون کی مالش اور جدید انکشافات

حضور علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ زیتون کا تیل کھاؤ اور مالش میں استعمال کرو اس لیے کہ یہ مبارک درخت سے پیدا ہوتا ہے اور یہ بواسیر کے لیے مفید ہے۔ زیتون کا تیل کھانے سے انسان ستر امراض سے بچ جاتا ہے، جس میں ایک کوڑھ ہے۔ زیتون کے تیل سے مالش کرنے پر جسم میں طاقت اور قوت بڑھتی ہے۔ خشکی دور، جسم مضبوط اور خوبصورت ہوتا اور اس سے سوزش، چوٹ اور موچ وغیرہ کا علاج بھی کیا جاتا ہے۔ جسم کی مالش سے عورتیں اپنے بدن کو خوبصورت اور تندرست رکھتی ہیں۔

انگوٹھی کا پتھر اور جدید سائنس

سائنس دانوں نے اگرچہ پتھروں کے نگینوں کے پہننے کو فائدہ مند لکھا ہے مگر علامہ اقبالؒ کا خیال ہے کہ پتھر انسان کی تقدیر کو کیا بدلے گا، اسی لیے تقدیر کو بدلنے کے نظریے سے پتھر پہننا درست نہیں۔ ہاں انسان کی عبادت سے جو اثرات مرتب ہوتے ہیں وہ پتھروں سے کہیں زیادہ ہیں۔ چند احادیث میں آیا ہے کہ حضور ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی تھا۔ آپ ﷺ نے عقیق کے نگینے والی انگوٹھی بھی پہنی۔ سائنس کے مطابق ہر پتھر پر جب روشنی پڑتی ہے تو وہ ایک اور روشنی کا روپ دھار لیتی ہے اور یہی دوسری روشنی صحت یا بیماری کا باعث بنتی ہے۔ یہ دوسری روشنی نظام عصبی کو بہت متاثر کرتی ہے، اگر یہ روشنی ٹھنڈی ہو تو مثبت اثرات ورنہ برے اثرات جسم پر منتقل ہوتے رہتے ہیں۔

عقیق کے طلسماتی خواص

کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ عقیق کے بے شمار طلسماتی خواص ہیں۔ جو شخص عقیق پہنے، اس کا غصہ جاتا رہتا ہے۔ دشمنوں کے دلوں پر رعب پڑ جاتا ہے۔ اس کی حاجات جلد پوری ہو جاتی ہیں۔ سینہ میں درد نہیں ہوتا، دل کی تقویت کا باعث بنتا ہے۔ زہریلے قسم کے کیڑوں سے محفوظ رہتا ہے۔ مزاج میں چڑچڑے پن کی کیفیت کو دور کرتا ہے، دل کی دھڑکن کو اعتدال پر رکھتا ہے۔ اختلاج قلب کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ یہ پتھر دل سے کینہ ونفاق کو دور کر کے بھائی چارے کی فضاء پیدا کرتا ہے۔

حکیم افلاطون کہتا ہے کہ سفید عقیق کا پہننا عزت و مرتبہ میں اضافہ کرتا ہے جبکہ زرد عقیق پہننے سے مراد جلد پوری ہو جاتی ہے۔ اس پتھر کا پہننا سفر میں آفات اور مصیبتوں سے بچاتا ہے اور انسان کی حفاظت کرتا ہے۔ طبی طریق پر اس کا سرمہ امراضِ چشم میں فائدہ دیتا ہے، بینائی میں اضافہ کرتا ہے، دماغ کے فالج میں عقیق فائدہ مند ہے۔ خواتین کے اندرونی پیچیدہ امراض میں یہ مفید ثابت ہوا ہے۔ پھیپھڑوں سے خون آنے کے مرض میں فائدہ پہنچاتا ہے۔ مثانے اور پیشاب کی نالیوں کے نظام کو درست کر کے پیشاب میں کمی کی شکایت کو رفع کرتا ہے۔ ان تمام باتوں کا احادیث میں ذکر نہیں آیا۔

جو کا دلیہ اور سائنس

حضور انور ﷺ کے اہل خانہ میں جب کوئی بیمار ہوتا تو آپ ﷺ حکم فرماتے کہ اس کے لیے جو کا دلیہ تیار کیا جائے۔ پھر فرماتے کہ یہ بیمار کے دل سے غم کو اتار دیتا ہے اور اس کی کمزوری کو یوں اتار دیتا ہے جیسے کہ تم اپنے چہرے کو پانی سے دھو کر اس سے گرد و غبار اتار دیتے ہو، جو کا دلیہ مندرجہ ذیل امراض کیلئے مجرب اور لاجواب ہے:

(۱) دل کی دھڑکن اور ہائی بلڈ پریشر (۲) خون میں چربی کی زیادتی اور گاڑھا پن (۳) دل کے امراض (۴) معدے کی خشکی اور گرمی (۵) معدے کی تیزابیت (۶) نگاہ کی کمزوری (۷) بھوک کی کمی (۸) بیماری کی کمزوری (۹) دائمی قبض (۱۰) پیشاب کے امراض (۱۱) گردے کی انفیکشن (۱۲) گردے کی پتھری (۱۳) حاملہ عورت کے لیے مفید (۱۴) بچوں کی صحت کا ضامن۔

مندرجہ بالا امراض کے علاوہ دماغی کام کرنے والے کے لیے پیامِ امید اور راحت ہے۔

امریکہ کے ماہرینِ غذائیات کے مطابق یہ خون میں شکر اور چربی کی مقدار کو متوازن اور منظم رکھتا ہے۔

ذیابیطس کے علاج اور اس سے تحفظ، دل کی بیماری اور بلند فشار خون کے لیے تجویز کیا جانے لگا ہے۔

ماں کا دودھ اور جدید سائنس

ماہرین نفسیات کے مطابق ماں جب بچے کو دودھ پلاتی ہے تو غیر محسوس لہریں دودھ کے ساتھ ساتھ منتقل ہوتی رہتی ہیں اور یہی لہریں بچے اور ماں کے درمیان محبت، خلوص اور احترام کا باعث بنتی ہیں۔ ماں کے دودھ میں جو غذائیت، صلاحیت، تاثیر اور طاقت موجود ہوتی ہے، وہ کسی اور دودھ میں نہیں۔ اگرچہ ماڈرن لوگوں میں ماں کا دودھ پلانے سے پرہیز کیا جاتا ہے۔

کھڑے ہو کر پانی پینا

سنت کے مطابق کھڑے ہو کر پانی پینے سے منع کیا گیا ہے کیونکہ اس سے استقاء

(Oedema) کا مرض لاحق ہو جاتا ہے کیونکہ اگر پانی کھڑا ہو کر پیا جائے تو اس کی وجہ سے معدہ اور جگر کی بیماریاں پھیل سکتی ہیں اور جسم کے تمام حصوں پر ورم کا مرض لاحق ہو سکتا ہے۔ سُنّت کے مطابق تین سانس میں پانی پینے کا حکم ہے۔ اگر پانی کو تین سانس میں نہ پیا جائے تو مندرجہ ذیل امراض لاحق ہو سکتے ہیں:

(۱) پانی سانس کی نالی میں جا کر نظامِ تنفّس میں اٹک جاتا ہے جس سے بعض اوقات موت واقع ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔

(۲) اس کا زیادہ نقصان دماغ کے پردوں پر پڑتا ہے۔

(۳) معدے میں فوراً زیادہ مقدار میں پانی چلا جائے تو اس کی سطحی اندرونی کیفیت میں انبساط (پھیلاؤ) پیدا ہو جاتا ہے جس سے دل اور پھیپھڑوں کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

(۴) یہ پھیلاؤ اگر بائیں طرف ہو تو تلی کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

حرام چیزوں میں شفا نہیں

حضور اکرم ﷺ پر اللہ تعالیٰ نے بیماریوں کا علاج بھی نازل کیا ہے کہ اس سے علاج کرتے رہنا چاہیے، البتہ حرام چیزوں سے بیماریوں کا علاج کرنا منع فرمایا ہے۔

صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نے انگور کی شراب کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا "لَاشِفَآ فِی الْحَرَام" (یعنی حرام چیزوں میں شفا نہیں ہوتی۔)

حرام کی سائنسی حیثیت

قرآن مجید نے اس جانور کو حرام قرار دیا ہے جو طبعی موت مرا ہو۔ جب کوئی جانور بیمار ہو کر مرتا ہے عین ممکن ہے کہ اس کا گوشت کھانے والا شخص بھی ویسا ہی بیمار پڑ جائے۔ جانوروں کی زیادہ تر بیماریاں جراثیم یا وائرس کی سوزش سے پیدا ہوتی ہیں۔ مردہ جانور کے گوشت میں ایک اور اہم مسئلہ خون کا ہے۔ جب جانور ذبح کیا جاتا ہے تو اس کے جسم سے سارا خون نکل جاتا ہے۔ اس کے برعکس مردار کے جسم میں اس کا سارا خون اندر موجود ہوتا ہے جس سے گوشت جلد خراب ہو جاتا ہے اور گوشت میں کیمیاوی طور پر ایسے زہریلے عناصر پیدا ہوتے ہیں جن کا استعمال تندرستی کے خلاف ہے۔ جھٹکے کے گوشت سے کافی خون جانور کے جسم میں رہ جاتا ہے کیونکہ حرام مغز کا تعلق فوراً منقطع ہو جاتا ہے۔

سور کا گوشت

قرآن مجید نے واضح طور پر پانچ مقامات پر سور کے گوشت کو حرام قرار دیا ہے، اس لیے کہ سور کو وہ تمام بیماریاں لاحق ہوتی ہیں جو انسانوں کو ہو سکتی ہیں، مثلاً اس کی خون کی نالیوں میں چربی آتی ہے، اسے دل کا

دورہ پڑتا ہے، اسے بلڈ پریشر ہوتا ہے، سور کو ہیضہ بھی ہوتا ہے، سور خوراک کے لحاظ سے ہمہ خور ہے۔ یہ سبزی بھی کھاتا ہے اور مردار بھی، یہ اپنا پاخانہ بھی کھا سکتا ہے اور بچے بھی۔ اس کی عادات قریب رہنے والوں اور اس کا گوشت کھانے والوں کے لیے مستقل خطرے کا باعث بنی رہتی ہیں، اسے کھانے والوں کو جوڑوں کی تکلیف ہمیشہ رہتی ہے اور سب سے بڑی چیز یہ ہے کہ اسے کھانے والا ہمیشہ بے غیرت ہوتا ہے۔ راقم الحروف کو ایک جدید تحقیق کا علم مصری سائنس دان سے ہوا ہے کہ سور کا گوشت کھانے والے مردوں کی جنسیات کے لیے یہ سخت نقصان دہ ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے ایسے جراثیم پکانے سے بھی نہیں مرتے۔ مردوں کی جنسی کمزوری کی وجہ سے ان کی عورتیں غلط کاریوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں اور اپنی کمزوری کے باعث انہیں بدکاری سے منع بھی نہیں کر سکتے۔

اسلام میں ذبیحہ کا تصور

حضور اقدس ﷺ نے حکم فرمایا کہ چھریاں خوب تیز کی جائیں اور ان جانوروں سے چھپا کر رکھی جائیں اور جب ذبح کرو تو جلدی کرو۔ متعدد احادیث میں ذبح کرنے کے چند احکامات درج ہیں۔ اسلام نے جانوروں کو قابلِ خوراک بنانے کی بنیادی شرط یہ قرار دی ہے کہ اس کے جسم کا سارا خون باہر نکل جائے ورنہ انسان کے لیے خونخوار ہونے کا خطرہ ہے۔ عام حالات میں اس غرض کے لیے گردن کے سامنے کی طرف خون کی چار نالیوں کے ساتھ شہ رگ بھی کاٹ دی جاتی ہے۔ جانور کے بازو اور ٹانگیں جب زور سے ہلتی ہیں تو ان کے آخری کناروں میں رکا ہوا خون بھی وہاں سے نکل جاتا ہے۔ ذبح کرنے کا اسلامی طریقہ جانوروں کی جان جلدی نکلنے کی خاطر ہے اور کھانے والوں کے لیے محفوظ ترین ہے۔

مریض کی عیادت اور جدید سائنس

ماہرینِ نفسیات اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ اپنے مریضوں کا علاج عیادت کے ذریعے کریں کیونکہ عیادت مریض کو صحت یاب کر دیتی ہے۔ اسلام میں مریض کی عیادت کو اتنا اہم قرار دیا گیا ہے کہ روزِ حشر نامۂ اعمال میں اس کے بارے میں سوال ہوگا۔ اللہ تعالیٰ عیادت کرنے والوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے جائے عیادت پر اپنی موجودگی کا اظہار کرتا ہے۔ مریض کی عیادت ایک لحاظ سے اس کو اطمینان دلانے اور حوصلہ دینے والی بات ہے۔ بیماری اس کے گناہوں کو کم کرتی ہے اور اس کی دعا کو دوسروں کی نسبت زیادہ قبولیت ہوتی ہے۔ اسی لیے حکم ہے کہ مریض سے دعا کروائی جائے۔

اسلام اور اصولِ سادگی

اسلام سادگی اور آسانی کا حامل مذہب ہے۔ اس کے ہر پہلو میں انسانیت کے لیے آسانی اور راحت

ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کو سادہ بنا کر ہمیں سادگی کی تعلیم دی ہے۔ مٹی اور لکڑی کے برتن سادگی کی علامت ہے، کپڑے دھونا گھرداری کا اصول ہے اور اس سے بازو، سینے اور عضلات کی بہترین ورزش ہوتی ہے اور عورتیں بے شمار نسوانی تکالیف سے بچ جاتی ہیں۔ سادہ زندگی گزارنے والے زیادہ امراض، بے چینی، بے خوابی، خودکشی اور طلاق جیسے مسائل کا کم شکار ہوتے ہیں۔ (راقم الحروف نے سادگی پر جو ٹی وی پر لیکچر دیا تھا وہ اپنی تصنیف ''متاعِ اخلاق'' میں شامل کیا جارہا ہے)۔

صحابہ کرام ؓ کی خوراکیں اور جدید سائنس

صحابہ کرام ؓ کی خاص خوراکیں مندرجہ ذیل تھیں جس پر وہ سختی سے پابند رہے۔

۱۔ اونٹ کا گوشت اس گوشت میں چربیلے مادے کم ہوتے ہیں جس کی وجہ سے خون میں کولیسٹرول اور لیسی تھین (Lesithein) نہیں بنتی اور اس کے استعمال سے جسم نہیں پھولتا بلکہ جسم سمارٹ اور اس کی طاقتیں بحال رہتی ہیں۔

۲۔ اونٹنی کا دودھ جگر کے تمام امراض کے لیے مفید تر ہے۔ استعمال کرنے والا کبھی یرقان میں مبتلا نہیں ہوسکتا۔ غذا کو بہتر طریقے سے ہضم کرتا ہے۔ جسم کو موٹاپے سے امان دیتا ہے۔

۳۔ شہد شہد اعلیٰ درجہ کا مقوی اعصاب ہے، دل اور دماغ کی تقویت کے لیے بے حد مفید ہے۔ دل کے تمام امراض مثلاً ہائی بلڈ پریشر، دل کی دھڑکن کی زیادتی، دل کی کمزوری اور شکستگی، معدے کی تیزابیت، جگر کی حرارت اور بدن کی عام کمزوری کے لیے بہت اکسیر چیز ہے۔ شہد گرم دودھ یا پانی میں گھول کر استعمال کریں۔ یہ تمام اعصابی، عضلاتی اور کمزوری کے امراض میں بہت فائدہ مند ہے۔ قرآن میں ہے کہ شہد میں شفاء ہے۔ اس کی تشریح طوالت طلب ہے۔

گائے کا گوشت اور جدید سائنس

حضور ﷺ نے فرمایا گائے کا دودھ لازمی پیو کیونکہ اس میں شفاء ہے اور دوا بھی۔ گائے کا گھی بھی استعمال کرو لیکن اس کے گوشت سے بچو کیونکہ اس میں (الرجی) کی بیماری ہے۔ اصول میڈیکل کے مطابق گائے کے گوشت میں ایک خاص بیکٹیریا ہوتا ہے جو کہ ٹی بی اور جگر کے مہلک امراض کا باعث بن جاتا ہے۔ اسی طرح گائے کا گوشت جہاں جگر کے پھوڑے کا باعث بنتا ہے، وہاں اس سے ایک دماغی مرض پیدا ہوتا ہے جسے مَڈ کاؤ ڈیزیز (Mid Cow Disease) کہتے ہیں۔ اس سے دل کے امراض بھی پیدا ہوتے ہیں مثلاً دل کے عضلات ڈھیلے ہو کر دل کی دھڑکن میں کمی کا باعث بنتے ہیں۔

بکری کا دودھ اور جدید سائنس

بکری کا دودھ مرغوب اور بہترین غذا ہے۔ اس کے فوائد اس وقت مزید بڑھ جاتے ہیں جب چرنے والی بکری ہو کیونکہ چرنے والی بکری مختلف اقسام کی جڑی بوٹیاں کھاتی ہے اور یہ جڑی بوٹیاں جسم میں ہضم ہو کر اپنے اثرات دودھ کے ذریعے انسان تک پہنچاتی ہیں۔ بکری کا دودھ حضور ﷺ کی خدمت میں بھی پیش کیا گیا۔ آپ ﷺ نے نوش فرمایا۔ بکری کے دودھ میں ٹی بی اور کینسر کو ختم کرنے والے مادے اور اثرات قدرتی طور پر موجود ہوتے ہیں۔ جدید تحقیق نے بکری کے دودھ کو انسانیت کے لیے شفاء قرار دیا ہے۔

حاملہ عورتوں کے لیے کھجور کی شکل میں آئرن کیپسول

حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے نزدیک نفاس والی عورت کے لیے کھجور کے برابر کوئی شے نہیں اور نہ ہی شہد کے برابر مریض کے لیے کوئی شے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی عورتوں کو حالت نفاس میں کھجور کھلایا کرو، کیونکہ جب حضرت مریم علیہا السلام کے ہاں حضرت عیسیٰ ؑ پیدا ہوئے تو حضرت مریم علیہا السلام کی یہ غذا تھی۔ حالتِ زچگی کے لیے اس سے اعلیٰ کوئی دوسری غذا ہوتی تو وہ ان کو ضرور کھانے کو ملتی۔ کھجور چونکہ آئرن یعنی فولاد سے پُر ہے اور حاملہ عورتوں میں فولاد کی ضرورت اور اہمیت بڑھ جاتی ہے، اس لیے ان کو کھجور کا استعمال کرانا بہت ضروری ہے۔

غصہ کی تباہی سائنس کی رو سے

شارع علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ رضائے الٰہی کے لیے غصہ کے گھونٹ کو پی جانے سے بڑھ کر کوئی دوسرا گھونٹ نہیں۔ بقول فرائیڈ "غصہ معاشرے کی ان بڑی برائیوں میں سے ہے، جس سے انسان کی شخصی اور تعمیری بلندی کو زوال آتا ہے۔ غصہ دراصل حواس اور اعصاب کا ترجمان ہے اور اس بات کو ظاہر کرتا ہے کہ اس آدمی میں قوتِ برداشت کم اور قوتِ فیصلہ میں عجلت ہے حتیٰ کہ یہ آدمی ندامت اور پشیمانی کی حالت سے ہر وقت دوچار رہتا ہے"۔

تیل اور کنگھی کا استعمال سائنس کی رو سے

حضور علیہ السلام سر مبارک کو کثرت سے تیل لگاتے تھے اور اپنی داڑھی شریف کو کنگھی فرمایا کرتے تھے۔ کنگھی کرنے سے ایک حرارت اور انرجی پیدا ہوتی ہے جو بالوں کے ذریعے جسم کے اعصابی نظام کو جاندار اور قوی کرتی ہے حتیٰ کہ مسلسل کنگھی کرنا بالوں کو بڑھاتا ہے اور انہیں گھنا کرتا ہے۔ اگر بالوں میں کنگھی نہ کی جائے تو ان میں جراثیم اٹک جاتے ہیں جو اندر ہی اندر بڑھتے رہتے ہیں اور ایک وقت میں خطرناک کیفیت

اختیار کر لیتے ہیں۔

برتنِ نبوی ﷺ اور جدید سائنس

آپ ﷺ کے پاس ایک لکڑی کا پیالہ تھا۔ آپ ﷺ مٹی کے برتن بھی استعمال فرماتے تھے۔ پلاسٹک کے برتنوں میں کھانا پینا سخت مضر ہے۔ ڈاکٹر فلٹ نے بتایا کہ ایسے برتنوں میں گرم اشیاء خاص طور پر چائے اور کافی کا پینا بہت مضر ہے۔ ایسے برتنوں میں چائے پینے سے جو پولسٹرین جسم میں جائے گی، وہ سرطان پیدا کرنے کا باعث بنے گی۔

ڈاکٹر وجے ویسٹ نے لکھا ہے کہ ایلومینیم کے برتنوں کا استعمال طبی طور پر مضر ہے، اگرچہ یہ چمکتی ہوئی دھات عورتوں کا دل موہ لیتی ہے، لیکن انہیں چاہیے کہ ان برتنوں کے استعمال سے پرہیز کریں اور ان میں ایسی چیزیں ہرگز نہ پکائیں جن میں تیزابی مادے یا کھاری اجزاء شامل ہوں۔

دودھ کی لسی سائنس کی رو سے

آپ ﷺ کبھی خالص دودھ نوش فرماتے اور کبھی سرد پانی ملا کر، یعنی لسی۔ تجربات سے یہ بات روشن ہے کہ پیشاب کی جلن، رکاوٹ اور پتھری کی علامات میں دودھ کی لسی بہت مفید ہے۔ لسی میں ایسے جراثیم ہیں کہ پیٹ میں جاتے ہی امراض پیدا کرنے والے جراثیم سے جنگ کر کے انہیں مغلوب کر لیتے ہیں۔ لسی میں لیکٹک ایسڈ کی موجودگی کے باعث پیٹ میں گیس پیدا کرنے والے جراثیم پر اس کا اثر نہایت عمدہ ہوتا ہے۔ اس کے استعمال سے ثقیل اور ناقابلِ ہضم غذاؤں کے ہضم ہونے میں مدد ملتی ہے۔ لسی میں کیلشیم، میگنیشیم، پروٹین، سوڈیم، فاسفورس، کلورین، سلفر وغیرہ کے نمک ہوتے ہیں اور یہ سب گوشت اور ہڈی کی پرورش کرنے والے ہیں۔ لسی سے رطوبتِ ہاضمہ زیادہ پیدا ہوتی ہے۔ بدن قوی اور مضبوط ہو جاتا ہے۔ لسی سے آلاتِ بول و براز کے افعال کو طاقت ملتی ہے۔ غذا بروقت ہضم ہوتی ہے اور فضلات باقاعدہ خارج ہوتے ہیں۔

موٹا آٹا اور جدید سائنس

حضور علیہ السلام کے سامنے آخر عمر تک کبھی میدہ نہیں آیا۔ آپ ﷺ کے زمانے میں چھلنیاں نہیں تھیں۔ آٹے میں پھونک مار لیا کرتے تھے جو موٹے موٹے تنکے ہوتے تھے، وہ اڑ جاتے تھے۔ باقی گوندھ لیتے تھے۔ کارڈیالوجسٹ دل کے مریضوں کو بغیر چھنی روٹی کھلاتے ہیں کیونکہ چھان خون میں کولیسٹرول اور لیسی تھین کے بڑھنے کو روکتا ہے۔ اس سے خون گاڑھا نہیں ہوتا۔ چھان میں ایسے اجزاء موجود ہیں جو دل کی نالیوں کے سکڑاؤ کے عمل کو کم کرتے ہیں، حتیٰ کہ دل کی نالیاں چھان کے بکثرت استعمال سے زیادہ سے زیادہ خون لینے کی استعداد حاصل کر لیتی ہیں۔ آٹے کے چھان میں انسولین شوگر کا علاج بنتی ہے۔

دائمی قبض سے بچاؤ آج کل اکثر لوگ معدے کے مرض میں مبتلا ہیں۔ گیس، تبخیر، دائمی قبض، اجابت کا غیر تسلی بخش آنا یہ تمام امراض دراصل ہماری غذا سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان کی بنیادی وجہ آٹا ہے کیونکہ موٹا آٹا اور چھان آنتوں کی حرکات کو جسمانی ضرورت کے مطابق بڑھا دیتا ہے جس سے آنتوں کی خشکی اور ان کی حرکات کی کمی ختم ہو جاتی ہے جس سے دائمی قبض ختم ہو جاتی ہے۔

ناخن کاٹنا سُنّتِ نبوی ﷺ بھی، علاج بھی

حضورِ اقدس ﷺ کا معمول بعض روایات کے مطابق جمعہ کے دن اور بعض روایات میں جمعرات کے دن ناخن ہائے مبارک ترشوانے کا تھا۔ آپ ﷺ پندرھویں دن ناخن کاٹتے تھے۔ میڈیکل کے قانون کے مطابق پیٹ کے کیڑوں کے انڈے انسانی ناخن میں پوشیدہ ہوتے ہیں اور انسان جب کھانا کھاتا ہے تو یہ انڈے کھانے میں شامل ہو کر پیٹ میں چلے جاتے ہیں اور اندر ہی اندر پھلتے پھولتے رہتے ہیں۔ تحقیق کے مطابق جو خواتین ناخن بڑھاتی ہیں، وہ خون کی کمی کا شکار ہو جاتی ہیں۔ ایسی خواتین نفسیاتی امراض کا زیادہ شکار ہوں گی، حتیٰ کہ ایک ماہرِ نفسیات کے قول کے مطابق ناخن بڑھانا اتنا خطرناک ہے کہ یہ انسان کو اتنا نفسیاتی مریض بنا دیتا ہے کہ انسان خودکشی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔

بخار، پانی اور جدید سائنس

نبی کریم ﷺ نے فرمایا ”بخار یا شدتِ بخار جہنم کی پھنکار ہے اس لیے اسے پانی سے ٹھنڈا کرو“۔ حضور علیہ السلام کو جب بخار ہو جاتا تو آپ ﷺ پانی کا ایک مشکیزہ منگواتے اور اسے سر پر انڈیل لیتے اور غسل فرماتے۔ اس وقت سائنس کا بخار کے ضمن میں یہی اصول ہے کہ بخار کے مریض کو پانی سے نہلاؤ، اس کے ماتھے پر پانی کی ٹھنڈی پٹیاں رکھو۔ مریض کو پانی زیادہ پلاؤ۔

امراضِ متعدّیہ اور جدید سائنس

حضرت جابر ؓ سے مروی ہے کہ وفد بنو ثقیف میں ایک شخص جذام کے مرض میں مبتلا تھا۔ نبی کریم ﷺ نے اس کو کہلا بھیجا کہ تم واپس جاؤ، ہم نے تمہیں بیعت کر لیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا جذامی سے اس طرح بھاگو جیسے شیر سے بھاگتے ہو۔

ڈاکٹر سائمن نے اعتراف کیا ہے کہ مغرب کو اچھوتی امراض کے بارے میں آگاہی اور نشان راہ اسلام اور اسلامی تعلیمات نے دیا ہے۔ میں نے جب بھی اسلام کا مطالعہ کیا ہے، مجھے اسی وقت اس بات کا شدت سے احساس ہوا کہ واقعی دینِ اسلام ایک مکمل اور جامع دین ہے۔

اسلام میں پانی کی صفائی اور سائنس

اللہ تعالیٰ نے حیوانات ونباتات کی زندگی کا انحصار ہوا کے علاوہ پانی پر بھی رکھا ہے۔ اس لیے قرآن کریم میں پانی کی بقائے حیات کی اہمیت نہایت مختصر الفاظ میں یوں بیان فرمائی ہے۔ ”وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ“ (پانی سے ہم نے ہر چیز کو زندگی بخشی ہے) (الانبیاء: ۳۰)۔ صفائی اور پاکیزگی کے لیے دنیا کی کوئی چیز پانی کی مانند سہل الحصول، زود اثر اور بے ضرر نہیں۔ یہ طاہر و مطہر یعنی خود پاک اور دوسری چیزوں کو پاک کرنے والی اللہ تعالیٰ کی پیدا کردہ نعمت ہے۔ حضور ﷺ نے اس بات سے بڑی سختی سے منع فرمایا کہ کسی کھلے کھڑے پانی میں جو نہانے دھونے یا پینے کے کام میں لایا جاتا ہو، کوئی غلاظت پھینکی جائے یا اس میں پیشاب یا پاخانہ کیا جائے۔ اس قسم کے کنوؤں سے پانی پینے اور استعمال کرنے سے منع فرمایا جو کھنڈرات میں صدیوں سے ویران اور بیکار پڑے ہوں، ایسے کنوؤں سے زہریلے بخارات یا گیس نکلتی رہتی ہے، نیز اس قسم کے کنوؤں میں اترنے سے منع فرمایا۔

برتن ڈھانپ کر رکھنا

حضور اقدس ﷺ نے کھانے پینے کی چیزوں کے برتنوں کو ڈھانپ کر رکھنے کی ہدایت فرمائی، اگر برتن کو ڈھانپ کر نہ رکھا جائے تو مندرجہ ذیل نقصانات کا مستقل خطرہ ہے۔ ہو سکتا ہے کوئی زہریلا جانور مثلاً سانپ، چھپکلی وغیرہ اس میں منہ ڈال کر اپنا زہر ڈال دے۔ اگر کھلے برتن میں کتا منہ ڈال جائے تو اس کتے کے خطرناک جراثیم جسم میں چلے جانے کا خطرہ ہے۔ گرد اور فضا میں آلودگی کی وجہ سے بے شمار جراثیم ہوتے ہیں، اگر اس برتن میں کوئی غذا، خوراک اور مشروب ہو تو جراثیم ان میں پڑیں گے اور یہ غذا جسم کے لیے زہر بن جائے گی۔ اگر برتن کھلا ہو اور کوئی ایسا آدمی ہو جس کی نظر بد ہے اور اس کی نگاہ پڑ گئی تو اس کی منفی لہریں اس میں پڑ جائیں گی اور کھانا مرض بن جائے گا۔

طبِ نبوی ﷺ ہی علمِ طب کا مقصود ہے

طب کی مذکورہ بالا تفصیلات کے مطالعہ کے بعد معلوم ہو گا کہ اسلام کے تمام احکامات جدید سائنس کی رو سے منتخب کیے گئے ہیں اور یہ تمام احکامات منزل من اللہ ہیں لہٰذا ان کے غلط یا مشکوک ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ان وجوہات کی بناء پر اسلام کو دین فطرت کہا گیا ہے اور انہی حقائق کے پیش نظر ماریس بوکیل نے اپنی کتاب ’’بائبل، قرآن اور سائنس‘‘ میں اسلام کو تمام مذاہب پر افضل قرار دیا ہے۔

اہلِ اسلام کے لیے ماریس بوکیل کے بیانات سے اور مذکورہ بالا حقائق کو مدنظر رکھتے ہوئے اسلام کے عطا کردہ اصولوں کی قدردانی کرنا عین اسلام کے ماموارت کے مطابق ہے۔ اس سے ظاہر ہوا کہ سُنّتِ رسول ﷺ پر عمل پیرا ہونا نہایت ضروری اور منشاء ایزدی ہے۔ علامہ اقبالؒ نے فرمایا ہے کہ شریعت اسلام کو خود خدا نے بنایا ہے اور یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ زندگی گزارنے کا یہ نسخہ مُنَزَّلٌ مِنَ اللّٰهِ ہے۔

ایں گہر را خود خدا گوہر گراست

(شریعت ایک ایسا موتی ہے جسے خود خدا نے بنایا ہے)

مصادر ومراجع قرآن وتفاسیر قرآن

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات	مطبوعہ
۱	قرآن مجید			
۲	تفسیر الکبیر	امام فخر الدین	۶۰۴ھ	دارالفکر ـ بیروت
۳	الدر المنثور	امام جلال الدین السیوطی	۹۱۱ھ	بیروت
۴	تفسیر الکشاف	محمود بن الزمخشری	۵۳۸ھ	بیروت
۵	تفسیر ابن کثیر	اسماعیل بن عمر بن کثیر الدمشقی	۷۷۴ھ	بیروت
۶	تفسیر طبری	محمد بن الجریر طبری	۱۳۰ھ	بیروت
۷	روح المعانی	شہاب الدین السید محمود آلوسی	۱۲۷۰ھ	بیروت
۸	احکام القرآن للجصاص	احمد بن علی الرازی الجصاص	۳۷۰ھ	بیروت
۹	احکام القرآن ابن عربی	محمد بن عبداللہ بن العربی	۵۴۳ھ	بیروت
۱۰	اضواء البیان	محمد الامین بن محمد	۱۳۹۳ھ	بیروت
۱۱	کتب ورسائل وفتاوٰی	عبدالحلیم بن تیمیہ	۷۲۸ھ	بیروت
۱۲	فتح القدیر	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۶ھ	بیروت
۱۳	ضیاء القرآن	پیر محمد کرم شاہ		ضیاء القرآن، لاہور
۱۴	تفسیر نعیمی	مفتی احمد یار خان نعیمی		مکتبہ اسلامیہ، لاہور۔
۱۵	تفسیر بیضاوی	امام بیضاوی	۶۷۵ھ	دارالفکر، بیروت
۱۶	تفسیر مظہری	علامہ ثناء اللہ پانی پتی	۱۲۲۵ھ	بیروت
۱۷	تفسیر قرطبی	امام قرطبی	۶۷۱ھ	دارالفکر، بیروت
۱۸	تفسیر المنار	علامہ رشید رضا	۱۳۵۴ھ	دارالمعرفۃ، بیروت

مصادر ومراجع احادیث وشروعات حدیث

۱	صحیح البخاری	محمد بن اسماعیل البخاری	۲۵۶ھ	دارالفکر بیروت
۲	صحیح مسلم	مسلم بن حجاج القشیری	۲۶۱ھ	دارالفکر بیروت

۳	المستدرک علی الصحیحین	محمد بن عبداللہ النیشاپوری	۴۰۵ھ	دار الفکر بیروت
۴	صحیح ابن حبان	محمد بن حبان التیمی	۳۵۴ھ	دار الفکر بیروت
۵	سنن نسائی	احمد بن شعیب النسائی	۳۰۳ھ	دار الفکر بیروت
۶	سنن ابوداؤد	سلیمان بن اشعث ابوداؤد	۲۷۵ھ	دار الفکر بیروت
۷	سنن ابن ماجہ	ابوعبداللہ محمد بن یزید القرینی	۲۷۵ھ	دار الفکر بیروت
۸	سنن بیہقی الکبریٰ	احمد بن حسین البیہقی	۴۵۸ھ	دار الفکر بیروت
۹	سنن ترمذی	ابوعیسی محمد بن عیسی ترمذی	۲۷۹ھ	دار الفکر بیروت
۱۰	سنن الدارمی	عبداللہ بن عبدالرحمٰن الدارمی	۲۵۵ھ	دار الفکر بیروت
۱۱	مصنف ابن ابی شیبہ	عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ	۲۳۵ھ	دار الفکر بیروت
۱۲	مصنف عبدالرزاق	عبدالرزاق بن ہمام	۲۱۱ھ	دار الفکر بیروت
۱۳	مؤطا امام مالک	امام مالک بن انس	۱۷۹ھ	دار الفکر بیروت
۱۴	المعجم الاوسط	سلیمان بن احمد طبرانی	۳۶۰ھ	دار الفکر بیروت
۱۵	مسند الحمیدی	عبداللہ بن زبیر الحمیدی	۲۱۹ھ	دار الفکر بیروت
۱۶	المعجم الکبیر	سلیمان بن احمد الطبرانی	۳۶۰ھ	دار الفکر بیروت
۱۷	مسند ابی بکر	احمد بن علی ابوبکر	۲۹۲ھ	دار الفکر بیروت
۱۸	مسند ابی حنیفہ	احمد بن عبداللہ	۴۳۰ھ	دار الفکر بیروت
۱۹	مسند ابی یعلیٰ	احمد بن علی التیمی	۴۰۷ھ	دار الفکر بیروت
۲۰	مسند احمد بن حنبل	احمد بن حنبل	۲۴۱ھ	دار الفکر بیروت
۲۱	مسند ابزار	احمد بن عمرو البزار	۲۹۲ھ	دار الفکر بیروت
۲۲	مسند الرویانی	محمد بن ہارون الرویانی	۳۰۷ھ	دار الفکر بیروت
۲۳	مسند الشہاب	محمد بن سلامیہ القضاعی	۴۵۴ھ	دار الفکر بیروت
۲۴	مسند ابن ابی شیبہ	ابوبکر محمد بن عبداللہ بن ابی شیبہ	۲۳۵ھ	دار الفکر بیروت
۲۵	مجمع الزوائد	علی بن ابی بکر	۸۰۷ھ	دار الفکر بیروت
۲۶	کنز العمال	علاؤالدین علی المتقی	۹۷۵ھ	دار الفکر بیروت

۲۷	فتح الباری	احمد بن علی ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	دارالفکر بیروت
۲۸	شرح النووی صحیح مسلم	یحییٰ بن شرف النووی	۶۷۶ھ	دارالفکر بیروت
۲۹	عمدۃ القاری	بدرالدین العینی	۸۵۵ھ	دارالفکر بیروت
۳۰	شرح زرقانی	محمد بن عبداللہ الباقی الزرقانی	۱۱۲۲ھ	دارالفکر بیروت
۳۱	فیض القدیر	عبدالرؤف مناوی	۸۲۲ھ	دارالفکر بیروت
۳۲	مرقاۃ المصابیح	علی بن سلطان القاری	۱۰۱۴ھ	دارالفکر بیروت
۳۳	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰ھ	دارالفکر بیروت
۳۴	تذکرۃ الحفاظ	ابوعبداللہ شمس الدین الذہبی	۷۴۸ھ	دارالفکر بیروت
۳۵	الطبقات الکبریٰ	محمد بن سعید الزہری	۲۳۰ھ	دارالفکر بیروت
۳۶	معجم الصحابہ	عبدالباقی بن قانع	۳۵۱ھ	دارالفکر بیروت
۳۷	معجم المحدثین	محمد بن احمد الذہبی	۷۴۸ھ	دارالفکر بیروت
۳۸	کشف المشکل	عبدالرحمٰن بن جوزی	۵۹۷ھ	دارالفکر بیروت
۳۹	نصب الرایہ	عبداللہ یوسف الزیلعی	۷۶۲ھ	دارالفکر بیروت
۴۰	خلاصۃ الاحکام	یحییٰ بن مری الشافعی	۶۷۶ھ	دارالفکر بیروت
۴۱	التذکرۃ فی الاحادیث المشتہرہ	بدرالدین الزرکشی	۷۹۴ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۴۲	اللباب	عبداللہ بن الحسین العکبری	۶۱۶	دارالفکر، دمشق۔
۴۳	مسانید فراس المکتب	ابونعیم اصبہانی	۴۳۰ھ	مطابع ابن تیمیہ، قاہرہ
۴۴	الزہد لابن حنبل	امام احمد بن حنبل	۲۴۱ھ	دارالمعرفۃ، بیروت
۴۵	الاصابہ فی تمیز الصحابۃ	امام ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	دارالمعرفۃ، بیروت
۴۶	علل الحدیث	عبدالرحمٰن بن محمد	۳۲۷ھ	دارالمعرفۃ، بیروت
۴۷	الریاض النضرۃ	احمد بن عبداللہ	۶۹۴ھ	دارالغرب الاسلامی، بیروت
۴۸	حاشیہ ابن عابدین	امام ابن عابدین	۱۲۵۲ھ	دارالفکر للطباعۃ والنشر، بیروت
۴۹	اختلاف الحدیث	امام محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴ھ	دارالصار، بیروت
۵۰	اشعۃ اللمعات	عبدالحق بن سیف الدین	۱۰۵۲ھ	دارالفکر بیروت

مصادر و مراجع فقہ و اصول فقہ، اسماء الرجال و تصوف

نمبر شمار	نام کتاب	نام مصنف	تاریخ وفات	مطبوعہ
۱	تدریب الراوی	امام ابوبکر السیوطی	۹۱۱ھ	دارالفکر بیروت
۲	قواعد الحدیث	جمال الدین قاسمی	۸۲۵ھ	دارالفکر بیروت
۳	الیواقیت والدرر	عبدالرؤف المناوی	۱۰۳۱ھ	دارالفکر بیروت
۴	التذکرہ فی الحدیث المشترہ	بدرالدین الذرکشی	۷۹۴ھ	دارالفکر بیروت
۵	احکام الاحکام	تقی الدین ابی الفتح	۷۰۲ھ	دارالفکر بیروت
۶	بدات المجتھد	محمد بن احمد القرطبی	۵۹۵ھ	دارالفکر بیروت
۷	الکوکل الدری	عبدالرحیم بن الحسین	۷۷۲ھ	دارالفکر بیروت
۸	ایدلھاج	علی بن عبدالسکافی السبکی	۷۵۶ھ	دارالفکر بیروت
۹	الاعتصام	ابواسحاق الشاطبی	۷۹۰ھ	المکتبۃ التجاریہ الکبریٰ مصر
۱۰	الموافقات	ابراہیم بن موسیٰ مالکی	۷۹۰ھ	دارالفکر بیروت
۱۱	اختلاف الحدیث	امام شوکانی	۲۰۴ھ	دارالفکر بیروت
۱۲	الرسالے	محمد بن ادریس الشافعی	۲۰۴ھ	دارالفکر بیروت
۱۳	ارشاد الفحول	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰ھ	دارالفکر، بیروت
۱۴	الاحکام الآمدی	علی بن محمد آمدی	۶۳۱ھ	دارالفکر بیروت
۱۵	مجموع الفتاویٰ	عبدالحلیم بن تیمیہ	۷۲۸ھ	دارالفکر بیروت
۱۶	حج اللہ الالیفہ	شاہ ولی اللہ الدھلوی	۱۱۸۴ھ	دارالفکر بیروت
۱۷	عوارف المعارف	شہاب الدین سہروردی	۶۳۲ھ	مدینہ پبلشنگ کراچی
۱۸	کتاب الروح	علامہ حافظ ابن القیم	۷۵۱ھ	نفیس اکیڈمی کراچی
۱۹	کشف المحجوب	داتا گنج بخش علی ہجویریؒ	۴۰۱ھ	ضیاء القرآن پبلی کیشنز
۲۰	رسالہ قشیریہ	شیخ ابوالقاسم عبدالکریم قشیری	۴۶۵ھ	المکتبۃ العلمیہ مردان
۲۱	غنیۃ الطالبین	شیخ عبدالقادر جیلانی	۵۶۱ھ	دارالفکر بیروت
۲۲	الشفاء	قاضی عیاض	۵۴۴ھ	دارالفکر بیروت

۲۳	مکاشفۃ القلوب	امام غزالی	۵۰۵ھ	مکتبہ فیض العلم، کراچی
۲۴	مدارج النبوۃ	شاہ عبدالحق محدث دہلوی	۱۰۵۲ھ	دارالفکر بیروت
۲۵	مثنوی معنوی	مولانا روم	۶۷۲ھ	تہران
۲۶	کلیات اقبال (اردو)	ڈاکٹر علامہ اقبال		
۲۷	کلیات اقبال (فارسی)	ڈاکٹر علامہ اقبال		غلام علی اینڈ سنز
۲۸	مکتوبات امام ربانی	احمد سرہندی	۹۷۱ھ	
۲۹	بائبل، قرآن اور جدید سائنس	ڈاکٹر ماریس بوکیل		
۳۰	سنّتِ نبوی ﷺ اور جدید سائنس	حکیم محمد طارق محمود چغتائی		
۳۱	التعریف لمرحب التصوف	محمد الکلاباذی	۳۸۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۳۲	احیاء العلوم الدین	امام غزالی	۵۰۵ھ	
۳۳	حلیۃ الاولیاء	ابونعیم احمد بن عبداللہ	۴۳۰ھ	دارالکتاب العربی، بیروت
۳۴	الفوائد المجموعہ	محمد بن علی الشوکانی	۱۲۵۰ھ	المکتب الاسلامی بیروت
۳۵	ایقاظ الہمم	صالح بن محمد بن نوح العمزی	۱۲۱۸ھ	دارالمعرفہ، بیروت
۳۶	الانوار القدسیہ	امام عبدالوہاب الشعرانی	-	دارالمعرفہ، بیروت
۳۷	اصول الاحکام	علی بن احمد بن حزم	۴۵۶ھ	دارالحدیث، قاہرہ
۳۸	کتاب المناقب	عبدالرحمن ابن جوزی	۵۰۵ھ	دارالمعرفہ بیروت
۳۹	فتاویٰ شامی	ابن عابدین شامی		

مصادر و مراجع سیرت، تاریخ اور ادب ولغت

۱	الخصائص الکبریٰ	امام جلال الدین سیوطی	۹۱۱ھ	دارالمعرفہ بیروت
۲	السیرۃ الحلبیہ	علی بن البرہان الحلبی	۱۰۴۴ھ	دارالمعرفہ بیروت
۳	السیرۃ النبویہ	عبدالملک بن ہشام	۲۱۳ھ	دارالمعرفہ بیروت
۴	فضائل صحابہ	احمد بن حنبل	۲۴۱ھ	دارالمعرفہ بیروت
۵	فضائل صحابہ للنسائی	احمد بن شعیب نسائی	۳۰۳ھ	دارالمعرفہ بیروت
۶	الریاض النضرہ	احمد بن عبداللہ الطبری	۶۹۴ھ	دارالمعرفہ بیروت

۷	مفتاح الجنۃ	عبدالرحمٰن السیوطی	۹۱۱ھ	دارالمعرفہ بیروت
۸	البدایہ والنھایہ	اسماعیل بن عمر القرشی	۷۷۴ھ	دارالمعرفہ بیروت
۹	تاریخ الخلفاء	عبدالرحمٰن بن ابی بکر السیوطی	۹۱۱ھ	دارالمعرفہ بیروت
۱۰	طبقات الشافیہ	ابوبکر احمد شیبہ	۸۵۱ھ	دارالمعرفہ بیروت
۱۱	المفردات فی غریب القرآن	ابوالقاسم الحسین بن محمد	۵۰۲ھ	دارالمعرفہ بیروت
۱۲	القاموس المحیط	محمد بن یعقوب الفیروزآبادی	۸۱۷ھ	دارالمعرفہ بیروت
۱۳	لسان العرب	ابن منظور المصری	۷۱۱ھ	دارالمعرفہ بیروت
۱۴	تاج العروس	محمد مرتضیٰ زبیدی	۱۲۰۴ھ	دارالمعرفہ بیروت
۱۵	تاریخ مدینہ دمشق	امام علی بن حسین ابن عساکر	۵۷۱ھ	دارالفکر، بیروت
۱۶	الوثائق السیاسیہ فی الاسلام	ڈاکٹر حمید اللہ		
۱۷	مناقب امام ابوحنیفہ	امام محمد بن حسن شیبانی	۱۸۹ھ	دارالکتب العربی
۱۸	تاریخ بغداد	امام خطیب بغدادی		المکتبۃ السلفیہ، مدینہ منورہ
۱۹	المعرفۃ والتاریخ	یعقوب بن سفیان	۲۷۷ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۰	جامع بیان العلم وفضلہ	یوسف بن عبدالبر	۴۶۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۱	الجامع الاخلاق الراوی	احمد بن علی البغدادی	۱۲۹۰ھ	مکتبۃ المعارف، الریاض
۲۲	معارج القدس	محمد بن محمد الغزالی	۵۰۵ھ	دارالآفاق الجدید، بیروت
۲۳	لسان المیزان	امام ابن حجر عسقلانی	۸۵۲ھ	مؤسسۃ الاعلی، بیروت
۲۴	الجواب الکافی	محمد بن ابی بکر الزرعی	۷۵۱ھ	دارالمعرفہ بیروت
۲۵	الجرح والتعدیل	عبدالرحمٰن بن ابی حاتم	۳۲۷ھ	الاحیاء التراث، بیروت
۲۶	تحفۃ الاحوذی	محمد عبدالرحمٰن مبارکپوری	۱۳۵۳ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۷	الکامل فی التاریخ	ابوالحسن علی الشیبانی	۶۳۰ھ	دارالکتب العلمیہ، بیروت
۲۸	رحمۃ للعالمین	قاضی محمد سلیمان منصور پوری		شیخ غلام علی اینڈ سنز، لاہور
۲۹	چراغ راہ	مولانا عبدالرحیم		اسلامی قانون نمبر ۹۳
۳۰	زاد المعاد	حافظ ابن قیم	۷۷۱ھ	مؤسسۃ الرسالۃ، بیروت

شجرہ شریف

سِلسلہ نقشبندیہ بہ مُناسبتِ عبداللطیف خان نقشبندی، خاکپائے آستانہ نیریاں شریف

یا الٰہی خستہ حالم رحم کُن برحالِ ما   اِتّقا دارم زِفضلت نیست جز تو والِ ما
اِلتجا دارم بہ درگاہت بنامِ مصطفیٰؐ   کاں بُوَد اَحمدؐ محمدؐ درصفات و در عطا

دستِ اُو گیرم کہ دستِ خویش اُو را گفتہ ای
زِیں سبب گفتہ نہ باشدوشتِ اُو از تو جُدا

حضرت صدیقؓ و سلمان، قاسم و جعفر دِگر   بایزید و خواجہ و بوالحسن خورشید فر
بو علی بحرِ عطا بُو یوسف ابر مکرمت   عبد خالق عارف و محمود شاہ داد گر
بحرِ کرم را میتنی بابا سماسی و کلال   نقشبند، عطار و چرخی عِشق را تیغ و سِپَر
پس عُبیدُ اللہ و زاہدؒ خواجہ درویش اَجل   خواجہ اَمکنگی و باقی باللہ آمد خُوب تر
پس مجدد عروۃ الوثقیٰ و شاہِ شاہ حُسین   خواجہ عبدالباسط و شاہ عبدِ قادر دیدہ وَر
فغنوی محمود خواجہ اولیاء عبداللہ شاہ   شاہ عنایت حافظ احمد والیانِ بحر و بر
فخرِ ہند عبد الصبور و گُل محمد شاہ غفور   خلق را عبدالمجید عبدالعزیز آمزد گر
خواجہ سُلطان المُلوک وآں نظام الدین شہ   خواجہ قاسم ہادیٔ ہند و جہاں را راہبر
زہد کامل محی الدین شاہِ نیروی   داد علاؤالدین جہانِ عشق را کامل نظر

یا الٰہی رحم کُن بر ما طفیل آں شہاں
لُطف فرما بر لطیف و دوستاں شام و سحر

ختمِ خواجگان

بروز جمعۃ المبارک بعد نماز عصر و قبل از مغرب پڑھیں

۱ بسم اللہ شریف ۱۰۰بار ۲ درُود شریف ۱۰۰بار

۳ الحمد شریف ۱۰۰بار ۴ سورہ " اَلَمْ نَشْرَحْ ۷۹بار

۵ سورہ الاخلاص ۱۰۰بار ۶ الحمد شریف ۱۰۰بار

۷ درُود شریف ۱۰۰بار

۸ یَا قَاضِیَ الْحَاجَاتِ (اے حاجات کا پوری کرنے والے) ۱۰۰بار

۹ یَا شَافِیَ الْاَمْرَاضِ (اے امراض سے شفا دینے والے) ۱۰۰بار

۱۰ یَا کَافِیَ الْمُهِمَّاتِ (اے مہمات کو پورا کرنے والے) ۱۰۰بار

۱۱ یَا دَافِعَ الْبَلِیَّاتِ (اے بلاؤں کو دور کرنے والے) ۱۰۰بار

۱۲ یَا رَافِعَ الدَّرَجَاتِ (اے درجات کو بلند کرنے والے) ۱۰۰بار

۱۳ یَا حَلَّ الْمُشْکِلَاتِ (اے مشکلات کو حل کرنے والے) ۱۰۰بار

۱۴ یَا مُسَبِّبَ الْاَسْبَابِ (اے اسباب پیدا کرنے والے) ۱۰۰بار

۱۵ یَا مُفَتِّحَ الْاَبْوَابِ (اے دروازے کھولنے والے) ۱۰۰بار

۱۶ یَا غِیَاثَ الْمُسْتَغِیْثِیْنَ (اے مدد چاہنے والوں کی مدد کرنے والے) ۱۰۰بار

۱۷ یَا وَاسِعَ الْمَغْفِرَاتِ (اے بخششوں کی بڑی گنجائش والے) ۱۰۰بار

۱۸ یَا مُنَزِّلَ الْبَرَکَاتِ (اے برکتوں کو نازل کرنے والے) ۱۰۰بار

۱۹ یَا مُجِیْبَ الدَّعْوَاتِ (اے دعاؤں کو قبول کرنے والے) ۱۰۰بار

۲۰ یَا اَرْحَمَ الرّٰحِمِیْنَ (اے رحم کرنے والوں میں سے زیادہ رحم کرنے والے) ۱۰۰بار

۲۱ درُود شریف ۱۰۰بار

ایصالِ ثواب برائے خواجگان نقشبندؒ

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ
خواجہ بابا سماسیؒ
خواجہ عبدالخالق غجدوانیؒ
خواجہ ابومنصور ماتریدیؒ
خواجہ بایزید بسطامیؒ
خواجہ ابوالحسن خرقانیؒ
خواجہ بہاؤالدین نقشبندؒ
پیر عبداللطیف خان نقشبندیؒ
خواجہ عارف ریوگریؒ
خواجہ سید امیر کلالؒ
خواجہ ابویوسف ہمدانیؒ

پیر صاحب علیہ الرحمۃ کی دیگر تصانیف

اقامۃ الصلوۃ اوراق:289 قیمت:175روپے

مسلمانوں کی موجودہ حالتِ زار کا باعث فقط مادہ پرستی ہے۔ آج کا نوجوان دینِ اسلام سے ناواقف ہے۔ اگر ان کو دین کی تعلیمات سائنٹیفک اور دلچسپ انداز میں صحیح طریقے سے بتائی جائیں تو کوئی وجہ نہیں کہ وہ نماز کی طرف راغب نہ ہوسکیں۔ اللہ تعالیٰ پر یقین کے قرآنی، مشاہداتی اور عقلی دلائل، انسان کی تخلیق کی غرض وغایت، عبادت گزاروں کو ملنے والے امتیازات نیز اسلام ہم سے کیا چاہتا ہے جیسے اہم موضوعات پر قلم کشائی کی گئی ہے۔

بیعت کی تشکیل اور تربیت اوراق:208 قیمت:150روپے

جواز بیعت، اُس کی اہمیت اور تصوف کے احوال واشغال پر مختلف زاویوں سے مختصر مگر مدلل گفتگو اس کتاب کی انفرادیت ہے۔ مصنف کی یہ تحریر اُن کے سات روحانی درسوں سے اقتباس ہے۔ راہِ طریقت کے مسافروں کے علمی، اخلاقی اور روحانی معیار کو مطلوبہ سطح تک لانے کے لئے نہایت موزوں ہے۔ کامیاب زندگی کے آزمودہ نسخے، ذکر کے روحانی کمالات اور تقدیر کے بدلنے کا طریقہ کار اس کتاب میں دلچسپ انداز میں رقم کیا گیا ہے۔

رابطہ شیخ اوراق:312 قیمت250روپے

مقاماتِ سلوک کو طے کرنے کے لئے جہاں طالب کے ظرف کا معیار ضروری ہے وہاں شیخؒ سے ربط کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اس راہ پر کامیاب ہونے کے لیے راہبر کی طرف سے حاصل ہونے والے تصرفات اور توجہ سالک کے لئے انتہائی اہم ہیں۔ رابطہ کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے؟ اس کی اہمیت؟ ربط کیسے قائم کیا جاتا ہے؟ رابطہ شیخؒ سے قرب الٰہی کیسے ممکن ہے؟ کشف، الہام اور کشف القبور کیسے کیا جاتا ہے؟ ان سب سوالوں کا تسلی بخش جواب اس کتاب میں موجود ہے۔

جنید و بایزید اوراق:640 قیمت:350روپے

کثرتِ مال اور حصول جاہ ومنصب کی طلب نے مسلمانوں کو دین کی دولت سے محروم کردیا ہے۔ ایسے میں انبیاء کرام اور اولیائے کرام کی زندگیاں ہماری تربیت کے لئے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اس کتاب میں حضرت جنیدؒ و بایزیدؒ کی حیاتِ مبارکہ کو خاطر خواہ تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ طریقت کی راہ کے سالکین کے لئے اس کتاب میں جنیدؒ و بایزیدؒ کی پُرکیف زندگیوں، مقالات، روحانی مدارج اور بلند پرواز احوال ایک نصاب کی سی حیثیت رکھتے ہیں۔

شاہین کا جہاں اور اوراق:346 قیمت:120روپے

شاہین ایک نہایت دلیر شکاری پرندہ ہے جو بلند پروازی اور خودداری کی علامت ہے۔ اس میں مردِ حر کی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ علامہ اقبالؒ نے اس کی قلندرانہ خوبیوں کے باعث یہ دعا فرمائی کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے بچوں کو شاہین کے بال وپَر دے۔ شاہین اور کرگس دونوں کی ایک ہی فضا میں پرواز ہونے کے باوجود ان دونوں کے جہانوں میں اتنا بڑا فرق ہونے کی کیا وجہ ہے؟ اس کتاب میں مصنف نے اس سوال کے مختلف پہلوؤں کا جائزہ لیا ہے۔

سنت مبارکہ اوراق:608 قیمت:350روپے

سیرت مصطفوی ﷺ کی پیروی ہی سرچشمہ ایمان ہے۔ اس کتاب میں مولف نے پابندی سنت کی عظمت انتہائی دلنشین پیرائے میں بیان کی ہے۔ مصنف کا پراثر روحانی اسلوب بیان قاری کے قلب پر گہرے نقوش ثبت کرتا ہے۔ آئمہ کرام کے اقوال اور احوال قاری کے لئے نہ صرف دلچسپی کا باعث بنتے ہیں بلکہ ان کی زندگیوں میں مثبت تغیر پیدا کرتے ہیں۔ بدعت کیا ہے، جدید سائنس نے سنت کو کیا اہمیت دی ہے اور دیگر بہت سے سوالات کے جوابات اس کتاب میں پائیں گے۔

اسلام و روحانیت اوراق:1211 قیمت:385روپے

اس کتاب میں جہاں سالکانِ طریقت کی تربیت کا اہم فریضہ ادا کیا گیا ہے وہاں مخالفین راہ سلوک کے شکوک کا قرآن واحادیث اور بزرگانِ دین کے اقوال واحوال کی روشنی میں احسن انداز میں ازالہ کیا گیا ہے۔ اس کتاب میں فقر ودرویشی، حکمت ومعرفت، مراتب ولایت اور مقام آدم جیسے مضامین کا بغور جائزہ لیا گیا ہے۔ طریقت کی اصطلاحات سے طبقات السمٰوات تک کے تمام علوم یکجا کردیے گئے ہیں۔ علامہ اقبال اور مولانا رومی کے اشعار اس کتاب کی زینت ہیں۔

سوزو ساز رومی اوراق:579 قیمت:350روپے

مؤلف نے مثنوی مولانا رومؒ کی برس ہا برس کی عرق ریزی کے بعد ایسے منتخب اشعار کی تشریح شامل کی ہے جو زبان زدِ عام ہیں۔ قارئین کے لیے مولانا رومؒ کی بیان کردہ انسانی زندگی میں کام آنے والی عشق کی کارفرمائیاں اور اُس کے وہ خوبصورت پہلو جس سے انسان اپنی زندگی

میں گوناں گوں کامیابیاں حاصل کرتا ہے یکجا کردی گئیں ہیں۔ اُنھی کے لئے علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ مولانا ایک مرشد روشن ضمیر اور کاروانِ عشق ومستی کے امیر ہیں، اُن کو رفیق راہ بناؤ وہ جدھر تمھیں لے جائیں اُدھر جاؤ۔

نشان منزل

اوراق:313 قیمت:150روپے

مسلمانوں کی آج کی حالتِ زار ان کی اسلام سے دوری کی وجہ سے ہے۔ اس دوری کی متفرق وجوہات پیش کرتے ہوئے مولف کی قرآن و حدیث کی رو سے حل تلاش کرنے کی سعی قابلِ تحسین ہے۔ مصنف نے مسلمانوں کی بے عملی میں حائل چھ نکات رقم کیے ہیں۔ ایمان کی تقویت کے لئے قرآنی، عقلی، سائنسی اور مشاہداتی دلائل اس طرح پیش کیے گئے ہیں کہ قارئین کے دل دین اسلام کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ پابندی صوم وصلوٰۃ کے خواہشمند حضرات کے لئے یہ ایک موزوں کتاب ہے۔

حضور قلب

اوراق:341 قیمت:250روپے

اس کتاب میں خشوع وخضوع اور حضور قلب کے لئے علم اور روحانیت کا ذخیرہ یکجا کیا گیا ہے۔ قرآن وحدیث سے اس موضوع کی اہمیت کو واضح کیا گیا ہے۔ اولیائے کرام کی زندگیوں کے روح پرور واقعات اس کتاب کی زینت ہیں۔ مولانا رومؒ اور علامہ اقبال کے کلام کا احاطہ یوں کیا گیا ہے کہ جہاں یہ قارئین کے انتہائی دلچسپی کا باعث بنتا ہے وہاں اُن کی عبادات میں اخلاص پیدا کرنے کا سبب بھی بنتا ہے۔

حسن نماز

اوراق:932 قیمت:350روپے

اس کتاب میں مسلمانوں کو اسلام کے بنیادی رکن نماز کی اہمیت سے آگاہ کرنے کے بعد وہ عناصر بیان کئے گئے ہیں جن کی بنیاد پر سالک اپنی نماز کو معراج کی منزل تک لے جا سکتا ہے۔ مصنف نے قارئین کو نماز کے اغراض ومقاصد کے علم کے ساتھ ساتھ نماز کے معارف، فضائل اور دیگر روحانی پہلوؤں سے آگاہ کیا ہے۔ متلاشیانِ حق، نماز کے آداب باطنی اور ظاہری کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے اس کتاب سے فیض حاصل کر سکتے ہیں۔

مجلس اقبال

اوراق:716 قیمت:385روپے

اس کتاب کی مدد سے علامہ اقبال کے کسی بھی فارسی شعر کو تلاش کیا جا سکتا ہے۔ (بحوالہ کلیاتِ اقبال مرتبہ غلام علی اینڈ سنز) یہ کتاب طلباء، علماء اور محققین کے لیے مفید ثابت ہو سکتی ہے۔ تفہیم اشاریہ کے لئے نکات، فارسی سمجھنے کے آسان طریقے، فارسی زبان کی چند گردانیں اور فارسی زبان کے الفاظ کا ذخیرہ اس کتاب میں قارئین کی سہولت کے لئے ڈال دیئے گئے ہیں۔

تھذیب نفس

اوراق:650 قیمت:400روپے

انسان نفس و روح کا مرکب ہے۔ روح منبع خیر اور نفس منبع شر ہے۔ اس کتاب میں فاضل مصنف نے حقیقت انسان پر روشنی ڈالتے ہوئے نفس کا مفہوم، اہمیت، اقسام ومدارج، قلب، عقل اور روح پر اس کے اثرات اور حقوقِ نفس پر عالمانہ ومحققانہ بحث کی ہے۔ آفاتِ نفس اور اس کے باریک خطرات سے قارئین کو مطلع کرنے کے بعد نفس کے علاج پر قرآن وحدیث اور اقوال صحابہ واولیاء کی روشنی میں سیر حاصل گفتگو فرمائی ہے۔ جسے پڑھ کر نہ صرف تنقیح مسئلہ ہوتی ہے بلکہ اصلاح ذات کا داعیہ بھی بیدار ہوتا ہے۔

ثنائے خواجہ

اوراق:200 قیمت:150روپے

حضرت پیر عبداللطیف خان نقشبندی نے جہاں بے پناہ نثری علمی کام کیا ہے وہاں آپ نے شاعری کا ذوق لطیف بھی خوب پایا ہے۔ جس کا عکس تمام کتابوں میں واضح ہے۔ آپ نے اپنی زندگی میں مختلف مواقع پر جو کلام ارشاد فرمایا جس میں محامد، نعتیں، منقبتیں اور بالخصوص احیائے اسلام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لئے قومی بیداری کی غرض سے جو نظمیں لکھی، انہیں ثنائے خواجہ کے نام سے مرتب کیا گیا ہے۔ آپ نے اردو اور فارسی دونوں زبانوں میں طبع آزمائی فرمائی ہے اور وہ سب اس کتاب کا حصہ ہیں۔

مکتوبات لطیف:

"مکتوباتِ لطیف" جیسا کہ نام سے ظاہر ہے آپ کے اپنے محبین، معتقدین اور مریدین کو مختلف مواقع پر لکھے گئے خطوط ہیں۔ آپ کے مکتوبات بھی آپ کی عالمانہ، محققانہ شان کو ظاہر کرتے ہیں۔ مکتوبات کے مطالعہ سے آپ کا اپنے ساتھیوں کی اصلاح کا مخلصانہ جذبہ ظاہر ہوتا ہے۔ یہ مکتوبات جہاں قارئین کے لیے روحانی فیض کا سبب بنیں گے وہاں پیر صاحبؒ کے خلوص کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

پیر صاحب علیہ الرحمۃ کی زیر طبع تصانیف

متعلقات زوجین
مسلکِ اولیائے امت
مسئلہ تقدیر
متاعِ اخلاق
اکتسابِ رزق وانفاق
عقل، عشق اور جنون
سرمایۂ ملت
تعلیماتِ اقبال